ہم نے آپ کے والد بزرگوار سے نہایت ادب سے کہا تھا آپ کی خد
کچھ سفارش کرنے کو کہا تھا شاید دنیا سے کوچ کرتے وقت اُنھین ہماری وہ
خد اور ہمارے بارے مین آپ کو کچھ وصیت کر گئے ہون۔ اگر ہماری یہ امید صحیح
تو ہمارا کچھ نہ کچھ خیال ضرور ہو گا۔ ہماری درخواست یہ ہی کہ اب ہم مین زیادہ جدو
اور معرض امتحان مین ٹھہرنے کی تاب نہین ہی۔ ہم جس قدر اپنا خون بہا چکے ہین وہ ا
اور حق جان نثاری بجا لانے مین کافی سمجھا جائے۔

اس مین شک نہین کہ آپ کے بزرگون نے جنگ و پیکار اور قتل و غ
دفع کرنے کی تدبیرین کین اور بعض جنگجو قومون کو بیکار کر دیا۔ مگر یہ سزا ہی کا کوڑ
جانب پڑتا رہا۔ جس کی وجہ سے اس کی نوبت نہین آتی کہ ایک جانب کمزوری پ
کمزور فریق صلح کرنے پر مجبور ہو جائے۔ آپ نے اگر ایک طرف ترکون کی ترکی
تمام مقدس و محترم مقامون کو اُن کے قبضے سے نکال لیا تو دوسری طرف رد
صوبے چھنوا کے اُسے بھی بیکار کر دیا۔ ترکون کی کمزوری سے جتنا اچھا اثر لڑائی پر پہنچ
تھا اُس سے زیادہ نقصان ہمین روس کے ہمت ہار دینے سے پہونچ گیا۔ جس
روس کو ہرایا ہی اور دنیا کے زبردست اسٹیم رولر کی کل بگاڑ دی ہے اُسی طرح
کیسے یہ نہ ہو سکتا تھا کہ جرمنی کی توپون مین کیڑے پڑ جاتے؟ مگر نہین آپ ہمارے
کی جنبہ داری کر رہے ہین۔ اور اس کا خیال نہین کرتے کہ ہم حق پر ہین اور وہ
ہم تہذیب اور امن و امان کے حامی ہین اور وہ وحشت ناکی اور قتل و غارت۔

یہ تو ہم کو یقین ہے کہ فتح اُسی کی ہو گی جو حق پر ہے۔ لیکن آپ سے فق
ہی کہ یہ انجام نیک آپ ہی کے دور مین انجام پا جاتا تو ساری دنیا پر احسان ہو
آپ کا نام قیامت تک کے لیے روشن ہو جاتا۔

شہر واسط اور اس کا بانی

عراق مین جس جگہ دجلہ و فرات ملے ہین وہان سے تھوڑی دور آ
دریاے دجلہ کے مغرب جانب بیس پچیس میل ہٹ کے ردوشط الحی کے
ایک پرانا کچھ کم بارہ سو برس کا آباد کیا ہوا تاریخی شہر ہے۔ واسط۔ جب

اپنے نفیس "واسطی قلمون" کے اعتبار سے ساری دنیا مین شہرت حاصل ہے اور ہمارے روشن خیال تعلقدار سندیلہ منشی التفات رسول صاحب کا خاندان بھی اسی شہر کی جانب منسوب ہے جس بنا پر ہمین اس سے اور زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی۔ فی الحال یہ بھی قدامت کے اُن قابل قدر تبرکات مین سے ہے جو دولت برطانیہ کو عراق کی مہم مین ہاتھ آئے ہین۔ موجودہ زمانے مین تو غالباً یہ ایک اُجڑی ہوئی مصیبت زدہ بستی ہو گی مگر اُن دنون جب یہ بسایا گیا ہے ایک بڑا بھاری شہر تھا اور بڑے قہار شخص کے ہاتھون سے اس کی بنیاد بھی پڑی تھی۔ اس لیے کہ حجاج ابن یوسف ثقفی کے ایسے سنگدل شخص نے سنہ ۸۳ھ مین اسے آباد کیا۔ اور بنیاد وہ ہولناک قیدخانہ اس مین قائم کیا جو اُس زمانے مین سب سے بڑا دنیاوی جہنم تھا۔

اس شہر کے آباد کرنے کا محرک ایک عجیب دلچسپ واقعہ ہوا۔ وہ یہ کہ حجاج نے اہل کوفہ مین سرکشی و سرتابی کا مادہ دیکھ کے بہت سے شامی عسکریون کو کوفے مین لا کے رکھا تاکہ کسی کو بنی اُمیہ کے خلاف سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہو جس خاندان کے زبردست خلیفہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے وہ عراق کا اور اُس کے ساتھ تمام مشرقی ممالک مقبوضہ دولت عرب کا والی تھا۔ اسی دوران مین اُس نے چاہا کہ سپہگران کوفہ کا ایک لشکر مرتب کر کے کسی مہم پر خراسان کی طرف روانہ کرے۔ اِس کوفی لشکر کے جمع ہونے کے لیے اُس نے کوفے کے قریب مقام "اُم عمرو" مین ایک کیمپ قائم کیا جہان کوفے سے منتخب ہو ہو کے سپاہی جاتے۔ اور ٹھہرتے تاکہ پورا لشکر مرتب ہو تو مشرق کی طرف کوچ کرین۔

اتفاقاً اہل کوفہ مین سے ایک نوجوان شخص فوج مین بھرتی ہو کے پڑاؤ مین گیا۔ مگر چند ہی روز ہوئے اُس کی شادی ہوئی تھی۔ اپنی نوخیز دلہن سے ملنے کے شوق مین وہ ایک رات کو پڑاؤ سے نکل کے اپنے گھر مین آیا کہ رات محبوبۂ پری جمال کے آغوش مین بسر کرے اور صبح تڑکے قبل اس کے کہ کسی کو خبر ہو کیمپ مین واپس چلا جائے۔ گھر مین وہ اپنی محبوبہ کے پاس لیٹا تھا کہ کسی نے بڑی زور زور سے دروازہ دھمدھمایا۔ اُٹھ کے دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک شامی سپاہی جو شراب سے مخمور اور بدمست ہے بدکاری و بدمعاشی کے ارادے سے گھر مین گھسنا چاہتا ہے۔ اتنے مین نوجوان کی دلہن نے جو وفور محبت سے دروازے تک اُس کے ساتھ چلی آئی تھی غیور و نوعمر شوہر سے کہا "اس بدمعاش شامی نے ہمین زندگی سے عاجز کر دیا ہے۔ روز رات کو آ کے ستایا کرتا ہے اور ہماری آبرو لینے کے درپے ہے۔ گھنٹون دروازے پر اڑا رہتا ہے

اور خدا جانے کس قدر ہنگامہ مچا کے واپس جاتا ہے۔ مین نے شامی سردارون کے پاس بھی جا کے اِس کی شکایت کی مگر کہین شنوائی نہین ہوتی۔" یہ واقعات سُن کے نوجوان کوفی کو طیش آیا اور محبوبہ بیوی سے کہا "تم کہو تو مین اس سے سمجھ لون" جواب ملا "مین اوجاہتی کیا ہون؟" بیوی کا اشارہ پاتے ہی غیور نوجوان تلوار لے کے بڑھا۔ اور دو ہی ایک وارون مین اُس شامی شرابی کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد دروازہ بند کر کے لیٹ رہا اور جیسے ہی صبح کی اذان ہوئی اُٹھ کے مُنہ اندھیرے اپنے پڑاو کی راہ لی۔ گر جاتے وقت نو عروس بیوی سے کہتا گیا "میرے جانے کے بعد تم فجر کی نماز پڑھنا اور اُس کے بعد خود جا کے شامیون سے کہہ دینا کہ اپنے مقتول رفیق کو اُٹھا لے جائین۔ وہ غالباً حجاج سے جا کے شکایت کرین گے اور وہ تم کو بلا کے پوچھے گا کہ یہ شامی کیونکر مارا گیا۔ اُس وقت تم بلا تامل سچا سچا واقعہ بلاکم وکاست بیان کر دینا۔"

کوفی نوجوان کے جانے کے بعد پاکدامن نازنین نے یہی کیا۔ حجاج کے سامنے فریاد ہوئی۔ اور اُس نے اُس نازنین دلھن کو اپنے سامنے بلوایا۔ نازنین نے جو کچھ واقعات گزرے تھے اُس کے سامنے صاف صاف بیان کر دیے۔ ایک نوخیز نوعروس کی سادگی صفائی۔ اور سچائی نے حجاج کے دل پر بڑا اثر کیا۔ بولا "تم بالکل سچی ہو" اور شامی فریادیون سے کہا "اپنے بدمعاش مقتول کو لے جا کے گاڑ دو۔ نہ اُس کی کوئی خون بہا ہے اور نہ اُس کے خون کے انتقام مین کوئی سزا۔ خدا ہی نے اُسے قتل کر کے جہنم رسید کیا" اِس فیصلے کے ساتھ ہی اُس نے سارے لشکر اور کوفے کی آبادی مین ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ خبردار کوئی سپاہی کسی کے گھر پر نہ جاے۔ اور نہ شہر پر کسی قسم کی دست برد کرے۔" پھر حکم دیا کہ اہل شام کوفے کی آبادی کے باہر جا کے اپنا پڑاؤ ڈالین۔

ساتھ ہی حجاج کو فکر ہوئی کہ اس اپنے طرفدار شامی لشکر کے ساتھ جا کے کہین اور قیام کرے۔ اس لیے کہ کوفے مین بنی امیہ کے دشمنون کی کثرت تھی بغیر ایک زبردست لشکر کے رہنا مناسب نہ تھا۔ اور نہ یہ اچھا معلوم ہوتا تھا کہ شامیون کے ہاتھ سے اہل کوفہ پر ظلم ہو۔ دوسرے مقام کے تلاش کرنے کے لیے اُس نے ایک واقف کار رہبر کو روانہ کیا کہ قریب ہی کوئی ایسی جگہ ڈھونڈھ نکالے جو شامی فوج اور اُس کے ٹھہرنے کے لیے مناسب ہو۔

پھر خود بھی کوفے کی آبادی سے کوچ کر کے اُس مقام پر خیمہ زن ہوا جہان اب شہر واسط آباد ہے۔ وہان ایک دن کیا دیکھتا ہے کہ ایک مسیحی راہب گدھے پر سوار آرہا ہے۔ اُسکے قریب پہونچ کر گدھے نے پیشاب کیا۔ راہب فوراً گدھے سے اُتر پڑا۔ وہ ساری زمین جو پیشاب سے تر ہو لی تھی کھود دی۔ اور خوب کھرچ کے مٹی کو دریا مین پھینک دیا۔ اب وہ گدھے پر سوار ہو کے آگے بڑھنے کو تھا کہ حجاج نے اُسے اپنے سامنے بلوا کے پوچھا یہ مٹی کھود کے تم نے دریا مین کیون بہا دی؟" اُس نے کہا "ہم نے کتابون مین دیکھا ہے کہ اس جگہ خدا کا ایک عبادت کدہ بنے گا۔ اور اُس مین جب تک دنیا مین ایک موحد بھی باقی رہے گا خدا ے وحدہ لاشریک کی عبادت ہوتی رہے گی۔" یہ سنتے ہی حجاج نے اُس جگہ واسط کی بنیاد ڈال دی۔ اور عین اُس جگہ جہان کی مٹی راہب نے کھود دی تھی عظیم الشان جامع مسجد تعمیر کی۔"

علامہ یاقوت حموی ایک گروہ رُواۃ کی سند سے بیان کرتے ہین کہ حجاج کو اہل کوفہ سے بہت صدمے پہونچے۔ اور اُن کے دلون مین اپنی طرف سے بُغض پایا تو ایک ہوشیار و تجربہ کار شخص کو حکم دیا کہ میرے لیے ایک ایسا قطعۂ زمین ڈھونڈھ نکالو جس پر مین ایک نیا شہر بساؤن۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ کسی ندی کے کنارے ہو۔" وہ شخص گیا۔ اور پھرتے پھرتے ایک گاؤن مین پہونچا جو "واسط القصب" کہلاتا تھا۔ قصب نرکل یا قلم کے نیزے کو کہتے ہین۔ جو وہان ایسے اچھے اور اِس کثرت سے پیدا ہوتے تھے کہ اُنھین کے نام سے شہرت ہو گئی۔ اس گاؤن مین وہ ایک روز رہا تو رات سُہانی نظر آئی اور دن خوشگوار۔ جو ندی جاری تھی اُس کے پانی کو چکھا تو نہایت پاک و صاف شیرین ہلکا اور لطیف تھا۔ لوگون سے پوچھا "کوفہ یہان سے کتنی دور ہے؟" جواب ملا "چالیس فرسخ"۔ پوچھا "اور مدائن؟" معلوم ہوا وہ بھی چالیس فرسخ ہے۔ اس کے بعد بصرے اور اہواز کو دریافت کیا۔ وہ بھی چالیس ہی فرسخ پر بتائے گئے۔ یہ سُن کے اُس نے کہا یہ بستی خوب وسط مین واقع ہوئی ہے۔" اس کے بعد حجاج کو اِس خطے کی تعریف لکھ بھیجی۔ اور اُس کے تمام حالات لکھے۔ حجاج نے جواب دیا "اُس خطے کو فوراً وہان کے دہقان (زمیندار) سے خرید لو"۔

یہ زمین داوردان نام ایک پارسی زمیندار کی ملکیت تھی اُن سے جو حجاج کا ارادہ بیان کر کے اُس زمین کے خریدنے کو کہا گیا تو کہنے لگا "یہ جگہ حضور امیر کے

کام کی نہین ہے۔ اس مین تین عیب ہین۔ اول تو زمین پولی ہے عمارت کی بنیاد مضبوط نہین ہو سکتی۔ دوسرے یہان بڑی سخت گرمی ہوتی ہے۔ اور باد سموم چلتی ہے یہان تک کہ فضا مین اُڑتے ہوے طائر لو اور تپش سے گر کے مرجاتے ہین۔ تیسرے یہان رہنے والون کی عمرین کم ہوتی ہین"! یہ حالات حجاج کو لکھے گئے تو اُس نے لکھا "معلوم ہوتا ہے یہ شخص نہین پسند کرتا کہ ہم اُس کے قریب رہین اُس سے کہو ہم وہان نہرین کھود دین گے اچھی عمارتین بنائین گے۔ زراعت کو ترقی دین گے اُس کے ساتھ اچھا سلوک کرین گے۔ اور ہم سے اُس کے مقاصد پورے ہون گے۔ اب رہے اُس زمین کے عیوب تو سُنو۔ اگر زمین پولی ہے تو ہم اچھا چبوترا [illegible] کے مکانون کی بنیاد مضبوط کر لین گے۔ گرمی کی ہمین پروا نہین اور عمرون کا کم و زیادہ ہونا خدا کے ہاتھ ہے جو چاہے گا کرے گا۔ ہمین اس مین دخل نہین۔ اور جتنی عمر خدا نے مقرر کر دی ہے وہ ضرور پوری کر لین گے"!

بہر تقدیر یہ زمین مول لے لی گئی۔ اور حجاج نے آغاز سنہ ۸۳ھ مین خود آکے شہر کی بنیاد ڈال دی۔ اور ایسی مستعدی سے کام شروع کیا کہ سنہ ۸۶ھ مین اُسے مکمل کر لیا۔ گرد و پیش کے کئی شہرون کے پھاٹک اکھڑوا کے اپنے قصر اور مسجد مین لگا لیے۔ اور اُن شہرون کے لوگون نے لاکھ غل مچایا شنوائی نہ کی۔ تعمیرین اُس نے اپنا عظیم الشان قصر عالیشان جامع مسجد شہر پناہ۔ اور اُس کے گرد دوہری کھائیان بنوائین۔ اِن کامون کے لیے اُس نے چار کرور تیس لاکھ درہم خزانے سے نکالے مگر اُس کے معتمد نے کہا "اگر امیر المومنین نے اِس اصراف پر اعتراض کیا تو آپ کیا جواب دین گے؟ بہتر ہو کہ اِس رقم کا زیادہ حصہ مہمات جنگ مین لگایا جائے" اس مشورے کے مطابق حجاج نے اُس مین سے نوے لاکھ درہم تعمیر کے لیے علحدہ کر لیے باقی رقم مہمات جنگ مین لگا دی۔

مذکورہ عمارتون کے علاوہ حجاج نے اور بھی بہت سی عمارتین بنوائین قصر وغیرہ کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ قصر کا طول و عرض چار ہزار گز مربع اور مسجد دو سو گز مربع تھی۔ شہر پناہ کے اندر متعدد بازار اور کئی پارک بنوائے جن مین ایک لوہارون کے بازار کے سامنے تھا وہ ۳۰۰ گز مربع تھا۔ دوسرا قصائیون

کے بازار کے سامنے تھا۔ یہ تین سو گز لمبا اور سو گز چوڑا تھا۔ اور اُس مین ایک حوض بھی تھا۔ اور ایک پارک دو سو گز لمبا اور سو گز چوڑا تھا۔ اسی شہر مین حجاج نے اپنا مشہور قید خانہ بنوایا جس مین ۳۳ ہزار اسیر بند تھے۔ اور اُن مین سے ایک بھی ایسا نہ تھا جو سوا دشکل الزامون کے کسی جرم کا مرتکب اور مجرم ہو۔

محمد بن قاسم نے اُسے سندھ سے ایک ہاتھی بھیجا تھا۔ جہان سے ریگستان شروع ہوا وہ جہاز مین سوار کر کے لایا گیا۔ اور واسط کے جس گھاٹ پر اُتارا گیا تھا اُس کا نام "شریعۃ الفیل" ہو گیا

جب شہر اور قصر بن کے تیار ہو گیا اور حجاج اُس مین آ کے رہا تو اُسے یہ مقام بہت پسند آیا اور بڑے لطف و عیش مین کٹنے لگی۔ مگر رہتے چند ہی روز ہوئے تھے کہ اُس کی ایک چاہیتی اور پری جمال محبوبہ پر جن کا سایہ ہو گیا۔ نہایت پریشان ہوا اور کوفہ مین آدمی بھیج کے عبداللہ ابن ہلال کو بلوایا جو بہت مشہور عامل اور مقبول عام سیانا تھا۔ اور اپنے کمالات کی وجہ سے "شیطان کا رفیق" کہلاتا تھا۔ اُس نے آتے ہی اپنے عمل سے اُس نازنین کو اچھا کر دیا۔ مگر حجاج نے کہا "مجھے اندیشہ ہے اِس قصر مین کسی جن وغیرہ کا گزر نہ ہو" عبداللہ نے اس کے تدارک کا بھی وعدہ کیا۔ اور تیسرے روز ایک گولا لے کے آیا جس مین کڑا لگا تھا اور اُس کے مُنہ پر مہر لگی ہوئی تھی۔ اس گولے کو دکھا کے عبداللہ نے کہا "قصر کو نپوائیے تاکہ مین اُس کے بیچوں بیچ مین اس گولے کو دفن کر دون" حجاج نے کہا "اِس کا کیا ثبوت ہے کہ اِس گولے مین کوئی اثر ہے" اس نے کہا دس قوی ہیکل اور شہ زور آدمیون کو بلوائیے اور کہیے اسے زمین سے اُٹھا لین۔ دس شہ زور آئے اور سب نے لاکھ زور لگایا مگر گولا اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اس پر متحیر ہو کے حجاج نے اپنی لکڑی جو اُس کے ہاتھ مین تھی گولے کے کڑے مین ڈالی اور "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اِنَّ رَبَّکُمُ اللّٰہُ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِی سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ" کہہ کے جو اُٹھایا تو گولا پھول کی طرح اُٹھ آیا۔ یہ دیکھ کے حجاج نے گولا پھر زمین پر ڈال دیا۔ اور کچھ دیر سر جھکا کے سوچتا رہا پھر عبداللہ بن ہلال کی طرف رخ کر کے کہا "اپنا گولا اُٹھاؤ اور اپنے گھر جاؤ مجھے تمھارے سحر کی ضرورت نہین۔ میرے بعد کسی نے صحن کو کھودا اور یہ گولا نکلا تو کہے گا خدا حجاج پر لعنت کرے۔ جادو کے زور سے کامیابی حاصل کیا کرتا تھا۔

غرض عبداللہ بن ہلال واپس چلا گیا۔

اس واقعے سے حجاج کی باوجود اُس کے مظالم کے دینداری و خوش اعتقادی ظاہر ہوتی ہے۔ غالباً یہی دیکھ کے عبدالوہاب ثقفی کے سامنے لوگون نے حجاج کو برا کہا تو وہ بگڑے اور کہا اُس کی برائیان دیکھتے ہو اور یہ نہین دیکھتے کہ حجاج پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے دینار و درہم پر کلمۂ توحید نقش کرایا۔ وہی ہے جس نے صحابہ راشدین کے بعد اسلام مین پہلا شہر بسایا۔ وہی ہے جس نے عورتون کے لیے محملین ایجاد کین۔ وہی ہے کہ کسی مسلمان خاتون کو ہندوون نے سندھ مین پکڑ لیا تھا۔ وہ دشمنون کے ہاتھون اسیر ہوتے وقت چلائی "یا حجاج" اُس کا یہ کلمہ سنتے ہی اُس نے ستر لاکھ کی رقم صرف کر کے ہند و سند پر فوج کشی کی۔ اُس عورت کو چھڑایا اور سندو ہند کو فتح کیا۔ اور وہی ہے جس نے واسط سے قزوین تک مسلسل اونچے ٹیلرون پر یہ انتظام کیا کہ واسط مین دن کو آگ سُلگے تو وہان تک سب ٹیکرون پہ سلگ جائے اور رات کو یہان روشنی ہو تو وہان تک برابر مشعلین روشن ہو جایا اور اس اشارے سے ایک ہی دن مین خبر پہونچا دینے کا کام لیا جاے۔

علامہ یاقوت حموی جنھون نے سنہ ۶۲۶ھ مین وفات پائی شہر واسط کو بچشم خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ کہتے ہین کہ وہ بڑا عظیم الشان اور خوب آباد شہر ہے۔ اُس کے اطراف مین بڑے بڑے قصر و ایوان باغ اور قریے ہین میوہ جات کی کثرت ہے پھلدار درختون کی کوئی حد و نہایت ہی نہین ہے۔ اور ہر چیز نہایت سستی ہے۔ گھون کا ایک گھڑا بارہ مرغیان یا چوبیس چوزے۔ بارہ رطل (چھ سیر) گھی۔ چالیس رطل (بیس سیر) دہی ڈیڑھ سو رطل (۷۵ سیر) دودھ۔ اور سو رطل (۵۰ سیر) مچھلی ان مین سے ہر ایک چیز ایک درہم مین ملتی ہے۔

جس وقت حجاج نے واسط کو آباد کیا ہے اُن دنون عراق مین ایک پرانی قوم آباد تھی جو لوگ نبطی کہلاتے تھے۔ یہ بڑے فتنہ انگیز اور اسلام کے دشمن تھے۔ اگر حکام پر زور نہ چلتا تو مسلمان بن کے رعایا مین فساد پھیلاتے اور طرح طرح کے عقائد تصنیف کرتے۔ حجاج نے حکم دیدیا کہ تمام نبطی واسط سے نکل جائین۔ چنانچہ شہر اُن سے خالی ہو گیا۔ مگر حجاج کے مرتے ہی وہ پھر یہان آ کے بس گئے

اور مسلمانون کی فتح

اب لشکر اسلام اعدا کے نرغے مین گھرا ہوا تھا۔ بڑی سخت لڑائی ہو رہی تھی۔ اور مسلمانون کے لیے نہایت نازک وقت تھا۔ رومیون کو بھی کثرت پر غرہ ور ناز تھا۔ سپاہ چیدہ ان کا پشت پناہ تھا۔ ریل اور ڈھیل کے مسلمانون کو اُن نے غنیمون تک پہونچا دیا اور رومیون کو یقین ہو گیا کہ ہم مسلمانون کو دم بھر مین پیس کے رکھ دین گے۔ مسلمانون نے جو یہ حالت دیکھی تو سب شہادت کے لیے تیار ہو گئے۔ اور کوئی سرزمین ہوتی تو شاید کسی کو بھاگ کے جان بچانے کا بھی خیال ہوتا۔ مگر یہان ہر جگہ دشمن ہی دشمن تھے۔ کہین پناہ ملنے کی امید نہ تھی۔ سب نے دل مین ٹھان لی کہ شکست سے یہی اچھا ہے کہ سب یہین کٹ کے ڈھیر ہو جائین۔ حسن بن عمار نے نعرہ تکبیر بلند کر کے للکارا اور سب کے سب دشمنون پر پل پڑے۔ ساتھ ہی رومی سردارون نے بھی اپنے بہادرون کو للکارا۔ اور اُن کے سپہ سالار اعظم سمبول نے اپنے جانبازون کے ساتھ صف شکن حملہ کیا۔ جو مسلمان اُس کے سامنے آئے اُس کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ اُسے ایسا شدید حملہ کرتے دیکھ کے مسلمان اُسی پر ٹوٹ پڑے۔ اور خیال کیا کہ اگر اِس کا کام تمام کر دیا تو میدان ہمارے ہی ہاتھ رہے گا۔ بہت سے بہادران عرب نے اُس پر نیزے مارے۔ مگر کوئی حربہ کارگر نہ ہوتا تھا۔ وہ خود زرہ جیشہ دریاے آہن مین غرق تھا۔ نہ اُس پر تلوار کارگر ہوتی تھی اور نہ نیزہ کام کرتا تھا۔ آخر مسلمانون نے اُس کے گھوڑے کو زخمی کر کے گرایا۔ اور جیسے ہی مقتول زمین پر گرا سب نے چارون طرف سے یورش کر کے اُسے مار ڈالا۔ پھر اِس کے بعد اُس کے ہمراہیون پر ایسی یورش کی کہ اُن مین سے بھی اکثر قتل ہو گئے۔ اور جو بچے بہادران اسلام کی شجاعت کا لوہا مان کے پیچھے ہٹے۔ اتنے مین رومیون کو اپنے سپہ سالار اعظم کے مارے جانے کا حال معلوم ہوا۔ رُخ چھوٹ گئے۔ لشکر اعدا بدحواس ہو کے ہر طرف بھاگنے لگا۔ مسلمانون نے تعاقب کیا۔ اور برابر رگیدتے اور قتل کرتے ہوے اتنی

دور تک چلے گئے کہ مغرور رومیون کو اپنے آگے ایک بہت بڑی کھائی ملی جس نے راستہ روک دیا۔ آگے قعر جہنم تھا اور پیچھے فرشتۂ اسے موت۔ مگر رومی مسلمانون کی تلوارون سے اسقدر خائف تھے کہ برابر اُس گڑھے مین بھاگ لگے تاکہ قتل ہونے سے بچین۔ گڑھے کے اندر ایک دوسرے پر گرنے سے وہان تحت الثریٰ مین اُن مین باہم لڑائی شروع ہوگئی۔ اور یہ حالت تھی کہ اوپر سے تو مسلمان اُنھین مار مار کے گرا رہے تھے۔ اور نیچے وہ خود ایک دوسرے کو قتل کر رہے تھے۔ یہان تک کہ وہ گڑھا کشتون سے پٹ گیا غرض رومی بہت بُری طرح سے اور بڑی ذلت کے ساتھ قتل ہوئے اور اُس کوئی ہی کی طرف نہین ہر طرف بھاگے اور جدھر جاتے قتل ہوتے۔

یہ لڑائی صبح کو شروع ہوئی تھی۔ عصر کے وقت ختم ہوئی۔ اور آخر مغرب تک مسلمانون نے ہر طرف بھگا بھگا کے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کے رومیون کو قتل کیا۔ بے انتہا دولت و سامان اور ہزارون اعلیٰ درجے کے قیمتی اسلحہ ہاتھ آئے۔ اِنھین تلوارون مین ایک عجیب تاریخی اور لاجواب شمشیر آبدار ملی جس پر لکھا تھا۔ "یہ سیف ہندی ہے اس کا وزن ایک سو ستر مثقال ہے۔ اور بارہا اِس نے رسول اللہ صلعم کے سامنے کام دیا ہے"۔ چنانچہ یہ تلوار مع قیدیون لونڈیون۔ غلامون۔ اور نامور سردارون کے بے شمار سرون کے ساتھ معز کے پاس مہدیہ مین بھیج دی گئی۔

مغرور رومیون مین سے جو زندہ بچ سکے وہ گرتے ہوئے شہر ریو مین پہونچے۔ اور وہان جا کے اُنھین پناہ ملی۔

فتح رمطہ

اس رومی لشکر کو جب پوری شکست ہوگئی تو اہل رمطہ کے حواس جاتے رہے۔ لیکن اس مایوسی پر بھی اُنھون نے ہمت کی۔ اور پھاٹک بند کر کے مقابلے کو تیار ہو گئے۔ مگر خرابی یہ تھی کہ شہر مین رسد باقی نہ تھی۔ لہذا اُنھون نے

یہ کارروائی کی کہ شہر کے اندر جتنے کمزور اور معذور لوگ تھے سب کو اُنھون نے نکال کے باہر کر دیا۔ کئی عورتین اور بچے بھی شہر کو چھوڑ کے چلے گئے۔ فقط لڑنے والے رہ گئے یہ کارروائی ہو چکی تھی کہ مسلمانون نے آکے محاصرہ کر لیا۔ اور محاصرے کے ساتھ ہی شہر پہ زور و شور سے دھاوا بھی کر دیا۔ اتنے مین رات ہو گئی مگر رات بھی اُن کے جوش کو نہ روک سکی۔ فتح نے ایسے حوصلے بڑھا دیے تھے کہ رات کو اندھیرے مین شہر والون سے فصیل کی پوری دیکھ بھال نہ ہو سکی اور مسلمان حملہ آور سیڑھیان لگا لگا کے جابجا شہر پہ چڑھ گئے۔ یہان سے اندر کود کے پھاٹک کھول لیے اور سارا لشکر اسلام اندر گھس پڑا۔ اب مسلح دشمنون کا قتل عام ہو رہا تھا۔ اسباب لوٹا جاتا جاتا تھا جو عورتین اور بچے شہر مین باقی تھے گرفتار ہو رہے تھے۔ اب چونکہ شہر مسیحیون سے خالی تھا اس لیے اُس مین مسلمان بسائے گئے۔ اور چند روز مین مفرورین بھی واپس آئے۔ اور شہر کی آبادی رونق پہ ہو گئی۔

یوم المجاز یعنی زبردست بحری جنگ

بقیۃ السیف شکست خوردہ جنھون نے ریو مین جا کے پناہ لی تھی اُنھون نے ریو کے بھی بہت سے لوگون کو اپنے ساتھ کیا اور جہازون پہ سوار ہو کے چلے کہ اس ناکامی و نامرادی کی سرزمین سے بھاگ کے کسی امن و امان کی جگہ پہونچ جائین مگر ان کے بھاگنے کی خبر امیر احمد بن حسن حاکم صقلیہ کو بھی پہونچ گئی۔ اُس نے فوراً اپنا ایک تیز رو بیڑا تیار کیا۔ اور زبردست لشکر اور نامور بہادرون کو اُس پہ سوار کرا کے چلا کہ روبہ فرار دشمنون کو روکے۔ چنانچہ سمندر کے اندر اُنھین جا لیا۔ اور سامنا ہوتے ہی حملہ کر دیا۔ پھر ایک سخت بحری لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی مین جوش مین بھرے مسلمانون نے یہ کارروائی کی کہ اُن کے بہت سے پیراک جانباز سمندر مین پھاند پڑے اور دشمنون کے جہازون کو توڑتے۔ اور توڑ توڑ کے ڈبو دیتے یہانتک کہ اکثر رومی جہاز اِن بہادرون کی کوشش سے ٹوٹ ٹوٹ کے ڈوب گئے۔ رومی جو اُن پہ سوار تھے اُن مین سے اکثر ڈوب گئے۔ اور بہت سے مارے

گئے۔ جو جان بچے اُن کی یہ حالت ہوئی کہ جس کو جدھر موقع ملا بے تحاشا بھاگا۔ اور اس طرح منتشر ہو گئے کہ ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی۔ اس بحری لڑائی مین چونکہ مسلمانون نے پانی منجھا کے یورش کی تھی اس لیے اس کا نام اہل اسلام مین "یوم المجاز" ہو گیا۔ افریقیہ کے مسلمانون مین یہ بڑی مشہور لڑائی تھی جو ۳۵۴ھ مین پیش آئی۔

بلاد اٹلی پر عام یورشین

اب دشمنون کو پسپا و پامال کر کے مسلمانون کے مختلف لشکر جنوبی اٹلی کے مختلف شہرون کی طرف روانہ ہوئے۔ جو شہر سامنے آیا اُس پر حملہ کر دیا۔ اور استنے شہرون پر ایک ہی وقت مین بھری تاختین ہوئین کہ دیہون مین ہر جگہ ہل چل پڑ گئی۔ رعایا شہرون کو چھوڑ چھوڑ کے بھاگنے لگی۔ اور جو لوگ گھرون کو چھوڑ کے نہ بھاگ سکے اُن پر عربی تلوارون کا اس قدر رعب پڑا ہوا تھا کہ جس شہر پر عرب پہونچتے شہر والے مرعوب ہو جاتے اور جتنی رقم نذرانے یا جرمانے کے طور پر مانگی جاتی فوراً ادا کر کے اپنی جان بچاتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ امیر صقلیہ کا خزانہ چند ہی روز مین دولت سے مالا مال ہو گیا۔ اور گرد و پیش کے جزائر اور جنوبی صوبجات اٹلی پر اُن کی ہیبت چھا گئی۔

امیر احمد کا غلام یعیش والی صقلیہ

اس کے بعد ۳۵۹ھ تک امیر احمد بن حسن بن علی برابر صقلیہ پر حکومت کرتا رہا۔ اور بلاد اٹالیہ پر اُس کے مسلسل حملے جاری رہے۔ سنہ مذکور مین خلیفہ المعز لدین اللہ فاطمی نے جبکہ وہ مصر اور بلاد شام کے فتح کرنے مین مصروف تھا اس بہادر و کارگزار امیر صقلیہ کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور اُس کی جگہ اُس کے غلام یعیش کو والی صقلیہ مقرر کر دیا۔

مسلمانان صقلیہ مین پہلا باہمی جھگڑا

صقلیہ مین مسلمان والیون نے ایک "دار الصناعہ" یعنی کارخانہ قائم کر رکھا تھا جس مین فقط بنی کتامہ کے غلام کام کیا کرتے تھے۔ ہمین یہ نہین معلوم کہ اس کارخانے مین کون کون چیزین بنتی تھین۔ بس یہ معلوم ہے کہ اُس پر غلامان بنی کتامہ نے اپنا حق پیدا کر لیا تھا۔ غلام والی نے کوشش کی کہ تمام قبائل افریقیہ دوسرے لوگون کو اُس کارخانے مین شریک کرے۔ اور سب کو فنون وصنائع کی تعلیم دے۔ اِس تعمیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ غلامان بنی کتامہ اور ان دیگر قبائل عرب مین جو صقلیہ مین جا کے متوطن ہو گئے تھے۔ فساد ہوا۔ اور وہ فساد یہان تک بڑھا کہ قتل و خونریزی کی نوبت پہونچ گئی۔ آخر دیگر قبائل والون کی یورش سے بہت سے غلامان کتامہ قتل ہو گئے۔ جس سے ہنگامہ اور بڑھا۔ یعیش نے دونون گروہون کے سرغنا ؤن کو بلا کے صلح کرانی چاہی۔ مگر اِس کوشش مین ناکامی ہوئی۔ اور کسی فریق نے سماعت نہ کی۔ انجام مین مفسد اور شورش پسند لوگ چارون طرف پھیل گئے۔ اور صقلیہ کے ہر شہر مین لوٹ مار مچ گئی۔ رعایا مین قتل و خون جاری ہو گیا۔ اور یعیش کے بنائے کوئی تدبیر نہ بن پڑتی تھی۔ اب بلوائیون نے اُن قلعون پر بھی دست درازی شروع کر دی جو ذمیون اور اسلامی حکومت کے وفادار وجز یہ گزار مسیحی حاکمون کے قبضے مین تھے۔ چند روز مین یہ خبر خلیفۂ المعز کو پہونچی۔ وہ اپنی اِس غلطی پر پچھتایا کہ ایک اچھے مدبر کو ہٹا کے ایسا زبردست جزیرہ ایک کمزور غلام کے ہاتھ مین دیدیا۔ چنانچہ اُس نے فوراً یعیش کو ولایت سے معزول کر دیا۔ اور اُس کی جگہ پھر پہلے والی احمد بن حسن بن علی کو والی مقرر کیا۔

امیر ابو القاسم بن حسن بن علی نائب والی صقلیہ

مگر چونکہ احمد بن حسن ایسے خدمات سلطنت مین مصروف تھا کہ اُس کا صقلیہ مین جانا غیر ممکن تھا اس لیے المعز ہی کے حکم سے احمد کا بھائی ابو القاسم بن حسن بن علی نائب والی مقرر کر کے صقلیہ مین بھیجا گیا۔ اُس کے آتے ہی لوگ خوش ہو گئے۔

سب نے اُس کے آگے سر اطاعت جھکا دیا۔ اور ابوالقاسم نے ایسے تدابیر اور ایسی حکمت عملی سے کام لیا کہ سارا جھگڑا مٹ گیا۔ اور چند ہی روز مین ہر جگہ نظم و نسق قائم تھا۔ ہم کو یہ نہین معلوم ہو سکا کہ نائب والی کس سنہ مین وارد صقلیہ ہوا۔ لیکن اِس مین شک نہین کہ ۳۵۵ھ اور ۳۶۵ھ ہجری کے درمیان کسی سال مین آیا ہوگا۔

اُس کی زبردست مہین

۳۶۶ھ مین نائب امیر ابوالقاسم نے سُنا کہ مسینہ والون اور بلاد اٹلی کے لوگون نے حکومت اسلام سے سرتابی و سرکشی اختیار کی ہے فوراً اُس نے ایک زبردست لشکر جمع کیا جس مین محض بغرض ثواب آخرت اور فرض جہاد ادا کرنے کے شوق مین بہت سے علما و فضلا اور اتقیا و زہاد بھی اُس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اِس لشکر کو لے کے وہ ماہ مبارک رمضان مین شہر مسینا پر پہونچا۔ شہر والون نے فوراً اظہار اطاعت کیا جن کو امان دی گئی مگر خبر ملی کہ وہان سے قریب ہی دشمنون کا لشکر موجود ہے۔ ابوالقاسم نے اُدھر کوچ کیا۔ مگر دشمن اُس کے آنے کی خبر سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوے۔ ابوالقاسم نے بڑھ کے شہر کسنتہ پر حملہ کیا۔ شہر والون نے پھاٹک بند کر لیے۔ اور مقابلہ شروع کیا۔ مسلمانون نے محاصرہ کر لیا۔ اور محاصرے کو شروع ہوے چند ہی روز گزرے تھے کہ کسنتہ والون نے امان مانگی۔ ابوالقاسم نے اُن کی درخواست قبول کی۔ اور اپنے حوصلے کے موافق نذرانہ لے کے اُنھین امان دی۔ اب یہ سالار اسلام یہان سے کوچ کر کے شہر جلوا پر پہونچا۔ وہان بھی کسنتہ ہی کا سا واقعہ پیش آیا۔ اور یہی نہین کئی اور شہرون کی بھی وہی حالت ہوئی جو کسنتہ کی ہوئی تھی۔ آخر ابوالقاسم دولت و حشمت سے لدا پھندا شہر مدینہ مین واپس آیا۔ اور یہان اطمینان سے بیٹھ کے فوجون کے جمع کرنے اور بیڑے کے تیار اور مکمل کرنے مین مصروف ہوا۔ جس کوشش مین یہ امیر صقلیہ مصروف تھا کاش اُس مین فاطمی خلیفہ المعز مصر و شام کی دُھن چھوڑ کے پوری قوت سے مصروف ہو جاتا تو اٹلی اور رومیہ مین آج اسلامی سلطنت ہوتی۔ اور یورپ کی کچھ اور ہی تاریخ ہوتی۔

ابو القاسم کے بھائی قاسم کی بحری مہم

اُسی اثنا مین حاکم ابو القاسم مذکورہ شہرون پر حملے کر رہا تھا اُس نے اپنے بھائی قاسم کو اپنے زبردست بیڑے کا سردار اور امیر البحر بنا کے اطراف قلبریہ کی طرف کیا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ جنوبی اٹلی کے صوبہ قلوریہ کے ساحل پر لنگر انداز ہو کے چھوٹی چھوٹی فوجین اُس صوبے کے شہرون پر بھیجے۔ قاسم قلوریہ مین پہونچ کے بڑھی کیا۔ جن شہرون نے اطاعت کی اُن سے بھاری نذرانے لیے جنھون نے سرتابی کی اُن کو لقمۂ شمشیر بنایا۔ بہت سی غنیمت حاصل کی۔ کثرت سے لونڈی غلام پکڑے۔ اور دولت و غنیمت سے لدا پھندا واپس آ کے شہر بلرمہ مین اپنے بھائی نائب والی صقلیہ سے ملا۔

شہر رمطہ کی تعمیر

سنہ ۳۵۴ھ مین شہر رمطہ مسلمانون کی یورش اور شہر والون کی سرکشی سے بالکل تباہ ہو گیا تھا۔ اور جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہین اُس مین مسلمان آباد ہو گئے تھے۔ مگر مسلمانون کو وہان رہنے کی تکلیف تھی اِس لیے کہ تمام مکانات شکستہ و منہدم پڑے تھے۔ مسلمانون کی اِس تکلیف کا حال سن کے امیر ابو القاسم نے ۳۶۳ھ مین اُس شہر کی تعمیر کا حکم دیا۔ جس کی فوراً تعمیل شروع ہو گئی اور تھوڑے ہی دنون مین شہر اس قابل ہو گیا کہ رعایا اُس مین امان و اطمینان کے ساتھ رہ سکے۔

امیر ابو القاسم کی دوسری مہم

اب اِس امیر صقلیہ نے جو نائب ناظم تھا پھر جہاد کا سامان کیا۔ فوجین مرتب کین اور فوراً کوچ کر کے قلعہ اغانہ پر پہونچا جو دشمنون کے ہاتھ مین تھا۔ قلعے والون نے امان مانگی۔ اور قلعے پر مع اُس کے سارے مال و اسباب کے قبضہ کر کے قلعۂ الون

کو امان دی گئی۔ یہان سے فاتح و غانم ہو کے کوچ کیا اور شہر طارنت پر پہونچا جو جنوبی اٹلی کا زبردست اور مشہور ساحلی شہر ہے۔ مگر شہر والون پر مسلمانون کے لشکر کی ایسی ہیبت چھا گئی کہ اُن کی آمد کی خبر سنتے ہی ساری رعایا شہر چھوڑ کے بھاگ کھڑی ہوئی۔ مگر شہر کے پھاٹک اندر سے بند کر کے اور فصیل پر سے اُتر اُتر کے سب لوگ چلے گئے تھے۔ مجاہدین اسلام پہونچے تو شہر کو آدمیون سے خالی اور پھاٹکون کو اندر سے بند پایا۔ لوگ سیڑھیان لگا کے فصیل پر چڑھے اور اندر اُتر کے پھاٹک کو توڑ کے لشکر اسلام شہر مین داخل ہوا۔ امیر ابو القاسم نے اندر گھستے ہی حکم دیا کہ جو کچھ مال و اسباب ملے لوٹ لیا جائے۔ پھر اس کے بعد مکانون مین آگ لگا دی جائے۔ اور سب منہدم کر ڈالے جائین۔

اسی زمانے مین شہر کے ابو القاسم نے اندرونی بلاد قلوریہ پر فوجین بھیجا شروع کین جو شہر اورنت اور دوسرے شہرون پر حملہ آور ہوئین۔ اور وہ خود شہر غزولیہ (غزولیہ؟) پر پہونچا۔ اہل شہر نے مقابلہ کیا۔ مجاہدین اسلام بڑے جوہر شجاعت دکھایا۔ آخر شہر والون نے ہمت ہار دی۔ اور تمام اسلحہ اور ایک بہت بڑی رقم پیش کر کے اپنی جان بچائی۔ اب سب فوجین جو مختلف شہرون پر گئی تھین وہ بھی بہت کچھ مال و دولت حاصل کر کے اور بڑے بڑے نذرانے وصول کر کے واپس آگئین۔ اور ابو القاسم سب کو لے کے شہر مدینہ مین واپس آیا۔ مگر اس سے کبھی خاموش نہین بیٹھا جاتا تھا۔ یونہی اولو العزمی و حوصلہ مندی سے برابر کئی سال تک صقلیہ مین فرمان فرمائی کرتا رہا۔ اُس کی بہادری ہی نہین خوش تدبیری عدالت گستری اور فیاضی کی سارے جزیرے مین دھوم تھی۔ رعایا کے حال پر نہایت شفیق تھا۔ اور اُسکے اِن صفات کی شہرت افریقیہ و یورپ دونون ملکون مین تھی۔ اگر اہل فرنگ مین اُسکے اِن فتوحات سے ہلچل تھی تو صقلیہ کی رعایا اُس پر فریفتہ اور اُس کی عاشق زار تھی۔ اور اُس کے حکمون کی سب لوگ بے عذر اطاعت کرتے۔

اُس کی فتحون نے ساری مملکت ایطالیہ مین ایک تہلکہ ڈال دیا۔ اور سب کو اندیشہ ہوا کہ ایسا نہ ہو یہ فاتحین عرب جو جنوبی صوبون پر قابض ہو گئے ہین سارے اٹلی اور خود اُس کے دار السلطنت رومہ پر قابض ہو جائین۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

نشست برخاست ہی کے سلسلے مین ہمین یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ یورپ یا عرب و عجم کی طرح ہندوستان مین باہم ملنے جلنے اور لطف صحبت اُٹھانے کے لیے کلبون اور سوسائٹیون کا رواج نہ تھا۔ یورپ مین ہر جگہ ایسے کلب یا ایسی سوسائٹیان قائم ہین جن مین جا کے لوگ احباب اور ہم مذاق لوگون سے ملتے اور اُن کی صحبت سے لطف اُٹھاتے ہین۔ عربون ایرانیون اور اُن ترکون مین چار خانے یا قہوہ خانے میل جول اور مبادلۂ خیالات کا ذریعہ بن گئے ہین۔ جس طرح آپ دیکھتے ہین کہ جس جگہ دو چار انگریز ہوتے ہین اُن اپنا ایک کلب قائم کر لیتے ہین اور فرصت کے اوقات مین وہان جا کے اخبار پڑھتے اور احباب سے ملتے ہین اُسی طرح جس شہر مین ایرانیون اور عربون کی کافی تعداد ہوتی ہے، وہان اُن کا کوئی چار خانہ یا قہوہ خانہ کھل جاتا ہے۔ اور اُس مین جس وقت دیکھیے اُن کا کوئی نہ کوئی گروہ ضرور موجود ہوتا ہے جو وہان چار اور حقے پیتے۔ کھاتے پیتے۔ اور ساتھ بیٹھ کے غپین اُڑاتے ہین۔

بر خلاف اس کے ہندوستان مین کبھی اس قسم کے کلبون یا چار خانون کا رواج نہ تھا اور نہ آج تک ہے۔ سرکار انگریزی نے جابجا شہرون مین اس مذاق کے پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بڑے بڑے مصارف کا بار اُٹھا کے چار خانے کھلوائے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آج سے تیس پینتیس سال پیشتر خاص لکھنؤ کے چوک مین میر محمد حسین صاحب مرحوم ڈائرکٹر زراعت و تجارت ریاست نظام نے حیدر آباد جانے سے پہلے گورنمنٹ کی اعانت سے ایک چار خانہ کھلوایا تھا جس مین فرنیچر بھی اچھا تھا۔ اور سوا ناجائز چیزون کے ہر قسم کے مشروبات تیار رہتے تھے۔ مگر کسی نے توجہ نہ کی۔ اور آخر میر صاحب کو نقصان اُٹھا کے اُسے بند کر دینا پڑا۔

یہان کا پُرانا مذاق صحبت یہ ہے کہ ہر محلے یا آبادی کے ہر حلقے مین کوئی خوش حال یا دولت مند شخص اپنے گھر مین لوگون کے آنے اور اُٹھنے بیٹھنے کا سامان کرتا ہے۔ احباب کی تواضع و خاطر داشت کے لیے حقے پان وغیرہ ضروری چیزون کو وہ اپنے ذاتی صرف سے مہیا کرتا ہے۔ اور اُس کے ہم مذاق بلا ناغہ اور

پابندی سے آتے ہین۔ دیر تک صحبت رہتی ہے۔ بذلہ سنجیان و لطیفہ گوئیان ہوتی ہین اور جب تک صحبت قائم رہے حقے پان سے تواضع ہوتی رہتی ہے۔ اور پھر ندیمان صحبت کے مذاق کے اعتبار سے اُن کی محفلون کا رنگ بھی بدلتا جاتا ہے۔ ارکان محفل اگر ادب اور شعر و سخن کا مذاق رکھتے ہین تو شاعری نثاری اور سخن آفرینی و سخن سنجی کا چرچا رہتا ہے اگر وہ علما و فضلا ہین تو عالمانہ مذاق کے ساتھ علمی مباحث چھڑتے ہین۔ اگر مہذب امرا کی صحبت ہے تو وضع و لباس۔ سامان عیش کھانے پینے۔ اور ہر چیز کے برتنے اور ہر مذاق کے اختیار کرنے مین انتہا درجے کی نفاست و شائستگی اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ تمیزداری ظاہر کی جاتی ہے۔ اگر رنگین مزاج عیاشون کی صحبت ہو تو اُس مین بازاری مہ لقائین بھی شریک ہوتی ہین۔ اور ناز آفرینی و ناز برداری کی ادائین نظر آتی ہین۔ یہ خیال رکھنا چاہیے کہ یورپ کی طرح یہان مردون کی کسی صحبت مین شریف و پاکدامن عورتین نہین شریک ہو سکتین۔ اور احباب کی محفل مین جب کوئی عورت نظر آئے تو یقین جان لیجیے کہ وہ عصمت فروش بازاری رنڈی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کی صحبتون مین شریف و شائستہ عورتون کے شریک ہونے کی وجہ سے بازاری عورتون کا درجہ درجہ سوسائٹی مین اِس قدر گر گیا کہ کسی شریف خاندان کا دروازہ ان کے لیے نہین کھل سکتا۔ اور نہ شرفا کے کلبون اور سوسائٹیون مین وہ قدم رکھ سکتی ہین۔ بخلاف اِس کے ایک حد تک سارے ہندوستان مین اور اُسی طرح لکھنؤ مین بازاری عورتون کو یہ رتبہ حاصل ہو گیا کہ مہذب و شائستہ امرا کی محفلون مین اُن کے پہلو بہ پہلو بیٹھین۔ اور یہان اِس مذاق مین یہان تک ترقی ہوئی کہ بعض معزز رنڈیون نے بھی اپنے گھرون مین ایسی ہی نشست و برخاست کی صحبتین قائم کر دین جن مین جاتے بہت سے مہذب لوگون کو بھی شرم نہین آتی۔ لکھنؤ مین چودھرائن۔ بی حیدر جان اور اسی پائے کی چند اور رنڈیون کے مکان اچھے خاصے شرفا کے کلب تھے جن مین صاحب محفل یعنی اُن بی صاحب کی طرف سے حقے پان کی بخوبی خاطر کیجاتی۔ انگریزی مذاق نے اب اتنی اصلاح ضرور کی ہے کہ اگرچہ طرح طرح کی نئی بداخلاقیان پیدا ہو گئی ہین مگر

رنڈیون کے گھرون مین علانیہ بیٹھ کر لطف صحبت اُٹھانا ذرا معیوب سمجھا جانے لگا ہے۔

بہرحال لکھنؤ ہے کل خوش باش لوگون اور امیرون کے طرز تھے۔ یہان یہ طریقہ نہایت ہی معیوب تھا اور اب تک ہے کہ ساجھے کی ہانڈی پکائی جائے۔ یا حاضرین محفل چندہ دے کے اور اپنے اپنے داؤن کا حقہ پان یا کھانا پانی ایک ساتھ بیٹھ کے کھائین پیئین ۔ یہان چندے کے ڈنر قوم کے لیے مایہ شرم اور خلاف شرافت تھے۔ اور یہان کی تمام دعوتین عام اس سے کہ خوشی کی تقریب مین ہون یا محض دوستانہ ہم صحبتی کے لیے فقط ایک شخص کی طرف سے ہوا کرتی ... دوسرا اگر استطاعت رکھتا ہو تو اپنی طرف سے پوری دعوت دے سکتا ہے یہ نہین کر سکتا کہ اپنی دعوت مین مجھ سے کھانے کے پانچ روپیہ لے کے مجھے بھی شریک کر لیجیے۔

دہلی کے تاجرون مین پتی پڑنے کا رواج ہے۔ یعنی بہت سے تاجر مل کے چندہ جمع کرتے ہین اور اس رقم سے کوئی دعوت یا رقص و سرود کی صحبت کسی گھر مین یا باہر کی تفرج گاہون مین کی جاتی ہے۔ مگر ہمین یقین ہے کہ یہ طریقہ وہان کی تجارت نے زوال سلطنت کے بعد نکال لیا ہے۔ شرفاے دہلی کا یہ مذاق ہرگز نہ تھا۔ اس لیے کہ وہان کے شرفا مین ہوتا تو لکھنؤ مین بھی ہوتا جو معاشرت مین دہلی کا شاگرد اور اُسی کے اگلے نکھرے مذاق کا نام لیوا ہے۔

(۶) صاحب سلامت اور مزاج پرسی۔ آداب معاشرت مین چھٹی چیز جو سب باتون سے زیادہ اہم اور ضروری ہے سلام کرنا اور جس سے ملین اُس کا مزاج پوچھنا ہے۔ اسلام کا قدیم مذہبی اور سیدھا سادہ سلام اسلام علیک اور بہت سے لوگ ہون تو "السلام علیکم" ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ لوگ اِس سلام کے بعد مرد ملنے والے سے صبح کو ملین تو "صبحکم اللہ بالخیر" یعنی اللہ تمھاری صبح خیریت سے گزرانے۔ اور شام کو ملین تو "مساکم اللہ بالخیر" کہا کرتے تھے۔ یہی سلام اور مزاج پرسی عربون کی تھی جسے تعلیم دیتے ہوے وہ مغرب مین اندلس تک چلے گئے۔ اور مشرق مین ہندوستان تک چلے آئے۔ یورپ مین یہی طریقہ صاحب سلامت اُن سے اہل فرنگ نے سیکھا اور مشرق مین ایرانیون تورانیون اور ہندوستانیون نے سیکھا۔

چنانچہ یورپ مین اصلی سلام جو اسلام کا خصوصیہ تھا وہ تو غائب ہوگیا۔ فقط سلام کے بعد والی دعائین "صبحکم اللہ بالخیر" اور "مساکم اللہ بالخیر" باقی رہ گئین۔ اُنھین کا ترجمہ "گڈ مارننگ" اور "گڈ ایوننگ" آج تک ہم صاحب سلامت مین انگریزون کی زبان سے سنتے ہین۔ فرانسیسی مین "بون متین"۔ "بون ژور" اور "بون سوار" یعنی تمھاری صبح۔ دن اور شام اچھی ہون کہا جاتا ہے۔ اس مین کوئی شک نہین کہ ان مغربی قومون کو صاحب سلامت کا یہ سبق اندلس کے عرب فاتحون سے ملا ہے۔

ہندوستان اور ایران مین چونکہ بزرگون کی پرستش کا رواج تھا اور یہ چیز ان مشرقی لوگون کے رگ و پے مین سماتی ہوئی تھی اس لیے خالی خولی "السلام علیکم" کے الفاظ جو افراد قوم کی مساوات کو قائم کرتے تھے دولت مندون کو اپنے تجبر اور اپنی نخوت کے جوش مین بہت پھیکے اور اپنی شان سے کم نظر آئے۔ خصوصاً جب یہان شاہنشاہی دربار قائم ہوا اور تاجدارون نے اپنی تعظیم و تکریم کرانے مین سارے اسلامی آداب کو مٹا دیا۔ درباریون کو اپنے سامنے اُسی طرح ہاتھ باندھ کے کھڑے ہونے اور اپنی تعظیم مین جھکنے کا حکم دیا جس طرح کہ بندے خدا کے سامنے ہاتھ باندھ کے کھڑے ہوتے اور رکوع و سجود کرتے ہین تو شاہی دربار کی پیروی مین عام امرا اور دولت مندون نے بھی بجاے "السلام علیکم" کے دیگر تعظیمی الفاظ سلام کے لیے مقرر کیے۔ مثلاً "تسلیم"، "کورنش"، "آداب"، "بندگی" اور خود پرست و خدا فراموش امراے اسلام کی برکت سے فی الحال یہ سب الفاظ ہمارے سلام ہین۔

عرب مین "السلام علیکم" کہنے کے ساتھ سوا خندہ جبینی کے کوئی اور حرکت نہین کی جاتی تھی۔ فقط سلام کے بعد ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا جاتا۔ مصافحے مین ہاتھ کو حرکت دیجاتی اور اُسی کے ساتھ "صبحکم اللہ بالخیر" یا "مساکم اللہ بالخیر" کہا جاتا۔ اس عربی طرز صاحب سلامت کی یادگار مین اب یورپ مین سر کی ایک خفیف حرکت کے ساتھ "گڈ مارننگ" وغیرہ کہتے اور ہاتھ کو ملا کے جھٹکا دیتے ہین۔ بخلاف اس کے ہندوستان مین اب پورا اسلام یہ ہے کہ مذکورۂ بالا الفاظ کہنے کے ساتھ ہاتھ کو سر یا پیشانی پر رکھتے اور رکوع کے درجے تک یا اس سے کسی قدر کم جھکتے ہین۔ یہ جھکنا اور پیشانی پہ ہاتھ رکھنا خالص ہندوانہ اور مشرکانہ جذبات

کی یادگار ہے۔ ان دونوں باتوں میں اشارہ ہے کہ ہم آپ کے قدموں پر جھکاتی اور آپ کے سامنے زمین بوس ہوتے ہیں۔

اسی قدر نہیں بادشاہوں اور امیروں کے درباروں میں سلاموں کی تعداد مقرر تھی کہیں سات سلام کیے جاتے۔ اور کہیں تین۔ عام بزرگوں اور دوستوں سے ملنے میں ایک سلام کافی تھا۔ لکھنؤ میں چونکہ آداب وحفظ مراتب کا زیادہ خیال تھا اس لیے خردوں کا سلام بزرگوں سے اور نیز متوسط درجے والوں کا معزز لوگوں سے یہ ہے کہ الفاظ مذکورہ میں سے کسی ایک کو زبان سے ادا کرنے کے ساتھ داہنے ہاتھ کو سینے یا چہرے کے سامنے تک اُٹھا کے کئی بار حرکت دیجاے۔ خردوں کے لیے آج تک یہ نہایت ہی پسندیدہ اور سعادتمندانہ سلام ہے۔ یہ ہاتھ کو کئی بار حرکت دینا متعدد سلاموں کا اشارہ ہے۔ علی ہذا القیاس اکثر لوگ تسلیم اور کورنش کو جمع کے صیغوں میں استعمال کر کے جو کہتے ہیں "تسلیمات" اور "کورنشات" یہ بھی سلام کے تعدد کی یادگار ہے۔

اب ہم مذکورۂ بالا مروجہ الفاظ سلام کے معنی اور اُن کی شان صنعت جدا جدا بیان کرتے ہیں۔ تسلیم کے معنی عربی میں سلام کرنا" ہیں بہ ظاہر "السلام علیکم" کو چھوڑ کے فعل کا صیغہ استعمال کرنا لغو سا معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہاں کی سوسائٹی میں یہ سمجھا گیا کہ بجاے سلام کرنے کے "میں سلام کر رہا ہوں" کہنے میں زیادہ اظہار تعظیم ہوتا ہے۔ کورنش ترکی زبان کا لفظ ہے جو ترکی فاتحان ہند کے ساتھ یہاں آیا اس کے معنے سلام کے لیے جھکنے کے ہیں۔ لہذا اس میں بھی جھک کے زمین بوس اور قدمبوس ہونے کا خیال موجود ہے۔ آداب فقط ادب کی جمع ہے۔ سلام کے محل پر اُس کے زبان پر لانے کا یہ منشا ہے کہ ادب وتعظیم کے جتنے طریقے ہیں میں اُن سب کو بجالاتا ہوں۔ بندگی یہ تمام الفاظ سلام سے زیادہ ذلیل اور مشرکانہ لفظ ہے۔ بندگی کے معنی پوجنے اور عبادت کرنے کے ہیں۔ سلام میں اس کا منشا اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ میں حق عبودیت بجا لاتا ہوں۔ جو مسلمانوں کے عقائد کی رو سے خدا کے سوا اور کسی کے مقابل نہیں کہا جا سکتا۔

بخلاف ان ہندوستانی سلاموں کے عرب میں جو الفاظ "السلام علیکم"

کہے جاتے ہین اُن کا لغوی ترجمہ یہ ہے کہ "تم پر سلامتی" یا صاف اردو مین یون کہیے کہ تم سلامت رہو، یعنی سلام کرنا دراصل ہر ملنے والے کو سلامتی کی دعا دینا ہے۔ اسلام نے اس پر ترقی یہ کی کہ "سلام" خدا کا پیام ہے جو رسول خدا صلعم نے مسلمانون کو پہونچایا۔ اور قیامت تک آپ کا یہ پیام ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو پہونچاتا رہے گا۔ السلام علیکم مین سلام پر جو الف لام لگا ہوا ہے اُس مین صاف اِسی جانب اشارہ ہے کہ وہی سلام جو حضرت رسالت کا پیام ہے تم کو پہونچے۔

اسلام کی اصلی سلام کے اِن معنون اور اُس کے مقصد کو سمجھ کے ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ سلام قومی مساوات کا خیال دلانے اور تمام پیروان رسالت محمدی مین قومیت و اخوت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ مگر افسوس مسلمانون نے اُس کو چھوڑ دیا۔ اور ہمارا فضول تبختر اب ہمین یہ خیال دلاتا ہے کہ کسی معمولی مسلمان کا ہم سے ملتے وقت السلام علیکم کہنا ہماری توہین کرنا ہے۔ اِس پر طرہ یہ ہوا کہ شیعہ سُنی کے اختلاف نے چونکہ یہ شان پیدا کردی ہے کہ دونون بجائے ایک قوم بننے اور ایک جماعت ثابت ہونے کے ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز رہنا چاہتے ہین عوام ہی نہین دونون فریقون کے متاخر علما و مصنفین تک نے اپنے اپنے فریق کو دوسرے کے عادات و اطوار سے نفرت کرنے کا سبق دیا ہے اس رجحان کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب و عجم تک مین تو شیعہ و سُنی دونو کا سلام "السلام علیکم" تھا مگر ہندوستان خصوصاً لکھنؤ کے شیعون نے السلام علیکم کو سنیون کے سر کرکے اپنے لیے "سلامُ علیکم" کے الفاظ مخصوص کرلیے ہین۔ وہ زیارت ائمہ پڑھتے ہین تو وہی پرانے الفاظ مثلاً "السلام علیک یا ابا عبداللہ علیہ السلام" کہتے ہین مگر ملنے جلنے والون سے جب صاحب سلامت کرتے ہین تو کہتے ہین "سلامُ علیکم" اس لیے کہ "السلام علیکم" سنیون کا سلام ہے۔

تاہم زیادہ تر یہ اگلا عربی سلام سنی اور شیعہ دونون مین مذہبی لوگون کے لیے مخصوص ہو گیا ہے یا مذہبی شان و وضع مین داخل ہے۔ ورنہ امرا کی سوسائٹی مین "آداب" "و تسلیم" کا عام رواج ہے۔ بندگی بھی

اکثر لوگ کہتے ہین-مگر یہ لفظ عورتون مین زیادہ مروّج ہے-

لکھنؤ مین پُرانا مہذب اور شائستہ لوگون کا سلام یہ تھا کہ چھوٹا بڑے سے یا غریب امیر سے نہایت جھک کے تسلیم یا آداب کہے-جواب مین بزرگ خوردون سے کہین "جیتے رہو" "بڑے ہو" "صاحب اقبال ہو" امرا غریبون کے لیے بغیر جھکے فقط ہاتھ اُٹھا دین یا ہاتھ اُٹھانے کے ساتھ اُنھین الفاظ تسلیم و آداب کا اعادہ کر دین-یا بندگی کہہ دین-مگر برابر والون کا طریقہ جواب دینے مین یہ تھا کہ راہ چلتے مین صاحب سلامت ہو تو اُسی طرح نہایت جھک کے تسلیم یا آداب کہین-اور اگر کسی محفل مین بیٹھے ہون تو پوری طرح اُٹھ کھڑے ہون اور جھک کے جواب دین۔

سلام کے بعد ایک دوسرے سے کہے "مزاج شریف" یا "مزاج اقدس" یا "مزاج مبارک" یا "مزاج معلیٰ" اور دوسرا ہاتھ جوڑ کے کہے "دعا کرتا ہون" تقریبًا ساری ہندوستان مین مہذب و شائستہ لوگون کا طریقہ سلام اور مزاج پرسی یہی ہے-مگر لکھنؤ مین اور چند اور شہرون مین جہان ہندوستانی ریاست قائم ہے-اور کوئی دربار موجود ہے اُن طریقون کے ادا کرنے مین زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے اور اِس مین کمی ہونا بدتمیزی خیال کی جاتی ہے-

مگر اب چند روز سے خصوصًا لکھنؤ مین عوام اہل حرفہ اور ادنے طبقے والون مین اگلے دربار اور اُس کے آداب کے مٹ جانے سے "السلام علیکم" کہنے کا بہت رواج ہو گیا ہے-خدا کرتا امرا بھی اِس کی پیروی کرتے-اور ادنے و اعلےٰ کا امتیاز بالکل اُٹھ جاتا-

انجمن اشاعۃ الاسلام لکھنؤ

دسمبر ۱۹۱۷ء کے دلگداز مین ہم اہل اسلام کو اِس انجمن کے قائم ہونے کا مژدہ سُنا چکے ہین-اس کی ضرورت کا اندازہ کرنے کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اِس انجمن کے قیام کی غرض سے مولوی احمد اللہ صاحب ناظم جامعۂ الٰہیہ کانپور نے جو خط ارسال فرمایا ہے اُس کا خلاصہ شائع کر دین وہ تحریر فرماتے ہین: —

"حالات موجودہ-اقوام غیر کی سعی-اور آئے دن ارتداد کے واقعات-پوری توجہ-کافی احتیاط اور سرگرم کوششون کا تقاضا کر رہے ہین-آریہ سماج کے قدم باغستان

(علاقہ متصل پشاور) تک پہونچ چکے ہین۔ پرانے خیال کے ہنود نے بھی شُدھی (تبلیغ) کو جائز قرار دیدیا ہے۔ اور بمبئی و کاٹھیاوار مین مسلمانون کے ہندو بنانے کی کوشش جاری ہین۔ سکھ۔ پارسی۔ جینی بھی تبلیغ کے میدان مین آ چکے ہین۔ دیو سماج۔ برہمو سماج۔ تھیاسوفسٹ اور بہائی مذہب کے منادا اپنے اپنے مذہب کی مستقل بنیادین قائم کر رہے ہین۔ اور ہر مذہب کے پیرو کو اپنے دائرے مین داخل کرتے ہین۔ عیسائیت جو اسلام کی قدیم دشمن ہے اس کا دائرۂ عمل۔ ترتیب پروگرام اور تمام ہندوستان مین خفیہ و علانیہ چھایا ہوا دام تزویر حد درجہ خطرات کا اندیشہ پیش کر رہا ہے۔

اسلام جن مشکلات مین آج مبتلا ہے کبھی اس قسم کے حادثے اُس کے سامنے نہین آئے تھے آج سے چند صدی قبل حریب و دسائس کا وجود اس قدر عام نہ تھا جتنا کہ آج ہے۔ علاوہ ازین اُس وقت صرف مسلمان بیدار تھے اور اُن کے حریف غافل۔ آج مسلمان موت نما نیند کی غفلت مین مبتلا ہین اور اُن کے حریف نہ صرف بیدار بلکہ بیداری کے جملہ لوازم اپنے اندر رکھتے ہین۔ جہد الحیوۃ اور تنازع البقا کے اصول کے ماتحت ہر طرح کی امکانی سرگرمیان ظاہر کر رہے ہین۔

ضرورت ہے کہ اشاعت و تبلیغ کے متعلق جس قدر ضروریات اور مقتضیات ہین اُن پر وسیع اور غائر نظر ڈال کر کامل احتیاط اور بغایت ہوشیاری کے ساتھ یہ مقدس فرض انجام دیا جائے۔ اور خلوص جو ہم مین بد قسمتی سے کم ہے اُس کے حصول کی کوشش مقدم تر سمجھی جائے"

ہم مسرت سے ظاہر کرتے ہین کہ جن جن مقامات مین مسلمانون کو اس انجمن کے قیام کا حال معلوم ہوا اُن مین ایک تحریک پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ مولوی مسعود الزمان صاحب جو اس انجمن کے سابقین الاولین مین ہین ۲۷ جنوری کے خط مین تحریر فرماتے ہین "آج ایک جلسہ کرکے یہان باندے کے لیے ایک شاخ یا باندے کی لوکل انجمن قائم کی گئی ہے۔ زیادہ تر ضرورت اس جلسہ مین یہ محسوس ہوئی کہ ایک عالم جو ایثار نفس کے ساتھ تھوڑی تنخواہ مثلاً بیس روپیہ ماہوار پر کام کر سکے جلد سے جلد بلایا جائے"

مولانا محمد عبد الباری صاحب کو بھی اُنھون نے ایک ایسے عالم کے منتخب کرنے کو تحریر فرمایا۔ مولانا چونکہ انجمن کے مربی ہین اس لیے اُنھون نے ایک ذی علم واعظ و معلم دین کو منتخب فرما دیا ہے۔ جو عنقریب باندے بھیجے جائین گے۔ آئندہ پرچے مین ہم اُن عالم صاحب کا نام بھی شائع کر دین گے۔

تصانیف مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شررؔ

تاریخ و سوانح عمریان

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات۔ ۸/

(۲) ابو بکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات۔ ۸/

(۳) تاریخ سندھ۔ عرب کے فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ جلد اول ۱/

(۴) عصر قدیم۔ اقوام سلف کی نہایت ومختصر تاریخ۔ ۱/

(۵) عرب قبل الاسلام۔ تاریخ ارض مقدس کی تیسری جلد۔ ۱/

(۶) حروب صلیبیہ۔ انگریزی سے ترجمہ اور عربی سے تحشی ۱۲/

(۷) مسیح و مسیحیت۔ دین مسیحی کے حالات تا ولادت محمدیہ۔ ۱/۸

(۸) خواجہ معین الدین چشتی۔ حضرت خواجہ اجمیری کے حالات ۶/

(۹) سکینہ بنت حسین۔ جناب سکینہ بنت امام حسین۔ ۶/

(۱۰) افسانۂ قیس۔ مجنون عامری کے حالات۔ ۳/

(۱۱) حسن بن صباح۔ بانی فرقۂ باطنیہ اسماعیلیہ۔ ۶/

(۱۲) فرقۂ نعیمیہ۔ ایک مجتہد زادی۔ ۲/

(۱۳) شیرین ملکۂ عجم۔ خسرو پرویز کی نامور معشوقہ۔ ۳/

(۱۴) ملکۂ زنوبیہ۔ سلطنت کی ایک عربی شہزادی کا ۴/

ناول

(۱۵) جویائے حق۔ حضرت رسول صلعم کی سوانحعمری بطور ناول ۱/

(۱۶) بابک خرمی۔ سلطنت عباسیہ کے زمانے کا ایک تاریخی واقعہ ۱۲/

(۱۷) مفتوح فاتح۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول۔ ۱/

(۱۸) الفانسو۔ ایک عاشقانہ تاریخی ناول۔ ۱۲/

(۱۹) خوفناک محبت۔ ہندوستانی شریف زادیوں کی بد اخلاقی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی۔ ۱/

(۲۰) حسن کا ڈاکو۔ حرام پور کے نواب کی سرگذشت ہر حصہ ۱/

(۲۱) اسرار دربار حرام پور۔ حرام پور کے نواب کے اور حالات ہر دو حصہ ۱/

(۲۲) غیب دان دلہن۔ حیرت انگیز غیب دانی۔ ۸/

(۲۳) رومۃ الکبریٰ۔ روم پر گاتھ لوگوں کا حملہ۔ ۱/

(۲۴) ماہ ملک۔ غوریوں کا عروج۔ ۱/

(۲۵) زوال بغداد۔ دولت عباسیہ کا استیصال ۱/

(۲۶) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کی تصویر مکمل ہر دو جلد ۱/۸

(۲۷) مقدس نازنین۔ ایک حسینہ کا پوپ بن جانا۔ ۱/

(۲۸) شوقین ملکہ۔ دوسری صلیبی لڑائی۔ ۱/

(۲۹) قیس و لبنیٰ۔ عہد صحابہ کا ایک سچا عشق۔ ۱/

(۳۰) فلورا فلورنڈا۔ اندلس میں سلطنت عرب کا ۔ ۱/

(۳۱) آغا صادق کی شادی۔ ایک عجیب قصہ ۱۰/

(۳۲) فلپانا۔ عہد صحابہ کا ایک سچا واقعہ ۸/

(۳۳) فردوس بریں۔ جیتے جی جنت کی سیر ۸/

متفرقات

(۳۴) الحکم الرفاعیہ۔ معرفت میں سید محمد رفاعی کے ایک رسالہ کا ترجمہ ۱/

(۳۵) ہندوستان کی موسیقی۔ مولانا شررؔ کا لکچر ۴/

(۳۶) اردو سے ہندوؤں کا تعلق ۴/

(۳۷) زمانہ اور اسلام۔ مولانا شررؔ کی مشہور نظم۔ ۳/

(۳۸) شب وصل ۱/

(۳۹) شب غم ۱/

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

(۴۰) تالیق بی بی۔ بیاہ کی حرکتوں پر ایک کی تحقیق ۸/

(۴۱) پاداش عمل۔ ایک نہایت ہی دلچسپ ناول کا ترجمہ حصہ اول ۱/ حصہ دوم ۱/

(۴۲) دولت اسپانیہ۔ ترجمہ تاریخ کانڈی حصہ اول ۱/ دوم ۱/

(۴۳) معاشرت۔ انگریزی کی گلستان یعنی لارڈ چسٹرفیلڈ کی مشہور کتاب بوک آف لائف کا ترجمہ۔ ۱/

حکیم محمد سراج الحق مینیجر دلگداز کٹڑہ بزن بیگ خان۔ لکھنؤ

ہنی بال

جب کسی قوم اور سلطنت کا زوال شروع ہو جاتا ہے تو اُس کی تباہی سے پہلے اُس قوم میں کوئی نہ کوئی شخص ایسا ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اگر ملک و قوم اُس کا ساتھ دیں تو بہت ممکن ہے کہ وہ اپنے وطن کو تباہی و بربادی سے بچا لے۔ یہی حال قرطاجنہ کے مشہور و معروف سپہ سالار ہنی بال کا ہے۔ رومۃ الکبریٰ اور قرطاجنہ کی لڑائیاں ان قرطاجنہ والوں کے لیے تباہی کا باعث ہوئیں۔ اور اسی زمانے میں یعنی آغاز جنگ کے اٹھارہ سال بعد ہنی بال پیدا ہوا۔ اُس کے باپ کا نام ہیملکر برقاس تھا۔ قرطاجنہ میں اس کا خاندان ایک خاص رتبہ رکھتا تھا۔ رومۃ الکبریٰ اور قرطاجنہ کی تاریخوں میں ہنی بال کو خاص شہرت حاصل ہے۔ اور جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بغیر اپنے ملک کی مدد کے اُس نے سولہ سال سے زیادہ زمانے تک رومۃ الکبریٰ کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ کیا بلکہ حالت یہاں تک نازک ہو گئی تھی کہ قریب تھا اُسے بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کے پھینک دے تو ہمیں اُس کی عالی ہمتی اور شخصیت کا اندازہ ہو سکتا ہے رومہ میں جمہوری سلطنت قائم تھی۔ اس وقت تک جتنی لڑائیاں ہوئیں اُن میں اُسے فتح ہوئی تھی۔ لیکن ہنی بال کی جنگ اس کے لیے زندگی اور موت کا سوال تھا۔ اور اُس کے سب مشہور و معروف سپہ سالار اُس میں مصروف تھے۔ مگر یہ ضرور ہے کہ کسی وقت اُن کے استقلال میں فرق نہیں آنے پایا۔ اور ملک کے سارے ذرائع دشمن کی مدافعت میں مصروف تھے۔ لیکن اگر قرطاجنہ والوں نے بھی رومۃ الکبریٰ والوں کی طرح اپنے سپہ سالار کی مدد کی ہوتی تو یقیناً اس جنگ کا نتیجہ کچھ اور ہی ہوتا۔ غالباً رومۃ الکبریٰ کی قسمت کا ستارہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو جاتا اور رومیوں کی

طرح قرطاجنہ والے ساری مہذب دنیا کے مالک ہوتے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہنی بال کو رومیوں سے دلی عداوت تھی۔ اور غالباً یہ خیال اُس کے دل مین اُس کے باپ نے پیدا کیا کیونکہ وہ اُسے ایک مندر مین لے گیا اور اس سے قسم لی کہ ہمیشہ رومیون کو نفرت وحقارت کی نظر سے دیکھتا رہون گا۔

ہنی بال کے بچپن کے واقعات اس قدر گمنامی مین ہین کہ اُس کی تعلیم وتربیت کا حال مورخین کو بہت کم معلوم ہو سکا ہے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ اُسے آغاز عمر سے سپہ گری کی تعلیم دی گئی۔ باپ کے انتقال کے وقت اُس کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ اس کے بعد آٹھ سال وہ اپنے بہنوئی ہیس ڈروبال کے ہمراہ فوج مین رہا کیونکہ ہیمل کر کے انتقال کے بعد ہیس ڈروبال جو اس کا داماد تھا ہسپانیہ کی فوج کا سپہ سالار اعظم مقرر ہوا۔ وہ بھی رومیون کا سخت دشمن تھا اور اُسی کی صحبت کا اثر تھا کہ ہنی بال کے دل مین رومیون کی عداوت کا خیال جم گیا۔ ہیس ڈروبال نے مسلسل آٹھ سال ہسپانیہ کی ساری آمدنی فوج کی اصلاح مین صرف کی۔ اور اٹلی پر حملہ کرنے والا تھا کہ کسی شخص نے ذاتی عداوت کی بنا پر اسے قتل کر ڈالا۔ اس اثنا مین فوج کا ایک ایک سپاہی ہنی بال سے واقف ہو چکا تھا۔ ہر شخص کے دل مین اُس کی عظمت قائم ہو چکی تھی لہذا فوج والون نے خود ہی اُسے اپنا سپہ سالار اعظم منتخب کر لیا اور قرطاجنہ کی گورنمنٹ نے بھی اُسے منظور کر لیا۔

ہسپانیہ کے بعض علاقے ابھی تک قرطاجنہ کے ماتحت نہین ہوئے تھے۔ ہیس ڈروبال نے کوشش کر کے اس کے ایک بڑے حصے کو اپنے قبضے مین کر لیا تھا۔ ہنی بال کو سب سے پہلے اس کی فکر ہوئی کہ ہسپانیہ کا سارا علاقہ اپنے قبضے مین آ جائے یہ خیال کر کے سب سے پہلے وہ اُس پہاڑی علاقے مین داخل ہوا جو قونسہ کہلاتا تھا اور دریاے شنوقر کے قریب واقع تھا۔ ہنی بال اپنی فوج لے کے اُس کے دارالسلطنت کی جانب بڑھا اور پہاڑی لوگون کو شکست دے کے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔

ادھر سے اطمینان کر کے ہنی بال نے اپنی فوجیں سلامانقہ کیطرف بڑھائیں کیونکہ وہ لوگ بھی اس وقت تک مطیع نہیں ہوئے تھے لیکن ایک ہی لڑائی میں اُن کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ شکست کھا کے بھاگے اور سرتابی کی جرأت نہ کر سکے۔ اسی سلسلے میں ہنی بال دریائے ایبرو کے پار اُترا اور اُس کے جنوب میں جو قومیں آباد تھیں اُنھیں اپنا مطیع کر لیا۔ اب فقط شہر سےگن ٹم رہ گیا تھا۔ اور خیال تھا کہ اُس کے فتح ہو جانے کے بعد سارے علاقۂ اسپین میں کوئی خودسر شہر نہ رہ جائے گا۔

سےگن ٹم اس زمانے میں بڑا مشہور شہر تھا۔ مشرقی اسپین میں ساحل سے فقط ایک میل ہٹ کر واقع ہوا تھا۔ موجودہ شہر مرویدرو کے قریب اُس کے کھنڈر اب تک باقی ہیں۔ رومیوں سے اور سےگن ٹم والوں سے تجارتی تعلقات قائم تھے۔ ایک چھوٹے سے آزاد شہر کو قرطاجنہ والے مغلوب کر لیں اور رومیوں کی سی عظیم الشان اور انصاف پسند سلطنت بیٹھی دیکھا کرے؟ بھلا یہ کیسے ممکن تھا! فوراً لوگ بھیجے گئے تاکہ ہنی بال کو سمجھا بجھا کے اس ارادے سے باز رکھیں۔

اس اثنا میں ہنی بال نے بڑھ کے شہر سےگن ٹم کا محاصرہ کر لیا۔ رومۃ الکبری کے سفیر اُس کے پاس پہونچے اور ملاقات کی درخواست کی مگر اُس نے ملنے سے قطعی انکار کر دیا۔ مجبوراً وہ لوگ یہ شکایت لے کے قرطاجنہ گئے مگر وہاں بھی اُنھیں کامیابی نہ ہوئی۔ آخر مایوس ہو کے رومۃ الکبری میں واپس آئے اور سمجھ گئے کہ اب سوا جنگ کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

ہنی بال نے سےگن ٹم کا محاصرہ نہایت سختی سے قائم رکھا اور آٹھ مہینے کے بعد اُس پر قبضہ کر لیا۔ اس شہر کے مفتوح ہوتے ہی اٹلی پر حملہ کرنے کا راستہ صاف ہو گیا تھا۔ اب اسپین میں کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو ہنی بال کو روک لیتی۔ چند شمالی قومیں اب بھی رومیوں کی ہمخیال نظر آتی تھیں۔ مگر ہنی بال نے اُن کی نسبت یہ رائے قائم کر لی تھی کہ چونکہ وہ اٹلی کے راستے میں ہیں لہذا جاتے وقت اُن سے سمجھ لیا جائے گا۔ رومیوں کے وہم و گمان میں بھی نہ

آ سکتا تھا کہ ایک بڑی فوج کوہسار آلپس سے اس پار آ سکتی ہے مگر ہنی بال کے دل مین یہ خیال پہلے دن سے قائم تھا۔ اور اُس نے اپنے خفیہ جاسوس بھیج کے علاقہ گال (فرانس) کی اُن کی قومون کو جو کوہسار آلپس کے دامن مین آباد تھین اپنا ہم خیال بنا لیا تاکہ جب اُس کی فوجین وہان پہونچین تو وہ لوگ کسی قسم کی دشمنی نہ کرین بلکہ سامان رسد وغیرہ پہونچا دین۔ انھین لوگون کے ذریعے سے اُسے یہ معلوم ہو گیا کہ کوہسار آلپس کے دشوار گزار دررون مین سے اُس کی فوج کا گزر جانا غیر ممکن نہین ہے۔

رومی سمجھے ہوے تھے کہ ہمارا اور قرطاجنہ والون کا میدان جنگ ہسپانیہ ہو گا۔ لیکن ہنی بال نے ارادہ کر لیا کہ خاص اٹلی مین پہونچ کے رومیون پر حملہ کیا جائے۔ لہذا پورا ایک سال اس مہم کی تیاری مین صرف ہوا۔ اپنے سپاہیون کو ہنی بال نے اجازت دیدی کہ اپنے اپنے گھرون مین ہو آئین۔ کیونکہ ممکن ہے پھر اُنھین جانے کا موقع نہ ملے۔ اپنے بھائی کو جس کا نام بھی ہینس ڈروبال تھا اسپین کا گورنر مقرر کیا۔ اور سب سے بڑی ہوشیاری یہ کی کہ اسپین اور افریقہ مین جو فوجین انتظام اور امن قائم رکھنے کے لیے متعین تھین اُنھین ایک مقام سے دوسرے مقام پر بدل دیا تاکہ شورش نہ کر سکین۔ اس طرح کامل اطمینان حاصل کر کے نوے ہزار پیدل اور بارہ ہزار سوارون کے ساتھ اٹلی کی طرف کوچ کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے ساتھ چند ہاتھی بھی تھے۔

کوہسار پیری نیز کے دامن مین جو قومین آباد تھین وہ سب رومیون کی طرفدار تھین۔ ہنی بال کو اُنھین مغلوب کر کے راستہ نکالنا پڑا۔ اس لڑائی مین اُس کے چند آدمی ضائع ہوئے لیکن سب سے بڑی مشکل یہ آ پڑی کہ ہسپانی سپاہیون مین سے بعض نے راستے کی مصیبتون کا خیال کر کے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ لہذا جتنے لوگ اس خیال کے تھے ہنی بال نے اُنھین واپس کر دیا کیونکہ زبردستی ساتھ لے جانے کا کوئی نتیجہ نہ تھا۔ پیری نیز کے اُس پار پہونچ کے ہنی بال کے ساتھ پچاس ہزار پیدل اور نو ہزار سوار رہ گئے۔ لیکن یہ لوگ بڑے تجربہ کار نبرد آزما تھے۔

رومیوں کو ابھی تک ہنی بال کی اس نقل و حرکت کی خبر نہ تھی۔ اور وہ اطالیان کے ساتھ ہسپانیہ پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ اور ساٹھ جنگی جہاز اسپین کی جانب روانہ کیے۔ رومیوں کا سپہ سالار سی پیو جو اسپین کی طرف جاتا ہوا دریائے رون کے قریب پہونچا تو اسے معلوم کر کے سخت تعجب ہوا کہ ہنی بال اپنی فوجوں کے ساتھ وہاں تک آ پہونچا ہے۔ رومی سپہ سالار نے اسپین جانا بیکار خیال کیا۔ اپنی فوجیں خشکی پر اتار دیں اور ہنی بال کے حملے کی تیاریاں کرنے لگا۔ لیکن ہنی بال کو یہاں رکنا بے سود نظر آیا۔ اُس نے رومیوں کی پروا بھی نہ کی اور اپنی فوجیں آگے بڑھا دیں۔ اب اُس کے سامنے آلپس کی سر بفلک چوٹیاں تھیں۔ اُس میں سے گزرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ اُس کی وادیوں اور دروں میں سے گزرنا دشمن کے مقابلے سے زیادہ خوفناک تھا۔ ہر ہر قدم پر مشکل کا سامنا ہوتا۔ لیکن اُس کے استقلال میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا۔ اور پندرہ روز میں وہ کوہسار آلپس کے اس پار تھا۔ اس دشوار گزار راستے میں اُس کے بہت سے آدمی بھی ضائع ہوئے اور جب ہنی بال اٹلی میں داخل ہوا تو اُس کے پاس فقط بیس ہزار پیدل اور چھ ہزار سوار رہ گئے تھے۔ اِس مختصر سی فوج کے ساتھ وہ رومۃ الکبریٰ کی عظیم الشان سلطنت کو تہ و بالا کرنے آیا تھا۔

رومی سپہ سالار سی پیو کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہنی بال کوہسار آلپس سے گزر کے اٹلی پر حملہ آور ہوگا تو فوراً ایک حصہ فوج اپنے ہمراہ لے کے جہازوں کے ذریعہ سے اپنے ملک کی حفاظت کے لیے واپس چلا آیا۔ دریائے ٹی سی نس کے کنارے ایک لڑائی ہوئی جس میں رومیوں کو شکست ہو گئی۔ اور رومی سپہ سالار سی پیو کو اپنے ملک کا ایک بڑا حصہ خالی کر دینا پڑا۔ شہر پیاسن زا کے قریب دوسرا معرکہ ہوا۔ لیکن اس میں بھی سی پیو کو شکست ہوئی اور وہ خود زخمی ہوا۔ اب سی پیو نے دیکھا کہ ہنی بال کے مقابلے میں میدان جنگ میں فتح حاصل کرنا بہت مشکل ہے لہذا اُس نے یہ طرز عمل اختیار کیا کہ کمین پر جم کے نہ مقابلہ کیا جائے بلکہ چھوٹے چھوٹے

معرکے جاری رہین اور اس طرح دشمن کو تھکا کے اور پریشان کر کے پسپا کیا جائے۔ اگر اس راے پر عمل کیا جاتا تو رومیون کی بہت سی فوجین جو اس کے بعد بڑی بڑی لڑائیون مین کام آئین محفوظ رہتین لیکن ایک دوسرے رومی سپہ سالار فلا بیریس کو کسی مقام پر ایک معمولی سی کامیابی حاصل ہوگئی اور اسی سے خوش ہو گئے اور اپنے اوپر اطمینان کر کے وہ ساری فوج کے ساتھ ہنی بال کے مقابلے پر آموجود ہوا۔ لیکن ہنی بال کے ایسے تجربہ کار سپہ سالار کے مقابلے مین فتح پانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ میدان قرطاجنہ والون کے ہاتھ رہا اور ساری رومی فوج تباہ و برباد ہو گئی۔

اب اٹلی کا سارا شمالی حصہ ہنی بال کے قبضے مین تھا۔ جس طرف وہ بڑھتا ہر شہر اطاعت قبول کرتا جاتا۔ رومیون کو شکست پر شکست ہوتی جاتی تھی اور کامیابی کی کوئی تدبیر نہ نظر آتی ہنی بال نے اب جنوب کی طرف رخ کیا۔ اپے نائن کے پہاڑون مین سے گزر کے اس نے دیکھا کہ رومی کانسل فلے می نس ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ مقابلے کو آمادہ ہے۔ نہایت خونریز لڑائی ہوئی۔ رومی کانسل میدان جنگ مین مارا گیا اور ساری فوج غارت ہو گئی۔ اب رومۃ الکبری کا راستہ صاف تھا۔ درمیان مین کوئی مدافعت کرنے والی فوج نہ تھی۔ اگر ہنی بال سیدھا اُدھر کا رخ کرتا تو غالباً اُس کے فتح کے ساتھ ہی لڑائی کا خاتمہ ہو جاتا۔ لیکن ہنی بال نے مشرق کی طرف کوچ کر دیا اور صوبۂ آپولیا مین جا کے موسم سرما بسر کیا۔

اب فے بیس رومی کانسل مقرر ہوا۔ اور ہنی بال نے بہت کوشش کی کہ وہ بھی میدان جنگ مین نکل آئے۔ مگر وہ نہایت سنجیدہ اور ہوشیار شخص تھا۔ چند روز چھوٹی چھوٹی لڑائیون سے ہنی بال کو پریشان کرتا رہا لیکن کہین پر جم کے مقابلہ نہ کرتا۔ آخر کار رومیون نے جمع ہو کے پھر ایک بہت بڑا مقابلہ کیا۔ اور آپولیا کے ایک چھوٹے گاؤن کینے کے قریب ایک بڑی لڑائی ہوئی۔ اس مین رومیون نے اپنی ساری قوت صرف کر دی تھی۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ ہوا اور ہنی بال نے پھر انھین شکست دی۔

اس فتح سے ہنی بال کے لیے روم کا راستہ صاف تھا۔ جب چاہتا بڑھ کے اُس پر قبضہ کر لیتا کیونکہ کوئی مزاحمت کرنے والا نہ نظر آتا تھا لیکن ہنی بال نے اُدھر کا رخ نہیں کیا مقام کے پوا مین اُس نے موسم سرا بسر کیا اور کہا جاتا ہے کہ اس صوبے کی عیش و عشرت نے اُس کے سپاہیوں کے تانہ معاشرت کو بالکل بدل دیا۔ ان میں عیش پسندی آگئی۔ اور اُسی وقت سے ہنی بال کا زوال شروع ہو گیا۔

ہنی بال کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ مفتوحہ مقامات کو اپنے قبضے میں رکھ سکے۔ بعض اوقات مفتوحہ شہر بغاوت کرتے اور اُسے پھر اُنھیں فتح کرنا پڑتا۔ اور سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ قرطاجنہ والے ہنی بال کی اس مہم کو کچھ زیادہ اہمیت نہ دیتے اور نہ اُس کی کافی مدد کرتے۔ اگر اس کے پاس کافی تعداد میں آدمی ہوتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ روم پر قبضہ کر لیتا۔

اب اٹلی میں زمین ہنی بال کے قبضے سے نکلتی جاتی تھی۔ اُس نے قرطاجنہ سے مدد مانگی لیکن وہاں کسے اس کی پروا تھی۔ ہنی بال کی اس مہم کو ایک بے نتیجہ لڑائی سمجھ رہے تھے۔ مگر اس کا بھائی ہیس ڈروبال اسپین سے کچھ فوج لے کے چلا اور اُسی راستے سے آرہا تھا جدھر سے ہنی بال آیا تھا۔ کوہسار آلپس پار کرتے ہی اُس سے اور رومیوں سے مقابلہ ہو گیا اس لڑائی میں ہیس ڈروبال کو شکست ہو گئی۔ اُس کی فوج منتشر ہو کے بھاگی۔ اور اب ہنی بال بالکل بے یار و مددگار تھا۔

رومیوں کو معلوم تھا کہ قرطاجنہ والے اس لڑائی سے پریشان ہیں فقط ہنی بال کی وجہ سے جاری ہے۔ اُنھوں نے ایک اور تدبیر کی۔ اُن کا سپہ سالار سپی یو اسپین پر حملہ آور ہوا۔ اور وہاں سے خاص افریقہ پہونچ کے قرطاجنہ والوں پر حملہ کر دیا۔ اس کا بڑا اثر ہوا۔ قرطاجنہ میں ہنی بال کے دشمن موجود تھے اُنھوں نے غل مچایا کہ یہ آفت ہم پر فقط ہنی بال کی وجہ سے آئی ہے۔ فوراً ہنی بال کو حکم دیا گیا کہ اٹلی سے واپس آئے اور اپنے ملک کو بچائے۔ اس طرح اٹلی میں سولہ سال گزارنے کے بعد ہنی بال قرطاجنہ واپس آیا۔

لیکن اب قسمت نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ مقام زامہ کی لڑائی مین اُسے رومیون کے مقابلے مین شکست ہوگئی۔ اور اُس کی راے کے خلاف قرطاجنہ والون نے رومیون سے صلح کر لی۔ ہنی بال اب ملک کی اندرونی خرابیون کی جانب متوجہ ہوا۔ اور اُن کی اصلاح کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن ایک بہت بڑا گروہ اس کے مخالف تھا جو اُس کی کوئی تدبیر نہ چلنے دیتا۔

اسی زمانے مین شام کا بادشاہ انطیاقس رومیون کے خلاف ہوگیا تھا اور کہا جاتا تھا کہ وہ رومیون کے مقابلے مین جنگ کی تیاریان کر رہا ہے۔ دشمنون نے مشہور کر دیا کہ ہنی بال اور شاہ انطیاقس کے درمیان نامہ و پیام جاری ہے۔ اور اسی کے مشورے سے وہ رومیون کے خلاف ہوگیا ہے یہ امر اس معاہدے کے خلاف تھا جو قرطاجنہ اور روم مین ہوا تھا۔ لہذا تین معزز شخص رومۃ الکبری سے بھیجے گئے تاکہ قرطاجنہ جا کے اس کی تحقیقات کرین اور اگر یہ خبر صحیح ہو تو حکومت قرطاجنہ سے شکایت کرین ہنی بال سمجھ گیا کہ اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کہ مین پکڑ کے رومیون کے حوالے کر دیا جاؤن لہذا وہ وہان سے ایک جہاز مین بیٹھ کے روانہ ہوگیا اور شہر افسوس مین آیا جہان شاہ انطیاقس سے ملا اور کئی سال اُس کے ساتھ رہا لیکن افسوس کہ انطیاقس نے بھی اس کے مشورے پر عمل نہ کیا اور آخر کار رومیون کے مقابلے مین اُسکو شکست ہوگئی اور اتنی قوت بھی نہ رہی کہ ہنی بال کو دشمنون کے ہاتھ سے بچا سکے۔ یہ دیکھ کے ہنی بال خود وہان سے روانہ ہوگیا اور بی تھی نیا کے بادشاہ کے پاس آیا اور کئی سال وہان رہکر رومیون کے مقابلے مین اُسے مشورے دیتا رہا۔

رومۃ الکبری کے سفیر وہان پہونچے اور اُنھون نے اس بات کا مطالبہ کیا کہ ہنی بال ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ تعجب ہے کہ بادشاہ بھی اس پر آمادہ ہوگیا لیکن ہنی بال کو اس کی خبر ہوگئی اور اُس نے زہر کھا کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

اس طرح قرطاجنہ کے اس مشہور و معروف سپہ سالار اعظم کا خاتمہ ہوا۔ یہی شخص تھا جو انھین تباہی و بربادی سے بچا سکتا تھا مگر اس کی قدر قرطاجنہ والون نے اُس کی زندگی مین نہ کی اور بعد مین افسوس کرتے رہے۔

مسلمان فاتحان صقلیہ کی پہلی بزدلی

اہل فرنگ مین جب امیر ابوالقاسم کی فتحون سے اضطراب پیدا ہوا تو وہان کا ایک فرنگی تاجدار اتبر دویل نام بڑا بھاری لشکر اور نہایت زبردست بیڑا لے کے صقلیہ مین آیا اور ماطہ کے قلعے کا محاصرہ کر کے اُس پر قابض ہو گیا۔ اُس کے مقابلے کے لیے یکے بعد دیگرے دو مسلمان فوجین گئین اور دونون کو شکست ہو گئی۔ پندرھوین ماہ ذی قعدہ ۱۷ھ مین خود امیر ابوالقاسم اپنا بیڑا اور اپنا لشکر جرار لے کے چلا کہ بردویل کو ماطہ سے مار کے بھگا دے۔ لیکن جب ماطہ کے قریب پہونچا تو اس کے دل پر بردویل کی کچھ ایسی ہیبت چھا گئی کہ نہایت خوف زدہ ہوا۔ اور اپنے سرداران فوج کو جمع کر کے اُن سے کہا "مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ نہین ہوتا۔ اور جی چاہتا ہے کہ یہین سے پلٹ جاؤن۔ آپ لوگ شاید اس کو نہ پسند کرتے ہون مگر مجھے امید ہے کہ آپ میری رائے سے مخالفت نہ کرین گے"۔ سب لوگ خاموش ہو رہے۔ فوراً اُس نے واپسی کا حکم دیدیا۔ اور سب کو ساتھ لے کے اپنے مستقر حکومت مدینہ کی راہ لی۔

دشمنون کا بیڑا سمندر مین گردآوری کر رہا تھا۔ اور مسلمانون کی نقل و حرکت کی نگرانی ہو رہی تھی۔ اُنھون نے جیسے ہی امیر ابوالقاسم کو پہلے جوش و خروش سے آتے اور پھر بے لڑے واپس جاتے دیکھا بردویل کو اطلاع کی کہ مسلمان آپ سے خوف کھا کے اُلٹے واپس گئے ہین۔ لہذا مناسب ہوگا کہ آپ خود بڑھ کے ان پر حملہ کرین۔ اُنھون نے ہمت ہار دی ہے۔ آپ اُن پر ضرور کامیاب ہون گے"۔ یہ سنتے ہی بردویل نے جہازون پر جو کچھ بوجھ لدا ہوا تھا اُتار کے ماطہ مین چھوڑا۔ یون اُن کو سبک اور تیز رو بنا کے بڑی مستعدی و عجلت سے مسلمانون کا تعاقب کیا۔ اور ۲۰ محرم سنہ ۳۷۲ھ کو اُنھین جا لیا۔

امیر ابوالقاسم کی شہادت

دشمن کو سر پر دیکھ کے مسلمانون نے لڑائی کے لیے صفین درست کین۔ اور فوراً دونون طرف سے حملہ ہو گیا اور نہایت سخت خونریزی ہونے لگی۔ اثنائے جنگ مین فرنگیون کے ایک بہادر و جانباز گروہ نے مسلمانون کے قلب لشکر پر بڑے زور و شور سے حملہ کیا۔ اُن کی صفین درہم و برہم کر دین۔ اور مسلمانون پر ایسا سخت بار پڑا کہ اکثر مسلمان امیر کو چھوڑ کے دور جا پڑے۔ اور دشمن اُس مقام تک پہنچ گئے جہان مسلمانون کا جھنڈا بلند تھا۔ امیر ابوالقاسم جھنڈے کے نیچے قدم جمائے کھڑا تھا کہ کسی فرنگی کی ایسی زبردست تلوار اُس کے سر پر پڑی کہ دماغ کو دور تک کاٹ گئی۔ فوراً گھوڑے سے گرا۔ اور زمین پر گرتے ہی جان دیدی۔ اب لشکر اسلام کی حالت نہایت ابتر تھی اُن کے امیر و سپہ سالار کے ساتھ اور بہت سے بہادران اسلام بھی شہید ہوئے۔ اور مسلمانون کا قدم ہر طرح اُکھڑ گیا۔

شکست کے بعد حیرتناک فتح

اب مسلمان شکست کھا کے بھاگ رہے تھے کہ بعضون نے بعضون کو قدم روک کے للکارا۔ اور کہا "بھاگنا کیسا؟ اگر فتح نہین ہو سکتی تو ہمین لڑ کے مر جانا چاہیے۔ سردار نہین رہے تو کیا ہمارے ہاتھ بھی کٹ گئے ہین؟ ہم یہان بھاگنے کے لیے نہین بلکہ مرنے کے لیے آتے ہین" یہ حوصلہ افزا کلمات سُن کے سب نے دل مین کہا کہ بھاگنا ہمارے لیے ننگ ہے۔ اور فوراً پلٹ پڑے۔ فرنگی جو تعاقب کر رہے تھے مغرورون کو پلٹتے دیکھ کے متحیر ہوئے۔ اسی حیرت مین تھے کہ دلدادگان توحید نے زور و شور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور ہتھیلیون پر سر لے کے دشمنون پر پل پڑے۔ پھر وہ حصۂ دار و گیر

اگریزہ اور زیب کی مسلمان فرنگیوں کی صفوں کو درہم و برہم کیے ڈالتے تھے۔ آخر فرنگی تاب مقاومت نہ لا سکے۔ بدحواس ہو کے بھاگ گئے۔ اور مسلمانوں نے تعاقب کیا۔

شاہ بردویل نے جب دیکھا کہ ہمراہیوں نے ساتھ چھوڑ دیا اور میدان چھوڑ کے بھاگے جاتے ہیں تو وہ بھی چند ہمراہیوں کے ساتھ بھاگا۔ فقط ایک نوکر اور یہودی اس کی رفاقت میں تھا اور مسلمان پیچھے لگے چلے آتے تھے۔ آخر بھاگتے بھاگتے اُس کے گھوڑے نے جواب دے دیا۔ تو گھوڑا کھڑا ہو گیا اور اسی طرح آ گئے تو پکڑا جاتا۔ یہودی نے حق رفاقت ادا کیا۔ فوراً اپنے گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اور اُس کو بردویل کی خدمت میں پیش کر کے کہا "آپ اس گھوڑے پر سوار ہو کے اپنی جان بچائیں اور مجھے میری قسمت کے حوالے کر دیں۔ اگر میں مارا گیا تو امید ہے کہ آپ میرے جورو بچوں کی خبر گیری کریں گے۔" غرض بردویل اُس یہودی کے گھوڑے پر سوار ہو کے بھاگا اور یہودی تعاقب کرنے والوں کے نیزوں کا نشانہ بن کے مارا گیا۔

غرض فرنگیوں کو نہایت ہی سخت شکست ہوئی جس نے ایک ہی دن میں بردویل کی ساری قوت کا خاتمہ کر دیا۔ دشمنوں کے تقریباً چار ہزار آدمی مارے گئے۔ اُن کے بہت سے نامور سردار مسلمانوں کے ہاتھ میں اسیر ہوئے۔ اور بہت کچھ مال غنیمت فتحیابوں کے ہاتھ آیا۔ بردویل تن تنہا بھاگتا ہوا اُس مقام میں پہونچا جہاں اُس کا خیمہ تھا۔ اور اُس کی ملکہ اور اہل و عیال اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ یہاں پہونچنے کے بعد بردویل کی جان میں جان آئی اور پھر اُسے یہاں ٹھہرنے کی جرأت نہ ہوئی چنانچہ بیوی بچوں کے ساتھ جہاز پر سوار ہو کے رومۃ الکبریٰ میں واپس چلا گیا۔ اور اب اُس کے بعد کسی کو مسلمانوں کے مقابلے کی جرأت نہ تھی۔

جابر ابن ابو القاسم والی صقلیہ

اس لڑائی میں جس میں امیر ابو القاسم شہید ہوا اُس کا فرزند جابر اسکے

ساتھ تھا۔ امیر کے شہید ہوتے ہی سب نے اُسے اپنا امیر اور والی صقلیہ بنا لیا۔ چنانچہ فتح کے بعد فوراً ہی اُس نے مسلمانون کو واپسی کا حکم دیا۔ اور واپسی مین ایسی جلدی کی کہ غازیون کو مال غنیمت جمع کرنے کی بھی مہلت نہ دی۔ لوگون نے اس سے کہا بھی کہ یہان جو اسلحہ ملے ہین اور جو مال و دولت ہاتھ آیا ہے اُسے لے لینا چاہیے۔ مگر اُس نے ایک نہ سُنی اور واپس چل کھڑا ہوا۔

اس کا باپ ابوالقاسم مرحوم صقلیہ مین بارہ سال پانچ مہینے اور پانچ دن حاکم اور نائب والی رہا۔ نیابت کے براے نام تھی۔ سارا نظم و نسق اُس کے ہاتھ مین تھا۔ وہ عادل نیک سیرت۔ رعایا پرور۔ اور اپنے ماتحتون کے حال پر نہایت ہی شفیق تھا۔ سب سے اچھی طرح ملتا۔ اور ہر ملنے والے کے ساتھ احسان کرتا۔ بڑی بڑی فیاضیان دکھاتا۔ اور اُن فیاضیون ہی کا یہ انجام تھا کہ باوجودیکہ جہاد مین عظیم الشان دولت پیدا کرتا رہا تھا۔ مگر جب مرا ہے تو ترکے مین ایک درہم یا ایک دینار بھی نہ چھوڑا اور نہ کوئی جائداد غیر منقولہ چھوڑی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس نے اپنی ساری املاک محتاجون اور خیرات کے کامون کے لیے وقف کر دی تھی۔

خلافت فاطمیہ کے مختصر حالات

جزیرۂ صقلیہ چونکہ اس فاطمی خلافت کے زیر نگین تھا جو افریقہ مین قائم ہوئی تھی۔ لہذا اُس خلافت اور صقلیہ کے تعلقات ظاہر کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ ہم دولت فاطمیہ مذکورہ کے مختصر حالات بیان کر دین۔ یہ تو ہم بتا چکے ہین کہ صقلیہ کو عبیداللہ مہدی نے کس اہتمام سے اپنے تابع فرمان رکھا تھا۔ اور اُس پر خلافت عباسیہ کا اثر نہین پڑنے دیا تھا۔

عبیداللہ مہدی جس نے اپنا لقب القائم بامراللہ قرار دیا تھا

جب ۳۳۴ھ میں وہ مر گیا تو اُس کا بیٹا المنصور باللہ سریر آرائے خلافت ہوا۔ ۳۴۱ھ میں جب اُس نے سفرِ آخرت کیا تو اُس کے بیٹے المعز لدین اللہ نے مسندِ خلافت کو زینت دی المعز کے زمانے تک اِس خلافت کو صقلیہ کی حکومت میں پوری دلچسپی تھی جیسا کہ ہر ایک مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہوا ہوگا۔ المعز لدین اللہ کو افریقہ کی سرزمین اپنی اولوالعزمی و حوصلہ مندی کے آگے تنگ نظر آئی۔ اور اُسے فکر پیدا ہوا کہ ملکِ مصر کو فتح کر کے اپنے حدود کو سرحدِ ممالکِ عرب و فلسطین تک پہونچا دے۔ اور پھر آگے بڑھ کے اُن محترم ملکوں پر بھی قبضہ کرے۔ چنانچہ ۳۵۸ھ میں اُس نے ایک لشکرِ عظیم کے ساتھ کوچ کر کے مصر کو فتح کر لیا اور فسطاط قدیم کی زمین عباسیوں سے چھین کے اپنی کر لی۔ مملکتِ مصر آسانی سے فتح ہو گئی تو اُس کا حوصلہ اور بڑھا چنانچہ اسی سلسلے میں اُس نے بڑھ کے ارضِ فلسطین و تمام شام پر اور ارضِ حجاز میں حرمین شریفین پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور جب ان مبارک مقدس ملکوں پر قابض ہو گیا تو اُسے سرزمینِ افریقہ کی چنداں پروا نہ رہی جو دراصل اُس کی خلافت کا اصلی گہوارہ ثابت ہوئی تھی چنانچہ مذکورہ ملکوں کو فتح کر کے افریقہ میں واپس آیا تو وہاں اُس کا دل نہ لگا اور فتوحاتِ مذکورہ کے چوتھے ہی برس ۳۶۲ھ میں اپنے خاندان اور خود حاشم و حشم۔ اور سارے خزانے کو لے کے اُس نے آبائی شہر مہدیہ سے ہجرت کر دی مصر میں جا کے اقامت گزیں ہوا۔ اور شہرِ قاہرہ کو اپنا دارالخلافت قرار دیا۔ ایسی حالت اور ضرورتوں میں ظاہر ہے کہ اُسے صقلیہ کے ایسے ایک متعلق جزیرے کی کیا فکر ہو سکتی تھی۔ اور اُس کی حکومت کا کیا خیال آ سکتا تھا؟

یوسف بلکین حاکمِ افریقہ و صقلیہ

جب وہ مہدیہ چھوڑ کے چلا ہے تو اُس نے ارضِ مغرب اور وہاں کے مقبوضات کا یہ بندوبست کیا کہ سارے افریقہ میں یوسف بلکین بن زیری بن مناد صنہاجی ہی کو جو عربی النسل اور افریقہ کے بہادر و نامور گروہ صنہاجہ کا سردار تھا اپنا نائب مقرر کر کے چھوڑ دیا۔ بجز طرابلس الغرب اور اُس کے قریب کے چند اور مقامات کے جن کی حکومت اُس نے ایک اور شخص کو عطا کی باقی سارے افریقہ کا حاکم اُس نے یوسف بلکین ہی

کو قرار دیا۔ اسی وقت اُس نے حسن بن علی بن ابی الحسین کو صقلیہ کا والی مقرر کیا جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے۔ لیکن یوسف بلکین کو سب پر فوقیت دی۔ اور صقلیہ و طرابلس کے حاکموں کو بھی حکم دیا کہ اُس کی اطاعت کرتے رہیں صقلیہ کی طرف سے اُس کی بے پروائی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اپنی مہموں میں مدد لینے کے لیے حسن بن علی کو بھی بلا کے اپنے ساتھ لے لیا۔ اور حکومت صقلیہ پہلے حسن کے بیٹے احمد کو دی اور چند روز بعد احمد کو بھی اپنے پاس بلوا کے حسن کے غلام یعیش کو جو اپنے آقا کی طرف سے نیابتہً والی بنا دیا۔ اس انتظام میں ناکامی ہوئی تو حسن کے دوسرے بیٹے ابوالقاسم کو بھیجا جو مذکورۂ بالا جہاد میں ۳۷۲ھ میں شہید ہوا۔ اُس کے بیٹے جابر بن ابوالقاسم کے عہد کے حالات مورخین نے بالکل نہیں لکھے ہیں۔ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتنے دنوں تک صقلیہ میں خدمت کرتا رہا۔ اور نہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ حکومت صقلیہ اُسی کی ذات پر ختم ہو گئی یا اس کے بعد اُس کے کسی فرزند کو بھی مسند نشینی کی عزت نصیب ہوئی۔

ابوالفتوح یوسف بن عبداللہ والی صقلیہ

جابر کے باپ کی شہادت کے سولہ برس بعد یعنی ۳۸۸ھ میں ہم دیکھتے ہیں کہ حاکم صقلیہ اُس کے باپ کا چچازاد بھائی ابوالفتوح یوسف بن عبداللہ بن ابی الحسین ہے۔ اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص کئی سال پیشتر سے وہاں کا حاکم و والی تھا۔ اس لیے کہ اُسے فاطمی خلیفۂ مصر عزیز باللہ یعنی المعز لدین اللہ کے بیٹے نے اس خدمت پر مامور کیا تھا اور چونکہ عزیز باللہ کی وفات ۳۸۶ھ میں ہوئی اس لیے یقین ہے کہ ابوالفتوح تین چار سال پیشتر سے صقلیہ پر حکومت کر رہا ہوگا۔ اُس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ نیک سیرت رعایا نواز اور اہل جزیرہ کے حال پر شفیق و مہربان تھا۔ اور سارے علاقے کا انتظام بوجہ احسن جاری تھا۔ مگر ۳۸۸ھ میں اُس پر فالج گرا جس نے اُسے حکومت سے معذور کر دیا۔ ابھی یہ حالت دیکھ کے اُس نے اپنے بیٹے جعفر کو اپنا نائب قرار دیا۔ اور خود خانہ نشین ہو کے عنان فرماں روائی بیٹے کے ہاتھ میں دیدی۔

جعفر کی نسبت بھی مورخین کا بیان ہے کہ باپ کے نقش قدم پر چلتا تھا۔

کریم النفس رحم دل اور فیاض تھا۔ اور رعایا اُس سے خوش تھی۔ مگر بدقسمتی سے یہ حالت صرف سنہ ۴۰۵ھ تک رہی تھی کہ مسلمانون مین باہمی جنگ و پیکار شروع ہو گئی جس کا آغاز یون ہوا کہ سنہ مذکور مین جعفر کے بھائی علی نے علم مخالفت بلند کیا۔ اور کوشش کی کہ باپ کی زندگی ہی مین بھائی کو ہٹا کے خود نائب والی بن جائے۔ معذور باپ بیٹون کے جھگڑے کو خموشی سے دیکھتا تھا اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔ علی کے ساتھ اہل بربر کی ایک جماعت کثیر تھی اور شاہی غلامون کا ایک گروہ عظیم بھی اُس کے علم کے نیچے جمع ہو گیا بھائی کو یون سر پرخاش دیکھ کے جعفر نے اپنا لشکر جمع کیا اور بہت بھاری زبردست لشکر سرکش بھائی کے مقابلے پر روانہ کر دیا۔ ۵ شعبان سنہ ۴۰۵ھ کو دونون لشکرون کا سامنا ہوا۔ اور سامنا ہوتے ہی لڑائی چھڑ گئی۔ چونکہ جعفر کا لشکر بہت زبردست تھا علی کو فاش شکست ہوئی۔ بربریون اور غلامون کی ایک جماعت کثیر قتل ہو گئی۔ اور خود علی بھی گرفتار کر کے فتحمند بھائی کے سامنے پیش کیا گیا۔ بھائی نے علی کی طرف سے بھائی کا خون اس قدر سفید کر دیا تھا کہ اُس نے فوراً بھائی کے قتل کا حکم نافذ کر دیا۔ اور اگرچہ شکست نصیب فرزند کے لیے باپ روتا اور آنسو بہاتا رہا مگر جعفر نے جو نشہ حکومت مین مست تھا نہ باپ کے گریہ و زاری کا خیال کیا نہ بھائی کی مظلومی و بیکسی کا اور بلا تامل اُسے قتل کر ڈالا۔

لیکن بھائی کی جان لینے پر بھی جعفر کا غصہ فرو نہ ہوا۔ سارے صقلیہ اور اپنی قلمرو مین حکم جاری کر دیا کہ تمام شاہی غلام پکڑ پکڑ کے قتل کر ڈالے جائین اور جتنے بربری ملین صقلیہ سے نکال دیے جائین۔ چنانچہ ہزارون غلام قتل ہو گئے۔ اور بربریون کی ایک خلقت عظیم پکڑ پکڑ کے سواحل افریقہ پر اُتار دی گئی۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ ولایت صقلیہ کی فوج کی تعداد بہت ہی گھٹ گئی۔ یہان فوج مین زیادہ تر اہل بربر تھے جو اصلی فاتحان جزیرہ تھے اور اُن کے بعد سب سے بڑا گروہ شاہی غلامون کا تھا۔ خاص صقلیہ کے لوگون کی بہت ہی تھوڑی فوج تھی۔ بربریون اور غلامون کے فنا ہو جانے کے بعد تھوڑی سی وطنی فوج جو باقی رہ گئی اُس پر اول تو بھروسہ نہین کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے تعداد مین وہ اس قدر کم تھی کہ رعایا پر سے سلطنت کا رعب بالکل اُٹھ گیا۔ اور اکثر لوگون سے تمرد

طغیان کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اُن لوگون کے دبانے کے لیے جعفر نے ایک ایسے شخص کو افسر مقرر کیا جو نہایت سخت گیر اور سنگدل تھا۔ اُس کی یہ عام حالت ہو رہی تھی کہ لوگون پر طرح طرح کے جور و تشدد کرتا۔ سرکاری مالگذاری مین بجاے ایک معمولی و مروجہ عشر (پیداوار کا دسوان حصہ) کے کئی عشر وصول کر لیتا۔ سردارون امیرون اور معززین شہر کی تحقیر و توہین کرتا۔ اور کسی قسم کی دست درازی نہ اُٹھا رکھتا۔

اس کے علاوہ خود جعفر کی طبیعت بھی بدل گئی تھی۔ ایک بھائی کی بغاوت نے ساری بھائیون کی طرف سے بدظن کر دیا تھا۔ جس وہم مین مبتلا ہو کے وہ سب بھائیون پر جبر و تشدد کرنے لگا۔ باپ نے بہت سمجھایا۔ مگر جعفر مردم آزاری اور بھائیون پر ظلم کرنے سے کسی طرح باز نہ آیا۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ ساری رعایا اُس کی دشمن اور خون کی پیاسی ہو گئی۔ اور فوج کی کمی اور حکومت کی کمزوری سے جو لوگ سرتابی پر آمادہ ہوئے تھے اُن کا حوصلہ بڑھ گیا۔

آخر سنہ ۴۱۱ھ مین لوگون نے شورش مچا دی۔ اور دار السلطنت کے لوگ ہجوم کر کے چڑھ آئے۔ اُس کے محل کو گھیر لیا۔ اور سب اس پر اڑے ہوے تھے کہ ہم جعفر کو پکڑ کے قتل کر ڈالین گے۔ جعفر کے پاس مقابلے اور دشمن بلوائیون کے ہاتھ سے جان بچانے کی کوئی قوت نہ تھی۔ گھر مین چھپا بیٹھا تھا اور زندگی سے مایوس تھا کہ معز ور باپ کو اُس کے حال پر ترس آیا جو بیٹون کی مصیبتین دیکھنے اور سب خاندان کی تباہی دیکھنے کے لیے اب تک زندہ تھا۔ وہ ایک قفس مین بیٹھ کے باہر آیا۔ اور اُس کی قفس بلوائیون کے سامنے لا کے رکھ دی گئی۔ اُس کی نیکیان ہمدردیان اور فیاضیان یاد تھین صورت دیکھتے ہی سب نے اُس کی قفس گھیر لی۔ گرد کھڑے ہو کے زار و قطار رونے لگے۔ اور جوش گریہ کم ہوا تو عرض کیا آپ کے فرزند جعفر نے اندھیر مچا رکھا ہے۔ اگر ہم پر آپ ویسے ہی مہربان ہین جیسے پہلے تھے تو اپنے دوسرے فرزند احمد ملقب بہ اکحل کو حاکم مقرر فرما دیجیے۔" یوسف نے رعایا کی یہ خواہش اُسی وقت پوری کی۔ احمد اکحل کو نائب مقرر کر دیا۔ اور عنان فرمان روائی اُس کے ہاتھ مین دیدی۔

حُسن کی کرشمہ سازیان

ہائی پے شیا

تاریخ مین عیسائیون اور یہودیون کے تعصب اور مذہبی عداوت کے بیشمار نمونے موجود ہین لیکن عیسائیون سے جیسی بے رحمی اس حسین اور صاحب جمال خاتون ہائی پے شیا کے معاملے مین ظاہر ہوئی شاید اور کبھی نہ ہوئی ہوگی اور اسی کی حسرت آلود داستان آج ہم اپنے ناظرین کو سنانا چاہتے ہین۔

تھیوڈوسیوس قیصر کے عہد مین یہ مشہور عورت شہر اسکندریہ مین پیدا ہوئی۔ یہ پری وش نازنین حسن و جمال، علم و فضل اور فصاحت و بلاغت مین اعجوبۂ روزگار تھی اس کے باپ کا نام تھیون تھا جو اس زمانے کا مشہور ریاضی دان تھا۔ ہائی پے شیا نے اپنے باپ سے تعلیم پائی اور نہ فقط ریاضی ہی مین نہین بلکہ ہیئت اور فلسفہ مین وہ درجہ حاصل کیا کہ بہت سی کتابین لکھین اور انیتھنیہ اور اسکندریہ مین فلسفہ کا درس دینے لگی۔

اس زمانے مین اس کے وطن اسکندریہ کا حاکم ایک نہایت بد باطن اور متعصب شخص سائرل تھا۔ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ آبادی چھوڑ کے جنگلون اور ریگزارون مین رہنے لگا لیکن اس کی نظرین دنیا ہی کی جانب لگی ہوئی تھین۔ اس کا چچا تھیوفلوس اسکندریہ کا بڑا پادری تھا اس نے سائرل کو بلایا اور وہ فوراً اس سے باہر چلا آیا اور اپنے چچا کی جگہ گرجون مین وعظ کہنے لگا۔ چونکہ قابل تھا بہت جلد سارے شہر مین مشہور ہو گیا۔ چند روز بعد تھیوفلوس مر گیا۔ اب سائرل کے لیے میدان خالی تھا لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ اسکندریہ کے پادریون مین اختلاف تھا فوجی سپاہیون اور حکام نے ایک اور پادری کی طرفداری کی۔ مگر عوام نے سائرل کو ترجیح دی اور ایسے جوش و خروش کے ساتھ کہ نظر آتا اگر ان کے خلاف کیا گیا تو ہنگامہ کر دین گے۔ لہذا تھیوفلوس کی جگہ سائرل کا انتخاب ہو گیا۔

اب سائرل کو اپنے دل کے حوصلے نکالنے کا موقع ملا سلطنت کمزور

ہو رہی تھی۔ اسکندریہ دارالسلطنت سے بہت دور واقع ہوا تھا۔ چند روز مین
سائرل نے دیوانی اور فوجداری اختیارات حاصل کر لیے۔ اور سارے شہر کا انتظام
اب اُسی کے اختیار مین تھا عوام بالکل اُس کے ہاتھ مین تھے جب چاہتا اُنھین
جوش دلا دیتا اور جب چاہتا اُن کے غصے کو فرو کر دیتا سب لوگ اُس کے احکام پر
آنکھین بند کر کے عمل کرتے۔

اسکندریہ مین یہودی بھی تھے جنھین خود اسکندر نے لا کے وہان
آباد کیا تھا قیصرون نے اُن کے حقوق تسلیم کیے تھے اور اب تک وہ امن کے
ساتھ زندگی بسر کرتے رہے تھے۔ اس وقت اِس شہر مین اُن کی تعداد چالیس ہزار
سے زیادہ تھی۔ اسی زمانے مین ہائی پے شیا کی شہرت ہوئی۔ اُس نے علم و فضل مین
وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ اپنے اخلاق اور فصاحت بیانی کی بدولت عوام کو
ہی نہین بلکہ بڑے بڑے علما اور فضلا کو مسخر کر لیتی۔ اسکندریہ مین روزانہ
لوگون کا ہجوم رہتا جو اُسے دیکھنے اور اُس سے ملنے کے لیے یونان اور
ایشیا کے مختلف صوبہ جات سے آیا کرتے۔ ہم بیان کر چکے ہین کہ سائرل بڑا
بدباطن اور مغرور شخص تھا۔ ہائی پے شیا کے دروازے پر شاگردون غلامون
نوکرون اور گھوڑون کا ہجوم دیکھ کے اُسے اُس کی شہرت اور ہر دلعزیزی پر حسد
معلوم ہوا۔ چند روز دل ہی دل مین سوچتا رہا کہ کس طرح اس ماہوش نازنین
کو اپنے شکنجے مین لاؤن۔ آخر کار اِس کی کوئی صورت اُس کے خیال مین نہ آئی
وہ عیسائی تھا۔ اور پھر ایک پادری جو شادی بھی نہین کر سکتا۔ ہائی پے شیا ایک
اسرائیلیہ عورت تھی۔ رفتہ رفتہ اُس کے عشق نے عداوت اور دشمنی کی صورت
اختیار کر لی۔ اور اس نے دل مین ٹھان لیا کہ جس سے مین نہ فائدہ اُٹھا سکون
اس سے کوئی اور بھی نہ فائدہ اُٹھا سکے یہ خیال کرتے ہی وہ عام طور پر یہودیون
کا دشمن ہو گیا اور اُن پر طرح طرح کے مظالم کرنے لگا۔ اب اُس نے ارادہ کیا
کہ سارے یہودیون کو اسکندریہ سے نکال دے۔ اور اس کے لیے عجیب و غریب
بہانے ڈھونڈھتا۔ ایک دن کھیلون اور تماشون مین عیسائیون اور یہودیون
کے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہوا اور اس قدر بڑھا کہ سارے شہر مین ہنگامہ

ہو گیا۔ اب سائرل کو اپنا بغض نکالنے کا کافی موقع مل گیا کہ یہودی باغی قرار دیدیے گئے۔

عیسائیون مین بھی اس زمانے مین سخت اختلاف تھا۔ اور مذہبی تعصب اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک جماعت دوسرے کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی اتفاقاً اس زمانے مین اسکندریہ کا حاکم جو قیصر تھیوڈوسیوس کی جانب سے مقرر ہوا تھا سائرل کا ہمخیال نہ تھا۔ بلکہ اُس کے عقائد اس کے خلاف واقع ہوے تھے۔ ہائی پیشیا کے علم و فضل کا حال وہ پہلے ہی سُن چکا تھا۔ یہان آتے ہی اُس سے ملا اور دونون مین باوجود مذہبی اختلاف کے بہت گہری دوستی قائم ہو گئی۔

سائرل کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ کیا کرتا کہ اُس کے اختیارات مین مداخلت کی گئی اور ایک شخص شہر کا حاکم بنا کے بھیج دیا گیا۔ پھر جب اُس نے دیکھا کہ یہ شخص میرے خلاف اور ہائی پے شیا کا دوست ہے تو اُس سے بگڑ گیا۔ اور طرح طرح کے بہانے ڈھونڈھنے لگا۔

حاکم شہر نے ایک شخص کو جو سائرل کا طرفدار تھا پکڑ لیا اور اُسے تکلیفین دی گئین تاکہ اس ہنگامے کا حال بتا دے جو یہودیون اور عیسائیون مین ہوا تھا۔ سائرل کے لیے یہ بہانہ کافی تھا۔ اُس نے عوام کو جوش دلایا اور یہودیون کے سناگاگ (عبادت خانون) پر حملہ کر دیا۔ یہودیون کے پاس نہ آلات تھے اور نہ وہ اِس حملے کے لیے تیار تھے۔ ان کے عبادت خانے منہدم ہو گئے۔ مکان لوٹ لیے گئے اور پادری صاحب نے حکم دیدیا کہ یہودی شہر سے نکال دیے جائین۔

شہر کا عامل ہائی پے شیا کا دوست تھا۔ اُس نے یہودیون کی طرفداری کی اور قیصر کے دربار مین شکایت کر دی لیکن سلطنت کی کمزوری کا زمانہ تھا ایسے زبردست پادری کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جا سکی۔ اور کوشش کی گئی کہ دونون مین صلح ہو جائے لیکن ابھی یہ معاملہ طے نہین ہونے پایا تھا کہ ایک دن عامل کی گاڑی شہر مین سے گزر رہی تھی کہ سائرل کے طرفدار راہبون نے اُس پر حملہ کر دیا۔ عامل کے ہمراہی سپاہی اُسے چھوڑ کے بھاگ گئے۔ لیکن

شہر کے وفادار لوگون نے اُن کا ساتھ دیا اور پادریون کو مار کے ہٹا یا۔ اس ہنگامے مین عامل زخمی ہوا اور ایک پادری جو دور سے کھڑا اُس کی طرف پتھر پھینک رہا تھا لوگون کے ہاتھ مین گرفتار ہوا۔ عوام نے جوش مین آ کے اُسے قتل کر ڈالا اور اُس کی لاش ایک سولی پر لٹکا دی۔ پادری کے طرفدار اپنی یہ توہین نہ دیکھ سکے جا کے اُسے اُتار لائے اور بڑی شان و شوکت سے تجہیز و تکفین کا سامان کرنے لگے۔ خود سائرل نے اُس کی لاش کے پاس کھڑے ہو کے ایک تقریر کی جس مین بتایا کہ یہ شخص خدا کی راہ مین شہید ہوا ہے۔

گر سائرل اب ہائی پے شیا کا سخت دشمن اور اُس کی تباہی کے درپے ہو گیا۔ لوگون مین مشہور ہوا کہ پادری اور عامل کے درمیان مین جو مخالفت ہے وہ ہائی پے شیا کی وجہ سے ہے۔ لہذا سائرل نے اپنے دل مین ارادہ کر لیا کہ ہائی پے شیا کسی طرح مار ڈالی جائے اور اس کام کے لیے اُس نے گرجے کے ایک واعظ پطرس کو منتخب کیا۔ اور دینی جوش مین وہ اُس کے قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

اب ہائی پے شیا کا گھر سے نکلنا مشکل تھا جس وقت وہ کہین جاتی لوگ اُس پر حملہ کرتے۔ لیکن شہر مین عامل کے طرفدار بھی موجود تھے جو اکثر بچا لیا کرتے۔ ایک روز وہ اپنے مکان سے کہین گئی تھی پطرس کو اس کی خبر ہو گئی۔ بدمعاشون کی ایک جماعت کے ساتھ وہ اُس کے مکان کے دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا اور جیسے ہی ہائی پے شیا گاڑی سے اُتر کے مکان کے اندر جانے لگی اُسے پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوے ایک قریب کے گرجے مین لے گئے۔ سائرل کے حکم سے اسی گرجے مین پطرس نے ہائی پے شیا پر طرح طرح کے مظالم کیے اور نہایت بیرحمی کے ساتھ اُس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ پھر اُس کا گوشت ہڈیون سے جدا کیا گیا اور اُس کی پھڑکتی ہوئی بوٹیاں آگ مین ڈال دی گئین۔

اِس طرح ایک گل اندام عالمہ و فاضلہ کا اپنے حسن کی بدولت خاتمہ ہوا۔

یوڈوشس اور لیونٹائن

(ایڈیسن)

یوڈوشس اور لیونٹائن دو نہایت غریب لڑکے تھے لیکن دونون سمجھدار اور نیک تھے دونون نے ساتھ ہی ساتھ تعلیم پائی اور آپس مین ایسی دوستی اور محبت ہوگئی کہ آخر عمر تک قائم رہی۔ یوڈوشس اپنی اسکول کی تعلیم ختم کرکے کسی سرکاری محکمہ مین نوکری کرلی اور اپنی اعلیٰ قابلیت کی بدولت درجہ بدرجہ ترقی کرتا گیا یہان تک کہ وہ بڑا مالدار شخص ہوگیا۔ لیکن لیونٹائن نے اپنی زندگی سیر و سیاحت اور مختلف علوم کے حاصل کرنے مین صرف کی۔ اور چند روز مین اسے ہر فن سے واقفیت ہوگئی۔ اور سارے ملک مین اُس کے علم و فضل کی شہرت تھی۔ اُس نے فقط اپنے ہی ملک مین سفر نہین کیا بلکہ دور دراز کے ممالک مین گیا اور بڑے بڑے بادشاہون سے ملا تھا۔

اس سیر و سیاحت اور مختلف ملکون کے لوگون سے ملنے کی وجہ سے لیونٹائن اپنے زمانے کا بڑا تجربہ کار عالم ہوگیا۔ اُس کا دوست یوڈوشس مال و دولت مین ترقی کرتا گیا۔ یہان تک کہ جب دونون کی عمر چالیس سال کے قریب ہوگئی تو اُنھون نے ارادہ کیا کہ اب اپنی بقیہ زندگی دوستی و یکجہتی کے آرام و آسائش مین بسر کردین۔

اس خیال کے پیدا ہوتے ہی دونون اس بات پر آمادہ ہوگئے کہ شہر کے شور و غل کو چھوڑ کے کہین دیہات مین رہین۔ دونون نے اپنی شادیان کین اور یوڈوشس نے ایک بہت بڑا علاقہ خرید لیا۔ اور لیونٹائن نے بھی اپنے دوست کے قریب ہی ایک چھوٹی سی زمین مول لے لی۔

اُن کی شادی کو ایک سال سے زیادہ زمانہ نہ گذرا ہوگا کہ دونون کے اولادین ہوئین۔ یوڈوشس کے یہان لڑکا پیدا ہوا اور لیونٹائن کے یہان لڑکی۔ مگر اس کے ساتھ ہی لیونٹائن کی بیوی نے بھی سفر آخرت کیا۔

ایکدن دونون اسی غم مین بیٹھے باتین کررہے تھے کہ لیونٹائن

نے کہا "بغیر عورت کے لڑکی کی تعلیم و تربیت غیر ممکن ہے" یہ کہہ کے وہ اپنی قسمت پر افسوس کرنے لگا۔ تو ڈوشس ایک دوسرے خیال میں مصروف تھا۔ اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جب لڑکون کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم کسی بڑی جائداد کے مالک ہون گے تو اُن کی تعلیم بہت زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ غرض کہ دونون مین کچھ ایسی باتین ہوئین کہ اسی صحبت مین طے ہو گیا کہ دونون اپنے اپنے بچون کو بدل لین۔ لیونٹائن لڑکے کی تعلیم و تربیت اپنے ذمے لے اور لڑکی تو ڈوشس اور اُس کی بیوی کے پاس پرورش پائے اور بیس سال کی عمر تک یہ راز اُن بچون پر بھی نہ ظاہر ہونے پائے۔ تو ڈوشس کی بیوی نے بھی اس تجویز کو پسند کر لیا کیونکہ وہ بھی سمجھدار عورت تھی اور اُس نے دیکھا کہ اس طریقے سے میرے بیٹے کی بہترین تعلیم ہو جائے گی اور پھر وہ میری نظرون کے سامنے بھی رہے گا۔ لہذا اُس نے لیونٹائن کی لڑکی لیونلا کو اپنے پاس رکھ لیا۔ اور اپنے بیٹے فلوریو کو لیونٹائن کے حوالے کر دیا۔ اور دونون بچے ایسی توجہ اور محبت مین پرورش پانے لگے کہ یہ بالکل نہ معلوم ہوتا کہ یہ پرورش کرنے والے اُن کے حقیقی والدین نہین ہین۔

دونون بڑے ہوے اور سن تمیز کو پہونچے۔ فلوریو نے اپنی حالت پر غور کیا تو اُسے نظر آیا کہ اپنی محنت کے سوا اور کوئی ذریعہ زندگی بسر کرنے کا نہین ہے۔ روزانہ یہی خیال اُس کے دل مین پختہ ہوتا گیا اور اِس کا ایسا اچھا اثر پڑا کہ لیونٹائن اُسے جس طرف لگا دیتا وہ بڑی محنت سے اُسے حاصل کرتا۔ درحقیقت وہ بڑا ذہین واقع ہوا تھا اور لیونٹائن کی اعلی تعلیم نے اُسے بہت جلد ترقی کرنے کا موقع دیا۔ ابھی اُس کی عمر پورے بیس سال کی نہ تھی کہ اُس نے بہت سے علوم حاصل کر لیے اور مردانگی کے کھیل تماشون مین بھی بڑی شہرت حاصل کی۔

فلوریو اکثر تو ڈوشس کے مکان پر آتا۔ اور بچپن کے اُنس نے اُس کے دل مین لیونلا کے ساتھ محبت کی شمع روشن کر دی جو اندر ہی اندر روشن ہو کے عشق کے درجے کو پہونچ گئی۔ لیکن اپنے عشق کا حال وہ کسی پر

ظاہر نہ کر سکا کیونکہ بظاہر اُسے نظر آتا تھا کہ اتنی دولتمند اور صاحب جائداد لڑکی سے مین کیونکر شادی کر سکون گا۔ لیونلا نہایت حسین شرمیلی لڑکی تھی۔ وہ بھی دل ہی دل مین فلوریو کے ساتھ محبت کرتی۔ لیکن کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔

فلوریو اپنی ترقی تعلیم مین مصروف تھا کیونکہ اُسے فقط یہی ایک ذریعہ ایسا نظر آیا جس سے دولت پیدا کر کے لیونلا سے بھی شادی کی درخواست کی جا سکتی ہے۔ اب اُس کی عمر بیس سال کے قریب پہونچ گئی تھی اور وہ اپنے مکان سے دور کسی شہر مین تھا۔ دفعتہ لیونٹائن نے اُسے اپنے پاس بلا بھیجا۔ یوڈوشس اور اُس کی بیوی مین اپنے بیٹے فلوریو کی شہرت اور ترقی تعلیم کا حال سُن سُن کے اب ضبط کی طاقت نہ باقی رہی اور اُنھون نے لیونٹائن کے ذریعے سے بلا بھیجا۔

فلوریو لیونٹائن کے پاس پہونچا۔ اور اُسی وقت لیونٹائن نے اُس سے کہا "میرے دوست یوڈوشس کو تم سے کچھ ضروری باتین کرنی ہین لہذا تم جا کے اُن سے مل آؤ" یہ سنتے ہی وہ اُٹھ کے فلوریو سے ملا اور آبدیدہ ہو کے اُسے رخصت کر دیا۔

فلوریو یوڈوشس کے مکان پر پہونچا وہ اس کا منتظر ہی تھا بڑی خاطر سے بٹھایا اور تھوڑی دیر کے بعد اطمینان سے اُس سے اُس کے نسب اور تعلیم و تربیت کا حال بیان کر دیا پھر آخر مین کہا "در اصل لیونٹائن کی اس محنت اور شفقت کا شکریہ جو اُنھون نے تمھاری تعلیم مین اُٹھائی میرے امکان سے باہر ہے لیکن اس کا کچھ معاوضہ اگر ہو سکتا ہے تو یہی کہ اُن کی بیٹی کے ساتھ تمھاری شادی کر دیجائے۔ اس طرح یہ حال معلوم ہو جانے کے بعد بھی تم لیونٹائن کے عزیز رہو گے اور اُنھین جو صدمہ تمھارے علحدہ کرنے کا ہوا ہو گا کم ہو جائے گا۔ اور لیونلا بھی اس کے بعد میری بیٹی اور میرے ہی یہان رہے گی۔ اگرچہ وہ یہ نہین جانتی تھی کہ مین در اصل اُس کا باپ نہین ہون لیکن اُسے میرے ساتھ بڑی محبت ہے۔ اور اس محبت کا یہی صلہ ہے کہ اس کی شادی تمھارے ساتھ کر دیجائے۔ تم میری جائداد کے مالک ہو اور اب اپنی تعلیم و تربیت کی وجہ سے اُسے ترقی دے سکو گے۔ لیکن اگر تمھین پہلے سے معلوم ہو جاتا کہ اتنی بڑی جائداد

تمھارے قبضے مین آجائے گی تو حصول علم مین ہرگز اتنی محنت نہ کرسکتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ جائداد ضائع ہوتی اور تم اُس سے بھی بخوبی فائدہ نہ اُٹھا سکتے۔ جاؤ دوسرے کمرے مین تمھاری مان تمھارا انتظار کر رہی ہین اور تم سے ملنے کی مجھ سے زیادہ مشتاق ہین اور جس وقت مین نے یہ واقعات تم سے بیان کیے ہین اُسی وقت اُنھون نے یہ باتین لیونلا سے کہہ دی ہون گی"

فلوریو کو یہ واقعات معلوم کر کے ایسی خوشی ہوئی کہ اُس کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکل سکا۔ وہ تھوڑی دیر تک خاموشی کے ساتھ اپنے باپ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اُٹھ کے اُن کے قدمون پہ گر پڑا۔ کیونکہ سب سے زیادہ جس بات کی اُسے خوشی ہوئی وہ اُس کی جائداد نہ تھی بلکہ وہ لیونلا تھی۔ پیونشاَن نے بھی اس تجویز کو پسند کیا اور اس کے دو ہی چار روز بعد فلوریو اور لیونلا کی شادی ہو گئی اور اُن کی بقیہ عمر اطمینان اور آرام مین بسر ہوئی۔

معزز ناظرین

دلگداز کی اشاعت مین اس مرتبہ غیر معمولی اور بہت زیادہ تاخیر ہو گئی۔ لیکن آیندہ کے لیے اہتمام کر لیا گیا ہے اور اب امید ہے کہ بہت جلد سب بقیہ پرچے نکل جائین گے اور یہ پرچہ ہمیشہ وقت پر نکلا کرے۔ اس کا تجربہ آپ کو بعد مین ہو گا۔

منیجر دلگداز

اطلاع ۔ انجمن اشاعۃ الاسلام کی جانب سے چندہ وصول کرنے کی غرض سے مولوی محمد ابراہیم صاحب مضافات مین روانہ کیے گئے ہین۔ اور فی الحال وہ صوبہ جات متحدہ مین دورہ کر رہے ہین برادران اسلام سے امید ہے کہ اُن کی مدد کرین گے اور اُنھین چندہ دینے مین تامل نہ فرمائین گے۔

خادم قوم محمد سراج الحق شریک معتمد انجمن

قدیم سیاحان ہندوستان

پندرھوین صدی عیسوی کے آغاز مین نکلو کانٹی نام وینس کے ایک تاجر نے ہندوستان سفر کیا۔ اور یہ تھا الجزائر چین اور مصر ہوتا ہوا پچیس سال کے بعد اپنے وطن واپس آیا۔ اس سفر مین وہ اپنی بی بی اور بچون کو ساتھ لیتا گیا تھا۔ واپسی کے وقت مصر مین اُسے اپنا مذہب عیسوی چھوڑ دینا پڑا۔ جب وہ وطن مین پہونچ گیا تو پوپ یوجن چہارم سے درخواست کی کہ میرا گناہ کبیرہ جو اپنی جان بچانے کی غرض سے سرزد ہو گیا تھا معاف کر دیا جائے۔ پوپ نے اس کی درخواست منظور کر لی لیکن یہ شرط لگا دی کہ اپنے سفر کے حالات سکرٹری پوگیو بریسولینی سے بیان کرو۔ پوگیو نے یہ واقعات اس سے سن کے لاطینی زبان مین لکھ دیے تھے۔ اور ہمین یقین ہے کہ اس کے حالات ناظرین دلگداز کے لیے بہت ہی دلچسپ ثابت ہون گے۔

نکلو دمشق الشام مین ایک تاجر کی حیثیت سے رہتا تھا۔ اور عربی زبان سیکھ کے ایک قافلے کے ساتھ جس مین چھ سو تاجر تھے اپنا مال تجارت لے کے عراق عرب کی جانب روانہ ہو گیا اور چیلیڈیا ہوتا ہوا دریائے دجلہ کے کنارے پہونچا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اس راستے مین ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ آدھی رات کو جب ہم سب ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے زور و شور کی آوازین آنا شروع ہوئین۔ ہم سمجھے کہ عربون نے حملہ کر دیا ہے اور ہمین لوٹنے آ رہے ہین لہذا ہر شخص اُٹھا اور مقابلے کے لیے تیار ہو گیا۔ اب ہم ان کے انتظار مین کھڑے تھے کہ دیکھا لوگون کی ایک بہت بڑی جماعت گھوڑون پر سوار چلی جا رہی ہے وہ سوار قریب آ گئے اور ہمارے خیمون کے پاس سے گزرنے لگے۔ لیکن ہم سے کچھ نہ بولے بعض تجربہ کار تاجرون نے جو ایسے واقعات پہلے دیکھ چکے تھے کہا کہ یہ جن ہین اور اس

میدان میں اکثر اسی طرح نظر آیا کرتے ہیں۔

دریائے دجلہ کے کنارے ایک بہت بڑا شہر ہے جس میں قدیم شہر بابل کا ایک حصہ بھی آگیا ہے یہ شہر چودہ میل کے رقبہ میں آباد ہے۔ یہاں کے لوگ بلدو شیا (بغداد) کہتے ہیں۔ دریائے دجلہ اس شہر کے بیچ میں سے ہو کے گزرا ہے اور ایک پل کے ذریعے سے جس میں چودہ در ہیں اور دونوں جانب دو مضبوط برج بنے ہیں شہر کے دونوں حصوں میں آمد و رفت ہے۔ بغداد کے قریب شہر بابل کی بہت سی یادگاریں اور عمارتوں کے کھنڈر اب تک باقی ہیں شہر کے ایک بلند مقام پہ مضبوط قلعہ ہے اور اسی کے اندر شاہی قصر ہیں۔

یہاں سے روانہ ہو کے میں نے بیس دن کشتی میں سفر کیا اور دریا کے دونوں جانب نہایت زرخیز زمینیں نظر آئیں۔ پھر آٹھ روز خشکی کا سفر کر کے بصرہ پہونچا اور وہاں سے چار روز کے بعد خلیج فارس میں داخل ہوا۔ اس سمندر میں بحر اٹلانٹک کی طرح مد و جزر ہوتا ہے۔ یہاں سے چار روز جہاز پر سفر کر کے بندرگاہ قلقوس میں اور وہاں سے جزیرہ ہرمز پہونچا۔ جو ساحل سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس جزیرے سے میں ہندوستان کی جانب روانہ ہوا اور سو میل چل کے ایک شہر میں آیا جو کل کے شیا کہلاتا ہے اور ایران کا ایک بہت بڑا بندرگاہ ہے۔ یہاں میں چند روز ٹھہر گیا فارسی زبان سیکھی جس سے بعد میں بہت کام نکلا۔ یہیں سے میں نے ایرانیوں کا لباس اختیار کیا اور پھر سارے سفر میں اسی کو پہنتا رہا۔ پھر چند ایرانی تاجروں کے ساتھ میں نے ایک جہاز کرایہ پر لیا اور آپس میں قول و قرار کر کے کہ ایک دوسرے کے ساتھ دیانتداری اور راستبازی سے پیش آئیں گے روانہ ہو گیا۔

اس طرح ایک مہینہ سفر کر کے اور دریائے سندھ کے دہانے سے گزر کے میں ایک خلیج میں داخل ہوا اور شہر کھمبایت پہونچا۔ یہاں ایک قسم کا قیمتی پتھر پیدا ہوتا ہے جو درات کو روشن رکھتا ہے۔ یہاں کے لوگوں میں رواج

[illegible] ہے تو اُس کی [illegible] اہمیت دینے کے لیے [illegible] کی [illegible]
[illegible] وہ عزیز ہوتی ہے [illegible] لاش کے برابر لیٹ جاتی ہے اور اس
[illegible] کے ساتھ جل جاتی ہے۔ اور جب چتا روشن ہو جاتی ہے
[illegible] شعلوں [illegible] پڑتی ہیں۔

[illegible] گزارے اور [illegible] شہر [illegible]
[illegible] کے قریب سو گز اور [illegible]
[illegible] ہوتی۔ ایک چھوٹے پودے کی [illegible] بالشت اونچا ہے۔ اس کی
[illegible] نکال لیتے ہیں اور [illegible] ڈال [illegible] دھوپ میں پھیلا
[illegible] اور وہ خشک ہو جاتا ہے

یہاں سے روانہ ہوئے اور تقریباً تین سو میل اندرون ملک خشکی کا
[illegible] بڑے شہر بیجانگر [illegible] چٹانوں کے دامن میں واقع ہے۔
[illegible] کے رقبہ میں آباد ہے۔ اس کی فصیلیں پہاڑوں کے اوپر تک
[illegible] اور اُن سے دامن [illegible] کو اپنے آغوش میں لیے ہوئے ہیں
[illegible] شہر کی وسعت بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ اس شہر میں نوے ہزار
[illegible] ہیں جو میدان جنگ میں [illegible] سکتے ہیں۔ یہاں کے مردوں کی کئی بیبیاں
[illegible] اور سب اپنے شوہر کے ساتھ جل کے مر جاتی ہیں۔ ہندوستان کے
بادشاہوں میں یہاں کا راجہ سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ اس کی بارہ ہزار بیبیاں ہیں
یہاں کہیں وہ جاتا ہے چار ہزار بیبیاں پیدل ہمراہ ہوتی ہیں اور باورچی خانے
[illegible] انھیں کے سپرد ہوتا ہے چار ہزار جو اچھے کپڑے پہنے ہوتی ہیں گھوڑوں پر
[illegible] جلتی ہیں۔ اور [illegible] پالکیوں میں ہوتی ہیں جنھیں آدمی لے کے
[illegible] ہیں۔ ان میں دو تین ہزار ایسی منتخب بیبیاں ہیں جو اس شرط سے رکھی گئی
ہیں کہ راجہ کی موت پر اُس کے ساتھ جل کے مر جائیں گی۔ اور یہ اُن کے لیے
بڑی عزت کی بات خیال کیجاتی ہے۔

شہر [illegible] (غالباً پنا کنڈہ) اسی راجہ کے علاقے میں شامل
ہے اور بیجانگر سے آٹھ روز کی مسافت پر واقع ہے۔ یہاں سے سفر

کرکے مین بیس دن چلتا رہا اور ایک بندرگاہ مین آیا جس کا نام پوُدی فطانیہ (غالباً دریاپٹم جو تلی چیری کے قریب ہے) ہے۔ راستے مین مجھے دو شہر ملے جنکا نام (دُداگیری) اور (چندرگیری) ہے۔ پھر آگے بڑھ کے ایک اور بندرگاہ ملا جو میلاور کہلاتا ہے اور دریاے سندھ کے بعد دوسرے خلیج مین واقع ہے۔ یہان ایک بڑے اور خوشنما گرجے مین سینٹ ٹامس کی قبر ہے اور بے دین نسطوری فرقہ کے لوگ اُس کی پرستش کرتے ہین۔ اس شہر مین اُن کی تعداد ایک ہزار ہے۔ یہ نسطوری سارے ہندوستان مین اُسی طرح پھیلے ہوے ہین جس طرح ہمارے ممالک مین یہودی ہین یہ سارا علاقہ ملا بار کہلاتا ہے۔ اِس کے آگے ایک اور شہر ہے جس کا نام کاہلہ (کل کیر) ہے۔ یہان سمندر مین موتی پیدا ہوتے ہین۔ اُس شہر مین ایک درخت ہوتا ہے جس مین پھل نہین لگتے لیکن اِس کا پتا چھ بالشت لمبا اور اسی قدر چوڑا ہوتا ہے۔ اور اِس قدر پتلا کہ ایک شخص اُسے دبا کے اپنی مٹھی مین بند کرلیتا ہے یہان کے لوگ ان پتون پر لکھتے ہین اور بارش کے موسم مین اپنے سر پہ ڈال لیتے ہین تاکہ کپڑے مینھ سے محفوظ رہین۔ اس پتے کو پھیلا کے تین چار آدمی بہ آسانی اُس کے نیچے چل سکتے ہین۔

اس خلیج کے بیچ مین ایک جزیرہ ہے جس کا نام صَیلام (سیلون یعنی سراندیپ) ہے اس کے چارون طرف ساحل کی لمبائی تین ہزار میل ہے۔ اس مین لال۔ یاقوت۔ نیلم۔ اور وہ قیمتی پتھر پیدا ہوتا ہے جو رات کو روشنی دیتا ہے۔

یہان دارچینی کثرت سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کا درخت ہمارے ملک کے بید کے مشابہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کی شاخین اوپر کی جانب نہین ہوتین بلکہ چارون طرف پھیلتی ہین۔

اس جزیرے مین ایک جھیل ہے عہ اور اُس کے بیچ مین ایک شہر آباد ہے جس کے ساحل کا دور تین میل ہے۔ ان جزیرون مین برہمنون کی حکومت ہے جو دیگر لوگون

عہ سیلون مین اب کوئی جھیل نہین ہے اور نہ کوئی ایسے آثار پائے جاتے ہین کہ اتنی بڑی جھیل موجود ہو جس کے بیچ مین شہر آباد ہو۔

سے زیادہ قابل خیال کیے جاتے ہین۔ برہمن بڑے فلسفہ دان ہوتے ہین۔ اور اپنی ساری زندگی نجوم اور ہیئت کی فکرون مین بسر کر دیتے ہین۔

اس کے بعد جزیرہ تپاردولونا کے ایک شہر مین گیا۔ اس جزیرے کو وہان کے باشندے سماترا کہتے ہین۔ جزائر اس شہر مین ایک سال رہا۔ یہ شہر چھ میل کے رقبہ مین آباد ہے اور بڑی تجارت کی جگہ ہے۔ ایک اچھے موسم مین چند روز مین نے جہاز پر سیر کی اور جزیرہ انڈامانیہ کو اپنے داہنے ہاتھ کی جانب چھوڑ دیا۔ یہ سونے کا جزیرہ کہلاتا ہے اور آٹھ سو میل کے رقبہ مین ہے۔ یہان کے لوگ مردم خوار ہین۔ کوئی جہاز اس کے ساحل پر نہین ٹھہرتا۔ اور اگر طوفان کی وجہ وہان جانا پڑا اور ان وحشیون نے دیکھ لیا تو فوراً آ کے لوگون کو پکڑ لے جاتے ہین۔ اور انھین ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا لیتے ہین۔ جزیرۂ سماترا چھ ہزار میل کے رقبہ مین ہے۔ وہان کے لوگ ظالم اور وحشی ہین۔ مردون اور عورتون کے کان بہت بڑے ہوتے ہین۔ اور ان مین وہ بالیان پہنے ہین جن مین قیمتی جواہر جڑے ہوتے ہین۔ وہ سوتی اور ریشمی کپڑے پہنتے ہین جو گھٹنون کے نیچے تک لٹکتے رہتے ہین۔ مرد جتنی بی بیان چاہین رکھ سکتے ہین۔ ان کے مکان نہایت پست ہوتے ہین اور فقط اس غرض سے بنائے جاتے ہین۔ تاکہ دھوپ کی شدت سے لوگون کو بچائین۔ یہان کے لوگ سب بت پرست ہین۔

اس جزیرے مین مرچ اور کافور پیدا ہوتا ہے۔ اور کانون مین سے سونا نکالا جاتا ہے۔ مرچ کا درخت چھوٹا ہوتا ہے اور اس کے بیج سبز ہوتے ہین جنھین وہ لوگ راکھ مین ڈال کے دھوپ مین خشک کر لیتے ہین۔ اس جزیرے مین ایک خاص قسم کا پھل پیدا ہوتا ہے جو سبز رنگ کا ہوتا ہے اور کھیرے کے برابر ہوتا ہے۔ جب اسے کاٹتے ہین تو اس مین سے نارنگیون کے سے گول پانچ پھل نکلتے ہین۔ اور ان کا مزا پنیر کا ایسا ہوتا ہے۔

اس جزیرے کے ایک حصے مین جو باتش کہلاتا ہے ایسی قوم آباد ہے جو مردم خوار ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ قرب و جوار کے لوگون سے لڑا کرتے ہین۔ وہ انسانی سرون کو بڑی قیمتی چیز سمجھتے ہین۔ جب وہ کسی دشمن کو گرفتار

کرتے ہین تو اُس کا سر کاٹ کے رکھ لیتے ہین اور بقیہ جسم کھا جاتے ہین جب اُنھین کوئی چیز خریدنے کی ضرورت ہوتی ہے تو روپیہ کے بجاے وہی سر دیدیتے ہین۔ لہذا اُن میں وہ شخص سب سے زیادہ مالدار سمجھا جاتا ہے جس کے گھر مین سب سے زیادہ سر ہون۔

اب مین اِس جزیرے سے روانہ ہوا اور سولہ دن کے نہایت طوفانی سفر کے بعد شہر تنا سرم پہونچا جو اسی نام کے دریا کے دہانے پر واقع ہے۔ اِس ملک مین ہاتھی بہت کثرت سے ہین۔ اور ایک خاص قسم کی چڑیان ہوتی ہین۔

یہان سے روانہ ہوکے اور خشکی اور تری کا سفر کرکے دریاے گنگا کے دہانے پر پہونچا۔ پھر ایک کشتی مین پندرہ دن اُسی دریا مین پڑھائی پر سفر کرکے ایک بڑے اور مشہور شہر مین پہونچا جو سرناؤ (کرد گن) کہلاتا ہے۔ یہ ندی اتنی چوڑی ہے کہ اُس کے بیچوں بیچ مین سے دونون جانب کی زمین نہین نظر آتی۔ بعض مقامات پر اس کا عرض پندرہ میل سے زیادہ ہے۔ اِس ندی کے کنارے بہت اونچے بانس پیدا ہوتے ہین جو اِس قدر موٹے ہوتے ہین کہ اگر کوئی شخص اپنے دونو بازوؤن کے دور مین لینا چاہے تو نہین لے سکتا ہے۔ یہان کے لوگ اُن کی چھوٹی چھوٹی کشتیان بناتے ہین اور اُس کے لیے ایک بانس کافی ہوتا ہے۔ اور اُس کی چھال سے جو آدمی کی ہتھیلی کے برابر چوڑی ہوتی ہے چھوٹی ڈونگیان بناتے ہین۔ یہ ڈونگی اس ندی مین آمد و رفت کے لیے بہت موزون ہوتی ہے۔ بانس مین ایک گرہ سے دوسری گرہ کا فاصلہ آدمی کے قد کے برابر ہوتا ہے۔ گرمچھ اور مختلف قسم کی مچھلیان جن سے ہم نہین واقف ہین اس ندی مین موجود ہین۔ ندی کے دونون جانب نہایت خوشنما آبادیان اور کھیت اور باغ ہین جن مین ہزارون قسم کے میوے پیدا ہوتے ہین۔ ان مین سب سے اچھے موز (کیلے) جو انگور کے ذائقے کے اور شہد سے زیادہ شیرین ہین۔ اور ہندی ناریل ہین۔

یہان سے روانہ ہو کے مین تین مہینے اسی ندی کے اوپر چلا گیا

یہ چار بہت بڑے اور مشہور شہر راستے میں چھوڑ دیے پھر ایک نہایت آباد نگر (متھرا) میں اترا۔ یہاں عود۔ سونا۔ چاندی۔ جواہرات۔ اور ندی پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں سے میں نے مشرق کی جانب پہاڑوں کا راستہ لیا جن کی نسبت سنا تھا کہ سنگ شب چراغ پیدا ہوتا ہے۔ وہاں کے سفر میں تیرہ دن صرف ہوئے اور میں پھر سرناد (کرد نگر) واپس آیا۔ اور تفی نیہ (بردوان) گیا۔ یہاں سے روانہ ہو کے ایک مہینے کے دریائی سفر کے بعد دریائے ادا کا کے دہانے پر پہونچا۔ اور ندی میں چھ روز چلنے کے بعد ایک بہت بڑے شہر میں آیا جو اسی ندی کے نام سے مشہور ہے اور اُسی کے کنارے آباد ہے

یہاں سے چل کے میں ایسے ملک میں پہونچا جہاں آبادی کا کہیں نام و نشان تک نہیں سترہ دن پہاڑوں میں اور پندرہ دن میدانوں میں سفر کرنے کے بعد میں ایک اور ندی کے کنارے پہونچا جو گنگا سے بھی بڑی ہے اور لوگ اُسے داوا (اراودی) کہتے ہیں۔ اس ندی میں اوپر کی جانب ایک مہینہ چلنے کے بعد میں ایک شہر میں آیا جو اور سب شہروں سے بڑا ہے اور پندرہ میل کے رقبہ میں آباد ہے۔ اس شہر کا نام آوا ہے۔

یہ ملک سینی نوس (سیام) کہلاتا ہے اور اس میں ہاتھی بہت زیادہ ہیں۔ یہاں کے بادشاہ کے پاس دس ہزار ہاتھی ایسے ہیں جو لڑائی میں کام آتے ہیں۔ قلعے (عماریاں) ان ہاتھیوں کی پیٹھ پر باندھ دیے جاتے ہیں جس میں آٹھ یا دس آدمی تیر کمان اور خنجر لے کے بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ ہاتھی جنگل میں رہتے ہیں لیکن عام طور پر اس طرح پکڑے جاتے ہیں کہ ایک خاص فصل میں پالو ہتھنی جنگل میں چھوڑ دی جاتی ہے۔ جب ہاتھی اُسے دیکھ لیتے ہیں تو وہ آہستہ آہستہ چرتی ہوئی ایک احاطہ کے اندر آ جاتی ہے جس کے گرد دیواریں ہوتی ہیں اور دو بڑے پھاٹک لگے ہوتے ہیں۔ جب جنگلی ہاتھی اُسے اس احاطے کے اندر دیکھتے ہیں تو وہ بھی ایک پھاٹک سے اُس میں آ جاتے ہیں۔ لیکن ہتھنی فوراً دوسرے پھاٹک سے نکل جاتی ہے اور لوگ جو اُس کی نگرانی کرتے رہتے ہیں دونوں پھاٹک مضبوط بند کر لیتے ہیں۔ کچھ مدت سے

آدمی چھوٹے چھوٹے دروازون سے اُس احاطے مین آجاتے ہین۔ اُن کے ہاتھ مین نہایت مضبوط رسیان ہوتی ہین جن مین پھندے بنے ہوتے ہین ایک آدمی اس ہاتھی کے سامنے جاتا ہے اور جیسے ہی ہاتھی اُسے مارنے کے لیے دوڑتا ہے اور لوگ پیچھے سے اُس کے پیرون مین رسی کے پھندے ڈالدیتے ہین۔ پھر اُس کے پیر مضبوط جکڑ دیے جاتے ہین اور تین چار دن اُسے وہین باندھ دیتے ہین۔ فقط تھوڑی سی گھانس روزانہ دیدیجاتی ہے۔ اسی طرح پندرہ روز مین اس کا جوش کم ہو جاتا ہے۔ اب وہ اُسے دو پالو ہاتھیون کے بیچ مین باندھتے ہین اور شہر کے اندر سڑکون پر لے جاتے ہین۔ غرض دس دن کے اندر وہ اور ہاتھیون کی طرح پالو ہو جاتا ہے۔

لیکن بعض جگہ ہاتھیون کو ایک اور طریقے سے پکڑتے اور پالو کرتے ہین۔ وہ ہاتھیون کو ایک ایسے مقام پر لے جاتے ہین جو چارون طرف سے محفوظ ہو پھر پالو ہتھنیون کو وہان سے نکال لیتے ہین۔ اور ہاتھیون کو فاقے دے دے کے پالو کر لیتے ہین۔ چار روز بعد اُنھین ایک تنگ مقام مین لے جاتے ہین جو خاص کر اسی ضرورت سے بنایا جاتا ہے۔ اور وہان اُنھین سدھا لیتے ہین۔ بادشاہ اِن ہاتھیون کو اپنی ضرورتون کے لیے خریدتے ہین۔ پالو ہاتھیون کو گھی اور چاول دیے جاتے ہین۔ اور جنگلی ہاتھی درختون کے پتے اور گھانس کھاتے ہین۔ پالو ہاتھی کو فقط ایک آدمی ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجاتا ہے اُس کے سر پر بیٹھ کے ایک آہنی آنکس کے ذریعے سے چلاتا ہے یہ جانور اس قدر ہوشیار اور عقلمند ہوتا ہے کہ میدان جنگ مین دشمن کے تیرون اور برچھون کو وہ اپنے پیر کے تلوون پر روک لیتا ہے تاکہ اُن لوگون کو نقصان نہ پہونچے جو اُس کی پیٹھ پر سوار ہین۔ اس ملک کا بادشاہ ایک سفید ہاتھی پر سوار ہوتا ہے اور اُس کی گردن مین سونے کی زنجیر پڑی ہے جس مین قیمتی جواہرات جڑے ہین۔ وہ اُس کے پیرون تک لٹکتی رہتی ہے۔

یہان کے مرد ایک ہی بی بی رکھتے ہین۔ اور سب مرد اور عورتین اپنے گوشت مین سوئیون سے سوراخ کر کے ایسا رنگ بھر دیتے ہین جو کبھی نہین زائل ہوتا۔ لوگون کا مذہب بت پرستی ہے۔ لیکن جب صبح کو سو کے اُٹھتے ہین تو مشرق کیطرف مُنھ کر کے اور دونون ہاتھ جوڑ کے کہتے ہین "خدا کی تثلیث اور اُسکی شریعت ہمین محفوظ رکھے"۔

اس ملک مین ایک قسم کا سیب پیدا ہوتا ہے جو انار کی شکل کا ہوتا ہے اور اُس مین نہایت شیرین عرق بھرا ہوتا ہے۔ ایک درخت ہوتا ہے جو تال (تاڑ) کہلاتا ہے اس کے پتے بہت بڑے ہوتے ہین۔ اور اسی پہ لوگ لکھتے ہین۔ کیونکہ سارے ہندستان مین سوا ٹھیاٹ کے اور کسی جگہ کاغذ کا رواج نہین ہے۔ اس درخت مین چقندر کے مانند ایک پھل بھی ہوتا ہے۔ اُس کے اندر جو عرق ہوتا ہے چند روز بعد جم جاتا ہے اور کھاتے ہین بڑے مزے کا ہوتا ہے۔

اس ملک مین نہایت خوفناک سانپ پیدا ہوتے ہین جن کے پیر نہین ہوتے لیکن انسان کے برابر موٹے اور چھ گز لمبے ہوتے ہین۔ یہان کے باشندے انھین آگ مین بھون کے کھاتے ہین۔ اور اُسے نہایت پر تکلف غذا خیال کرتے ہین۔ اس کے سوا وہ کیکڑون کو بھی نمک مرچ مین بھون کے کھا جاتے ہین۔

یہان ایک جانور ہوتا ہے جس کا سر سور کے مانند ہوتا ہے۔ دُم بیل کی سی ہوتی ہے۔ اور پیشانی پر گینڈے کی طرح ایک چھوٹا سینگ ہوتا ہے رنگ اور قد و قامت مین وہ ہاتھی کے برابر ہوتا ہے اور ہمیشہ ہاتھی سے لڑا کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کا سینگ ہر قسم کے زہر کا علاج ہے۔ اور اسی وجہ سے لوگ اس کی بڑی قدر کرتے ہین۔

اس ملک کے اندرونی حصے مین سیاہ اور سفید بیل پیدا ہوتے ہین۔ اور وہ بیل نہایت قیمتی سمجھے جاتے ہین جن کی دُمین گھوڑے کی طرح گھنی اور لمبے بالون کی ہون۔ لیکن گھوڑون سے زیادہ لمبی اور پیرون تک نیچی ہون۔ اُن کی دُمون کے بال بہت باریک ہلکے اور نرم ہوتے ہین۔ اور اپنے وزن کے برابر چاندی کے معاوضے مین فروخت ہوتے ہین۔ ان بالون کے پنکھے اور چھپرکھٹ (؟) بنائی جاتی ہین جو دیوتاؤن اور بادشاہون کے جھلی جاتی ہین۔

ان بالون کی دمون کے بال معزز اور امیر لوگ اپنے گھوڑون کی دمچیون مین لگا دیتے ہین تاکہ گھوڑے کا پچھلا حصہ ان مین چھپا رہے۔ اور علاوہ ازین گھوڑے کی گردن مین بھی باندھ دیتے ہین تاکہ اُس کے آگے لٹکتے رہین اور سینہ اُن مین چھپا رہے۔ یہ بڑی عزت کی چیز خیال کیجاتی ہے۔ رسالے کے سواران بالون کو اپنے نیزون مین لگاتے ہین اور شرافت کا نشان سمجھتے ہین۔

اس ملک کے آگے ایک صوبہ ہے جو دنیا کے سب ملکون سے اچھا ہے اُسکا نام کیتھے عه ہے۔ اس ملک کے حاکم کو خان اعظم کہتے ہین جس کے معنی شہنشاہ کے ہین۔ اس کے دارالسلطنت کا نام کمبالشیا عه (خان بالق) ہے۔ یہ شہر چالیس میل کے رقبہ مین آباد ہے اس کے درمیان مین ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے اور اُسی کے اندر بادشاہ کا محل ہے۔ یہ شہر ایک مربع رقبہ مین آباد ہوا ہے لہذا فصیل کے چارون کونون پر چار مدور قلعہ تعمیر کیے گئے ہین جن مین سے ہر ایک کا دور چار میل ہے۔ ان قلعون مین ہر قسم کا سامان جنگ اسلحہ اور ان شہرون پر دھاوا کرنے کی کلین موجود رہتی ہین قصر شاہی سے ان چارون قلعون کو سرنگین گئی ہین جو اس خیال سے بنائی گئی ہین کہ اگر شہر والے بغاوت کرین تو بادشاہ اُن کے اندر ہی اندر جس قلعے مین چاہے چلا جائے۔ اس شہر سے پندرہ دن کے راستے پر ایک اور بڑا شہر ہے جو اسی بادشاہ نے تعمیر کرایا ہے۔ وہ تیس میل کے رقبہ مین آباد ہے اور نب ٹائی کہلاتا ہے سب شہرون سے زیادہ آباد ہے۔ ان دونون شہرون کے مکان اور بڑی عمارتین اور رونق سب اٹلی کی ایسی ہے۔ یہان کے لوگ نہایت ہوشیار اور شریف ہین اور سب ملکون سے زیادہ دولتمند ہین۔

یہان سے مین آوا واپس آیا اور سترہ دن جہاز مین سفر کر کے ایک ندی (غالباً پیگو) کے دہانے پر پہونچا۔ یہان ایک شہر آباد ہے۔ مین اس مین نہین ٹھہرا

عه چین کا جنوبی حصہ لیکن اب اُس کے حدود کا اندازہ کرنا غیر ممکن ہے۔
عه۔ پیکن کا قدیم نام خان بالق تھا۔

لیکن ایک دوسری کشتی میں بیٹھ کے ندی کے اوپر چلا اور دس روز کے بعد ایک نہایت آباد شہر بنکونیا میں آیا جو بارہ میل کے رقبہ میں آباد ہے یہاں چار مہینے ٹھہرا۔ ہندوستان میں فقط یہی ایک مقام ہے جہاں انگور پیدا ہوتا ہے۔ لیکن یہاں بھی بہت کم ہوتا ہے لہذا لوگ انگور کی شراب نہیں بناتے یہاں سیب۔ نارنگی۔ شاہ بلوط۔ خربوزے۔ سفید صندل اور کافور پیدا ہوتا ہے۔ کافور ایک درخت کے اندر سے نکلتا ہے۔ اور اگر لوگ اُس کی چھال نکالنے سے پہلے اپنے دیوتاؤں کے آگے قربانی نہ کریں تو کافور درخت کے اندر سے غائب ہو جاتا ہے۔

ہندوستان میں دو جزیرے ہیں جو دنیا کے خاتمہ پر واقع ہوئے ہیں۔ دونوں کا نام جاوا ہے ایک کا رقبہ تین ہزار میل ہے اور دوسرے کا دو ہزار میل۔ وہ ان مشرقی سمندر کے راستے میں ہیں۔ اور بر اعظم سے ایک مہینہ کے سفر پر اور ایک دوسرے سے سو میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ میں اپنی بی بی اور بچوں کے ساتھ (جو سارے سفر میں میرے ہمراہ تھے) یہاں نو مہینے رہا۔

ان جزائر کے باشندے دنیا کی سب قوموں سے زیادہ بیرحم اور ظالم ہیں۔ یہ چوہے۔ کتے۔ بلیاں۔ اور اسی قسم کا ہر ایک جانور کھاتے ہیں۔ کسی آدمی کو مار ڈالنا اُن کے یہاں ایک مذاق ہے۔ اور اس قسم کی اُنہیں کوئی سزا بھی نہیں دیجاتی۔ قرضدار پکڑ کے قرضخواہ کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور وہ اُسے اپنا غلام بنالیتا ہے۔ لیکن اگر وہ غلام بننے سے موت کو ترجیح دے تو ایک ننگی تلوار لے کے نکل پڑتا ہے اور جو شخص اُس کے سامنے آ جاتا ہے قتل کر ڈالتا ہے۔ یہانتک کہ کوئی اُس سے زیادہ طاقتور مقابل مل جاتا ہے جو اُسے مار ڈالتا ہے۔ اب قرضخواہ آکے اُس شخص کو پکڑتا ہے جس نے اُس کے قرضدار کو قتل کیا ہے اور اس سے اپنا روپیہ مانگتا ہے۔ اور حاکم اُس کا فیصلہ کرتے ہیں۔

اگر کوئی شخص نئی تلوار مول لیتا ہے تو اُسے آزمانے کے لیے

جو شخص پہلے سامنے آجاتا ہے اُس کے جسم مین پھونک دیتا ہے اور اگر وہ شخص مرجائے تو اُسے کوئی سزا نہین دیجاتی۔ راستہ چلنے والے اُس کے زخم کو دیکھ کے اُس شخص کی تعریف کرتے ہین جس نے اِس طرح سیدھی تلوار بھونک دی۔ یہان ہر شخص جتنی بیبیان چاہے رکھ سکتا ہے۔

یہان کے لوگون کی سب سے زیادہ دلچسپی مرغون کی لڑائی مین ہوتی ہے۔ مختلف لوگ اپنے اپنے مرغ لاتے ہین اور ہر شخص کا دعوے ہوتا ہے کہ ہمارا مرغ جیتے گا۔ جو لوگ لڑائی کا تماشا دیکھنے آتے ہین اُس پر بازی لگاتے ہین اور جو مرغ فتح پاتا ہے وہی اُن کی بازی کا فیصلہ کرتا ہے۔

جاوا کے بڑے جزیرے مین ایک نہایت خوبصورت چڑیا ہوتی ہو جنگلی کبوتر کے برابر ہوتی ہے۔ لیکن اُس کے پیر نہین ہوتے۔ سر پر ایک کلغی ہوتی ہی اور دُم لمبی اور گول ہوتی ہے۔ اکثر یہان کے درختون پر دیکھی جاتی ہے۔ اس چڑیا کا گوشت نہین کھایا جاتا۔ لیکن اس کی کھال اور دُم بہت قیمتی ہوتی ہے۔ لوگ اُسے اپنی ٹوپیون مین لگاتے ہین۔

مین نے جاوا مین ضروری سامان تجارت خریدا اور مغرب کی جانب جہاز پر روانہ ہو کے بندرگاہ ستیاسیا مین آیا جہان عود۔ کافور اور سونا پیدا ہوتا ہے۔ اس سفر مین ایک مہینہ صرف ہوا۔ پھر مین وہان سے روانہ ہو کے بندرگاہ کوئلن پہونچا۔ اس ملک کو لوگ ملآبار کہتے ہین۔ یہان تو تمھ۔ مرچ۔ اور دارچینی پیدا ہوتی ہے۔ یہان ایک قسم کے سانپ ہین جو چھ گز لمبے ہوتے ہین اور جنگل مین رہتے ہین۔ لیکن جب تک اُنھین کوئی نہ ستائے کسی کے نہین کاٹتے۔ وہ بچون کو دیکھ کے خوش ہوتے ہین اسی لئے بچون کو دیکھتے ہوے وہ آبادی مین آجاتے ہین۔ یہان ایک اور قسم کا سانپ بھی ہوتا ہے جس کے چار پیر ہوتے ہین اور کتے کی طرح لمبی دم ہوتی ہے یہ کسی کو نہین ستاتے لیکن لوگ اُسے کھاتے ہین اور اُس کا گوشت بہترین قسم کی غذاؤن مین شمار کیا جاتا ہے۔

یہین ایک اور قسم کے سانپ ہین جو ایک ہاتھ لمبے ہوتے ہین۔

اور چمگادڑون کی طرح اُن کے بازو ہوتے ہین۔ اُن کے سات سر ہوتے ہین
اور ہمیشہ درختون پر رہا کرتے ہین وہ بہت تیز اُڑتے ہین اور نہایت زہریلے
سانپ ہین۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ ایک سانس مین وہ آدمی کا خاتمہ کر دیتے ہین۔
یہان پر دار بلیان ہوتی ہین۔ اُن کے اگلے اور پچھلے پیرون کے
بیچ مین کھال ہوتی ہے جو اُن کے جسم سے لگی رہتی ہے اور جب وہ بیٹھتی
ہین تو سمٹ جاتی ہے۔ وہ اپنے پیر پھیلا کے اور بازوؤن کو ہلا کے ایک
درخت سے دوسرے درخت پر اُڑ جاتی ہین۔ شکاری جب اُن کا تعاقب کرتے
ہین وہ اُڑتے اُڑتے تھک جاتی ہین۔ پھر زمین پر گر پڑتی ہین اور لوگ اُنھین
پکڑ لیتے ہین۔ یہان ایک درخت نہایت کثرت سے پیدا ہوتا ہے جس کے تنے مین انناس
کے ایسے پھل ہوتے ہین۔ لیکن اتنے بڑے کہ ایک آدمی مشکل سے اُٹھا سکتا ہے
اس کا چھلکا سخت اور سبز رنگ کا ہوتا ہے۔ اس کے اندر دو سو سے تین سو تک
پھل نکلتے ہین جو انگور کی طرح شیرین اور نہایت خوش ذائقہ ہوتے ہین۔ ہر پھل
علیحدہ علیحدہ جھلی مین ہوتا ہے۔ جھلیون مین ان پھلون کے علاوہ ایک قسم کا
سخت گودا نکلتا ہے جو مزے اور سختی مین شاہ بلوط کے پھل کے مانند ہوتا ہے
اور اسی طرح پکایا جاتا ہے۔ اگر بغیر گرم کیے انگارون پر رکھ دیا جائے تو بڑی
آواز ہوتی ہے۔ اور یہ چھلکا مویشیون کو دیا جاتا ہے۔ اس درخت کے پھل اکثر
زمین کے اندر جڑون تک مین نکلتے ہین۔ وہ مزے مین بہترین ہوتے ہین۔ لہذا
عام لوگون کو نہین دیے جاتے بلکہ بادشاہ کے لیے محفوظ رکھے جاتے ہین۔ اس
کا درخت انجیر کے درخت کا ایسا ہوتا ہے۔ اور اس کے پتے کھجور کے مانند ہوتے
ہین۔ اس کی لکڑی کے صندوق بنائے جاتے ہین اور بہت قیمتی ہوتی ہے۔ اس
درخت کا نام کاجی ہے۔ یہان ایک اور پھل پیدا ہوتا ہے جسے آم کہتے ہین۔ اس
کی شکل سبز ناریل کی ایسی ہوتی ہے لیکن اس سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اور یہ چھلکا بدمزہ
ہوتا ہے لیکن اندر کا حصہ شہد کے مانند شیرین ہوتا ہے۔ پکنے سے پہلے یہ پھل
درخت سے توڑ لیے جاتے ہین اور اُن کی تیزی دور کرنے کے لیے پانی مین
ڈال دیتے ہین۔

کولمن سے روانہ ہو کے تین دن کے بعد مین شہر کوچن پہونچا - یہ شہر پانچ میل کے رقبے مین آباد ہے اور ایک ندی کے دہانے پر واقع ہے - چند روز مین اس ندی کے اوپر سیر کرنے گیا - ایک رات کو مین نے دیکھا کہ ندی کے کنارے اکثر مقامات پر آگ روشن ہے - مین نے خیال کیا کہ ماہی گیرون نے جلائی ہوگی لیکن لوگون نے بتایا کہ یہ ایک عجیب الخلقت لوگ ہین جو پانی کے اندر رہا کرتے ہین رات کے وقت وہ کنارون پر نکلتے ہین اور لکڑیان جمع کرکے اور دو پتھرون کو رگڑ کے آگ نکالتے اور اُسے روشن کرتے ہین - روشنی دیکھ کے بہت سی مچھلیان وہان جمع ہو جاتی ہین - اور یہ وحشی لوگ جو پانی کے اندر رہتے ہین انھین پکڑ کے کھا لیتے ہین - اس ملک مین بھی وہ تمام میوے پیدا ہوتے ہین جو کولمن مین پائے جاتے ہین -

یہان سے روانہ ہو کے اور مختلف مقامات مین ہوتا ہوا مین کالی کٹ آیا جو ایک بندرگاہ ہے اور آٹھ میل کے رقبے مین آباد ہے - ہندوستان کا یہ بڑا تجارتی شہر ہے - یہان مرچ - لاکھ - سونٹھ - دارچینی - اور ہڑ وغیرہ چیزین پیدا ہوتی ہین - اس ملک مین عورتون کے کئی شوہر ہوتے ہین اور بعض عورتین دس بارہ شوہر تک رکھ سکتی ہین - عورت شوہرون سے علیحدہ ایک مکان مین رہتی ہے - سب شوہر آپس مین اتفاق کرکے اُس کی ضرورتین فراہم کر دیتے ہین - جب کوئی شوہر اس عورت کے مکان مین جاتا ہے تو دروازے پر کوئی نشان بنا دیتا ہے - اتفاقاً اگر دوسرا شوہر اُس وقت آگیا تو اُس نشان کو دیکھ کے واپس چلا جاتا ہے - عورت اپنی مرضی کے مطابق بچون کو اپنے شوہرون مین تقسیم کر دیتی ہے - باپ کی جائداد بیٹے کو نہین ملتی بلکہ پوتے کو دیجاتی ہے - کالی کٹ سے چل کے پندرہ روز مین شہر کھمبات پہونچا جو سمندر کے کنارے بارہ میل کے رقبے مین آباد ہے - یہان - لاکھ - ہڑ - نیل - اور ریشم پیدا ہوتا ہے - یہان برہمن آباد ہین جو پوجاری کہلاتے ہین - یہ فقط ایک شادی کرتے ہین اور وہ بیوی اُن کے مرنے پر زندہ جلا دی جاتی ہے - یہ برہمن کسی قسم کا گوشت نہین کھاتے فقط چاول دودھ اور ترکاریون پر بسر کرتے ہین - یہان وحشی چوپائے بہت زیادہ ہین اُن کی گردن

یہ گھوڑون کی طرح ایال ہوتی ہے۔ لیکن اُن کے بال زیادہ لمبے ہوتے ہین اور سینگ اتنے بڑے ہوتے ہین کہ جب وہ اپنا سر پیچھے کی جانب موڑتے ہین تو سینگ دُم تک پہونچ جاتے ہین۔ سفر مین لوگ ان سینگون مین پانی بھر کے ساتھ لے جاتے ہین

یہان سے مین جزیرہ سقوطرہ مین آیا جو مغرب کی جانب ہے۔ اور بر اعظم سے ایک سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مین یہان دو مہینے رہا۔ یہ چھ سو میل کے دَور مین ہے اور یہان زیادہ تر نسطوری عیسائی آباد ہین۔

اس جزیرے سے کوئی پانچ میل کے فاصلے پر دو اور جزیرے ہین جن مین فاصلہ ایک دوسرے سے سو میل سے زیادہ نہین ان مین سے ایک جزیرے مین مرد رہتے ہین اور دوسرے مین عورتین۔ کبھی کبھی مرد عورتون کے جزیرے مین چلے جاتے ہین اور کبھی عورتین مردون والے جزیرے مین آتی ہین لیکن یہ ضرور ہے کہ چھ مہینے سے پہلے اپنے اپنے جزیرون مین واپس آ جاتے ہین ورنہ فوراً مر جائین گے۔ اگر کوئی شخص اس مقررہ میعاد کے بعد ایک دن بھی دوسرے جزیرے مین ٹھہر جاتا ہے تو فوراً مر جاتا ہے۔

یہان سے روانہ ہو کے پانچ روز مین عدن پہونچا جو نہایت بارونق شہر ہے اور جس مین بڑی بڑی عمارتین ہین۔ یہان سے سات روز جہاز مین چلنے کے بعد بندرگاہ بآبرہ پہونچا اور وہان سے ایک مہینے کے سفر کے بعد بحیرہ قلزم کے ایک بندرگاہ جدہ مین آیا اور وہان سے دو ماہ کے بعد کوہ سینا کے قریب لنگر انداز ہوا۔

یہان سے مین خشکی کے راستے روانہ ہوا اور ریگستان مین ہوتا ہوا مصر شہر قاہرہ مین آیا۔ جہان میری بی بی اور دو بچون نے انتقال کیا آخر کار اتنا بڑا دریا اور خشکی کا سفر کر کے پچیس سال بعد مین اپنے وطن شہر وینس مین پہونچ گیا۔

ہندوستان کے لوگون کی طرز معاشرت کا حال مین آیندہ بیان کرونگا۔

باقی آیندہ

ریویو

رسالہ حیات اردو مراد آباد سے اس نام کا ایک ماہانہ رسالہ دو سال سے جاری ہے۔ اس کے ایڈیٹر مرزا اسحق بیگ صاحب ہین اور اس مین نظم اور نثر دونون قسم کے مضامین ہوتے ہین نظم مین اکثر حضرت ریاض اور مضطر کی غزلین بھی ہوتی ہین اور نثر مین کبھی متفرق مضامین اور کبھی ناول جو سلسلہ وار شائع ہو کے کئی پرچون مین ختم ہوتا ہے۔ یہ رسالہ ابھی تک سفید کاغذ پر شائع ہو رہا ہے۔ سالانہ چندہ عہ اور نمونے کے پرچے کی قیمت ۳ر ہے۔ دفتر انجمن حیات اردو۔ پرنس روڈ۔ مراد آباد کے پتے پر خط لکھ کے منگوایا جائے۔

سیرۃ سیدۃ النسا حضرت فاطمۃ الزہرا یعنی حضرت خاتون جنت کے حالات زندگی جو ملک محمد الدین صاحب ایڈیٹر رسالہ صوفی پنڈی بہاء الدین پنجاب نے مرتب کیے ہین۔ یہ کتاب ۲۲×۱۸ سائز کے ۲۴۸ صفحون پر ختم ہوئی ہے اور چار نہایت عمدہ عکسی تصویرین اور کئی نقشے بھی شامل کر دیے گئے ہین۔ حضرت فاطمہ زہرا کے حالات مین یہ کتاب مکمل نہین کہی جا سکتی لیکن اہم واقعات اس مین سب آ گئے ہین اور ایک مختصر سی اچھی کتاب ہے جو عمدہ سفید کاغذ پر شائع ہوئی ہے قیمت ۸؍ ہے جو ہمارے خیال مین زیادہ ہے ہمارے پاس مجلد کتاب ریویو کے لیے آئی ہے اور اس کی قیمت فی جلد تین روپیہ بتائی گئی ہے۔ جلد خوشنما اور مضبوط معلوم ہوتی ہے مصنف صاحب سے منگوائی جائے۔

بدیہہ گوئی۔ سید ناظر الحسن صاحب ہوش بلگرامی ایڈیٹر رسالہ ذخیرہ حیدر آباد دکن نے اس کتاب مین عربی۔ فارسی اور اردو شعرا کے مختصر حالات اور وہ برجستہ اشعار جمع کر دیے ہین جو انھون نے وقتاً فوقتاً فی البدیہہ کہے ہین۔ شروع مین مولنا سید علی حیدر صاحب طباطبائی کا ایک مختصر مقدمہ ہے جس مین بدیہہ گوئی پر عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ کتاب ۲۰×۲۶/۱۶ سائز کے ۲۰۰ صفحون پر ختم ہوئی ہے اور قیمت عہ ہے۔ ایڈیٹر صاحب رسالہ ذخیرہ حیدر آباد دکن کے پتے پر خط لکھ کے منگوائی جائے۔

مہذب بک ایجنسی

[illegible] کی سیر [illegible] کے [illegible] چولیں
[illegible] آئرش [illegible] شکل اصول کو
[illegible]
سمندر کی سیر [illegible] اوران کا دوسرا ناول [illegible]
[illegible] وغیرہ [illegible] قیمت ۸؎
[illegible] لارڈ لٹن کا [illegible] انھیں [illegible]
[illegible] **خیال**
[illegible] قیمت

[illegible] کی سیر مصنفہ [illegible]
[illegible] فرقہ جس کی بنیاد مذہب اور
[illegible] کے ساتھ
بیان کیا گیا ہے قیمت ۸؎
روح لیلے [illegible] کا دوسرا ناول
[illegible]
[illegible] ہشاشی اور لانڈری [illegible] کی تاریخ
کی گئی ہے قیمت ۸؎
پادشاہ سلامت [illegible] رعایا کی سرکشی اور
[illegible] پادشاہ کا [illegible]
رعایا کا ساتھ دینا [illegible] کے بعد کا [illegible]
اس وقت سب کا [illegible] کو [illegible]
چابک سوار معشوقہ [illegible] کے ہاتھوں [illegible]
[illegible] ان کی [illegible] زادے [illegible]
اپنے [illegible] صدا [illegible] اگر [illegible]
لائق بیٹی سے **عشق** [illegible] کی بدولت چابک سواری
میں کمال حاصل کرکے [illegible] حاصل
[illegible] فی جلد ۹؎
جامِ زہر ایک اچھوتا ناول جس میں [illegible] کی
شادی اور نوجوانی کی غلط کاریوں کے نتائج نہایت
[illegible]

[illegible] **لکھے گئے ہیں** مصنفہ مولوی حافظ
محمد [illegible] صاحب وحشی [illegible] ۱۰؎
خون ناحق [illegible] مطالب [illegible]
[illegible] مگر [illegible] رسائی کی
[illegible] خصوصاً [illegible] **قصیدہ**
[illegible] ۱۰؎
اشک حسرت ایک نہایت ہی دلچسپ نتیجہ
[illegible] اور [illegible] کی [illegible]
[illegible] دکھائی گئی ہیں مصنفہ
جناب [illegible] ۸؎
بلیمہ اورنگ زیب کا دکن پر حملہ تاناشاہ سے
[illegible] ایک [illegible] ہیں ۸؎
[illegible] ۳؎
[illegible] **نہال** [illegible] **قبلی**
[illegible] اقبال [illegible] کل ۴۶ [illegible] مقبول
[illegible] ۱۲؎
[illegible] مولانا شبلی اور [illegible]
[illegible] ۸؎
دولت درانیہ [illegible] شاہ درانی کے حالات
سکھوں اور مرہٹوں سے معرکہ آرائیاں ۸؎
حیات [illegible] تعلیم یافتہ [illegible]
[illegible] ۸؎
[illegible] [illegible] اسکاٹ کے مشہور
[illegible] تاریخی ناول کا ترجمہ [illegible] شاہ انگلستان
کی [illegible] واپس [illegible]
[illegible] کی تدابیر اور [illegible]
جنگی کارنامے اس زمانے کے یورپ کی سوشل
اور پولیٹیکل حالت بڑی خوبی سے دکھائی گئی ہے ۱۲؎

محمد صدیق حسن پروپرائیٹر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

طلسم - سروالٹر اسکاٹ کا دوسرا تاریخی ناول رچرڈ شیر دل اور سلطان صلاح الدین کی جانفشانی اور فن حرب کے جوہر دونوں کے ... و بیان ایک عاشق صادق اور جانباز کی مصیبت ۱ر حسین عشق اور فراق و وصال کی داستان ۱۲ر

مقالات سید سرسید کی ملکی قومی اخلاقی اور مذہبی باتیں باہمی اتحاد و اتفاق - تعلیم و تربیت پر موثر و عمل نصیحتیں ۸ر

دل سوز - شہر سومنات پر سلطان محمود غزنوی کا پر جوش حملہ مسئلہ تاریخ پر محققانہ بحث کے ساتھ حسین و عشق - قیمت ۸ر

سیتا - ہندو عورتوں کی وفاداری اور سچی محبت کا افسانہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے تاریخی واقعات ہر دو جلد

مکار سرپرست - بڈھے سرپرست کی مکاری و دغا بازی اور آخر کار مکافات عمل کا سین ۸ر

راز عشق - امریکہ کے مشہور سراغرسان نک کارٹر کی تصنیف خفیہ پولیس کے حیرت انگیز کارنامے ۸ر

گنجینہ سراغرسانی - یہ ناول خفیہ پولیس کے لیے ایک ہدایت نامہ اور تفتیش کرنے والوں کا سچا رہنما ہر چہار حصہ قیمت ۸ر

خوبی قسمت - مسمریزم کے ذریعہ سے انسان کیونکر قابو میں لایا جاتا ہے قیمت ۸ر

جذبہ عشق - ایک لڑکی نے کیونکر اپنی فہم و فراست کی بدولت ایک وحشی کو مہذب و شائستہ بنا لیا ۸ر

لمند یسو - نازنینان فرانس کے ذریعے سے سراغرسانی اور خفیہ پولیس کی کامیابیاں ۱۲ر

لال کپتان - شیواجی نگر اور اسمعیل بیگ کی لڑائی کی جنگ کے حیرت انگیز واقعات کے ساتھ عشق کے راز و نیاز کی تصویریں ۱۲ر

نادر شاہ - اورنگ زیب کی تخت دہلی کے لیے سرتوڑ

لڑائیاں شہر [illegible] عبرالنساء کی [illegible] داستان مصنفہ حضرت ریاض

عیار ڈن کا عیار پولیس کی کارروائیاں [illegible] کے انشا [illegible] گئے

قصہ حاجی بابا اصفہانی [illegible] ایک مشہور و معروف [illegible] واقعات

سبز باغ - مسلمانوں کی فضول خرچی اور عیوب کا [illegible]

جفا وفا - معشوقہ دلنواز کی وفاداری عاشق کی دغابازی اور مکاری اور زن فروشی کے کارنامے ۱۲ر

درد فراق - شہنشاہ تیمور اور سلطان بایزید کی مشہور جنگ قیمت

مجوس گنگشت - ناول کے پیرایہ میں فتح سومنات کی پوری تاریخ

معشوقہ عرب - عربوں کی [illegible] معاشرت پر ایک نہایت اچھوتا ناول قیمت

بزم رزم - قنوج کی لڑائی سلطان شہاب الدین کی فتح اور راجہ جے چند کی شکست حسن و عشق کی ایک سچی تصویر قیمت ہر دو جلد مکمل

نیرنگ فرنگ - فرانس کا ۱۸۷۰ء کا انقلاب فرانس اور جرمنی کی جنگ مشہور ناولسٹ وکٹر ہیوگو کے ناول کا ترجمہ قیمت ۱۲ر

حور عین - ۱۸۵۷ء کے غدر کے واقعات چھوٹوں کا جوش جہالت انسانی ہمدردی اور نیکی و بدی کے نتائج قیمت

عقد الجواہر - جنہوں نے کبھی اس ناول کو دیکھا ہے وہی جانتے ہیں کہ کس قدر دلچسپ اور پرلطف

[illegible] ترجمہ [illegible]
[illegible] رتن ناتھ سرشار کا مشہور [illegible]
[illegible] عشق [illegible]
[illegible] قیمت [illegible]
[illegible]
[illegible] قیمت ۸/
[illegible]
[illegible] قیمت
[illegible] ۱۲/
[illegible] مصنفہ [illegible] عاشق حسین صاحب
[illegible] مصنفہ [illegible]

[illegible] بنگالی ناول کا ترجمہ [illegible]
[illegible] لکھنؤ اودھ کا عروج [illegible] ایک [illegible]
[illegible] قیمت
[illegible] ۱۲/
[illegible] جنگ [illegible] آغاز [illegible]
[illegible] تاریخ جرمن جاسوسوں کی [illegible]
[illegible] قیمت فی جلد ۴/
[illegible] مصنفہ آغا شاعر دہلوی [illegible]
[illegible] کا کیا انجام ہوتا ہے قیمت ۸/
شاہد رعنا - دہلی ایک نامی طوائف کی
خود نوشت سوانح عمری مصنفہ قاضی سرفراز حسین
صاحب [illegible] دہلوی ۱۰/
[illegible] ایک نوجوان شخص کا محفل رقص و
سرود میں شریک ہونے اور طوائف کے مکان پر
[illegible] تائب ہونا ۴/
[illegible] چند شریف زادوں اور ایک طوائف کا راہ پر آنا ۸/
عاشق شیطان مس کوریلی کے مشہور ناول
[illegible] کا اردو ترجمہ قیمت ۸/

[illegible] جاسوس [illegible]
[illegible]
[illegible] نظم
[illegible]
[illegible]
عروج و زوال
[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible] ناول [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] عشق [illegible]
[illegible] علی [illegible] سلسلہ ازدواج [illegible]
[illegible] کی کتاب کا ترجمہ [illegible]
حیدر علی اور ٹیپو سلطان [illegible]
مفصل سوانح عمریاں [illegible]
عروج و زوال [illegible]
ایک [illegible] ناول مصنفہ منشی [illegible]
صاحب [illegible]
[illegible] رتن ناتھ سرشار کا مشہور ناول
[illegible] شہادت [illegible]
[illegible] منشی پیارے لال صاحب شاکر
پاربتی عورتوں کے [illegible] ۳/
ایک بنگالی ناول کا ترجمہ ۴/
کلثوم - ایک جدید اچھوتا ناول مصنفہ
شیخ احمد علی صاحب کامل ۳/

المشتہر
محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بزن بیگ خان - لکھنؤ

اگر یہ سکین - ایک بنگالی ناول کا ترجمہ ایک نوجوان
شہزادے لاسیون کا انتقام ۲/
کرشمہ فطرت - فلسفی اجل مسٹر ہربرٹ اسپینسر کی
مشہور کتاب بک آف پیشنس کا ترجمہ جس میں
دکھایا گیا ہے کہ بوقت نازک انسان کیا کچھ کر گزرتا ہے ۲/
چنچل جاسوس - ایک اخلاقی ناول عیاروں کی
عیاری اور چنچل جاسوس کی سراغ رسانی ۳/
بوالہوس بنگالی - ایک نہایت دلچسپ پُر لطف
اخلاقی ناول ۳/
روپ کماری - ایک عصمت شعار لڑکی کا
دردناک واقعہ ۳/
ظریف الطبع - نام ہی سے ظاہر ہے - نہایت
دلچسپ اور ظرافت سے بھرا ہوا ناول ۳/
ایک شاعر کا انجام - مولفہ حضرت نیاز
فتح پوری قیمت ۱۲/
دنیا سے اسلام اور عیسائیت - ان مذاہب
کے تعلقات پر منشی عبداللہ صاحب بہاس ایڈیٹر
وکیل امرتسر کے بے بہا مضامین کا مجموعہ ۶/
رسالہ زبان دانی اردو کے مبسوط قاعدہ صرف
و نحو کے کلیات بامحاورہ زبان بولنے کا آلہ ۴/
اصلاح زبان اردو - متروک الفاظ کا مفصل
بیان غلط محاورات کی تصحیح فصیح الفاظ کا محل استعمال
شعرا و انشاپردازوں کا دستور العمل قیمت ۴/
مس ٹرس - ایک فاضل اہل قلم کی جودت
طبع کا اعلیٰ نمونہ قیمت ۳/
آسیخر آلیور گولڈ اسمتھ کے مشہور ڈراماٹی اسٹوپس ٹو کانکر
نہایت عمدہ ترجمہ قیمت ۸/
دلستان ایک انگریزی ناول کا ترجمہ جسکی اردو عبارت
بھی اسی قدر دلچسپ ہے جیسی اصلی عبارت ۳/
طلسم خیالات یعنی نیک چند کا افسانہ جسکی عام مقبولیت
کا ثبوت یہ ہے کہ پہلے بنگلہ میں ترجمہ ہوا پھر اردو میں ۸/

ترجمہ ناول ہائے مسٹر رینالڈز

فسانہ الدین و ملی ترجمہ مشہور ناول اسٹار آف
منگرینیا - مدت ہی رنگین
اور نفرت آگین داستانیں ہیں ۱۲/
فریب حسن مشہور ناول فاسٹ کا نہایت ہی سلیس ترجمہ
ہے قصہ کے پیرایہ میں بڑا اثر آفرین نتیجہ دکھائے گئے ہیں
نہایت دلچسپ ناول ہے ۶/
فسانہ عشق ناول سیمسٹرس کا ترجمہ - عجیب و غریب
واقعہ اور حیرت انگیز قصہ طلسم حیرت بنا دینے والا ہے ۱۲/
فسانہ الارس و روتھ ترجمہ رائی اور پلائٹ - ایک
عفیفہ لڑکی کی داستان عشق وفا اور بیکسی
گزشتہ شاہ انگلستان ... ...
کی بدکرداری وغیرہ کا تذکرہ ۸/
لیمیت فرنگ مسٹر رینالڈ کے اسی نام کے ناول کا ترجمہ
تاریخی واقعات عجیب و غریب طریقے سے نہایت دلچسپ
انداز میں بیان کیے گئے ہیں ۱۲/
مارگریٹ شاہ اسکاٹ لینڈ کا ملکہ مارگریٹ سے
دغابازی سے خفیہ شادی کرنا اور پوپ کا فیصلہ حق کی
فتح نہایت دلکش ناول ہے ۱۲/
روز الیمبرٹ مس لیمبرٹ کی درد انگیز داستانیں -
راہ نیک سے انحراف اور چوری - جوے - دغابازی
قمار بازی وغیرہ کا برے انجام بے انتہا دلچسپ
سوانح عمری ہے حصہ اول ۱۲/ حصہ دوم ۱۲/
ناول اسرار دو حصہ نیک ہمبر کا بامحاورہ ترجمہ
جو باعصمت جسکو زنانہ لیڈیوں کے جذبات کا خاکہ زندگی
کی حیرت انگیز نیرنگیوں اور انقلاب کی تصویر ۶/
وگیز نیٹلا - اس میں ایسے ایسے حیرت
انگیز راز بیان کیے گئے ہیں جو انسان کو حیران
بنا دیتے ہیں موقع بہ موقع اس میں تصاویر
بھی دی گئی ہیں - قیمت ۱۲/
حسرت وصل ناول سمسٹرس کا خلاصہ ۶/

۲ لنشر

محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب بک ایجنسی گڑھ بزن بیگ خان - لکھنو

دلگداز!

مولانا شرر کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ جس نے ان
دنوں کے علمی مذاق کو اعلیٰ لٹریچر سے بھر دیا۔ پہلے
ایک سال خریدار رہنے کے بعد اگر وہ دوسرے
برس بھی خریدار رہیں تو مولانا ممدوح کا ایک
ناول مفت نذر کیا جاتا ہے۔ اور وہی سالانہ
چندہ کے عوض سے اور محصول ڈاک پر وی پی روانہ
کیا جاتا ہے۔ قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ۲؏
دلگداز ناول کی وی پی ۳؏ کا اور ناول کا ڈاک بھی
محصول بڑھا کے ۳؏ کا بھیجا جاتا ہے۔

دلگداز کی مکمل جلدیں		دلگداز کی نامکمل جلدیں
جلد ۱۹۰۹ء ۲؏	جلد ۱۹۱۳ء ۲؏	جلد ۱۹۱۰ء ۱؏
جلد ۱۹۱۰ء ؏	جلد ۱۹۱۴ء ؏	جلد ۱۹۱۱ء ۱۲؍
جلد ۱۹۱۱ء ؏	جلد ۱۹۱۵ء ؏	جلد ۱۹۱۳ء ؏
جلد ۱۹۱۲ء ؏	جلد ۱۹۱۶ء ؏	
	جلد ۱۹۱۷ء ؏	

مینیجر دلگداز

دل افروز!

ناولوں کے شائق خصوصاً مولانا شرر کے
ناولوں کے شیدا اس رسالے کو ضرور ملاحظہ
فرمائیں جس میں ہمیشہ دو نئے ناولوں کا
سلسلہ جاری رہتا ہے مجموعی صفحات ٹائٹل
کے علاوہ (۳۲) ہوتے ہیں۔ پہلا ناول
مولانا کا طبع زاد ہوتا ہے اور دوسرا
انگریزی کے کسی ناول کا ترجمہ۔ سالانہ
چندہ مع محصول ڈاک ۲؏ ہر سال اپریل
سے دل افروز کا سال شروع ہوتا ہے
اور اپریل کا پرچہ دو روپیہ ایک آنہ (۲؏۱)
بذریعہ وی پی بھیج کے سالانہ چندہ وصول کر لیا
جاتا ہے۔ نمونے کے واسطے ۳ کا ٹکٹ
آنا چاہیے۔ منیجر دلگداز و دل افروز

مورخ!!

اعلیٰ لٹریچر اور خالص تاریخ کا ایک ماہوار رسالہ جس میں مختلف مضامین
میں ملکی تاریخیں مسلسل وار شائع ہوتی ہیں اور ایسا انتظام کر دیا گیا ہے کہ چند روز
کے اندر آپ کی ... ان میں تمام قوموں اور ملکوں کی مبسوط اور ضخیم اور مفصل و واضح
تاریخیں پیدا ہو جائیں گی
فی الحال مورخ میں مولانا شرر صاحب کی مشہور تاریخ ''ارض مقدس'' کے ۸ صفحے ہوتے
ہیں اور اس کے بعد ۳۲ صفحوں پر کاؤنٹ کی مشہور تاریخ ''دولت ہسپانیہ عرب'' کا ترجمہ ہوتا۔ رسالہ کا حجم
یعنی ۴۰ صفحوں پر ہوتا ہے مورخ کا سالانہ پانچ روپیہ رکھا گیا ہے۔ اور محصول ڈاک ۶؍ ؏ رسالہ
مورخ جاری کر دیا جائے گا۔ نمونے کے لیے ۸ کا ٹکٹ ... ہم حامیان زبان اردو اور مولانا شرر
کے لٹریچر کے قدردانوں سے امید ہے کہ اس رسالے کی ضرور سرپرستی کریں گے اس کا خریدنا زبان اردو
کی ایک خدمت ہے۔ توجہ فرمائیے قدردانی کیجیے اور خود اپنی اور اپنی زبان کی خدمت کیجیے۔

تصانیف مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر

تاریخ و سوانح عمریاں

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات
(۲) ابو بکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات
(۳) تاریخ سندھ۔ عرب کے فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ جلد اول
(۴) عہد قدیم۔ اقوام سلف کی مذاہب و تاریخ [illegible]
(۵) عرب قبل از اسلام۔ [illegible]
(۶) حروب صلیبیہ۔ [illegible]
(۷) مسیح و مسیحیت۔ [illegible]
(۸) خواجہ معین الدین چشتی۔ حضرت خواجہ اجمیری کے حالات
(۹) سکینہ بنت حسین۔ جناب سکینہ [illegible]
(۱۰) افسانۂ قیس۔ مجنون عامری کے حالات
(۱۱) حسن بن صباح۔ بانی فرقۂ باطنیہ اسماعیلیہ
(۱۲) فرقۃ العین۔ ایک محتوبہ [illegible]
(۱۳) شیریں ملکۂ عجم۔ فرہاد و خسرو کی [illegible]
(۱۴) ملکۂ زنوبیہ۔ [illegible]

ناول

(۱۵) جویائے حق۔ حضرت سلمان [illegible]
(۱۶) ایک خونی۔ سلطنت عباسیہ کے زمانے کا ایک [illegible]
(۱۷) نقش فرنگ۔ ایک نہایت [illegible] ناول
(۱۸) الفانسو۔ ایک [illegible] تاریخی ناول
(۱۹) خوفناک محبت۔ ہندوستانی [illegible] و حالات کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی
(۲۰) حسن کا ڈاکو۔ [illegible]
(۲۱) اسرار دربار حرام پور۔ [illegible]
(۲۲) غیب دان دلھن۔ [illegible]

(۲۳) سلطنت الکبریٰ۔ روم پر [illegible]
(۲۴) ماہ ملک۔ [illegible] کا عروج
(۲۵) زوال بغداد۔ دولت عباسیہ کا استیصال
(۲۶) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کی تصویر مکمل دو جلد
(۲۷) مقدس نازنین۔ ایک حسینہ کا [illegible]
(۲۸) سوئیٹ ملکہ۔ دوسری صلیبی لڑائی
(۲۹) قیس و لبنیٰ۔ عہد صحابہ کا ایک سچا عشق
(۳۰) فلورا فلورنڈا۔ اندلس میں سلطنت [illegible]
(۳۱) آغا صادق کی شادی۔ ایک عجیب قصہ
(۳۲) فلپانا۔ عہد صحابہ کا ایک سچا واقعہ
(۳۳) فردوس بریں۔ جیتے جی جنت کی سیر

متفرقات

(۳۴) الحکم الرفاعیہ۔ حضرت سید احمد رفاعی کے ایک رسالہ کا ترجمہ
(۳۵) ہندوستان کی موسیقی۔ [illegible] کا لکچر
(۳۶) اردو سے ہندوستان کا تعلق
(۳۷) زمانہ اور اسلام۔ مولانا شرر کی مشہور نظم
(۳۸) شب وصل
(۳۹) شب غم

متفرق مطبوعات گداز پریس

(۴۰) [illegible]
(۴۱) پاداش عمل۔ [illegible] ترجمہ حصہ اول [illegible] حصہ دوم
(۴۲) دولت اسپانیہ۔ ترجمہ تاریخ [illegible] حصہ اول [illegible] دوم
(۴۳) معاشرت۔ انگریزی کی [illegible] مشہور کتاب [illegible] کا ترجمہ

حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز گڑھ [illegible] بیگ خان۔ لکھنؤ

دربار کسریٰ مین ایک قریشی تاجر

یہ غیلان ابن سلمہ تھے جو طائف مین رہتے تھے اور بنی ثقیف کے سردار تھے اُن کی ماں سبیعہ جناب معاویہ کے دادا اُمیّہ ابن عبدشمس کی بہن تھین۔ شاعر تھے اور اُس کے ساتھ نامی گرامی شہسوار۔ ان کا شمار صحابہ مین ہے اور اُن شرفا ے قریش مین سے ہین جنھون نے توحید کی سخت مخالفتون کے بعد مجبور اور بیدست و پا ہو کے ایمان قبول کیا۔ لیکن اب بھی شرف ہجرت سے محروم رہے۔ اُن کی بیٹی بادیہ بنت غیلان کے حسن و جمال کی قبائل عرب مین بڑی شہرت تھی۔ چنانچہ بہ روایت محدثین منقول ہے کہ ایک دن مدینے کے مشہور ہیجڑے ہیت نے حضرت ام المومنین اُم سلمہ کے صاحبزادے عمر یا اُن کی بہن سلمہ سے کہا اگر خدا مسلمانون کے ہاتھون سے طائف کو فتح کرا دے تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کر کے غیلان کی بیٹی بادیہ کو مانگ لین۔ وہ گوری ہے ہنسمکھ ہے۔ آنکھین سرگین اور بڑی بڑی ہین۔ کمر باریک ہے اور پیٹ پچکا ہوا ہے۔ چلتی ہے تو نازک ٹہنی کیطرح کمر لچک لچک جاتی ہے۔ بیٹھتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ خوبصورت پودھا اپنی جگہ پر قائم ہے۔ بات کرتی ہے تو نغمہ خیز آواز سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ جیسے گا رہی ہے۔ سامنے سے آتی ہے تو پیٹ مین چار بٹین نظر آتی ہین اور پیٹھ پھیر کے چلتی ہے تو دونون کولون پر بٹون کے چار چار سرے نظر آ کے اُن چار بٹون کو آٹھ بنا دیتے ہین۔

غیلان کی ایک بیوی خالدہ بنت عاص تھین جن کے بطن سے اُن کے دو فرزند عمّار و عامر پیدا ہوے۔ یہ دونون اُن سے پہلے مسلمان ہوے اور باپ کو طائف

مین چھوڑ کے جوار رسول اللہ صلعم مین سکونت اختیار کی اور دولت ہجرت سے شرف یاب ہوے۔ غیلان دولتمندان عرب مین تھے اُن کا ایک غلام جو تحویلدار تھا اُس نے بیٹون کے جانے کے بعد یہ حرکت کی کہ جو کچھ جمع اونچی تھی اُڑا دی اور غیلان سے آ کے یہ بیان کر دیا کہ آپ کے صاحبزادے عمار اُسے لے گئے غیلان کو یقین آ گیا مختلف لوگون سے اُس کی شکایت کی اور جا بجا یہ واقعہ مشہور ہو گیا۔ عمار نے اگرچہ سُنا مگر دم نہ مارا اور مدینے مین خاموش بیٹھے رہے۔ اتفاقاً ایک روز بنی ثقیف کے کسی گھرانے کی ایک لونڈی غیلان کے پاس آئی اور کہا "اگر مین آپ کی دولت کا پتہ لگا دون تو مجھے کیا دیجیے گا کہا جو مانگو۔ بولی یہ اقرار کیجیے کہ مجھے خرید کے آپ آزاد کر دین گے۔ کہا منظور ہے وہ بولی تو پھر میرے ساتھ چلیے۔ یہ اُس کے ساتھ ہو لیے۔ اور اُس نے راستے مین یہ بیان کیا کہ آپ کے فلان غلام نے جو آپ کا تحویلدار ہے ایک رات کو ایک مقام پر جا کے گڑھا کھودا اور اُس مین کوئی چیز گاڑ دی۔ اتفاقاً مین دور سے دیکھ رہی تھی خیال کیا کہ اُس نے کوئی مال چُرا کے یہان دفن کیا ہے پھر اُس کے بعد جب یہ دیکھا کہ وہ غلام دن بھر مین کئی کئی بار وہان جاتا اور اُس مقام کی نگہبانی کرتا ہے تو یقین آ گیا کہ اُس نے آپ کی دولت چُرا کر وہان گاڑی ہے"۔ انھین باتون مین وہ مقام آ گیا۔ اور لونڈی نے کہا "لیجیے دیکھیے یہ وہ جگہ ہے۔ غیلان نے کھودا تو اپنی گم شدہ دولت ہاتھ آ گئی اُسی وقت اُٹھا کے گھر لے آئے اور اس لونڈی کو مول لے کے آزاد کر دیا۔

اب اس دولت کے مل جانے کی خبر جو مشہور ہوئی تو مدینۂ طیبہ مین عمار نے بھی سُنا۔ سنتے ہی طیش مین آ کے قسم کھا گئے کہ خدا کی قسم اب کبھی بابا میری صورت نہ دیکھین گے"۔ اس عہد کا انجام یہ ہوا کہ چند روز بعد جب غیلان بھی ایمان لائے تو اُن کے دونون فرزندون عامر و عمار نے مدینہ چھوڑ دیا۔ خالد ابن ولید کے ساتھ ملک شام مین چلے گئے اور وہان جب طاعون عمواس شدت پر تھا عامر نے اُس مہلک مرض مین مبتلا ہو کے سفر آخرت کیا۔

غیلان بڑے بہادر سپہ سالار تھے چنانچہ ایک بار بنی عامر کو جو ایک لشکر عظیم کے ساتھ طائف پر حملہ آور ہوئے تھے اور ایک بار بنی خثعم کو جو یمن کے متعدد قبائل کا بڑا بھاری گروہ تھے طائف پر چڑھ آئے تھے شکست دیدی۔ تعاقب مین دشمنون کا خوب خوب قلع قمع کیا خصوصاً دوسرے موقع پر یمانیون کی بہت سی عورتین بھی پکڑ لی تھین جن کو کمال شرافت سے احسان رکھ کے چھوڑ دیا۔

مگر اُن کی زندگی کا سب سے اہم اور دلچسپ واقعہ جس کے لیے ہم نے یہ مضمون لکھا ہے یہ تھا کہ ایک بار قریش کے تین نامور تاجر ابو سفیان ابن حرب عدی اور یہی غیلان ابن سلمہ اپنے اپنے تاجرانہ قافلون کو لے کے عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ کسی منزل پر پہونچ کے تینون گروہ جمع ہو گئے اور ابو سفیان نے سب کو جمع کر کے کہا یہ سفر مجھے خطرناک نظر آتا ہے ایک باسطوت تاجدار جبار کی قلمرو مین جا رہے ہین جس سے وہان جانے کی اجازت بھی ہمین حاصل ہوئی ہے یہ بھی نہین کہ اس سرزمین مین ہم تجارت کی غرض سے اکثر آتے جاتے رہے ہون لہذا مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم تینون مین سے ایک شخص ان تینون قافلون کو لے کے آل ساسان کے قلمرو مین چلا جائے اور خرید و فروخت کر کے واپس آئے۔ مگر یہ شرط ہے کہ اگر وہ وہان مار ڈالا گیا تو ہم پر اُس کے خون کی کوئی ذمہ داری نہین ہے۔ اور اگر نفع حاصل کر کے واپس آیا تو تینون قافلون کی ساری تجارت کا آدھا نفع اُس کا حق ہو گا۔ اس موقع پر اور کسی کو آمادگی ظاہر کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ غیلان نے کہا۔ اچھا یہی شرط ہے تو پھر مجھے جانے دو مین جس طرح بنے گا اس کام کو انجام دونگا۔ اس قرارداد کے مطابق وہ تینون قافلون کا سالار بن کے خسرو عجم کی قلمرو مین داخل ہوا۔ وہان پہونچتے ہی اپنی بدوی وضع ترک کر دی اور دو زرد رنگ کے پرتکلف کپڑے پہن کے بڑے کر و فر کے ساتھ اپنی آمد کو مشہور کرتا ہوا آل ساسان کے دارالسلطنت مین داخل ہوا۔ اور کسرائے عجم کے عالیشان قصر کے پھاٹک پر جا کے بیٹھ گیا۔ جہان چند روز انتظار کرتے

رہنے کے بعد داخلے کی اجازت ملی۔ خدام بارگاہ نے قصر کے اندر ایک ایسے مقام پہ لیجا کر اُسے کھڑا کر دیا جہان نظر کے سامنے سونے کی چلمن پڑی ہوئی تھی اتنے مین شاہی ترجمان نمودار ہوا، اور کہا "حضور جہان پناہ پوچھتے ہین کہ تمھین بغیر اجازت کے میرے ملک مین آنے کی کیونکر جرأت ہوئی؟" غیلان نے ادب سے کہا "بارگاہ خسروی مین تجارت کی غرض سے آیا ہون اگر خسرو جہان پناہ پسند فرمائین تو یہ سامان تجارت خود ہی قبول فرمالین ورنہ اجازت ہو کہ مین حضور کی رعایا مین فروخت کر دون۔ اور یہ بھی مرضی مبارک کے خلاف ہو تو اجازت عطا کی جائے کہ اپنا مال واپس لیجاؤن" اب ایک بلند آواز سُنائی دی جس کو سنتے ہی غیلان سجدے مین گر پڑا اور زمین بوس ہوا۔ اُٹھا تو ترجمان نے کہا "حضور جہان پناہ پوچھتے ہین تم نے کیون سجدہ کیا؟" غیلان نے کہا "مین نے ایک بلند آواز سُنی اور دل مین خیال کیا کہ ایسے دربار عالی جاہ مین خود خسرو ذی حشم کے سوا دوسرا اِس بیباکی سے بات نہین کر سکتا۔ اور جب حضور جہان پناہ کی آواز سنائی دی تو مجھ پہ تعظیم فرض ہو گئی" اس حرکت کو کسریٰ نے بہت پسند کیا اور خدام دربار کو حکم دیا کہ ایک قالین لا کے غیلان کے نیچے بچھا دین۔ قالین لایا گیا اور اتفاقاً اس مین کسرائے عجم کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ غیلان نے جھٹ سے اُٹھا کے اُسے اپنے سر پہ رکھ لیا۔ کسریٰ نے اُس کی یہ حرکت دیکھ کے خیال کیا کہ یہ جاہل بدوی سخت احمق ہے یہ بھی نہین جانتا کہ کون چیز بچھائی جاتی ہے اور کون چیز سر پہ رکھی جاتی ہے۔ ترجمان سے کہا اسے بتاؤ کہ قالین بیٹھنے کے لیے ہوتا ہے" یہ سن کے غیلان نے دست بستہ عرض کیا کہ "یہ تو مین جانتا ہون لیکن جب یہ قالین لا کے بچھایا گیا تو اس مین مجھے حضور جہان پناہ کی تصویر نظر آئی پھر بھلا مجھ سے حقیر شخص کی کیا حقیقت تھی کہ اس پہ بیٹھے۔ تعظیماً مین نے اسے اپنے سر پہ رکھ لیا" یہ جواب بھی کسریٰ کو بہت پسند آیا۔ اب کسریٰ نے دریافت کرایا کہ تمھارے اولاد ہے۔ عرض کیا "میرے کئی بیٹے ہین" پوچھا۔ "اُن مین سب سے زیادہ لاڈلا بیٹا کون ہے" عرض کیا "چھوٹا جب تک کہ بڑا نہ ہو جائے۔ بیمار جب تک کہ اچھا نہ ہو۔ اور جو بیٹا گھر سے گیا ہوا ہو جب تک کہ سفر سے واپس نہ آ جائے" اس جواب پہ کسرائے عجم متحیر ہو گیا اور کہا تمھارے اِس جواب مین حکیمون اور فلسفیون کے کلام کی شان نظر آتی ہے۔ حالانکہ تم ایک بدوی

اور جاہل اور وحشی قوم کے آدمی ہو۔ اچھا بتاؤ تم کھاتے کیا ہو؟ جواب دیا گیہون کی روٹی۔ یہ سن کے خسرو عجم نے کہا تو معلوم ہوا یہ عقل و دانائی اُسی سے ہے اونٹ کے دودھ اور کھجور مین یہ دانائی اور ذکاوت نہین ہو سکتی۔ اس کے بعد اُس کا مال تجارت جو نہ بِک گیا تھا دام دیکر خرید لیا۔ اُسے خلعت سے سرفراز کیا۔ اور اُس کی درخواست پر چند ایرانی معمار اُس کے ہمراہ کیے جنھون نے طائف مین آ کے وہان کا قلعہ بنایا جو طائف کا سب سے پہلا قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اُس کا فتح کرنا بہت دشوار تھا۔

غیلان کے ایک اور بیٹے بھی جن کا نام نافع تھا خالد ابن ولید کے ہمراہ جہاد کر رہے تھے۔ معرکۂ دومۃ الجندل مین اتفاقاً شہید ہو گئے۔

غیلان کو اُن کی شہادت کا بڑا صدمہ ہوا۔ اُن کے غم مین ایک مرثیہ کہا اور اس قدر روئے کہ رونا کسی طرح موقوف ہونے ہی کو نہ آتا تھا۔ آخر لوگون نے ملامت کرنا شروع کیا۔ اُنھون نے کہا خدا کی قسم میرے آنسوؤن کا سلسلہ نہین رک سکتا!! روتے روتے جب ایک مدت گذر گئی تو آنسو رک گئے یہ دیکھ کے لوگون نے طعن و تشنیع کے طریقے سے کہا اب وہ قسم کیا ہوئی؟ بولے "وہی نافع ہین وہی غم ہے۔ لیکن درد دل فنا ہو گیا۔ اور اِس کے ساتھ آنسو بھی فنا ہو گئے اور اُن سے ملنے کا زمانہ قریب آ گیا۔

غیلان نے عہد جاہلیت مین عرب کے شریف خاندانون کی دس بیویان اپنے نکاح مین جمع کر لی تھین جب مرنے کا وقت آیا تو بیٹون سے بلا کر کہا بیٹو مین نے تمھاری دولت سے اچھا کام لیا اور تمھاری ماؤن کی اچھی عزت کی لہذا اب تم بھی اچھون اور شریف بیویون کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

آپ اپنا قاتل

دنیا عجب عبرت کدہ ہے۔ اس مین ایسے ایسے عبرت ناک واقعات گذرتے ہین کہ انسان سُن کے حیران رہ جاتا ہے۔ اور اُس کے دل پر ایسی بے حسی کا عالم طاری

ہوتا ہے کہ نہ اُسے عیش مین مزہ ملتا ہے اور نہ مصیبت مین تکلیف ہوتی ہے۔

دربار بنی عباس کا شاعر بحتری کہتا ہے "مین ایک دن متوکل علی اللہ عباسی کی محفل عیش مین شریک تھا۔ ندیمان دولت و یاران صحبت جمع تھے۔ اور بذلہ سنجیان ہو رہی تھین۔ اتنے مین تلوارون کا ذکر چھڑ گیا اور لوگ اپنے اپنے تجربے کے مطابق تلوارون کی خوبیان بیان کرنے لگے۔ حاضرین مین سے کسی نے عرض کیا۔ امیر المومنین تلوار تو بصرے مین فلان شخص کے پاس ہے۔ ہندوستان کی بنی ہوئی ہے۔ فولاد ہندی کی ہے۔ اور تمام خوبیون مین اپنا نظیر نہین رکھتی۔ اُس شمشیر آبدار کی تعریف سُن کے متوکل کو شوق ہوا۔ منشی دربار کو بلا کے اُسی وقت والی بصرہ کے نام فرمان جاری کر دیا کہ وہان فلان شخص کے پاس ایک بے نظیر تلوار ہے جس کی یہ صفتین ہین۔ اُس کو جس قیمت پر دے اُس سے خرید لو۔ اور کمال احتیاط کے ساتھ میرے پاس روانہ کرو۔ والی نے فرمان خلافت پاتے ہی اُس شخص کو بلوایا۔ اُس سے تلوار منگوا کے دیکھی جس طرح بنا سمجھا بجھا کے دس ہزار درہم کے معاوضے مین خریدی اور دوسرے ہی دن معتمد لوگون کے ہاتھون بارگاہ خلافت مین بھیج دی۔

متوکل اُس کو دیکھ کے بہت خوش ہوا۔ جیسی صفت سنی تھی اُسے ویسا ہی پایا۔ اور اپنے وفادار وزیر فتح بن خاقان سے کہا "اب کوئی خوش رو توانا و تنومند اور بھروسے کا نوجوان ڈھونڈھو جس کی رو داری و شجاعت کا لوگون پر رعب پڑتا ہو۔ مین اُس کو اس خدمت پر مقرر کر دون گا کہ اس بے نظیر تلوار کو اپنی کمر مین لگائے میرے پیچھے کھڑا رہا کرے۔ جب تک مین دربار مین رہون میری پشت پر حاضر رہے۔ اور جب کہین جاؤن تو میرے ساتھ جایا کرے۔" حضور خلافت پناہ یہ الفاظ کہہ ہی رہے تھے کہ باغر ترکی سامنے دکھائی دیا۔ باغر نہایت ہی وجیہ اور صورتدار ترکی غلام تھا۔ شجاعت مین مشہور تھا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ متوکل کو اس پر بھروسا تھا۔ غرض متوکل نے اُسے بلا کے وہ شمشیر اُس کی کمر مین باندھ دی۔ اور حکم دیا کہ "اس وقت سے تم میرے اڈی کانگ ہو۔ جب تک دربار مین بیٹھا رہون میرے پیچھے اسی تلوار کو کمر مین لگائے کھڑے رہا کرو۔ اور جب کہین جاؤن تو میرے ہمراہ رکاب چلا کرو۔" باغر اس خدمت کو اپنی سرفرازی سمجھا۔ اور

اُس وزیر نے اپنے ہی کاٹنے کی وضع میں اپنے خلافت پناہ آقا کے ساتھ دور سے دیکھا۔"

اس کے بعد بحتری کہتا ہے "خدا کی قسم یہ تلوار ہمیشہ میان ہی میں رہی۔ اور متوکل کی رحم دلی نے کبھی ایسا موقع نہ پیش آنے دیا کہ اُس تلوار کی کاٹ کا امتحان بھی ہوتا۔ لیکن انجام میں یہ شمشیر آبدار میان سے نکلی اور خود متوکل اور اُس کے وزیر فتح بن خاقان کے قتل پر ختم ہوئی۔

یہ عجیب انجام یوں ظاہر ہوا کہ متوکل نے پہلے اپنے بڑے بیٹے محمد المنتصر کو ولی عہد خلافت مقرر کیا تھا۔ مگر چند روز بعد باپ بیٹوں میں مخالفت ہو گئی۔ اور متوکل آمادہ ہوا کہ ناخلف بیٹے کو ولی عہدی سے محروم کر کے اُس کے چھوٹے بھائی محمد معتز کو جو باپ کا زیادہ دلدادہ اور فرماں بردار تھا وارث خلافت قرار دے۔ یہ خبر فوج میں مشہور ہوئی تو سپاہیوں اور سرداران فوج میں ایک بے دلی پیدا ہو گئی۔ اس لیے کہ اکثر ترک سپاہی المنتصر کو اچھا سمجھتے اور اُس کے طرفدار تھے۔

آخر انھیں بد دل سپاہیوں کا ایک نمک حرام گروہ المنتصر سے جا ملا اور اُس کے اشارے سے خلیفۂ وقت کی جان لینے کے درپے ہو گیا۔ اُن لوگوں اور المنتصر میں جب خوب اچھی طرح عہد و پیمان ہو گیا تو اُن لوگوں نے اسی باغر کو اس خطرناک خدمت کے انجام دینے پر مامور کیا۔ اس لیے کہ وہ بھی اسی ہنگامہ پرور محسن کش گروہ میں شامل تھا۔

ایک دن آدھی رات کو متوکل نشۂ صہبا سے بدمست ہو کے سو گیا تھا اور وزیر فتح بن خاقان پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ناگہان باغر دس ترکی سپاہیوں کے ساتھ گھس آیا۔ کھڑے ہوئے وہی اُس کی دی ہوئی تلوار میان سے نکالی۔ اور اُس بدبخت غلام نے ہاتھ مارا کہ ایک ہی وار میں متوکل کی گردن کٹ کے جدا ہو گئی۔ وزیر فتح نے جو یہ حال دیکھا تو گھبرا کے جھپٹا اور کہنے لگا "کمبختو! اپنے خلیفۂ ربانی کو قتل کیے ڈالتے ہو!" یہ الفاظ سنتے ہی دسوں قاتل اُس پر بھی جھپٹ پڑے ہر طرف سے وار کرنے لگے یہاں تک کہ اُس کو بھی کاٹ کے ڈال دیا۔

اس کے بعد اُن خونریز شیطانون نے متوکل اور فتح کی لاشون کو ایک دری مین لپیٹ کے محل کے اندر رہی کسی جگہ دفن کر دیا۔ اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ قصر خلافت مین اور اُس کے ساتھ ساری دنیا مین کتنا بڑا انقلاب ہو گیا۔

یہی مرقع ہاے عبرت ہین جن کو دیکھ کے ایک اگلے نکتہ رس شاعر عجم نے بآواز بلند کہہ دیا "۔ اسپ و زن و شمشیر وفادار کہ دید" یعنی تلوار بھی اُن چیزون مین ہے جو ہمیشہ ایک کے پاس نہین رہتین۔ اس مصرع کو اکثر نا واقف لوگ عورتون کی بیوفائی کے ثبوت مین پیش کیا کرتے ہین۔ مگر یہ نہین سمجھتے کہ شاعر کا مقصد عورتون کو یہ الزام دینا نہین ہے کہ وہ اپنے تقاضاے طبع سے اور اپنی فطرت بیوفائی کے جوش مین ایک چاہنے والے یا ایک شوہر کو چھوڑ کے دوسرے چاہنے والے اور شوہر کے پاس چلی جاتی ہین۔ نہین ایسا نہین ہے۔ اگلے دنون معمول تھا کہ ایک قوم دوسری قوم پر فتحیاب ہوتی تو اُس کے ملک و مال اُس کے اسلحہ ولباس۔ اُس کے گھوڑون اور مویشیون کے ساتھ اُس قوم کی عورتون کو بھی پکڑ کے اپنے تصرف مین لاتی تھی۔ لہذا شاعر کہتا ہے کہ ایسا گھوڑا ایسی عورت اور ایسی تلوار کس نے دیکھی ہے جو ہمیشہ ایک ہی کے پاس رہین۔

مقصد یہ کہ یہ تینون چیزین ایسی ہین جن کو جابر و غاصب ایک دوسرے سے چھینتے رہتے ہین۔ اور اُن کی نسبت کبھی نہین اطمینان کیا جا سکتا کہ کس کے پاس کتنے دنون تک رہین گی۔ مگر متوکل کی اس تلوار کا واقعہ زیادہ عبرت خیز ہے۔ اس لیے کہ اُس نے گویا خاص اپنے ہی قتل کے لیے تلوار مول لے رکھی تھی اور اپنے ایک غلام کو خود ہی اس کام پر مامور کر دیا تھا۔

اسی قسم کا ایک حیرتناک واقعہ ایک صاحب نے مجھ سے اپنا چشم دید بیان کیا جو متوکل کی تلوار کے واقعے سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ اُن کا بیان تھا کہ مین لکھنؤ کے عہد شاہی مین ایک رسالے کا افسر تھا۔ اُس رسالے کو ایک موقع پر کسی سرکش زمیندار کی سرکوبی کے لیے روانہ ہونے کا حکم ہوا۔ دو تین منزلون کے بعد ایک دن ہم نے ایک آم کے باغ مین پڑاؤ ڈالا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اور مین چند ماتحت افسرون کے ساتھ ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا باتین کر رہا تھا۔ حریفان

صحبت میں سے ایک صاحب سروتے سے بادام کاٹ کاٹ کے کھا رہے تھے انھیں ایک بڑا سا غیر معمولی قسم کا چونٹا نظر آیا۔ اُنھوں نے ایک بادام کے چھلکے میں جو بیچ سے کٹ کے جدا جدا ہو گیا تھا اُس چونٹے کو رکھا اور دونوں ٹکڑے برابر کر کے اُسے چاقو سے زمین کھود کے دفن کر دیا۔ یہ ایک مذاق سا تھا جس کو سب نے دیکھا اور اُن صاحب کی سنگدلی پر تعجب کیا۔

دوسرے دن رسالے نے وہاں سے کوچ کیا۔ اور ہم سب اپنی مہم پر روانہ ہو گئے۔ سرکش زمیندار کو سزا دی۔ مطیع و منقاد بنایا۔ اُس سے احکام سرکاری کی تعمیل کرائی اور خوش خوش لکھنؤ کی راہ لی۔ اتفاقاً واپسی میں بھی اُسی باغ میں پڑاؤ ہوا۔ اور اُس سے بھی زیادہ اتفاق کی یہ بات تھی کہ ہم سب وہی احباب پھر اُسی درخت کے نیچے باہم بیٹھ کے باتیں کرنے لگے۔ ہمارے اُن دوست کو جنھوں نے یہاں بادام کھائے تھے۔ اپنا زندہ دفن کیا ہوا چونٹا یاد آیا۔ فوراً چاقو سے زمین کھودی۔ بادام نکالا اور کھولا تو وہی چونٹا جو اب پہلے سے زیادہ سیاہ بڑا۔ اور تیز تھا نکل کے مجنونوں کی طرح اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔ اور ہم سب اُس کے زندہ رہنے اور اِس وحشت کے ساتھ چاروں طرف لپکنے پر تعجب کر رہے تھے کہ ناگہاں وہ دوڑ کے اُن صاحب کے پاؤں کی چھنگلیا میں لپٹ گیا۔ اور اِس زور سے کاٹا کہ وہ تڑپ گئے۔ میں نے اُن کی انگلی سے اُس چونٹے کو چھڑایا۔ مگر وہ نہ چھوٹا۔ یہاں تک کہ اُس کا سر ٹوٹ کے لپٹا رہ گیا۔ اتنے میں وہ بے ہوش ہو کر گرے۔ اور اُسی جگہ تڑپ تڑپ کے رہ گئے۔

بادام کے چھلکے کی قید تنہائی کی اُس چونٹے میں خدا جانے کیا اثر پیدا کر دیا تھا کہ اُن کے حق میں ملک الموت بن گیا۔ اور ملک الموت بھی کون؟ وہ جس کو وہ خود اپنے ہاتھ سے اس وقت تک کے لیے اسیر و محفوظ کر گئے تھے جب کہ اُن کی موت لکھی ہوئی تھی۔ سچ یہ ہے کہ یہ چونٹا متوکل کی تلوار سے زیادہ عبرتناک تھا۔

ایک کمسن بدویہ کی فصاحت و طبّاعی

مامون رشید ایک دن دل بہلانے اور سیر و تفریح کے لیے اپنے قصر سے نکلا۔ اور کھلی فضا کے شوق مین شہر اور آبادی سے باہر دور تک بڑھتا چلا گیا۔ صحرا مین جا رہا تھا کہ ایک کمسن بدویہ لڑکی دکھائی دی جس کے کندھے پہ مشکیزہ تھا اور اُس کے بوجھ سے دبی جاتی تھی۔ اتنے مین اُس نے دور پر اپنے باپ کو دیکھا۔ اور چلائی۔ "یا ابتَ ادرِک فاہا۔ فقد غلبنی فوہا۔ لاطاقۃ لی بفیہا" یعنی ابا دوڑو۔ (مشکیزے کے) دہانے کو سنبھالو۔ اس دہانے پر میرا زور نہین چلتا۔ مین اس دہانے کو سنبھال نہین سکتی" دہانے کو عربی مین "فو" کہتے ہین اسی لفظ کو نحوی ترکیب سے بدل بدل کے ایسی خوبی کے ساتھ "فا" اور "فو" اور "فی" کہا کہ مامون جیسے ادب کا بہترین ذوق تھا اور فصاحت و لطافت کلام کا دلدادہ تھا۔ سنتے ہی پھڑک اُٹھا۔ اس کمسنی مین اُس کی ایسی فصیح البیانی پر عش عش کر گیا۔ اور چلتے چلتے رک کے اُس سے کہا "معلوم ہوتا ہے تم فصاحت عرب کا مذاق رکھتی ہو" بولی کیا مین عرب کی رہنے والی نہین ہون؟" مامون نے کہا "عرب کی رہنے والی ہو تو بتاؤ کہ کس گروہ عرب سے ہو؟" کہا یمنیہ ہون" پوچھا "اور یمن کی کس قبیلے کی لڑکی ہو؟" جواب دیا "بنی قضاعہ کی" سوال کیا "اور بنی قضاعہ کے کس قبیلے مین ہو؟" بتایا "بنی کلب مین" اس پر مامون نے ہنس کے کہا "تو معلوم ہوا تم کلاب (کتون) مین ہو" اس تعریض پر وہ ایک شرمندگی کی ادا سے بولی "جی ایسا نہین ہے۔ عرب کے ایک قبیلے نے اپنا نام کلب رکھ لیا ہے۔ اور مین اُسی قبیلے کی لڑکی ہون"

اب اُس لڑکی کی باری آئی۔ کہا "آپ نے تو میرا سارا حسب و نسب پوچھ لیا۔ اور مین نے سچ سچ بتا بھی دیا۔ آپ تو بتائیے کہ کن لوگون مین سے ہین؟" مامون نے کہا "اُن لوگون مین جن سے سارے اہل یمن کو بغض ہے" اُس نے ذرا تامل کیا اور کہا "تو معلوم ہوا آپ بنی مضر بن عدنان مین سے ہین۔ مگر یہ تو بتائیے کہ مضریون کے کس گروہ مین ہین؟" مامون بولا "اس

گروہ میں جس کے ساتھ سارے مضری قبائل کو بغض ہے" کہنے لگی "تو معلوم ہوتا ہے آپ قریشی ہیں۔ بہتر اب ارشاد ہو کہ قریشیوں کے کس گروہ سے آپ کو تعلق ہے؟" کہا "اُس گروہ سے جس کے ساتھ سارے قریش کو بغض و عناد ہے" سن کر بولی تو یہ کہیے کہ آپ ہاشمی ہیں۔ اب یہ بھی بتا دیجیے کہ آپ ہاشمیوں کے کس خاندان کی یادگار ہیں؟" جواب دیا "اُس خاندان کی یادگار جس کے ساتھ تمام ہاشمیوں کو کینہ ہے" کہنے لگی "تو یقیناً آپ آلِ عباس میں ہیں۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ اُن میں سے آپ کس گھرانے کے آدمی ہیں؟" کہا "وہ گھرانا جس پر سارے بنی عباس کو حسد ہے" یہ سنتے ہی وہ چونک کے بولی "تو قسم ہے پروردگارِ کعبہ کی آپ امیر المومنین مامون رشید کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتے" اتنا کہا اور مشک پھینک کے سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اور ایک چھوٹی خوبصورت سی بحر میں چند شعر فی البدیہ کہہ کے مامون کی تعریف میں پڑھے۔ جو حسب ذیل ہیں:-

مامون یا ذا المنن الشریفہ ۔۔۔ وصاحب المرتبۃ المنیفہ

وقائد العساکر الکثیفہ ۔۔۔ ہل لک فی ارجوزۃ لطیفہ

اظرف من فقہ ابی حنیفہ ۔۔۔ لا والذی انت لہ خلیفہ

ما ظلمت فی حینا ضعیفہ ۔۔۔ عاملتنا بمؤن خفیفہ

اللص والتاجر فی قطیفہ ۔۔۔ والذئب والنعجۃ فی سقیفہ

ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے "مامون۔ او شریفانہ احسانات والے بلند ترین مرتبے والے۔ اور بڑی بڑی فوجوں کے لیجانے والے۔ ایک پاکیزہ نظم سننے کا جو فقہ ابی حنیفہ سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ اُسی دین کی قسم جس کا تو خلیفہ ہے ہمارے قبیلے میں کبھی کسی بڑھیا پر بھی ظلم نہیں ہوا۔ چور اور تاجر ایک چادر میں اور بھیڑ بکری ایک چھت کے نیچے ہیں"

اُس کی اس بدیہہ گوئی نے مامون کو اور زیادہ حیران کر دیا۔ اور انعام واکرام میں بھی اُس کی ذکاوت و ذہانت کا امتحان کرنے کے خیال سے پوچھا "بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟ ایک لاکھ درہموں کا وعدہ یا دس ہزار درہم نقد؟" بے تامل بولی "ایک لاکھ درہموں کا وعدہ۔ اس لیے کہ وعدہ

کرنے والا اور کا سچا اور بات کا دھنی ہے" یہ جواب سن کے مامون اور خوش ہوا اور تب اُسے ایک لاکھ درہم منگوا کے دے دیئے تب اپنے محل میں واپس آیا۔

مصر کی جامع ابن طولون کا بانی

مصر مین ایک نہایت پرشوکت اور عالیشان جامع مسجد ہے جو جامع ابن طولون کے نام سے یاد کیجاتی ہے۔ یہ مسجد تقریباً گیارہ سو برس پیشتر تعمیر ہوئی تھی۔ اور اگرچہ عمر مین اہرام مصری یا فراعنہ مصر کی دیگر عمارتون کی ہمسری کا دعوی نہین کر سکتی مگر عظمت اور رونق مین اُن سے بڑھی ہوئی ہے۔ دوسری قدیم عمارتین اگر انکے شرک و بت پرستی کی یادگار ہین جو مٹ گئین اور مٹ رہی ہین تو یہ توحید اور مبلغان توحید کی عظمت و جلال کی مبارک و محترم یادگار ہے جو اس گھڑی تک قائم ہے اور کبھی نہ مٹے گی۔ اُن عمارتون کے منہدم کھنڈرون مین وحشیان صحرا کا نشیمن ہے۔ اور اُن کے شکستہ کنگرون پر اُلّو بولتا ہے۔ اس مین اب تک بندگان خدائے واحد ذوالجلال کی عبادت کرنے والے آباد ہین اور پانچون وقت اُس کے میناروں پر سے نعرۂ اللہ اکبر بلند ہوتا ہے۔ اُن یادگارون کا قدیم کا کیش و آئین مٹ گیا۔ اور اس کا دین مذہب آج تک اُسی شان سے دمشق کی شان و جلوہ دکھا رہا ہے اور قیامت تک برقرار رہے گا۔

اس مسجد کا بانی اگرچہ کوئی مستقل شہریار نہین ہے بلکہ تاجداران آل عباس کا مقرر کیا ہوا والی مصر تھا مگر اُس کی خصوصیت یہ تھی کہ دولت اسلام مین وہی پہلا والی ہے جس نے گورنری یا ولایت مین جہان بانی و شہریاری کی شان دکھا دی۔ اور سچ یہ ہے کہ بغیر ایسے عظمت و جبروت کے ایسی عالیشان اور دیرپا عمارت تعمیر بھی نہ ہو سکتی تھی۔

اُس کا نام احمد بن طولون تھا جو ۲۵۴ھ مین بحکم المعتز باللہ عباسی والی مصر مقرر ہوا۔ اُن دنون خلافت عباسیہ کمزور پڑ چکی تھی اس کا رعب

اٹھ گیا تھا مگر اُسی عہد کے ایک خلیفہ کا مقرر کیا ہوا یہ والی مصر ایسے رعب و داب اور ہیبت و جبروت کا حکمران تھا کہ اُس کی صورت دیکھنا کیسا اُس کے نام سے لوگ تھراتے تھے۔ اُس نے ایک سو حسین و خوبرو اور تواناو تنومند غلام خرید کے اپنے جلو مین گارڈ آف آنر کی حیثیت سے رکھے تھے۔ یہ غلام خوشنما و خوش قطع قبائین پہنے رہتے۔ اُن کی کمرون مین چوڑے چوڑے پٹکے کسے رہتے۔ اور اُن کے ہاتھون مین بھاری بھاری زبردست گرز ہوتے جن کی چوٹیون پر نقرہ لٹو نصب تھے۔ اِس وضع و لباس مین یہ غلام ہر وقت اُس کے ہمراہ رہتے۔ دربار مین بیٹھتا تو صف باندھ کے سامنے کھڑے ہو جاتے۔ سوار ہوتا تو اُس کے گھوڑے کو اپنے جھرمٹ مین لیے رہتے۔ اس مختصر جلوس نے ساری رعایاے مصر کے دلون پر اُس کی ایسی ہیبت بٹھا دی تھی کہ مجال نہ تھی کہ اُس کے سامنے کوئی چون بھی کر سکے۔ چنانچہ اس کی اس سطوت و جبروت اور خلفاے آل عباس کی کمزوری کا یہ اثر ہوا کہ چند ہی روز مین ابن طولون ایک شہریار خود مختار بن گیا۔ اور مصر ہی نہین مشرق مین شام و فلسطین اور وادی فرات تک کا علاقہ اُس کے زیر نگین تھا۔ اور مغرب مین افریقہ تک اُس کی حکومت قائم تھی۔

مگر اِس رعب و جبروت کے ساتھ ابن طولون نہایت ہی خلیق و متواضع اور انتہا درجے کا دیندار و عبادت گزار تھا۔ حکمرانی و جہانبانی کے ساتھ دینداری مین اس قدر انہماک تھا کہ جب دیکھیے علوم دینیہ کے مطالعے اور فن حدیث کی مزاولت مین مصروف نظر آتا۔ اور اسی تقاضاے دینداری و حمیت اسلامی نے اُس کے ہاتھون سے جامع ابن طولون تعمیر کرا دی۔ جو آج تک تاریخ عظمت سلف کا ایک کرم خوردہ ورق بنی ہوئی ہے۔ اُس مسجد کی تعمیر مین اُس نے بارہ لاکھ اشرفیان صرف کین اور طیاری کے بعد اُس کی خدمت کے لیے بہت بڑی رقم مقرر کر دی جو مدت دراز تک جاری رہی اور آج بھی خزانہ مصر سے اُس کی خدمت ہوتی رہتی ہے۔ اس مسجد کی تعمیر و خدمت کے علاوہ ابن طولون کی فیاضی

و مذہبی ارادت سے بکثرت خیرات جاری تھی۔ ایک نہایت عالی شان دارالشفا قائم کرائی۔ اور اُس پر مناسب اوقاف مقرر کیے تاکہ ہمیشہ جاری رہین۔ چنانچہ مدت دراز تک یہ دارالشفا جاری رہی۔ یا سوا اس کے اُس کی فیاضی سے روزانہ ایک ہزار اشرفیان فقرا اور محتاجون کو دیجاتین۔ اور دس ہزار اشرفیان ماہانہ علما و اتقیا کی خدمت گزاری اور محترم خاندانون کی قدر دانی و دستگیری کے لیے مخصوص تھین۔

احمد بن طولون کے عہد مین ایک رات کو یکایک اس کثرت سے تارے ٹوٹنے لگے کہ تمام لوگ گھبرا اُٹھے۔ یہ حالت دیر تک قائم رہی۔ اور اکثر لوگون کو یقین ہو گیا کہ قیامت آگئی۔ تارے ٹوٹ ہی رہے ہین دم بھر مین آسمان بھی پھٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ بہت دیر تک یہ سلسلہ قائم رہ کے موقوف ہوا۔ اور جب تارون مین سکون و استقلال نظر آیا تو اہل ملک کی جان مین جان آئی۔ اب لوگون کا خیال اس جانب مائل ہوا کہ دنیا مین کوئی بہت بڑی بلا آنے والی ہے جس سے عالم علوی کی اس درہمی و برہمی نے آگاہ کر دیا۔ سب لوگ سہمے اور گھبرائے ہوئے تھے کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔ خود ابن طولون مضطر و بدحواس تھا اور نجومیون اور عالمون کو جمع کر کے ایک ایک سے پوچھ رہا تھا کہ ان تارون کے ٹوٹنے کا کیا سبب ہے۔ اور اس کا کیا انجام ہونے والا ہے۔ مگر کسی سے کوئی معقول بات نہ بن پڑتی تھی۔

اتنے مین دربار کا نکتہ رس شاعر حمل آگیا۔ اور احمد بن طولون کو پریشان دیکھ کے تین شعر پڑھے جن مین اس مضمون کو نہایت خوبی سے ادا کیا تھا کہ "لوگ کہتے ہین تارون کا ٹوٹنا کسی سخت ترین حادثے کا دیباچہ ہے اُن کا یہ قول سنکر مین نے ایک حکیم دانا اور فلسفی بے ہمتا کی شان سے جواب دیا کہ تارے تو شیاطین پر گرز آتشین پڑنے کی وجہ سے ٹوٹتے نظر آتے ہین۔ لہذا یہ تارے نہین ٹوٹتے بلکہ ہمارے امیر کے دشمنون پر آسمان سے گرز آتشین پڑ رہے ہین" یہ اشعار سُن کے تمام اہل دربار اور علما و فضلا خوش ہو گئے۔ ابن طولون بھی ان اشعار کو فال نیک خیال کر کے بے فکر ہو گیا۔

اور شاعر کو انعام و اکرام سے سرفراز کر کے خوش کر دیا۔

سنہ ۲۷۰ھ مین احمد بن طولون نے دنیائے فانی کو رخصت کیا اور چھبیس بیٹیان اور سات بیٹے چھوڑے۔ جن مین سے خمارویہ حکمرانی مصر کے لیے اُس کا جانشین ہوا۔ دولت و حشمت کی قسم سے مندرجۂ ذیل چیزین اُس نے چھوڑی تھین ایک کرڑ اشرفیان۔ دس ہزار غلام جو خدمت گزاری کے لیے تھے۔ چوبیس ہزار فوجی غلام۔ دس ہزار گھوڑے۔ چھ ہزار خچر اور گدھے۔ دس ہزار اونٹنیان۔ اور ایک سو جنگی جہاز جنھون نے بحیرۂ روم کے اطراف مین اُس کا رعب بٹھا رکھا تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اُن دنون دنیا مین آج کل کی طرح باقاعدہ فوجون کے رکھنے کا رواج نہ تھا۔ لڑائی کے موقعون پر پُرجوش مسلمان خود ہی آ آ کے شاہی جھنڈون کے نیچے جمع ہو جاتے تھے۔ اور بڑے بڑے سرداران قبائل اور وسائے بلاد جب ضرورت پیش آتی اپنی بیرقون کے نیچے ہزارہا لوگون کو جمع کر لیتے۔ اور اُس جمعیت کے ساتھ آ آ کے فرمان روایان مملکت کے قوت بازو بنتے۔ اِس کمی کو اکثر زبردست بادشاہون نے یون پورا کیا کہ غلام مول لے لے کے جمع کرتے اور اُن کو سپہگری کی تعلیم دلا کے اپنے پاس رکھتے اسی طریقے نے اندلس مین غلامون کی حبشی اور صقلبی فوجین جمع کرائین۔ اسی نے المعتصم کو ترکی غلامون کا لشکر عظیم قائم کرنے پر آمادہ کیا۔ اور اسی خیال نے سلاطین آل عثمان مین جان نثاری (ینی چری) فوج تیار کرا لی۔ بہرحال شاہان سلف کے تذکرے مین جو یہ نظر آتا ہے کہ اُن کے دس ہزار یا بیس ہزار غلام تھے اس کا یہ منشا نہین کہ قصر شاہی مین خدمت کرنے والے اتنے غلام تھے مطلب یہ ہے کہ اُس بادشاہ کے پاس اتنی مستقل فوج تھی۔

بہرحال خمارویہ جب باپ کی اِس شوکت و حشمت کا وارث ہوا تو اُس نے پوری اور سچی جانشینی کی۔ خیرات و مبرات کی رقمون کو بدستور جاری رکھا علما و فقہا اور شرفا و کملا کی ویسی ہی خدمت کرتا رہا۔ بلکہ دنیا کو باور کرا دیا کہ وہ اپنے باپ سے بھی زیادہ فیاض علم دوست اور ہنر پرور ہے۔ مگر

چونکہ آغوش حکومت و امارت مین پرورش پائی تھی لہذا اُس مین شوقینی اور ایک نازک مزاجی باپ سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھی۔ اپنے عہد مین اُس نے ایک لمبے چوڑے میدان کو گلزار پر بہار اور نمونۂ فردوس برین بنا دیا۔ جس مین ہر قسم کے خوشبو دار پھول اور قسم قسم کے درخت جمع کیے تھے۔

اُس کی نازک دماغی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک بار اپنے دربار کے طبیب سے شکایت کی کہ مجھے راتون کو نیند نہین آتی۔ طبیب نے کہا کسی خادمہ کو پاؤن دبانے اور چپی کرنے کی خدمت پہ مامور کیجیے۔ چپی ہوتے ہی نیند آجایا کرے گی۔ اُس نے کہا اس کا تو مین متحمل ہی نہین ہو سکتا کہ کوئی شخص میرے بنڈے مین ہاتھ لگائے۔ یہ سُن کے طبیب نے ایک اور تدبیر بتائی جس کو ایک عجیب و غریب کرشمۂ دولتمندی و امارت کہہ سکتے ہین۔

قصر شاہی مین بیس گز مربع ایک حوض بنا کے اُس مین پارہ بھروا دیا گیا۔ اُس کے چارون طرف چاندی کے کڑے لگائے گئے۔ اور اُن مین نہایت ہی خوبصورتی کے ساتھ ریشمی پٹیان باندھ کے اُن کا جال سا بنا دیا گیا جن کے مختلف شگفتہ رنگ پارے کے دریاے سیمین مین عجیب بہار دکھاتے۔ پھر اُن پٹیون کے جال پر نرم چمڑے کی ایک توشک ڈالی گئی جس مین ہوا بھر دی جاتی تھی۔ اس توشک پہ وہ لیٹ جاتا۔ پارے کی حرکت سے وہ توشک ہر وقت جھولتی رہتی۔ اور خمارویہ بڑے لطف اور آرام کے ساتھ لیٹ کے سوتا۔ چاندنی راتون مین جب ماہتاب کی شعاعین آسمان سے اُتر کے پارے کی چمک دمک اور جھلک مین ملتین تو عجب عالم نور نظر آتا۔

مورخین کہتے ہین کہ یہ ایک ایسا اولوالعزمی و بلند حوصلگی کا کام تھا کہ زمانۂ ماسبق مین کسی بادشاہ و فرمان روا کے عہد مین نہین سنا گیا۔ اندلس مین عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اُس نے بھی اپنے قصر مین اسی قسم کا پارے کا حوض بنوایا تھا۔ مگر اُس کا زمانہ خمارویہ ابن احمد ابن طولون سے بعد ہے۔ خمارویہ ۲۷۰ھ مین مسند نشین امارت ہوا تھا اور ۲۸۲ھ مین دنیا سے رخصت ہوا۔ اور عبدالرحمٰن الناصر لدین اللہ ۳۰۰ھ

مین تخت نشین ہوا۔ اور پچاس سال حکومت کر کے ۳۵۰ھ مین مرا۔

خمارویہ کا یہ حوض سیماب اور نیز وہ قصر جس مین وہ بنا یا گیا تھا دونون اُس فرمانروا کے چند روز بعد اُجڑ گئے۔ اور اُس وقت سے مدتون تک یہ حال تھا کہ لوگ حوض کی دیوارین کھود کھود کے پارہ نکالتے اور بازار مین لیجا کے فروخت کرتے۔

اُس قصر مین خمارویہ نے درندون کے رکھنے کے لیے جدا جدا مکانات اور کٹہرے بنوائے تھے۔ جن سے اُسے بڑا شوق تھا۔ ہر کٹہرے اور مکان مین شیرون کا ایک جوڑا رہتا۔ درندون کے ان مکانون مین جانے کا راستہ علی العموم چھت پر سے رکھا گیا تھا۔ اور زمین کے نرم اور شیرون کے مذاق کے مطابق بنانے کے لیے اُس پر بالو بچھا دی گئی تھی۔ اور اُس کے ایک کونے پر معمولاً ایک حوض بنا ہوتا جس مین پانی بھر دیا جاتا۔

ان پالے ہوے شیرون مین سے ایک جو اپنی نیلی آنکھون کی وجہ سے "زُریق" کہلاتا تھا خمارویہ کو اس قدر ہل گیا تھا کہ محل مین چھوٹا چھوٹا پھرتا۔ اور کبھی کسی پر حملہ نہ کرتا۔ جب دسترخوان بچھتا اور خمارویہ اُس پر آکے بیٹھتا تو ایک کونے پہ شیر بلی کی طرح خاموش بیٹھ جاتا۔ گوشت کی قسم سے جتنی چیزین ہوتین اُن کو خمارویہ اپنے ہاتھ سے اُٹھا کے اُس کے سامنے ڈالتا اور وہ کھا لیتا۔ اس شیر کی شیرنی بھی تھی مگر وہ اس قدر ہلی ہوئی نہ تھی۔ لہذا وہ کٹہرے مین بند رہتی۔ اور خاص خاص اوقات مین زریق اُس کے پاس چلا جاتا۔ گردن ہو یا رات جب تک خمارویہ سوتا رہتا یہ شیر زریق اُس کے پلنگ کے برابر بیٹھا پہرہ دیا کرتا۔ اور کسی اپنے پرائے کی مجال نہ تھی کہ اُس وقت پلنگ کے قریب قدم رکھ سکے۔ زریق کے گلے مین سونے کی ہیکل پڑی رہتی تھی۔ اور جدھر جاتا چھم چھم کرتا ہوا چلتا۔

خمارویہ نے اپنے اس شوق کے ذریعہ سے اپنی حفاظت کا بندوبست کیا تھا۔ اِس لیے کہ واقعی جس قدر بھروسہ جانور پر ہو سکتا ہے انسان پر نہین ہو سکتا۔ مگر خدا کی مرضی یہ تھی کہ وہ اپنی موت سے مرنے کے بجاے

دوسرون کے ہاتھ سے مارا جائے۔ کارکنان قدرت نے اس کا یہ انتظام کیا کہ خمارویہ کو کسی ضرورت سے فوری طور پر دمشق جانے کی ضرورت پیش آئی۔ چلا گیا۔ زریق کو مصر ہی مین چھوڑ گیا۔ اُس کے غلامون نے جو اپنے جرائم کے خوف سے ڈرے ہوئے تھے اور تاک مین لگے تھے اس موقع کو غنیمت جانا اور ۲۸۲ھ مین دمین اُسے بچھونے پر سوتے ہی سوتے ذبح کر کے دنیا کی دولت سرائے فانی سے آخرت کے عالم باقی مین پہونچا دیا۔ اسی سال اُس کی نازپروردہ بیٹی قطر الندیٰ کی شادی خلیفۂ معتضد باللہ عباسی کے ساتھ بڑے کروفر اور دھوم دھام سے ہوئی تھی۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

(۷) طرز کلام۔ آداب معاشرت مین ساتوین اہم چیز انداز گفتگو اور طرز کلام ہے دنیا مین ہر شخص کو شائستگی اور ادبی قابلیت کا پہلا اندازہ اُس کے الفاظ اور اُس کے انداز گفتگو سے ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر اقبالمند قوم سب سے پہلے اپنی زبان کی اصلاح کرتی اور اُسے ترقی دیتی ہے۔

تہذیب و شائستگی کا تقاضا یہ ہے کہ زبان پر مکروہ و فحش الفاظ نہ آئین جو الفاظ و خیالات مخاطب کو ناگوار گزرین اُس کے سامنے زبان سے نہ نکلین۔ اور اگر کبھی ناگوار مضامین کے ظاہر کرنے کی ضرورت بھی پیش آئے تو وہ ایسے الفاظ اور ایسے عنوان سے ادا کیے جائین کہ مخاطب کو گران نہ گزرین اور اگر گران گزرین بھی تو اُن کی گرانی مین ایک گونہ گوارائی او لطف پیدا ہو جائے۔ اس بارۂ خاص مین اہل زبان لکھنؤ اور یہان کے شائستہ لوگون کو جو کمال حاصل ہے ہندوستان کے اور کسی شہر والون مین نہ نظر آئے گا۔ اگرچہ موجودہ تعلیم و تہذیب نے ایک حد تک یہ خوبی ہر جگہ انداز گفتگو مین پیدا کر دی ہے مگر انگریزی اثر سے معری کر کے دیکھیے تو بالذات یہ شائستگی و شستگی زبان اہل لکھنؤ ہی کا حصہ نظر آئے گی۔

باہر کے لوگ اس کا بیان تک کرتے ہوئے ہین کہ لکھنؤ والون کے سامنے گفتگو کرتے جھجھکتے اور جس قدر شائستگی اُن مین ہے اس کو بھی بھول جاتے ہین۔ اور اس کے بعد جب اپنی صحبتون مین بیٹھتے ہین تو یہ کہہ کے اپنی لکنت کا الزام دور کرتے ہین کہ "ہم سادگی سے صاف صاف باتین کرتے ہین اور ہمین لکھنؤ والون کی سی چبان چنی نہین آتی"۔ گر دراصل یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے۔ مین نے ایرانیون کو دیکھا کہ اُن کے سامنے ہندوستانی بات کرنا بھول جاتے ہین۔ انگلستان مین دیکھا کہ فرانسیسیون کے سامنے انگریزون کی زبان سے ایک لفظ نکلنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عربون کی طلاقت لسانی کی کبھی یہ حالت تھی کہ اُن کے سامنے غیر ملک والون کی زبان نہ کھل سکتی تھی۔ اور عرب لوگون کو خیال ہو گیا تھا کہ "زبان خدا نے فقط ہم کو دی ہے۔ اور ساری دنیا ہمارے مقابل گونگی ہے"۔ اسی خیال کا نتیجہ تھا کہ ما سوا عرب کے تمام دنیا کے لوگون کو وہ "عجم" کہتے جس کے لغوی معنی گونگے کے ہین۔ بعینہٖ یہی حال ہندوستان مین ہر شہر کے لوگون کے مقابل لکھنؤ والون کا ہے کہ وہ فصاحت و بذلہ سنجی مین سب کو دبا کے صحبت پر چھا جاتے ہین۔ اور اپنے سامنے کسی اور کو زبان نہین کھولنے دیتے۔

شائستگی زبان مین سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ مخاطب کو کن ضمائر سے یاد کیا جائے۔ اور سب زبانون مین مخاطب کے لیے دو ضمیرین ہین ایک واحد کی اور ایک جمع کی۔ اور معزز مخاطب کے لیے واحد کی جگہ ہر زبان مین تعظیماً جمع کی ضمیر استعمال کیجاتی ہے۔ فارسی مین واحد مخاطب کی ضمیر "تو" ہے اور جمع کی "شما" عربی مین واحد کی "ک" اور "انت" اور جمع کی "کم" اور "انتم" انگریزی مین واحد کی "داؤ" اور جمع کی "یو" اور ان سب زبانون مین معزز مخاطب کو اگرچہ ایک ہی ہو بغرض تعظیم جمع کی ضمیر سے مخاطب کرتے ہین۔ چنانچہ فارسی مین "شما" سے عربی مین "کم" اور "انتم" سے اور انگریزی مین "یو" کے لفظ سے معزز شخص مخاطب کیا جاتا ہے۔

برخلاف اِن سب زبانون کے اردو مین مخاطب کے لیے واحد کی تو ایک ہی ضمیر "تُو" ہے مگر جمع کی دو ضمیرین ہین "تم" اور "آپ" اور ان تینون ضمیرون کے لیے مخاطب کا درجہ اور مرتبہ مقرر ہے۔ ایک بہت ادنے شخص کو "تو" کہین گے ادنے درجے کے لوگوان مین جو ذرا امتیاز رکھتا ہو اُسے اور اپنے خُردون کو "تم" کہین گے۔ اور جو ہم رتبہ معزز و تعلیم یافتہ شریف ہو اُسے "آپ" کہین گے اگرچہ معزز درجے کے لوگ کبھی بے تکلفی مین اپنے اقران و امثال اور اپنے ہم سنون کو بھی تم کہنے لگتے ہین۔ مگر جن لوگون سے بے تکلفی نہ ہو اُن کو تم کہنا اردو مین خصوصاً اہل لکھنؤ مین اخلاقی و ادبی جرم ہے۔

اردو زبان مین اور خاص لکھنؤ والون مین مخاطب کے اتنے ہی درجے نہین بلکہ اِن سے بھی بڑھ کے بہت سے الفاظ ہین جن کا شرفا و معززین کے مقابلے مین استعمال کرنا لازمی ہے۔ جناب۔ جناب والا۔ جناب عالی۔ حضرت حضرت والا۔ حضور۔ حضور والا۔ حضور عالی۔ قبلہ۔ قبلہ و کعبہ۔ سرکار اور اسی قسم کے چند اور الفاظ اردو مین معزز مخاطب کی نسبت حسب درجہ استعمال کیے جاتے ہین۔ جو لکھنؤ والون کی زبانون پر چڑھے ہوئے ہین۔ اور اُن کا صحیح استعمال جس قدر اہل لکھنؤ جانتے ہین اور کسی دوسرے شہر کے لوگ نہین جانتے۔

ہمارا دعوے ہے کہ اتنے تعظیمی الفاظ خطاب دنیا کی کسی زبان مین نہین ہین۔ ہندوستان مین وہ زمانہ گزر گیا جب اردو یہان کی تمام زبانون کی ادب آموز تھی۔ اور اب اردو کی شاگردی سے آزاد ہو کے سب زبانین کُوس لمن الملکی بجا رہی ہین۔ بنگالی۔ پنجابی۔ گجراتی۔ سندھی۔ مرہٹی۔ کنڑی۔ تلنگی۔ وغیرہ سب کو اپنی ادبی ترقی و فصاحت کا دعویٰ ہے۔ مگر ہم مذکورہ ہندوستانی زبانون کو اور اُن کے ساتھ ساری دنیا کی مشہور زبانون فارسی۔ عربی۔ انگریزی اور فرانسیسی کو بھی چیلنج دیتے ہین کہ اگر ان کو اردو سے زیادہ ادبی وسعت و فصاحت کا دعویٰ ہے تو مخاطب کے لیے اپنی لغتون مین اتنے لفظ نکال دین جتنے کہ اردو مین موجود ہین۔ سچ یہ ہے

کہ باوجود اپنی کم عمری اور اپنے محدود رقبۂ تصرف کے اردو چند ہی روز مین شائستگی لطافت۔ ادب۔ اور مناسبات علم مجالس کے اعتبار سے اس درجۂ کمال کو پہونچ گئی تھی جو دنیا کی کسی زبان کو نہین حاصل ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اردو کسی ملک کسی صوبے کسی گروہ کسی مذہب کی زبان نہ تھی۔ بلکہ یہ وہ زبان تھی جو شاہی دربار سے شروع ہو کے ہندوستان کے ہر شہر مین مہذب و شائستہ لوگون۔ ستھری صحبت والون۔ صاحبان علم و فضل۔ شاعرون اور ادب و اخلاق کے شیدائون کی زبانون پہ جاری ہو گئی تھی۔ لہذا اُس کی بنیاد ہی تہذیب و شائستگی کے ہاتھون سے پڑی۔ اور آخر تک ستھرے مذاق والون اور شیدایان سخن کے ساتھ مخصوص رہی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اردو بولنے والون کی مجارٹی کسی صوبے مین نہین مگر یاد رکھنا چاہیے کہ ہر جگہ کے مہذب و شائستہ لوگ اُس کے بولنے والے ہین۔ یہ پیدا اسی لیے ہوئی تھی کہ ہندوستان مین ایک اعلی درجے کی اور ساری دنیا سے زیادہ شائستہ سوسائٹی پیدا کر دے۔ مگر بدنصیبی سے انگریزی دور مین جب مغربی معاشرت و ادب نے جگہ پکڑی تو ہندوستانیون کے باہمی اور قدیم فطری تعصبات نے یہ رنگ دکھایا کہ مسلمان اس پہ ناز کرنے لگے کہ ہماری زبان ہے اور ہندوون نے یہ خیال کر کے کہ اِس زبان مین ہم مسلمانون کا مقابلہ نہ کر سکین گے اُسے مسلمانون ہی کے سر مارا اور دامن جھٹک کے علیحدہ ہو گئے۔ اس سے اردو کو نقصان پہونچا۔ اور روز بروز زیادہ نقصان پہونچے گا۔ مگر باوجود اس کے اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ جو رسیلا پن۔ جو ادبی خوبیان اِس مین ہین نہ نئی پیدا کی ہوئی ہندی زبان مین ہین اور نہ ہندوستان کی کسی اور زبان مین۔

انگریز ہون یا عرب افغانی ہون یا ایرانی جب اردو بولتے ہین تو مخاطب کے لیے سوا "تم" کے اور کوئی لفظ اُن کے خیال مین نہین آیا۔ اس لیے کہ اس قسم کا اور کوئی لفظ جو "تم" سے زیادہ شائستہ و ترقی یافتہ ہو اُن کی زبان مین موجود ہی نہین ہے۔

انگریزی مین خطاب کے اور الفاظ ہین مثلاً- یور آنر- یور اکسلنسی- یور ہائنس- یور مجسٹی- وغیرہ- مگر وہ اعلیٰ درجے کے امرا اور بادشاہون کے لیے خاص ہین- اُن کے سوا اور کسی کی نسبت نہین استعمال کیے جاسکتے- اس قسم کے مختص الاشخاص الفاظ اردو مین بھی ہین- مثلاً جہان پناہ- صاحبعالم مرشد زادہ- نواب صاحب- نواب زادہ- صاحبزادہ- یہ خاص اشرافِ طبقے کے لوگون کے خطابات ہین جن کے ساتھ جناب یا حضور کے الفاظ ملا کے خطاب کیا جاسکتا ہے- اور غالباً اس قسم کے مخصوص خطابات ہر زبان مین موجود ہون گے- مگر مذکورۂ سابق تعظیمی الفاظ جو اردو زبان مین ہر معزز و شائستہ انسان کی نسبت استعمال کیے جاسکتے ہین اردو کے سوا کسی اور زبان مین نہین نظر آتے-

مزاج پرسی کو دیکھیے- ہر زبان مین اس کے لیے معمولی الفاظ ہین مگر اردو مین ادب و احترام کی نگہداشت کے لیے- مزاج عالی- مزاج مبارک مزاج اقدس- مزاج مقدس- مزاج معلیٰ وغیرہ کہہ کے معزز مخاطب کی خیریت دریافت کرتے ہین- یہ الفاظ اگرچہ اب ترقی اردو کے ساتھ ہر جگہ اور شہر مین پھیل رہے ہین مگر اُن کے استعمال مین جو اجتہادی ملکہ شرفاے لکھنؤ کو حاصل ہے اور کسی جگہ کے لوگون کو نہین نصیب ہو سکا-

شرفاے لکھنؤ مین ایک خاص بات یہ ہے کہ "ش"، "ق"، درست رہے گا- اور تمام عربی حرفون کو حتی الامکان اُن کے اصلی مخرج سے ادا کرین گے- فارسی ترکیبون مین اضافت نمایان طور پر ادا کیجائے گی- علما اور ذی علم لوگون سے باتین کرین گے تو عربی و فارسی الفاظ کو زیادہ استعمال کرین گے- اور اُن کے صحیح تلفظ سے ادا کرین گے- اطبا سے گفتگو ہوگی تو عربی کے طبی مصطلحات کو کام مین لائین گے- جاہل نوکرون اور عوام سے بات کرین گے تو عربی الفاظ سے بچین گے- عورتون سے بات چیت ہوگی تو اُن کے مذاق کے محاورون اور مثلون کو گفتگو مین صرف کرین گے-

خورد بزرگ سے- ادنیٰ اعلیٰ سے یا عامی عالم سے گفتگو کرے گا تو ہر لفظ

اور ہر فقرے مین ادب وتعظیم کا خیال رکھے گا۔ آواز مناسب درجے تک پست اور نیچی رہے گی۔ اسی طرح بزرگ خردون سے۔ اعلی طبقے والے ادنے لوگون سے۔ علما عوام سے بات کرین گے تو اُن کے لہجے اُن کے انداز اور اُن کے الفاظ مین شفقت ومحبت کے جذبات مضمر ہون گے۔

ان باتون کا لحاظ رکھنے اور مذکورہ بالا ادب وتعظیم کے الفاظ وضمائر استعمال کرنے سے اہل لکھنؤ کی زبان اس قدر شائستہ اور شستہ ہو گئی ہے کہ یہان کے عوام اور جہلا دوسرے شہرون کے اکثر شعرا وفصحا سے زیادہ اچھی اردو بولتے ہین۔ اور جو شائستگی وتمیزداری اُن سے ظاہر ہو جاتی ہے کسی اور مقام کے قابل وذی علم لوگون سے بھی نہین ظاہر ہو سکتی۔ مگر افسوس لکھنؤ مٹتا جاتا ہے۔ اب یہان بیرونی لوگون کا ایسا طوفان بے تمیزی بپا ہے۔ یہان کے شائستہ لوگ اس طرح بیکار ہو کے کونے مین بیٹھ گئے ہین۔ اور قانونی آزادی نے جہلا وعوام کو اس درجہ بیباک وبدتمیز بنا دیا ہے کہ یہ تمام ادبی خوبیان خاک مین مل رہی ہین اور چند روز بعد شاید اُن کا پتہ بھی نہ ہو۔

چند کتابون پر ریویو

مشاطۂ سخن۔ جس کا تاریخی نام **شمع سخنوری** رکھا گیا ہے۔ ۱۸×۲۲ تقطیع کے ۱۵۰ صفحون کی ایک عدیل وبے نظیر کتاب ہے جس مین سخنور بے ہمتا حضرت صفدر مرزاپوری نے غیر معمولی جستجو وتحقیق سے اکثر اساتذۂ سخن اور شعرائے کامل فن کی اصلاحین جمع کر دی ہین۔ آتش۔ ناسخ۔ اسیر۔ مومن۔ ذوق۔ غالب۔ انیس۔ دبیر۔ امیر۔ داغ۔ منیر۔ تسلیم۔ جلال۔ اور اسی طرح اور بہت سے بلند پایہ استادون کی اصلاحون کا جمع کرنا اور یہ بتانا کہ شاگرد نے کیا شعر کہا تھا اور استاد نے اُس مین کیا اصلاح دی شعر وسخن کا ذوق رکھنے والون کے لیے نعمت عظمیٰ ہے جس کسی کو اردو کا شوق ہو اُسے اس کتاب کو ضرور ملاحظہ کرنا چاہیے۔ کتاب چھپی بھی صاف اور صحیح ہے اور سفید کاغذ پر ہے۔ قیمت فی جلد ایک روپیہ جناب مصنف یعنی حضرت صفدر مرزاپوری کو محمود نگر لکھنؤ کے پتہ پہ خط لکھ کے وی پی منگوا لیجیے۔

عروض وقافیہ۔ یہ ایک نہایت مختصر اور بہت ہی سلجھی ہوئی کتاب فن شاعری اور عروض وقافیہ مین ہے۔ مولوی محمد ابراہیم حسین صاحب ناظم مرحوم کی تصنیف ہے۔ اکثر حضرات کو علم عروض کی کسی مستند اور مختصر کتاب کی بے حد ضرورت ہے اُن کے لیے اس سے بہتر رسالہ نہین مل سکتا جس مین گویا دریا کو زے

مین اور فن عروض و قوافی چند صفحات مین بند کر دیا گیا ہے۔ اور آخر مین علم معانی بیان و فصاحت کے بھی بہت سے ضروری مسائل بتا دیے گئے ہین۔ یہ رسالہ ۲۶×۲۰ سائز کے ۴۸ صفحون پر پورا ہوا ہے۔ قیمت پہلے چار آنے تھی مگر اب نہ ملنے اور نایاب ہونے کی وجہ سے فی جلد آٹھ آنے رکھی گئی ہے۔ شوق ہو تو منیجر دلگداز لکھنؤ سے منگوا لیجیے۔ چند روز بعد یہ کتاب نہ ملے گی۔

انتخاب کلام میر۔ انجمن ترقی اردو کے مفاخر مین یہ ۲۰×۲۶ سائز کا رسالہ بھی ہے جس مین اردو کے استاد الکل اور سخنور عدیم النظیر میر تقی میر کے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اول مین ۴۰ صفحون پر مولوی محمد عبد الحق صاحب بی اے معتمد انجمن ترقی اردو کا دیباچہ ہے۔ جس مین میر صاحب مرحوم کی سوانحعمری۔ اُن کے کلام پر تقریظ ہے۔ اور آخر جناب معتمد صاحب نے اپنے مذاق کے مطابق لکھنؤ کے مذاق سخن اور یہان کی شاعری پر حملہ کیا ہے۔ ہم جھگڑے کی باتون سے علیحدہ رہتے ہین۔ اور جواب دینے کی ضرورت نہین سمجھتے۔ مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ اگر مولوی عبد الحق صاحب کا یہی فیصلہ ہے تو انجمن اردو کی معتمدی مین وہ اہل لکھنؤ اور اُن لوگون کے معتمد علیہ نہین ہو سکتے جو لکھنؤ کی شاعری کے زیر اثر اور اُس کے پیرو ہین پھر اُس کے بعد اردو دان پبلک کے ایک بڑے حصے کا اعتماد اردو یونیورسٹی پر سے بھی اُٹھ جائے گا۔ جس کا لٹریچر مولوی محمد عبد الحق صاحب کی ذات سے وابستہ ہے۔ انجمن اردو کے معتمد اور اردو یونیورسٹی کے نگران زبان کا کام یہ ہونا چاہیے کہ اردو کے تمام اسکولون کو ایک نگاہ سے دیکھے۔ اور اس آسانی سے یکطرفہ فیصلہ نہ کر دیا کرے۔ یہ رسالہ اچھا چھپا ہے۔ انتخاب بھی اچھا ہے۔ اور قیمت فی جلد ایک روپیہ آٹھ آنہ (عـہ۸) صدر دفتر انجمن ترقی اردو سے ”اورنگ آباد۔ ریاست حیدر آباد دکن“ کے پتہ پر خط بھیج کے منگوایا جائے۔

گلزار قادری۔ یہ ۲۰×۲۶ سائز کے ۷۸ صفحون پر مولوی محمد عبد القادر صاحب وکیل بنارس کا ایک قابل قدر رسالہ ہے جس مین حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی مستند کتب تواریخ عربی و فارسی سے اخذ کر کے بحوالہ سند درباری جمع کر دیے گئے ہین۔ اور آخر مین حضرت غوث الاعظم کی منقبت مین فارسی و اردو نظمین مختلف شعرا کی درج ہین۔ پیرُدان سلسلۂ قادریہ اور شیدایان حضرت غوث الاعظم کو یہ رسالہ ضرور اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ قیمت فی جلد ۱۰/ ہے۔ مولوی محمد عبد القادر صاحب وکیل بنارس“ کے پتہ پر خط بھیج کے منگوا لیجیے۔

درویش جنتری۔ ۱۳۳۶ھ یہ بالکل نئی اور اچھوتی اسلامی تقویم ہے جو اسی سال گزشتہ محرم ۱۳۳۶ھ سے شروع کی گئی ہے۔ اور مسلمانون خصوصاً صوفیون کے لیے نہایت کارآمد ہے قیمت فی جلد ۶/ ایڈیٹر صاحب رسالۂ اسوۂ حسنہ سے مکتبہ قادریہ۔ میرٹھ کیمپ کے پتہ پر خط بھیج کے منگوائی جائے۔

ابو دُلامہ

یہ عرب کا ایک نامور شاعر ہے جس نے بنی امیہ کا آخری دور اپنی کم عمری اور طالب علمی کے زمانے مین دیکھا اور بنی عباس کے عہد مین شعر و سخن مین اس قدر ترقی کر لی کہ پہلے تین عباسی خلیفون ابو العباس سفاح۔ ابو جعفر منصور اور مہدی کے دربارون مین سب سے زیادہ پیش پیش تھا۔ اُن کے مزاجون مین بڑا رسوخ رکھتا تھا۔ اور اپنی بذلہ سنجیون۔ مذاق کی باتون۔ اور مسخرہ پن کی حرکتون سے بات بات پہ انعام پاتا تھا۔

اصلی نام زَند تھا جسے بعض لوگون نے دھوکے مین آکے "زید" بنا دیا۔ مگر یہ غلط ہے۔ اُس کے باپ کا نام جَون تھا جو فضافض نام بنی اسد کے ایک عربی نژاد شریف کا حبشی غلام تھا۔ فضافض کا شمار صحابہ رسول اللہ صلعم مین تھا۔ اُنھون نے جَون کو آزاد کر دیا اور اُس نے کوفے کی سکونت اختیار کر لی۔ جہان زَند پیدا ہوا۔ اور اُن علما و فصحا کے آغوش مین نشو و نما پانے لگا جن کی برکت و شہرت سے کوفہ اُن دنون ادیبون اور سخن سنجان عرب کی صحبتون کا مرکز اور عربیت کا بہترین اسکول قرار پا گیا تھا۔

زَند نے چند ہی روز مین شاعری و فصاحت مین نمایان ترقی کی۔ صورت اگرچہ کالی اور بھونڈی تھی اور بہت ہی بد قطع اور کریہ المنظر تھا۔ مگر خدا نے ذہن ایسا تیز اور مذاق ایسا پاکیزہ و سنجیدہ دیا تھا۔ اور اُس مین ظرافت اس قدر کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی کہ تھوڑے ہی

زمانے کے اندر تمام علمی صحبتین اور مہذب سوسائٹیان اُس کی دلدادہ ہو گئین۔ اُن دنون شائستہ صحبتون مین تعظیم و عزت سے کسی کا نام لینا ہوتا تو کنیت سے اُس کی طرف خطاب کرتے۔ بلکہ معمولی نام لے کے کسی کی طرف خطاب کرنے مین اُس کی توہین خیال کیجاتی۔ زند جو اصل مین ایک ادنے درجے کا موسے نزادہ تھا ابتدائً تو اُس کی کچھ اصل و حقیقت نہ تھی مگر اب معزز صحبتو اور اہل علم کے محفلون مین اس کا نام آنے لگا تو ضرورت پیش آئی کہ اپنی کوئی کنیت مقرر کرے۔ مکۂ معظمہ مین آبادی کے قریب ایک پہاڑ تھا جس کے دامن مین قریش عہد جاہلیت مین اپنی لڑکیون کو لے جا کے زندہ گاڑ آیا کرتے تھے۔ وہ پہاڑ آبو دُلامہ کہلاتا تھا۔ خدا جانے اُس کی کونسی خوبی اِس شخص کو پسند آئی کہ اُسی کے نام پر اپنی کنیت آبو دُلامہ مقرر کر لی۔ اور اُس کو اس قدر شہرت ہوئی کہ نام کسی کو یاد نہ رہا ساری دنیا قیامت تک آبو دُلامہ ہی کہہ یاد کرتی رہے گی۔

شاعر ہر جگہ آزاد بے باک سرکش اور رند مشرب ہوا کرتے ہین۔ فارسی شعرا کی رند مشربی ہمارے یہان سب جانتے ہین۔ مگر اس سے بہت کم لوگ واقف ہین کہ رند مشربی مین شعراے عرب کا نمبر غالبًا ساری دنیا کے شاعرون سے بڑھا ہوا تھا۔ اُن مین سے اکثر صحابہ و تابعین کے عہد خیر القرون مین تھے اور مجتہدین اوّلین کے معاصر تھے مگر اس پر بھی اس قدر آزاد و رند تھے کہ زمانہ اُن سے پناہ مانگتا۔ آبو دُلامہ بھی اِس خصوصیت مین اگر تمام شعراے عرب سے بڑھا ہوا نہین تو کسی سے کم بھی نہ تھا۔ چنانچہ اُس کے تذکرہ نویس کہتے ہین کہ فاسد العقیدہ بد دین۔ ہر قسم کی حرام کاریون کا مرتکب۔ فرایض دین کا تارک۔ اور علانیہ رند مشرب تھا۔ شراب پیتا۔ زنا و حرام کاری مین مبتلا رہتا۔ اور گو کہ اُن دنون حدود شرعی جاری تھے اور سب اُس کے فسق و فجور سے بخوبی واقف تھے مگر کوئی کبھی اُس سے تعرض نہ کرتا۔ اور اُس کے کلام و مذاق مین کوئی ایسا لطف تھا کہ سب کو اُس سے درگزر کرنا پڑتا۔

اُس کی سب سے پہلی نظم جسے لوگون نے زبانی یاد کیا اور جس پر

اُسے انعام واکرام ملا دوسرے عباسی خلیفہ اَبوجعفر منصور کی مدح مین ایک قصیدہ تھا جس مین اُس نے اَبومسلم خراسانی کے قتل کے واقعے کو بیان کیا تھا۔ اور اُسے واجب القتل ثابت کیا تھا۔ منصور اگرچہ نہایت خسیس اور بخل مین ضرب المثل تھا مگر وہ قصیدہ سُن کر اُس کے دل مین ایسا غیرمعمولی جوش فیاضی پیدا ہوا کہ سنتے ہی خوش ہو کے بولا "مانگو کیا مانگتے ہو؟" اَبو دُلامہ نے کہا "دس ہزار درہم دلوائیے" اور منصور نے بلا تامل دیا۔ غرض یہ بھاری رقم انعام مین دے دی۔ اس کا کلام ہی ایسا لطیف و پسندیدہ ہوتا کہ منصور کو جو مانگتا دے دینا پڑتا۔ چنانچہ مورخین کہتے ہین کہ منصور نے باوجود بخل کے جتنی دولت انعام مین اَبو دُلامہ کو دی اور کسی شخص کو نہین دی۔

منصور سے پہلے سفّاح نے بھی اُسے اس قدر دیا کہ اُس سے پہلے شاید دنیا کا کوئی شاعر کسی دربار سے نہ لے سکا ہوگا۔ ایک دن کسی نظم پر خوش ہو کے سفّاح نے اَبو دُلامہ سے پوچھا "اِس کے انعام مین تم کیا چاہتے ہو؟" بولا "ایک شکاری کتا دلوائیے۔" اس نے کتا دلوا دیا۔ بولا "ایک گھوڑا بھی تو چاہیے جس پر سوار ہو کے شکار کو جاؤن گا۔" گھوڑا بھی دلوا دیا گیا۔ کہا "ایک غلام بھی تو ہو جس کے ہاتھ مین کتے کی ڈوری ہوگی۔" غلام بھی مل گیا۔ بولا "تو ایک لونڈی بھی عنایت ہو جو شکار کو صاف کر کے پکائے اور کھلائے گی۔" لونڈی بھی مل گئی۔ تب کہنے لگا "امیرالمومنین۔ مین اور یہ سب حضور کے غلام ہین۔ آخر ان کے رہنے کے لیے کوئی گھر بھی تو چاہیے ہوگا۔" خلیفہ نے حکم دیا "ایک گھر بھی دیا جائے۔" بولا "مگر یہ سب کھائین گے کیا اور بسر کیسے کرین گے؟" سفّاح نے کہا "یہ بھی منظور۔ جاگیر کے طریقے سے مین نے تمھین ایک سو ایکڑ زمین مزروعہ اور ایک سو ایکڑ بنجر زمین دی۔" اَبو دُلامہ نے پوچھا "بنجر زمین کیسی ہوتی ہے؟" خلیفہ نے کہا "جس مین

عہ جو لوگ اس دعوے کو مانتے ہین اُن کے نزدیک سب سے پہلا انعام اُسے منصور سے نہین بلکہ پہلے عباسی خلیفہ اَبوالعباس سفّاح سے ملا۔

نہ کچھ اُگتا اور نہ کچھ پیدا ہوتا ہے"۔ بولا "تو پھر امیر المومنین ریگستان بنی اسد مین سے پانچ لاکھ ایکڑ زمین مین حضور کو دیے ڈالتا ہون"۔ اس پر سفاح نے بے اختیار ہنس کے کہا "اچھا دس ایکڑ زمین مزروعہ دیجائے"۔

ایسا ہی واقعہ اِس کے بعد ایک بار ابو جعفر منصور کے ساتھ بھی پیش آیا۔ ابو دُلامہ نے اُس کے سامنے ایک نظم مین اپنی مفلسی و تنگدستی کچھ ایسے دلچسپ اور مذاق کے عنوان سے ظاہر کی کہ اُس نے حکم دیا۔ "ابو دُلامہ کو چھ سو ایکڑ زمین مزروعہ اور چھ سو ایکڑ بنجر زمین دیدی جائے"۔ یہ سنتے ہی وہ بولا "امیر المومنین۔ ایسا ہی ہے تو نجف اور حیرہ کے درمیان کی چار ہزار ایکڑ زمین مین حضور کی نذر کرتا ہون۔ اور کہیے تو اُس سے بھی زیادہ دے ڈالون"۔ منصور اس پر بے اختیار ہنسا اور کہا "اچھا انھین ساری زمین مزروعہ ہی دیجائے"۔

جب ابوالعباس سفاح مر گیا۔ اور لوگ اُس کے جانشین بھائی ابو جعفر منصور کے پاس رسم تعزیت ادا کرنے کو جا رہے تھے۔ ابو دُلامہ بھی پہونچا۔ اور مرحوم خلیفہ کی تعزیت مین ایک ایسا پُردرد و پُرسوز مرثیہ سنایا کہ تمام حاضرین کو رُلا دیا۔ اُس مین ایک شعر کا مضمون یہ تھا کہ "او سفاح۔ تیرے بعد ہر شخص کے آگے دست سوال پھیلایا۔ اور اُن مین سب سے اچھا جسے پایا وہ بخیل تھا"۔ منصور بخیل مشہور تھا۔ اور اِس کو جانتا بھی تھا۔ اُسے غصہ آگیا۔ اور بولا "ابو دُلامہ۔ اگر پھر کبھی تمھاری زبان سے یہ قصیدہ سنا تو زبان کٹوا لون گا"۔ ابو دُلامہ نے جواب مین بے ساختہ عرض کیا "امیر المومنین۔ ابوالعباس سفاح میری قدر کرتے تھے انھین نے ریگستان عرب سے نکال کے مجھے یہان اور بدویت سے اِس درجہ کو پہونچایا جس طرح کہ خداوند جل و علا نے حضرت یوسف کے بھائیون کو اُن کے پاس مصر مین پہونچایا تھا۔ لہذا اب حضور بھی وہی فرمائین جو جناب یوسف نے اپنے بھائیون سے فرمایا تھا کہ "لا تثریب علیکم الیوم۔ یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین"۔ اس جواب نے منصور کو خوش کر دیا۔ اور بولا "مین نے بھی تمھارا قصور

معاف کیا۔ اب بتاؤ کیا چاہتے ہو؟" بولا "امیر المومنین ابوالعباس مرحوم نے میرے لیے دس ہزار درہم اور پچاس تھان دینے کا حکم دیا تھا۔ مگر ملنے نہیں پائے تھے کہ اُن کا انتقال ہو گیا۔" منصور نے پوچھا "کوئی گواہ بھی ہے؟" ابودلامہ نے تمام حاضرین کی طرف اشارہ کر کے کہا "یہ سب گواہ ہیں" اگرچہ خلافت کا خزانچی ابوایوب دل میں جل بھن گیا مگر کس کی مجال تھی کہ ابودلامہ کی گواہی نہ دیتا۔ دو شخصوں نے بڑھ کے گواہی دیدی۔ اور اس رقم اور تھانوں کے عطا ہونے کا حکم جاری ہو گیا۔ مگر منصور دل میں سمجھ گیا کہ یہ رقم ابودلامہ نے مفت اُڑائی ہے۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے حکم دیا کہ ابودلامہ باغی سلطنت عبداللہ بن علی کے مقابلے پر روانہ کیا جائے جس نے شام میں علم بغاوت بلند کیا ہے۔" لڑائی پر جانے کا نام سنتے ہی ابودلامہ کا دم نکل گیا۔ آپ انتہا درجے کے بزدل اور ڈرپوک تھے۔ لڑائی پر جانے کا حکم سنتے ہی بولے "امیر المومنین خدا نہ کرے کہ میں اس مہم میں جاؤں۔ بخدا میں اِس قدر منحوس اور سبز قدم واقع ہوا ہوں کہ جہاں جاتا ہوں ناکامی ہی ہوتی ہے۔" منصور نے کہا "مضائقہ نہیں۔ میری فرخندہ فالی تمھاری نحوست پر غالب آجائے گی۔ بس اب دیر کرنے کی ضرورت نہیں۔ فوراً روانہ ہو۔" عرض کیا "خدا کی قسم مجھے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ امیر المومنین اپنی فرخندہ فالی و اقبالمندی کو ایسے نازک موقع پر آزمائیں۔ بے خبر ہے کہ حضور کی فرخندہ فالی غالب آئے گی یا غلام کی سبز قدمی۔ جہاں تک میں اندازہ کرتا ہوں میرا تجربہ زیادہ زمانے کا ہے۔ اور مجھے اپنی نحوست کا یقین بھی زیادہ قوی ہے۔" منصور نے کہا "فضول مت بکو۔ تمھیں جانا پڑے گا۔" ابودلامہ نے کہا "اب حضور سچ ہی بلواتے ہیں تو سنیے۔ میں اُنیس لشکروں کے ساتھ میدان جنگ میں جا چکا ہوں۔ اُن اُنیسوں لشکروں کو شکست ہوئی۔ اور اُس شکست کا باعث ہمیشہ میں ہوا۔ اب یہ سننے کے بعد امیر المومنین کو اختیار ہے کہ اُن اُنیس لشکروں کے بعد بیسواں لشکر اس فوج کو بنا دیں جو

ف۔ عبداللہ بن علی حضرت امام حسن علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ اور اُن دنوں تمام بنی فاطمہ میں برآوردہ تھے۔ جنھوں نے عباسیوں کے مقابل امامت اور خلافت کا دعوے کیا تھا۔

اس ہم پر جاتی ہے " یہ سن کے منصور کو ہنسی آگئی۔ اور مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ پھر دیر تک ہنسنے کے بعد کہا "خیر جاؤ مین نے معاف کیا"

سفاح کے مرنے کے چند روز بعد ایک دن ابو دلامہ منصور کے سامنے کھڑا تھا۔ منصور کو اُس کے وہ اشعار یاد آگئے جو اُس نے منصور کے مرثیے مین کہے تھے۔ اُن مین سے دو شعر پڑھ کے پوچھا "یہ تمھارے شعر ہین؟" بولا "جی نہین" منصور نے جھنجلا کے کہا "جھوٹے ہو۔ یہ شعر تمھارے ہی ہین۔" اور تین اور شعر پڑھ کے کہا "یہ بھی تو تمھارے ہی ہین" ابو دلامہ نے کہا "امیرالمومنین۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ کے بھائی نے مجھ پر ایسے ایسے احسان کیے کہ مین مارے خوشی کے پھول گیا۔ اور بدحواسی مین بہت سی باتین بے سوچے سمجھے کہہ گیا ہون۔ اب چاہتا ہون کہ اُن کا کفارہ ہو جائے۔ لہذا جو کچھ اُنھون نے دیا ہے اگر اتنا ہی حضور مجھے مرحمت فرما دین تو مین اُن کی ساری دی ہوئی رقم خزانۂ خلافت مین واپس کر کے سبکدوش ہو جاؤن۔ منصور پر یہ فقرہ کارگر نہ ہوا۔ اور سزا دینے کے لیے تین دن تک ابو دلامہ کو قید رکھا۔ پھر تین دن کے بعد قید سے نکال کے آزاد کیا۔ اور انعام واکرام دے کے رخصت کیا۔

ابو جعفر منصور نے اہل دربار کو حکم دیا تھا کہ سیاہ کپڑے پہنین لمبی لمبی بلند ٹوپیان سر پر رکھین جن کے اندر دو تیلیان لگی ہوتین اور اُن کے بقبے کو قائم رکھتین تلوار وانا کو ٹپکون مین آویزان کرین۔ اور پیٹھ پر یہ آیت لکھوائین۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ اسی وضع مین ابو دلامہ حاضر دربار ہوا تو صورت دیکھتے ہی پوچھا "کہو ابو دلامہ۔ کیا حال ہے؟" جواب دیا "بہت ہی برا حال" پوچھا "کیون خیریت تو ہے؟" عرض کیا "حضور۔ چہرہ گھونگھٹ مین ہے۔ تلوار چوتڑ ون مین ہے۔ کلام اللہ پیٹھ پیچھے ہے۔ اور کپڑے کالے ہین" یہ سن کے منصور اُس وقت تو ہنس کے چپ ہو رہا۔ مگر اُس کے بعد تنہائی مین کہا "خبردار یہ فقرے کسی اور کے سامنے زبان سے نہ نکالنا"

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ابو دلامہ نے

دو شعر بھی فی البدیہ کہہ کے سنائے تھے جن کا مضمون یہ تھا کہ ہمیں اپنے امام سے بہتری کی امید تھی - تو وہ ترقی یوں نمایاں ہوئی کہ ٹوپیاں بڑی لمبی ہو گئیں - یہ ٹوپیاں کاہے کو ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے سروں پر میفروش یہودیوں کے خُم کپڑے میں لپیٹ کے اوندھا دیے گئے ہیں"

ایک دن ابو عطا سندھی ابو دُلامہ سے ملنے کو آیا - ابو دُلامہ نے اُسے کھانا کھلایا - اور کھانے کے دونوں ہاتھ دھو چکے تھے کہ ابو دُلامہ کی ایک ننھی بچی باہر نکل آئی - ابو دُلامہ نے پیار سے اُٹھا کے اُسے اپنے کندھے پہ بٹھایا - لڑکی نے اوپر بیٹھتے ہی موت دیا - ابو دُلامہ نے جھنجھلا کے اُتار دیا - اور اُس کی ہجو میں دو شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ "کمبخت تو نے مجھ پہ موتا - شیطان رجیم تجھ پہ موتے - تجھے نہ حضرت مسیح کی ماں نے جنا ہے اور نہ لقمان حکیم تیرا پرورش کرنے والا ہے" ابو عطا کی طرف دیکھ کے کہنے لگا "تم بھی اِس وزن اور قافیے میں کہہ سکتے ہو؟" اُس نے کہا "کیوں نہیں" اور دو شعر پڑھ دیے جن کا مضمون یہ تھا کہ "ابو دُلامہ - تم سچ کہتے ہو - اُسے نہ کسی پاک بیوی نے جنا نہ کوئی شریف آدمی اس کا باپ ہے - اُسے تو ایک بدکار ماں نے جنا اور بدکردار باپ نے کندھے سے لگایا" سنتے ہی ابو دُلامہ نے جھنجھلا کے کہا "کمبخت میں نے تیرا کیا بگاڑا تھا جو میری یوں خبر لی؟ اب کبھی شاعری میں تیرا مقابلہ نہ کروں گا" ابو عطا نے کہا "یہی تو میں چاہتا ہوں کہ شعر و سخن میں مجھ سے بھاگ جاؤ" ابو دُلامہ نے منصور کے پاس جا کے یہ واقعہ بیان کیا - وہ اگرچہ اُس وقت تعمیر بغداد کی نگرانی میں مصروف تھا مگر یہ اشعار سن کے بے اختیار ہنس پڑا - اور کہا "اچھا اب بتاؤ تمھاری لڑکی کا عیب مٹانے میں میں تمھاری کس طرح مدد کر سکتا ہوں؟" سنتے ہی جیب میں سے ایک بڑی تھیلی نکالی - اور کہا "اسے درہموں سے بھروا دیجیے" خلیفہ منصور کے حکم سے وہ تھیلی بھروا دی گئی جس میں چار ہزار درہم آئے - اور ابو دُلامہ لے کے لمبا ہوا -

ابو دُلامہ کی ایک پڑوسن تھی - اس سے اور کسی اور شخص سے ایک خچر کے بارے میں جھگڑا ہوا - دونوں کا دعویٰ تھا کہ خچر ہمارا ہے - آخر

اِس کا مقدمہ اُس عہد کے نامور محدث قاضی ابن ابی لیلی کے سامنے پیش ہوا۔ عورت نے ابو دلامہ کو اپنی شہادت مین پیش کیا۔ آپ نے جا کے گواہی دی۔ مگر انتہا درجے کے فاسق و فاجر بدکار و شراب خوار تھے ایسے کی شہادت بھلا کیسے مقبول ہو سکتی تھی۔ قبل اس کے کہ اس بارے مین گفتگو آئے آپ نے قاضی صاحب موصوف سے کہا "مگر فیصلہ کرنے سے پہلے میرے شعر سُن لیجیے جو مین نے آپ کی شان مین کہے ہین" یہ کہہ کے دو شعر سنائے جن کا مضمون یہ تھا "اگر لوگون نے میری عیب پوشی کی تو مین بھی اُن کے عیب چھپاؤن گا۔ اور اگر میرے بارے مین اُنھون نے کرید کی تو پھر مین بھی کرید کرون گا" یہ اشعار سنتے ہی قاضی جی عورت کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا "بھلا یہ خچر تم میرے ہاتھ بیچو گی؟" اُس نے کہا "کیون نہین؟" پوچھا "تو کیا لو گی؟" بولی "پورے سو درہم لون گی" قاضی صاحب نے اپنے پاس سے سو درہم نکال کے اُس کے حوالے کیے۔ اور فریق ثانی کی طرف متوجہ ہو کے کہا "لو یہ خچر مین تمھین دیے ڈالتا ہون۔ اب تو تمھین کوئی دعوے نہین ہے؟" جواب ملا "نہین" تب قاضی صاحب نے ابو دلامہ کی طرف دیکھ کے کہا "اب شکایت نہ کیجیے گا۔ مین نے آپ کی شہادت پر عمل کر دیا اور آپ کے چال چلن کی کرید نہین کی" ابو دلامہ بولا "جی ہان اب مجھے کوئی شکایت نہین" اور اپنے گھر واپس آیا۔

خود ابو دلامہ کہتا ہے کہ ایک دن منصور نے مجھے شراب کے نشہ مین مخمور و بدمست دیکھ لیا۔ اور اُس کے یاد اش مین قسم کھا گیا کہ اب تمھین کسی لڑائی پر ضرور بھیجون گا۔ چنانچہ اُسی روز فرمان خلافت جاری ہو گیا کہ ابو دلامہ سپہ سالار روح بن حاتم مہلبی کے ساتھ خوارج کے مقابلے پر جائے" یہ حکم سنتے ہی میرا خون خشک ہو گیا۔ مگر مرتا کیا نہ کرتا۔ روح کے ساتھ لڑائی پر گیا۔ جب دونون لشکرون کا سامنا ہوا۔ اور ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوے۔ روح اپنی صفون کے آگے علم خلافت کے نیچے آ کے کھڑا ہوا تو اُس کا گھوڑا اور اُس کے اسلحہ مجھے ایسے قیمتی اور اچھے معلوم ہوئے کہ اُس کے قریب جا کے مین نے کہا "آج یہ آپ کا

گھوڑا میری ران کے نیچے ہوتا۔ آپ کے یہ کپڑے مین پہنے ہوتا۔ اور یہی آپ کے ہتھیار میرے جسم پر سجے ہوتے تو خدا دشمنون کو ایسا مزہ چکھاتا کہ وہ بھی یاد کرتے"۔ ایک مشہور و معروف بزدل کی زبان سے یہ کلمات سُن کے ممدوح کو ہنسی آ گئی۔ اور کہا "خدا کی قسم آج تمھارے اِس دعوے کو مین آزماؤن گا" یہ کہہ کے گھوڑا کپڑے ہتھیار سب مجھے دیدیے۔ اور اپنے لیے دوسرا گھوڑا دوسرا جوڑا اور دوسرے اسلحہ منگوا لیے۔ مین اُس کے کپڑے پہن کے کھڑا ہوا ہی تھا کہ خوارج مین سے ایک بہادر شہسوار نکلا اور مبارز طلب کرنے لگا۔ اور ممدوح نے مجھ سے کہا "اِس کے مقابلے مین تم ہی جاؤ" مین نے طمع اور لالچ مین دعویٰ تو کر دیا تھا۔ اب سر پہ آ پڑی اور حریف کی صورت دیکھی تو حواس جاتے رہے۔ ممدوح سے معافی مانگی اور اپنی درخواست کے موثر بنانے کے لیے چند شعر اسے سُنائے جن کا مضمون یہ تھا کہ "مین میدان مین جانے اور لڑنے سے معافی مانگتا ہون۔ فرض کیجیے کہ مین مقابلے پر گیا۔ لیکن اگر اُدھر سے تلوارین بلند ہوئین اور مین بھاگ کھڑا ہوا تو کیا ہوگا؟ اور فرض کیجیے کہ مین جان بچا کے بھاگا بھی لیکن اس کا تو جواب دیجیے گا کہ اگر دشمنون نے تعاقب کیا اور کوئی تیر آ کے پڑ گیا تو پھر میرا کیا حشر ہوگا؟" ممدوح نے کہا "مین ایک نہ سنونگا اب تمھین میدان مین جانا ہوگا" مین نے کہا "لِلّٰہ میری جان نہ لیجیے" اُس نے کہا "مین ہرگز نہ مانون گا۔ بس اب دیر نہ لگاؤ۔ فوراً جاؤ۔ اب مجھے بالکل یاس ہو گئی۔ نہایت ہی ہراس کے ساتھ کہا "مگر مین اِس وقت بھوکا ہون۔ اور خدا کی قسم بھوکا تو موت کے مُنھ مین نہ جاؤنگا" ممدوح نے دو روٹیان اور ایک بھنی ہوئی مرغی منگوا دی۔ مین نے اُن دونون چیزون کو باندھ لیا اور عسکر خلافت کی صفون سے نکل کے گھوڑا آگے بڑھایا۔ مجھے آتے دیکھ کے بہادر خارجی نے اپنے گھوڑے کو ایڑ بتائی اور بجلی کی طرح مجھ پر جھپٹا۔ وہ ایک سمور کا جُبہ پہنے تھا جس کے روئین پانی مین بھیگنے اور اُس کے بعد دھوپ کھانے سے جم گئے تھے۔ جیسے ہی میرے قریب آیا۔

مین نے کہا "ٹھہرے ہوے" اور جیسے ہی اُس نے گھوڑے کی باگ روکی اُس سے پوچھا "تم اُس سے لڑوگے جو تم سے لڑنا نہین چاہتا؟" بولا "نہین" پوچھا "اور اُس کی جان لوگے جو تمھارے دین پر ہے؟" بولا "ہرگز نہین" مین نے پوچھا "تو بھلا جائز ہے کہ بغیر اپنے دین کی دعوت کیے اور اپنے مذہب کی طرف بلانے کسی پر حملہ کر دو؟" اُس نے کہا "نہین۔ یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ لیکن ایسا ہے تو جس لعنت گاہ سے تو آیا ہے وہین بھاگ جا" مین نے کہا "یہ نہ ہوگا۔ پہلے جو مین کہتا ہون اُس کو تو سُن لو" اُس نے کہا "کہو" مین نے پوچھا "مجھ مین تم مین کوئی دشمنی ہے؟ یا ہم مین کبھی کوئی جھگڑا ہوا ہے؟" بولا "نہین" مین نے کہا "یا تم نے اپنے خلاف میری کوئی کارروائی سنی ہے؟" "اچھا یہ بھی نہین تو میری جورو اور تمھاری جورو مین کبھی لڑائی ہوئی تھی؟" اُس نے کہا "خدا کی قسم مین نے کوئی ایسی بات نہین سنی" مین نے کہا "اور خدا کی قسم مین نے بھی نہین سنی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مین تمھاری نسبت بہت اچھی راے رکھتا ہون۔ اور چاہتا ہون کہ تمھارے مذہب کو اختیار کر لون۔ جو تمھاری بُرائی چاہے اُس کی بُرائی مین بھی چاہون۔ اور جو تمھارا دوست ہو اُس کا دوست بنون" وہ بولا "خدا تمھین اِس خوش اعتقادی و محبت کی جزاے خیر دے۔ لے اب تشریف لے جاؤ" مین نے کہا "جاتا ہون۔ مگر میرے پاس کچھ کھانے کو ہے۔ آؤ ہم تم دونون ساتھ مل کے کھائین تاکہ ہماری دوستی مضبوط ہو۔ اور دونون طرف کے لشکری دیکھ دیکھ کے جلین" اُس نے قبول کیا اور مین گھوڑا بڑھا کے اُس سے مل گیا۔ ہمارے گھوڑون کی گردنین مل گئین۔ اور ہم دونون نے وہ روٹیان اور مرغ کھانا شروع کیا۔ لوگ جو یہ تماشا دیکھ رہے تھے اُن کے پیٹ مین مارے ہنسی کے بل پڑے جاتے تھے۔

کھانے پینے کے بعد ہم ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کے رخصت ہوئے۔ چلتے وقت مین نے اُس سے کہا "میرا جاہل سردار کمبخت مجھے بہت پریشان کرے گا کہ میدان مین گئے تھے کیا کر آئے۔ تم اگر اتنی عنایت کرتے کہ آج میدان مین نہ آتے تو میرے حال پر بڑی عنایت ہوتی" اُس نے کہا "کوئی مضائقہ

نہیں۔ میں آج میدان میں نہ آؤں گا۔ یہ کہہ کے وہ میدان سے واپس گیا۔ اور میں بھی گھوڑا کداتا ہوا اپنے لشکر میں آیا۔ اور روح سے کہا ”لیجیے میں نے فکر لڑلی۔ اب آپ دوسرے ہنڈے کو بھیجیے“ یہ کہہ ہی رہا تھا کہ صف اعدا میں سے دوسرا جنگجو نکلا۔ اور اپنا مقابل طلب کرنے لگا۔ روح نے کہا اُس کے مقابلے میں بھی تم ہی جاؤ“! اب کی مجھے بجز اس کے مفر نہ ہوا کہ دو چار شعر اس کی تعریف میں سُنا کے خوشامدیں کیں۔ اور اُس نے ہنس کے میری جان چھوڑ دی۔

اسی طرح ابو دُلامہ نے اپنی میدان آرائی کا ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب سنان خارجی کا ہنگامہ پیش آیا تو اُس کے مقابل سپہ سالار مروان کی فوج میں میں بھی تھا۔ دونوں لشکروں کا سامنا ہوتے ہی صف خوارج سے ایک بہادر شخص نکلا اور ”ہل من بارز“ کا نعرہ بلند کیا۔ عساکر خلافت میں سے جو شخص نکل کے گیا اُس کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مروان کو ندامت کا غصہ تھا کہا ”جو کوئی اس کے مقابلے پر جائے گا اُسے پانچ سو درہم انعام لیں گے“! پانچ سو درہموں کی ہوس میں کئی آدمی گئے اور مارے گئے۔ اب مروان کہہ رہا تھا کہ ”جو کوئی بہادر جا کے اس سے لڑے گا اُسے ایک ہزار درہم دوں گا“! ایک ہزار پر جانے والے بھی کئی مارے گئے۔ تو مروان نے پانچ ہزار درہم انعام کا اعلان کیا۔ پانچ ہزار کا نام سُن کے مجھے لالچ معلوم ہوا۔ روپیے کی ہوس میں بے سوچے سمجھے میدان میں نکل پڑا۔ میری ران کے نیچے گھوڑا ایسا اعلیٰ درجے کا تھا کہ اُس کی دوڑ اور بھاگ پر مجھے پورا اطمینان تھا۔ مجھے نکلتے دیکھتے ہی وہ دشمن نبرد آزما بجلی کی طرح تڑپ کے میرے قریب آیا اور یہ رجز پڑھتا ہوا جھپٹا کہ وہ ”جنگجو جسے حرص و طمع میدان جنگ میں لائی ہے موت کے خوف سے بھاگا۔ گر موت کے پنجے میں پھنس ہی گیا واپس نہ جاسکا“! اُس کا یہ رجز سنتے ہی میرے حواس جاتے رہے۔ گھوڑے کو پھیر کے بے تحاشا بھاگا۔ یہ دیکھ کے مروان کو بڑا غصہ آیا۔ چلایا ”یہ کون نامرد ہے جس نے ہمیں ذلیل و خوار کیا؟ اسے میرے پاس پکڑ لاؤ“! مگر جب تک کوئی میرے قریب آنے میں بھاگ کے لشکریوں میں مل گیا۔ اور کسی کو پتہ نہ چلا کہ کون تھا۔

موسیٰ بن علی ہاشمی نے جو اُس عہد کے دولتمند امرا اور رؤسا مین تھے حج کا ارادہ کیا۔ راستے کی دلچسپی کی لیے ابو دُلامہ سے کہا "اگر سفر حج مین تم میرے ساتھ چلو تو دس ہزار درہم دون گا" کہا "لائیے۔ مجھے منظور ہی" اُنھون نے فوراً رقم دیدی اور آپ روپیہ لیتے ہی بغداد سے بھاگ کے عراق کے گاؤن مین چلے گئے۔ اور روپیہ کو عیاشی اور شراب کباب مین صرف کرنا شروع کردیا۔ خوب گلچھرے اُڑائے۔ خوب خوب شرابین پین۔ اور موسیٰ ہر طرف ڈھونڈھتا ہے آپ کا کہین پتہ نہین۔ یہان تک کہ وقت کم رہ گیا۔ اور حج کا زمانہ نکلا جاتا تھا۔ مجبوراً موسیٰ تنہا ہی چل کھڑے ہوے۔ بغداد سے نکل کے طاق کسریٰ تک پہونچے تھے کہ دور سے دیکھا ابو دُلامہ نشۂ صہبا سے بدمست ہے اور ایک گاؤن سے نکل کے دوسرے گاؤن کو جارہا ہے۔ فوراً آدمی دوڑائے کہ اسے پکڑ لاؤ۔ لوگون نے دم بھر مین حاضر کر دیا۔ تو حکم دیا کہ اِس بد معاش کو باندھ کے ایک محمل مین ڈال دو۔ جس اونٹ پر وہ محمل تھی اُسے اپنے آگے کیا تاکہ کسی فقرے یا سازش سے وہ بھاگ نہ سکے۔ اور کوچ کر دیا۔ آپ تھوڑی دیر تو بندھے پڑے رہے۔ اُس کے بعد موسیٰ کی طرف رخ کر کے اشعار پڑھنا شروع کیے جن کا مضمون یہ تھا، "لوگو۔ سب مل کے دعا کرو کہ خدا موسیٰ ابن داؤد پر درود بھیجے اُس کے دونون رخسارے سیاہ لباس مین ایسے چمکتے ہین جیسے کالے کپڑے مین کُندن کے ڈلے دمک رہے ہون۔ مین ابن داؤدی کا دامن پکڑ کے دہائی دیتا ہون کہ مجھے حج مین نہ لے جاؤ۔ سنتا ہون حج کی راستے مین انسان سے ارغوانی کا پیاسا رہتا ہے۔ میرے حج کا بخدا کوئی اجر نہین جس کا کوئی خواستگار ہو" یہ اشعار سُن کے موسیٰ نے کہا، "خدا اس پر لعنت کرے اسے یہین پھینک دو" لوگون نے فوراً ہاتھ پاؤن کھول کے اونٹ پر سے ڈھکیل دیا۔ اور آگے کی راہ لی۔ اور ابو دُلامہ جو یہان سے چھوٹا تو سیدھا عراق کے ایک گاؤن قصبہ مین جا کے ٹھہر گیا۔ اور وہین وہ پورے دس ہزار درہم رندمشربی و شرابخواری مین اڑا دیے۔

آبو ایوب موریانی آبو دُلامہ کی حرکتون سے سخت بیزار تھا۔ دل ہی دل مین جلا کرتا مگر اُس کا کچھ زور نہ چلتا تھا۔ ایک دن موقع پا کے آبو جعفر منصور کی خدمت مین عرض کرنے لگا کہ آبو دُلامہ رات دن شراب مین مخمور رہتا ہے۔ نہ کبھی مسجد مین آتا ہے۔ نہ کسی نماز مین شریک ہوتا ہے۔ اور فوج کے تمام نوجوانون کو غارت کرتا ہے۔ اُس نے ہزارون لڑکون کے اخلاق بگاڑ دیے ہین۔ اگر امیرالمومنین اُسے فقط نماز مین شریک ہونے پر مجبور کر دین تو بڑا ثواب ہوگا اول تو وہ نمازی بنے گا دوسرے اُس کی ناپاک صحبت سے جوانان شہر بچین گے۔" اس کے بعد آبو دُلامہ آیا تو آبو جعفر نے غصہ کے لہجے مین کہا "کمبخت تیری کیسی سیہ کاریان سُن رہا ہون؟" بولا "سیہ کاری! سیہ کاری سے مجھ سے کیا واسطہ؟ مین قبر مین پاؤن لٹکائے بیٹھا ہون۔ سیہ کاریون مین بھلا کیسے مبتلا ہو سکتا ہون؟" منصور نے کہا "یہ فضول باتین چھوڑو۔ اور سنو۔ خبردار اب کوئی نماز نہ قضا ہو۔ خصوصاً ظہر و عصر کی نماز میرے ساتھ میری ہی مسجد مین ادا کیا کرو۔ اور اگر اس مین فرق پڑا تو یاد رہے کہ بہت سخت سزا دون گا۔ اور کیا عجب کہ ایک مدت دراز کے لیے قید کر دون۔" یہ حکم اُس کے لیے قیامت تھا۔ بلا مین پھنس گیا۔ اور چند روز تک التزام سے قصر شاہی کی مسجد مین ظہر و عصر کی نمازین جماعت سے ادا کرتا رہا۔ مگر آخر تنگ آ گئے اپنی مصیبت کا حال موزون کر کے ولی عہد خلافت مہدی کو دیا کہ یہ نظم اپنے والد تک پہونچا دیجیے۔ اس نظم مین پہلے تو اس بات کی شکایت تھی کہ مین اپنے محلے کی مسجد چھوڑ کر قصر خلافت کی مسجد مین نماز ادا کرنے پر مجبور کیا گیا ہون اس کے بعد کہا تھا کہ خدا امیرالمومنین کے قصور کو معاف کرے اس مین اُن کا کیا بگڑتا ہے کہ دُنیا بھر کے گناہون کا بوجھ میری گردن پر لدا ہو۔" مہدی نے جب یہ نظم اپنے باپ کو دی تو وہ بہت ہنسا اور کہا "اچھا مین نے اُسے مسجد قصر کی حاضری سے معاف کیا مگر خبردار کوئی نماز قضا نہ ہو۔ اپنے قبیلے کی مسجد ہی مین پڑھ لیا کرے۔"

بعض راویون نے یہ واقعہ یون بیان کیا ہے کہ آبو جعفر منصور کو

اُس کے لطیفون اور اُس کی مذاق کی باتون مین بڑا لطف آتا تھا۔ بار بار آدمی بھیج کے بلواتا۔ اور وہ ہمیشہ خرابات اور شراب خانون مین ملتا۔ اُس کی ان باتون سے ناراض ہو کے اُس نے جبراً پابند نماز بنایا تھا۔ جب مذکورۂ بالا اشعار اُس کے پاس پہونچے تو کہا "اچھا مین نے اُسے اس پابندی سے معاف کیا مگر شرط یہ ہے کہ ماہ مبارک رمضان مین تراویح ہمارے ہی ساتھ پڑھا کرے۔ اُس نے حاضر ہو کے عرض کیا "بہتر پڑھا کرون گا" منصور نے کہا "مگر یاد رہے۔ اگر میکشی کی دھن مین تم نے دیر لگائی تو حد شرع جاری کرون گا" بولا "مہینہ بھر کی مصیبت ساری زندگی کی مصیبت سے لاکھ درجے اچھی ہے۔ بسروچشم تعمیل کرون گا" اس کے بعد جب رمضان کا مہینہ آیا تو اُسے خواہ مخواہ مسجد مین آ کے شریک تراویح ہونا پڑتا۔ اور وجہ یہ تھی کہ مہدی روز ایک سپاہی بھیج دیتا اور وہ اُسے جہان کہین ملتا وہان سے پکڑ لاتا۔ آخر زندگی عذاب ہو گئی۔ اور دوڑ دھوپ کرنے لگا کہ اس پابندی سے نجات ملے۔ خیزران کی ڈیوڑھی پر گیا۔ مہدی کے پاس گیا کہ معافی کی سفارش کرائے۔ مگر کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ کسی نے کہا تم خلیفہ کی بہن ریطہ کے پاس جاؤ۔ منصور اُس کی بات ضرور مان لیا کرتا ہے" آپ فوراً اُس کی ڈیوڑھی پر گئے۔ اور ایک پرزے پر چند اشعار لکھ کے اندر بھجوا دیے۔ ان اشعار مین یہ مضمون نظم کیا تھا کہ "ریطہ کو اتنا پیام پہونچا دو کہ مین اُن کے والد کا غلام ہون۔ وہ واصل بحق ہوئے۔ اور اُنھین وصیت کر گئے کہ میری خبر لیتی رہین۔ مگر اب مین دیکھتا ہون کہ جس طرح بیگم صاحب کے بھائی اس وصیت کو بھول گئے وہ خود بھی بھول گئین رمضان کا مہینہ عجب ناقابل برداشت طریقے سے آیا۔ اور مجھے شب قدر کی طرف اس طرح کھینچے لیے جاتا ہے کہ گویا مین اُس کا شائق ہون۔ قبلہ کی طرف سجدے کرتے کرتے پیشانی زخمی ہو گئی۔ یہان مدت سے یون بسر ہو رہی ہے کہ جاڑے دن مین تا پیتا۔ گوشت بھون بھون کے کھاتا۔ اور صبح و شام شراب پیتا ہون۔ مجھے شب قدر سے کیا واسطہ؟ میرے سامنے اُس کا نام نہ لو۔ اور میری رہائی کی کوئی صورت نکالو۔ خدا تمھین اجر دے گا"

ریطہ نے اس رقعہ کو پڑھا تو مارے ہنسی کے لوٹ گئی۔ اور کہلا بھیجا "اچھا شب قدر تک انتظار کیجیے" جواب میں پھر لکھ بھیجا: "حضور میں سال آئندہ کے لیے تو آپ سے سفارش چاہتا نہیں۔ جب شب قدر گزرے گی تو اُس کے ساتھ مہینہ بھی گزر جائے گا" اور اُس کے نیچے نظم میں یہ مضمون ادا کیا کہ "بیوی اُس شخص کے بارے میں خدا سے ڈرو جس پر سکرات کا عالم طاری ہے۔ اور نماز دین کے درمیان اُس کے سر پر قیامت آگئی ہے۔ مجھ میں اتنی قوت کہاں کہ شب قدر کا انتظار کروں۔ مجھے تو بیسیوں سے پہلے ہی مرجانے کا اندیشہ ہے۔ اور شب قدر! تو نے ہمارے پاؤں توڑ ڈالے۔ اور شب قدر! تو ہم سے جس بات کی امید وار ہے وہ برحق ہے۔ اور خدا اس خیریت کو غارت کرے جو تیس دن پاؤں توڑ کے نصیب ہو گی"

یہ اشعار پڑھ کے ریطہ اور زیادہ ہنسی۔ اور اُسی وقت اُٹھ کے منصور کے پاس گئی۔ دونوں رقعوں کے اشعار سنائے اور سفارش کی منصور بھی شعر سُن کے مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ اور ریطہ کے سامنے ہی ابو دُلامہ کو دوسرے کمرے میں بلوایا۔ اور کھڑکی سے سر نکال کے اُس سے کہا "تمھارے بارے میں ریطہ کی سفارش میں نے سُنی۔ تمھیں معاف کیا۔ اور اُس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ تم کو سات ہزار درہم انعام دیے جائیں" ابو دُلامہ نے نہایت متانت سے کہا "میں بیگم صاحب کی سفارش کا شکریہ۔ جس طرح اُنھوں نے مجھے عذاب سے بچایا ہے اُسی طرح خدا اُنھیں آتش دوزخ سے بچائے۔ رہا سات ہزار کا انعام اس میں مجھے اختلاف ہے۔ یا تو تین ہزار بڑھا کے دس ہزار کر دیجیے اور یا دو ہزار گھٹا کے پانچ ہی ہزار رکھیے۔ خدا کی قسم مجھے سات کے عدد سے نفرت ہے" منصور نے کہا "اچھا میں پانچ ہزار کیے دیتا ہوں" عرض کیا "مجھے یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی شان کے خلاف اعلیٰ صورت کو چھوڑ کے آپ ادنیٰ صورت اختیار کریں۔ حضور اپنی طرف تو دیکھیں" اس بارے میں کچھ دیر تک منصور اُسے چھیڑتا رہا۔ اور آخر ریطہ کی سفارش سے پورے دس ہزار دلوا دیے"

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

(۸) آداب معاشرت مین آٹھوین چیز ظرافت مذاق ہے۔ عرب کا پرانا مقولہ بلکہ مشہور حدیث نبوی ہے کہ کلام مین ظرافت ویسی ہی ہے جیسے کھانے مین نمک۔ سچ یہ ہے کہ شوخی و ظرافت کے بغیر نہ کلام مین مزہ پیدا ہوتا ہے اور نہ صحبت مین جان پڑتی ہے۔ مگر اُسی ظرافت مین اگر بے احتیاطی ہو جائے تو وہی سخت فتنہ و فساد کا باعث ہو جاتی ہے۔ ظرافت نے باتون باتون مین اکثر تلوارہ چلوا دی ہے۔ اور پرانے جانی دوستون کو گھڑی بھر مین دشمن بنا دیا ہے۔ غور سے دیکھو تو صاف نظر آجائیگا کہ ان خرابیون کا باعث ظرافت نہین بلکہ ظرافت مین بے احتیاطی کرنا یا اعتدال سے باہر ہو جانا ہوا کرتا ہے۔

جو زبان جتنی زیادہ ترقی کرتی ہے اُسی قدر اُس مین مذاق و ظرافت کے پہلو بڑھتے جاتے ہین۔ کلام مین ظرافت جن طریقون سے پیدا ہو جاتی ہے اُن کا محصور کرنا بہت دشوار ہے۔ صدہا طریقے ہین جن سے ایک فصیح البیان شخص اجتہادی طور پر فائدہ اُٹھا لیا کرتا ہے۔ اور اُن کے متعلق تفصیلی بحث کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب چاہیے۔ ہمین اِس موقع پر فقط اِس قدر کہنا ہے کہ زیادہ تر مبناے ظرافت ایسے الفاظ ہوا کرتے ہین۔ جو مختلف معنی رکھتے ہون۔ اور بعض معنون سے کسی پر تعریض ہوتی ہو۔ اور کبھی ظرافت مین ایسے الفاظ سے بھی کام نہین لیا جاتا بلکہ کسی انسان یا چیز کو کسی ایسی شے سے تشبیہ دیجاتی ہے جو باوجود غیر متناسب ہونے کے مشابہ ہو۔ پھر اُس تشبیہ کو ایسے عنوان اور پہلو سے ادا کرنا کہ اُس مین بعوض تشبیہ کے استعارے کی شان پیدا ہو جائے۔ علی ہذا القیاس کبھی اپنے آپ کو یا کسی اور کو اس قدر بڑھانا یا اتنا گھٹانا کہ اصلی درجے سے بہت دُور رہ جائے۔ ان سب باتون کے لیے سلیقے کی ضرورت ہے۔ اچھا سلیقہ رکھنے والا سخت سے سخت تعریض کر جاتا ہے اور ناگوار سے ناگوار تشبیہ دے دیتا ہے مگر کسی کا دل میلا نہین ہوتا۔ یا کسی کو اظہار ناگواری کی گنجائش نہین ملتی۔ بخلاف اس کے اگر کسی بدسلیقہ شخص نے یہ کام کرنا چاہا تو لوگ بگڑ کھڑے ہوتے ہین۔ اور عداوت پر

آمادہ ہو جاتے ہین - اس کا جیسا اچھا سلیقہ لکھنؤ کے عوام الناس کو ہے اور جگہ کے
خاص لوگون مین بھی نہین نظر آتا ہے
ایک بنگالی عالم ڈاکٹر اگھورناتھ نے جو بڑے عالم و فاضل فلسفہ مین
یکتا ہے روزگار لٹریچر کے ڈاکٹر اور اردو کے اچھے ماہر تھے زبان اردو پہ
اعتراض کرنے کے عنوان سے مجھ سے کہا "صاحب یہ زبان کی کون سی خوبی ہے
کہ ایک بار مین نے ایک صحبت مین کہا "ہم آج کل دودھ پیا کرتے ہین" اس
پر سب لوگ بے ساختہ ہنس پڑے" مین نے کہا اردو کا یہی اعلیٰ درجے کا
حسن ہے آپ چونکہ اس زبان مین ناقص ہین اس لیے آپ کو بجائے اپنے
عیب کے یہ زبان کا عیب نظر آیا - ہر زبان مین ذو معنی لفظ ہوا کرتے ہین
اور زبان دانون کا کام ہے کہ تمام ذم کے پہلوون کو بچا کے لفظون کو استعمال
کیا کرین - انگریزی مین لفظ "کنسیو" کے معنی خیال کرنے کے بھی ہین اور حاملہ
ہونے کے بھی - ایک مشہور لاٹ صاحب نے پارلیمنٹ مین تین بار کہا "آئی کنسیو"
اور آگے سوچنے لگے - کسی نے پکار کے کہدیا "جناب نے تین بار آئی کنسیو کہا
اور ہوا کچھ نہین" یعنی تین بار حمل رہا اور پیدا کچھ نہ ہوا - اس پر سب نے
قہقہہ لگایا اور وہ لاٹ صاحب جھینپ گئے - اسی طرح اردو مین ہزارہا
الفاظ ہین جن مین مختلف پہلو نکلتے ہین - بولنے والا اُن کے استعمال کا صحیح سلیقہ
نہ رکھتا ہوگا تو بات بات پہ ہنسا جائے گا -
یہی مذکورہ بالا "دودھ پینے" کا جملہ ہے - ہندوستان مین
"دودھ پینا" شیرخوار بچون کا کام ہے - اور کسی عاقل بالغ کے لیے کہنا
کہ "یہ دودھ پیتے ہین" عیب ہونے کے علاوہ اِن معنون مین مستعمل ہوتا ہے
کہ یہ ابھی ناسمجھ اور نادان ہین - اس پہلو کے بچانے کے خیال سے اہل
لکھنؤ یہ کبھی نہ کہین گے کہ "مین دودھ پیتا ہون" بلکہ اس مضمون کو یہ عیب کا
پہلو بچا کے مختلف عنوانون سے ادا کرین گے - کہین گے کہ "مین آج کل
دودھ کو استعمال کرتا ہون" "آج کل میری غذا دودھ ہے" "دودھ
چاول کھاتا ہون" لکھنؤ والون کی اِن احتیاطون کو دیکھ کے آگرے کے

ایک قابل و زباندان شاعر کو دھوکا ہوا کہ لکھنؤ کی زبان دودھ کھانا ہے دودھ پینا نہین۔ لکھنؤ کے ایک صاحب سے اُن سے اس بارے مین خلاف ہوا۔ اور حکم کے طور پر مجھ سے دریافت کیا گیا۔ مین نے کہا ”دودھ پینے کی چیز ہے۔ کوئی اُس کی نسبت کھانے کا لفظ کیسے استعمال کر سکتا ہے؟ ہان یہ ضرور ہے کہ ذم کا پہلو بچانے کے لیے اہل لکھنؤ ”دودھ پینے“ کا لفظ اپنی نسبت استعمال نہ کرین گے۔

ایک اسی محاورے پر منحصر نہین اردو مین صدہا الفاظ مین مختلف محاورون اور معنون کی وجہ سے ذم کے پہلو پیدا ہو گئے ہین اور اہل زبان کا کام ہے کہ اُن سے بچے۔ یا کوئی شخص کسی کی نسبت مذاقاً استعمال کر جائے تو اُس کا فرض ہے کہ سمجھے اور جواب دے۔ ورنہ سمجھ لیا جائے گا کہ وہ زبان سے ناواقف ہے۔

اہل لکھنؤ مین شوخی و ظرافت بہت ہے۔ وہ اپنے کلام مین صدہا عنوانون سے ظرافت پیدا کر دیا کرتے ہین۔ اور جو اس فن مین جتنا زیادہ کمال رکھتا ہے اتنا ہی زیادہ اہل سخن کی محفلون مین چمکتا اور ممتاز ثابت ہوتا ہے۔ مین یہ نہین کہتا کہ اور مقامات کے لوگون مین یہ ملکہ نہین ہے۔ اور کثرت سے ہے۔ اور اب اردو زبان سارے ہندوستان مین اس طرح ترقی کر رہی ہے کہ ہر جگہ اعلیٰ درجے کے ظریف پیدا ہوتے جاتے ہین۔ اور سخن دانی و سخن فہمی کا شعور بڑھ رہا ہے مگر لکھنؤ والون مین یہ ملکہ طبیعت ثانویہ بن کے اُن کی فطرت و جبلت بن گیا ہے۔ اور لطافت کلام کے ساتھ بذلہ سنجی و ظرافت مین جیسا بے تکلف اور ستھرا مذاق اُن کا نظر آئے گا اورون کا نہین ہو سکتا۔

(۹) آداب معاشرت مین نوین چیز شادی اور غمی کی محفلین ہین مسلمانون کی اگلی دولتمندی و حکومت نے اُن کی عورتون کی ارمانین بمقابل اکثر مقامات کے یہان بہت بڑھا دی ہین۔ ولادت سے لے کے شادی تک لڑکے کی ہر خوشی و کامیابی ایک تقریب بن جاتی ہے۔ پیدایش کے

بعد ہی چھٹی چلہ اور درمیان کے نہان ۔ عقیقہ ۔ کھیر چٹائی ۔ دودھ بڑھائی ۔ بسم اللہ اور بیٹے بڑھ کے عقد نکاح یہ سب بجاے خود شادی کی تقریبین ہین ۔ اکثر بچون کی سال گرہ ہوا کرتی ہے ۔ مذکورہ تقریبون کے علاوہ غسل صحت یا کسی خاص ارمان کے پورے ہونے پر بھی خوشی کی غیر معمولی تقریبین ہو جاتی ہین ۔

ان سب تقریبون مین قرابت والی بیویان اور پاس پڑوس کی بہت سی شناسا عورتین جمع ہو جاتی ہین ۔ زنانی محفلین مرتب ہوتی ہین جن مین تختون کے چوکون پر اور زیادہ مہمان ہوئے تو زمین پر دری چاندنی کا اجلا فرش بچھتا ہے ۔ دولت مند گھرون مین چاندنی پر تین طرف یا فقط صدر مین بیش قیمتی قالین بچھتے ہین ۔ کنول اور برمردنگین روشن ہوتی ہین ۔ اور ڈومنیون کا طائفہ سامنے بیٹھ کے مجری کرتا ہے ۔ ناچنے والی ڈومنی گھونگھرو باندھ کے ناچتی اور بھاؤ بتاتی ہے مجرے کے درمیان مین وقتاً فوقتاً ڈومنیان ہنسانے والی نقلین کرتی ہین ۔ بہرحال مسرت کے ولولے اور خوشی کے چھچھے ہوتے ہین ۔ اور ڈومنیان اگرچہ مجرے مین اکثر بے اعتدالیان کرنے لگتی ہین اور صحبت مین بیحیائی و بے شرمی کو بڑھا دیتی ہین مگر نشست برخواست کے سلیقے بیولون کے باہمی ربط و ضبط اور اُس کے ساتھ حفظ مراتب مین کوئی فرق نہین آنے پاتا ۔ ہر تقریب کے متعلق صدہا رسمین ہین جن کا انجام پانا ضروری سمجھا جاتا ہے ۔ اُن رسمون کی محافظ اور برقرار رکھنے والی بڑی بوڑھی عورتین اور اُن کے ساتھ ڈومنیان ہوا کرتی ہین ۔ جن کو اُن رسمون کے بہانے بہت کچھ مل جاتا ہے ۔

اکثر تقریبون مین رت جگا ضرور ہوا کرتا ہے ۔ اور یہی ایک چیز ہے جو ہندوستانی عورتون کے اعتقاد مین خالصتاً لوجہ اللہ ہے اور جس مین ڈومنیان "اللہ میان کی سلامتی" کا نغمہ گاتی ہین ۔ شب زندہ داری ہوتی ہے ۔ مگر عبادت کے لیے نہین بلکہ گانے بجانے رات بھر دھما چوکڑی مچانے اور صبح ہوتے مسجد مین جا کے اللہ میان کا طاق بھرنے کے لیے ۔ گلگلے اور خدا رکھم مخصوص چیزین ہین ۔ ان تقریبون جن کی ندر کے

یہی کارروائی دیہات مین بھی ہوا کرتی ہے۔ مگر وہان بدتمیزی بدسلیقگی ہوتی ہے تو شہر والیون مین نفاست صفائی خوش ترتیبی۔ اور شائستگی۔

چند کتابون پر ریویو

سیرۃ النبی ۔ یعنی حضرت سرور عالم محمد مصطفے صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے سوانح اقدس کا حصہ اول جس مین ولادت حضرت ختم المرسلین سے ختم سلسلۂ غزوات تک کے حالات تحقیق وتنقید سے بیان کیے گئے ہین مصنفہ شمس العلما علامہ شبلی نعمانی مرحوم۔ اس کتاب کا مسلمانون کو بڑی بے صبری وبیتابی سے انتظار تھا۔ مولانائے مرحوم کی وفات کے چھ برس بعد اب اُس کی پہلی جلد مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی کوشش سے شائع ہوئی ہے۔ مولوی رحمۃ اللہ صاحب رعد نامی پریس کانپور مین بڑے اہتمام سے اعلی درجے کے کاغذ اور فلسکیپ سائز کے ۸۰۰ صفحون پر چھپ کے دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوئی ہے۔ پہلے ۵۷ صفحون پر دیباچہ ہے جس مین فن روایت فن سیرۃ اور یورپین تصنیفات سیرۃ پر تبصرے ہین۔ اور اصلی چیز جس سے مصنف کی محنت وجستجو اور تحقیق وتنقید کا پتہ چل سکتا ہے کتاب کا یہی حصہ ہے۔ اس کے بعد تاریخ عرب قبل از اسلام پر مقدمہ ہے جو ۶۷ صفحہ سے شروع ہو کے ۱۱۵ صفحے تک چلا گیا ہے۔ اس مین عرب کے جغرافیے اُس کی تاریخ قدیم اُس کے قبائل اُس کی اسلام سے پہلے کی سلطنتون اُس کے تمدن اور اُس کے مذاہب پر اجمالی بحث ہے اور اسی مین اس امر کی تحقیق کی گئی ہے کہ ذبیح کون تھا حضرت اسمٰعیل یا حضرت اسحٰق۔

اس کے بعد سلسلۂ نسب نبوی۔ ولادت باسعادت۔ بعثت اور وہ تمام واقعات جو ہجرت مدینہ سے پیشتر گزرے ۱۹۵ صفحہ تک ختم کر دیے گئے ہین۔ جن مین بہت اجمال سے کام لیا گیا ہے۔ بعد ازان تمام واقعات

ترتیب سنین ہجرت قلمبند کیے گئے ہین۔ سنہ ۱ ہجری کے حالات صفحہ ۱۹۶ سے ۲۱۷ تک ہین۔ سنہ ۲ھ کے حالات ۲۱۹ سے ۲۶۹ تک ہین۔ سنہ ۳ھ کے حالات ۲۷۰ سے ۲۸۳ تک ہین۔ سنہ ۴ھ کے ۲۸۴ سے ۳۰۲ تک۔ سنہ ۵ھ کے ۳۰۳ سے ۳۲۷ تک۔ سنہ ۶ھ کے ۳۲۸ سے ۳۴۷ تک سنہ ۷ھ کے ۳۴۸ سے ۳۶۹ تک سنہ ۸ھ کے ۳۷۰ سے ۳۹۷ تک سنہ ۹ھ کے ۳۹۸ سے ۴۱۵ تک۔ آخر مین "غزوات پر دوبارہ نظر" کے عنوان سے ایک بحث ۴۱۶ سے ۴۵۱ تک کی گئی ہے۔ اور سب کے آخر مین بلاد عرب کا ایک نقشہ ہے۔

اگرچہ نام نہین لیا گیا ہے مگر زیادہ تر رُجحان اُنھین مسائل کی تحقیق کی طرف ہے جن سے سر سید نے مسیحیون کے اعتراضات دیکھ کے بحث کی تھی۔ اور علامہ شبلی بھی قریب قریب اُنھین نتیجون کو پہونچے ہین جو سید مرحوم نے بتائے تھے۔ مگر بحث اُن سے زیادہ تحقیق و تکمیل کے ساتھ کی گئی ہے۔

دیباچے مین ایک مقام پہ بتایا گیا ہے کہ سیرۃ ابن ہشام کے تمام راویون کی جناب مصنف مرحوم نے کتب رجال مین سے تخریج کی ہے۔ یہ ایک ایسی کوشش ہے کہ جس کو دیکھ کے ہم بے انتہا خوش ہوئے تھے۔ اس لیے کہ واقعی اس کی حد سے زیادہ ضرورت ہے۔ اور بغیر اس کے فن سیرۃ نبوی کبھی سچی تکمیل کو نہین پہونچ سکتا۔ مگر افسوس واقعات کے بیان مین کہین کسی جگہ پتہ نہین چلتا کہ اسناد کی تحقیق کرنے کے بعد کون سے روایات بہ اعتبار ضعف روایت ترک اور کون سے بلحاظ صحت روایت اختیار کیے گئے ہین۔ مبسوط کتب سیر مین سیکڑون ہزارون واقعات درج ہین جن کو ہمارے آخری سیرۃ نگار نے ترک کر دیا ہے مگر اس کا سبب کہین نہین بتایا گیا کہ کیون ترک کیا۔ اور نہ یہ بتایا کہ جو واقعات منتخب کر کے اختیار کر لیے گئے ہین وہ کس سند و وثوق سے اختیار کیے گئے۔ اور یہ ایسی فرو گذاشت ہے جس کی بنا پہ ہم کہہ سکتے ہین کہ اتنی

بڑی کوشش کے بعد بھی فن سیرۃ نبوی تشنہ و ناتمام رہ گیا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ مولانا شبلیؒ اگرچہ مورخ ہین مگر محدث نہین۔ مورخین حال کی شان یہ ہے کہ تاریخ کی رطب و یابس روایتون کا فیصلہ اپنے قیاس سے کرتے ہین۔ جس روایت کو اپنے مذاق مین اپنی ضرورت اور اپنے مقصد کے موافق پاتے ہین لے لیتے اور جو اپنے خلاف ہوتی ہے قیاسی آپریشن کا عمل کرکے اُسے ترک کر دیتے ہین۔ اور خرابی یہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم اپنے خیال مین اجتہاد اور اخذ مسائل کے متعلق فقہاے حنفیہ کا بھی یہی طرز عمل سمجھے ہوے تھے۔ حالانکہ فقہاے حنفیہ کی کبھی یہ شان نہین رہی۔ اس لیے کہ تحقیق مسائل مین فقہا ہمیشہ محدثانہ شان اختیار کرتے اور اہل حدیث کی جستجو ان کو کافی تحقیقات کے ساتھ چھیڑتے ہین۔ مولانا شبلی اگر محدثون کی شان اختیار کرتے تو اس کتاب کی یہ حالت نہ ہوتی اور اِس کی شان ہی کچھ اور ہوتی۔

دو ایک مسئلون مین اُنھون نے اس قسم کی محدثانہ بحث بھی کی ہے مگر وہ بھی اتنی مکمل نہین کہ اُس کے متعلق تمام روایتون کو بتا کے اُن کی توثیق یا تضعیف کی ہو۔

مگر یہ ایک محدثانہ کمی ہے۔ بہ حیثیت آج کل کے ہندوستانی طرز تصنیف کے دیکھا جاے تو سیرت نبوی مین یہ لاجواب اور بے مثل کتاب ہے۔ اُس سے گو علما کو فائدہ نہ پہونچے مگر انگریزی دان پبلک اور کالج کے نوجوان طلبہ کو بے انتہا فائدہ پہونچے گا۔ اور یہ علامۂ ممدوح کی ایسی برکت ہے جو ابدالآباد تک قائم رہے گی۔ اور سارے مسلمانون کو اُن کی اس جان فشانی کی قدر کرنا اور درگاہ حضرت رب العزت مین دعا کرنا چاہیے کہ اپنے حبیب حضرت رسول اکرم کے طفیل مین اُن کے مرتبے جنت الفردوس مین اعلیٰ کرے۔ اور مسلمانون کو اُن کے اس خیر جاریہ سے فائدہ اُٹھانے کی توفیق عطا کرے۔

اس کتاب کا جو نسخہ ہمارے سامنے ہے اُس کی قیمت چھ روپیہ ہے۔ آج کل کاغذ اور چھپائی کی جو حالت ہو رہی ہے اُس کے لحاظ سے قیمت بہت

مناسب رکھی گئی ہے۔ اس کے اعلے درجے کے کاغذ کے نسخے بھی ہین جن کی قیمتین زیادہ ہین شوقین امرا اور صاحب استطاعت قدردانون کو وہی نسخے خرید کے رکھنے چاہییے تاکہ دارالمصنفین اعظم گڈھ کے مہتممون کی حوصلہ افزائی ہو جن سے یہ کتاب مل سکتی ہے۔

مبادی علم انسانی - مشہور فلسفی مغرب برکلے کی معرکۃ الارا کتاب "پرنسپلز آف ہیومن نالج" کا ترجمہ جس مین مادیت کا ابطال ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ ذہن سے باہر مادہ کا کوئی وجود نہین ہے۔ ترجمہ کرنے والے مولوی عبدالباری ندوی اسسٹنٹ پروفیسر دکن کالج پونہ ہین اور "معارف پریس" اعظم گڈھ مین چھپکر دارالمصنفین اعظم گڈھ کی جانب سے شائع ہوئی ہے۔ ابتدا ۹ صفحون پر مترجم صاحب کا ایک دیباچہ ہے اُس کے ۱۳۴ صفحون پر اصلی ترجمہ ہے۔ اور آخر مین تیرہ صفحون پر ۱۴۰ اصطلاحون کی ایک فہرست ہے جس مین پہلے انگریزی حرفون مین انگریزی اصطلاح اُس کے مقابل اُس کا اردو ترجمہ اور اُس کے بعد ایک خانہ تشریح ہے جس مین اکثر اصطلاحون کی مزید تشریح کر دی گئی ہے۔ کتاب ۲۰×۲۶ تقطیع کے سفید ولایتی چکنے قیمتی کاغذ پر نہایت وضاحت صفائی اور نفاست سے چھپی ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ کاغذ و سامان طبع کی اس گرانی و نایابی کے زمانے مین ایسے اچھے ایڈیشن کا شائع ہونا بہت غیر معمولی اہتمام و خوبی کی دلیل ہے۔ قیمت مجلد کتاب کی فی جلد دو روپیہ اور غیر مجلد کی ۱۸؍ اس کے کاغذ و خوبی طبع کے لحاظ سے کوئی چیز نہین۔ عدیم الفرصتی کی وجہ سے اس کتاب کو ہم بالاستیعاب نہین پڑھ سکے۔ اور جستہ جستہ جس قدر دیکھا اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ کوشش جانکاہی اور تحقیق سے کیا گیا ہے۔ اور زبان صاف و شستہ اور غیر مغلق رہی ہے۔ مضامین کتاب پر بحث کرنے کی ضرورت نہین۔ اس لیے کہ نامور مصنف برکلے کا رتبہ ہماری ریویو نگاری کے درجے سے بہت اعلی ہے۔ ہم جو کچھ بحث کر سکتے ہین ترجمہ سے من حیث الترجمہ کر سکتے ہین۔ اور اس بارۂ خاص مین ہمین سرسری نظر مین کوئی قابل اعتراض بات نہین نظر آئی۔ اردو کے کسی علمی کتب خانے کو اس کتاب سے خالی نہ رہنا چاہیے۔

القانون فی علاج الطاعون - یہ ۲۰×۲۶ تقطیع پر حکیم محمد ہادی رضا صاحب تاہر لکھنوی

کا ایک قابل قدر اور بکار آمد رسالہ ہے جو ۸۵ صفحون پر ختم ہوا ہے۔ حکیم صاحب کا خاندان لکھنؤ کے ممتاز و سربرآوردہ اطبا مین ہے جس نے گذشتہ پچاس سال کے اندر ریاست رامپور مین بہت زیادہ نشو و نما پایا۔ اور اُن کے والد مرحوم حکیم محمد حسین رضا خان صاحب نے خاص لکھنؤ کے اندر طاعون کے علاج مین بہت غیر معمولی کامیابی و ناموری حاصل کی تھی۔ لہذا اس مین ذرا شک نہین کہ اس رسالہ مین وہ بیش بہا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے جو اُن کے والد بزرگوار اور خود اُنھون نے موذی اور جانستان مرض طاعون پر غالب آنے کے لیے سالہا سال کے وسیع تجربات سے فراہم کیا تھا۔ اور اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ طب یونانی کی بنا پر مرض طاعون کے متعلق اِس سے بہتر اور قابل وثوق اور کوئی تصنیف نہین ہو سکتی۔ اس مین طاعون کی تاریخ۔ اصلیت و ماہیت اُس کے اسباب و علامات۔ اور علاج ایسی وضاحت سے بتائے گئے ہین کہ ہر شخص اس کو اپنے پاس رکھ کے خود ہی طاعون کا علاج کر لے سکتا ہے۔ قیمت ۸ / ہے۔ اور حکیم محمد حبیب رضا صاحب سے دفتر مدرسۂ منبع الطب کٹرہ ابو تراب خان لکھنؤ کے پتے پر مراسلت کر کے طلب کیا جا سکتا ہے۔

قدردانون کو اطلاع

یوسف نجمہ اور ماہ ملک۔ یہ دونون پسندیدۂ عام ناول ایک مدت سے ختم ہو گئے تھے۔ صدہا درخواستین آئین اور فراہم نہ کیے جا سکے۔ اب کوشش کر کے یہ دونون ناول چھاپ کے تیار کر دیے گئے ہین۔ اور تمام شائقین اور تاجران کتب کو اطلاع دی جاتی ہے کہ یہ دونون ناول دلگداز پریس مین تیار موجود ہین۔ اور جتنی جلدین درکار ہون فراہم کر دی جائین گی۔ قیمت بھی بڑھائی نہین گئی۔ وہی ہے جو پہلی تھی۔ یعنی یوسف و نجمہ فی جلد ڈیڑھ روپیہ (عہ/) اور ماہ ملک۔ فی جلد دو روپیہ (عـ/)

دہلی اور لکھنؤ کی اردو

مدت دراز سے یہ جھگڑا چلا جاتا ہے جو کسی طرح سے طے نہیں ہوتا۔ اور وہی پرانے اعتراضات و شکوک ہیں جن کا بار بار اعادہ کیا جاتا ہے۔ دہلی والے کہتے ہیں کہ لکھنؤ والوں نے اردو میں عربی الفاظ اور فارسی بندشوں کو بے احتیاطی سے بھر دیا۔ رعایت لفظی ضلع جگت اور قافیہ پیمائی میں پڑ گئے۔ لکھنؤ والے کہتے ہیں کہ دہلی والوں کی زبان میں پنجابی مل گئی۔ وہاں کے لفظ وہاں کے لہجے۔ اور وہاں کی ترکیبوں میں ناگوار سختی اور خشکی ہے اور فارسی و ہندی جن کی آمیزش سے زبان اردو بنی ہے اُن کے امتزاج نے تکمیل کا درجہ نہیں حاصل کیا تھا اور خامی باقی تھی کہ دہلی اُجڑ گئی۔

لیکن یہ سب باتیں فضول ہیں۔ دہلی والوں کا اعتراض اگر صحیح بھی ہو تو فارسی و عربی کے الفاظ کا بھرتی ہونا ایسی غیر مانوس و ناشناسا زبان سے متاثر ہونا تھا جو ہندی فارسی ہی کے آغوش میں پلی تھی۔ اس زبان سے سبق لے کے اُس نے اپنی حیثیت کذائی حاصل کی تھی اور اُردو کے شعرا متقدمین اُسی رجحان و شوق سے فارسی و عربی کے الفاظ کو اختیار کرتے چلے آئے تھے جس طریقے سے کہ لکھنؤ والوں نے لیا۔ علیٰ ہذا القیاس رعایت لفظی اور مناسبات صوری و معنوی کا لحاظ شعرائے فارس و عرب کو ویسا ہی تھا جیسا کہ لکھنؤ میں سب کو یا بعض لوگوں کو ہو گیا۔

دہلی کی زبان پر پنجابی کا اثر پڑنے کے بھی کوئی معنی نہیں۔ اہل لکھنؤ کو دہلی کے جو الفاظ ناپسند ہیں اپنی زبان پر غیر مانوس معلوم ہوتی ہیں

اُن کی نسبت عموماً کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ پنجابی کا اثر ہے۔ ممکن ہے کہ بعض ایسے الفاظ اور محاورے پنجاب کی زبان سے ملتے ہوں اس لیے کہ پنجاب دہلی سے قریب ہے مگر اُن کی نسبت یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وہ پنجابی زبان کے اثر سے دہلی میں پیدا ہو گئے۔ یہ کیوں نہ کہا جائے کہ دہلی سے پنجابی میں پیدا ہو گئے۔ بعینہٖ اسی طرح اہلِ دہلی کہہ سکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لکھنؤ کی اردو پر پوربی بھاشا کا اثر پڑ گیا۔ اور وہ بھی پر منحصر نہیں دنیا کی جو دو زبانیں ایک دوسرے سے قریب بولی جاتی ہوں گی اُن کا اثر ایک دوسرے پر ضرور پڑا کرتا ہے۔ مگر یہ دعویٰ کہ اُس اثر سے زبان بگڑ گئی یا بنی ایک غیر موجہ اور فرضی چیز ہے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی ہوسکتا ہے کہ دہلی میں اردو ہندی کی آمیزش عمدہ اور مکمل مزاج نہیں ہے اگر [illegible] اس لیے کہ اصلی اردو کا کوئی صحیح معیار نہیں قرار دیا جا سکتا۔

اور لطف یہ ہے کہ لکھنؤ اور اہلِ دہلی کی زبان میں جو [illegible] اُس کو تعلق نہ فارسی الفاظ کے زیادہ داخل ہونے سے ہے نہ پاس پڑوس کی زبانوں سے اثر پذیر ہونے سے بلکہ اصلی اختلاف چند لفظوں کی تذکیر و تانیث چند محاوروں۔ اور دونوں مقامات کے لہجے اور طرزِ ادا میں ہے۔ جو بجائے خود دونوں مابہ البحث شہروں کے خصوصیات میں سے ہیں جن کا محاکمہ نہ کسی منطقی اصول یا کسی مسئلۂ علم معانی و بیان سے ہو سکتا ہے اور نہ کسی ادبی استدلال سے۔

واقعہ یہ ہے کہ اردو زبان آگرے اور دہلی میں پیدا ہوئی۔ اور وہیں نشو و نما پا کے اُس نے اپنی موجودہ صورت پیدا کر لی۔ شجاع الدولہ آصف الدولہ اور سعادت علی خان کے زمانوں میں دربارِ دہلی کی کمزوری و بے بضاعتی اور لکھنؤ کے نوابی دربار کی دولتمندی و قدردانی کی وجہ سے قریب قریب دہلی کے تمام صاحبانِ کمال عام اس سے کہ کسی فن اور کسی طبقے کے ہوں لکھنؤ میں کھنچ آئے۔ اور جو چند دہلی میں پڑے رہ گئے وہ بھی لکھنؤ کو حسرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اس لیے کہ وطن میں محفلہائے شعر و سخن کا چراغ گل ہو گیا تھا یہ جمگھٹا لکھنؤ میں جمع ہو گیا تو جب تک وہ صاحبانِ کمال زندہ

[illegible] جو دہلی سے آئے تھے سمجھتے رہے کہ وہی دہلی کی سبھا اور وہ
[illegible] گھر نہیں [illegible] کے بعد اُن کی اولاد [illegible] کی غلامی
[illegible] ہوئے [illegible] آیا۔ [illegible] دہلی اساتذہ کی شاگردی پر ناز کرتے
جو لکھنؤ [illegible] سکھایا [illegible] جس کو سب سے زیادہ
[illegible] علم منطق و فلسفہ اور فقہ و اصول فقہ
[illegible] درسگاہ لکھنؤ تھا [illegible] لکھنؤ کے سب سے قصبات مثلاً [illegible]
گوپامؤ امیٹھی وغیرہ کئی علم و فضل کی مستقل درسگاہیں تھے۔ جہاں
[illegible] طبیعی [illegible] کر آتے [illegible] رہ گئے [illegible] پیدا کرتے
[illegible] کے علاوہ اردو کا ادبی مذاق [illegible] کا ذوق بھی
[illegible] پیشتر کہ اردو زبان گو کہ دہلی میں پیدا ہوئی
[illegible] ہندوستان میں اُس کی اشاعت لکھنؤ کے ذریعے سے ہوئی
لکھنؤ کی [illegible] ادبی [illegible] اردو کے دو جداگانہ
[illegible] کہ ایک دہلی کا اور ایک لکھنؤ کا اور سارا ہندوستان
[illegible] دونوں [illegible] بٹ گیا [illegible] چاہئے
[illegible] لحاظ [illegible] کیا ہے تمام ہندوستان
[illegible] مرکز زبان مانا جاتا ہے۔ لہٰذا
[illegible] گڑھ مراد آباد بدایوں [illegible] بریلی [illegible]
[illegible] ان کے پیرو [illegible] کلکتہ تک لکھنؤ کی زبان کا
[illegible] جاتا ہے اور [illegible] شعرا و زباندان لکھنؤ کے اسکول کے پیرو
[illegible] شاہجہاں پور کانپور جونپور فیض آباد گورکھپور [illegible]
[illegible] غازی پور پٹنہ عظیم آباد مرشد آباد ڈھاکہ کلکتہ۔ ان سب مقامات
کے لوگ لکھنؤ کی زبان کو دہلی پر ترجیح دیتے ہیں۔

رہا جنوبی ہند وہاں کے لوگوں کا کوئی عام مذاق یا رجحان
[illegible] ہے بلکہ جس [illegible] میں جس شہر کا اُستاد پہونچ گیا اپنا سکہ جما لیتا ہے
لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ حیدرآباد میں اگرچہ زبان اور [illegible]

دہلی سے گئی۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ پہلے اُستادان اردو دکن ہی مین پیدا ہوئے اور زبان اُردو جا کر دہلی سے دکن مین گئی ہو۔ مگر اردو شاعری دکن سے دہلی مین آئی لیکن آخر مین شعراے دہلی لکھنؤ کا ایسا سکہ جما کہ سارے دکن کے شعرا کو اُن کے آگے سر جھکا دینا پڑا۔ اور ضروری ہو گیا کہ دہلی یا لکھنؤ مین سے کسی ایک شہر کی زبان کو اختیار کرین۔ رشید الدین خان نے اپنی تاریخ رشید الدین خانی مین زبان لکھنؤ کی خوبی کو بڑے زور سے تسلیم کیا ہے۔ اور چند روز پیشتر وہان عام رجحان زبان لکھنؤ کی طرف تھا۔ داغ مرحوم کے اثر سے بہت سے دلون پر دہلی کا سکہ جما یا۔ مگر اُن کے زمانے ہی مین امیر مرحوم کا بہت کچھ اثر موجود تھا جس کو اب حضرت جلیل نے زندہ کر دیا۔ اور فی الحال حیدر آباد کی شاعری کا رجحان جس قدر حضرت جلیل اختر مینائی۔ اور مولوی سید علی حیدر صاحب نظم لکھنوی کے کلام اور اُن کی زبان کی طرف ہے دہلی کی زبان کی طرف نہین۔ یمین السلطنتہ مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر بھی جو بجاے خود ایک شاعر شیوا بیان اور ادیب بے ہمتا ہین پنڈت رتن ناتھ سرشار اور دیگر اساتذۂ لکھنؤ کی دوستی کی بدولت لکھنؤ کی زبان کے مربی ہین۔ اور جہان تک میرا خیال ہے اعلیحضرت محی الملتہ و الدین خسرو دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے کلام سے اُن کا رجحان بھی لکھنؤ ہی کی طرف پایا جاتا ہے۔ لیکن وہین ہمارے مکرم دوست مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ اپنے وطنی اثر اور علیگڈھ کی تعلیم کی برکت سے دہلی کے اسکول زبان کے دلدادہ ہین۔ اس مین کوئی مضائقہ نہین۔ مگر اُن کے اس رجحان کا اگر یہ نتیجہ ہو کہ انجمن ترقی اردو کی ہر کتاب کے دیباچے مین لکھنؤ کی اردو پر حملے کیے جائین تو ضرور افسوس کے قابل ہوگا۔ اس سے وہ اردو کو فائدہ نہین بلکہ نقصان پہونچائین گے۔

لکھنؤ اور دہلی کی زبانون کا محاکمہ کرنا اُن کا یا میرا یا کسی شخص کا کام نہین ہے۔ یہ مسئلہ اب اس درجے سے گزر گیا کہ کسی کے فیصلہ کرنے سے فیصلہ ہو جائے۔ یا جھگڑا مٹ جائے۔ غذا۔ خوشبو۔ نغمہ۔ اور اس قسم کے صدہا ذوق ہین جو "العادۃ کالطبیعتہ الثانیہ" کے اثر سے انسان کے دماغ مین بس جاتے

جبن اور پھر اُن سے اس قدر متاثر ہو جاتا ہے کہ کوئی فیصلہ اور کوئی فلسفہ
ان کے اثر پر غالب نہین آسکتا۔ ایک غذا یورپ والون کو سب سے زیادہ
لذیذ ایک خوشبو اہل فرنگ کو سب سے بڑھ کے فرحت بخش اور ایک نغمہ
اہل مغرب کو لذیذ ترین غذا سے روح معلوم ہوتا ہے مگر ہندوستان والون
کو وہ تینون نہایت ہی بدمزہ دماغ سوز اور عذاب جان محسوس ہوتے ہین۔
کوئی صاحب ہین جو اس کا فیصلہ کر دین یا اس جھگڑے کو مٹا دین؟

یہی حالت زبان کی ہے ایک بچہ جس سرزمین مین پیدا ہوتا جس آغوش
مین پلتا جن بچون مین کھیلتا جن دوستون سے ملتا جلتا ہے اُن کی زبان اُس
کے دل و دماغ مین جم کے بیٹھ جاتی ہے اور وہی زبان اس کو دنیا کی بہترین
زبان نظر آنے لگتی ہے۔ جس طرح ایک بچہ مسلمان گھر مین پیدا ہو کے بے دلیل
خدا کو مانتا ہے اُسی طرح ایک لڑکا کسی زبان کو آغوش مادر مین سیکھ کے بے دلیل
اس کی خوبیون کا قائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس بات کی امید رکھنا حماقت
ہے کہ جو بچہ دہلی و توابع دہلی مین پیدا ہو کے۔ وہان کے آغوش مین پل کے
اور وہان کی صحبتون مین اُٹھ بیٹھ کے بڑا ہوا ہے۔ لکھنؤ کی زبان کو پسند کریگا۔
اور اسی طرح اس کے برعکس یہ خیال کرنا بھی جنون ہے کہ جو لوگ لکھنؤ اور توابع
لکھنؤ مین پیدا ہوے ہین اور وہین کی سوسائٹیون مین اُن کا نشو و نما ہوا ہے
وہ دہلی کی زبان کو کسی دلیل یا فیصلہ سے مان لین گے۔ مین ہون یا ہمارے دوست
مولوی عبدالحق صاحب دونون پر یہی اثر پڑا ہوا ہے۔ اور اُس کا نتیجہ یہ ہے
کہ اپنی زبان کی خوبیون کے دلدادہ ہین اور دوسرے اسکول کی
زبان پر اعتراض اور نکتہ چینیان کرتے ہین جن سے سوا اپنا دل خوش کر لینے
کے کوئی نتیجہ نہین حاصل ہو سکتا۔ مولوی عبدالحق صاحب اطراف میرٹھ مین
پیدا ہوئے۔ اور علیگڈھ مین تعلیم پائی۔ یہ دونون شہر زبان دہلی کے
زیر اثر ہین۔ اس لیے اُن سے کا تنفس کسے بجز اس کے کہ لکھنؤ کی زبان کو پسند
نہ کرین ہم اور کوئی امید بھی نہین کر سکتے۔ بیشک زبان مین لکھنؤ والون کے
تصرفات اُن کو ناگوار گزرتے ہون گے۔ مگر اس ناگواری کو انھین تھوڑی

نفس کشی اختیار کر کے برداشت کرنا چاہیے - کیونکہ اس تنازع مین وہ قاضی نہین بلکہ فریق ہین -

قابل لحاظ فقط اُن لوگون کا بیان ہو سکتا ہے جو ہون تو لکھنؤ کے اثر کے ساختہ و پرداختہ مگر زبان دہلی کی تعریف مین رطب اللسان ہون یا بہ خلاف اس کے اُنھون نے دہلی مین نشو و نما پایا ہو اور زبان لکھنؤ کی مدح سرائی کرتے ہون - مثلاً غالب مرحوم اگرچہ دہلی کے استاد عدیم المثال اور شاعر صاحب کمال تھے مگر لکھنؤ کے حد سے زیادہ مدح خوان تھے اور تسلیم کرتے تھے کہ دہلی کی زبان مٹ گئی -

یا مرزا رجب علی بیگ صاحب سرور جو اکبر آباد آگرہ مین پیدا ہوے وہین نشو و نما پایا - نا تجربہ کار ہی تھا جب لکھنؤ مین آگئے - اور یہان کی معاشرت اور زبان اس قدر پسند آئی کہ بہ آواز بلند مدح خوانی کرنے لگے - اور اس کا یہ انعام ملا کہ وہ لکھنؤ والے خیال کر کے مورد سہام بن گئے - مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم باوجودیکہ ثقہ آدمی تھے اور جانتے تھے کہ مرزا رجب علی بیگ صاحب بھی ایک شریف آدمی ہین اُن سے دست و گریبان ہو گئے - اور اُنھین "لکھنؤ کا شہدا" کہدیا - اور آج تک اکثر آپے سے باہر ہو جانے والے دلدادگان زبان دہلی جب قلم اُٹھاتے ہین اُن کی یہ سنت ادا کرنے کے لیے مرحوم مرزا صاحب کو دو ایک گالیان ضرور دے دیا کرتے ہین - اور اس کا خیال نہین کرتے کہ وہ بیچارے تو خاص اکبر آباد کے رہنے والے اور دہلی کے اسکول زبان کے ساختہ و پرداختہ تھے - تلاش معاش مین لکھنؤ مین آئے - لوگون نے قدر کی دیگر صاحبان کمال کی طرح ہاتھون ہاتھ لیا - اور اُستاد بنا دیا - رہا اُن کا رنگ عبارت تو اُن کے زمانے تک لکھنؤ ہو یا دہلی سب جگہ کا وہی رنگ تھا جو فارسی کی نثاری سے ماخوذ تھا - اُسی رنگ کو اُن دنون تمام اہل علم لکھنؤ کے ہون یا دہلی کے پسند کرتے تھے - اور اگر انگریزی تعلیم نے ترقی کر کے اردو کے لیے ترقی کی سڑک نہ بدل دی ہوتی تو آج بھی سب جگہ وہی رنگ ہوتا -

اس رنگ کو لکھنؤ کا رنگ بتانا ہی غلطی ہے - اس لیے کہ وہی نثر

اردو کا وہ قدیم رنگ تھا جو دہلی سے لکھنؤ میں آیا۔

بہرحال ان بحثوں میں پڑنے کا کوئی نتیجہ نہیں ہے۔ اب سب جگہ اردو کا وہی رنگ ہے جس کا آغاز انگریزی اثر اور انگریزوں کی رہبری میں میر امن سے ہوا تھا۔ غالب نے اس میں اور سادگی پیدا کی۔ آزاد مرحوم نے مشرقی و مغربی رنگ کو ملا کے ایک نیا رنگ پیدا کیا۔ اور چند روز میں سارے ہندوستان کی نثر ایک ہی وضع کی ہو کے ایک سطح پر آ گئی۔

ابو دُلامہ

کسی دن ابو دلامہ کا گزر ایک بردہ فروش کی دکان کی طرف سے ہوا۔ بے تکلف اندر چلے گئے۔ اور ایک سے ایک زیادہ حسینہ و جمیلہ کنیزیں دیکھیں۔ وہاں سے اٹھ کے [illegible] ہوتے ہوئے خلیفہ مہدی کے پاس گئے اور چند معاشقانہ شعر سنائے جن کا ماحصل یہ تھا کہ "اگر تو عیش بے غش چاہتا ہے تو بردہ فروشی اختیار کر۔ روز نئی نازنین دیکھا کر کہ وہ ملتی ہیں جو ہر شب نئی دلہن بن جاتی ہیں اور روز نیا مزہ دیتی ہیں"۔ اس کے مقابل شادی اور ایک عورت کا پابند ہو جانے کی مذمت کی تھی۔ مہدی ان شعروں کو سن کے بہت ہنسا۔

ایک دن آپ ابو جعفر منصور کے سامنے گئے اور نظم میں یہ مضمون عرض کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور نے مجھے خلعت پہنایا اور میرا سارا قرضہ ادا کر دیا۔ وہ خلعت بنفشہ اطلس کا ہے اور اس کو پہن کے میں بڑا شاندار آدمی بن گیا ہوں۔ لہذا حضور اس کی تعبیر پوری کر دیں۔ منصور ان کا اس درجہ قدردان تھا کہ خواب پورا کر دیا۔ مگر اس کے ساتھ کہا مہربانی کر کے پھر ایسا خواب نہ دیکھیے گا۔ ورنہ میں سمجھوں گا کہ یہ "اضغاث احلام" ہیں یعنی خواب میں آپ کو شیطان نے بہکا دیا ہے۔ یہ سن کے آپ دربار سے نکلے۔ اور کسی شراب خانے میں جا کے خوب پی اور جھومتے ہوئے باہر نکلے۔ رستے میں محتسب نے دیکھا۔ فوراً گرفتار کر لیا اور پوچھا "تو کون ہے؟ اور تیرا

مذہب کیا ہے؟" آپ نے نظم مین جواب دیا کہ "میرا دین دین بنی عباس ہے۔ مین نے صبوحی کے چار جام پیے ہین جن کسے دماغ چکر کھا رہا ہے۔ مگر مین نے جو یہ اقرار کر لیا اس مین کوئی مضائقہ تو نہین ہے؟" اس کے بعد محتسب کے سپاہیون سے آپ سے ہشت مشت ہوئی جس مین وہ خلعت جا بجا سے پھٹ گیا۔ اور اُسی حالت مین اُنھون نے لیجا کے منصور کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اِن کو اس وقت نشۂ صہبا کی ترنگ تھی۔ مین کچھ ہوش تو تھا نہین کہ کچھ پوچھتا۔ حکم دیا کہ قصر کے باہر جو مرغی خانہ ہے اُنھین اُس مین لیجا کے بند کر دو۔ فوراً اِس کی تعمیل ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد جب آنکھ کھلی آپ اپنی لونڈی اور غلام کو نام لے لے کے پکارنے لگے۔ مگر جواب کے عوض مین مرغے بانگ دیتے۔ جب دیر تک یہی حالت رہی تو جو شخص دڑبون کی حراست پر مامور تھا اس نے پوچھا "کیا حال ہے؟" بولے "کمبخت تو کون ہے؟ اور مین کہان ہون؟" اس نے کہا "مین مرغ خانے کا داروغہ ہون۔ اور تم یہان قید ہو" انھون نے پوچھا "اور مجھے قید کس نے کیا ہے؟" جواب ملا "امیر المومنین نے" پوچھا "اور میری یہ قبائے حریر کس نے پھاڑ ڈالی؟" اس نے کہا "محتسب کے سپاہیون نے" تب آپ نے کہا "اچھا تو ذرا مجھے قلم دوات کاغذ لا دو" اُس نے لا دیے۔ اور آپ نے وہین بیٹھے بیٹھے چند شعر لکھ کے اُسے دیے اور کہا ان کو امیر المومنین تک پہونچا دو۔ اِن اشعار کا مضمون یہ تھا کہ "امیر المومنین میرے مان باپ آپ پر فدا ہون یہ کس جرم پر مین قید کیا گیا اور میرے کپڑے پھاڑ ڈالے گئے؟ آیا یہ قید پاکیزہ شراب زعفرانی کا خمیازہ ہے جس کی شعاعین چراغ کی طرح روشن ہین؟ مین تو بے خطا و جرم مقید کیا گیا ہون گویا لوگون نے مجھے کوئی نادہندہ ملک تصور کر لیا ہے۔ اور کاش مین اُنھین کے ساتھ قید ہوتا کیونکہ یہ آسان تھا۔ مگر مین تو مرغیون کے دڑبے مین بند ہون" اس کے بعد اُسی نظم مین اپنے گناہون کا اقرار اور امید عفو کا اظہار تھا۔ یہ اشعار پڑھ کے منصور نے اپنے سامنے بلوایا۔ اور صورت دیکھتے ہی پوچھا "ابو دلامہ کہان تھے؟" عرض کیا "مرغیون کے دڑبے مین" پوچھا "وہان کیا کرتے تھے؟" کہا "رات بھر مرغون کے ساتھ ککڑون کون بولتا رہا" اس جواب پر منصور ہنسا۔ اور انعام دے کے رخصت کیا۔

آپ انعام لے کے چلے تو منصور کو اُس کے ایذا کا رنج ہوا ربیع نے یاد دلایا کہ "امیرالمومنین۔ اس شخص نے تو رات کو شراب پی تھی" سنتے ہی منصور نے حکم دیا کہ "اسے پھر پکڑ لاؤ" اور جیسے ہی آپ اُس کے سامنے جا کے کھڑے ہوئے بولا "خبیث۔ تُو نے شراب پی تھی؟" کہا "جی نہیں تو" اُس نے کہا "خوب! تم نے تو اپنے شعروں میں کہا ہے "خدا کی آگ میں پکائی ہوئی یعنی آفتاب کی گرمی میں تاؤ کھائی ہوئی۔ اور یہ شراب کے سوا کون چیز ہو سکتی ہے؟" آپ نے کہا "جی نہیں۔ میری مراد خدا کی آگ سے آفتاب نہیں بلکہ نار اللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ ہے" اس جواب میں قرآن کی آیت سے آپ نے اس تاویل کے ساتھ فائدہ اُٹھایا تھا کہ منصور ہنس پڑا ربیع نے جھینپ کے سر جھکا لیا۔ آپ چلتے بنے۔ اور منصور نے ربیع سے کہا "دیکھو پھر کبھی اسے نہ چھیڑنا"

خواب والا فقرہ خلیفہ مہدی تک محدود نہ تھا ایک دن کوفے کے بازار میں آپ جا رہے تھے سامنے ایک خرما فروش نظر آیا جو ٹوکرے میں خرمے لیے بیچ رہا تھا۔ آپ نے اُس سے بھی نظم میں کہا "میں نے رات کو خواب دیکھا کہ تم نے مجھے خرمے کھلائے ہیں" اُس نے خرموں کے دو انجورے دے دیے اور کہا "اگر پھر بدلی فرما کے پھر یہ خواب نہ دیکھیے گا ورنہ تعبیر اُلٹی ہوگی"

خلیفہ مہدی نے سفر کیا ہوا تھا۔ وہاں سے بغداد میں واپس آیا تو آپ حاضر ہوئے اور نظم میں مذاق کے ساتھ عرض کیا "میں نے نذر مانی تھی کہ جب حضور اصل خیر سے واپس آئیں گے تو رسول اللہ صلعم پر درود بھیجیں گے اور میرے دامن کو درہموں سے بھر دیں گے" اُس نے ہنس کے کہا۔ درود تو میں بھیجے دیتا ہوں اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم۔ رہے درہم تو وہ نہیں دیتا" عرض کیا "امیرالمومنین کی شان سے بعید ہے کہ دو صورتوں میں سے وہ اختیار کریں جو دونوں میں آسان ہے۔ چاہیے تھا درود نہ بھیجتے مگر روپوں سے دامن بھروانا ضروری تھا" مہدی نے اس پر خوش ہو کے آپ کا دامن بھی درہموں سے بھروا دیا۔

اسی خلیفہ مہدی کا زمانہ تھا اور ماہ مبارک رمضان سخت

گرمیون مین پڑا تھا۔ اور لوگ بڑی مشقت سے روزے رکھ رہے تھے۔ ابودُلامہ نے خلیفہ سے کسی رقم کا تقاضا کرنا چاہا جس کا اُس سے وعدہ کیا گیا تھا چنانچہ ایک کاغذ پر چند اشعار لکھ کے اُس کے پاس بھیجے جن مین پہلے روزون اور سخت گرمی کی شکایت تھی اور اُس کے بعد یہ مضمون تھا "امیرالمومنین سے اُسی صلۂ رحم کے حق کا دعویٰ کرتا ہون جس نے نزدیک اور دور والون کو سلسلۂ قرابت مین جوڑ دیا ہے۔ رمضان آیا اور مین نے عبادت گزارون کے روزے رکھے۔ اور اُن کے ثواب کا امیدوار ہون۔ مگر گرمیون کی اس شدت اور روزون سے بجاے ثواب کے عذاب دوزخ یاد آگیا۔ اور سجدے یہان تک کیے کہ مسجد کے سنگریزون سے پیشانی چھل گئی۔ ایسے مین حضور نے جو وعدہ فرمایا ہے پورا کرین کہ ان مصیبتون مین ذرا تسکین ہو"

اِن اشعار مین "صلۂ رحم" کے الفاظ سُن کے مہدی نے نہایت ہی برافروختہ ہو کے کہا "حرامزادے! مجھ سے تجھ سے قرابت کون سی ہے؟" عرض کیا "حضور آدم و حوا کے رشتے کو بھول گئے؟" اس جواب پر مہدی بے اختیار ہنس پڑا۔ اور بولا "نہین نہین۔ اس رشتے کو مین نہین بھول سکتا۔ پھر وعدے سے زیادہ انعام دے کے رخصت کیا۔

ابوجعفر منصور کے مرنے پر ابودُلامہ اُس کی بیوی اُم سلمہ بنت یعقوب کے پاس گیا۔ رسم تعزیت ادا کی۔ خوب رویا۔ اور اُسے رُلایا۔ پھر چند اشعار اُس کے مرثیے مین کہہ کے سوز و گداز کے لہجے مین سُنائے۔ اُم سلمہ بولی "ابودُلامہ اُن کی وفات کا جس قدر صدمہ مجھے اور تمھین ہوا ہے اور کسی کو نہین ہوا" آپ نے رونی آواز مین کہا جی آپ کا اُن کے سوا کوئی شوہر نہین اور مین تو اُن کا بیٹا بھی نہین بن سکتا" یہ سنتے ہی اُم سلمہ بے اختیار ہنس پڑی حالانکہ اُس وقت تک اس سانحے کے بعد اُس کے ہونٹون پر مسکراہٹ بھی نہین نمودار ہوئی تھی۔ پھر ابودُلامہ سے کہا "تم بڑے شریر ہو۔ کمبخت شیطان سے بھی بات کرو گے تو اُسے ہنسا دو گے"

ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ زار و قطار روتے ہوئے خلیفہ مہدی کے پاس پہونچے۔ اُس نے پوچھا "خیریت تو ہے" کہا "خیریت کہاں؟ اُم دُلامہ مر گئیں" اس نے بہت افسوس کیا۔ تسلی دی۔ کپڑون کے تھان عطر۔ اشرفیان دین اور کہا "صبر کرو اور جاؤ اُن کی تجہیز و تکفین کا سامان کرو" جس وقت یہ خلیفہ کے پاس آنسو بہا رہے تھے اُسی وقت اُم دُلامہ محل مین ملکہ خیزران کے پاس روتی اور آہ و زاری کرتی ہوئی گئی۔ اور کہا "ہائے کیا کرون مین بیوہ ہو گئی۔ افسوس ابو دُلامہ مر گئے"۔ اُس نے بھی اُس کے آنسو پونچھے اور تھان عطر اور اشرفیان دے کے رخصت کیا۔ رات کو جب مہدی خیزران سے ملا تو دونون مین دیر تک اس پر بحث رہی کہ دونون میان بیوی مین سے کون مرا۔ اور تحقیق کے بعد جب معلوم ہوا کہ دونون زندہ بیٹھے ہین تو مہدی اور خیزران کے ہنسنے کی کوئی حد نہ تھی۔

یہ واقعہ الف لیلہ کے ایک قصے مین بھی ہے۔ مگر اصل مین وہ ابو دُلامہ کے اس واقعے ہی سے لیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ابو دُلامہ کا زمانہ الف لیلہ کی تصنیف سے بہت پیشتر کا ہے۔

ایک بار ابو دُلامہ بقرعید کے دربار مین منصور کے سامنے گیا۔ اور عید قربان کی قربانی کے ثواب مین چند شعر پڑھے منصور نے پوچھا "تم بقرعید مین کتنی بکریان قربانی کرتے ہو؟" بتایا "زیادہ نہین فقط چوبیس بکریان ہوتی ہین" منصور اس وقت ان پر اس قدر مہربان تھا کہ حکم دیدیا ہر عباسی و ہاشمی رئیس ہر بقرعید مین ابو دلامہ کو چوبیس دینار دیا کرے۔ یہ معمول ہو گیا اور چند سال بعد اتفاقاً عباس بن محمد سے رقم نہین وصول ہوئی۔ اور ذی الحجہ کے عشرہ اول ہی مین ابو دُلامہ تقاضے کے لیے اُن کے پاس پہونچا۔ اُنھون نے پوچھا "تمھارا بیٹا تو مر گیا ہے نا؟" کہا "جی ہان وہ مجھے داغ دے گیا" عباس نے کہا "تو پھر اُس کی بابت دو دینار کاٹ لیے جاتے ہین" یہ کہہ کے بائیس دینار اُس کے حوالے کیے۔ ابو دُلامہ نے کہا "ایسا نہ کیجیے میرا بیٹا مر گیا تو مجھ پر دو بچون کا بار چھوڑ گیا ہے"۔ مگر عباس نے سماعت نہ کی۔ مجبوراً ابو دُلامہ واپس آیا اور گھر مین آتے ہی عباس کی ہجو مین تین شعر کہہ دیے۔ وہ شعر ابو جعفر منصور کے گوش گزار ہوئے تو پہلے بہت ہنسا

پھر برہم ہوا۔ اور عباس کو حکم دیا تمھاری اس غلطی کی سزا یہ ہے کہ جو کچھ دے چکے ہو اُس کے علاوہ اور چوبیس دینار آبو دُلامہ کو دو"۔

ان باتوں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اُس عہد کے تمام دولتمندون اور والیان ملک پر آبو دُلامہ کا کیا کچھ اثر پڑا ہوگا۔ اُس کی بیباکی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ کسی کو خطرے مین نہ لاتا اور عدالت تک پر اُس کا دباؤ پڑتا۔

ایک بار آبو دُلامہ کے مسکونہ مکان کے متعلق کسی شخص نے دعوے کیا کہ میرا ہے۔ مقدمہ عدالت مین پہونچا۔ اور اُس زمانے مین ایک قاضی صاحب تھے عافیہ اُن کے اجلاس مین پیش ہوا۔ کارروائی شروع ہونے سے پہلے آبو دُلامہ نے تین شعر فی البدیہ کہہ کے سُنائے۔ جن کا مضمون یہ تھا کہ شریر لوگون نے جھگڑا نکالا۔ اور مین سال بھر سے لڑ رہا ہون۔ خدا نے میری کسی دلیل اور حجۃ کو ذلیل نہین کیا اگرچہ بعض قاضی ایسے ہین جن کے جور سے مین ڈرتا ہون مگر اے قاضی عافیہ تمھارے جور سے اندیشہ نہین ہے"۔ سن کے قاضی صاحب کو طیش آگیا۔ کہا "اچھا ٹھہرو۔ مین امیرالمومنین کی خدمت مین تمھاری شکایت کرونگا اور کہون گا کہ داب ناجائز ڈالنے کے لیے تم نے میری ہجو کہی"۔ آبو دُلامہ نے کہا "اگر آپ نے ایسا کیا تو اِس منصب قضا سے برطرف کر دیے جائیے گا"۔ قاضی صاحب نے پوچھا "کیون؟" کہا "اس لیے کہ امیرالمومنین کہین گے آپ کو مدح و ذم کا امتیاز نہین ہے تو آپ فیصلے کیا کرتے ہون گے؟" اس جواب پر قاضی عافیہ صاحب خاموش ہو گئے۔ اور خلیفہ منصور نے جب یہ واقعہ سنا تو مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ اور آبو دُلامہ کو اس پر انعام دیا۔

ایک روز مہدی کی صحبت مین تمام ہاشمی و عباسی معززین جمع تھے اور کل اکابر خاندان اپنے اپنے قرینے سے بیٹھے ہوئے تھے کہ آبو دُلامہ آگیا اور سب اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مہدی نے کہا "خوب آئے۔ تم بڑے ہجو کہنے والے ہو تو حاضرین مین سے کسی ایک کی ہجو کہو"۔ انھون نے عذر کیا۔ مگر مہدی قسم کھا گیا۔ کہ آج مین شریک صحبت لوگون مین سے کسی ایک کی

خود مہدی کے بغیر نہ چھوڑونگا۔ اب آپ سب سٹی بھول گئے۔ اور ایک ایک کی طرف دیکھنے لگے کہ کس کی ہجو کہوں۔ اور جس سے نظر دو چار ہوتی وہ اشارہ ون میں کہتا مجھے بچا ئیے گا۔ مین تو آپ کا دوست اور خیر اندیش ہون" دل میں کہا آج بے موت مرا۔ یہاں معمولی کوئی شخص نہیں۔ لنکا مین جو ہے باون گز کا۔ اور جس کی نسبت ایک کلمہ بھی نہ ان سے نکالونگا دشمن ہو جائے گا۔ سوچتے سوچتے آپ نے خود اپنی ہجو کی۔ اور ایسے مسخرہ پن سے اپنے کو بنایا اور اپنے اوپر پھبتیاں کہیں کہ جب وہ اشعار سنائے تو سب مارے ہنسی کے بیتاب ہو گئے۔ مہدی بہت ہی خوش ہوا۔ اور حاضرین مین سے کوئی نہ تھا جس نے اپنے حوصلے سے زیادہ انعام نہ دیا ہو۔

خلیفہ مہدی اور عباسی امیر علی بن سلیمان دونون ایک دن شکار کو گئے اور ابو دُلامہ ساتھ تھا۔ جنگل مین ہرنون کا گلہ نمودار ہوا۔ اُن پر کتے چھوڑے گئے اور دونون نے اُن کے پیچھے اپنے گھوڑے ڈال دیئے۔ موقع پر پہونچ کے دونون نے کمانین کھینچ کھینچ کے تیر مارے۔ مہدی کے تیر نے ایک ہرن کو گرا دیا۔ اور علی بن عباس کا تیر ایک کتے پر پڑا۔ جو زخمی ہو کے مر گیا۔ اس پر ابو دُلامہ نے برجستہ چند شعر کہہ کے سُنائے۔ مضمون یہ تھا کہ "شکار مین مہدی نے ہرن اور علی بن سلیمان نے کتا مارا۔ دونون کو مبارک ہو اور دونون اپنا اپنا شکار تناول فرمائین" یہ اشعار سُن کے مہدی کی یہ حالت ہوئی کہ ہنستے ہنستے پیٹ مین بل پڑ گئے۔ قریب تھا کہ مارے ہنسی کے گھوڑے پر سے گر پڑے۔ پھر بہ مشکل ہنسی روک کے کہنے لگا "خدا کی قسم ابو دُلامہ نے سچ کہا۔ اور انعام دلوایا اسی گھڑی سے اور صرف ان شعرون کی وجہ سے سارے خاندان بنی عباس مین علی بن سلیمان کا لقب "صائد الکلب" یعنی کتا شکار کرنے والا مشہور ہو گیا۔

ابو دُلامہ کا مکان قصر خلافت سے ملا ہوا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ ایک دن منصور کے سامنے اُس نے ایک نظم پڑھی جس مین اپنی مان کی خدمت کی تھی۔ اُس کے بڑھاپے اور بار ہونے کی تصویر کھینچی تھی۔ ساتھ ہی

تنگی مکان و عسرت معاش کی شکایت کی تو منصور نے اُسے ایک سرکاری مکان عطا کر دیا۔ جو ایوان خلافت سے ملحق تھا۔ چند روز بعد قصر کی عمارت اور اُس کے رقبے مین اضافہ ہوا تو وہ مکان توڑ کے قصر کے احاطے مین شامل کر لیا گیا۔ اس مصیبت پر پھر جا کے اپنی بربادی کا دُکھڑا رو دیا۔ اور اُس سے اچھا مکان مل گیا۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ ذکرا کے بیٹے محرز اور مقاتل مہدی کے پاس بیٹھے ابو دُلامہ کی بیہودہ گوئیون اور دریدہ دہنیون کی شکایت کر رہے تھے۔ اور کہتے تھے "منصور نے مُنہ لگا کے اُسے اور بیباک و جری کر دیا ہے"۔ یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ابو دُلامہ آ گیا اور اُسے خدام قصر سے پتہ لگ گیا کہ یہ لوگ میری مذمت کر رہے تھے۔ اسی وقت برجستہ ایک نظم سُنائی جس مین اُن دونون کی خوب خبر لی تھی۔ وہ نظم سن کے مہدی نے کہا "اچھا اگر تمھاری مرضی ہو تو ان دونون سے تمھین دس دس ہزار درہم دلوا کے تمھاری شمشیر انتقام کو بچا دون"، عرض کیا "نہایت مناسب ہے"۔ اور مہدی نے اُسی وقت اُن سے کہہ کے وہ رقم دلوا دی۔

ابو دُلامہ کی یہ حالت تھی کہ مذاق کی بات دل مین آتی تو پھر چاہے خود خلیفہ کو بھی ناگوار گزرے۔ بے تکلف کہہ ڈالتا تھا۔ منصور کے چچا کی بیٹی حمادہ بنت عیسیٰ مر گئی۔ جنازے کے ساتھ خود منصور اور تمام اکابر دولت قبرستان تک گئے۔ اور قبر تیار تھی منصور نے عبرت کے خیال سے ابو دُلامہ کی طرف دیکھ کے کہا "اس گڑھے کے بھرنے کے لیے تم نے کیا چیز بہم پہنچائی ہے؟" بے تکلف جواب دیا "امیرالمومنین کے چچا کی بیٹی وہ اس مین دفن ہوا چاہتی ہین"! منصور بے اختیار ہنس پڑا اگرچہ یہ ہنسنے کا محل اور موقع نہ تھا ہنسی آتے ہی چادر مین مُنہ چھپا لیا۔

مہدی کی ملکہ خیزران حج کو چلی۔ اور اُس کی محمل محل سے نکل کے شان و شوکت سے روانہ ہوئی۔ تو ابو دُلامہ نے دُور سے غل مچایا

"فریاد! فریاد!" ملکہ نے کہا "دیکھو یہ کیا کہتا ہے؟" عرض کیا "محمل کے قریب جانے دو تو عرض کروں" جب لوگ محمل کے قریب لے گئے تو خود خیزران نے پوچھا کہ "ابو دلامہ کیا چاہتے ہو؟" عرض کیا "بیوی میں بڈھا ہو گیا ہوں اس لیے اب میرے ساتھ اچھا سلوک کرنے میں حضور کو بڑا ثواب ہو گا" خیزران بولی "اچھا۔ اپنا مطلب تو کہو" بولا "حضور اپنی پری جمال خواصوں میں سے ایک مجھے دلوا دیجیے۔ تاکہ میری دلدہی کرے مجھ سے اخلاق و محبت کے ساتھ پیش آئے اور اُس بڑھیا ڈائن (میری بیوی) کے عذاب سے نجات دلائے۔ وہ مجھ پر مسلط ہے اُس کا یہ گمان ہے کہ میرے پاس جو کچھ تھا کھا گئی۔ اور میری ہیبت بڑھا دی۔ مجھے پتا ہے کہ کس طرح اُس کے ہاتھ سے چھٹکارا پائیے" یہ درخواست سُن کے خیزران ہنسی۔ اور کہا "اچھا حج سے واپس آ کے اس کا بندوبست کر دوں گی" اس کے بعد جب خیزران واپس آئی تو ابو دلامہ نے حاضر ہو کے یاد دلایا۔ مگر اس نے ٹال دیا۔ تب ابو دلامہ اُس کے بیٹوں مہدی اور ہارون کی اتا اُم عبیدہ سے جا کے ملا۔ اور کہا "میرا ایک رقعہ اپنی بیوی خیزران تک پہونچا دو" اُس نے منظور کر لیا اور رقعہ لے کے خیزران کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس رقعے میں ایک نظم تھی۔ اور وہی پہلا مقصد جو پہلے زبانی کہا گیا تھا اب موزوں کر کے پیش کیا تھا۔ اتنی ترقی تھی کہ بیوی بچوں کی مذمت اب اور زیادہ زور دے کے کی تھی اور بیوی کے بڑھاپے پر پھبتیاں کہی تھیں۔ وہ اشعار پڑھ کے خیزران دیر تک ہنستی رہی بعض مصرعوں کو مزہ لے لے کے بار بار دہرایا۔ پھر اپنی ایک حسینہ و جمیلہ گلرو سیمتن و نازک بدن کنیز کو بلا کے حکم دیا کہ محل میں تمھارا جو کچھ اسباب ہو باندھ لو۔ پھر ایک خادم سے کہا کہ اس کنیز کو لیجا کے ابو دلامہ کے گھر میں پہونچا آؤ۔ اور اس کو اُس کے حوالے کر دو میری طرف سے کہنا کہ اسے اچھی طرح رکھنا۔ اس سے کام لینے میں میں نے تمھیں اپنے اوپر ترجیح دی ہے" خادم کنیز کو لے کے گیا۔ اتفاقاً اُس وقت ابو دلامہ گھر میں نہ تھا۔ خادم نے وہ کنیز اُس کی بیوی کے سپرد کی اور کہا "تمھارے شوہر آئیں تو یہ کنیز اُن کے حوالے کر دینا۔ اور ملکہ خیزران نے جو پیام دیا تھا وہ بتا کے کہا اپنے شوہر کو پہونچا دینا۔"

خادم کے جانے کی بعد ابو دُلامہ کا بیٹا گھر مین آیا دیکھا مان زار و قطار رو رہی ہین۔ پاس جا کے سبب پوچھا۔ اُس نے کنیز کے آنے کا حال بیان کر کے کہا "اب تمھارے باوا اس حسینہ کے آگے مجھے بھول جائین گے۔ اور میرے ساتھ کوئی ظلم نہ اُٹھا رہے گا۔ بیٹا اگر تم پر میرا کوئی حق ہے اور اُس کے معاوضے مین تم میرے ساتھ کوئی احسان کرنا چاہتے ہو تو اُس کے لیے اِس سے بڑھ کے کوئی وقت اور موقع نہین ہو سکتا" کہا "آپ فرمائیں تو سہی جو حکم ہو گا سر آنکھون سے بجالاؤنگا" مان نے کہا "تو اُس کنیز کے پاس جو اُس کمرے مین بیٹھی ہے جاؤ اور ظاہر کرو کہ تمھارا مالک مین ہی ہون۔ اور یہ کہہ کے اُس پر تصرف کرو تا کہ باوا پر حرام ہو جائے۔ اور اُن کے کام کی نہ رہے" بیٹے نے کہا "بہت خوب" اور فوراً جا کے مان کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اور گھر سے چل دیا

تھوڑی دیر کے بعد لونڈی کے آنے کا حال سُن کے ابو دلامہ خوشی مین بھرا ہوا گھر مین آیا۔ اور آتے ہی بیوی سے پوچھا "وہ کنیز جو ملکۂ جہان نے بھیجی ہے کہان ہے؟" اُس نے اشارے سے بتا دیا کہ اُس کمرے مین ہے۔ آپ بیتابی و بیقراری کے ساتھ اُس کمرے مین گئے۔ کنیز کی صورت دیکھتے ہی آپے سے باہر ہو گئے۔ اور ہاتھ بڑھایا کہ اُسے گلے سے لپٹا کے پیار کرین۔ مگر اُس نے پیچھے ڈھکیل دیا اور کہا "کمبخت بدمعاش تو ہے کون؟ اس کی آگے بڑھا تو ایسا تھپڑ مارون گی کہ مُنہ پھرا ہوا ہو جائے گا" پوچھا "کیا تمھاری بی بی خیزران نے تمھین اسی لیے میرے پاس بھیجا ہے؟" اُس نے کہا "بیوی نے مجھے جس نو عمر و خوبرو جوان کے پاس بھیجا ہے وہ ابھی ابھی مجھ سے مل کے اور ہم آغوش ہو کے گیا ہے۔ مین تمھارے پاس نہین آئی ہون۔" جواب سنتے ہی سناٹے مین آ گیا سمجھ گیا کہ صاحبزادے کے کرتوت ہین۔ اور اُن کی مان کی چالاکی ہے۔ جب ہی تو مجھے ڈھونڈھ کے کلیجے اُس کمرے کا راستہ بتا دیا تھا۔ غصہ مین بھرا ہوا کمرے سے نکلا۔ اتفاقاً اُسی وقت صاحبزادے بھی باہر سے گھر مین آ گئے۔ لپک کے بیٹے سے دست و گریبان ہو گیا اور اُسے مار مارتے بے دم کر دیا۔ قسم کھائی کہ جب تک تجھے امیر المومنین کے سامنے لیجا کے ان سے سزا نہ دلواؤن گا چین نہ لون گا۔ اور اُسی وقت

اور گریبان کھینچتا ہوا حلیمہ کی ڈیوڑھی پر پہنچا۔ اور وہاں بھی کھڑے ہو کے
بے تحاشا بیٹے کو پیٹنے لگا۔ خدام دولت نے ابو دُلامہ کو اس حال میں دیکھا تو
دوڑ کے مہدی کو خبر کی۔ اس نے دونوں کو اپنے سامنے بلوائے پوچھا "کیا
ہو گیا ہے؟" ہاتھ جوڑ کے عرض کیا "حضور اس حرامزادے نے وہ حرکت کی ہے
کہ آج تک کسی بیٹے نے اپنے باپ کے ساتھ نہ کی ہو گی۔ جب تک امیرالمومنین
اسے قتل کی سزا نہ دیں گے مجھے صبر نہ آئے گا۔" مہدی نے کہا "اچھا بیان تو کرو
کہ اس نے کیا کیا؟" ابو دُلامہ نے ساری سرگزشت بیان کی۔ اور مہدی کی یہ حالت
ہوئی کہ مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ یہ دیکھ کے ابو دلامہ بولا
"خوب! حضور کو اس کی یہ حرکت پسند آئی۔ اور بہت خوش ہوئے!" مہدی نے
بمشکل ہنسی ضبط کی۔ سنبھل کے بیٹھا۔ اور کہا "اچھا تلوار لاؤ۔" اور حکم دیا دو
تاکہ ابو دلامہ کے بیٹے کا سر کاٹا جائے۔ مہدی کے یہ الفاظ سن کے بیٹے نے
عرض کیا "امیرالمومنین نے ان کا دعویٰ تو سن لیا مگر میرا جواب بھی تو سنیں" کہا
"کہتے ہو کہو" عرض کیا "حضور یہ بدصورت و بدقطع بوڑھا چالیس سال سے
میری ماں کے ساتھ برا کام کرتا رہا اور مجھے آج تک کبھی غصہ نہیں آیا۔ اور
اس ساری زندگی بھر میں فقط آج ایک بار اس کی لونڈی کے ساتھ وہی حرکت
کی تو میرا دشمن اور میرے خون کا پیاسا ہو گیا۔" یہ سن کے مہدی پہلے سے زیادہ
ہنسا۔ اور جب ہنسی موقوف ہوئی تو ابو دُلامہ سے کہا "اب بہتر یہ ہے کہ یہ
لونڈی تم اس کو دے ڈالو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں اس سے اچھی
بہتر دوں گا۔" عرض کیا "حضور دیں گے تو سہی مگر خدا کے لیے اسے کہیں چھپا کے
دیجیے گا۔ اور اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں پکڑا دیجیے گا۔ ورنہ ماں بیٹوں کی
سازش سے پھر وہی انجام ہو گا۔" مہدی نے اسی وقت ایک ماہ پیکر
کنیز منگوا کے اس کے حوالے کی۔ اور انعام دے کے رخصت کیا۔

العادۃ کالطبیعۃ الثانیہ

(ماخوذ از ایڈیشن)

عوام و خواص میں ضرب المثل ہے کہ عادت فطرت ثانیہ ہے یعنی جو چیزیں قدرت نے انسان کی سرشت و جبلت میں داخل کر دی ہیں اُنھیں کے مثل وہ باتیں بھی ہوتی ہیں جن کی عادت پڑ گئی ہو۔ اس کے صحیح ہونے میں تو کوئی شک و شبہ نہیں لیکن ہمیں اکثر نظر آتا ہے کہ عادت سرشت پر بھی غالب آ جاتی ہے اور ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا وہی عادت اصلی فطرت و جبلت ہے۔ کہتے ہیں کہ کوئی شخص ایک ایسے مقام پر رہا کرتا تھا جہاں ہر وقت گھنٹے کی آواز سنی جاتی تھی۔ اور اُس کا معمول تھا کہ جب گھنٹہ بجتا وہ بھی گھنٹے کے ساتھ آواز بلند کہتا جاتا ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ دغیرہ وغیرہ۔ چندے روز بعد اتفاقاً گھڑی بگڑ گئی اس کا بجنا موقوف ہو گیا۔ لیکن جہاں گھنٹہ بجنے کا وقت آیا اُس کی زبان پر خود بخود الفاظ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ جاری ہو جاتے۔ اس واقعے کے تسلیم کرنے میں شاید بہت سے لوگوں کو عذر ہو۔ لیکن اس سے وہ انکار نہیں کر سکتے کہ عادت کا انسان کی طبعیت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اور اُس اثر سے اُس کے اخلاق و عادات سب بدل جاتے ہیں۔

سچ یہ ہے کہ اگر ہم عادت کی قوت اور اس کے اثر دن سے فائدہ اُٹھانا چاہیں تو بہت سے بکار آمد نتائج حاصل کر سکتے ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ وہی چیزیں جو ہمیں پہلے ناگوار معلوم ہوتی تھیں عادت پڑ جانے کے بعد نہایت خوشگوار ہو جاتی ہیں۔ اس میں اچھے یا بُرے کی تفریق نہیں۔ جو شخص جوے یا کسی بداخلاقی کے مشغلے میں منہمک ہوتا ہے ابتداً اسے ان باتوں میں اتنا لطف نہیں آتا تھا اور نہ اُن کی طرف ایسی رغبت تھی۔ مگر بُری صحبتوں میں پڑ کے اور بدکار لوگوں میں اُٹھ بیٹھ کے اُسے ان باتوں کی عادت پڑ گئی۔ اور اب اس قدر مزہ آنے لگا

کہ بغیر اُن کے دم بھر نہین رہا جاتا - عزیز و اقارب بُرا کہتے ہین اپنے پرائے لعنت ملامت کرتے ہین - مذہب عذاب آخرت سے ڈراتا ہے - قانون دنیا بھی سزا دیتا ہے - مگر وہ اپنی حرکتون سے باز نہین آتا - اُسے نظر آنے لگتا ہے کہ اُس کی زندگی کا مقصد اصلی یہی کام ہین - انھین کامون کے لیے دنیا مین آیا ہے - اور اس قابل ہی نہین رہتا کہ دوسری قسم کی زندگی بسر کر سکے -

تمبا کو کھانے حقہ پینے - افیون کھانے - آس لینے - یا شراب پینے کی عادتین بھی اسی طرح طبیعت ثانیہ بن جاتی ہین - اور یہ حالت ہو جاتی ہے کہ بغیر ان کے ایک گھڑی بھی چین نہین پڑتا - انھین چیزون پر موقوف نہین - تم اپنی غذاؤن اپنے شربتون - اپنے کپڑون - اپنی خوشبوؤن - اپنی مسرتون - اپنے غمون - اپنی ادائون - اپنے موسیقی ہر چیز پر عادت کو حاکم و متصرف پاؤ گے - یہان تک کہ تمھارا معشوق اور تمھارا دوست بھی تمھارے عادات کا لباس پہنے ہوگا - اور انھین اخلاق - اُنھین کرشمون - اُنھین غمزون - اور حسن و جمال کے اُنھین نمونون اور زیورون سے آراستہ نظر آئے گا - جو تمھاری عادت کے بنائے اور تیار کیے ہوئے ہین -

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عادت کے ان تصرفات سے ہم فائدہ کیونکر اُٹھا سکتے ہین جس طرح جوئے - نشے - اور بدکاری کی عادت پڑتی ہے اُسی طرح اگر تم علوم و فنون یا کسی چیز کے مطالعے کا شوق کرو اور اُس کی عادت ڈالو تو کیا اُس کی عادت نہ پڑ جائے گی ؟ ضرور پڑے گی - اسی پر منحصر نہین جس کام مین محنت کیجائے اور جس کی مزاولت کی جائے عادت پڑ ہی جاتی ہے - اور چند روز کے بعد اُسی مین لطف آنے اور مزہ ملنے لگتا ہے -

وہی کام جو پہلے بار معلوم ہوتا ہے اور اُس کے انجام دینے مین تکلیف ہوتی ہے عادت ڈالنے کے بعد خوش گوار اور پر لطف ہو جاتا ہے مشہور فیلسوف فرانسس بیکن اپنی کتاب فلسفۂ قدرت مین کہتا ہے "ہمین اُسی چیز مین زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے جو ابتداءً ہمارے لیے بار اور

دشوار تھی - اور ہم اُس سے نفرت کرتے تھے" اس کی مثال وہ دیتا ہے کہ شراب - کافی - چاء - پہلے ہمیں بدمزہ معلوم ہوتی تھیں - مگر عادت پڑ جانے کے بعد یہ حالت ہو جاتی ہے کہ بغیر اُن کے قرار نہیں آتا - اور زندگی بھر نہیں چھوٹ سکتی ہیں -

ہمارے دل و دماغ کی یہی حالت ہے کہ کسی خاص کام یا محنت کی عادت ڈالنے سے اسی قدر نہیں ہوتا کہ اس کی دشواری کم ہو جاتی ہو بلکہ اسی کی جانب ایک طرح کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے اور دل میں شوق نمایاں ہوتا ہے - ایک بڑے عالم بے ہمتا اور فاضل گرانمایہ کا مقولہ تھا کہ پہلے مجھے مصنفین سلف کی کتابون کے مطالعے میں کسی قسم کا لطف نہ حاصل ہوتا تھا مگر ایک مجبوری اور ضرورت سے چند روز تک مجھے یہ دشوار و ناگوار کام کرنا پڑا - اب نہایت حیرت سے دیکھتا ہون کہ اُن کتابون میں مجھے غیر معمولی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے - اور جب تک اُن کا مطالعہ نہیں کر لیتا ہون دل کو قرار نہیں آتا - بہرحال ان باتون سے یہ نتیجہ ضرور حاصل ہوتا ہے کہ عادت ڈالنے سے ناگوار اور بے مزہ کام ہم پر آسان ہی نہیں ہو جاتے بلکہ خوش گوار اور بامزہ معلوم ہونے لگتے ہیں -

انسانی فطرت کی اس خصوصیت پر اگر ہم زیادہ غور کریں تو اس سے بڑے بڑے فائدے اُٹھا سکتے ہیں اور بہت سے اچھے اور نتیجہ بخش اصول ہاتھ آ سکتے ہیں اُن سے اخذ کیا ہوا سب سے پہلا اور نہایت ہی اہم یہ اصول ہے کہ "جو کوئی جس کام میں مصروف ہو گا اور محنت کرے گا - اُس میں محروم و ناکام نہیں رہ سکتا" ممکن ہے کہ ابتدا میں وہ اسے بہت دشوار نامناسب اور اپنے مذاق ورجحان کے خلاف نظر آتا ہو لیکن چند روز کی محنت و مصروفیت میں مذاق کے موافق ہی نہیں نظر آنے لگے گا بلکہ اچھا اور خوش گوار معلوم ہو گا -

دوسرے عادت کے ان معجز نما ثمرون سے فائدہ اُٹھا کے میں ہر شخص کو وہی نصیحت کرنا چاہتا ہون جو فیثاغورس نے اپنے شاگردون کو کی تھی

اُس نے اُن سے کہا، ہمیشہ وہ پیشہ اختیار کرو جو عمدہ اور اعلےٰ نظر آتا ہو۔ عادت ڈالنے سے اگر مشکل بھی ہوگا تو آسان ہو جائے گا۔ اور آخر میں تم خود اُسے پسند کرنے لگو گے۔ جن لوگوں کو اس بات کا موقع حاصل ہے کہ اپنے لیے سوچ سمجھ کے کوئی پیشہ اختیار کریں وہ اگر کوئی سودمند اور پسندیدہ عام مشغلۂ معاش نہ اختیار کریں تو ہرگز قابل معافی نہیں ہیں۔ انتخاب صورت کسب معاش کے وقت ہمیں سب سے زیادہ اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ کس کام میں ہم زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ابتدائی حالت میں دلی رجحان کے ہونے یا نہ ہونے کی مطلق پروا نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ عادت پڑ جانے کے بعد طبیعت خود بخود عادی ہو جائے گی اور آخر کار اُس میں لذت ملنے لگے گی۔

تیسری بہت بڑی بات معاد اور زندگی مابعد الموت کا خیال ہے۔ سخت سے سخت دنیا پرست جو مذہب کی دشواریوں اور قیدوں کو نہ برداشت کر سکتا ہو اور بالکل بندۂ ہوا و ہوس ہو اُسے بھی عالم آخرت کا کچھ نہ کچھ خیال ضرور ہوتا ہے اور نیکوکاروں کی طرح وہ بھی باوجود اپنی بدکاریوں کے اسی بات کا آرزومند ہے کہ اس عالم ابدی و سرمدی میں فلاح حاصل ہو۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے گناہ گار کو بھی اُن فرائض کے ادا کرنے میں جو مذہب کے بتائے ہوئے ہیں مسرت ہوتی ہے۔ اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ مگر باوجود اس کے اُن لوگوں کو مذہب کے بتائے ہوئے اخلاق حسنہ خدا پرستی کے فرائض امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس قدر بار و دشوار معلوم ہوتے ہیں کہ پابندی نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ فقط یہ ہے کہ اُنھوں نے اُن دینی باتوں کی عادت نہیں ڈالی۔ لیکن ہم اگر ان باتوں کی عادت ڈالیں اور چند روز کی محنت میں اُن کو گوارا بنا لیں تو پھر ہمیں عبادت و ریاضت اور زہد و تقویٰ میں لذت حاصل ہونے لگے۔ اور وہ اطمینان قلب اور فلاح دارین حاصل ہو جو خدا ہر دیندار کو نصیب کرے۔

چوتھے اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ ہم نے جب ایک اسلوب زندگی اختیار کر لیا تو پھر ہمیں اس پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ دلچسپی اور تفریح و تفرج کے لیے ہم جن باتوں کو اختیار کریں وہ نہایت ہی لطیف پاکیزہ۔ بے عیب اور

دل کو ظلمت گناہ سے صاف کرنے والی ہون۔ اگر اس کی احتیاط نہ کی گئی اور جو بری باتین تمھاری دلچسپیون مین داخل ہوگئین تو اُن کے اثر سے رفتہ رفتہ آئینۂ دل زنگ آلود ہو جائے گا۔ صفائی و پاکیزگی مٹ جائے گی۔ سچی مسرت سے دل خالی ہوگا۔ اور ادنے درجے کے ذلیل مضر اور بُرے کامون مین لطف آنے لگا۔

آخر مین مین اس نتیجے کو پہونچا ہون کہ انسان چند روز تک جو کام کرتا رہے عام ازین کہ وہ بُرا ہو یا بھلا اُس مین اس کو ایک گونہ خوشی ضرور حاصل ہونے لگتی ہے۔ لہذا ہر معمولی مسرت کو دیکھ کے اُسے نفس پروری کے پھندے مین نہ پڑ جانا چاہیے۔ دین و دنیا کی سعادت حاصل کرنے کی غرض سے اُس کے لیے ضروری ہے کہ اس زندگی چند روزہ مین ایسی پاکیزہ اور نیک عادتین اختیار کرے جو اُس عالم مین بھی اُسے فائدہ پہونچائین اور زندگی اُخروی مین بھی کام آئین۔

جنت الفردوس اصل پوچھو تو کامل اور دائمی مسرت کا نام ہے جو ہمین اپنے مذاق کے مطابق دنیوی شکلون مین دکھائی اور بتائی گئی ہین۔ ان مسرتون کے مستحق ہم اُسی وقت ہو سکتے ہین اور اُسی وقت وہ ہمارے لیے موزون و مناسب ہو سکتی ہین جب ہم اپنے آپ کو اُن کے قابل بنائین۔ اس عالم مین تم سچائی اور نیکوکاری کے عادی بنو اور اپنی زندگی اس اعلیٰ مقصد کے حاصل کرنے مین صرف کرو دوسرے عالم مین بھی اچھے رہوگے۔ اور وہان کی سچی اور پاکیزہ لذتون اور مسرتون کے اہل ہو جاؤ گے۔ اصل یہ ہے کہ اُس ابدی روحانی مسرت کا بیج اسی امتحان گاہ فانی کی زمین مین بویا جاتا ہے۔ اور گو تخم ریزی یہان ہوتی ہے لیکن اکھوا اُس دوسرے عالم باقی مین نکلتا اور ایک خوشنما فرحت بخش پودھا بن کے پھولتا پھلتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جنت کی نسبت یہ کہنا کہ ہمین اپنے اعمال نیک کے صلے مین ملتی ہے فقط کہنے کی بات ہے۔ اصل مین پاک بازی اور شریفانہ زندگی کا قدرتی نتیجہ جنت ہے۔

برخلاف اس کے وہ طبیعتین جو شہوت پرستی خواہشات نفسانی جھوٹ۔ کینہ پروری اور عداوت وخصومت اور اسی طرح کی اور بہت سی باتون کی عادی ہو گئی ہین اُنھین یقینی طور پر رنج والم اور ندامت و افسوس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اُن کی یہ تکلیف دنیا ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد جب اُن کی روحین اس جسم خاکی فانی سے علیحدہ ہو جاتی ہین تو اُس وقت بھی اُنھین مسرت نہین نصیب ہو سکتی۔ اور گو وہ اُس عالم مین نہ ہون گے جہان اُنھون نے بد اخلاقیون سے اپنی زندگی خراب کی اور معاصی وجرائم کے مرتکب رہے تھے مگر اُسی دوسرے عالم مین اُن کے اعمال وافعال کا صدمہ والم ہر وقت پیش نظر رہے گا۔ اور اِن باتون سے اُن کو اس قدر تکلیف ہو گی اور ایسے پریشان رہین گے کہ اُن کا وہ عالم آخرت اشد ترین دوزخ اور عذاب الٰہی کا مرکز ہو گا۔

یہ اہل مذہب کے مذاق پر نہین کہا جاتا جو جنت ودوزخ کو مستقل مقامات ثواب وعقاب مانتے ہین۔ مگر وہ لوگ جو اس کے قائل نہین وہ بھی اس دوسرے عالم کو اسی حیثیت سے مزرعۃ الآخرۃ تسلیم کرتے ہین کہ وہان اپنے دنیوی افعال خیر کی بے اندازہ مسرت اور بدکاری کی ناقابل برداشت تکلیف ہو گی۔ اور اسی کو دنیا والون کے جنت ودوزخ بتاتے ہین۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جنت ودوزخ کا خیال فطرت کے مطابق ہے۔ اور بڑے بڑے محققون اور مبصرون نے بخوبی غور کر کے ان دونون عالمون کا پتہ لگا لیا ہے۔ چنانچہ اُن کا دعوی ہے کہ ہماری عادتین اور خصلتین ہی ہمارے لیے جنت ودوزخ کو پیدا کر دیا کرتی ہین۔

قدردانان دلگداز

دلگداز اور دل افروز دونون نے آپ کو بڑی تکلیف دی اور اُس کی زندگی کیطرف سے آپ یقیناً مایوس ہو گئے ہون گے۔ بدنظمی اس سے پہلے بھی اکثر برسون مین رہی مگر ایسا اتفاق شاید کم مین آیا ہو گا کہ جنوری سے جو سلسلۂ اشاعت کا رُکا تو بڑی مشکلون سے اگست مین دو

نمبر فروری و مارچ کے مہینے کے ہے۔ اور پھر جو خاموشی ہوئی تو سال کے گیارھوین مہینے مین یعنی نومبر مین نکلے۔ لیکن یہ چونکہ مبارک ہے اور امید ہے کہ دسمبر تک پورے باقی پرچے بھی نکلے تو جنوری سنہ ۱۹۱۹ء مین پرچہ جون کی اشاعت انشاء اللہ تعالی اپنے وقت پر آجائے گی۔ ہم تو ہمیشہ کے قصوروار ہین۔ اور جس طرح خدا کی رحمت نے بندون مین گناہ کی ایک لذت پیدا کر دی ہے اسی طرح ہمین بھی اپنے قدردانون کی مرحمت و نوازش سے قصور مین مزہ آنے لگا ہے۔ اور سچ بھی یہ ہے کہ جو مزہ عفو مین ہے وہ خدمت کا پورا پورا معاوضہ ملنے مین نہین۔

لیکن اب کی سال بھی بہت کڑا تھا۔ پلیگ کا لڑا۔ اور انفلوئنزا نے نوع انسانی کے ساتھ شاید وہ نہ کیا ہوگا جو کاغذ اور سامان طبع کی گرانی نے مطابع اور اخبارات کے ساتھ کیا۔ اب لڑائی ختم ہو گئی۔ ہمارے دوست ابد مدت اور سلطنت باشوکت برطانیہ کو خدا نے اپنے فضل و کرم سے کامیاب و فتحمند کیا۔ جرمنی کا سا ہولناک دیو جو ابتدا مین نہایت ہی مہیب نظر آیا تھا۔ پچھڑ گیا۔ اور ساری دنیا مین نعرۂ مبارکباد بلند ہے۔ اس سلسلے مین امید ہے کہ اب وہ گرانی رفع ہوگی اور مطابع و اخبارات کو پھر وہی زندگی و قوت حاصل ہو جائے گی جو دولت برطانیہ کی برکتون سے دو چار سال پیشتر نصیب تھی۔ اور اس کی سب سے بڑی برکت ہمارے لیے یہ ہوگی کہ دلگداز پھر اسی استقلال و خوبی سے نکلنے لگے گا جس شان سے کہ ادھر چند سال پہلے نکل رہا تھا۔

دلگداز کے یہ تین پرچے اپریل مئی۔ جون کے حاضر ہوتے ہین جولائی لغایت دسمبر کے پرچے خدا نے چاہا تو آخر دسمبر مین حاضر ہو جائین گے۔ اور جنوری سنہ ۱۹۱۹ء کا پرچہ اپنے مقررہ وقت پر شائع ہوگا ان پرچون مین مسلمانون کے لیے خصوصاً اور اردو دان ہندوستانی پبلک کے لیے۔ عموماً دلچسپ ذخیرہ زیادہ فراہم کیا گیا ہے۔

ناظرین کی نذر کے لیے ہم نے نیا ناول بھی لکھ کے تیار کر لیا ہے۔ یہ ایک خالص تاریخی ناول ہے جس کا نام "لعبت چین" ہے یہ عہد اولین اسلام یعنی پہلی صدی ہجری کے نصف آخر کے ابتدائی زمانے سے تعلق رکھتا ہے اس کا سین ملک خطا و ترکستان قدیم مین ہے۔ واقعات بالکل سچے اور تاریخی ہین۔ اور اس عہد کی تمدنی حالت کے ساتھ پولیٹکل واقعات بھی بتائے گئے ہین۔ نہایت دلچسپ اور بانتیجہ ہے۔ اور امید ہے کہ عموماً پسند کیا جائے گا۔

منتخب مضامین دلگداز سنہ ۱۸۸۷ء کی جلد کئی مرتبہ چھاپی گئی اور ہاتھون ہاتھ فروخت ہو گئی اب مدت سے نہین ملتی تھی شائقین کے اصرار سے بجائے پوری جلد کے اب اس کا انتخاب چھاپ دیا گیا ہے قیمت ۱ر فی جلد ہے۔ مولانا شرر کے پرانے مضامین کے شائق اسے جلد طلب کرین کیونکہ تھوڑی ہی جلدین ہین۔
منیجر دلگداز گوٹہ بزن بزن بیگ خان لکھنؤ

تصانیف مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر

تاریخ و سوانح عمریاں

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات۔
(۲) ابوبکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات۔
(۳) تاریخ سندھ۔ عرب کے فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ جلد اول
(۴) عصر قدیم۔ اقوام سلف کی نہایت دلچسپ تاریخ۔
(۵) عرب قبل از اسلام۔ تاریخ ارض مقدس کی تیسری جلد
(۶) حروب صلیبیہ۔ انگریزی سے ترجمہ و عربی سے تحشیہ
(۷) مسیح و مسیحیت۔ دین مسیحی کے حالات تا ولادت محمدی۔
(۸) خواجہ معین الدین چشتی۔ حضرت خواجہ اجمیری کے حالات
(۹) سکینہ بنت حسین۔ جناب سکینہ بنت امام حسین۔
(۱۰) افسانۂ قیس۔ مجنون عامری کے حالات۔
(۱۱) حسن بن صباح۔ بانی فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ۔
(۱۲) قرۃ العین۔ ایک مجتہد زادی۔
(۱۳) شیریں ملکۂ عجم۔ فرہاد و خسرو کی نامور معشوقہ
(۱۴) ملکۂ زنوبیہ۔ سلف کی ایک عربی شہزادی ملکہ

ناول

(۱۵) جویائے حق۔ حضرت سلمان فارسی کی سوانحعمری بطرز ناول
(۱۶) بابک خرمی۔ سلطنت عباسیہ کے زمانے کا ایک تاریخی واقعہ
(۱۷) مفتوح فاتح۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول۔
(۱۸) الفانسو۔ ایک عاشقانہ تاریخی ناول
(۱۹) خوفناک محبت۔ ہندستانی شریف زادیوں کی بیکسی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی۔
(۲۰) حسن کا ڈاکو۔ حرام پور کے نواب کی سرگذشت ہر حصہ
(۲۱) اسرار دربار حرام پور۔ حرام پور کے نواب کے اور حالات ہر حصہ
(۲۲) غیب دان دلہن۔ حیرت انگیز غیب دانی۔

(۲۳) بردلمۃ الکبریٰ۔ روم پر گاتھ لوگوں کا حملہ۔
(۲۴) ماہ ملک۔ غوریوں کا عروج۔
(۲۵) زوال بغداد۔ دولت عباسیہ کا استیصال
(۲۶) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کی تصویر مکمل تین جلد
(۲۷) مقدس نازنین۔ ایک حسینہ کا پوپ بن جانا۔
(۲۸) شوقین ملکہ۔ دوسری صلیبی لڑائی۔
(۲۹) قیس و لبنیٰ۔ عہد صحابہ کا ایک سچا عشق۔
(۳۰) فلورا فلورنڈا۔ اندلس میں سلطنت عرب۔
(۳۱) آغا صادق کی شادی۔ ایک دلچسپ قصہ ۱۰/
(۳۲) فلپانا۔ عہد صحابہ کا ایک سچا واقعہ
(۳۳) فردوس بریں۔ جیتے جی جنت کی سیر

متفرقات

(۳۴) الکلم الرفاعیہ۔ حضرت سید احمد رفاعی کے ایک رسالہ کا ترجمہ
(۳۵) ہندستان کی موسیقی۔ مولانا شرر کا لکچر۔
(۳۶) اردو سے ہندوؤں کا تعلق
(۳۷) زمانہ اور اسلام۔ مولانا شرر کی مسلسل نظم۔
(۳۸) شب وصل
(۳۹) شب غم

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

(۴۰) آتالیق بی بی۔ میاں بیوی کی حرکتوں پر لڑکی کی نکتہ چینی
(۴۱) پاداش عمل۔ ایک نہایت ہی دلچسپ ناول "کنفم" کا ترجمہ حصہ اول، حصہ دوم۔
(۴۲) دولت اسپانیہ۔ ترجمہ تاریخ کا ڈی حصہ اول، حصہ دوم
(۴۳) معاشرت۔ انگریزی کی انگلستان سن لیکی کی مشہور کتاب یونانی لائف کا ترجمہ۔

عُلیّہ بنت مہدی

یہ آل عباس کے خاندان خلافت کی ایک صاحب کمال و صاحب جمال اور بڑی نامور خاتون تھی۔ خلیفہ مہدی عباسی کی بیٹی اور دو خلیفون ہادی اور ہرون رشید کی بہن تھی۔ اُس کے سگے بھائی ابراہیم بن مہدی نے بھی عہد مامون مین خلافت کا دعوی کیا تھا۔ بلکہ مامون خراسان مین تھا کہ وہ بغداد مین مسند نشین خلافت ہو گیا۔ مگر اُن کی واپسی پر سطوت مامونی سے گھبرا کے بھاگا۔ ادھر اُدھر چھپتا پھرا۔ آخر گرفتار ہو کے آیا۔ اور اُس کا قصور معاف کیا گیا۔

عُلیّہ اور ابراہیم کی ماں مکنونہ نام ایک عربیہ کنیز تھی جو موسیقی مین کمال رکھتی تھی اور مروان نام ایک شوقین مغنی کی تیار کی ہوئی لونڈیان جو گانے مین مستند سمجھی جاتی تھیں اور "جواری مروانیہ" کہلاتی تھین اُنھین مین اُس کا بھی شمار تھا۔ مگر اُن سب مین زیادہ حسین و نازنین وہی کہی جاتی تھی۔ مکنونہ پہلے عبید اللہ بن عباس کے پوتے حسین بن عبد اللہ کے پاس تھی۔ مدینے مین اُن کا قیام تھا۔ اور وہان کے تمام گھرون مین شہرت تھی کہ مدینے کی کوئی لونڈی مکنونہ کے حسن و جمال کو نہین پہونچ سکتی۔ اُس کے بعد وہ ابوجعفر منصور کی زندگی ہی مین اُس سے چھپا کے اُسی کے فرزند مہدی کے لیے ایک لاکھ درہم پر خریدی گئی۔ مہدی کی صحبت عیش مین آتے ہی اُس کے دل و دماغ پر اس قدر حاوی ہو گئی کہ محل کے تمام حرمین اُس کی نظر سے گر گئین۔ یہان تک کہ اُس کی خاص ملکہ خیزران جو دو وارثان سلطنت ہادی اور رشید کی ماں تھی۔ اکثر کہا کرتی تھی "مکنونہ سے زیادہ میرے حق مین کوئی عورت سخت و ناگوار نہ تھی"۔ جب تک منصور زندہ رہا مہدی نے

اُسے باپ کی نظر سے چھپایا۔ اور اُسے خبر بھی نہ ہونے دی کہ میرے مشکوے معلے مین ایک ایسی پری جمال و نادرۂ روزگار مہ جبین ہے۔

عُلَیّہ اُس کے بطن سے سنہ ۱۶۰ھ مین اور اپنے باپ مہدی کے خاص ایام مسند نشینی خلافت مین پیدا ہوئی۔ مان کی طرح وہ بھی نہایت ہی خوبصورت خورشید طلعت تھی۔ اچھی تعلیم کی وجہ سے بڑی صاحب ذوق تھی۔ بہت اچھے شعر کہتی تھی۔ اور شاعری و علمی تعلیم کے علاوہ مان نے اُسے اور اُس کے بھائی ابراہیم کو موسیقی کی نہایت اعلے درجے کی تعلیم دی تھی۔ عُلَیّہ موسیقی مین کمال رکھنے کے علاوہ بڑی بذلہ سنج و سخن سنج تھی۔ خود ہی شعر کہتی اور اُن شعرون مین اپنی ذہانت و طباعی سے ایسی دُھنین قائم کرتی کہ جو سُنتا سر دُھننے لگتا۔ اُس کی شادی خاندان بنی عباس مین موسیٰ بن عیسیٰ کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اُنھین کے عقد نکاح مین رہی اور اُس کی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ نہین ہے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اُنھین اُس سے یا اُس کو اُن سے کوئی شکایت تھی۔ عُلَیّہ کی جبین ناز پر ایک مسہ تھا جو کسی قدر عیب دیتا اور خوبصورت گورے ٹکڑے پر جو چاند کا ٹکڑا تھا کلف بن کے نمودار ہوتا۔ اس عیب کے چھپانے کے لیے اُس نے اعجوبۂ روزگار نظر فریب و مکلل بہ جواہر سر پیچ ایجاد کیے جو اُس وقت کی سوسائٹی مین ایسے بھلے اور دلکش معلوم ہونے کہ تمام شوقین و حسین امیرزادیون کی وضع مین داخل ہو گئے۔ اور مردون مین سے اکثر مبصرین کا مقولہ تھا کہ "عورتون نے فیشن اور وضع و لباس مین جتنی ایجادین اور اختراعین کی ہین اُن مین ان سرپیچون سے زیادہ خوبصورت بانکی اور مہذب کوئی چیز نہین ہے"

اس حسن و جمال اِس بانکپن۔ اس خود آرائی۔ اس شاعری۔ اور اس سرود و غنا پر عُلَیّہ نہایت ہی دیندار۔ متقی و پرہیزگار۔ اور پابند صوم و صلوٰۃ تھی۔ چنانچہ اُس کا معمول تھا کہ جب نماز سے معذور ہوتی اُس زمانے مین گاتی اور نبیذ پیتی جو اُن دنون بڑے بڑے مقدس لوگون مین مروج ہو کے اُس عہد کی "شراب الصالحین" بن گئی تھی۔ غسل کرتے ہی فوراً تلاوت قرآن اور مطالعۂ کتب مین مصروف ہو جاتی۔ ان مشاغل سے جو وقت بچتا

اُن کو شعر گوئی مین صرف کرتی اس لیے کہ شاعری مین اُسے بڑا لطف آتا تھا۔ یہ اس لیے مقررہ و معینہ اوقات و مشاغل تھے۔ جن کو خلیفہ کے حکم کے سوا اور کوئی چیز نہ بدل سکتی۔ اس لیے کہ جب خلیفہ بلاتا تو سو کام چھوڑ کے جانا پڑتا۔ اور کوئی عذر کارگر نہ ہوتا۔ عُلیّہ اکثر کہا کرتی کہ خدا نے کوئی چیز حرام نہین کی جس کا کوئی بہترین بدل حلال چیزون مین سے نہ عطا کر دیا ہو۔ پھر بھلا گناہ اور معاملات عاصی اُس کے سامنے کیا عذر کر سکتا ہے؟ یہ بھی اُس کا قول کا تھا کہ "زندگی مین اگر مین نے کبھی کوئی فحش کام کیا ہو تو خدا میری نجات نہ کرے۔ اور مین جو یہ شعر کہا کرتی ہون یہ بھی فقط تفنن طبع کے لیے ہے"

عُلیّہ چونکہ ایک شاعرہ صاحب کمال تھی لہذا سنّت شعرائے عرب کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضرور ی تھا کہ کوئی خاص اُس کا معشوق ہو جس کے خیال و جمال سے مدد لے کے وہ زور طبع دکھائے۔ شعرائے عرب کا معمول تھا کہ اول تو اُن کی خاص کوئی مقررہ معشوقہ ہوتی جس کا نام لے لے کے وہ اپنے اشعار مین اظہار ذوق و شوق کیا کرتے۔ دوسرے فطرت کے سچے تقاضے کے مطابق اُن کی معشوقہ کوئی پری جمال عورت ہوتی۔ شعرائے عرب و فارس کی طرح معشوق عام ایک حسین بے ریش و بروت امرد لڑکا نہ ہوا کرتا۔ یہان تک کہ عجم و ہند کی عورتین شعر کہتی ہین تو وہ بھی اشعار مین اپنے آپ کو مرد ظاہر کرتی اور دیگر مرد شعرا کی طرح ایک حسن لڑکے کی عاشق بن جاتی ہین۔

غرض عُلیّہ کے لیے بھی ضرور تھا کہ شاعری کی دنیا مین وہ ایک عاشقہ بنے۔ اور اپنا معشوق کسی خاص مرد کو قرار دے۔ چنانچہ رشید کے غلامون مین سے طل اور رشا نام دو خوبصورت لڑکون پر اظہار عشق کیا کرتی۔ اور ان سے نظم مین مراسلت کرتی۔ مگر باوجود اس کے اُس زمانے کے کسی شخص کو کبھی اُس کی پاکبازی پاکدامنی اور عفت و عصمت مین شک و شبہ نہین ہوا۔ اور سب جانتے تھے کہ یہ فقط سنت شاعری ادا کرنے شعر و سخن مین عاشقانہ اثر پیدا کرنے اور بقول اسی کے محض تفنن طبع کے لیے تھا۔ رشا کی طرف مخاطب ہو کے اُس نے جو نظمین کہی ہین اُن مین سے بعض مین رشا کے عوض "زینب" کا فرضی

نام ڈال دیا ہے۔ مگر طلّ کی نسبت اپنا شوق محبت کھلے الفاظ مین ادا اور اُس کا نام لے کے کیا۔ طلّ کے معنے ہلکے مینہ کے ہین اور مرد خوبرو کو بھی کہتے ہین۔ طلّ کے ساتھ اُس کو اس قدر شغف تھا کہ کبھی اُسے اپنے عاشقانہ اشعار جو اُسی کی مدح مین ہوتے لکھ بھیجتی اور کبھی قریب بلا کے اُس سے باتین کرتی۔ ایک دن قصر کے ایک پرنالے کے پاس جا کے کھڑی ہوئی۔ طلّ کو بلایا۔ اور اپنے دو شعر اُسے سنائے اس کی خبر رشید کو پہونچ گئی۔ وہ اس سے ملا اور کہا "بہن دیکھو مین تمھین سمجھائے دیتا ہون کہ پھر کبھی طلّ سے نہ ملنا۔ نہ باتین کرنا۔ اور نہ کبھی اُس کا نام زبان پر لانا" عُلیّہ نے قسم کھا کے اقرار کیا کہ مین آپ کے اس حکم کو بجا لاؤن گی۔ یہ قسم لینے کے بعد بھی رشید کے دل سے شبہہ نہ نکلتا تھا۔ اکثر خاموشی کے ساتھ عُلیّہ کے کمرے کے پاس جاتا اور کان لگا کے سُنتا کہ کیا باتین کر رہی ہے۔ اور کس سے باتین ہو رہی ہین۔ ایک دن گیا تو عُلیّہ تلاوت قرآن مین مصروف تھی۔ اور ایسی خوش گلوئی سے قرأت کر رہی تھی کہ رشید کا دل لگ گیا۔ دیر تک چپکے کھڑا استماع رہا۔ عُلیّہ سورۂ بقرہ پڑھ رہی تھی۔ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہونچی "فان لم یصبہا وابل فطل"، تو ساری آیت پڑھ گئی مگر "فطل" کے لفظ پر پہونچ کے بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا "فالذی منعنا منہ امیرالمومنین" یعنی وہی جس سے امیرالمومنین نے منع کیا ہے۔ اس واقعہ کا رشید پر عجیب اثر پڑا۔ بیتاب ہو کے اندر گھس گیا۔ بہن کو گلے سے لگا لیا۔ اس کی پیشانی چومی۔ اور کہا "تو مین نے طلّ تمھین کو دے ڈالا۔ اور اب اس کے بعد اُس کے ساتھ تمھارا جو جی چاہے سلوک رہے مین نہ روکون گا"

اس طلّ کے متعلق عُلیّہ کی متعدد دلکش نظمین ہین جن مین اُسی نے دُھنین بھی قائم کی ہین۔ وہ سب عربی محفلون مین علی العموم گائی جاتی تھین۔ اور بہت ہی مشہور و مقبول تھین۔

رشید کو عُلیّہ سے بڑی محبت تھی۔ اور اکثر بغیر اُس کے لطف نہ آتا تھا۔ چنانچہ اُس کے عہد مین عُلیّہ حج کو گئی تو رشید کو اس کی مفارقت بہت ہی گران گزری۔ واپسی مین وہ مقام ظہر تاباذ مین کسی ضرورت سے دوچار

رو نہ ٹھہر گئی تو رشید ناراض ہوا چنانچہ واپس آ کے عُلیہ نے معذرت مین چار شعر کہے جو ایک ہی بحر مین تھے۔ مگر ان مین پہلے دو شعرون مین اور قائم کی اور دوسرے دو شعرون مین اور۔ ان اشعار کو اُن دھنون مین عُلیہ کی خوش گلو اور موسیقی دان لونڈیون نے سنایا تو رشید بہت خوش ہوا۔ اور ساری خفگی بھول گیا۔

ابراہیم بن مہدی یعنی عُلیہ کے سگے بھائی کا بیٹا عبد اللہ کہتا ہے کسی ضرورت سے رشید کو شہر رقہ مین جانا پڑا۔ وہان پہونچ کے میری پھوپی عُلیہ یاد آئین۔ اُسی وقت اُن کے ماموں یزید بن منصور کو لکھا کہ "بہن عُلیہ کو یہان میرے پاس بھیج دیجیے" یہ تحریر پہونچتے ہی پھوپی اپنی محمل مین سوار ہو کے شان و شکوہ سے روانہ ہوئین۔ راستے مین انھون نے دو شعر کہے جن مین سے پچھلے شعر کا مضمون یہ تھا کہ "جس کے دیدار کی تمنا ہے اُس سے ملنے کا شوق نہ ہوتا تو مین اِن دہشت و مشقت کے ساتھ بغداد سے نہ نکلتی" یہ اشعار سن کے رشید بہت خوش ہوا۔ اور اُس سے اور زیادہ محبت کرنے لگا۔

رشید کو عُلیہ کی شاعری و سخن فہمی کا تو پورا علم تھا مگر ابھی اس کی خبر نہ تھی کہ فن موسیقی مین بھی وہ اپنا جواب نہین رکھتی ہے۔ اس سے واقف ہونے کا باعث یہ ہوا کہ ایک دن رشید کو بیٹھے بیٹھے ابراہیم موصلی سے ملنے کا شوق ہوا۔ جو اُس عہد کا سب سے بڑا صاحب کمال مغنی تھا۔ اور دربار مین اُس کی عزت علما و فضلا اور اکابر امرا کے برابر ہوتی تھی۔ بجاے اس کے کہ اُسے بلوا بھیجے محل سے نکل کے سیدھا ڈیوڑھی پر گیا۔ پھاٹک سے باہر ہوتے ہی ایک چھوٹے گدھے پر سوار ہوا۔ اور ابراہیم کے گھر کی راہ لی۔ خدام اور غلام دوڑتے ہوئے ساتھ چلے ابراہیم کے دروازے پر پہونچا تو وہ باہر نکل آیا۔ دوڑ کے قدم چومے اور لیجا کے بٹھایا۔ یہان رشید نے بعض لڑکیون کی جھلک دیکھی جو اُس کے آتے ہی بھاگ گئی تھین۔ ساتھ ہی نظر آیا کہ کئی سرود زمین پر بے قرینے پڑے ہین۔ پوچھا "یہ سرود کیسے اور کس کے ہین؟" ابراہیم نے پہلے تو ٹالا۔ مگر جب رشید کی طرف سے زیادہ اصرار ہوا تو عرض کیا "امیر المومنین دو لڑکیان ہین اُن کو

مین موسیقی کی تعلیم دیتا ہون - وہی یہ سرود چھوڑ کے بھاگ گئین - رشید نے کہا "اُن کو بلاؤ" ابراہیم نے دونون کو لاکے پیش کر دیا - رشید نے دیکھا تو وہ نہایت ہی خوش جمال و جادو نگاہ تھین - ایک کو قریب بلا کے کہا "کچھ گاؤ - دیکھون تم نے کیا سیکھا ہے؟" اس نے ایک راگ بہت ہی سنبھل کے گایا - رشید کو اُس کی دھن بے انتہا پسند آئی - ابراہیم کی طرف دیکھ کے کہا "ابراہیم - کیا اچھے شعر ہین اور کیسی اچھی دھن ہے - یہ کس کے ہین؟" ابراہیم بولا "حضور مین نہین جانتا" تب اُس نے اُس لڑکی سے پوچھا "تم بتاؤ یہ شعر کس کے ہین - اور یہ دھن کس کی ہے؟" بولی "دونون میری بیوی کی ہین" پوچھا "تمھاری بیوی کون؟" عرض کیا "امیرالمومنین کی ہمشیرہ عُلَیّہ" حیرت سے پھر پوچھا "نظم اور دُھن دونون اُن کی ہین؟" بولی "جی حضور دونون اُنھین کی" اس جواب پر رشید نے متاثر ہو نے سر جھکا لیا - اور تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کے دوسری کنیز سے کہا "اب تم اپنا گانا سناؤ" اُس نے ایک دوسرا نغمہ گایا - اُس کی نسبت بھی یہی واقعات پیش آئے - ابراہیم نے ٹالا اور چھپایا - اور کنیز کے بیان سے کھلا کہ وہ نظم اور وہ نغمہ بھی عُلَیّہ ہی کے ایجاد ہین -

اس کے بعد رشید اُٹھ کے محل مین واپس آیا اور آتے وقت ابراہیم سے کہا "ان دونون کنیزون کو احتیاط اور حفاظت سے رکھنا" گھر پہونچ کے بجاے اپنے قصر مین آنے کے سیدھا عُلَیّہ کی محسرا مین گیا - اُس کے پاس بیٹھ گیا اور کہا "بہن آج جی چاہا کہ تمھارے پاس بیٹھ کے نبیذ پیون" حکم کی دیر تھی - محفل عیش قائم ہو گئی - اور عُلَیّہ کی کنیزین حاضر ہو کے گانے بجانے لگین - رشید تھوڑی دیر تک تو اُن کا گانا سنتا رہا - پھر ایک مغنیہ لڑکی کے آغوش سے سرود اُٹھا کے اُس نے عُلَیّہ کے گود مین رکھ دیا - یہ دیکھ کے عُلَیّہ بہت گھبرائی - آج تک کبھی رشید کے سامنے نہین گایا تھا - کسی طرح جراٴت نہ ہوتی تھی کہ صاحب تاج و تخت بھائی کے سامنے بیٹھ کے گائے - اسے متامل دیکھ کے ہرون رشید نے کہا "بہن تمھین والد مرحوم (مہدی) کی تربت کی قسم ضرور گاؤ" پوچھا "کیا گاؤن؟" رشید نے وہ چیز اور دُھن

بتائی جو ابراہیم کے مکان پر پہلی کنیز کے گلے سے سنی تھی - اب علیہ سمجھ گئی کہ بھائی کو میرے شوق موسیقی کی خبر ہو گئی - وہ اشعار گائے - اور جہان تک بن سکا محنت اور کوشش سے گائے - اُس کے بعد رشید نے دوسری لونڈی والا گیت گوایا اُس کو بھی گانا پڑا - اپنی عزیز بہن کی ایجاد کی ہوئی دھنین خاص اُسی کے گلے سے سن کے رشید اُٹھا - بہن کے سر پر بوسہ دیا - اور کہا "مجھے یہ خبر نہ تھی کہ تمھین یہ کمال بھی حاصل ہے"! اور یہ دن سارا اسی صحبت مین بسر کر کے واپس گیا -

اس کے بعد رشید کا معمول ہو گیا تھا کہ جب جی گھبراتا علیہ کے پاس آ کے کہتا "بہن کوئی نئی چیز سناؤ" چنانچہ ایک دن ایسے ہی موقع پر علیہ نے کہا "آپ کی جان کی قسم مین کوئی اور چیز نہ سناؤن گی - مگر آپ کی مدح مین خود ہی شعر کہون گی اور خود ہی اُن مین دھن قائم کر کے سناؤن گی" جیسا کہا ویسا ہی وقت فی البدیہہ تین شعر کہے - اُن مین دھن قائم کی - اور سنایا تو رشید کی یہ حالت تھی کہ محو ہو گیا - اور آپے سے باہر ہو گیا -

رشید نے رَے کا سفر کیا تو محض دلچسپی کے خیال سے علیہ کو ساتھ لے لیا - مقام مرج تک پہونچا تھا کہ علیہ کو گھر چھوٹنے کی تکلیف محسوس ہونے لگی وطن اور صحبت ہاے وطن کی یاد مین دو پُر سوز و گداز شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ "دو غریب الوطن مقام مرج مین حسرت و الم کے ساتھ رو رہا ہے یاران وطن اُس کی نظر سے اوجھل ہین - اور وطن کی طرف سے جب کوئی سوار آ جاتا ہے تو وہ اُن کے پاس جا جا کے سونگھتا ہے کہ شاید بوے وطن آ جائے" یہ شعر اسی مناسب و موزون دھن مین اُس نے خاص اپنے گلے سے رشید کو سنائے کہ وہ سمجھ گیا بہن کو سواد عراق یاد آ گئی - اور اُسی منزل سے اُس کو واپس کر دیا -

ایک دن رشید کی خدمت مین ایک ایسی صاحب جمال و آفت روزگار کنیز پیش کی گئی جو خوبی و رعنائی اور تمیز داری و شائستگی مین نظیر نہ رکھتی تھی - رات کو وہ رشید کی صحبت عیش مین رہی - اور ایک ہی رات مین اس کا

ایسا اثر پڑا کہ صبح اُٹھتے ہی رشید نے حکم دیا کہ حریم خلافت مین جتنی گانے والی کنیزین ہین سب حاضر ہون۔ دم بھر مین تقریبًا دو ہزار پری جمال مہ طلعتین جمع ہو گئین۔ جو بہترین لباس پہنے تھین۔ مرصع زیور سے آراستہ تھین۔ اور سب سے کاذاجرائی کی شان عیان تھی اُن مین سے کچھ تو ساقیہ تھین جو نبیذ کے جام پلاتین باقی سب مغنیہ تھین۔ اس جشن طرب مین رشید اس نئی محبوبہ کے ساتھ بیٹھ کے جام عیش پینے لگا۔ اُم جعفر یعنی زبیدہ خاتون کو یہ حال معلوم ہوا تو دل ہی دل مین بہت کُڑھی اور علیہ کو خبر کی کہ دیکھو تمھارے بھائی کا یہ رنگ ہے! ایک نئی عورت کے دام فریب مین ایسے پھنسے ہین کہ سارے اگلے تعلقات بھلا دیے۔

علیہ نے جواب مین کہلا بھیجا "بھابی۔ آپ اپنا دل نہ تھوڑا کرین۔ مین اُنھین پھر آپ کا بنا دون گی۔ مگر آپ ایک کام کیجیے۔ اپنی تمام پری جمال کنیزون کو بھاری پوشاکین پہنا کے میرے پاس بھیج دیجیے" زبیدہ نے یہی کیا۔ علیہ نے دو نہایت ہی پرجوش شعر کہے۔ اور اُن مین اپنی طباعی سے ایسی دھن قائم کی کہ انسان سنتے ہی بیتاب و از خود رفتہ ہو جائے۔ پھر وہ شعر اور وہ دھن زبیدہ کی اور اپنی تمام لونڈیون کو خوب ازبر اور صاف کرا دیے۔ اور سب کو اپنے انتخاب سے خاص قسم کی بانکی پوشاکین پہنائین۔

اب عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ اور رشید اُسی طرح اُس نئی محبوبہ کے ہم پہلو جشن طرب مین بیٹھا محو عیش تھا کہ ناگہان ایک طرف سے علیہ اور دوسری طرف سے زبیدہ اُس محفل مین برآمد ہوئین۔ اور دونون کے ساتھ دو ہزار آفت روزگار ماہ پیکر کنیزین تھین۔ اور ایسی عجیب و غریب دلفریب وضع مین تھین کہ رشید مبہوت ہو گیا۔ وہ مبہوت ہی تھا کہ اُن ماہ پیکر کنیزون نے صفین باندھ کے اور سُر ملا کے وہ نغمہ گانا شروع کیا۔ اُس نغمہ کا مضمون یہ تھا کہ "او بے وفا۔ تو نے مجھے چھوڑ دیا۔ مگر میرا دل تجھے نہین چھوڑتا۔ اسے آج مجھے چھوڑنے والے بتا تو سہی کہ اب کس سے ملنے کا ارادہ ہے؟"

یہ نغمۂ ہوش ربا سنتے ہی رشید بیتاب و بیقرار ہو کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور علیہ اور زبیدہ کے پاس آ کے کہنے لگا "آج سے زیادہ مسرت مجھے زندگی

نہیں نصیب ہوئی تھی" اور اس گھڑی ایسا مست و بیخود ہو رہا تھا کہ بے اختیار حکم دے دیا، "خزانے میں جو کچھ ہو لٹا دیا جائے۔ خبردار ایک درہم بھی باقی نہ رہے" مؤرخ کہتے ہیں کہ اُس تاریخ میں چھ کروڑ درہم لٹائے گئے۔ جیسا کہ اُس وقت تک کبھی کسی تاجدار کے زمانے میں نہیں سنا گیا تھا۔

یحییٰ بن خالد کا پوتا بیان کرتا ہے کہ ایک دن میرے والد خلوت و تنہائی میں دادا جان سے بیان کر رہے تھے کہ رشید کی میرے حال پہ کیا کیا عنایتیں تھیں اسی سلسلے میں اُنھوں نے ایک دن کا یہ واقعہ بیان کیا کہ میں چھوٹا اور کمسن لڑکا تھا امیر المومنین رشید نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ایک کمرے کی طرف چلے۔ اُس سے گزر کے دوسرے کمرے کے دروازے پر پہونچے تو تمام خدام اور غلام جو ساتھ تھے واپس چلے گئے۔ سب کے چلے جانے کے بعد اُنھوں نے وہ دروازہ کھولا اور مجھے اندر لیجا کے وہ دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اب مجھے لیے ہوئے وہ ایک شاہانہ شان کے کمرے کے قریب پہونچے۔ اُس کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئے۔ اس عالیشان دیوانخانے کے صدر میں ایک شہ نشین تھا۔ اُس شہ نشین پر چڑھنے کے دروازے کے پاس وہ مجھے لے کے بیٹھ گئے اور ہاتھ سے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی مجھے اندر کچھ آہٹ معلوم ہوئی اور اُنھوں نے دوبارہ دستک دی فوراً ساز چھڑ گیا۔ اور سرود کی صدائے خوش الحان میرے کان میں آئی۔ یہ آواز سنتے ہی امیر المومنین نے تیسری دستک دی۔ اور اب اندر سے گانے کی آواز سنی جانے لگی۔ یہ کسی عورت کی نہایت ہی دلکش اور محو کر دینے والی آواز تھی۔ اور ایسا اچھا نغمہ تھا کہ مجھے معلوم ہوا نہ دنیا میں اس سے اچھا نغمہ ہو سکتا ہے اور نہ اس سے اچھا سرود بج سکتا ہے۔ یہ عورت جو ہماری آنکھوں سے اوجھل تھی کئی گیت گا چکی تو رشید نے کہا "اب ذرا میری ایجاد کی ہوئی دھن بھی سنا دو"! اُس نے وہ نغمہ شروع کیا۔ اب جوش مسرت سے میری یہ حالت تھی کہ بے اختیار جی چاہتا دیوار سے ٹکرا کے اپنا سر توڑ ڈالوں۔ اتنے میں امیر المومنین نے ایک اور گیت کی فرمائش کی۔ اُس نے وہ بھی گایا اور اب میری اور رشید کی دونوں کی یہ

حالت تھی کہ گویا ہمین حال آگیا ہے۔ دونون کمال بیتابی سے کھڑے ہو کے ناچنے لگے۔ یہ نغمہ بھی ختم ہوا تو رشید نے کہا "بس اب چلو۔ ایسا نہ ہو محویت اس سے بھی زیادہ بیخود و ذلیل کرے"۔ اب وہ مجھے ساتھ لے کے اُٹھا۔ اور جب مین اندر کی دہلیز سے گزرنے لگا تو اُس نے کہا "تم نے پہچانا بھی یہ کون گا رہا تھا؟" مین نے عرض کیا "مین کیا جانون"۔ بولا "تم دل مین حیران ہو گے۔ اور بار بار یہی سوال تمھارے دل مین پیدا ہوتا ہو گا۔ مگر اس راز کو تم چھپا نہ سکو گے۔ خیر مین بتائے دیتا ہون۔ یہ میری بہن عُلَیّہ بنت مہدی تھین لیکن یاد رکھو اگر کسی کے سامنے تم نے اس واقعے کو زبان سے نکالا اور مجھے خبر ہو گئی تو تمھین زندہ نہ چھوڑون گا"۔ یہ واقعات سُن کے داجان بولے "مگر اب تو تم نے یہ راز فاش کر دیا۔ اپنی جان بچانے کی فکر کرو۔ ورنہ امیرالمومنین بے قتل کیے نہ چھوڑین گے"۔

اسی زمانہ و عہد کے صاحب کمال و نامور مغنی اسحٰق موصلی کا بیان ہے کہ ہرون رشید کے زمانے مین مین نے ایک نئی دُھن نکالی۔ وہ مجھے کچھ ایسی دلکش اور بھلی معلوم ہوئی کہ خوب مشق کر کے ارادہ کیا کہ صبح ہوتے ہی امیرالمومنین کی خدمت مین حاضر ہو کے سناؤن گا۔ صبح کو اسی ارادے سے چلا اور درِ دولت کو جا رہا تھا کہ راستے مین عُلَیّہ کا خادم ملا۔ اور سلام کر کے کہنے لگا۔ بیوی نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اسی وقت اُن کی ڈیوڑھی پہ حاضر ہو کے ایک کنیز کے گلے سے ایک دُھن سن لین جسے وہ بتاتی ہے کہ آپ کے والد مرحوم سے حاصل کی تھی۔ اور اب اُس مین کچھ شک سا پڑ گیا ہے"۔ مین فوراً اُس کے ساتھ چلا گیا۔ وہان مین ایک تنہا کمرے مین بٹھایا گیا۔ پہلے دسترخوان اور کھانے پینے کی چیزین لائی گئین۔ اور جب مین سیر ہو کے ہاتھ دھو چکا تو ایک کنیز نے آ کے کہا "بیوی فرماتی ہین کہ آپ اِس وقت امیرالمومنین کے پاس ایک نئی ایجاد کی ہوئی دُھن سنانے کو جا رہے ہین۔ پہلے وہ دُھن مجھے سنا دیجیے۔ اور اُس کے معاوضے مین آپ کو بہت کچھ انعام ملے گا"۔ معلوم ہوتا ہے اُنھین کی کسی کنیز کے ذریعے سے خبر ہو گئی

جو میرے پاس تعلیم پاتی تھی۔ مجبوراً مین نے وہ دھن گا کے سُنائی۔ اور اُنھون نے اُس کو بار بار گوا کے سنا۔ اس کے بعد میرے سامنے بیس ہزار درہم اور بیس تھان لا کے رکھے گئے۔ اور میرے دوست مین سے خود عُلَیہ نے کہا "لو یہ تمھارا انعام ہے"

میری اس دُھن کو سیکھ کے کچھ دیر تک چپکے چپکے وہ خود ادا کرتی رہین پھر بولین "لے اب اس دُھن کو مجھ سے بھی سن لو" یہ کہہ کے اُس نغمے کو اُنھون نے جو سنایا تو دلکشی ہی اور تھی۔ مین نے ایسا دلکش اور مست کرنے والا نغمہ زندگی بھر نہین سنا تھا۔ سنا کر وہ پوچھنے لگین "بتاؤ مین نے کیسا گایا؟" مین نے عرض کیا کہ باللہ العظیم مین نے آج وہ نغمہ سُنا ہے جیسا زندگی بھر نہین سنا تھا۔" اب عُلَیہ نے اپنی ایک کنیز سے کہا "لو اب تم بھی انھین ان کی یہی نئی دُھن اپنے گلے سے سنا دو" اس نے بھی سنایا۔ اور جب سنا چکی تو دوبارہ میرے سامنے بیس ہزار درہم اور بیس تھان لا کے رکھے گئے۔ ساتھ ہی عُلَیہ میرے دوست کی طرف سے بولین "وہ پہلے تو انعام تھا ورنہ اس دھن کی قیمت ہے جس کو مین نے تم سے لے لیا۔ اب مین امیر المومنین کے پاس جاتی ہون۔ سب سے پہلے یہی دُھن سناؤن گی۔ اور کہون گی کہ اسے مین نے ایجاد کیا ہے لیکن اگر کبھی تم نے کسی کے سامنے زبان سے نکالا کہ یہ تمھاری نکالی ہوئی دُھن تھی تو فوراً قتل کرا ڈالون گی۔"

اس واقعہ کے بعد مین چھپاتا ہوا عُلَیہ کی ڈیوڑھی سے نکلا۔ مجھے انعام کی اتنی خوشی نہ تھی جتنا اس دھن کے چھن جانے کا ملال تھا۔ مگر عُلَیہ رشید کی بہن تھی اُس سے خوف بھی تھا۔ اور اُس کی ہیبت اس قدر چھائی تھی کہ اور کسی کے سامنے گانے کا ذکر نا درکنار مجھے اُس دُھن کا خیال بھی آجاتا تو کانپنے لگتا کہ کسی کو خبر ہو جائے۔ یہان تک کہ مامون رشید کے عہد مین عُلَیہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اُس کے سوگ کے بعد مامون نے جو پہلی صحبت طرب قائم کی اُس مین مین نے سب کے پہلے وہی دُھن گا کے سُنائی۔ سنتے ہی مامون کی رنگت بدل گئی۔ اس دھن کو وہ عُلَیہ کے گلے سے سُن چکا تھا۔ غصہ کے ساتھ مجھ سے پوچھا "تمھین یہ دُھن کہان سے ملی؟" عرض کیا "جان کی امان ہو تو سچ سچ عرض کرون" اُس نے امان دینے کا وعدہ

کیا۔ اور مین نے ساری سرگزشت کہہ سنائی۔ تمام واقعات سُن کے ماموں نے کہا "او کینہ ور کمظرف! اب بھی مجھے اس واقعہ کا ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ تو نے اُس معاوضے پر کیون نہ قناعت کی جو تجھے مِل چکا تھا" ماموں کی یہ تعریض سُن کے مین نے قسم کھائی کہ پھر کبھی اس نغمے کو نہ گاؤن گا۔

اُس دور کی نامور مغنیہ رَیق کہتی ہے ایک دن مین امیر المومنین ہرون رشید کی صحبت طرب مین تھی۔ وہ اور اُن کے بھائی منصور دونون بیٹھے نبیذ کے جام پی رہے تھے۔ اور عیش و طرب مین مصروف تھے کہ عَلیہ کی لونڈی خلوب آئی۔ مگر اس شان سے کہ دو خوش رو کنیزین اُس کے آگے آگے تھین جن کے ہاتھون مین نبیذ کے لبریز جام تھے۔ پیچھے بھی ایک ماہ پیکر کنیز تھی جس کے ہاتھ مین تنبور تھا۔ امیرالمومنین کا سامنا ہوتے ہی اُس نے تنبور چھیڑا اور خلوب نے ایسی برانگیختہ کرنے والی مستانہ دُھن مین چند شعر گائے کہ صحبت کو محو کر دیا۔ یہ نغمہ گاتے ہی گاتے اُس نے دونون بھائیون کو وہ دونون جام نبیذ دیے۔ اور ادب سے بڑھ کے ایک رقعہ رشید کے ہاتھ مین دیا۔ رشید نے پڑھا تو اُس مین لکھا تھا "یا سیدی۔ آپ کی بہن نے آج یہ دُھن ایجاد کی ہے۔ اور لونڈیون کو اُس کی تعلیم دے کے خدمت مین پیش کر دیا۔ خدا آپ کی مسرت کو برقرار اور آپ کے عیش کو پائدار رکھے"

ایک دن عَلیہ نے عید کی مبارکباد مین دو شعر کہے اُن مین خود ایجاد کر کے ایک روح افزا و مسرت بخش دُھن قائم کی اور خود آ کے بھائی کو خاص اپنے گلے سے ادا کر کے سنائے۔ رشید بے انتہا مسرور ہوا۔ وہ دھن عام محفلون مین مشہور ہو گئی یہان تک کہ مدتون کے بعد ایک عید کے جشن مین عَریب مغنیہ نے وہ دُھن اس خوبی سے معتمد علی اللہ کو سنائی کہ وہ مارے خوشی کے مست ہو گیا۔ اور بیخودی مین عَریب کو تیس ہزار درہم انعام مین دے ڈالے۔

رشید کے ساتھ عَلیہ کو بڑی محبت تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اُس کا سارا عیش اُسی کے دم سے وابستہ ہے۔ جب ہرون رشید

نے سفر آخرت کیا تو اُسے بڑا بھاری صدمہ ہوا - حد سے زیادہ روئی پیٹی نبیذ پینا چھوڑ دی - اور گانا بھی چھوڑ دیا - مگر امین الرشید نے بہت اصرار کیا کہ پھر پیے - اب وہی خلیفہ تھا اور اُس کی مخالفت اندیشے سے خالی نہ تھی - جبراً گایا - مگر جو شعر کہے اور اُن میں جو دُھنیں قائم کیں دونوں سے مجبوری و معذوری کے اظہار کے ساتھ بلا کی حسرت ناکی ظاہر ہوتی تھی -

مگر امین کے بعد جب مامون رشید مسند نشین خلافت ہوا تو وہ ہر علم و فن کا اتنا بڑا مربی تھا کہ اُس کے دربار میں ایک سے ایک بڑا صاحب کمال موجود تھا اور اُس کی بے انتہا قدر ہوتی تھی - مامون نے علیہ کے ساتھ ایسی خوردانہ محبت ظاہر کی اور اس خوبی کے ساتھ اس کی دلدہی و قدر کرنے لگا کہ اُسے مرحوم بھائی رشید کی یاد بھولنے لگی - اور مامون کے خوش کرنے کے لیے پھر اسے فن موسیقی میں اپنے کمالات ظاہر کرنا پڑے - مگر اس پر بھی کبھی نہیں ہوا کہ علیہ نے مامون کی خوشامد اور اُس کے خوش کرنے کے لیے کوئی قصیدہ کہا ہو یا کوئی نغمۂ مبارکباد ایجاد کیا ہو - ہاں اُس نے اپنا وہ نہ گانے کا عہد البتہ توڑ دیا -

چنانچہ رشید کا بیٹا ابو احمد لکھتا ہے میں ایک دن مامون کی پرائیوٹ صحبت میں بیٹھا ہوا تھا اور میرے برابر میرے دونوں چچا منصور اور ابراہیم تھے - اتنے میں علیہ کا غلام یاسر آیا - اور مامون کے کان میں کچھ کہا - مامون نے سن کے ابراہیم کو اشارہ کیا - وہ اُٹھ کے ایک پردے کے اندر چلے گئے جو حرم کی جانب دیوان خاص سے ملا ہوا تھا - اُنھیں گئے چند لمحے ہوئے تھے کہ یکایک ایسے نغمۂ دلکش کی آواز کان میں آئی کہ میں بے اختیار جھومنے لگا - مامون نے پوچھا "جھومتے کیوں ہو؟" عرض کیا "ایسا نغمہ سُن رہا ہوں کہ آداب دربار بھی بھولے جاتے ہیں زندگی بھر کبھی ایسا نغمہ مستانہ نہیں سُنا تھا" اُس نے کہا "یہ تمھاری پھوپی عُلیہ تمھارے چچا ابراہیم سے ایک دُھن میں مقابلہ کر رہی ہیں"

علیہ کے سگے بھائی ابراہیم بھی موسیقی میں اعلیٰ ترین کمال رکھتے تھے - اور اس فن میں سوا اسحٰق موصلی کے اور کوئی اُن کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا - اور

ان دونون بہن بھائیون کے ایسے صاحب کمال موسیقی دان ہونے کی وجہ سے اُس زمانے کے بعض اکابر اسلام کا دعویٰ تھا کہ "اسلام مین کوئی ایسے دو بہن بھائی نہین پیدا ہوئے جو ایک ہی فن مین اتنا اعلیٰ پایہ رکھتے ہون نہ موسیقی مین کوئی عورت علیہ کی ہم پایہ تھی اور نہ کوئی مرد ابراہیم کا ہم رتبہ تھا اور لطف یہ کہ موسیقی کے بڑے بڑے اُستاد علیہ کو ابراہیم پر ترجیح دیتے تھے۔

یہی ابراہیم بن مہدی کہتے ہین کہ مجھے جیسی ندامت ایک دن بہن علیہ کے سامنے ہوئی زندگی بھر نہین ہوئی تھی۔ وہ کچھ بیمار تھین مین عیادت کو گیا۔ پوچھا "بہن کیسی ہو؟ اور کیا حال ہے؟" اُنھون نے جواب دیا "الحمد للہ اچھی ہون۔" وہ یہ کہہ رہی تھین کہ میری ایک آفت روزگار و ماہ پارہ کنیز کے دلفریب چہرے پر نظر پڑ گئی جو اُن کے پیچھے کھڑی مگس رانی کر رہی تھی۔ اُس کا پیارا پیارا مکھڑا مجھے ایسا بھلا معلوم ہوا کہ اُس کے دیکھنے مین محو اور دنیا و مافیہا سے بیخبر ہو گیا۔ اس محویت سے یکایک چونکا۔ اور بہن کی طرف متوجہ ہو کے پھر پوچھا "آپ کیسی ہین؟ اور کیا مزاج ہے؟" میرے اس سوال پر اُنھون نے سر اُٹھایا۔ مڑ کے اپنی اُس کنیز کو دیکھا اور پھر لیٹ کے مجھ سے کہا "ابھی ابھی تم مجھ سے پوچھ چکے اور مین اس کا جواب بھی دے چکی"۔ اُن کے ان الفاظ سے مجھ پر گھڑون پانی پڑ گیا۔ اور مارے ندامت کے اُٹھ کر چلا آیا۔

ایک دن مرحوم خلیفہ ہادی کا بیٹا اسمٰعیل مامون کے پاس گیا تو وہان زنانی حرم سرا کی طرف سے ایک ایسا نغمہ دلکش و روح افزا سُنا کہ مست ہو گیا۔ اور ہوش و حواس بجا نہ رہے۔ مامون نے یہ حالت دیکھ کے پوچھا "کیون؟ خیریت تو ہے؟" اُس نے عرض کیا "امیر المومنین۔ ایسا نغمہ سُن رہا ہون کہ بیخود ہوا جاتا ہون۔ آج معلوم ہوا کہ لوگ جو کہتے ہین کہ ارغنون رومی کا نغمہ سُن کے انسان کو شادی مرگ ہو جاتا ہے بالکل صحیح ہے۔ مجھے اس کا یقین ہو گیا۔" مامون نے پوچھا "اور کچھ سمجھے بھی کہ یہ کیا ہے؟" عرض کیا "خدا کی قسم نہین سمجھا۔" کہا "یہ تمھاری پھوپی علیہ ہین جو تمھا

چچا ابراہیم کو اپنی ایک دھن سکھا رہی ہین۔

اگرچہ موسیقی نے بظاہر علیہ کی شاعری کو مغلوب کر لیا تھا۔ اس لیے اُس کے جتنے اشعار سُنے گئے ہین سب گانے اور اُن مین دھنین قائم کرنے کے لیے تھے۔ مگر نہین۔ وہ پوری شاعرہ تھی۔ اُس کے کلام کو موسیقی سے عاری کر کے دیکھیے تو پورے کمالات شاعری کا پتہ چلتا ہے۔ وہ فی البدیہہ کہتی تھی اور بہت اچھا کہتی تھی۔ چنانچہ اپنے بھائی علی بن مہدی کی بیٹی لُبانہ کی تعریف مین اُس نے دو ایسے پاکیزہ شعر کہے کہ جس نے سُنے داد دینے لگا۔

اُس کی ڈیوڑھی پر ایک داروغہ تھا سباع۔ علیہ کو اُس کی بددیانتی کی خبر پہونچی۔ اُسے پٹوایا اور قید کر دیا۔ محلہ والون کو اُس شخص سے ہمدردی تھی۔ سب نے مل کے اُس کی سفارش مین ایک عرضی علیہ کے ملاحظے مین پیش کی۔ علیہ نے اُس عرضی پر فی البدیہہ تین شعر کہہ کے لکھ دیے۔ جن سے جواب شافی ملتا تھا کہ سباع قابل اعتبار نہین۔ اُس کا جرم ثابت ہے۔ اور اُس کی سفارش بے محل اور بے وجہ ہے۔

مامون رشید ہی کے زمانے سنہ ۲۱۰ھ مین علیہ نے پچاس برس کی عمر مین انتقال کیا۔ ابھی اُس کے مرنے کے دن نہ تھے۔ مگر ایک ایسا عجیب واقعہ پیش آگیا کہ علیہ کو مارے غیرت کے دنیا سے مُنہ چھپا لینا پڑا۔ ہوا یہ کہ مامون کے اصرار سے اُس نے ایک نغمہ گایا۔ اُس کی دھن ایسی دلکش اور بیخود کر دینے والی تھی کہ مامون بیخود ہو کے اُٹھ کھڑا ہوا اور بے اختیار پھوپی کو گلے سے لگا کے پیار کر لیا۔ اگرچہ اس حالت مین بھی علیہ کے مُنہ پر نقاب تھی اور مامون کے ہونٹ اُس کے ہونٹھون سے مس نہین ہوئے۔ مگر علیہ کے دل کو ندامت کا ایسا شدید دھکا پہونچا کہ اُسی وقت بخار چڑھ آیا اور اُس بخار اور کھانسی نے تین ہی چار روز کے اندر اُس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔

سچ یہ ہے کہ ایک پاکدامن امیرزادی کے لیے اس سے زیادہ باحیا موت نہین ہو سکتی۔

مگر مرنے کے بعد بھی علیہ ایسی مقبول عام اور نادر روزگار یادگار چھوڑ گئی تھی کہ خلافت عرب کی مہذب اور امیرانہ صحبتوں میں ہمیشہ اُس کی یاد تازہ رہتی۔ اور ہر محفل طرب میں اُس کا نام عزت سے لیا جاتا۔

زمانۂ مابعد میں شہرت پانے والی مغنیۂ عرب عریب کہا کرتی تھی کہ میری زندگی میں سب سے بہتر اور دلکش وہ دن تھا جس دن میں علیہ کی صحبت میں گئی۔ اُن کے بھائی ابراہیم اور یعقوب بھی اُن کے پاس بیٹھے ہوا رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ سُر دینے لگے اور یعقوب سُر دینے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ علیہ نے خاص اپنی ایجاد کی ہوئی دُھنیں گانا شروع کیں۔ ان کے بھائی ابراہیم نے چند اپنی دُھنیں گائیں۔ اور یعقوب اُن کے ساتھ بھی سُر دیتے رہے"

یہ واقعہ بیان کر کے عریب کہنے لگی ایسا نغمۂ دلکش میں نے کبھی زندگی میں نہ اُس سے پہلے سُنا تھا۔ نہ اُس کے بعد سُنا۔ اور نہ آیندہ سننے کی امید ہے۔

بعد کے بعض خلفا سے آل عباس اس بات کو چھپانا چاہتے تھے کہ اُن کے خاندان کی ایک محترم خاتون گاتی بجاتی تھی۔ چنانچہ موسیٰ ہادی کا پوتا محمد بن اسمعیل کہتا ہے ایک دن میں معتصم باللہ کی صحبت عیش میں شریک تھا۔ مشہور مغنیوں میں سے مخارق۔ علویہ۔ محمد بن حارث اور عقید بیٹھے ہوئے تھے۔ عقید گا رہی تھی۔ اور میں سرود چھیڑتا تھا۔ گاتے گاتے اُس نے ایک چیز گائی جس کا مضمون یہ تھا کہ "ملامت کرنے والے تھک کے سو گئے۔ اور میری آنکھ نہ لگی۔ میرے مرض سے شکایت کرنے والے تیمارداروں کو شفا ہو گئی۔ اور میری وہی حالت ہے"

یہ نغمہ سُن کے معتصم انتہا سے زیادہ محظوظ ہوا۔ اور پوچھا "یہ کس کے اشعار ہیں؟ اور کس کی بنائی ہوئی دُھن ہے؟" جواب میں اور سب تو خاموش رہے مگر میں بول اُٹھا "دونوں چیزیں علیہ کی ہیں!" سنتے ہی معتصم نے میری طرف سے مُنھ پھیر لیا۔ ساری محفل میں سناٹا چھا گیا۔ اور میں اب سمجھا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی جو علیہ کا نام زبان سے نکالا۔ میری ندامت کو آخر معتصم نے محسوس کیا۔ اور کہا "محمد پریشان نہ ہو۔ اس کا جواز

مجھ پر پڑتا ہے وہی تم پر بھی پڑتا ہے"۔

مگر خلیفہ منتصر کی یہ حالت نہ تھی۔ اس کا مذاق ہی اور تھا۔ اُس کی محفل طرب میں بنان مغنیہ نے ایک دلکش نغمہ گایا۔ جس کے اشعار کا مضمون یہ تھا کہ "قصر جعفری کی ملکہ! اور بادشاہ و رعایا دونوں کی حاکم! اللہ ہمارے قتل سے درگزر۔ ہم نہ ظلم میں نہ ترک"۔ یہ نغمہ گا کے بنان بے اختیار ہنس پڑی۔ منتصر نے پوچھا "اس میں ہنسنے کی کون بات تھی؟" عرض کیا "مجھے یہ خیال کر کے ہنسی آئی کہ اس گیت کا مصنف یعنی شاعر کون شخص تھا؟ دھن قائم کرنے والا کس پایہ کا تھا؟ اور سننے والا کتنا بڑا شخص ہے؟" منتصر نے کہا "صاف صاف بیان کرو تاکہ مجھے بھی لطف آئے"۔ عرض کیا "یہ شعر ہرون رشید کا ہے۔ دھن علیہ بنت مہدی کی ہے۔ اور سننے والے امیرالمومنین المنتصر باللہ ہیں۔" یہ جواب منتصر کو بہت ہی پسند آیا۔ چنانچہ اس نغمہ کو وہ اکثر مغنیوں سے بار بار گوا کے سنا کرتا۔

عریب کا شاگرد میمون بن ہرون مغنی کہتا ہے "میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ علیہ بنت مہدی میرے سامنے آئی ہیں۔ اور میں اُن سے پوچھ رہا ہوں کہ خاص آپ کی ایجاد کی ہوئی کتنی دھنیں ہیں۔ اُنھوں نے بتایا پچاس سے زیادہ۔ اس کے بعد میں نے اپنی گانے کی اُستانی عریب سے اس خواب کا تذکرہ کیا تو وہ بولیں "بے شک اُن کی دھنیں اتنی ہی ہیں"۔

متوکل کے عہد میں ایک مقبول و مشہور مغنیہ تھی خشف واضحیہ اُس سے اور عریب سے متوکل کے سامنے اس پر اختلاف ہوا کہ علیہ کی نکالی ہوئی کتنی دھنیں ہیں۔ خشف نے تہتر دھنیں بتائیں۔ عریب نے کہا "نہیں بہتر ہی ہیں"۔ متوکل نے کہا "اس کی سند نہیں۔ اُن کی وہ سب دھنیں مجھے گا کے سناؤ"۔ دونوں نے علیہ کی دھنوں کو گانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ پوری بہتر دھنیں گا گئیں۔ تہترہویں دھن خشف نے حافظے پر لاکھ زور ڈالا نہ یاد آئی۔ اور عریب کے مقابل اُسے خفیف ہونا پڑا۔ نہایت ہی دل شکستہ گھر میں آئی۔ رات کو خواب میں کیا دیکھتی ہے کہ علیہ آئی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ "خشف عریب نے تم سے اختلاف تو کیا مگر حق پر تمھیں تھیں۔ میری وہ دھن جس کو تم بھول گئیں یہ ہے"۔

یہ کہہ کے اُنھون نے وہ دُھن گا کے بتائی۔ اور اس طرح گائی کہ میرے دل پر نقش ہو گئی۔ اور جیسا اُنھون نے گایا ویسا نغمہ مین نے زندگی بھر نہین سُنا تھا۔ اس خواب مین علیہ نے مجھے اور بھی بہت سے رموز موسیقی بتائے۔

صبح کو مین اُٹھی تو مارے خوشی کے جامے سے باہر تھی۔ سویرے ہی متوکل کی خدمت مین حاضر ہوئی۔ خواب کا واقعہ بیان کر کے وہ دُھن سُنا دی جو تب بھی بُلوائی گئی تھی اُس نے سُن کر کہا "اس دُھن کو تو مین مانے لیتی ہون کہ علیہ کی ہے۔ مگر یہ خواب تمھارا تصنیف کیا ہوا معلوم ہوتا ہے" مین نے اس پر قسمین کھائین تو خلیفہ کو یقین آیا اور اُنھون نے تسلیم کر لیا کہ واقعی مجھے رات کو علیہ کی زیارت نصیب ہوئی۔

مدینہ طیبہ کے یہود کی ابتدا

جب حضرت رسول خدا محمد مصطفےٰ صلعم نے مشرکین مکہ کے ستانے سے عاجز آکے وطن کو خیرباد کہی اور مدینہ یثرب مین جا کے توطن اختیار کیا اُس وقت وہان اور اطراف و جوانب مین کثرت سے یہود آباد تھے مگر اُن پر غالب یمن کے قحطانی النسل قبائل اوس و خزرج تھے جو قدیم مذہب بت پرستی پر قائم تھے۔ ایک مورخ کے لیے غور طلب یہ امر ہے کہ یہودی قبائل اور اُن کے ساتھ رہنے والے مشرکین اوس و خزرج یہان کب آئے اور کیونکر اس گمنام و مجہول الحال شہر مین پہونچ کے آباد ہوئے۔

مدینے کے پہلے رہنے والے اور اُس کے حکمران یہود کے قبائل بنی قریظہ اور بنی نضیر تھے۔ یہ دونون قبیلے کاہن کہلاتے تھے۔ اور اس لقب کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بھائی جناب ہرون کے ایک فرزند کی نسل سے تھے جن کا نام کاہن تھا۔ یہ لوگ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد اور جنوبی عرب کے مشہور سیلاب عرم سے پہلے یہان آ کے آباد ہوئے تھے۔ اُن سے پہلے مدینہ یثرب مین نسل عمالقہ کی ایک قوم رہتی تھی

جو فنا ہوگئی اور اُس کا نام و نشان بھی مٹ گیا۔ عمالقہ ابتدائی عہد میں بڑے ذی شوکت اور سرکش لوگ تھے۔ اور مختلف شہروں میں پھیل گئے تھے۔ اُن کے جو خاندان مدینہ میں آ کے مقیم ہوئے بنی ہِف، بنی سعد، بنی ازرق اور بنی مطروق تھے۔ اُن کے دور فرمان روا و شہریار حجاز ارقم نام ایک شخص تھا جو تیما اور فدک کے درمیان میں رہتا تھا۔ اور اُن کی نسل اس قدر بڑھی اور پھیلی کہ مدینہ اُن سے بھر گیا۔ چاروں طرف کثرت سے اُن کے باغ تھے۔ اور سرسبز کھیتیاں تھیں۔ یہی لوگ جبارین کے لقب سے یاد کیے گئے۔ جبارین وادی القریٰ کی سرکوبی کے لیے حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کی فوجیں بھیجی تھیں۔ جن کو حکم دیا کہ وہاں پہونچتے ہی اُن سب مشرک سرکشوں کو قتل کر ڈالنا اور ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑنا۔ حضرت موسیٰ کا یہ لشکر حجاز میں آیا۔ عمالقہ پر فتحیاب ہوا۔ اور اُن میں سے جتنے ملے سب کو قتل کر ڈالا۔ فقط اُن کے فرمان روا ارقم کا ایک کمسن لڑکا زندہ بچ گیا۔ یہ لڑکا بہت خوبصورت اور شکیل تھا۔ اُس کی بھولی صورت دیکھ کے اسرائیلیوں کو اُس کے قتل کرنے میں تامل ہوا۔ اور باہم طے پایا کہ اُسے حضرت موسیٰ کے پاس زندہ پکڑ لے چلیں۔ انھیں جو مناسب معلوم ہوگا کریں گے۔ چنانچہ اُس کو گرفتار کر کے ساتھ لیا اور واپس ہوئے۔ ارض سینا میں پہونچے تو حضرت کلیم اللہ وفات پا چکے تھے۔ بنی اسرائیل نے اُن لوگوں سے اُن کی سرگذشت پوچھی تو انھوں نے سب حال بیان کر دیا۔ اور کہا "بجز اس ایک لڑکے کے ہم نے کسی کو زندہ نہیں چھوڑا۔ اور اس کو چھوڑا تو محض اس کی خوبصورتی اور فراست کی وجہ سے اور اُسے بھی آزاد نہیں کیا بلکہ گرفتار کر کے ساتھ لیتے آئے ہیں۔" یہ حالات سن کے بنی اسرائیل نے کہا "یہ تو تم نے حکم رسالت کی نافرمانی کی۔ تم کو سب کے قتل کر ڈالنے کا حکم تھا۔ اس لڑکے کو زندہ کیوں رکھا؟ اب اس نافرمانی کی یہ سزا ہے کہ ہم تم کو اپنے گروہ میں نہ لیں گے۔ اور نہ اپنے ساتھ ارضِ فلسطین میں رہنے دیں گے۔"

بنی اسرائیل نے اُن کو اپنے گروہ سے نکال دیا تو انھوں نے باہم مشورہ کیا۔ اور یہ قرار پایا کہ "جب ہماری قوم والے ہمیں اپنے ساتھ نہیں رہنے دیتے تو ہم وہیں چل کے کیوں نہ ٹھہریں جہاں سے آئے ہیں اور جس

مفرزمین کو اپنی قوت بازو سے فتح کیا ہے مقتول عمالقہ کے مکان خالی اور
سونے پڑے ہین چلو اُنھین کو آباد کرین۔" اس تجویز کی مطابق سب لوگ پھر ارض حجاز
مین واپس آئے۔ اور مدینے مین آباد ہو گئے۔ یہی اسرائیلی لشکر مدینے مین یہود کی
پہلی آبادی ہے۔ چند روز مین جب اُن کی نسلین بڑھین اور مدینے مین جگہ نہ رہی
تو اُن کی شاخین مدینے کے شمالی جانب پھیلنا شروع ہوئین۔ وہان کے زرخیز
و شاداب مقامون مین اُنھون نے جائدادین پیدا کین۔ کھیت جوتتے بوتے اور
مدت تک برابر کامیابی سے پھولتے پھلتے رہے۔

مدت ہاے دراز کے بعد جب شام مین رومیون نے بنی اسرائیل
پر حملہ کیا تو اُنھین پامال اور گرفتار کرنے لگے۔ اور جہان اسرائیلی ملتے تہ تیغ کیے
جاتے۔ اُن کی عورتین لونڈیان بنا بنا کے رومیون کے حرمون مین داخل
ہوتین اُس وقت فلسطین کے یہود مین سے قبائل بنی نضیر۔ بنی قریظہ اور
بنی بہدل کے بہت سے لوگ مع اہل و عیال کے بھاگ کے مدینے مین آئے۔
اور یہین فروکش ہو گئے۔ اُن کے چلے آنے کا حال قیصر روم نے سُنا تو اُن
کے واپس لانے کے لیے اپنی فوجین بھیجین۔ مگر شام سے حجاز تک ایسا
لق و دق صحرا ہے کہ رومی چند ہی منزلون مین تنگ آ گئے۔ تاہم قیصر کے
حکم سے برابر بڑھتے چلے آئے یہان تک کہ مقام تمر تک پہونچتے پہونچتے شدت
تشنگی و گرسنگی سے سب ہلاک ہو گئے۔ اور اسی واقعے کی یادگار مین مقام
تمر "تمرالروم" مشہور ہو گیا۔

یہ تازہ وارد اسرائیلی قبائل مدینے مین آئے تو پہلے شہر کے باہر
مقام غابہ مین ٹھہرے۔ مگر وہان کی زمین بالکل خشک و بے گیاہ تھی۔ ایک
شخص کو روانہ کیا کہ گرد و نواح مین پھر کے آباد ہونے کے لیے اچھی جگہ
ڈھونڈھ نکالے۔ وہ پھرتا پھراتا شمال کی طرف وادی بطحان اور مخذور
مین پہونچا۔ وہان کی زمین سیراب پائی۔ اور پانی میٹھا تھا فوراً واپس آ کے
یہود کو خبر کی۔ چنانچہ اُسی وقت بنی نضیر وادی بطحان مین اور بنی قریظہ اور
بنی بہدل وادی مخذور مین فروکش ہو گئے۔

اب مدینے اور اُس کے اطراف مین یہودی ہی یہودی تھے۔ اور اُن کے مشہور قبیلے حسب ذیل تھے:۔ بنی عکرمہ۔ بنی ثعلبہ۔ بنی محمر۔ بنی زعوزہ۔ بنی قینقاع۔ بنی زید۔ بنی نضیر۔ بنی قریظہ۔ بنی ہدل۔ بنی عوف۔ اور بنی قصیص۔ یہی تمام آباد و شاداب زمینون کے مالک تھے۔ اِنھین کے ہاتھ مین حکومت تھی اور جو کچھ تھا اُنھین کا تھا۔ ان مین سے جو لوگ خاص یثرب کے اندر آباد تھے زیادہ شریف۔ زیادہ دولتمند۔ اور تمام یہود مین زیادہ معزز تصور کیے جاتے۔ ان مین بنی قریظہ اور بنی نضیر کو زیادہ خصوصیت حاصل تھی۔ اس لیے کہ وہی کاہن بن ہارون کی اولاد مین سمجھے جاتے تھے۔

اُنھین مین ملے ہوے مگر مغلوب و مقہور بعض قدیم عربی الاصل خاندان بھی تھے جن کے قبائل حسب ذیل تھے:۔ بنی حریان یہ یمن کا ایک خاندان تھا۔ بنی مرثد۔ بنی نیف یہ دونون قبیلے بنی بلی کی شاخین تھین۔ بنی سلیم کا ایک گروہ جو بنی معاویہ کہلاتا اور بنی غسان کا ایک گھرانا جو بنی ثعلبہ کہلاتا تھا

یہود یثرب کو یہ امتیاز حاصل تھا اور بلا شرکت احدے انا و لاغیری کا ڈنکا بجا رہے تھے کہ یمن کے قدیم شہر مارب مین سیلاب کی بلائے عظیم نازل ہوئی۔ بند کے ٹوٹنے سے اتنا بڑا سیلاب عظیم آیا کہ بنی ازد کا قدیم قحطانی الاصل زبردست قبیلہ تباہ ہو گیا۔ اور اُس کے تمام لوگ بے خانمان ہو گئے۔

اس تباہی و بربادی کے موقع پہ اُن کے ایک شیخ نے سب کو جمع کر کے کہا۔ سنو تم مین سے جس کے پاس اونٹ ہون دودھ ہو۔ اور مشکیزہ ہو وہ اس مقام کو چھوڑ کے ارض شنوءہ کے شہر شنی مین چلا جائے اور وہان کی سکونت اختیار کرے۔ جو کوئی فقر و فاقہ مین مبتلا ہو مصائب زمانہ کو صبر سے برداشت کر سکتا ہو وہ بطن مر مین چلا جائے جو شراب و کباب حکومت و فرمانروائی اور دیبا و حریر کا شوق رکھتا ہو بلاد بصریٰ و حضیر کی راہ لے جو ملک شام کے جنوب مین ہین۔ جو لوگ بلند حوصلہ ہون مضبوط سواریان اور کافی زاد راہ رکھتے ہون وہ قصر عمان کی طرف

جائین۔ اور جو لوگ نرم زمین مین ٹیلے اور وطن ہی مین پیدا ہونے والی غذا چاہتے ہون وہ شہر یثرب کی راہ لین۔ اس لیے کہ وہان کھجور کے باغون کی کثرت ہے؟"

بناءً علیہ ازدہ بنی ازد نے اس شورے کے مطابق مختلف مقامات مین جا جا کے سکونت اختیار کی اور جہان گئے وہان نئے نامون اور لقبون سے مشہور ہوے جو ازدی شنوءہ مین گئے ازد شنوءہ مشہور ہوئے۔ جو ازدی بطن مُر مین جا کے مقیم ہوے وہ خزاعہ کہلائے۔ جو ازدی جنوبی شام مین چلے گئے۔ غسان نام ایک چشمۂ آب پہ ٹھہرنے کی وجہ سے بنی غسان مشہور ہوئے۔ جو ازدی قصر عمان مین گئے وہان کی جانب منسوب ہوئے اور ان ازدیون مین سے جو یثرب مدینہ مین آ کے ٹھہرے وہ اوس و خزرج ہین۔

یہ دونون ازدی الاصل قبیلے جب مدینہ یثرب مین پہونچے تو پہلے ایک ایسے بلند ٹیلے پر فروکش ہوئے جہان تک پانی نہ پہونچ سکتا تھا۔ اس تکلیف سے چند ہی روز کے اندر وہ منتشر ہونے لگے۔ بعض تو ایسی بے گیاہ زمینون مین جا کے مقیم ہوئے جہان آس پاس کوئی اور نہ تھا بعض اطراف و نواح کے گانون مین پہونچے اور اور لوگون کے ساتھ مل کے رہنے لگے۔ مگر سب کی عام حالت یہ تھی کہ مضیبت و تنگدستی مین مبتلا تھے۔ اور مشقت و بے نتیجہ جد و جہد مین زندگی بسر کرتے تھے۔ نہ اُن کے پاس اونٹ تھے۔ نہ بکریان تھین۔ نہ اُن کے قبضے مین باغ تھے نہ کھیتی کی زمینین تھین۔ کسی کے پاس بجز اوسر قطعات زمین کے جن مین بہت ہی کم پیدا ہو سکتا ہو کچھ نہ تھا۔

ایک مدت مدید تک دونون ازدی قبائل اوس و خزرج اسی افلاس و تنگدستی کی حالت مین مبتلا رہے۔ یہان تک کہ اُن مین ایک شخص مالک بن عجلان سفر کر کے ارض شام مین بنی غسان کے فرمان روا ابو جبیلہ غسانی کے پاس گیا۔ ابو جبیلہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ اس کا ہم نسب ازدی الاصل ہے تو اُس کی قوم اور مسکن کے حالات پوچھے

اس نے جو حالت تھی بیان کر دی کہ "ساری قوم سخت ذلت و مصیبت مین مبتلا ہے مفلسی و فلاکت کی کوئی حد نہین - اور فلاح کی کوئی صورت نہین نظر آتی!" یہ واقعات سن کے ابو جبیلہ بولا "خدا کی قسم ہماری نسل کی کوئی قوم آج تک کسی شہر مین جا کے نہین ٹھہری کہ وہان سب لوگون پر غالب آ گئی ہو - تمھاری قوم کی یہ حالت افسوسناک اور ہمارے لیے موجب ننگ ہے" پھر اُس نے کہا "تم اپنی قوم مین واپس جاؤ - اور سب کو خبر کر دو کہ مین اُن کی مدد کے لیے آتا ہون"

اُس کا یہ پیام لے کے مالک بن عجلان واپس آیا اور اپنے قبیلے والون سے شاہ غسان کی آمد کی خبر سُنائی - اُس کے ساتھ ہی اُس نے یہود کو بھی اطلاع دی کہ تاجدار غسان تمھارے شہر کی سیر کو آتا ہے - اُس کی دعوت اور اُس کے ٹھہرنے کا بندوبست کر رکھو - چندہی روز بعد ابو جبیلہ ایک زبردست لشکر کے ساتھ یثرب مین آ پہونچا اور مقام ذی حرض مین خیمہ زن ہوا - اُس نے آتے ہی اوس و خزرج کے پاس کہلا بھیجا کہ "یہود کو ابھی دھوکے مین رکھنا تاکہ آسانی سے اُن کے سرغنا عمائد اور شرفا قتل ہو جائین اور اِس کی نوبت نہ آنے پائے کہ وہ اپنے قلعون مین جا کے پناہ گزین ہو جائین - اور ہمین مدت تک محاصرہ کرنا پڑے"

اس کے بعد شاہ غسان نے اپنے پڑاؤ مین ایک وسیع احاطہ کھنچوایا اور یہود کے پاس کہلا بھیجا کہ بادشاہ غسان آپ لوگون سے ملنا چاہتا ہے - یہ پیام پہونچتے ہی وقت مقررہ پر تمام اکابر یہود اور تقریباً وہ سب جوان جو کچھ حیثیت رکھتے تھے اُس کی لشکرگاہ مین آ کے جمع ہو گئے - اور ہر شخص اس شان اور آن بان سے آیا کہ اپنے ساتھ اپنے غلامون اور خدم و حشم کا ایک جلوس بھی لیتا آیا - ان لوگون کے جمع ہو جانے کے بعد اُس نے حکم دیا کہ اُس کے سپاہی دعوت کے بہانے تھوڑے تھوڑے لوگون کو اس احاطے مین لیے جائین - اور وہان فوراً قتل کر ڈالین - اس طریقے سے جتنے یہود وہان جمع ہوئے تھے سب قتل کر ڈالے گئے - اور دوسرے دن جب اس کی خبر مشہور ہوئی تو یہود مین کہرام مچ گیا - بنی قریظہ کی ایک عورت سارہ نے

اُن مقتول یہود کا مرثیہ لکھا۔ اور اُس کے جواب مین عبید ابن سالم نام ایک خزرجی شاعر نے جو رقیق کے لقب سے مشہور تھا۔ ابو جبیلہ کی مدح مین ایک قصیدہ کہا۔ ابو جبیلہ اُس قصیدہ کو سُن کے بہت خوش ہوا۔ اور کہا "ذرا اپنے اس شاعر کو میرے سامنے تو لاؤ" لوگ لے گئے مگر جب اُسے دیکھا تو نہایت ہی حقیر و دلگرفتہ پا کے کہنے لگا "پاکیزہ شہد اور خراب برتن مین!" چنانچہ یہ فقرہ اُسی وقت سے ضرب المثل ہو گیا۔

شاہ غسان نے اوس و خزرج سے کہا "ان لوگون کے تمام عمائد و ارکان کو مین نے قتل کر دیا اس کے بعد بھی تم اپنے دست و بازو سے غلبہ نہ حاصل کر سکو تو مین سمجھون گا کہ تم کچھ نہین ہو" یہ کہہ کے وہ اپنے ملک مین واپس چلا گیا۔

اس کے بعد بھی مدت تک یہی حال تھا کہ یہود اوس و خزرج کو اُبھرنے نہ دیتے اور اُن کی ترقی مین مزاحم ہوتے۔ اُن کے اس برتاؤ سے تنگ آ کے ایک دن مالک بن عجلان نے اپنے قبیلے والون سے کہا۔ جیسا غلبہ ہم حاصل کرنا چاہتے ہین یہود ہمین خدا کی قسم نہ حاصل ہونے دین گے آؤ اُن کی ویسی ہی ایک دعوت اور کرین۔ چنانچہ سب کے مشورے سے اُس نے دعوت کا سامان کیا اور سو منتخب معزز ین یہود کو مدعو کیا۔ انھون نے پہلے آنے مین عذر کیا اور گذشتہ دغابازی کو یاد دلایا۔ مگر جب اُن سے کہا گیا کہ "وہ کام ابو جبیلہ کا تھا جس کے ہم نہایت خلاف تھے اور اُسے اس سے منع کرتے رہے۔ ہم تمھارے پرانے رفیق ہین بھلا ہم کیون بے وفائی اور دغا بازی کرنے لگے۔ اس دعوت کا اصلی منشا یہ ہے کہ درمیان مین جو ملال پیدا ہو گیا ہے دور ہو۔ اور آپ کو ہماری دوستی کا ثبوت ملے" اس جواب پر مطمئن ہو کے سب یہودی جو بلائے گئے تھے چلے آئے۔ یہان جو شخص آتا ایک معزز مقام مین لیجی قتل کر ڈالا جاتا۔ جب بہت سے یہودی قتل ہو چکے تو ایک نے مالک کے دروازے کے پاس کان لگایا۔ اور سناٹا دیکھ کے بولا "یہ کیا تماشا ہے کہ جاتے سب ہین مگر واپس کوئی نہین آتا؟" فوراً بدگمان ہو کے باقی ماندہ لوگون کو ہوشیار کر دیا۔ اور سب باقی ماندہ یہود چلے گئے۔

اب اس واقعے سے یہود کی قوت اس قدر ٹوٹ گئی تھی کہ پھر کبھی سر نہ اُٹھا سکے چنانچہ وہ ذلیل اور اوس و خزرج کے مطیع و منقاد تھے۔ بلکہ جب کسی پر کوئی زیادتی ہوتی تو وہ بجائے یہود سے مدد مانگنے کے اوس و خزرج کے پاس آ کے خوشامد کرتا۔ اور اُن کی مہربانی کا امیدوار ہوتا۔

ابو دُلامہ

ایک روز کا واقعہ ہے کہ ابو دُلامہ مہدی کے دربار میں خاموش کھڑا تھا۔ مہدی نے اُس کی طرف دیکھا اور ہنس کے پوچھا "ابو دُلامہ سچ سچ بتاؤ میرے اعزا و اقارب اور ہمارے خاندان والوں میں سے کوئی بھی باقی ہے جس نے تمھارے ساتھ کچھ سلوک نہ کیا ہو؟" عرض کیا "اس بارے میں غلام کو معاف ہی رکھا جائے تو بہتر ہے" مہدی نے اصرار کیا کہ "نہیں تمھیں بتانا ہوگا۔" خلیفہ نے اصرار کیا تو ہاتھ جوڑ کے جان کی امان مانگی اور اُس نے وعدہ کیا کہ تم کو کوئی نقصان نہ پہونچے گا۔ یوں اطمینان کر کے عرض کیا "امیر المومنین میرے ساتھ حضور کے تمام اعزا کچھ نہ کچھ سلوک ضرور کر چکے ہیں ایک میں توجہ کی تو حضور کے محترم عزیز تھا تمام آل عباس یعنی نگین بنی عباس نے" پوچھا "وہ کون؟" کہا "حضور کے محترم چچا عباس بن محمد" یہ تمام عباسیوں میں زیادہ معمر آدمی اور سب میں بڑے تھے۔ اُن پر نکتہ چینی سنتے ہی مہدی کو طیش سا آگیا۔ ایک غلام کی طرف جو شمشیر برہنہ کھینچے سامنے کھڑا تھا دیکھ کے کہا "اس حرامزادے کا سر تو کاٹ لاؤ" غلام فوراً تلوار لے کے جھپٹا۔ مگر ابو دُلامہ کو اپنے [illegible] داریوں اور آزادانہ بیباکیوں نے اس قدر جری مستقل مزاج بنا دیا تھا کہ ذرا بھی پروا نہ کی۔ اور غلام قریب آیا تو جھڑک کے کہا "نالائق غلام۔ اُدھر ہٹ۔ اور اپنے آقا کا عہد نہ توڑ۔ تو نے سنا نہیں کہ وہ ابھی ابھی مجھے امان دے چکے ہیں؟" ان کے اس فقرے پر مہدی کو ہنسی آگئی۔ اور اب

وہ غصہ دور ہوا تو کہا "ابوُدلامہ تم کہتے سچ ہو۔ وہ نہایت درجہ کنجوس ہین۔" ابوُ دلامہ بولا۔ حضور ایسا نہ فرمائین۔ وہ تو بہت بڑے سخی ہین۔" مہدی نے کہا "کیا لغو بکتے ہو اُن کے سامنے تڑپ کے مر بھی جاؤ گے تو جھنجھی کوڑی نہ دین گے۔" ہاتھ جوڑکے عرض کیا "مین اگر جاؤن گا تو کچھ مار ہی لاؤن گا۔ مہدی بولا "اچھا جاؤ لاؤ۔ دیکھون کیسے لے آتے ہو۔ اور وعدہ کرتا ہون کہ اُن سے جو کچھ لاؤ گے اُس کا دگنا مین دون گا۔" یہ اقرار کر کے ابوُ دلامہ مہدی سے رخصت ہو کے گھر آیا۔ ایک اعلیٰ درجے کا قصیدہ عباس بن محمد کی شان مین کہا جو نہایت ہی مشہور و مقبول ہوا۔ اس لیے کہ آپ نے اُس مین یہ مضمون موزون کیا تھا کہ ایک پری جمال لونڈی معرض بیع مین ہے مین اُس کے شوق مین دیوانہ ہو رہا ہون۔ اور آپ کے پاس آیا ہون کہ اُس کی خریداری مین میری مدد کیجیے۔"

اس قصیدے کو جب ابوُدلامہ نے لا کے عباس کو سنایا تو وہ بہت ہنسے اور پوچھا "جو کچھ تم نے موزون کیا ہے یہ سچ ہے یا فقط بات بنائی ہے؟" کہا "جی بالکل ٹھیک ہے۔" اس جواب پر اُنھون نے اپنے تحویلدار غلام کو حکم دیا کہ اس کنیز کی قیمت کی بابت دو ہزار درہم ابوُدلامہ کو دیدو۔ اور ابوُدلامہ سے کہا "لو یہ رقم لو۔ مگر اس لونڈی کی خریداری مین مجھے شریک کر لو۔" ادب سے جواب دیا۔ بہت خوب۔ حضور کی یہ شرط نہایت ہی مناسب ہے۔ مگر ایک بات ضرورت ہے کہ اُس کے ساتھ اسی وقت ایک اور کنیز بھی خرید لی جائے تاکہ جس دن وہ حضور کے پاس رہے وہ دوسری میرے پاس چلی آئے۔ اور جس دن وہ میرے پاس ہو وہ دوسری حضور کی خدمت مین حاضر ہو جائے۔" اس جواب پر نہایت ہی بگڑ کے عباس نے کہا "خدا تجھے غارت کرے۔ کس قدر بیہودہ اور گستاخ ہے۔ جا یہ درہم بھی لیجا۔ اور اُس لونڈی کو بھی لے لے۔"

بہرحال وہ رقم لے کے آپ سیدھے مہدی کے پاس آئے۔ اور درہمون کی تھیلی دکھا کے کہا "آپ کے چچا سے یہ دو ہزار درہم لے آیا۔ اب اپنا وعدہ پورا کیجیے۔" پورے واقعے کو سن کے مہدی مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ اور حسب وعدہ چھ ہزار درہم اپنے پاس سے دے کے رخصت کیا۔

ایک بار آپ اتفاقاً کوفے مین گئے۔ وہان مقیم تھے کہ چند مہمان آگئے اور اُن کی ضیافت کی ضرورت پیش آئی۔ کوفے مین اُن دنون ایک سندھ کی رہنے والی کلوارن نبیذ بیچا کرتی تھی۔ آپ نے اُس کے پاس آدمی بھیجا۔ اور اُس نے نبیذ کا ایک سبوچہ بھیج دیا۔ سارے سبوچے کو آپ اور یاران صحبت پی گئے مگر ہوس نہین پوری ہوئی۔ دوبارہ اُسی کلوارن کے پاس آدمی بھیجا۔ وہ ایک دوسرا سبوچہ لیے ہوے خود چلی آئی۔ اور کہا "دونون سبوچون کے دام دلوائیے" آپ نے فرمایا "سنو بی کلوارن میرے پاس دام وام تو ہین نہین۔ ہان تمھاری تعریف مین چند شعر کہے دیتا ہون جو تمھاری نبیذ سے زیادہ مزے کے ہون گے۔" اُسے یہی غنیمت معلوم ہوا۔ آپ نے اُس کی تعریف مین ایک نظم کہدی۔ اور اُسے سن کے وہ ٹھنڈی ٹھنڈی اپنے گھر گئی۔

بغداد کا ایک بردہ فروش تھا جنید۔ اُس کے پاس ایک نہایت ہی حسینہ و جمیلہ کنیز تھی جس پر ابو دُلامہ کا دل آگیا تھا۔ بار بار خریداری کے بہانے جاتے۔ اُسے بُلوا کے دیکھتے بھالتے۔ اور بے کچھ دیے واپس چلے آتے۔ جب کئی بار انھون نے یہی حرکت کی تو جنید سخت ناراض ہوا۔ اور اب جو آپ خریدار بن کے پہونچے اور کہا "فلان کنیز کو لانا تو مین دیکھنا چاہتا ہون" اس نے بگڑ کے کہا "مین کب تک یونہین بیکار لا لا کے دکھایا کرون؟ آپ کو لینا تو ہے نہین۔ پھر اس خالی زحمت دینے سے کیا حاصل؟" آپ نے جواب دیا "فرض کرو مین خریدار نہین۔ مگر ایک مدح کرنے والا بھائی تو ہون؟" ان کے اشعار کی مقبولیت و شہرت سے جنید واقف تھا کہنے لگا "اچھا اس کنیز کے حسن و جمال کی تعریف مین چند شعر کہہ دو۔ مین اُسے لاکے دکھا دونگا" اور دل مین خیال کیا کہ ان کی تعریف سے کنیز کی قدر و قیمت بڑھ جائے گی۔ آپ نے کہا "مین اُس کی تعریف مین شعر تو کہہ دونگا مگر تم سے یہ شرط ٹھہر جائے کہ اگر وہ اشعار تم کسی کو سناؤ یا خود نہین تو اُسی کنیز کی زبان سے کسی کو سنواؤ تو وہ آزاد ہو جائے گی۔ اور ایک یہ شرط بھی ہے کہ آیندہ اس لونڈی کو کسی سے نہ چھپانا جو دیکھنا چاہے بے تکلف دیکھ لے" جنید ان کی نظم کا کچھ ایسا گرویدہ تھا

کہ وہ تو ان شرطین قبول کرلین۔ اور انھون نے اُس کنیز کے حسن کی تعریف مین اپنی شاعری کا کمال دکھایا۔

ایک دن بڑی دلگی ہوئی آپ اسحٰق ازرق کی عیادت کو گئے جو اُس عہد کا ایک رکن دولت اور عالی مرتبہ رئیس تھا۔ وہ سخت بیمار ہو کے اچھا ہوا تھا۔ اور اب فقط ضعف باقی تھا۔ اسحٰق نام نصرانی طبیب پاس بیٹھا دوائین تجویز کر رہا تھا۔ آپ بے تکلف اُس سے بھڑ پڑے۔ اور بے تکان کہہ اُٹھے، کا فر کے لڑکے! یہ دوائین اس شخص کو بتا رہا ہے جسے مرض نے سخت ناتوان کر دیا؟ بخدا معلوم ہوتا ہے تو ان کی جان لینے کے درپے ہے"۔ طبیب حیران تھا کہ کس جاہل شخص سے سابقہ پڑا جو اپنی ہی کہے جاتا ہے۔ اتنے مین آپ نے اسحٰق ازرق کی طرف دیکھ کے کہا "حضور اپنا نسخہ مجھ سے لین"۔ اُس نے مذاقاً و تعریضاً کہا "فرمائیے حکیم صاحب"۔ آپ نے فی البدیہہ تصنیف کر کے چھ سات شعر برجستہ سنائے جن مین مذاق کے عنوان سے قوت دلانے والی غذائین اور شرابین بتائی تھین اور طبیب کو فحش گالیان دی تھین۔ وہ اشعار سن کے اسحٰق ازرق اور تمام لوگ جو عیادت کو آئے ہوئے تھے مارے ہنسی کے لوٹ گئے۔ اور اسحٰق نے پانچ سو درہم اُنھین بطریق انعام دے کے کہا "اب آپ تشریف لے جائین"۔ یہ انعام دینا طبیب کو اور ناگوار ہوا۔ وہ اور زیادہ آزردگی کے ساتھ بگڑنے لگا۔ یہ دیکھ کے آپ نے اُس سے کہا "آپ کے ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہین ہے۔ مجھے میرا حق مل گیا۔ اور اب اس کے بعد مین اقرار کرتا ہون کہ آپ بڑے قابل طبیب اور بہت ہی اچھے آدمی ہین"۔

ایک بار ابو دُلامہ مہدی کے دربار مین گیا تو دیکھا کہ سلمہ وصیف سامنے کھڑا ہے۔ اور خلیفہ اُس سے باتین کر رہا ہے۔ وصیف کے معنی تو ایک نوعمر غلام حسین کے ہین مگر سلمہ کا لقب پڑ گیا تھا۔ اور اس بڑھاپے مین بھی وہ وصیف ہی کہلاتا تھا۔ آپ نے فوراً دست بستہ عرض کیا کہ "امیرالمومنین مین ایک ایسا اچھا بچھیرا حضور کی نذر کے لیے لایا ہون جو سارے بغداد مین

وہ ... نہین رکھتا۔ امید ہے کہ حضور قبول فرمائین گے۔ بچھڑے کی تعریف سن کے مہدی نہایت مشتاق ہوا۔ اور حکم دیا کہ "لاؤ۔ پیش کرو۔ دیکھون کیسا بچھڑا لاۓ ہو" آپ نے فوراً اپنا سواری کا خچر جو نہایت ہی بڈھا اور دُبلا تھا لا کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس کو دیکھ کے مہدی نے حیرت سے کہا "اسے تم بچھڑا کہتے ہو؟" عرض کیا "امیرالمومنین جس سرزمین مین اسی بدن کا بوڑھا سلمہ وصیف کہلاتا ہے وہان اس خچر کو بھی لوگ بچھڑا ہی کہا کرتے ہین۔" یہ سن کے مہدی کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ اور سلمہ بگڑ کے ابو دلامہ کو گالیان دینے لگا۔ مگر ابو دلامہ نے بغیر اس کے کہ سلمہ وصیف کی گالیون کا لحاظ کرے مہدی سے کہا "امیرالمومنین۔ خدام دربار خلافت مین سے کوئی نہین جس نے میرے ساتھ کچھ نہ کچھ سلوک نہ کیا ہو۔ بجز سلمہ کے۔ اس کے ہاتھ کا کبھی پانی بھی پیا ہو تو حرام ہے مین جب تک جی بھر کے ان کی خبر نہ لے لون گا چین نہ دون گا۔" مہدی نے کہا "اچھا مین فیصلہ کیے دیتا ہون۔ سلمہ ایک ہزار درہم دے کے تم اپنی جان ابو دلامہ کے ہاتھ سے بچاؤ۔ ورنہ تمھارا گریبان ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹے گا۔" سلمہ نے کہا اس شرط سے دیتا ہون کہ پھر کبھی یہ ایسی حرکت نہ کرین۔" ابو دلامہ نے کہا "تم نے کبھی دیا ہوتا تو آج ہی اس کی کیون نوبت آتی؟" الغرض سلمہ نے گھر سے رقم بھیج دی۔ اور ابو دلامہ کے دست ستم سے اپنا گریبان چھڑایا۔

ابو دلامہ کی زندگی کے واقعات مین سب سے اہم واقعہ یہ ہے کہ ایک روز وہ اپنے دوستون عزیزون اور پڑوسیون کے ایک مجمع عظیم مین بیٹھا ہوا تھا کہ ناگہان اس کا بیٹا دُلامہ جو اس سے زیادہ مسخرہ اور بیباک تھا آ گیا۔ اور اہل محفل کی طرف متوجہ ہو کے کہنے لگا "حضرات میرے بوڑھے والد کی جو حالت ہے آپ دیکھ ہی رہے ہین۔ عمر بہت زیادہ آگئی۔ کھال لٹک پڑی۔ ہڈیان سوکھ گئین۔ اور پوست و استخوان کے سوا کچھ باقی نہین رہا۔ مگر یہ بدپرہیزیون سے باز نہین آتے۔ ہمین ان کے زندہ رہنے کی سخت ضرورت ہے۔ چنانچہ مین ہمیشہ سمجھاتا رہتا ہون کہ براے خدا اتنی احتیاط کیجیے کہ آپ کی زندگی زیادہ ہو۔ قوت برقرار رہے۔ اور آپ مدت تک ہمارے سر پر برقرار

رہین۔ مگر یہ سماعت نہین کرتے۔ آخر مجبور و لاچار ہو کے آپ صاحبون کی خدمت مین آیا ہون اور عرض کرتا ہون کہ میری ایک تمنا پوری کر دیجیے۔ مین زندگی بھر آپ کا احسانمند رہون گا۔ اور امید ہے کہ اِن کی زندگی اور صحت و تندرستی بھی برقرار رہے گی۔" سب نے کہا "اس بارے مین تمھاری جو خواہش ہو اُس کو ہم بخوشی خاطر انجام دین گے۔ اور بسر و چشم بجا لائین گے۔" ساتھ ہی سب نے آبو دُلامہ سے جو خاموش بیٹھا بیٹے کی باتین سُن رہا تھا کہا "اور آپ کو بھی اس مین عذر کرنے کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی۔ جو کچھ کہا جا رہا ہے آپ ہی کے نفع کے لیے ہے۔" ابو دُلامہ نے کہا "بہتر ہے آپ جو مناسب جانین کرین۔ مگر پہلے پوچھ تو لیجیے کہ یہ کہتا کیا ہے۔ اس کی شرارت سے آپ ابھی واقف نہین ہین۔ اس نے کوئی بدمعاشی ہی کی بات سوچی ہو گی۔ اس کا یون آنا اور باتین بنانا علت سے خالی نہین ہو سکتا۔" اب سب نے دُلامہ سے پوچھا کہ "تمھاری کیا خواہش ہے؟" اُس نے کہا "سُنیے۔ بادا جان کی یہ حالت ہے کہ اِس بُڑھاپے پر بھی شہوت رانی کے پیچھے اپنی جان دیے ڈالتے ہین۔ آپ اتنی عنایت فرمائین کہ اِنھین زبردستی پکڑ کے آختہ کر دین۔ بغیر اس کے یہ اپنی حرکتون سے باز آنے والے نہین ہین۔ اور ظاہر ہے کہ یہ تدبیر ان کی تندرستی اور ترقی عمر دونون کے لیے مفید ثابت ہو گی۔" بیٹے کی یہ درخواست سُن کے سب کو مذاق سوجھا اور آبو دُلامہ سے کہا "تمھین اس مین کیا عذر ہو سکتا ہے۔ دُلامہ کی درخواست نہایت مناسب اور تمھارے حق مین بے انتہا مفید معلوم ہوتی ہے۔" جواب دیا "مین تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ اس حرامزادے نے کوئی شرارت کی بات سوچی ہے۔" سب نے کہا "اس مین شرارت ہو یا نہ ہو مگر بات معقول کہتا ہے۔ تم جواب دو کہ تمھین اس مین کیا عذر ہو سکتا ہے؟" کہا "اچھا تو اس کا فیصلہ مین اس کی ماں پر چھوڑتا ہون۔ اس سے جا کے پوچھیے۔ اور جو وہ کہے [illegible] عمل کیجے [illegible] تو تھا ہی۔ سب نے کہا "چلو ان کی بیوی سے بھی چل کے پوچھ لین [illegible]" سب اُٹھ کے آبو دُلامہ کے گھر پہ گئے۔ اُم دُلامہ کو ڈیوڑھی کے [illegible]

ساری سرگزشت بیان کی۔ اور کہا "ابو دُلامہ نے فیصلہ تم پر محول کیا ہے۔ تم جو کہو گی اُسی کے مطابق عمل ہوگا" ام دُلامہ نے سارا ماجرا سُن کر نہایت متانت سے کہا "مین بیٹے کی بہت شکرگزار ہون کہ خدا اُسے جزاے خیر دے اپنے باپ کو اس بارے مین سمجھاتا اور خیرخواہی کے ساتھ اُن کی صحت وتندرستی کی فکر کرتا ہے۔ اس لیے کہ مجھے دراصل اُس سے زیادہ اُس کے باپ کے زندہ اور صحیح وسالم رہنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اُس نے یہ ایسی نئی تدبیر حفظ صحت کی بتائی ہے جسے ہم لوگون نے کبھی آزمایا نہیں ہے۔ گو کہ اُس کے کارگر ہونے مین شک کرنے کی گنجایش نہین نظر آتی لیکن مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس تدبیر کو پہلے وہ خود اپنی ذات پر آزمائے۔ جب اس تدبیر سے اُس کو نفع ہوگا اور مین دیکھون گی کہ اس علاج کا اس پر اچھا اثر پڑا تو مشورہ دون گی کہ اُس کے باپ کے ساتھ بھی یہی عمل کیا جائے"

ابو دُلامہ سب کے ساتھ موجود تھا۔ بیوی کا جواب سنتے ہی قہقہہ مار کے ہنسا۔ اس کے ساتھ اور سب لوگ بھی مارے ہنسی کے بیتاب ہو گئے۔ اور بیٹا ایسا شرمندہ ہوا کہ مُنہ چھپا کے بھاگ گیا۔

عبداللہ بن جعفر کی فیاضیان

عرب لوگ جاہلیت مین بھی بڑے فیاض تھے۔ اور اس جہالت و بداخلاقی کے زمانے مین جن صفات پر وہ ناز کرتے اور شعرا اُن کی مدح سرائی مین جن باتون پر زور دیتے وہ شجاعت تھی اور سخاوت۔ اسلام نے ان صفات کو اور زیادہ بڑھا دیا۔ اور اکثر اوقات اُن سے ایسی ایسی فیاضیان ظاہر ہوئین جو ساری دنیا مین حیرت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہین۔

عہد جاہلیت کے مشہور و معروف فیاض عرب حاتم طائی کا تذکرہ آپ بارہا سن چکے ہین اور روز سنتے رہتے ہین۔ اب آئیے ہم آپ کو ایک عہد اسلام کے حاتم عرب کا بھی تذکرہ سنا دین جو فیاضی مین اگلے حاتم سے کچھ زیادہ ہی نظر

آئے گا۔ یہ ابن عم رسول اللہ حضرت جعفر طیار کے صاحبزادے عبداللہ تھے۔
عبداللہ موصوف کی آبائی شرافت و عظمت تو ظاہر ہے۔ اس لیے کہ خاص ہاشمی تھے۔ مہاجرین حبشہ کے سردار جعفر طیار کے فرزند تھے۔ حضرت رسالت اور جناب علی مرتضیٰ کے چچا زاد بھائی تھے۔ رہی مادری شرافت اُس کا یہ حال ہے کہ اُن کی والدہ ماجدہ حضرت اسمار بنت عمیس تھین جو قریش کی شریف ترین بیویون مین شمار کی جاتین۔ وہ چار بہنین تھین جن مین سے ایک حضرت سرور کائنات صلعم کی زوجۂ محترمہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھین۔ دوسری بہن عم رسول اللہ حضرت عباسؓ کی بیوی اُم الفضل تھین۔ تیسری بھی عم رسول اللہ سید الشہدا حضرت حمزہ کی بیوی سلمیٰ تھین۔ اور چوتھی اخیافی بہن بھی حضرت اسمار بنت عمیس تھین جن کا عقد نکاح پہلے حضرت جعفر طیار سے ہوا۔ جن سے حضرت عبداللہ موصوف پیدا ہوئے۔ حضرت جعفر کی شہادت کے بعد وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عقد نکاح مین آئین اور اُن کے نطفے سے حضرت محمد بن ابی بکر پیدا ہوے۔ پھر اُن کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ ہین۔ اور علی مرتضے کے فرزند محمد اصغر اور یحییٰ اُن کے بطن سے پیدا ہوئے۔

یہ چارون محترم بہنین بڑی نیک نفس ستودہ صفات اور عابد و پرہیزگار بیویان تھین۔ چنانچہ حضرت رسول خدا صلعم نے اُن کی دینداری اور اُن کے زہد و تقوے کو دیکھ کر کے ارشاد فرمایا۔ اِنَّھُنَّ مومنات،، یعنی یہ مومنہ بیویان ہین۔ حضرت سیدۃ النسا فاطمۂ زہرا رضی اللہ عنہا کی شب زفاف کے موقع پر یہی اسمار بنت عمیس ضروری خدمت و دلدہی کے لیے پردے کے پاس حاضر رہین۔ اتفاقاً خود حضرت رسول خدا صلعم تشریف لے گئے۔ اور پردے کے اُدھر کسی کا سایہ دیکھ کے دریافت فرمایا۔ "یہ کون ہے؟،، آواز آئی "مین ہون اسماد،، پوچھا "کیا عمیس کی بیٹی؟،، عرض کیا جی ہان مین ہی ہون۔ یا رسول اللہ مین آپ کی صاحبزادی کی حفاظت و خدمت کے لیے حاضر ہون۔ شب زفاف مین ہر لڑکی کے

پاس کسی ہمدرد عورت کا موجود رہنا ضروری ہے" یہ سُن کے جناب رسالتمآبؐ نے ارشاد فرمایا "تو مین بارگاہ الٰہی مین دعا کرتا ہون کہ تمھارے چارون طرف سے وہ رب العزت تمھاری حفاظت و نگہبانی کرے"

انھین ہونہار اور حریم رسالت کی معتمد علیہ بیوی کے بطن سے حضرت جعفر طیار کے فرزند عبداللہ پیدا ہوے جن کی فیاضیون کے حیرت انگیز واقعات سنا کے ہم اپنے ناظرین کو جود و سخا کا سبق دینا چاہتے ہین۔ عبداللہ موصوف جب چھوٹے بچے تھے ایک دن ننھے مٹی کا کھلونا بنا رہے تھے۔ اتفاقاً اُدھر سے حضرت رسالت کا گزر ہوا۔ پوچھا "عبداللہ کیا بناتے ہو؟" کہا "کھلونا بناتا ہون" پوچھا "بنا کے کیا کروگے؟" کہا "بیچون گا" دریافت فرمایا "اور اُس کے دام کس کام مین لگاؤ گے؟" کہا "خرمے مول لون گا۔ اور کھاؤن گا"

یہ جواب حضور نبوی کو پسند آیا۔ خوش ہوگئے۔ اور دعا فرمائی "بارالٰہا اس بچے کے ہاتھ کے کام مین برکت دے" اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ عبداللہ نے زندگی بھر جس کام مین ہاتھ لگایا خدا نے برکت دی۔ اور اُنھون نے جو چیز فروخت کی اُس مین نفع ضرور ہوا۔

اب ہم حضرت عبداللہ بن جعفر کے اور حالات سے قطع نظر کر کے اُن کی فیاضیون کی تصویر دکھاتے ہین۔ اس لیے کہ اس موقع پر فقط اُن کی سخاوت و فیاضیت ظاہر کرنا ہے۔ دیگر حالات کے بیان کرنے کے لیے ہمارے مضمون مین کافی گنجائش نہین ہے۔

جب اُن کا خوب نشو و نما ہو چکا۔ عہد خلافت راشدہ مین جہاد فی سبیل اللہ کر کے بڑے بڑے کارنامے دکھا چکے اور خلافت کے باہمی فتنون نے گھر مین خاموش بٹھا دیا تو اُن دنون اُن سے ایسی ایسی غیر معمولی فیاضیان نمایان ہوئین کہ جود و سخا مین ضرب المثل ہو گئے۔ اور دُور دُور کے لوگ اُن کے ایثار نفس اور بے نظیر فیاضی کے معترف تھے۔

جناب معٰویہؓ کے عہد مین جب مروان بن حکم ارض حجاز کا والی و حکمران تھا۔ ایک سال موسم حج کے موقع پر ایک فلاکت زدہ بدوی اُس کے

دروازے پہ آیا اور اعانت و دستگیری کا امیدوار ہوا۔ مروان باوجودیکہ حاکم و دولتمند تھا۔ اُس سے کہا "میرے پاس تو دینے کے لیے کچھ موجود نہیں ہے تم عبداللہ بن جعفر کے پاس چلے جاؤ۔ وہ ضرور تمھاری مدد کریں گے" مروان کی یہ سُن کے وہ بدوی حضرت عبداللہ کے دروازے پہ آیا۔ اتفاقاً اُس وقت وہ سفر حج کے لیے پابہ رکاب تھے۔ سب اسباب اونٹوں پہ لد کے پہلے سے روانہ ہو چکا تھا۔ خاص اُن کی سواری کا راحلہ دروازے پہ کسا اور لدا پھندا کھڑا تھا۔ جو کچھ نقد سرمایہ تھا اِسی اونٹ پر تھا۔ داہنے پہلو پہ تلوار آویزاں تھی۔ اور عبداللہ سوار ہونے کے لیے دروازے سے نکل رہے تھے کہ اُس بدوی کا سامنا ہوا۔ اور اُن کی صورت دیکھتے ہی اُس نے چند اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ آپ خاندان رسالت اور قرابت داران نبوت میں سے ہیں۔ دیندار ہیں اور فیاض ہیں۔ میں وہ مصیبت زدہ مفلوک الحال ہوں جس کی خبرگیری میں امیر شہر مروان نے اپنا مال صرف کرنے میں دریغ کیا۔ گو مایوس ہوں مگر ابد اِس دروازے پہ آئی کہ حکومت اپنے خزانے کا دروازہ چاہے بند کرے مگر آپ کے خزانے کا دروازہ نہیں بند کر سکتے" بدوی کے یہ اشعار سُن کے عبداللہ کے دل پہ بڑا اثر ہوا۔ کہا "اے بدوی میرا سب سامان تو لد کے جا چکا۔ فقط یہ اونٹ رہ گیا ہے۔ لہٰذا یہ مع اُس تمام مال و اسباب اور ساز و سامان کے جو اِس پہ ہے تیرا ہے۔ لیکن ایک بات کا خیال رکھنا۔ یہ تلوار جو داہنی جانب بندھی ہوئی ہے اِس سے کبھی بدعہدی اور فریب کا کام نہ لینا۔ میں نے اسے ایک ہزار دینار دے کے خریدا ہے" بدوی نے اس کا وعدہ کیا۔ اظہار شکرگزاری میں چند اور شعر سُنائے۔ اور اُس اونٹ کی مہار اپنے ہاتھ میں لے کے چلا گیا۔

اسی طرح ایک اور موقع کا ذکر ہے کہ ایک ناآشنا سا مفلس بادیہ پیما نے اُن کے سامنے آ کے چند اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ ابوجعفر (یہ جناب عبداللہ بن جعفر طیار کی کنیت تھی) نے مجھے حریر کی قبا پہنائی ہے۔ کئی دن گزر گئے اور اُس کی تعبیر نہ ظاہر ہوئی

توتم نے اپنے ایک دوست سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ اُنھون نے کہا اس خواب کی تعبیر ضرور پوری ہوے نہین رہ سکتی۔ آل جعفر کے جن محترم بزرگ کو تم نے دیکھا ہے کوئی معمولی شخص نہین۔ سارا زمانہ اُن کے ابر کرم سے فیض پا رہا ہے وہ ایسے فیاض ہین کہ خود فیاضی کو اُنھون نے حکم دے رکھا ہے کہ ہمیشہ ہمارا [illegible] اور اُس نے سرانقیاد جھکا کے یہ قبول کر لیا کہ مین ہمیشہ آپ کی لونڈی اور تابع فرمان رہون گی۔ ایسے بزرگ ممکن نہین کہ تمھارے خواب کو سچا کر دکھائین" یہ اشعار سُن کے جناب عبداللہ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ مین حریر کی قبا لا کے ان کو دیدو۔ غلام آ قبا کے لانے کو گیا اور اُنھون نے اُس بدوی سے کہا "مگر تم نے خواب مین وہ میری قیمتی زربفت کی قبا کیون نہ دیکھی جو اُس والی قبا سے بدرجہا اچھی ہے؟ وہ مین نے تین سو دینار کو مول لی تھی اور یہ اُس سے بہت ہی کم قیمت کی ہے۔" بامذاق بدوی شاعر نے کہا "تو اس کو جب سو جاے دیکھیے گا۔ اب کی انشاء اللہ مین اُسی کو خواب مین دیکھون گا" یہ سُن کے عبداللہ بن جعفر ہنسے اور غلام سے کہا کہ "دونون قبائین لا کے اُن کے حوالے کر دو"

ایک بار کوئی تاجر بغرض تجارت بہت سی شکر لے کے مدینہ طیبہ مین آیا۔ مگر یہان آ کے دیکھا تو شکر کا نرخ اس قدر کم پایا کہ سمجھا مرا سارا روپیہ ڈوب گیا۔ تھوڑی پونجی کا آدمی کساد بازاری نے حواس بگاڑ دیے۔ ایک ایک سے آگے جا کے روتا۔ فریاد کرتا۔ مگر کوئی کیا کر سکتا تھا؟ آخر اُسے زیادہ بیتاب و بیقرار دیکھ کے کسی نے کہا اس رونے دھونے اور مارے مارے پھرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اگر مدد چاہتے ہو تو عبداللہ بن جعفر کی خدمت مین حاضر ہو کے اپنی مصیبت بیان کرو۔ شاید اُنھین ترس آجائے تو پھر تمھارا کام بن جائے گا۔ اشارہ پاتے ہی وہ آپ کے پاس دوڑا آیا اور اپنی مصیبت بیان کی۔ آپ نے فرمایا "اچھا اپنی شکر یہان لے آؤ۔ حکم پاتے ہی وہ ساری شکر لدا کے لے آیا۔ آپ نے اپنے دروازے کے سامنے میدان مین ایک بڑا سا فرش بچھوا کے کہا "سب شکر اس پر ڈھیر کر دو۔ اُس نے دم بھر مین انبار لگا دیا۔ حضرت عبداللہ

نے جب دیکھ لیا کہ اب اُس کے پاس شکر نہین باقی رہی تو لوگون کو حکم دیا کہ اس شکر کو لوٹ لو۔ اشارے کی دیر تھی۔ لوگون نے جی کھول کے لوٹنا شروع کیا۔ اور دم بھر مین میدان صاف تھا۔

جس وقت لوگ شکر کو لوٹ رہے تھے وہ تاجر اس منظر کو کھڑا حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے اُس کے دل مین لالچ پیدا ہوا۔ اور عرض کیا، "یا حضرت۔ مین بھی لوٹ سکتا ہون؟" جواب ملا، "ہان۔ ہان شوق سے لوٹو۔" اجازت پاتے ہی وہ بھی جھپٹ جھپٹ کے اپنے خالی کیے ہوے بورے بھرنے لگا۔ اور بہت سی شکر اُسے بھی مل گئی۔

جب شکر بالکل لٹ گئی تو آپ نے اُس کی قیمت پوچھی۔ تاجر نے عرض کیا، "چار ہزار درہم،" فوراً یہ رقم دلوا دی گئی۔ اور وہ اس کو دے کے مع لوٹی ہوئی شکر کے خوش خوش اپنی فرودگاہ مین آیا۔ وہان اُس نے لوگون سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب لوگ اس حیرت انگیز فیاضی پر تعجب کرنے لگے۔ اتنے مین کسی نے کہا، "اجی عبداللہ بن جعفر کی فیاضی کا تو یہ عالم ہے کہ دنیا یاد بھی نہین رہتا۔ جو آج دیتے ہین کل بھول جاتے ہین۔ اور دوبارہ جا کے مانگو تو مکرر دینے کو تیار ہو جاتے ہین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تاجر خواہ آزمانے کے لیے یا لالچ سے دوسرے دن حضرت عبداللہ کی خدمت مین پھر حاضر ہوا۔ اور عرض کیا، "حضور آپ نے ابھی شکر کا روپیہ نہین دیا۔" آپ نے سنتے ہی پھر چار ہزار درہم دلوا دیے۔ تیسرے روز وہ پھر پہونچا۔ اور وہی رقم پھر طلب کی۔ آپ نے اُسی بے تکلفی و سادگی سے پھر چار ہزار درہم دلوا دیے۔ مگر آج جب وہ رقم لے کے چلنے لگا تو اُس سے فرمایا، "یہ ملا کے بارہ ہزار درہم ہو چکے۔" یہ الفاظ سُن کے وہ سمجھا کہ یہ غلط مشہور ہے کہ آپ کو دینا یاد نہین رہتا۔ یاد سب کچھ رہتا ہے مگر جوش فیاضی اس بات کو گوارا نہین کرتا کہ کسی کی درخواست سُن کے انکار کرین۔ اور "نہین،" کا لفظ زبان سے نکلے۔

ایسا ہی واقعہ ایک اور بدوی کے ساتھ بھی پیش آیا۔ اُس نے اپنا

اونٹ آپ کے ہاتھ بیچا تھا جسے آپ نے محض اُس کی کفالت و امداد کے خیال سے مول لیا ہوگا۔ اُس نے مسلسل تین دن تک آ کے تین بار اُس اونٹ کی قیمت لی۔ اور آپ دینے چلے گئے۔ مگر تیسرے دن بتا دیا کہ مین تین بار قیمت دیچکا ہون۔ اور وہ فوراً ندامت سے اُسے چوتھی بار آنے کی جراٴت نہ ہوئی۔

عبداللہ بن جعفر کی زندگی بھر یہ شان رہی کہ قسمت پر شاکر اور بہ رضا راضی برضا تھے۔ اپنے معاملات کو تمام خدا پر چھوڑ دیا کرتے۔ اور وہ حضرت رب العزت اُن کی تمام آرزوئین پوری کر دیا کرتا۔ اُن کے اس طرز عمل کا ایک نمونہ یہ تھا کہ اپنے تمام فرزندون کی تعلیم و تربیت مین کبھی کوئی اہتمام نہ کیا۔ اور نہ کسی قسم کی کوشش کی۔ بلکہ یون کہنا چاہیے کہ نہ کسی لڑکے کو تعلیم دی۔ نہ اُس کی تہذیب اخلاق کی کوشش کی۔ اس پر اکثر لوگ معترض ہوتے مگر وہ ہمیشہ یہ جواب دے کے ٹال دیا کرتے کہ اللہ جل شانہ کو اگر اِن کے ساتھ بھلائی منظور ہے تو خود ہی اُنھیں مہذب و شائستہ بنا دے گا۔ مگر وہ ایسا بابرکت عہد تھا جبکہ تعلیم نبوت نے ایسے ایسے مکمل ترین نمونہ ہائے اخلاق و تہذیب دنیا مین نمایان کر رکھے تھے کہ اُن کی برکت سے لڑکون کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیجیے یا نہ کیجیے دنیا کے شائستہ ترین رنگ اور بزرگوان کے بہترین اخلاق و عادات کو دیکھ کے وہ سُدھر ہی جاتے۔ آج کل کوئی غفلت کرے تو اُس کے لڑکے خدا جانے کس قدر آوارہ و بد اطوار ہو جائین مگر حضرت عبداللہ بن جعفر کے تمام فرزند باوجود بزرگون کی غفلت و بے پروائی کے خاندانی کمالات سے آراستہ ثابت ہوئے۔ اور اُن کا وہی طرز عمل رہا جو اُن کے محترم خاندان کا تھا۔

عبداللہ بن جعفر سے حضرت معٰویہ رضی اللہ عنہ سے بڑی دوستی تھی۔ اور گو کہ اکثر بنی ہاشم اُن سے ناراض تھے مگر عبداللہ بن جعفر مین اور ان مین گہرے تعلقات تھے۔ ایک دن وہ جناب معٰویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آدمی نے آ کے خوشخبری سنائی کہ آپ کے فرزند نرینہ پیدا ہوا۔ جناب معٰویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مژدہ سُن کے اظہار مسرت کیا اور کہا بھتیجے اپنے اس فرزند کا نام میرے نام پر معٰویہ رکھ دو۔ یہ نام

ہماری تمہاری دوستی کی یادگار رہیگا۔ اور مین وعدہ کرتا ہون کہ اُس کی خوشی مین تم کو ایک لاکھ درہم دونگا۔ چنانچہ عبداللہ نے اُس فرزند کا نام معٰویہ ہی رکھا۔ اِس فرزند اور اُس کے بیٹے عبداللہ بن معٰویہ بن عبداللہ بن جعفر نے بعد کو خاص شان پیدا کی۔ اور وہ درجہ حاصل کیا کہ اُن کی جدا گانہ سیرتین کتب سیر مین درج ہوئین۔ اور کبھی موقع ملا تو ہم اُن کے تذکرون سے بھی اپنے ناظرین کو محظوظ کرینگے

عبداللہ بن جعفر نے بڑی عمر پائی۔ ستر برس کے سن پہونچ گئے۔ اور آخر عمر تک اپنی فیاضی کو کمال وضعداری کے ساتھ نباہتے رہے۔ مگر عبدالملک بن مروان نے اپنے عہد مین اُن کا وظیفہ موقوف کر دیا۔ اور اُن کی ساری آمدنی روک دی۔ جو کچھ اساسہ گھر مین تھا چند ہی روز مین جود و سخا کی نذر ہوگیا۔ آخر بالکل مفلس و نادار ہوگئے۔ اس حالت مین ضروریات زندگی پورے نہ ہوسکنے کی اتنی فکر نہ تھی جتنا کہ ہاتھ کو فیاضی اور خبرگیری خلق اللہ سے روکنے کا صدمہ تھا۔

جب بالکل ناچار و سراسیمہ ہوئے تو ایک جمعہ کو بعد نماز درگاہ خداوندی مین بصدق دل اور بعجز والحاح سے عرض کیا کہ "بار الٰہا! تو نے میری ایک ایسی عادت ڈالدی ہے جو آج تک کبھی مجھ سے چھوٹ نہ سکی۔ اب اگر اُس کا زمانہ گزر گیا ہے تو بجائے دنیا مین رکھ کے ذلیل کرنے کے مجھے اپنے پاس اُٹھا لے۔" یہ ایک اپنے خدنگ سینہ کا تیر تھا جو سیدھا عرش پر پہونچا۔ اور انجام یہ ہوا کہ بعد والے جمعہ مین بعوض اُن کے اُن کا جنازہ جامع مسجد کے سامنے رکھا ہوا تھا۔

یہ سنہ ھ کا زمانہ تھا۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ابان بن عثمان مدینے کے والی تھے۔ نماز جمعہ کے بعد اُنھین نے نماز جنازہ پڑھائی جنازے پر تمام اہل مدینہ کا ہجوم تھا۔ اور زن و مرد رو رہے تھے کہ غریبون اور محتاجون کا والی اُٹھ گیا۔ جنازے کی مشایعت کرنے والون مین سے کوئی نہ تھا جس کی آنکھون سے سیل اشک نہ جاری ہو۔

جب دفن سے فراغت ہوگئی اور مٹی دی جا چکی تو حضرت عثمانؓ کے دوسرے صاحبزادے عمرو بن عثمان قدم بڑھا کے قبر کے کنارے کھڑے ہوگئے۔ اور رقت قلب سے کہا "اے ابن جعفر! خدا تم کو اپنے آغوش رحمت مین لے۔ تم صلۂ رحم

...نے تھے۔ بدکار دن کے دشمن تھے۔ اور اہل شک کے خلاف تھی۔ اور میرا سمجھا را
...بعد اب تھا جس کو ام المومنین عائشہؓ نے اس شعر مین ظاہر کر دیا ہے۔ جس کا مضمون
...ہے کہ مجھ مین تم مین جو محبت تھی اُس کا تم ہمیشہ پاس و لحاظ کرتے رہے یہان تک کہ
...نے تھین اپنی آغوش مین لے کے چھپا لیا۔ لہذا خدا تم پہ رحمت نازل کرے۔ اُس
...دن جبکہ تم پیدا ہوے اُس دن جبکہ تم بڑھ کے پورے آزاد تند رست آدمی بن گئے
...دن جبکہ تم نے وفات پائی۔ اور اُس دن جبکہ خدا تھین قبر سے اُٹھا کے کھڑا کر یگا
...شم کو تو تمھاری وفات کا صدمہ رہی ہے مگر نہین سارے قریش تھا۔ ...
...ہوناک ہین۔ اور آہ پھر تم سا آدمی نہ نظر آئے گا۔"

حُسن کی کرشمہ سازیان

(خرقا)

...بی عرب کی ایک مشہور و معروف معشوقہ تھی۔ یون تو ہر زبان کے ادب
وات اور ہر قوم کی شاعری مین چند معشوقائین مشہور ہوتی ہین مگر عرب مین
...ہر شاعر کو اپنی شاعری کے لیے کسی خاص محبوبہ کی ضرورت پیش آیا کرتی
تھی ... لیے جتنی حسین دلربائین عرب مین مشہور ہوئین اور کسی زبان مین نہین
مشہور ہو سکین۔

...رقا کا عاشق صادق ذوالرمہ شاعر تھا جس کا کلام بہت مقبول و
مشہور ہے۔ اور وہ سارا کلام دراصل اسی مہ جبین ناز آفرین خرقا کے حُسن و جمال
کا آئینہ ہے۔ ذوالرمہ کی وفات کے بعد خرقا مدت تک زندہ رہی۔ اور بہت
بوڑھی ہو کے مری۔ آخر عمر مین اُسے ضرورت تھی کہ اُس کی بیٹی کی نسبت کسی اچھے
گھر مین ہو جائے۔ اس خیال سے کوشش کی کہ اُس کی اگلی شہرت پھر زندہ ہو۔
چنانچہ اُس وقت کے ایک دوسرے شاعر قحیف بن حمیر کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے
حُسن کی تعریف اور میرے عشق کے اظہار مین چند نظمین کہہ کے مشہور کر دو۔ قحیف
نے فوراً اُسکے حکم کی تعمیل کی اور دنیائے شعر و سخن کی اس محترم ملکہ کا نام عرب

کی زندہ سوسائٹی مین از سر نو روشن کر دیا۔

اسی قحیف کا بھتیجا حجاج کہتا ہے مین حج کو گیا تھا واپسی مین میرا گزر اُس مقام پہ ہوا جہان خرقاء رہتی تھی۔ اُن دِنون وہ نہایت ہی بڑھی تھی۔ اور عہد شباب کی اُن دلربائیون کا کہین پتہ نہ تھا جنھون نے ذوالرمہ کو دیوانہ بنادیا تھا۔ میرا اُس کا سامنا ہوا تو پوچھنے لگی "حج سے آرہے ہو؟" مین نے کہا "جی ہان" مسکرا کے پوچھنے لگی "اور تمھارا حج ہوا بھی؟" مین نے جواب دیا "الحمدللہ کہ خدا نے حج پورا کرا دیا" بولی "جھوٹے ہو۔ تمھارا حج ہرگز نہین ہوا" مین نے حیرت کے ساتھ دریافت کیا "کیون؟" کہنے لگی "اس لیے کہ ذوالرمہ کہتا ہے۔

تمامُ الحجِ اَن تقِفَ المطایا   علی خرقاءَ واضعۃَ اللثامِ

مطلب یہ کہ حج اُس وقت پورا ہوتا ہے جب رواحلے خرقاء کے سامنے آکے ٹھہرین اور وہ بے نقاب نظر آئے۔

مین نے ہنس کے کہا "یہ اُن دنون کا ذکر ہے جب تم جوان تھین شباب کا زمانہ تھا۔ اور نگاہین تمھارے جمال جہان آرا کی زیارت کی مشتاق تھین اب تم مین نہ وہ اگلی نگاہ دلدوز ہے۔ اور نہ وہ پُرانی کشش دل افروز"

بولی "غلط کہتے ہو۔ اپنے چچا قحیف کا شعر یاد کرو جو کہتے ہین۔

وَخرقاءُ لا تزدادُ اِلّا ملاحۃً   وَلَو عَمّرت تعمیرَ نوحٍ وَجلّتِ

مطلب یہ کہ خرقاء چاہے بڑی لمبی عمر کو پہونچے۔ عمر نوح پائے۔ اور بوڑھی پھونس ہوجائے مگر اُس کا حسن و جمال روز بروز بڑھتا ہی جائے گا۔

یہ سُن کے حجاج سے جواب نہ بن پڑا۔ اور اُس سے رخصت ہو کے آگے کی راہ لی۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

جن شادی کی تقریبون کا ہم ذکر کرچکے ہین اور اُن کی زنانی محفلون کی ایک عام تصویر گزشتہ موقع پہ دکھادی ہے اُن کی مفصل تشریح یہ ہے

چھٹی اُس تقریب کا نام ہے جبکہ زچگی کے بعد ماں اور بچے کو پہلی دفعہ نہلایا جاتا ہے۔ زچہ کو تیز گرم پانی سے نہلانا ایک طبّی علاج ہے۔ مگر یہ غسل ولادت چونکہ ایک خوشی کے موقع پر ہوتا ہے۔ اس لیے اُس کو نہایت اہمیت دی جاتی ہے اور چونکہ عموماً زچگی کے چھٹے روز یہ پہلا نہان ہوتا ہے اس لیے اس کا نام ہی چھٹی ہو گیا۔ اور اس میں زچہ بڑے اہتمام سے نہلائی جاتی ہے۔ پھر بچہ نہلایا جاتا ہے اور اُن کے بعد تمام عورتیں جو مہمان ہوتی ہیں یکے بعد دیگرے سب نہاتی ہیں۔ زچہ اور بچے کے لیے نئے بھاری جوڑے حسب حیثیت تیار کیے جاتے ہیں۔ اور باقی سب عورتیں کپڑے بدلتی ہیں۔ اس نہان میں جو طرح طرح کی رسمیں کی جاتی ہیں وہ بے حد و بے شمار ہیں۔ اور غالباً ہر شہر و قریے بلکہ ہر خاندان میں کلیۃً یکساں اور جزءً مختلف اور نئی ہیں۔

وطن کے میکے یا دیگر اعزا کی طرف سے اس موقع پر زچہ اور بچے کے جوڑے طوق ہنسلی اور کڑے ننھے بچے کے قابل کھلونے جھنجھنے چٹوے۔ اُن کے ساتھ مرغیاں اور خدا جانے کیا کیا چیزیں بڑی دھوم دھام جلوس اور باجوں کے ساتھ آتی ہیں۔ زنانے میں رقص و سرود کی محفلیں گرم ہوتی ہیں۔ اور اتنی استطاعت نہ ہو تو خود گھر والی عورتیں ڈھول سامنے رکھ کے گا بجا لیتی ہیں۔

یہی شان بعد کے دو نہانوں یعنی بیسویں اور چلّے کے نہانوں کی ہوتی ہے۔ اگر خدا نے اطمینان دیا ہے تو دونوں موقعوں پر محفل عیش و نشاط گرم ہوتی ہے ورنہ فقط چلّہ کے نہان میں زیادہ دھوم دھام ہوتی ہے اور بیسویں کے نہان کی تقریب معمولی رہتی ہے۔

عقیقہ مسلمانوں کی خالص مذہبی رسم ہے جس کا آغاز بنی اسرائیل کے زمانے سے آل ابراہیم میں چلا آتا ہے۔ یہود پیدائش کے آٹھویں دن بچے کو معبد اقصے میں لیجا کے اُس کا سر منڈاتے اور قربانی کرتے تھے اور اُن کا معتمد خاص طریقوں سے اُس کے لیے برکت کی دعا کیا کرتا تھا۔ یہی طریقہ مسلمانوں میں بھی رسم ابراہیمی اور سنت محمدیؐ کی حیثیت سے آج تک جاری چلا آتا ہے۔

اگرچہ اب ولادت کے بعد آٹھوین دن عقیقہ کرنے کی قید اٹھ گئی ہے مگر اکثر بچے کی عمر کے پہلے ہی سال مین ہو جایا کرتا ہے۔ اس مین بچے کو نہلا کے نئے کپڑے پنہائے جاتے ہین۔ اور اس کے بعد اعزا و احباب کے مجمع مین نائی اُس کا سر مونڈتا ہے۔ اور جیسے ہی وہ سر مین استرا لگاتا ہے بچہ اگر لڑکا ہو تو دو اور لڑکی ہے تو ایک بکرا قربانی کیا جاتا ہے۔ منڈ جانے کے بعد سر مین صندل لگایا جاتا ہے۔ اعزا و اقارب حسب حیثیت بچے کو کچھ رونمائی دیتے ہین۔ قربانی کا گوشت غربا اور اعزا مین تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اور گھر مین خوشی کا جلسہ ہوتا ہے۔ اور اُسی قسم کی محفل مرتب ہو جاتی ہے جیسی کہ اور تقریبون مین ہوتی ہے۔

کھیر چٹائی۔ اس تقریب سے بچے کو دودھ کے علاوہ اور غذاؤن کے دینے کا آغاز ہوتا ہے جو اکثر اُس وقت ہوا کرتی ہے جب بچہ چار یا پانچ مہینہ کا ہو چکتا ہے۔ اکثر گھرون مین غذا کا آغاز کھیر سے کیا جاتا ہے۔ جو خاص اہتمام سے پکائی اور خاص طور پر قرابت دار خاتونون کی موجودگی مین بچہ کو چٹائی جاتی ہے جبکہ وہ نئے کپڑے پہنے ہوتا ہے اور سب بیویان ترقی عمر کی دعاؤن کے ساتھ اُس کے ہاتھ مین روپے دیتی ہین۔ اور وہی محفل طرب قائم ہو جاتی ہے جو ہر تقریب مین نظر آتی ہے۔

دودھ بڑھائی۔ یہ تقریب اُس موقع پر ہوتی ہے جب بچے کا دودھ چھڑایا جاتا ہے۔ اس مین کچھ کھجورین پکائی جاتی ہین تاکہ بچہ اگر دودھ کے لیے ضد کرے تو بہلانے کے لیے اُس کے ہاتھ مین دیدی جایا کرین۔ مگر عموماً رواج ہے کہ اتنی مقدار مین پکائی جاتی ہین کہ جن جن گھرون سے حصہ داری ہے اُن مین تقسیم بھی ہو سکین۔ دودھ کے چھڑانے کا عام طریقہ یہ ہے کہ ماں یا مرضعہ کی چھاتیون مین پانی مین گھول کے ایلوا یا کوئی اور کڑوی چیز لگا دی جاتی ہے جس کی کڑواہٹ سے گھبرا کے بچہ دودھ چھوڑ دیتا ہے۔ اور جب پینے کے لیے ضد کرتا اور بہلائے نہین بہلتا تو پھر یہی کارروائی کیجاتی ہے۔ اور دو ایک دفعہ مین اُسے دودھ سے نفرت ہو جاتی ہے۔
دودھ بڑھائی کا زمانہ علی العموم اُس وقت ہوتا ہے جب بچہ دو سال کا ہو جائے۔ حنفیون مین مدت رضاعت اڑھائی برس ہین۔ یعنی اڑھائی

برس کے بعد دودھ چھڑانا لازمی ہے۔ لیکن رواج اس سے کم ہی زمانے کا ہے۔ چاہے بات ہے کہ بعض عورتیں تین تین تین چار چار سال تک دودھ پلاتی رہتی ہیں۔ مگر یہ بات عموماً نفرت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ اس لیے کہ شرع کے خلاف ہے۔ اس تقریب میں بھی جن گھروں کو خدا نے استطاعت دی ہے اُن میں بہت ایسی چہل پہل ہو جاتی ہے۔ اور رقص و سرود کی محفل گرم ہوتی ہے۔

بسم اللہ تقریب اُس دن ہوتی ہے جس روز لڑکے کو پہلے پہل پڑھنے کے لیے بٹھاتے ہیں۔ اور اُس کا زمانہ از روئے رسوم مروجہ یہ خیال کیا گیا ہے سبب یہ چار سال چار مہینے اور چار دن کا ہو جائے۔ اور اس چار کے عدد نے اس تقریب میں اس قدر خصوصیت پیدا کر دی ہے کہ چار سال چار مہینے چار دن کے بعد چار گھنٹے اور چار سٹ کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔ وقت مقررہ پر کوئی محترم مولوی صاحب یا کوئی بزرگ خاندان لڑکے کو جو نہلا دھلا کے اور نئے کپڑے پہنا کے دولھا بنا دیا جاتا ہے بڑھانے کے لیے لے کے بیٹھتے ہیں۔ الف بے کی کتاب اس کے سامنے رکھتے ہیں۔ اور بسم اللہ کہلا کے عربی کے دعائیہ الفاظ "رب یسر ولا تعسر و تمم بالخیر" کہلاتے ہیں۔ جن کے معنی یہ ہیں کہ "خداوندا آسان کر۔ اور دشوار نہ کر۔ اور خیریت سے ختم کر"۔ پھر الف بے کہلا کے مٹھائی تقسیم ہوتی ہے۔ عزیز و قریب لڑکے کو حسب توفیق دیتے ہیں۔ اور اُس دن سے اُس کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

ختنہ یہ بھی سنت ابراہیمی اور آل ابراہیم کی پرانی اور ضروری رسم ہے۔ اور چونکہ ہندوستان میں صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس کارروائی کے بعد سے لڑکا مسلمانوں میں شامل ہو جاتا ہے اس لیے اس رسم کا عام نام ہی مسلمانی پڑ گیا ہے۔ اس میں بچے کے عضو مخصوص کے سر پر کی کھال کاٹ لی جاتی ہے۔ جس کا کاٹنا طبی اور ڈاکٹری اصول سے بھی بعض امراض و شکایات سے بچنے کے لیے نہایت مفید ہے۔ یہ ایک قسم کا آپریشن ہے جس کو ہمارے قدیم سرجن جراح جو عموماً نائی ہوتے ہیں نہایت خوبی اور غیر معمولی پھرتی سے انجام دیتے ہیں۔ اُن کو اچھا معاوضہ اور انعام دیا جاتا ہے اور اس رسم کے انجام دیتے وقت مردانے میں اکثر اعزا و احباب بلا کے بٹھائے

جاتے ہین اور زنانے مین مہمان بیویون کا مجمع ہوتا ہے۔ ختنہ ہوتے ہی مٹھائی تقسیم ہوتی ہے۔ جن کو استطاعت ہوتی ہے دعوت کرتے ہین۔ اور پھر اُس روز خوشی کی تقریب ہوتی ہے جب زخم اچھا ہونے کے بعد لڑکا غسل صحت کرے۔ اکثر خاندانون اور منت مراد والے گھرانون مین اِس روز لڑکا دولہا بنا کے گھوڑے پر چڑھایا جاتا ہے۔ اور بات بڑے جلوس اور دھوم دھام کے ساتھ کسی درگاہ مین جاتی ہے۔ جہان چادر اور مٹھائی چڑھا کے لڑکا اُسی شان سے گھر واپس آتا ہے۔ جہان خوشی کے چہچہے اور عیش و شادمانی کے جلسے نظر آتے ہین۔ اس رسم کے ادا ہونے کا زمانہ مختلف ہے۔ بعض لوگ چھٹی یا چلّے ہی مین بچے کا ختنہ کرا دیتے ہین۔ مگر عام رواج اُس وقت سے جب لڑکا چھ سات برس کا ہو جائے۔

ایک اور تقریب روزہ کشائی کی بھی ہے۔ یہ اُس وقت ہوتی ہے جب لڑکا یا لڑکی نو دس برس کی عمر کو پہنچ جائے اور اُسے پہلے پہل روزہ رکھوایا جائے۔ اس مین علی العموم بہت سے روزہ دار دِن کی دعوت کیجاتی ہے جن کے لیے کثرت سے افطاریان تیار کی جاتی ہین۔ اور لڑکا اُن کے ساتھ بیٹھ کے افطار کرتا ہے۔ اور لڑکی ہے تو زنانے مین مہمان روزہ دار بیویون کے ساتھ روزہ کھولتی ہے۔ اس مین گانا بجانا کم ہوتا ہے۔ مگر شوقین اور رنگین مزاج لوگون کے لیے یہ بہانہ بھی محفل رقص و سرود گرم کرنے کے واسطے کافی ہو جاتا ہے۔

اسی قسم کی کارروائیان غسل صحت کی تقریبون اور منت مراد پوری ہونے کے موقعون پر ہوا کرتی ہین۔ اور سوا اُن خاص باتون کے جو اُس تقریب سے تعلق رکھتی ہون باقی سب باتین اُن مین بھی وہی ہوتی ہین جو اور تقریبون مین بیان کی گئین۔

سب سے بڑی اور اہم تقریب شادی یا عقد نکاح ہے۔ یہ وہ ضروری تقریب ہے جس کی بے اعتدالیون کی بدولت سیکڑون خاندان تباہ ہو گئے اور تباہ و برباد ہوتے چلے جاتے ہین۔ اور وجہ یہ کہ

خوشی کے جوش اور شاہد آرزو سے ہمکنار ہونے کی محویت مین کسی کو نہ اپنی حالت و وسعت کا خیال رہتا ہے نہ اپنے انجام و آل کار کا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قرض ملے کے جائداد مین بیچ کے دوستون اور عزیزون سے مانگ کے۔ یا جس طرح کوئی رقم مل سکے فراہم کر کے ارمانین پوری کیجاتی ہین۔ اور شادی کے ختم ہوتے ہی یہ حالت ہوتی ہے کہ اکثر گھرون مین فاقے کی نوبت آجاتی ہے۔

شادی اور نکاح چونکہ انسانی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے اس لیے اس کو ہم ذرا زیادہ تفصیل و تشریح سے بیان کرنا چاہتے ہین۔ شادی کی نسبت اکثر مشاطاؤن کے ذریعے سے ٹھہرتی ہے۔ ہندوستان کے تمام بڑے شہرون مین خصوصاً اُن مین جہان اگلے تمدن نے ترقی کی تھی عورتون کا ایک خاص پیشہ ہے مشاطہ گری۔ شعرا کے کلام اور لغت مین مشاطہ اُس عورت سے مراد ہے جو عالی مرتبہ خاتونون کے کنگھی چوٹی کرتی۔ کپڑے اور زیور پہناتی۔ اور اُنھین بنا چنا کے سنوارتی اور آراستہ کرتی ہے۔ مگر سوسائٹی مین مشاطہ اُن عورتون کو کہتے ہین جو شادی کے پیام لیجاتی۔ نسبتین ٹھہراتی۔ اور شادیان کراتی ہین۔ غالباً اس پیشے کی ابتدا اُنھین عورتین سے ہوئی جو حسینون کو بنایا سنوارا کرتی تھین۔ اور آخر مین شادی ٹھہرانے والی عورتون کا نام مشاطہ پڑ گیا۔ یہ بڑی چالاک اور مکار عورتین ہوا کرتی ہین۔ ہر لڑکے کا پیام جب کسی گھر مین لیجاتی ہین تو اُس کی دولتمندی تعلیم۔ سعادتمندی۔ خوش اخلاقی اور خوبصورتی کی اس قدر تعریف کرتی ہین کہ لڑکے والون کی نظر مین اُسے مثنوی میرحسن کا شاہزادۂ بے نظیر ثابت کیے بغیر دم نہین لیتی ہین۔ اسی طرح جب کسی لڑکی کی بات لڑکے والون کے یہان لے جاتی ہین تو اس کے حسن و جمال ناز و انداز۔ اور خوبی و رعنائی کے بیان مین ایسے قلقلے باندھ دیتی ہین کہ معلوم ہوتا ہے جس لڑکی کا ذکر کر رہی ہین وہ انسان نہین کوہ قاف کی پری یا شاہزادی بدر منیر ہے۔

مشاطہ کی پیام رسانیون کے بعد اگرچہ تحقیق و جستجو مرد ہی کرتے ہین

گر نسبت ٹھہرنے مین زیادہ دخل دونون گھرون کی عورتون ہی کو ہوا کرتا ہے جو اپنا اطمینان کر کے مردون کی رضامندی حاصل کرتی ہین۔ اور نسبت ٹھہر جاتی ہے۔ جن خاندانون مین بچون کے پیدا ہوتے ہی اندان بھری ایسی نسبت ٹھہرا لیا کرتی ہین اُن کے لیے مشاطہ کی ضرورت نہین پیش آتی۔ بلکہ دولھا کو بے غل و غش ٹھیکرے کی منگی دولھن مل جاتی ہے۔ اور شادی سے پیشتر کی رسمین جن کو نسبت ٹھہرنے سے تعلق ہے اُن کی نوبت نہین آتی۔ گویا پیدا ہوتے ہی منگنی ہو جاتی ہے۔

نئے گھرون مین جب پیام جاتا ہے تو اکثر لڑکا اپنے چند عزیزون اور مخصوص دوستون کے ساتھ "بر دکھوا" کے نام سے دولھن والون کے دہان بلایا اور ایسی جگہ بٹھایا جاتا ہے جہان سے عورتین بھی اُسے تاک جھانک کے دیکھ سکین۔ گھر والے مرد جمع ہو کے اُس سے ملتے اور حسب حیثیت خاطر مدارات کرتے ہین۔ اسی طرح لڑکے کی مان بہنین ایک مقررہ تاریخ پر دولھن کے گھر مین جاتی اور مٹھائی کھلانے یا کسی اور بہانے سے دولھن کا چہرہ دیکھتی ہین جو عام طور پہ اُن سے چھپائی اور پردے مین رکھی جاتی ہے۔ گر بعض شریف گھرون مین دولھا نہین بلایا جاتا بلکہ خاندان کے مرد کسی نہ کسی عنوان سے لڑکے کی لاعلمی مین اُسے دیکھتے اور اُس کا حال دریافت کر لیتے ہین۔ اور یونہین لڑکی کی حالت کا بھی پتہ لگا لیا جاتا ہے۔

ان طریقون سے جب لڑکے والی لڑکی کو اور لڑکی والے لڑکے کو پسند کر لیتے ہین جس مین صورت شکل۔ حالت حیثیت کے علاوہ شرافت خاندان کو بھی بہت کچھ دخل ہوتا ہے تو منگنی کی رسم عمل مین آتی ہے۔ اُس مین دولھا کے طرف سے مٹھائی جاتی ہے۔ پھولون کا گہنا جاتا ہے۔ اور ایک سونے کی انگوٹھی جاتی ہے جسے بعض گھرانون مین دولھا کی عزیز عورتین خود جا کے پنھاتی ہین۔

منگنی کی رسم ادا ہو جانے کے بعد سمجھا جاتا ہے کہ نسبت ٹھہر گئی اور اُس وقت سے دونون جانب معمول ہو جاتا ہے کہ جب کوئی تقریب ہو تو سمدھیانے مین خاص اہتمام سے حصے جائین اور جو حصہ لڑکے یا لڑکی کے لیے ہوتا ہے وہ

بڑا ہوتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ مُثمّن دیا و قعت بنا دیا جاتا ہے۔ اسی اثنا میں اگر محرم آگیا تو دونوں جانب سے اہتمام اور تکلف کے ساتھ گوٹا۔ الائچیاں چکنی ڈلیاں۔ اور اعلیٰ درجے کی کارچوبی اور ریشمی بٹوے سمدھیانے میں بھیجے جاتے ہیں۔

برات یعنی نکاح کے دن سے چند روز پہلے دولھن مانجھے بٹھا دی جاتی ہے جبکہ اسے مانجھے کا زرد جوڑا پہنایا جاتا ہے۔ اس وقت سے روز اس کے بٹنا لگتا ہے اور بجز خاص ضرورتوں کے وہ پردے کے باہر نہیں نکلتی۔ جس دن دولھا مانجھے بیٹھتا ہے اسی روز رسم ہے کہ اس کا جھوٹا بٹنا۔ اس کی جھوٹی مہندی مصری کا کوزہ اور بہت سی پنڈیاں ایک شاندار جلوس اور باجے کے ساتھ دولھن کے گھر بھیجی جاتی ہیں۔ جو پنڈیاں خاص دولھا کے لیے ہوتی ہیں وہ جداگانہ خوانوں میں ممتاز و مخصوص ہوتی۔ انھیں کے ساتھ دولھا کے لیے مانجھے کا زرد دیگاری جوڑا ایک رنگی ہوئی منقش چوکی اور لوٹا کٹورا بھی ہوتا ہے۔ لوٹا کٹورا چوکی پر نارے سے کس کے باندھ دیے جاتے ہیں۔ اور جلوس میں یہ چیزیں اس ترتیب سے ہوتی ہیں کہ باجے والوں اور جلوس کے بعد سب کے آگے چوکی ہوتی ہے اس کے بعد خوانوں میں دولھا کی مخصوص چیزیں ہوتی ہیں جو عموماً کچے طباقوں میں رکھی ہوتی ہیں۔ اور ان کے بعد بہت سے خوانوں میں عام قسم کی پنڈیاں ہوتی ہیں۔ دولھن کی چھوٹی بہنیں اور ڈومنیاں فینس اور ڈولیوں پر سوار ہو کے ساتھ جاتی ہیں۔ جو دولھا کے گھر پہنچ کر ایک پنڈی اور مصری کے سات سات ٹکڑے کر کے وہ سب ٹکڑے دولھا کو ڈھکا ڈھکا کے کھلاتی ہیں۔

اس رسم کی نسبت قیاس کیا جاتا ہے کہ خالص ہندی رسم ہے جس کو نہ عرب سے تعلق ہے نہ عجم سے۔ اس لیے کہ مانجھے اور اس کے ساتھ کنگنے کی ابتدا ہندوستان کے سوا اور کسی جگہ نہیں ثابت ہوتی۔

مانجھے کے دس بارہ روز سے زیادہ زمانہ گزرنے کے بعد اسی شان و شوکت اور جلوس کے ساتھ دولھا کے گھر سے دولھن کے یہاں سانچق جاتی ہے۔ سانچق ترکی لفظ اور ترکی رسم ہے اور معلوم ہوتا ہے

کہ ترک و مغل اس رسم کو اپنے ساتھ ہندوستان مین لائے - اس مین دولھا کے یہان سے دولھن کے لیے چڑھاوے کا جوڑا جاتا ہے جو عموماً بہت بھاری اور کارچوبی ہوتا ہے - اُس کے ساتھ دولھن کے لیے سُنہری مقیش کا سہرا، چاندی کا چھلا، سونے کی انگوٹھی - دو ایک اور چیزین ہوا کرتی ہین اور وہ زیور ہوتا ہے جس کو پہنا کر وہ رخصت کی جائے گی - اور پھولون کا گہنا ہوتا ہے - جوڑے کے ساتھ شکر کے نقل شکر کے قُرص اور میوہ جاتا ہے - ساچق کے لیے خاص اہتمام سے منقش اور رنگین گھڑے تیار کرائے جاتے ہین پھر بانس اور کاغذ کے رنگا رنگ تختون مین چار چار گھڑے لگا کے چوگھڑے بنا دیے جاتے ہین - اور دولتمندی و امارت کی شان کے مناسب ان چوگھڑون کی تعداد بڑھتی جاتی ہے - اور اکثر سو سو دو دو سو کے شمار کو پہونچ جاتے ہین مگر اُن کے اندر چند گنتی کے نقلون یا آدھ آدھ سیر شکر کے سوا کچھ نہین ہوتا - اُن کے مُنہ گھڑون پر عموماً سُوہے کا کپڑا نارے سے بندھا ہوتا ہے - اور جلوس مین اُن سب گھڑون کے آگے چاندی کی ایک دہی کی مٹکی رہتی ہے جس مین دہی بھرا ہوتا ہے - اور اُس کے مُنہ پر بھی سُوہا نارے سے باندھ دیا جاتا ہے - اور اُس کے گلے مین مبارک فالی کے لیے دو ایک مچھلیان بندھی ہوتی ہین یہ چیزین جب دولھن کے گھر مین پہونچتی ہین تو اعزا و اقارب مین تقسیم ہوتی ہین -

---

چند کتابون پر ریویو

آب بقا - یہ خواجہ محمد عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی کا ایک بیش بہا تذکرہ شعراے اُردو کے حالات مین ہے جو ۱۸×۲۲ تقطیع کے ۲۱۶ صفحون پر پورا ہوا ہے - اس مین حضور جان عالم واجد علی شاہ اختر آخری تاجدار اودھ - آتش - ناسخ - اور بہت سے اور شاعرون کے حالات زندگی اور اُن کا منتخب کلام ہے - اس کو مرزا جعفر علی صاحب نشتر لکھنوی نے سیٹھ کندن لال پریس مین چھپوا کے شائع کیا ہے - قیمت مجلد - عمر

ہمجولی - اس مین فصیح محاورہ زبان مین مختلف عنوانون پر خواجہ صاحب موصوف کے چند مضامین ہین جن مین قدیم طرز تمدن و خانہ داری کا انکشاف ہو کے تعلیم و تربیت نسوان پر اچھا اثر پڑتا ہے - اس کتاب کو بھی مرزا جعفر علی صاحب نشتر نے مطبع مذکور مین چھپوایا ہے - قیمت مجلد ۶ ہے - دونون مندرجہ بالا کتابین ان کے قابل مولف یعنی مرزا جعفر علی صاحب نشتر سے لکھنؤ سرائے میوہ کے پتہ پر خط بھیج کے منگوائی جائین

قدیم سیاحان ہندوستان

سارا ہندوستان تین حصوں مین منقسم ہے - ایک حصہ ایران سے دریاے سندھ تک پھیلا ہوا ہے دوسرا دریاے سندھ سے دریاے گنگا تک اور تیسرا حصہ وہ ہے جو اُس کے آگے ہے - تیسرا حصہ دولت - شائستگی اور شان و شوکت مین پہلے دونوں حصوں سے بڑھا ہوا ہے - اور تہذیب اور طرز معاشرت مین بھی خاص یورپ کی طرح ہے - یہان کے باشندے بڑی بڑی خوشنما عمارتوں مین رہتے ہین اور اُنھین نہایت شاندار ساز و سامان سے آراستہ کرتے ہین - وہ اپنی زندگی ایسی عمدگی سے بسر کرتے ہین کہ اُس مین کوئی خرابی یا غیر مہذب بات نہین پائی جاتی - لوگ نہایت خوش اخلاق ہین اور تاجر بہت دولتمند ہین - بعض تاجرون کی یہ حالت ہے کہ اُن کے پاس چالیس سے زیادہ جہاز ہین جو اُن کا مال تجارت لے جاتے اور لے آتے ہین اُن مین سے ہر جہاز کی قیمت کا اندازہ پچاس ہزار دینار ہے - یہ لوگ یورپ والون کی طرح میز پر کھانا کھاتے ہین جن پر چاندی کے ظروف استعمال کیے جاتے ہین - ہندوستان کے بقیہ سب لوگ زمین پر دری بچھا کے کھانا کھاتے ہین - ہندوستان مین انگور نہین ہوتا اور نہ وہان کے لوگ شراب کا استعمال کرتے ہین - لیکن وہ ایک قسم کا عرق تیار کرتے ہین جو چاول کو ایک درخت کے عرق مین بھیگو کے بنایا جاتا ہے اور سرخ رنگ اُس مین ملا دیا جاتا ہے وہ بھی شراب کی طرح نشہ پیدا کرتا ہے - جزائر سماترہ مین ایک درخت ہوتا ہے جس کی شاخین کاٹ کے اوندھے پر لٹکا دیجاتی ہین اُس مین سے بھی ایک قسم کا شیرین عرق نکلتا ہے جو نہایت خوش ذائقہ ہوتا ہے - دریاے سندھ اور گنگا کے درمیان

مین ایک تالاب ہے جس کا پانی ایک خاص ذائقہ رکھتا ہے اور لوگ اُسے بڑی خوشی سے پیتے ہین خاص اُس ضلع کے اور دور دور کے لوگ اُس تالاب کے گرد جمع ہوتے ہین تاکہ اُس کا پانی لیجائین۔ سوا اون کے ذریعے سے اُس کا تازہ پانی روزانہ دور دور پہونچایا جاتا ہے۔ یہان سردی نہین ہوتی بلکہ یہان کے لوگ ایک قسم کی غذا پر بسر کرتے ہین جو چاول، گوشت، دودھ اور پنیر سے تیار کیجاتی ہے۔ یہان مرغیان، تیتر، بٹیر اور دوسری جنگلی چڑیان پیدا ہوتی ہین اور یہان کے لوگ اُن کو پالتے اور اُن کا شکار کرتے ہین ان لوگون کی ڈاڑھیان نہین ہوتین اور اُن کے بال لمبے ہوتے ہین۔ بعض لوگ اُنھین اپنے سر کے پیچھے ایک ریشمی ڈورے سے باندھ دیتے ہین اور وہ اُن کے پشت کی جانب شانون پر لٹکتے رہتے ہین۔ اسی شان سے وہ لڑائی پر جاتے ہین۔ ہماری طرح اُن کے یہان بھی حجام ہوتے ہین۔ قد و قامت اور مدت عمر مین وہ لوگ اور پیداوار کی طرح ہین۔ وہ کار چوبی بستر ون اور ریشمی دریون پر سوتے ہین۔ چین اور ملک کا لباس جداگانہ ہوا کرتا ہے۔ یہان اون بہت کم استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن روئی اور ریشم نہایت کثرت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور اُسی سے لوگ اپنے کپڑے بناتے ہین۔ مرد اور عورتین سب ایک قسم کا سوتی کپڑا اپنے جسم کے گرد لپیٹتے ہین اور اُس کے اوپر ایک سوتی یا ریشمی کپڑا ہوتا ہے جو مردون کے گھٹنون اور عورتون کے ٹخنون تک لٹکتا رہتا ہے گرمی کی وجہ سے وہ زیادہ کپڑے نہین پہن سکتے اور جوتے کے بجائے تلے پہنتے ہین جس مین سرخ اور سنہری پٹیان لگی ہوئی ہین جیسے کہ ہم قدیم تصویرون مین دیکھتے ہین بعض مقامات کی عورتین جوتے بھی پہنتی ہین جو نہایت ہلکے چمڑے کے بنائے جاتے ہین اور جن پر سنہرا اور ریشمی کام بنا ہوتا ہے۔ خوشحالی کے دنون وہ اپنے ہاتھون اور پاؤن مین سونے کے کڑے پہنتی ہین۔ ایسے ہی طلائی زیور اُن کے گلے اور بالون مین بھی ہوتے ہین جن کا وزن ڈیڑھ سیر سے کم نہین ہوتا اُس مین ہیرے اور جواہرات جڑے ہوتے ہین۔ بدچلن عورتین ہر جگہ پائی جاتی ہین جو خاص مکانون کے اندر شہر کے ہر حصے مین رہتی ہین اور تیل کی خوشبو، بناؤ سنگار، حسن اور نوجوانی کے ذریعے سے مردون کو اپنی

[illegible] اثر کرتی ہین ہندوستان کے لوگ بہت زیادہ شہوت پرست ہین لیکن غیر [illegible] [illegible] [illegible] لیکن ہمین معلوم ہے کہ سنگھار مختلف طریقون سے کیا جاتا ہے۔

[illegible] [illegible] [illegible] ایک کار چوبی کپڑا ڈال لیا جاتا ہے اور [illegible] [illegible] جاتے ہین بعض جگہ کی عورتین اپنے بالون [illegible] [illegible] ایک [illegible] بنا لیتی ہین۔ اُس کے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ان کے پاؤن پر لٹکتے رہتے ہین بعض [illegible] [illegible] نقلی [illegible] [illegible] ہین بعض لوگ اپنے [illegible] [illegible] کے [illegible] [illegible] جاتے ہین [illegible] [illegible] جنوبی [illegible] [illegible] [illegible] پر نقش و نگار رہین بناتے۔ [illegible] [illegible] [illegible] رکھ سکتے ہین۔ [illegible] ہندوستان [illegible] [illegible] [illegible] زیادہ شادمان کرنے کا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اختیار کر لیا ہے اور سارے ہندوستان [illegible] [illegible] ایک ہی [illegible] [illegible] ہین۔

ہندوستان کے سب حصون میں تجہیز و تکفین کی رسمین جداگانہ ہین [illegible] ہندوستان کے [illegible] [illegible] کے لوگ اپنے مردون کی تجہیز و تکفین مین جو شان و شوکت [illegible] [illegible] سب سے زیادہ [illegible] [illegible] کو کھود کے پکی دیوارون کے ذریعہ [illegible] [illegible] خوشنما بنائی جاتی ہے [illegible] مردون کو ایک خوشنما تابوت مین رکھتے ہین جس مین سنہرے تکیے ہوتے ہین۔ سارا تابوت اُس قبر مین رکھ دیا جاتا ہے اُس کے گرد ٹوکریون مین نہایت [illegible] کپڑے اور زیور رکھ دیے جاتے ہین۔ [illegible] [illegible] شخص دوسری دنیا مین جا کے [illegible] استعمال کرے گا۔ پھر اُس قبر کی دیوار [illegible] [illegible] سے چُن دیتے ہین تاکہ [illegible] اُس کے اندر نہ جا سکے۔ قبر کے اوپر ایک بہت بڑا گنبد بڑے صرف سے [illegible] جاتا ہے جس کی وجہ سے قبر [illegible] [illegible] سے محفوظ رہتی اور بہت [illegible] قائم رہتی ہے۔ وسط ہندوستان [illegible] [illegible] جلا دیے جاتے ہین [illegible] ان کی زندہ بیبیان اکثر اپنے شوہر [illegible] [illegible] ساتھ اُسی چتا پر جل کے مر جاتی ہین۔ اگر کسی مرد کے ایک سے [illegible] [illegible]

ہون تو پہلی بیوی قانوناً مجبور ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ جل کے مرجائے۔ لیکن دوسری بیبیان اُس معاہدے کی پابند ہون گی جو شادی کے وقت خاص طور پر کیا جائے کہ وہ بھی اپنے شوہر کی موت پر اُس کی چتا کو زیادہ شاندار بنائین گی یا نہین۔ شوہرون کے ساتھ جلکے مرجانا بڑی عزت کی بات خیال کیجاتی ہے۔ مردہ شوہر ایک بستر پر لٹا دیا جاتا ہے۔ اُسے بہترین کپڑے پہنائے جاتے ہین۔ پھر اُس کے لیے خوشبودار لکڑیون کی ایک بہت بڑی چتا مخروطی شکل مین بنائی جاتی ہے۔ چتا مین آگ لگا دیجاتی ہے۔ اور اُس کی بیوی جو نہایت قیمتی کپڑے پہنے ہوئی ہے گاتی ہوئی اُس چتا کے گرد پھرتی ہے بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہین اور زور و شور سے باجا بجایا جاتا ہے۔ ایک برہمن جو پجاری کہلاتا ہے اونچی جگہ پر کھڑا ہوتا ہے اور اُس عورت کو زندگی سے نفرت دلاتا ہے۔ پھر اُسے اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ تمھین دوسرے عالم مین اپنے شوہر کے ساتھ بیشمار دولت اور بے انتہا ہیرے اور جواہرات کے زیورون کے ساتھ لطف حاصل ہوگا۔ وہ عورت آگ کے گرد کئی مرتبہ چکر لگاتی ہے پھر اُس برہمن کے قریب آکے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اپنے قیمتی کپڑے اُتار ڈالتی ہے اور رسم کے مطابق نہانے دھونے کے بعد ایک سفید چادر لپیٹ لیتی ہے۔ پھر برہمن کے اشارہ کرتے ہی آگ مین کھاند پڑتی ہے اگر کسی عورت سے کمزوری اور بزدلی ظاہر ہوتی ہے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دوسرون کے جلنے کی تکلیفین دیکھ کے اُس کے ہوش وحواس درست نہین رہتے تو خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو مگر لوگ اُسے پکڑ کے آگ مین پھینک دیتے ہین۔ اُن کی راکھ جمع کرکے رکھ لی جاتی ہے۔

مُردون کا غم اور تعزیت ادا کرنے کے لیے بھی مختلف طریقے ہین

وسط ہندوستان کے لوگ اپنا سارا جسم اور سر تک ایک کپڑے مین لپیٹ لیتے ہین بعض لوگ چوراہون پر لمبے بانس کھڑے کرتے ہین جن مین رنگین کاغذ لٹکتا ہوتا ہے۔ تین دن وہ اُس کا ماتم کرتے اور روتے ہین۔ پھر غریبون کو خدا کی راہ مین کھانا کھلاتے ہین۔ مرنے والے کے گھر مین اُس کے اعزا اور پڑوسی جمع ہوتے ہین وہان کوئی کھانا نہین پکایا جاتا۔ بلکہ جب جس چیز کی ضرورت ہوتی

رسے آتی ہو تین روز تک اُس کے دوست ایک قسم کی کڑوی پتی اپنے مُنہ مین رکھتے ہین جن کے ماں یا باپ مر جاتے ہین۔ وہ ایک سال تک نہ اپنے کپڑے بدلتے ہین نہ دن مین ایک دفعہ سے زیادہ کھانا کھاتے ہین نہ اپنے ناخون یا بال کٹواتے ہین۔ ورنہ اپنی ڈاڑھی منڈاتے ہین۔ مُردون کے لیے اکثر عورتین ہی روتی اور ماتم کرتی ہین میت کے گرد اپنا سینہ کھول کے کھڑی ہو جاتی ہین اور چلا چلا کے رونے اور آہ و زاری کرنے کے ساتھ ہاتھون سے اپنے سینے پیٹتی ہین۔ ایک عورت پُرسوز لہجے مین اُس مرحوم شخص کی تعریف کرتی جاتی ہے اور خاص خاص وقفون کے ساتھ دوسری عورتین بھی اُس کے ساتھ شامل ہو جاتی اور اپنے سینے پیٹنے لگتی ہین۔ شہزادون کی چتا کی راکھ سونے یا چاندی کے ظروف مین رکھی جاتی ہے پھر کسی ایسے تالاب مین ڈال دیجاتی ہے جو دیوتاؤن کے لیے مخصوص ہو کیونکہ اُن کے اعتقاد کے مطابق دیوتاؤن کے پاس پہونچنے کا یہی طریقہ ہے۔

اُن کے برہمن جو بجالی کہلاتے ہین کسی جانور کا گوشت نہین کھاتے۔ خصوصاً گائے یا بیل کو مارنا اور کھانا بہت بڑا گناہ خیال کیا جاتا ہے کیونکہ وہ انسان کے لیے سب سے زیادہ مفید جانور ہے۔ ہندوستان کے لوگ بیل کو بار برداری کے کام مین لاتے ہین۔ یہ برہمن چاول ترکاریون پھلون اور بھاجی پر بسر کرتے ہین۔ اُن کی فقط ایک بی بی ہوتی ہے جو اپنے شوہر کے ساتھ جلا دیجاتی ہے۔ وہ لاش کے برابر لیٹ کے اور اپنا ہاتھ اُس کے گلے مین ڈال کے بغیر کسی قسم کا ہراس ظاہر کیے جل جاتی ہے۔

ہندوستان کے ہر حصے مین ایک قسم کے فلسفی لوگ ہین جو برہمن کہلاتے ہین یہ نجوم اور آیندہ واقعات کی پیشین گوئی کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر دیتے ہین۔ یہ لوگ نہایت مہذب ہوتے ہین اور نہایت پاکبازانہ زندگی بسر کرتے ہین۔ نکلو بیان کرتا ہے کہ انھین برہمنون مین مین نے ایک شخص کو دیکھا جس کی عمر تین سو برس کی تھی۔ لوگ اُسے حیرت سے دیکھتے تھے اور جہان کہین وہ جاتا تھا لڑکے اُس کے ساتھ ہوتے تھے۔ یہ لوگ ایک علم کے ذریعے سے جو اِن لوگون کو معلوم ہے اکثر پیش آنے والے واقعات کو ایسی صحت کے ساتھ بیان کر دیتے ہین گویا وہ خود اُن واقعات کو دیکھ چکے ہین۔ وہ بعض منترون سے بھی کام لیتی ہین اور اُن کے ذریعے سے اکثر باد و باران کا طوفان بلاتے ہین اور پھر اُس کو خاموش بھی کر سکتے ہین۔ انھین

کی وجہ سے اکثر لوگ تنہائی مین بیٹھ کے کھانا کھاتے ہین تاکہ ان برہمنون کی نظر نہ [illegible] جائے۔

[illegible] بیان کرتا ہے کہ ایک موقع پر مین جہاز کا سردار تھا [illegible] ہمارا جہاز سات دن تک بغیر ہوا کے پڑا رہا۔ ملاحون کو یہ خوف [illegible] ہوا [illegible] نہ چلی گی لہذا وہ سب ایک میز کے گرد جمع ہوے [illegible] رسمین ادا کرنے کے بعد وہ اُس میز کے گرد [illegible] کا نام لیکر پکارتے رہے۔ اس اثنا مین ایک [illegible] قبضے مین کوئی جن تھا عجیب وغریب طریقے سے گانے لگا اور ایک پاگل [illegible] لگا۔ پھر وہ میز کے قریب آیا اور ایک کوئلا اُٹھا کے کھا لیا جو اُس پر رکھا ہوا تھا اور ایک مرغ کا خون مانگا۔ فورًا مرغ حلال کر کے [illegible] وہ اُس کا خون پی گیا۔ اب اُس نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو [illegible] لوگون نے جواب [illegible] اُس نے وعدہ کیا کہ تین دن کے اندر ایسی ہوا چلنے لگی [illegible] تم بہت خوش ہو گے اور وہ تمھین بندرگاہ مین پہونچا دے گی۔ [illegible] اُس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے [illegible] کہ اس رُخ کی ہوا چلے گی اور اُنھین آگاہ کر دیا کہ اُس ہوا کے لیے تیار ہو جائین۔ اُس کے تھوڑی دیر بعد وہ شخص بیہوش ہو کے گر پڑا اور اُسے بالکل خبر نہ تھی کہ تھوڑی دیر قبل مین کس حال مین تھا اور کیا کہہ رہا تھا۔ اُس کی پیشین گوئی کے مطابق ہوا چلی اور چند روز مین وہ سب لوگ بندرگاہ مین پہونچ گئے۔ ہندوستان کے ملاح اپنے جہازون کو جنوبی کُرے کے ستارون کی مدد سے لیجاتے ہین کیونکہ شمالی کُرے کے ستارے اُنھین نظر نہین آتے۔

وہ لوگ قطب نما کا استعمال نہین جانتے لیکن اپنا راستہ اور مقامات کا فصل قطب جنوبی کے اُونچے اور نیچے ہونے سے معلوم کر لیتے ہین اور اُس کی بلندی اور پستی کے ناپنے کا ایسا عمدہ طریقہ اُن کو معلوم ہے کہ وہ جان جاتے ہین کہ اس وقت ہم کہان ہین۔ اُن کے بعض جہاز ہمارے جہازون سے بہت بڑے ہوتے ہین جن مین دو ہزار آدمی بخوبی سوار ہو سکتے ہین۔ اُن مین پانچ بادبان اور اتنے ہی مستول ہوتے ہین۔ اُن کے پیندے لکڑیون کے [illegible] تختون سے

[illegible] ہین تاکہ طوفانون کی شدت سے جن سے اکثر اُنھیں سابقہ پڑتا رہتا ہو
[illegible] اپنے بعض جہازون کے صحن علیحدہ علیحدہ حصے کرکے اس طرح بناتے ہین کہ اگر ایک
حصہ [illegible] جائے تو دوسرا حصہ صحیح و سالم اُس دریائی سفر کو پورا کر سکے۔

سارے ہندوستان مین دیوتاؤن کی پرستش کیجاتی ہے اور اُن کے لیے
لوگ [illegible] طرح مندر بناتے ہین اُن کا اندرونی حصہ مختلف تصویرون سے
منقش کیا جاتا ہے۔ خصوصاً خاص دنون مین مندر پھولون سے آراستہ کیے جاتے
ہین [illegible] کے اندر وہ اپنے بتون کو رکھتے ہین جو پتھر سونے چاندی اور ہاتھی دانت
کے ہوتے ہین۔ اُن مین سے بعض بت ساٹھ فٹ بلند ہین۔ ان کی عبادت اور قربانی
کے طریقے جداگانہ ہین [illegible] پانی سے نہا کے وہ لوگ صبح اور شام ان مندرون
مین داخل ہوتے ہین اور ہاتھ اور پیر سمیٹ کے سجدے مین گر پڑتے ہین دعائین
[illegible] ان کی زمین چومتے ہین بعض لوگ اپنے دیوتاؤن کے سامنے
[illegible] اور لکڑیان صندل اور لوبان جلاتے ہین۔ ہندوستان کے اُن لوگون
[illegible] پاس جو کسی کے اس طرف رہتے ہین گھنٹیان نہین ہین اور وہ پیتل کے برتنون
کو [illegible] بجا کے [illegible] کی آواز پیدا کرتے ہین وہ اپنے دیوتاؤن کی دعوتین کرتے ہین۔
طریقہ قدیم بت پرستون کا ہے وہ کھانا غریبون مین تقسیم کر دیا جاتا ہے جو [illegible]
لیتے ہین۔ شہر کھمبات [illegible] برہمن بتون کے سامنے کھڑے ہو کے لوگون کے سامنے
تقریر کرتے ہین اور لوگون کو مذہبی فرائض کے ادا کرنے کی ترغیب دلاتے ہین
اور اس بات کو خاص طور پر بیان کرتے ہین کہ ہمارے دیوتا اس سے بہت خوش
ہوتے ہین کہ [illegible] جان اُن کی نذر کر دیجائے۔ اس طرح جو لوگ اپنے کو قربان کرنے
پر آمادہ ہو جاتے ہین وہ اُس مندر کے سامنے جمع ہوتے ہین اور اپنی گردن
مین ایک چوڑی لوہے کی ہنسلی ڈال لیتے ہین جس کا اگلا حصہ گول ہوتا ہے اور پچھلا
حصہ تلوار کی طرح بارھ دار۔ نیز ایک زنجیر اُس ہنسلی کے اگلے حصے مین لگی ہوتی ہے
جو ان کے سینے پر لٹکتی رہتی ہے۔ وہ لوگ اپنی گردن جھکا کے بیٹھ جاتے ہین۔
اور پیرون کو سمیٹ کے اُس زنجیر مین ڈال لیتے ہین پھر وہ برہمن اُن کے قریب
[illegible] الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اور وہ لوگ فوراً اپنے پاؤن

پھیلاکے اور گردنون کو قائم رکھ کے خود ہی اپنا سر تن سے جدا کر دیتے ہین۔ اس طرح وہ لوگ اپنی جانون کو اُن دیوتاؤن پر قربان کرتے ہین اور وہ دلی خیال کیے جاتے ہین۔

بیجانگر مین سال مین ایک مرتبہ مقررہ تاریخ پر اُن کے دیوتا کا بُت شہر سے نکالا جاتا ہے۔ جو دو رتھون کے اوپر رکھا ہوتا ہے۔ اور اُن رتھون مین نوجوان اور حسین عورتین بھی ہوتی ہین جو نہایت قیمتی لباس سے آراستہ کر دیجاتی ہین۔ یہ اُس دیوتا کے بھجن گاتی جاتی ہین۔ بیشمار لوگ اُن کے ساتھ ہوتے ہین۔ بہت سے لوگ جو راسخ العقیدہ ہین اور مذہبی جوش دکھانا چاہتے ہین اُن رتھون کے پہیون کے آگے اپنے آپ کو ڈال دیتے ہین تاکہ اُن کے نیچے دب کے مر جائین۔ اُن کا خیال ہی کہ موت کا یہ طریقہ اُن کے دیوتا کو بہت پسند ہے۔ بعض لوگ اپنے پہلو مین ایک سوراخ کر کے اُس مین سے رسّی ڈال کے اپنے آپ کو رتھون مین لٹکا دیتے ہین اور اسی طرح لٹکتے ہوئے اس دیوتا کی سواری کے ساتھ جاتے ہین قربانی کا یہ طریقہ سب سے زیادہ اچھا تسلیم کیا جاتا ہے۔

یہ لوگ سال مین تین مرتبہ خاص طور پر اپنی عیدین مناتے ہین۔ ایک موقع پر ہر عمر کے مرد اور عورتین اور بچے ندی یا سمندر مین نہاتے ہین اور نئے کپڑے پہن کے تین دن ناچنے گانے اور دعوتون مین بسر کرتے ہین۔ دوسری عید مین وہ اپنے مندرون کے اندر اور باہر اور چھتون پر بیشمار چراغ جلاتے ہین جو رات دن روشن رہتے ہین۔ تیسری عید مین جو نو دن منائی جاتی ہے چوراہون پر بڑی بڑی لکڑیان کھڑی کیجاتی ہین جو چھوٹے جہاز کے مستول کیطرح ہوتی ہین۔ اُس کے اوپر کے حصے مین مختلف قسم کا خوش نما زرچوبی کپڑا لپیٹ دیا جاتا ہے اِن کے اوپر ایک نہایت پرہیزگار شخص بٹھا دیا جاتا ہے جو اپنے مذہب کا پابند ہو اور ہر قسم کی سختی کو برداشت کر سکتا ہو۔ وہ وہان بیٹھ کے خدا سے دعا مانگتا ہے لوگ اُس کی طرف لیمون نارنگی اور دوسرے خوشبودار پھل پھینک کے مارتے ہین۔ اور وہ نہایت صبر و تحمل کے ساتھ اُس کے صدمے کو برداشت کرتا ہے۔ اس علاوہ ان لوگون کی تین اور عیدین ہین جن مین وہ ایک دوسرے کے اوپر راستے مین زعفران کا پانی ڈالتے ہین۔ اور اگر بادشاہ اور ملکہ بھی آجائین تو اُس پانی سے نہین بچ سکتے۔

جعفر اور یوسف مصر مین

لیکن اب بھی ابوالفتوح کو اطمینان نہ تھا جعفر سے لوگ اس قدر ناراض تھے کہ دل مین ڈرتا تھا کہ حکمرانی سے علیحدہ ہونے پر بھی اُسے کسی طرح کا ضرر نہ پہونچا دین چنانچہ اُس نے جعفر کو جہاز پر سوار کرا کے مصر مین پہونچا دیا تاکہ وہان امن و امان سے زندگی بسر کرے۔ اس کے چند روز بعد خود یوسف بھی باوجود معذوری کے مصر چلا گیا۔ اور اپنے ساتھ صقلیہ سے بہت بڑی دولت و حشمت لیتا گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ جب اُس نے ساحل سے لنگر اُٹھایا ہے تو اُس کے ہمراہ سات لاکھ ستر ہزار اشرفیان تھین۔ لیکن مصر مین باوجود دولتمندی کے وہ شہریاری و حکمرانی کی شان و شوکت کہان نصیب ہو سکتی تھی؟ کہتے ہین کہ صقلیہ مین اُس کے پاس خچر و اونٹ اور باربرداری کے جانور ان کے علاوہ تیرہ ہزار عمدہ گھوڑے تھے۔ مگر مصر مین جب وہ مرا ہے اُس وقت اُس کے پاس ایک گھوڑے کے سوا دوسرا نہ تھا۔

احمد بن یوسف الملقب بہ اکحل حاکم صقلیہ

احمد زمانے کے نشیب و فراز اور رعایا کی حالت دیکھ چکا تھا۔ اب جو حکومت کی باگ اپنے ہاتھ مین لی تو بڑی احتیاط سے کام لیتا۔ اور پھونک پھونک کے قدم رکھتا۔ عقلمندی و دانائی سے حکومت کی۔ ملک کا انتظام بڑی ہوشیاری سے کیا۔ فوجین جمع کین۔ سلطنت کی قوت بڑھائی۔ اور بلاد کفار پر فوجین بھیجنا شروع کین۔ جنھون نے حسب سابق اٹلی کے مختلف شہرون پر تاختین کین۔ آبادیون کو لوٹا مارا جلایا۔ مال غنیمت حاصل کیا۔ اور ہزارون لونڈی غلام پکڑ لائے۔ اور چند ہی روز مین اگلی سطوت و شوکت کی جھلک پھر مسلمان ساکنین صقلیہ کو نظر آگئی۔ اس لیے کہ صقلیہ کے تمام قلعے تابع فرمان اور مطیع و منقاد کر رعایا مین امن و امان تھا۔ شورش و عناد کا کہین نام و نشان نہ تھا۔ اور دشمن شہرون اور ملکون پر مسلسل حملے ہو رہے تھے۔

احمد اکحل کا ایک بیٹا تھا جعفر جو اُسے بہت عزیز تھا۔ وہ جب کسی مہم پر

جاتا تو اُسی کو اپنا جانشین بنا کے چھوڑ جاتا۔ مگر اُس سے باپ کے خلاف ایسے حرکات سرزد ہونے لگے جن سے ملک مین پھر شکایت پیدا ہو گئی۔ یہ رنگ دیکھ کے انھون نے اس بات کی کوشش کی کہ حکمت عملی سے رعایا کا زور توڑ کے اِس اندیشے کو ہمیشہ کے لیے مٹا دے۔

رعایا کے ساتھ اُس کی ذلیل سازش

اُن دنون صقلیہ مین دو گروہ تھے۔ ایک بربری جو اگلے فاتحان عرب کے ساتھ آئے تھے اور جزیرے پر قبضہ کر کے یہین مقیم و متوطن ہو گئے۔ ان لوگون کو اگرچہ جعفر نے کثرت سے نکال دیا تھا مگر پھر بھی بہت سے باقی تھے۔ اور جو نکالے گئے تھے اُن مین سے اکثر اپنے تعلقات کے باعث احمد اکحل کے عہد مین واپس آ گئے تھے دوسرے خاص صقلیہ کے لوگ تھے جن مین سے اکثر نے دین اسلام قبول کر کے عربی معاشرت اختیار کر لی تھی۔ اور مسلمان حکمران صقلیہ کے جھنڈے کے نیچے جا کے دشمنان دین سے مقابلہ کیا کرتے تھے۔

اس پچھلے گروہ کے سرگروہون اور عمائد کو احمد اکحل نے اپنے قصر مین جمع کیا۔ اور اُن سے کہا، "مین چاہتا ہون کہ تم کو افریقہ والون پر غالب کر دون۔ مناسب یہ معلوم ہوتا کہ وہ سب جن جن کے ہمارے جزیرے سے نکال دیے جائین جو تمھارے وطنی حقوق مین خواہ مخواہ شریک ہو گئے ہین۔ اُن کے نکل جانے کے بعد تم آزاد ہو گے۔ اور تمھارا وطن تمھارے لیے رہ جائے گا" صقلیہ والون نے یہ سُن کے کہا، "آپ کا فرمانا بجا ہے مگر یہ کیونکر ممکن ہو گا؟ اہل بربر نے یہان توطن اختیار کر لیا ہے۔ جائدادین پیدا کی ہین۔ یہان شادیان کی ہین۔ اُن کی اولاد ہر شہر و قصبہ مین پھیلی ہوئی ہے۔ ہم سے اُن سے قرابتین ہین ہم دل کے ایک ہو گئے ہین۔ اور اب وہ غیر نہین بلکہ ہمین کے بار[illegible]ے ہین" اہل صقلیہ کا یہ جواب سُن کے احمد اکحل نے اُن کو رخصت کر دیا۔

دو چار روز بعد بربری متوطنان صقلیہ کے سرگروہون اور افسرون کو اپنے قصر مین بلوایا۔ اور اُن سے اہل صقلیہ کی مخالفت کی۔ اُن سے

میں چاہتا ہون کہ تمھیں اہل صقلیہ پر فوقیت دون اور تمھارے حقوق فاتحون کے سے مقرر کردون۔ تمھاری اس میں کیا راے ہے؟ انھون نے کہا "ہم آپ کی راے کے موافق ہیں۔ اور ہمیں آپ ہر موقع پر مددگار اور تابع فرمان پائیں گے" یہ جواب سنتے ہی الکحل نے ارادہ کر لیا کہ بربریون کو خصوصیت کے ساتھ ترجیح اور عزت دے۔ اور ان کے حقوق بڑھا دیے جائیں۔

اہل افریقیہ کی جنبداری اور اہل صقلیہ پر ظلم

چنانچہ اُس وقت سے اُس نے اہل بربر کو اپنے گرد جمع کیا۔ معزز عہدے اور خدمات انھیں کے ہاتھون میں دیدیے۔ اُن کی جائدادون اور زمینون کو ٹکس اور خراج سے مستثنےٰ کر دیا اور اُس سے خراج میں جو کمی ہوئی اُس کو اہل صقلیہ کی جائدادون پر بڑھا لیا۔ اور اُن کے ساتھ خراج وصول کرنے میں سختیان ہونے لگیں

اہل صقلیہ کی فریاد المعز کے سامنے

چند ہی روز میں اہل صقلیہ گھبرا اُٹھے۔ لاکھ چیخ پکار کی مگر سماعت نہ ہوئی اور ایسا نظر آنے لگا کہ جیسے سلطنت نے اُن کی آہ و زاری سننے سے کان بہرے کر لیے ہین۔ جب اُن کی فریاد کسی طرح نہ سُنی گئی تو اُن کا ایک بڑا بھاری گروہ سنہ ۴۲۷ھ میں جہازون پر سوار ہو کے افریقیہ میں پہونچا۔ وہان فریادیون کی وضع سے معز بن بادیس کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور احمد الکحل کی شکایت کی۔

خاندان المعز کی مختصر تاریخ

ہم بیان کر آئے ہین کہ فاطمی خلیفہ المعز لدین اللہ سنہ ۳۶۱ھ میں جب مصر میں سکونت اختیار کرنے کے لیے مہدیہ سے روانہ ہوا ہی تو اُس نے سارے افریقیہ کا والی اور اپنا نائب یوسف بلکین ابن زیری بن مناد صنہاجی حمیری کو مقرر کیا۔ یوسف بلکین نے بارہ سال حکومت کر کے سنہ ۳۷۳ھ میں وفات پائی۔ اور

اُس کا بیٹا منصور اُس کا جانشین اور حاکم افریقہ ہوا۔ جس نے دربار فاطمی مصر سے سند حکومت حاصل کی۔ ۳۸۶ھ میں جب وہ مرا تو اُس کا بیٹا بادیس ابو مناد حاکم افریقہ ہوا۔ یہ بھی دربار فاطمی کا مطیع و منقاد تھا اور اُسے الحاکم بامر اللہ فاطمی کے دربار سے خلعت ولایت عطا ہوا تھا۔ بادیس نے ۴۰۶ھ میں وفات پائی اور اُس کی جگہ وارث ولایت افریقہ اُس کا فرزند المعز ہوا۔

المعز کا عہد اور اُس کا مذاق

یہ اس خاندان کا سب سے زبردست اور با اقبال فرمان روا تھا۔ ۴۵۳ھ تک حکمران رہا۔ یعنی ۴۷ سال کروفر سے حکومت کی۔ افریقہ کے تمام حریفوں کو شکستیں دین سب پر غالب آیا۔ اور اُسے پیروی مذہب اہل سنت مین اس درجہ انہماک تھا کہ اسماعیلی شیعون کے ساتھ جو اُن دنون بنی فاطمہ مصر کے اثر سے سارے افریقہ مین پھیلے ہوئے تھے سخت تعصب ہو گیا۔ اور اُن کے قتل و قمع اور استیصال کی کوشش کرنے لگا۔ مسند نشینی کے دوسرے ہی سال اُس نے حکم جاری کر دیا کہ سارے افریقہ مین جتنے شیعہ ہین سب بلا استثنا و امتیاز قتل کر ڈالے جائین۔ اور اُس کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ خلفاے بنی فاطمہ مصر مین خاموش بیٹھے ہوے اس خونریز تماشا کا تماشا دیکھا کیے۔ اور اتنی بھی جرأت نہ ہوئی کہ خود اپنے مقرر کیے ہوے اس فرمان روا افریقہ کو اس ظلم سے روک سکین۔ یہان تک کہ ۴۳۵ھ مین المعز نے خلفاے مصر کی ماتحتی چھوڑ کے القائم بامر اللہ عباسی خلیفہ بغداد کی اطاعت قبول کی اور اُسے اپنا امام تسلیم کر لیا۔

اسی المعز کے پاس ۴۲۷ھ مین اہل صقلیہ اپنے والی و حاکم اکحل کے خلاف فریادی ہوے تھے اکحل کے خاندان کے پہلے شخص حسین بن علی بن ابو الحسین کلبی کو خاندان فاطمیہ مصر کے دوسرے خلیفہ منصور نے ۳۳۶ھ مین والی صقلیہ مقرر کیا تھا۔ اور اُس وقت سے صقلیہ کی فرمان روائی اسی خاندان مین چلی آتی تھی۔ لیکن اب فاطمیون کو اس مہتم بالشان جزیرے کی طرف سے اس قدر بے پروائی ہو گئی تھی کہ گویا اُن سے کچھ علاقہ ہی نہ تھا۔ اور یہان کی رعایا فریادی

ہوئی تو المعز کے دربار مین جو اس کوشش مین لگا ہوا تھا کہ فاطمیون کے اثر کو دنیا سے مٹا دے۔

المعز کا بیٹا عبداللہ صقلیہ مین

اہل صقلیہ نے جب اُس کے سامنے جا کے اکحل کے مظالم کی فریاد کی تو ... ہم چاہتے ہین کہ آپ کے محکوم اور آپ کی سلطنت کے ایک جز بنے رہین۔ لہٰذا ... خبر لیجیے اور ہماری مدد کیجیے۔ اور اگر آپ نے ہماری خبر نہ لی تو پھر ہم مجبور ہو کے ... ون کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہونگے اور سارے شہر اُن کے حوالے کر دین گے"۔ ... ان کی فریاد سُنی اور اپنے بیٹے عبداللہ کو ایک لشکر کے ساتھ جہازون پر سوار ... صقلیہ مین بھیجا۔ عبداللہ نے اہل صقلیہ پر قدم رکھتے ہی شہر مدینہ مین داخل ہوا۔ اور ... کے اکحل کو ایک شہر مین محصور کر لیا۔

احمد اکحل کا قتل

اب اس زمانے مین اہل صقلیہ مین اختلاف پڑا۔ بعض لشکر معز کے طرفدار ... اور بعض احمد اکحل کی جانب داری کر رہے تھے۔ گروہ لوگ جو عبداللہ بن معز کو ... بغرض ... لائے تھے مخالفون پر غالب آئے اور اکحل کو پکڑ کے قتل کر ڈالا۔

اہل صقلیہ مین پھوٹ اور عبداللہ کا ناکام واپس جانا

اس واقعے کے بعد پھر اہل صقلیہ مین شورش پیدا ہوئی بعض نے بعض سے مل کے ... کہا تم نے غیرون کو لا کے اپنے ملک مین اُتار لیا۔ اپنی آزادی خود اپنے ہاتھ سے کھوئی اور غیرون کے غلام بن گئے۔ واللہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا"۔ آخر اس شورش کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی اہل صقلیہ جو عبداللہ کو افریقہ سے جا کے اپنی مدد پر لائے تھے اُس کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اور سب نے عبداللہ کے مقابلے مین ہتھیار اُٹھائے۔ اور اس زور سے ... کہ عبداللہ بن معز کے لشکر مین سے آٹھ سو آدمی قتل ہو گئے۔ اور جو زندہ بچے اپنے جہازون پر سوار ہو کے افریقہ بھاگ گئے۔

حسن صمصام حاکم صقلیہ

اُن کے جانے کے بعد اہل صقلیہ نے اکحل کے بھائی حسن صمصام کو اپنا حاکم منتخب کر لیا۔ لیکن اب شہر کا نظم و نسق ایسا بگڑ گیا تھا کہ بجز کسی بیرونی زبردست حملہ آور کے اصلاح ممکن نہ تھی۔ صمصام کے بنائے کچھ نہ بنی۔ رذیل اور ذلیل لوگوں کا زور بڑھا۔ فساد شروع ہوا۔ شرفا و معززین اُن کے دست ستم سے بھاگ بھاگ کے جانیں بچانے لگے۔ اور صمصام کی کمزور حکومت کوئی اصلاح نہ کر سکی۔ یہاں تک کہ سلطنت کی مجموعی قوت ٹوٹ گئی۔ اور ہر شہر میں ایک نیا خود رو حکمران پیدا ہو گیا۔ اور خاتمہ یہ ہوا کہ صمصام بھی مار کے نکال دیا گیا۔

صقلیہ میں طوائف الملوکی

اس طوائف الملوکی کے دور میں شہر مازر اور طرابنش کا فرمانروا امیر عبداللہ بن منکوت قرار پایا۔ اور قصریانہ اور جرجنت کی عنان حکمرانی دوسرے امیر علی بن نعمہ معروف بہ ابن حواس کے ہاتھ آ گئی۔ شہر سرقوسہ اور قطانیہ کا حکمران ابن ثمنہ ہو گیا۔ اور یہ لوگ چند روز تک آزادی سے اپنے اپنے دائروں میں حکومت کرتے رہے۔

ابن ثمنہ اور ابن حواس کا خانگی جھگڑا

اسی اثنا میں ابن ثمنہ نے ابن حواس حاکم قصریانہ کی بہن میمونہ سے نکاح کر لیا۔ مگر میاں بیویوں میں بنتی نہ تھی۔ ایک دن دونوں لڑے اور باہم درشت زبانی کی۔ اُس وقت ابن ثمنہ شراب کے نشہ میں بدمست تھا۔ حکم دے دیا کہ میمونہ کے دونوں ہاتھوں کی فصدیں کھول دی جائیں۔ اور اُسے اسی حالت میں خون بہتے ہوئے چھوڑ کے چلا گیا۔ ابن ثمنہ کے جانے کے بعد اُس کے بیٹے ابراہیم کو یہ حال معلوم ہوا تو دوڑا ہوا اُن کے پاس دوڑ آیا۔ فصدوں کا خون روکا۔ طبیبوں اور جراحوں کو بلا کے ایسا علاج کیا کہ مرنے سے بچ گئی۔ اور [illegible] صبح کے وقت ابن ثمنہ کو ہوش آیا تو اپنے کیے پر پچھتایا

جب ثمنہ اُس بیٹے نے ماں کو بچا لیا تو خوش ہوا۔ اُس کا شکریہ ادا کیا۔ اور بیوی کے پاس جا کے اظہار ندامت کیا۔ عجز و الحاح سے اپنا قصور معاف کرایا۔ اور میاں بیویوں میں صفائی ہو گئی۔

خوب اچھے ہو جانے کے چند روز بعد میمونہ شوہر سے اجازت لے کے اپنے میکے اپنے بھائی ابن حواس کے پاس آئی اور یہ سرگزشت بیان کر دی۔ وہ قسم کھا گیا کہ ایسے بے مہر شوہر کے پاس میں تمھیں ہرگز نہ جانے دوں گا۔ اور چند روز بعد جب ابن ثمنہ نے پاس سے اُس کی بیوی کے لینے کو آدمی آیا تو بھیجنے سے انکار کر دیا۔ اور کہلا بھیجا کہ وہ اب تمھارے پاس نہ آئیں گی۔ یہ سن کے ابن ثمنہ کو بڑا غصہ آیا اور لڑائی کے لیے فوج جمع کرنے لگا۔

ابن ثمنہ کا ابن حواس پر حملہ اور شکست

سارے جزیرہ صقلیہ میں اُن دنوں سب سے زیادہ اقتدار ابن ثمنہ کا تھا۔ اور شہر مدینہ میں اُسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اپنی اس سطوت کے زعم میں اُس نے آکے قصریانہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابن حواس نے نکل کے مقابلہ کیا۔ اور ایسے جوش و خروش سے ابن ثمنہ کے لشکر پر حملہ کیا کہ لوگوں کے حواس چھوٹ گئے۔ ابن ثمنہ اپنی جان بچا کے بھاگا۔ اور ابن حواس شہر قطانیہ تک اُس کا تعاقب کر کے اور اُس کے بہت سے آدمیوں کو قتل کر کے قصریانہ میں واپس آیا۔

ابن ثمنہ نے رجار فرنگی حاکم مالطہ سے مدد چاہی

ابن ثمنہ نے جو دیکھا کہ ابن حواس پر میرا زور نہیں چل سکتا اور میری بیوی مجھ سے چھن گئی ہے تو ارادہ کیا کہ اٹالیہ کی عیسائی سلطنتوں سے مدد لے۔ خدا کی مرضی یہی تھی کہ صقلیہ میں ان نااہل حکمرانان اسلام کا زمانہ ختم ہو جائے۔ چنانچہ ابن ثمنہ کے دل میں اُس نے یہ بات ڈال دی۔ اس مقصد کے لیے وہ جزیرہ مالطہ (مالٹا) میں گیا جو اُس وقت رومیوں کے قبضہ میں تھا۔ اس لیے کہ بردویل رومی نے ۴۳۲ھ میں اُس پر قبضہ کر لیا تھا اور رومی وہاں رہ پڑے تھے۔ اُن دنوں رجار فرنگی اس جزیرے کا حاکم

و فرمان روا تھا۔ اور اُس کے پاس مسلمانان صقلیہ کی دستبرد سے بچنے کے لیے کافی تعداد میں فرنگی فوج موجود رہا کرتی تھی۔ ابن ثمنہ نے نالطہ میں رجار سے جا کے کہا "چلیے مین آپ کا سارے جزیرۂ صقلیہ پر قبضہ کرا دون"۔ رجار نے کہا "بھلا یہ کیونکر ممکن ہے؟ وہان مسلمانون کے پاس کثیر التعداد فوج موجود ہے جس کا مین مقابلہ نہ کر سکون گا"۔ ابن ثمنہ نے کہا "یہ فقط آپ کا وہم ہی وہم ہے۔ اور زیادہ فوج ہو بھی تو باہم شہرون مین پھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ ہر شہر دوسرے سے لڑ رہا ہے اور یہ غیر ممکن ہے کہ سب کی فوجین ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو سکین۔ اس سوا اس کے وہان کا سب سے بڑا فرمان روا مین ہون۔ اکثر اہل جزیرہ میرے کہنے مین ہین اور میری فرمان برداری کرتے ہین۔

اور وطن کو اُس کے ہاتھ بیچ ڈالا

غرض ابن ثمنہ نے اس قدر اُبھارا اور ایسا لالچ دیا کہ رجار کو مع اپنی لشکر کے صقلیہ مین لے ہی آیا۔ یہ فرنگی حاکم نالطہ سے ۴۴۴ھ کے ماہ رجب مین آیا۔ اور یہان کوئی ایسا نظر آیا جو ذرا بھی مزاحمت کرے۔ چنانچہ جس شہر مین گزرہوتا اُس پر بغیر لڑے بھڑے قابض ہوتا ہوا وہ قصریانہ پر پہونچا اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ ابن حواس نے نکل کے بہادری سے مقابلہ کیا مگر اپنی قوت کے کم ہونے کے باعث شکست کھائی۔ اور وہ قلعہ بند ہو کے بیٹھ رہا۔ مگر رجار اُسے قصریانہ مین محصور چھوڑ کے آگے بڑھا۔ اور یکے بعد دیگرے بلاد صقلیہ پر ابن ثمنہ کی مدد سے قبضہ کرتا چلا گیا۔

دیندار مسلمانون کا صقلیہ سے بھاگنا اور المعز سے فریاد

جب یہ حالت ہوئی تو صقلیہ کے اکثر دیندار لوگون فقیہون اور عباد و زہاد نے ترک وطن کر کے افریقہ کی راہ لی۔ اس لیے کہ اب یہ جزیرہ مسلمانون کے رہنے کے قابل نہین رہا تھا۔ بہت سے لوگ مظلوم و بیکس اہل وطن کے سفیر بن کے المعز کے دربار مین حاضر ہوئے۔ اور مسلمانان صقلیہ کے باہمی اختلافات اور فرنگیون کے غلبے کی تصویر کھینچ کے اُس کے سامنے رکھ دی۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

ساچق کے دوسرے ہی روز شب کو دولھن کے گھر سے بڑے جلوس اور روشنی کے ساتھ مینڈھی جاتی ہے - خیال کیا جاتا ہے کہ غالباً یہ عربی الاصل رسم ہے - اس مین دولھن والون کی طرف سے دولھا کے لیے وہ جوڑا جاتا ہے جسے پہنکر وہ بیاہنے کو جائے گا - اس جوڑے مین علی العموم قدیم عہد مغلیہ کے درباری وضع کا خلعت - شملہ - جیغہ - سرپیچ - اور مرصع کلغی ہوتی ہے - یلنصیب ہوا تو اُس کے ساتھ موتیون کا ہار بھی بھیجا جاتا ہے - مذکورہ چیزون کے علاوہ ریشمی پائجامہ اور جوتا وغیرہ معمولی چیزین بھی ہوتی ہین - اکثر انگشت طلائی انگھوٹھی بھی جاتی ہے - اس جوڑے کے ساتھ دولھا کے لگانے کے لیے بھی ہوتی ہے مینڈھی بھی بھیجی جاتی ہے - جس کو بہت سے طباقون مین پھیلا کے رکھتے ہین - اور اُس مین سبز و سرخ شمعون کو نصب کر کے روشن کر دیتے ہین - اس طرح کے مینڈھی کے بہت سے طباق روشن ہوتے ہین جو مینڈھی کے جلوس مین ایک خاص شان اور آن بان پیدا کر دیتے ہین - مینڈھی کے اُن روشن طباقون کے ساتھ سو پچاس طباقون مین لیدہ ہوتا ہے جو خرمون کو کوٹ کے بنایا جاتا ہے - اور جیسی حیثیت ہوتی ہے اُسی کے مناسب کثرت سے بھیجا جاتا ہے - اس موقع پر جوڑے کے ساتھ دولھا کے لیے سونے کا سہرا بھی بھیج دیا جاتا ہے

مینڈھی کے دوسرے دن دولھا کی طرف سے برات جاتی ہے - برات جانے کا اگلا ضروری وقت پہر رات رہے یعنی تین بجے شب کا تھا - لیکن اب یہ وقت اکثر چھوٹتا جاتا ہے - اور بجائے پہر رات رہے کے پہر دن چڑھے یعنی نو دس بجے صبح کو براتین جانے لگی ہین - اس تاخیر کی ابتدا امجد علی شاہ آخری بادشاہ اودھ کے زمانے سے ہوئی - اُن کی برات جانے مین اتفاقاً دیر ہو گئی اور دن نکل آیا تھا - لوگون نے آسانی اور روشنی کے سامان کی تخفیف کے خیال سے اُسی وقت کو اختیار کرنا شروع کر دیا - چنانچہ اب عموماً ابتدائے روز مین برات جاتی ہے اور دوپہر کو عقد نکاح ہو جاتا ہے -

برات مین حتی الامکان پورا جلوس جمع کیا جاتا ہے - مروجہ تین باجے یعنی

پُرانا ڈھول تاشے اور جھانجھیں۔ روشن چوکی۔ اور آرگن باجا ضرور ہوتے ہین۔ اس سے ترقی ہوئی تو گھوڑون پر نوبت نقارہ۔ جھنڈا بان۔ برچھے بردار۔ ہاتھی۔ اونٹ گھوڑے اور اِس سے بھی زیادہ حوصلہ ہوا تو اُنھین باجون کے متعدد گروہ بڑھا دیے جاتے ہین۔ دولھا وہی جوڑا پہن کے جو مینڈھی کے ساتھ آیا تھا۔ اور سہرا باندھ کے علی العموم گھوڑے پر اور اعلےٰ طبقے کے اُمرا کے یہان ہاتھی پر سوار ہو کے سارے جلوس اور باجون کے پیچھے آہستہ آہستہ نہایت وقار سے روانہ ہوتا ہے۔ دولھا کو "نوشہ" یعنی نیا بادشاہ کہتے ہین۔ اور خیال بھی یہی ہے کہ دولھا ایک دن کے لیے بادشاہ بنا دیا جاتا ہے۔ مگر غور طلب یہ امر ہے کہ جب دولھا کو بادشاہ بناتے ہین تو اُس کے سر پر شملہ کیون ہوتا ہے؟ تاج کیون نہین پنھاتے؟ اس سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ہندوستان مین مسلمان سریر آرا تاج نہین پہنتے تھے بلکہ سب کے سرون پر کلغی دار شملے ہوتے تھے۔ انگریزون نے غازی الدین حیدر کے زمانے سے شاہان اودھ کو تاج پنھا دیا۔ مگر وطنی سوسائٹی نے اُس تاج کو نہین قبول کیا۔ اور اپنے بادشاہون کی وضع وہی رکھی جو پُرانی تھی۔ اور اُسی نمونے کا بادشاہ اپنے نوشاؤن کو بناتے ہین۔ دولھا کے پیچھے فینسون اور ڈولیون مین سوار دولھا کی ماں بہنین اور عزیز و قریب عورتین اور ڈومنیان ہوتی ہین۔ چلتے وقت گھر مین جو صدہا رسمین اور ٹوٹکے ہوتے ہین بہت ہین۔ مختلف ہین۔ اور لغو ہونے کی وجہ سے زیادہ تر قابل لحاظ بھی نہین۔

اس شان سے برات جب دولھن کے گھر پہونچتی ہے تو عموماً اُس وقت دولھن نہلائی جا چکتی ہے۔ اور اُس کے غسل کا پانی باہر لا کے دولھا کی سواری کے گھوڑے یا ہاتھی کے پاؤن کے نیچے ڈال دیا جاتا ہے۔ دولھن کو یہ غسل سات دن کے باسی ٹھنڈے پانی سے دیا جاتا ہے جو کلس کا پانی کہلاتا ہے۔ اور جاڑون کے موسم مین غریب دولھن کے لیے اِس پانی مین نہانا قیامت سے کم نہین ہوتا۔ چوکی پر پان بچھا کے وہ نہلائی جاتی ہے۔ اور یہی پان اُس اکیس پانون والے بیڑے مین شامل ہوتے ہین جو دولھا کو سب سے پہلے سُسرال مین کھلایا جاتا ہے۔

اب دولھا سواری سے اُتر کے زنانے مین جاتا ہے۔ وہان رسمی نگہداشت جاتی ہو۔ اور طرح طرح کی بیسیون اور رسمین عمل مین آتی ہین جو ہر گروہ اور ہر خاندان مین جدا جدا اور عجیب و غریب ہوتی ہین۔ یہ وقت علی العموم وہ ہوتا ہو جب دولھن نہا تو چکتی ہے مگر ابھی کپڑے نہین پہنائے گئے ہوتے ہین۔ وہ ایک چادر مین لپٹی ہوتی ہے۔ اور اُس کے ہاتھ پر مصری رکھ کے دولھا کو کھلائی جاتی ہو جس مین سالیان زندہ دل جوان عورتین اور ڈومنیان تیہ بین بڑھا بڑھا کے دولھا کے لیے ہر کام مشکل کر دیتی ہین۔

شادی کی یہ پہلی ہفتخوان طے کر کے دولھا باہر مردانے مین آتا ہے یہان بزم نشاط مرتب ہوتی ہے۔ اعزا و احباب پر تکلف کپڑے پہنے قرینہ سے صاف ستھری دری چاندنی اور قالینون کے فرش پر بیٹھے ہوتے ہین۔ اور سامنے مردانہ یا زنانہ طائفہ کھڑا مجرا کرتا ہوتا ہے۔ عین محفل کے درمیان مین اور صدر مقام پر دولھا کے لیے زرنگار مسند تکیہ ہوتا ہے۔ جس پر دولھا کو اُس کے ہم عمر لڑکے لا کے بٹھا دیتے ہین اور اُس کے دونون طرف خود بیٹھ جاتے ہین۔ تاکہ دولھا اُن کے ساتھ آزادی سے باتین کر سکے۔

دولھا کے لیے لازم ہے کہ اپنی ہر وضع و حرکت سے شرمیلا پن ظاہر کرے وہ نہ تو بے تکلف باتین کر سکتا ہے۔ نہ کوئی اُس کی آواز سن سکتا ہو۔ نہ کسی سے وہ بے تکلفی سے ہل جُل سکتا ہے۔ منہ پر سہرا ہوتا ہے۔ اور پھر سونے کے سہرے پر پھولون کا سہرا بلندھ کے اس قابل نہین رکھا جاتا کہ کوئی بغیر کوشش اور دیر تک کی محنت کے اُس کی صورت دیکھ سکے۔ محفل نشاط مین بیٹھنے بلکہ اکثر عقد ہو جانے کے بعد سہرا اُٹھا کے شملے مین لپیٹ دیا جاتا ہے تاکہ چہرہ کھل جائے۔ مگر اب بھی اُس کے لیے لازم ہے کہ ایک ہاتھ سے منہ پر رومال رکھے رہے جو اظہار شرم کی ایک علامت ہے۔ اور اب چہرہ کھلنے کے بعد بھی اس رومال کی وجہ سے اُس کی صورت دیکھنے کے شائقین کو بغیر دیر تک اس فکر مین لگے رہنے کے کامیابی نہین ہو سکتی۔

دولھا کے باہر آ کر تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد عقد نکاح کا انتظام

ہوتا ہے جس کے لیے یہ سب بکھیڑا کیا گیا ہے۔ اگر شیعہ خاندانون کی شادی ہے تو دو مجتہد صاحب تشریف لاتے ہین ایک لڑکے کے نائب و وکیل بن کے اور دوسرے لڑکی کے نائب و وکیل بن کے۔ لڑکی دالے خود یہ دے کے پاس جا کے یا عادل شاہدون سے تصدیق فرما کے لڑکی کی شرعی مختاری حاصل کرتے ہین اور اُس کے بعد دونون دولہا کے سامنے بیٹھ کے دولہا و دلہن کی جانب سے قرأت وصحت مخارج سے ایجاب و قبول کے صیغے ادا کرتے ہین۔ اور اگر خاندان سُنّی ہین تو کوئی محترم مولوی صاحب اور اگر کوئی گاؤن ہوا تو وہان کے مقررہ خاندانی قاضی صاحب آکے نکاح پڑھاتے ہین۔ جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکی کے عزیزون مین سے کوئی صاحب اُس کے وکیل ومختار بن کے آتے ہین اور دہ شاہدون کو پیش کرتے ہین کہ فلان لڑکی نے مجھے اپنا وکیل اِن دونون شاہدون کے سامنے مقرر کیا اور اُس نے مجھے اپنے عقد کا اختیار دیا۔ قاضی صاحب اُن کے شاہدون پر اطمینان کرکے اور مقدار مہر کو اُن وکیل صاحب سے دریافت کرکے دولہا کو کلمۂ شہادت پڑھاتے۔ مسلمان کے لیے جن جن چیزون پر ایمان لانا ضروری ہے اُن کا عربی مین اقرار کراتے۔ اور اُس کے بعد تین بار اُس سے یہ کہہ کے کہ فلان لڑکی کے ساتھ اتنے مہر پر ہم نے تمھارا عقد نکاح کر دیا" اور دولھا سے اقرار کراتے ہین کہ مین نے قبول کیا۔ اس کے بعد ایک دعائیہ خطبہ پڑھ کے لوگون سے کہتے ہین "مبارک" ساتھ ہی مبارک سلامت کا غل ہوتا ہے۔ نقل اور چھوہارے جو سینیون مین بھرے سامنے رکھے ہوتے ہین اُن کو حاضرین مین لٹا دیتے ہین۔

مجتہد یا مولوی صاحب کے آنے کے وقت گانا بجانا موقوف ہو جاتا ہے۔ اور بعد عقد جب مولوی صاحب چلے جاتے ہین تو پھر رقص و سرود کی محفل گرم ہو جاتی ہے۔ اور اُس کے بعد دولہا پھر اندر زنانے مین بلایا جاتا ہے۔ عورتون کی دنیا مین رسوم اور شرائط عقد کے اصلی لوازم کے بجا لانے کا خاص یہی وقت ہے۔ زنانے مین اِس موقع پر رسوم نکاح کے

رسمین مین دولھا کے ساتھ ہر قسم کا تمسخر کیا جاتا ہے اور اُس کے پریشان کرنے مین کوئی کارروائی اُٹھا نہین رکھی جاتی۔ ان تمام رسوم کی بجالانے والی سالیان اور دُومنیان ہوتی ہین۔ درحقیقت ناکتخدا نوجوانون کے لیے شادی ایک [illegible] (فرامشن خانہ) ہے جس مین بیسیون ایسے مراحل پیش آتے ہین جو اُس کے وہم و گمان مین کبھی نہین ہوتے۔ دولھن اوڑھ لپیٹ کے ایک غیر متحرک گٹھری کی طرح اُس کے سامنے لاکے رکھ دی جاتی ہے۔ ابھی تک اُسے رخصتی کا جوڑا نہین پہنایا گیا ہوتا۔ لاتے وقت کوشش کیجاتی ہے کہ پہلی آمد مین دولھن کی [illegible] دولھا پر پڑ جائے۔ پھر ٹوٹکے گائے جاتے ہین۔ دولھا سے بیوی کی [illegible] مین ذلیل ترین غلامی اور خدا جانے کیسی کیسی خدمتین بجالانے کا اقرار کرایا اور وعدہ لیا جاتا ہے۔ اُس کے بعد آرسی مصحف کی رسم ادا ہوتی ہے۔ جس کے لیے دولھا دولھن کے درمیان رحل پر قرآن شریف اور اُس پر آئینہ رکھا جاتا ہے۔ اور اُس آئینے مین دولھا کو دولھن کا پہلا جلوہ دکھایا جاتا ہے۔ مگر لازم ہے کہ چہرہ دیکھنے سے پہلے دولھا سورۂ اخلاص پڑھ لے۔ اس جلوے مین دولھن آنکھین بند کیے رہتی ہے۔ عورتین دولھا سے آنکھین کھلوانے کے لیے طرح طرح کی التجائین کراتی ہین۔ اور اسی سلسلہ مین ہر قسم کی اطاعت و غلامی کا اُس سے اقرار کرا لیتی ہین۔ بڑی مشکلون اور خوشامدون کے بعد دولھن آنکھین کھول کے ایک نظر دیکھتی اور پھر آنکھین بند کر لیتی ہے۔ اور اسی پر رسوم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

اب دولھا باہر رخصت کر دیا جاتا ہے کہ دولھن کو کپڑے پہنائے جائین زیور پہنایا جائے۔ بنائی سنواری اور سسرال جانے کے لیے تیار کی جائے۔ اس وقت دُومنیان بابل یعنی رخصتی کا نغمۂ جانگداز گاتی ہین۔ اور خوشی کا گھر ماتم کدہ بنجاتا ہے۔ جب دولھن بنا چنا کے تیار کر دی جاتی ہے اس وقت میکے کے تمام عزیز دوست اور سب ملنے والے آتے اور رو رو کے دولھن کو رخصت کرتے۔ اور جو کچھ توفیق ہو روپیہ یا زیور اُسے دیتے ہین۔

ترجمۂ تاریخ گبن

(جواب طلب ضروری)

گبن کی تاریخ انحطاط و زوال دولت روم، دنیا کی وہ اہم ترین تصنیف ہے جس نے شائع ہوتے ہی دنیا کا علمی مذاق بدل دیا۔ اور واقعی یہ کتاب اُن چند مہتم بالشان اسباب میں سے ہے جنھون نے یورپ کو موجودہ یورپ اور انگلستان کو موجودہ انگلستان بنایا۔ اور اسی عظمت وشان کی وجہ سے اُس کا ترجمہ یورپ کی تمام زبانون مین ہو گیا۔ اصل یہ ہے کہ جس زبان مین اُس کا ترجمہ موجود نہ ہو اُسے مہذب و ترقی یافتہ زبانون مین جگہ نہین مل سکتی۔ اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ فن تاریخ کا آغاز یونانیون سے ہوا اور عربون نے اُسے اعلی ترین ترقی پر پہونچا دیا۔ مگر گبن نے اپنی یہ کتاب نہین لکھی تاریخ کا عطر نکال کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اور اُس کا ایسا نیا اور نفیس نسخہ دنیا کو بتا دیا۔ کہ دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی چنانچہ اب تاریخ نویسی محض افسانۂ سلف لکھنے کا نام نہین بلکہ تاریخ کو علمی طور پر اقوام و دول کے حالات سے وابستہ کرنے اور اُس کے نتائج نکال کے دنیا کے سامنے بکار آمد دستور العمل پیش کرنے کا نام ہے۔ اور اس کا مکمل ترین نمونہ یہی "تاریخ انحطاط و زوال دولت روم ہے" جس مین روم ایران عرب مسیحیت یہودیت مجوسیت اور اسلام کی تاریخ کا بہت زیادہ پر لطف حصہ آگیا ہے۔

اردو مین بارہا کوشش کی گئی کہ اس عظیم الشان تاریخ کا ترجمہ شائع کیا جائے مگر اس کی عظمت و ضخامت کی وجہ سے کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ اور جن چند بزرگون نے ہمت کی بھی تو اُن کو کامیابی نہ ہو سکی فی الحال برخوردار محمد صدیق حسن سلمہ ایڈیٹر مورخ کو اس کا حوصلہ ہوا ہے۔ اُنھون نے تاریخ کانڈی کا ترجمہ کر کے اور تاریخ مین توغل اور وسعت نظر پیدا کر کے یہ خدمت وطن اپنے ذمے لینا چاہی ہے کہ انگریزی کے اعلی اور منتخب تاریخون کے ترجمون سے اردو کے خزانۂ کتب کو معمور کرتے رہین۔ اُن کے جو ترجمے شائع ہوئے ہین وہ اس کا ثبوت بھی دیتے ہین کہ اُنھین ترجمہ کرنے کا اچھا سلیقہ ہے۔ اور اُن کی

ترجمہ کی ہوئی کتابین اردو مین آنے کے بعد بھی دلچسپ رہتی ہین۔ خوشی کی بات ہو کہ ملک نے قدر دانی بھی کی۔ اور احباب کی حوصلہ افزائی سے اُن کا یہ شوق ترقی کرتا جاتا ہے۔ جس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ اب ترجمۂ تاریخ گبن کے اہم کام کو وہ اپنے ذمے لینا چاہتے ہین۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی کتاب کو ترجمہ کر کے ایک ساتھ تمام و کمال شائع کر دینا کسی کے امکان سے باہر ہے۔ نہ اتنا سرمایہ ہے اور نہ اتنی استطاعت ہے کہ اتنے بڑے کام کے انجام پانے تک بغیر پبلک کی مدد کے اپنی خاموش بیٹھا رہے۔

لہذا اس کام کے لیے اُنھون نے ایک نہایت ہی مناسب تجویز قرار دی ہے کو بھی خواہان اردو اگر غور سے پڑھین گے تو غالبًا پسند فرمائین گے۔ وہ چاہتے ہین کہ گبن کے دو دو بابون کا ترجمہ جو اردو مین دس بارہ جز مین آجایا کرے کا جدا جدا رسالون کے طور پر شائع کرتے رہین۔ ہر رسالہ دو تین مہینون کے اندر شائع ہوجایا کرے گا۔ اور اُس کی قیمت فی مجلد ۸ر یا ۱۰ر یا زیادہ سے زیادہ ۱۲ر قرار دی جائے گی۔ یہ رسالے مورخ سے الگ غیر موقت الشیوع کتابون کی وضع سے برابر نکلتے رہین گے۔ اور چند سال مین پوری مکمل "تاریخ گبن" کو اردو مین پیدا کردین گے۔ یہی کارروائی اکثر کتابون کے بارے مین ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالے کرتے رہتے ہین۔

برخوردار صدیق حسن اپنی یہ تجویز فی الحال مشورہ لینے کے لیے اور نیز اس بات کا اندازہ کرنے کی غرض سے شائع کرتے ہین کہ ملک مین تاریخ کے کتنے قدردان موجود ہین جو ایسی علمی خدمتون مین دستگیری کرنے اور شریک ہونے کو تیار ہوجائین۔ مین اپنی راے ابھی سے دیے دیتا ہون کہ اس طریقے سے اگر یہ کام انجام پاجائے تو اردو زبان کی بڑی خوش نصیبی ہے۔ اور سمجھنا چاہیے کہ اردو کی حامی ایک زندہ اور ترقی کرنے والی قوم ہے۔ لیکن اکیلی میری راے سے کام نہین چل سکتا۔ اکابر قوم اور ملک کے صاحب علم اور صاحب ذوق شائقین کی رائین معلوم ہونے پر کارروائی منحصر ہے۔

لہذا براہ کرم وہ تمام حضرات جو اِس کوشش کو ضروری و مفید

سمجھتے ہون اور جو اِس امداد سے کی قدر دانی کرنے اور اردو زبان کی اس عظیم الشان خدمت مین ہاتھ بٹانا چاہتے ہون براہ کرم اِس صراحت کے ساتھ بہ خود ادارۂ مذکور کو تحریر فرمائین کہ اس تجویز سے اُن کو اتفاق ہے - اور اِس رسالے کی ایک یا بخیال دستگیری و اعانت کئی جلدین وی پی لے لیا کرین گے - اگر دو سو خریدار بھی مل گئے تو فوراً کام شروع کر دیا جائے گا - اور مہینے ہی دو مہینے کے اندر ترجمہ گبن کا پہلا رسالہ اُن کے ہاتھ مین پہونچ جائے گا-

ہمین اپنے احباب سے امید ہے کہ اِس معاملے مین خاموشی نہ اختیار فرمائین گے- یہ خوب یاد رکھیے کہ یہ کام تکمیل کو پہونچ گیا تو بہت بڑا کام ہو گا-

---

ناظرین کرام

جولائی- اگست- اور ستمبر کے دلگداز بھی حاضر ہو گئے- انشاء اللہ دسمبر کے ختم سے پہلے یا اوائل جنوری ۱۹۱۹ء مین اکتوبر- نومبر اور دسمبر کے پرچے بھی آپ کے پُرشوق ہاتھون مین ہون گے اور جنوری ۱۹۱۹ء کا دلگداز اپنے وقت پر یعنی آخر جنوری مین شائع ہو جائے گا-

«ناول لعبت چین» جو اس سال آپ کی خدمت مین پیشکش کرنے کے لیے لکھا گیا ہے وسط جنوری ۱۹۱۹ء مین تیار ہو جائے گا- یہ تقریباً ۴۲۱ صفحون پر ختم ہوا ہے اور نقصان گوارا کرکے ہم نے اُس کو سفید کاغذ پر چھپوایا ہے - اور اُس کی مستقل قیمت ایک روپیہ ہے- ناول جنوری ۱۹۱۹ء ہی مین تمام خریداران دلگداز کی خدمت مین ۱۹۱۹ء کے چندہ دلگداز و محصول کل ۳؍ پر وی پی حاضر ہو گا- جن صاحبون کو نہ لینا یا سلسلہ خریداری ختم کرنا ہو منع فرما دین- تاکہ ہم زحمت سے بچین- اور جو قدر دان لینے والے ہون اسکا خیال رکھین اور اپنے گھر مین انتظام فرما دین کہ وی پی واپس نہ آنے پائے-

دل افروز کی اشاعت کی بھی ہم کو فکر ہے- ابھی سے کوشش شروع کر دی ہے مگر آغاز جنوری ۱۹۱۹ء سے پوری توجہ کرکے ہم دو مہینون مین اُس کے سب پرچے خریدارون کی خدمت مین پہونچا دین گے- مطمئن رہین-

ایڈیٹر دلگداز-

مہذب بک ایجنسی

فسانہ دوجہان ترجمہ رومینس آف ٹو ورلڈز [illegible] ناول [illegible] ۴/

گناہ بے لذت نام ہی سے اندازہ [illegible] قیمت ۸/

ناول [illegible] فیلڈ کی ظرافت آمیز تصنیف کا ترجمہ [illegible] قیمت ۱۲/

بوالہوس [illegible] سلف کی رسوم منگنی و نسبت کی [illegible] عورتون کا استقلال ۱۲/

خون ناحق پولیس کی سراغ رسانی کی عیارانہ کارروائیان لائق دید ہین قصہ بیحد دلگداز ودلچسپ - قیمت ۱۰/

انتقام حسرت - ایک نہایت ہی دلچسپ [illegible] افسانہ جس مین [illegible] اور عقد بیوگان کی [illegible] دردانگیز اور موثر پیرایہ مین دکھائی گئی ہین مصنفہ جناب منشی [illegible] ۶/

سلیمہ اورنگ زیب کا دکن پر حملہ تاناشاہ سے خونریز لڑائیان ایک دلچسپ ناول کے پیرایہ مین ۴/

معرکۂ طرابلس جنگ طرابلس پر ایک مختصر دلچسپ اور تاریخی ناول ۴/

[illegible] سخن اس عہد کے [illegible] شعرا - اکبر شبلی - حالی - اور اقبال وغیرہ کل ۶۰ نامی مقبول شاعرون کی معرکۃ الآرا نظمین ۶/

تاریخی جواہر مولنا شبلی اور دیگر مستند اساتذہ کی ۱۰ تاریخی نظمین ۲/

دولت درانیہ احمد شاہ درانی کے حالات [illegible] اور مرہٹون سے معرکہ آرائیان ۶/

حیات بعد الموت تعلیم یافتہ روشن خیالون کے لیے سرمدی زندگی بخشنے والی غذا سے روح ہے ۶/

آئیون ہو - یعنی سر والٹر اسکاٹ کے مشہور و معروف تاریخی ناول کا ترجمہ رچرڈ شاہ انگلستان کی تیسری صلیبی لڑائی سے واپسی کے بعد اپنے بھائی جان سے سلطنت واپس لینے کی تدابیر اور اس کے جنگی کارنامے - اس زمانے کے یورپ کی سوشل اور پولٹیکل حالت بڑی خوبی سے دکھائی گئی ہے ۱۲/

سمندر کی سیر (دوحصہ) فرانس کے ناولسٹ جولیس ورن کے ایک دلچسپ ناول کا ترجمہ ۱۲/

زنونی لارڈ لٹن کا ناول جس پر انھین بڑا ناز تھا اور اسے اپنی سب سے اچھی تصنیف خیال کرتے تھے قیمت ۱۲/

دوجہان کی سیر مصنفہ میری کوریلی اس کتاب مین فلسفہ کو جس کی بنیاد مذہب اور روحانیت پر قائم کی گئی ہے بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۸/

روح لیلی - میری کوریلی کا دوسرا ناول ہے جس مین دوجہان کی سیر کی طرح روحانی مسائل کی عقدہ کشائی اور لامذہبی اور تشکک کی بیخ کنی کی گئی ہے قیمت ۸/

بادشاہ سلامت خود سر رعایا کی سرکشی اور خاندان شاہی کی تباہی مگر بادشاہ کا خفیہ طور پر رعایا کا ساتھ دینا اور فتح کے بعد کاری زخم کھا کر گرنا اور اس وقت سب کا اسے پہچان کر شکریے کے آنسو بہانا ۶/

چابک سوار معشوقہ گھوڑدوڑ کے ہاتھون ایک بڑے رئیس کے خاندان کی تباہی رئیس زادے کی پریشانی اپنے باپ کے داروغہ اصطبل سے انجان بنکر ملنا اور اسکی لائق بیٹی سے عشق [illegible] اور اسی کی بدولت

لمشتہر

محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بزن بیگ خان - لکھنو

چابک سواری مین کمال حاصل کرکے پھر اپنی
موروثی جائداد حاصل کرنا قیمت فی جلد ۹ر

جام زہر - ایک اچھوتا ناول جس مین بے مرضی کی
شادی اور نوجوانی کی غلطکاریون کے نتائج نہایت
موثر طریقے پر دکھائے گئے ہین مصنفہ مولوی حافظ
حاجی محمد احسن صاحب وحشی نگرامی ۱۰ر

خلق مجسم ایک شائستہ لڑکی کی پاک زندگی کا
فوٹو قیمت [illegible]

ماتا سرزمین بابل کی دیوی ماتا کا باعظمت ہیکل اور
اس کی عجیب و غریب حکایات بخت نصر کی خونریزیان
قیمت عہ ر

نگدرم سراغ رسانی کے لیے بہت ہی مفید ناول قیمت عہ

الو کی دم فاختہ ظرافت کا گنجینہ حماقت کا سفینہ
ایک طرف ظرافت ایک طرف نصیحت قیمت ۸ر

عیارون کا عیار - پولیس کی کارروائیان
اور سراغ رسانی کے راز نہایت عمدگی سے دکھائے
گئے ہین - عہ ر

قصہ حاجی بابا اصفہانی - ممالک ایران
کے ایک مشہور و معروف سیاح کے چشم دید
واقعات [illegible]

بنز باغ مسلمانون کی فضول خرچی اور
عیوب کا نتیجہ ۶ر

جفا و وفا . معشوقہ دلنواز کی وفاداری
عاشق کی دغابازی اور مکاری اور خفیہ
فروشون کے کارنامے ۱۲ر

درد فراق شہنشاہ تیمور اور سلطان بایزید
کی مشہور جنگ قیمت [illegible]

مجبوس گذشت ناول کے پیرائے مین فتح
سومنات کی پوری تاریخ ۱۰ر

معشوقہ عرب عربون کی طرز معاشرت پر
ایک نہایت اچھوتا ناول قیمت ۱۰ر

رزم نرم قنوج کی لڑائی سلطان شہاب الدین کی
فتح اور راجہ جے چند کی شکست حسن و عشق کی بیا[illegible]
پہلی تصویر قیمت ہر دو حصہ مکمل [illegible]

نیرنگ فرنگ فرانس کا ۱۷۹۳ء کا انقلاب
فرانس اور جرمنی کی جنگ مشہور ناولسٹ وکٹر
ہیگو کے ناول کا ترجمہ قیمت ۱۲ر

حور عین ۱۸۵۷ء کے غدر کے واقعات چھیڑ یو کا
جوش جہالت - انسانی - ہمدردی اور نیکی [illegible]
کے نتائج قیمت [illegible]

عقد الجواہر جنھون نے کبھی یہ ناول کو دیکھا ہے
وہی جانتے ہین کہ کس قدر دلچسپ اور پر لطف
ہے - قیمت فی جلد ۸ر

طلسم - سر والٹر اسکاٹ کا دوسرا تاریخی ناول [illegible]
قیصر ال اور سلطان صلاح الدین کی ملاقاتین [illegible]
حرب کے جوہر - دونون کا عہد و پیمان ایک عاشق
صادق اور جانباز کی مطلب برآری حسن و عشق
اور فراق و وصال کی داستان ۱۲ر

دل سوز - شہر سومنات پر سلطان محمود غزنوی
کا پر جوش حملہ مسئلہ تناسخ پر محققانہ بحث کے ساتھ
حسن و عشق - قیمت ۹ر

سیتا ہندو عورتون کی وفاداری اور سچی محبت کا افسانہ -
۱۸۵۷ء کے غدر کے تاریخی واقعات ہر دو جلد [illegible]

مکار سرپرست بڈھے سرپرست کی مکاری و
دغابازی اور آخر کار مکافات عمل کا سین [illegible]

راز عشق - امریکہ کے مشہور سراغ رسان نک
کارٹر کی تصنیف خفیہ پولیس کے حیرت انگیز کارنامے عہ

گنجینہ سراغرسانی یہ ناول خفیہ پولیس کے لیے
ایک ہدایت نامہ اور تفتیش کرنے والون کا پیمانہ
ہے چار حصہ قیمت [illegible]

خوش قسمت - مسمریزم کے ذریعے سے انسان
کیونکر قابو مین لایا جاتا ہے قیمت [illegible]

... عشق ایک لڑکی نے کو نکلانی ... خواست
... لت ایک حبشی کو مذہب شریعت بنالیا ۴ر

... گیسو مازنیدان فرانس کے ذریعے سے
... خفیہ پولیس کی ... بیان ۳ر

... ان شاہ ... اور اسمعیل بیگ کی ۱۸۲۷ء
... کے حیرت انگیز واقعات کے ساتھ عشق کے
... دلبازی آسو پریس ۱۲ر

... شاہ اورنگ زیب کی تخت دہلی کے لیے سر توڑ
... شہزادہ ... اور شہزادی مہرالنسا کے عشق
... مصنفہ حسرت ... عہ ر

جام سرشار۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کا
مشہور ناول۔ ہندوستانی امرا کا عیش و عشرت مین
... تباہ ہوا۔ قیمت عہ ر

جنگ بلقان جنگ بلقان کے بعض دلچسپ
... دلکش ... مناظر اور یورپ کے تعجب خیز کارنامے
... ناول کے پیرائے مین قیمت ۸ر

... خلیفہ ہارون رشید کے زمانے کے حالات عفت
... اور حلم و بردباری کا بیان قیمت ۸ر

فریب نیرنگ و فریب وفا۔ دلچسپ حیرت انگیز
واقعات مصنفہ سید عاشق حسین صاحب ۱۲ر

... جرمن بلجیم موجودہ جنگ کا آغاز۔ [illegible]
... کی ... جرمن جاسوسون کی حیرت
انگیز چالاکیان ... جلد ۳ر

ارمان مصنفہ آغا شاعر دہلوی۔ نارضامندی
کی شادی کا کیا انجام ہوتا ہے قیمت عہ ر

شاہد رعنا ... موالف کی خود
... سوانح عمری مصنفہ قاضی سرفراز حسین
صاحب عزمی دہلوی ۱ر

سعید ایک نوجوان شخص کا محفل رقص و سرود
مین شریک ہونے اور طوائف سے ...
... ۴ر

سعادت چند فریف نادون اور ایک مؤلف
کا راہ پر آنا قیمت ۱۴ر

عاشق فیلطان مس کوری ن کے مشہور
ناول ٹسار ورآف سیٹن کا اردو ترجمہ قیمت ۸ر

ثیب و فرانہ۔ دو شاہی خاندانون کا عروج
وزوال ۱۲ر

فرانس کا شہزادہ۔ اس کتاب مین جلد روم
قاہرہ۔ شاہزادی گلڈالنا۔ ... شہنشاہ اکبر
ملک حسن۔ سلطان دارا۔ رانی پدمنی کی سہیلیون
قلعہ چتور۔ اور مسلمانون اور راجپوتون کے
رزم بزم کے حالات نہایت دلکش طریقے سے
بیان کیے گئے ہین۔ عہ ر

متوالی بیراگن۔ پانی پت کی آخری جنگ پر
ایک تاریخی ناول۔ احمد شاہ ابدالی اور مرہٹون
کی مشہور لڑائی۔ مادھوجی سندھیا اور
ایک بیراگن کا عشق ۸ر

حیدر علی و ٹیپو سلطان سلسلہ فرمانروایان
ہند مولفہ سر ولیم ہنٹر کی کتاب کا ترجمہ جس مین
حیدر علی اور ٹیپو سلطان والیان میسور کی
مفصل سوانح عمریان درج ہین۔ عہ ر

عروج وزوال برتھی راج کے زمانے کا
ایک تاریخی ناول مصنفہ منشی نوبت رائے
صاحب نظر ۳ر

نئی کہانی رتن ناتھ سرشار کا مشہور ناول ۴ر

تاج شہادت سنہ ۵۷ء کا ایک سچا واقعہ
مولفہ منشی پیارے لال صاحب شاکر ۲ر

پاربتی۔ عورتون کے پڑھنے کے لائق ایک
بنگالی ناول کا ترجمہ ۲ر

کلثوم۔ ایک جدید اچھوتا ناول مصنفہ
شیخ احمد علی صاحب کامل ۲ر

اسرار ہند اہل ہند گزشتہ کارنامونکا آئینہ قیمت ۱۲ر

کلجگ کی کھونٹی ایک جہازران نے اپنے شباب کے کارنامے اور رو و شریروں کے واقعات بیان کیے ہیں ۸/

معشوقۂ فرنگ ایک نہایت دلچسپ ڈراما کا ترجمہ قیمت ۸/

خدائی فوجدار پنڈت رتن ناتھ سرشار کا مشہور و معروف ناول ظرافت سے شرابور دلچسپی سے معمور ۱۲/

گربۂ مسکین - ایک بنگالی ناول کا ترجمہ ایک نوجوان لڑکی چالاکیوں کا انکشاف ۲/

کرشمۂ رقابت فاضل اجل مسٹر جمیس ایلن کی مشہور کتاب "بک آف پیشنس" کا ترجمہ جس میں دکھایا گیا ہے کہ جوش رقابت میں انسان کیا کچھ کر ڈالتا ہے ۲/

چنچل جاسوس ایک اخلاقی ناول - عیاروں کی چالبازی اور چنچل جاسوس کی سراغ رسانی ۳/

بوالہوس بنگالی - ایک نہایت دلچسپ ظریفانہ اخلاقی ناول ۳/

روپ کماری - ایک عصمت شعار لڑکی کا دردناک واقعہ ۳/

ظریف الطبع - نام ہی سے ظاہر ہے - نہایت دلچسپ و ظرافت سے بھرا ہوا ناول ۳/

ایک شاعر کا انجام - مولفہ حضرت نیاز فتح پوری قیمت ۱۲/

رسالہ زبان دانی اردو کے مبسوط قاعدے صرف و نحو کے کلیات بامحاورہ زبان بولنے کا آلہ ۴/

اصلاح زبان اردو متروک الفاظ کا مفصل بیان غلط محاورات کی تصحیح فصیح الفاظ کا محل استعمال شعرا و انشا پردازوں کا دستور العمل قیمت ۴/

آب بقا مشاہیر ہند شعرائے ماضی و حال کے واقعات طرز تمدن شاعری کے نکات چیدہ و برجستہ منتخب کلام کا مجموعہ - آخر میں خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی کی نثر النظمین - قیمت ۱۲/

ترجمہ ناول ہائے مسٹر رینالڈز

فسانہ الہ دین ولیلیٰ ترجمہ مشہور ناول اسٹارآف دی منگریلیا جس میں نہایت ہی رنگین ندرت آگین داستانیں ہیں ۱۲/

فریب حسن مشہور ناول فارسٹ کا نہایت ہی سلیس ترجمہ قصے کے پیرایے میں بدکرداریوں کے نتائج دکھائے گئے ہیں نہایت دلچسپ ناول ہے ۱۲/

فسانۂ سوزن عشق ناول اسکیٹرس کا ترجمہ جس کا ہر ایک عجیب واقعہ اور حیرت انگیز قصہ طلسم حیرت بنا دیتا ہے ۱۲/

فسانۂ لارنس و روزیلا ترجمہ ای ہاؤس پلاٹ - ایک عفیفہ لڑکی کی داستان عشق نوجوانوں نسرونی بیباکی چیرہ گزشتہ شاہ انگلستان کی بے اعتدالی زنان دربار کی بدکرداری وغیرہ کا خاکہ ۱۲/

لعبت فرنگ مسٹر رینالڈز کے اسی نام کے ناول کا ترجمہ تاریخی واقعات عجیب و غریب طریقے سے نہایت دلچسپ انداز میں بیان کیے گئے ہیں ۱۲/

مارگریٹ شاہ اسکاٹ لینڈ کا ملکہ مارگریٹ سے دغابازی سے خفیہ شادی کرنا اور پوپ کا فیصلہ حق و فتح نہایت دلکش ناول ہے ۱۲/

روز الیمبرٹ مس لیمبرٹ کی درد انگیز داستانیں راہ نیک سے انحراف اور چوری - جوے - دغابازی - شراب خواری وغیرہ کے برے انجام بے انتہا دلچسپ سوانح عمری ہے حصہ اول ۱۲/ حصہ دوم ۱۲/

ناول اسرار دو حصہ نیکرومینسر کا بامحاورہ ترجمہ پھر باعصمت حسین زمانہ لیڈیوں کے جذبات کا خاکہ زندگی کی حیرت انگیز نیرنگیوں اور انقلاب کی تصویر ۱۲/

ونگیز لینڈا - اس میں ایسے ایسے حیرت انگیز راز بیان کیے گئے ہیں جو انسان کو حیران بنا دیتے ہیں موقع بہ موقع اس میں تصاویر بھی دی گئی ہیں - قیمت ۱۲/

حسرت وصل ناول مسٹرس کا خلاصہ ۶/

المشتہر

تصانیف مولنا محمد عبد الحلیم صاحب شرر

تاریخ و سوانح عمریان

(۱) جنید بغدادی - حضرت جنید کے حالات - ۱۰/
(۲) ابوبکر شبلی - حضرت شبلی کے حالات - ۱۰/
(۳) تاریخ سندھ - عرب کے فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ جلد اول ۸/
(۴) عصر قدیم - اقوام سلف کی نہایت واضح تاریخ - ۸/
(۵) حروب صلیبیہ - انگریزی سے ترجمہ جو عربی سے کیا گیا تھا
(۶) مسیح و مسیحیت - دین مسیحی کے حالات اور انجیلون کی تحقیق - ۸/
(۷) عرب قبل از اسلام - تاریخ ارض مقدس کی تین جلدیں ۸/
(۸) خواجہ معین الدین چشتی - حضرت خواجہ اجمیری کے حالات /۶
(۹) سکینہ بنت حسین - جناب سکینہ بنت امام حسین - /۶
(۱۰) افسانۂ قیس - مجنون عامری کے حالات - /۳
(۱۱) حسن بن صباح - بانی فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ /۶
(۱۲) قرۃ العین - ایک مجتہد زادی - /۲
(۱۳) شیرین ملکۂ عجم - فرہاد و خسرو کی نامور معشوقہ - /۳
(۱۴) ملکہ زنوبیہ - سلف کی ایک عربی نژاد ملکہ /۳

ناول

(۱۵) جویائے حق - حضرت سلمان کی سوانح عمری بطور ناول ۱۲/
(۱۶) بابک خرمی - سلطنت عباسیہ کے زمانے کا ایک تاریخی واقعہ ہر دو حصہ
(۱۷) مفتوح فاتح - ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول - ۸/
(۱۸) الفانسو - ایک ... تاریخی ناول - ۱۲
(۱۹) خوفناک محبت - ہندوستانی شریف زادیون کی پاکدامنی و حالات کی اس سے اچھی تصویر نہین ہو سکتی - ۸/
(۲۰) حسن کا ڈاکو - ... کے نواب کی سرگذشت ہر دو حصہ
(۲۱) اسرار دربار حرام پور - حرام پور کے نواب کے اور حالات ہر دو حصہ ۱۰
(۲۲) غیب دان دلہن - حیرت انگیز عجیب ناول
(۲۳) رومتہ الکبریٰ - روم پر گاتھ لوگون کا حملہ ۸/
(۲۴) ماہ ملک - غوریون کا عروج ۶/
(۲۵) زوال بغداد - دولت عباسیہ کا استیصال - ۸/

(۲۶) ایام عرب - جاہلیت عرب کی تعقوکی جنگ و جدل ...
(۲۷) مقدس نازنین - ایک حسینہ کا یورپین جاسوس
(۲۸) شوقین ملکہ - دوسری صلیبی لڑائی -
(۲۹) قیس و لبنیٰ - عہد صحابہ کا ایک سچا عشق -
(۳۰) فلورا فلورنڈا - اندلس میں سلطنت عرب
(۳۱) آغا صادق کی شادی - ایک عجیب ...
(۳۲) فلپانا - عہد صحابہ کا ایک سچا واقعہ ... کا نمونہ ولایتی -
(۳۳) فردوس بریں - جیتے جی جنت کی سیر ۱۰/
(۳۴) یوسف نجمہ - کامل

متفرقات

(۳۵) الحکم الرفاعیہ - حضرت شیخ سید احمد رفاعی کے ایک رسالہ کا ترجمہ
(۳۶) سرسید کی دینی برکتین
(۳۷) ہندوستان کی موسیقی ...
(۳۸) اردو و ہندی ... ان کا تعلق
(۳۹) زمانۂ ... اسلام ... مولنا شرر ...
(۴۰) شب وصال
(۴۱) شب غم

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

(۴۲) اتالیق بی بی - میان کی ... بی بی کی مزید ... چیز
(۴۳) بادشاہی عمل - ایک ... کا ترجمہ حصہ اول ... حصہ دوم ... حصہ سوم
(۴۴) دولت ... - حصہ اول، حصہ دوم، حصہ سوم [illegible]

المشتہر
حکیم محمد سراج الحق مینجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

نگاہ شوق

خدا نے باغ عالم سے لطف اُٹھانے کے لیے ہمین پانچ حواس دیے ہین آنکھون سے پیاری صورتین اور خوشنما مناظر دیکھتے۔ کانون سے نغمہ جان افزا اور رسیلی آوازین سنتے۔ ہاتھون سے گدگدے بچھونون اور نرم چکنے جسمون کو چھوتے۔ نتھنون سے روح افزا خوشبوؤن اور زندگی بخش عطرون کو سونگھتے۔ اور زبان سے الوان نعمت اور انواع و اقسام کی لذتون کا مزہ لوٹتے ہین۔ ان پانچون مخبران عالم ارواح اور حسی قوتون مین سے ہر ایک نئی جنت تیار کر کے ہمارے سامنے پیش کرتی اور ہمارے قبضے مین دے دیتی ہے۔ اور کوئی نہین جس کی کمی ہماری زندگی کو بے مزہ نہ کر دیتی ہو۔ مگر ہمین تو اپنے محلے کے اُس اندھے فقیر کا یہ فقرہ کبھی نہ بھولے گا جس کی صدا تھی کہ "انکھیان بڑی نعمت ہین!" واقعی آنکھین سب سے بڑی نعمت ہین اور جو مزہ لذت دیدار مین ہے کسی چیز مین نہین۔

آنکھین تمام اعضاے حس اور آلات ادراک کی سردار ہین۔ اُن کو جتنا تعلق نزدیک سے ہے اُتنا ہی دور کی چیزون سے ہے۔ جس شوق سے اس چاند کو دیکھتی ہین جو پہلو مین ہے اُسی لطف سے اُس چاند پر بھی ٹکٹکی باندھتے ہین جو آسمان پر روشن ہے۔ اور حواسون کی حالت یہ ہے کہ ایک ہی لذت دیر تک قائم رہے تو جی اُکتا جاتا ہے۔ اور تھکن اُس کے شوق کو بے مزہ کرنے لگتی ہے۔ مگر پُرشوق آنکھین جس پیاری صورت پر جم گئین ہٹنے کا نام ہی نہین لیتین۔ جس صورت زیبا کو دیکھ رہی ہین وہ ہماری گرمی شوق سے نازک پھول کی طرح کمھلائی جاتی ہے۔ اُس کی شرم آلود نرگسین آنکھین جھکی پڑتی ہین۔

جبین ناز پر پسینہ آگیا ہے۔ اور تاؤ دکھاتے ہوئے رخساروں پہ ایک رنگت آتی ہے اور ایک جاتی ہے۔ مگر یہاں ٹکٹکی باندھی تو نظر اُسی رخ زیبا پر جم کے رہ گئی۔ اور شوق میں ڈوبی ہوئی آنکھیں زبان حال سے گلہ رہی ہیں ع

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارد

لمس اور مس میں بھی بے شک مزہ ہے۔ کسی جسم کی وسعت۔ ہیئت۔ وضع قطع نرمی۔ نزاکت۔ گدگدا پن۔ چکناہٹ ان سے معلوم ہو جاتی ہے۔ مگر آہ وہ رنگ روپ نہیں معلوم ہو سکتا جو ہماری مسرت کی جان اور ہمارے شوق کی روح رواں ہے۔ پھر اس کے ساتھ شمار و تعداد قرب و بعد نشیب و فراز۔ اور مسافت اور فاصلے کے معلوم کرنے میں اکیلا لامسہ کام ہی نہیں دے سکتا۔ مگر نظر میں یہ نقصان نہیں ہے۔ وہ گویا زیادہ قوی درجے کی قوت لامسہ ہے جو ہم پہلو دلدار ناز آفرین کے چہرے سے لے کے صحن چمن کے چپے چپے تک پہونچتی۔ سبزے کے فرش زمردیں پر دوڑتی۔ نرگس کی آنکھوں اور پھولوں کے رخساروں کو چومتی۔ سنبل کی زلفوں میں اُلجھتی اور سرو کے قد رعنا سے بغلگیر ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد دم بھر میں سب کا مقابلہ کر کے فیصلہ کر لیتی ہے کہ جو لطف کسی کی مستانہ آنکھوں۔ پھول کے سے گالوں۔ نازک ہونٹوں۔ اور قد رعنا میں ہے کسی میں نہیں۔

آہ! تم اس پرشوق نظر کے کمالات و معجزات تو دیکھو کوسوں کا میدان ایک لمحہ میں طے کرتی وسیع مرغزاروں میں گشت لگاتی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہونچتی۔ وہاں کی برف پر پھسلتی۔ گھاٹیوں میں ٹہلتی جنگلوں میں پھرتی۔ دشت ناپیدا کنار میں چھلی چھلیا کھیلتی۔ پانی کی نہروں سے لڑتی۔ آسمان سے تارے توڑ لاتی۔ اور ایک چشم زدن میں ہمیں وہ معراج کرا دیتی ہے جو ہمارے وہم و گمان اور اندازہ و قیاس سے باہر ہے۔ پھر اس آناً فاناً کی معراج۔ اس زندگی بخش گلگشت۔ اس گلچینی کی سیر سے جب واپس آتی ہے تو ہماری دلچسپی اور ہمارے لطف کے لیے کتنا ایک سامان مسرت اپنے ساتھ لیتی آتی۔ اور لانے کے بعد اُس کو کس حفاظت اور احتیاط سے خزانۂ دماغ میں رکھوا دیتی ہے کہ اس وسیع و بے پایاں سامان عیش میں سے جب جس چیز کو جی چاہے نکال کے

ہم لطف اُٹھانے دل بہلانے اور اُس سے کھیلنے لگتے ہیں۔

اس خزانۂ دماغ میں کوئی صورت اور کوئی لذت شاید ہی ایسی ہے جو نظر شوق کے علاوہ کسی اور ذریعے سے ہم تک پہونچی ہو؟ بعض لذتیں اور ایجنسیون کی معرفت بھی حاصل ہوتی ہین مگر اُن کی مقدار و تعداد بہت کم ہے اور اس سے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ہمارا سارا سامان عیش اور سرمایۂ مسرت اسی نظر شوق کا اندوختہ ہے۔ مگر خداوند جل علا نے ہمین جیسا یہ سامان عیش کا فراہم کرنے والا دیا ہے ویسا ہی اس خزانے کی حفاظت و درداشت کے لیے سلیقہ مند اور مزاج شناس مہتمم بھی عطا کیا ہے۔ وہ اُن دل لبھانے والی صورتوں اور مسرت بخش چیزون میں سے دو دو چار چار بلکہ سو سو اور دو دو سو کے جوڑ ملا کے اور لطیف ترین ترتیبون سے مرتب کر کے دفعتاً فوقتاً اس شان سے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے کہ ہماری خوشیون کی کوئی حد نہین باقی رہتی خزانۂ سامان عیش کے اس داروغہ کا نام ہم نے "خیال" رکھ لیا ہے۔ مگر ذرا اس کی کارگزاریان بھی تو دیکھو۔

ہم ہجران زندگی کے کلبۂ احزان اور شب فراق کے غمکدۂ تار میں پڑے تھے۔ یاس نصیبی نے زندگی کو بے مزہ بلکہ جینے سے نا امید کر دیا تھا۔ ناگہاں ہمارا یہ داروغۂ عیش آپہونچا۔ امید کی شمع روشن کی اور جس کے شوق میں جیا بر تھے اُسی کو ہمارے پہلو میں لا کے بٹھا دیا۔ اور پھر اس آزادی و لطف کے ساتھ کہ اُسے جس لباس مین چاہین دیکھین۔ اُس کی جس ادا کا چاہین لطف اُٹھالین۔ اور اُس کے ساتھ جو سلوک چاہین کرین۔ چاہین اسے اپنے دل مین بٹھالین اور چاہین خود اُس کے دل مین جا بیٹھیں۔

ہم دشت غربت مین خاک چھان رہے تھے۔ احباب سے چھوٹنے کا صدمہ تھا۔ جلاوطنی کی مصیبت مارے ڈالتی تھی۔ اور قسمت پر زور نہ چلتا تھا۔ یکایک اس داروغۂ نشاط نے اندوختۂ نظر مین سے چھانٹ چھانٹ کے ہمارے سامنے وطن کی تمام چیزون کا انبار لگا دیا۔ ساتھ ہی سواد وطن نگاہ کے سامنے تھی۔ یاران وطن پاس بیٹھے تھے۔ عزیز آشنا زن و فرزند کوئی نہین جو نظر کے

سامنے موجود نہ ہو۔ جس سے جی چاہا ہنسے بولے۔ جس سے دل مین آئی باتین کین اور وطن کے جتنے مزے تھے ایک دم بھر مین اُٹھا لیے۔

ہم قیدخانے مین بند تھے نہ کہین آنے پاتے تھے اور نہ کہین جانے پاتے تھے۔ مجلس جفا کا داروغہ ظالم و سنگدل تھا۔ اور اِس زندگی سے موت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ نہ کسی سے مدد کی امید تھی۔ نہ کسی سے ہمدردی کی آس بس یاس ہی یاس تھی۔ یک بیک یہ ہمارا نشاط بخش انیس زندگی آیا۔ دل پہ تسکین کا ہاتھ رکھا۔ اور کہا تم قید مین گھٹتے کیون ہو؟ اور یہ یاس وحسرت کس لیے؟ تمھین قیدی کون کہتا ہے؟ آزاد ہو۔ میرے ساتھ چلو۔ اور جہان کی کھو سیر کرالاؤن۔ پس اُس کے ہاتھ مین ہاتھ دے کے جو آزادی کے ساتھ قیدخانے سے نکلے تو جدھر جی چاہا قدم اُٹھا دیا۔ اور جس طرف دل مین آئی نکل گئے۔

مذکورہ باتون سے ہمین اندازہ ہو جاتا ہے کہ نظر شوق کی مسرتون کے دو درجے ہین۔ پہلا درجہ تو وہ ہے جبکہ ہم باغ عالم کی تفریح کرتے وقت نظر کے معرفت عالم کے مسرت بخش مناظر کو دیکھ کے لطف اُٹھاتے ہین اور دوسرا درجہ وہ جبکہ ہمین اپنی جگہ سے ہٹنے کی زحمت بھی نہین گوارا کرنا پڑتی۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے عوض ہمارا دماغ باغ قدرت کی سیر کرکے گوناگون مسرتین اور اقسام و انواع کی دلچسپیان ہمارے لیے فراہم کرلاتا ہے۔ اور ہماری یہ حالت ہوتی ہے جو غالب مرحوم نے بتائی ہے۔ ع

جی چاہتا ہی پھر وہی فرصت۔ رات دن بیٹھے رہین تصور جانان کیے ہوے۔

لہذا نگاہ کی حاصل کی ہوئی مسرتون کے ان دونون درجون پر ہم جدا جدا غور کرنا چاہتے ہین۔ پہلا درجہ ہماری ذاتی سیر نظر کا ہی بعض اوقات ہماری نظر کے سامنے مہیب ڈراؤنی صورتین بھیانک اور بدقطع شکلین بھی آجاتی ہین جن سے دل و دماغ کو سخت اذیت پہونچتی ہے اور خوف سے خون خشک ہو جاتا ہے۔ مگر یہ کبھی کبھی کے خطرے اور وقتی زحمتین ہین جو

اُس کے بعد ہماری مسرتون اور دلچسپیون کا لطف دو بالا کر دیا کرتی ہین۔
ایک پیارا چہرہ سارا غم غلط کر دیتا ہے۔ ایک خوبصورت پھول آنکھون کو روشن کر دیتا ہے۔ ایک خوشنما چڑیا یا ایک خوش رنگ تتلی ہمارے دل کو شگفتہ کر دیتی ہے۔ اور ان کے دیدار مین وہ مزہ آتا ہے جو ساری کلفتون کو دور اور تمام اگلی اذیتون کو کافور کر دیتا ہے۔ یاد بھی نہین رہتا کہ ان آنکھون کو کبھی کسی بڑی چیز کے دیکھنے سے تکلیف ہوئی تھی۔ اس دلفریب نظر شوق کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ بہت سی چیزون کو جو بجاے خود نہ خوشنما ہین نہ دلفریب یہ ساحرہ نظر اُن کو نہایت ہی دلکش و دلچسپ بنا کے ہمارے سامنے لاتی اور ہمین محو کر دیتی ہے۔ دنیا کے اکثر وحشتناک مناظر جو بجاے خود کوئی خوبی و رعنائی نہین رکھتے شاطۂ نظر کی سحر طرازی سے ہمارے لیے ایسے دلچسپ بن جاتے ہین کہ دیکھتے ہی زبان سے کلمۂ تحسین نکل جاتا ہے۔ لق و دق میدان ناپیدا کنار ریگزار۔ سر بفلک پہاڑ۔ بڑی بڑی سنگلاخ چٹانین۔ اُن کے درمیان کی خوفناک گھاٹیان متلاطم سمندر۔ اور دیکھنے وحشتناک جنگل ان سب مین کیا خوبصورتی اور کون سی زیب و زینت ہے؟ سطح میدان جس مین گھاس کی کثرت سے کوئی سیدھی طرح چل سکے۔ بالو کا عظیم الشان ریگزار جس مین بگولے اُڑتے اور خاک اُڑاتے پھرتے ہین اور جو تشنہ لب مارتا ہے۔ آسمان سے باتین کرنے والے پہاڑ اُن کی گھاٹیان اور چٹانین جن کو پاس جا کے دیکھیے تو انسان کے لیے اُن سے زیادہ ہولناک منظر مشکل گزرگاہ اور پُر اذیت جگہ نہین ہو سکتی جہان قدم قدم پر ٹھوکرین لگتی ہین اور ایک ادنے لغزش تحت الثریٰ تک پہونچا دیتی ہے۔ متلاطم سمندر جس کی لہرین دنیا کا سخت ترین عذاب ہین۔ اور جو انسان کو ایک گھڑی بھر مین غرق کر کے قعر فنا مین پہونچا دیتا ہے۔ وحشتناک جنگل جس مین درختون کے ناہموار جھنڈون ناقابل گزر پھول بھلیون اور خونخوار درندون کے سوا کچھ نہین ان سب مین کیا خوبی رکھی ہے۔ مگر ان خوفناک اور اذیت رسان چیزون کو دور سے کھڑے ہو کے دیکھیے تو یہ پُر شوق نگاہ اُن کو کیا دلچسپ کس قدر خوشنما۔

کس درجہ پُر لطف- اور کس حد تک سرمایۂ مسرت بنا دیتی ہے۔

انھین آسمان کے تارون کو دیکھو- جو ہمارے کلبۂ احزان کے چراغ اور ہماری صحبت عیش کی جان ہین نظر کو کس قدر بھلے معلوم ہوتے ہین- مگر علم ہیات کی ترقی و تحقیق انھین یا تو آگ کے ہولناک گولے یا ہماری زمین ہی کے مانند جنگلون پہاڑون سمندرون اور بیابانون کا وحشتناک ذخیرہ ثابت کر رہی ہے-

ان باتون سے پتہ چلتا ہے کہ ہماری نظر شوق محض ہمارا دل بہلانے اور ہماری دلچسپی کے لیے کیسے کیسے بہروپ دکھاتی- اور مہیب و خوفناک بد قطع اور کاواک چیزون کو کیسا اچھا اور دلکش و دلکشا بنا کے پیش کرتی ہے- بلکہ سچ یہ ہے کہ دنیا کی کسی چیز مین لطف و خوبی اور دلکشی و رعنائی نہین- ہماری دلچسپی و دلکشی ہماری نظر شوق کی ہے جو بڑی سی بڑی چیزون کو نظر فریب خلعت پہنا کے ہمارے سامنے لاتی- اور ہمین لبھاتی ہے-

ہماری طبیعتین آزادی پسند واقع ہوتی ہین- ایک حالت مین پڑے رہنے کو ہمارا مضطرب دل ایک قید تصور کرتا ہے- اسی وجہ سے نظر کے سامنے چاہے کیسا ہی خوشنما منظر ہو اگر اُس مین تغیر نہ ہوا تو دم اُلجھنے لگتا ہے- اور جی چاہتا ہے کہ چل پھر کے سیر کرین- اگرچہ ہماری اس خصلت کی نبض شناسی کر کے قدرت نے بہار و خزان کے موسم پیدا کر رکھے ہین جو صفحۂ عالم کو بدل بدل کے نئی نئی صورتون مین پیش کیا کرتے- اور دنیا کو ایک حالت پہ قرار نہین لینے دیتے ہین- مگر اتنا سکون بھی ہمین ناگوار گزرنے لگتا ہے جو ایک موسم کے قیام کے لیے لازم ہے- اپنی اس فطرت ہی کی وجہ سے ہماری یہ حالت ہے کہ چاہے کیسا ہی نشاط افزا سمان نظر کے سامنے بندھا ہو مگر ہمین جو لطف چل پھر کے سیر کرنے مین آتا ہے ایک جگہ بیٹھے رہنے مین نہین آتا- جس کا سبب یہ ہے کہ چلنے پھرنے مین نظر شوق کے سامنے نئی نئی صورتین گزرتی رہتی ہین- ایک پھول سامنے سے ہٹتا ہے اور دوسرا سامنے آجاتا ہے دریاؤن کی روانی یا ریل مین بیٹھ کے سیر کرنے مین ہمین زیادہ لطف

آتا ہے۔ اس لیے کہ دریا بہتا رہتا ہے۔ اور دم بھر کے لیے بھی قرار نہین لیتا۔ اور ریل خود ہم کو اس طرح لے کے بھاگتی ہے کہ ایک دلچسپ چیز پر نظر نہین جمنے پائی تھی کہ غائب ہو گئی اور دوسری اُس کی جگہ آ گئی۔

ہماری نگاہ شوق کے اسی لطف بڑھانے کے لیے قدرت نے یہ انتظام کر دیا ہے کہ آسمان ایک حالت پر قرار نہین لیتا۔ اس بحث کو چھوڑ دو کہ وہ حرکت کر رہا ہے یا خود ہماری روانی اُس کو متحرک دکھا رہی ہے۔ اور مشاطۂ قدرت کی اس مزاجداری کی داد دو کہ بزم انجم کے یہ نورانی اجرام جو خدا جانے کتنے کتنے بڑے عالم ہین اور اُن مین کیا ہو رہا ہے مگر فقط یہ خیال کر کے کہ ہمین روانی و حرکت پسند ہے شب و روز چلتے پھرتے ہی رہتے ہین۔ اور اس پُرلطف سیر میں ہم اس قدر بہلے رہتے ہین کہ زندگی کی دشواریان اور قسمت کی نامرادیان سب بھول جاتی ہین۔ آفتاب نکلتا ہے۔ بلندی پر آتا ہے۔ اور غروب ہو جاتا ہے۔ ماہتاب ایک چاندی کے خمیدہ بال کی طرح نمودار ہو کے بڑھنے لگتا ہے بڑھتے بڑھتے بدر کامل بنتا۔ پھر زوال کی صورت اختیار کر کے گھٹتا۔ اور گھٹتے گھٹتے نظر سے غائب ہو جاتا ہے۔ یونہین تمام تارے رات کو نکلتے فلک کی قوس علوی کو طے کرتے اور صبح ہوتے ہی پیارے ہم پہلو مہمانان شب کی طرح غائب ہو جاتے ہین یہ سب کیون ہے؟ اس لیے کہ ہم متحرک منظر کے شیدا ہین اور سکوت و سکون مین ہمارا دم اُلجھنے لگتا ہے۔

اجرام فلکی کی رفتار کی تیزی ہمارے وہم و گمان سے بالا ثابت ہوتی ہے۔ مگر فضاے ہستی کی فضا اسی قدر وسیع ہے کہ اتنی سُرعت پر بھی ہمین اکثر بطی السیری کا شبہ ہو جاتا ہے۔ محض اِس خیال سے کہ شاید یہ تاخیر بھی ہماری نظر شوق کو ناگوار گزرے سطح فلک پر بدلیان اُڑنا شروع ہوتی ہین۔ اور اپنے چلنے پھرنے کی دلچسپی کے علاوہ ہمین یہ تماشا دکھانے لگتی ہین کہ حسینان فلک کے چہرون پر کبھی ابر کی نقاب پڑ جاتی ہے اور کبھی ہٹ کے پھر اُن کا پیارا چہرہ دکھائی دیتا ہے۔

بہرحال اسے نگاہ شوق تیری دلچسپی کے لیے قدرت نے تو یہ سامان

فراہم کر رکھا ہے مگر افسوس تجھے تسکین نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔ تو اچھی صورتوں کی جستجو مین مصروف ہی رہی اور ہمیشہ رہے گی

دل سے شوق رخ نکو نگیا تاکنا جھانکنا کبھو نہ گیا

سمجھ مین نہین آتا کہ نگاہ کو یہ لپکا اور دل مین یہ شوق کیون پیدا ہو گیا کہ بے اچھی صورت دیکھے قرار نہین آتا صوفی صافی مشرب اس کا سبب یہ بتاتا ہی کہ مخلوق کی ہر صورت زیبا مین خالق کا جلوہ عیان ہی اس لیے دل اُدھر کھنچتا ہی۔ رند مشرب اس شوق کو فقط فطری تقاضاے نفس پر محمول کرتا ہی۔ اور کہتا ہی کہ اس سامنے کی لذت کے اُدھر کچھ نہین فلسفۂ مادی اور سائنس کا دلدادہ کہتا ہی کہ قدرت نے ہمین محض بقاے نسل کے لیے اس عالم مین بھیجا ہی۔ مگر ہمارا مقولہ یہ ہی۔

کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت این معمہ را

نہ ہمین روح انسانی کی اصلی ماہیت معلوم ہے نہ یہ خبر ہے کہ یہ کشش ہی کیا۔ نہ یہ جانتے ہین کہ کسی خوبصورت چیز کی طرف شوق کھینچتا ہے اور کسی بدصورت شے سے دل کو نفرت ہوتی ہے تو کیون؟ ہم سے یہ معمہ بھی تو آج تک حل نہ ہو سکا کہ حُسن کیا ہی اور بدصورتی کیا۔ کوئی چیز خوبصورت ہی تو کیون؟ اور بدصورت ہی تو کس لیے؟ معمولی کہنے والا کہہ دیگا اس لیے کہ حسن کی طرف دل مائل ہوتا ہے اور بدصورتی سے نفرت کرتا ہی۔ لیکن اس سے خود بدصورت چیز مین نہ کوئی بدصورتی ثابت ہو سکی اور نہ خوبصورت شے مین خوبصورتی۔ جناب صوفی صاحب نے خدا کا جلوہ گاہ فقط خوبصورتی کو بتا دیا۔ مگر اس کا جواب نہ دے سکیں گے کہ بُری صورت مین بھی تو اُسی کا جلوہ نظر آرہا ہے۔ رند مشرب حقیقت طرازی کے پُر خطر مسلک سے بھاگا دل مین کہا ان سب کو بکنے دو اور اپنا تقاضاے نفس پورا کر کے خاموش ہو گیا۔ فلسفی نے دنیا مین نوع انسان کو کثرت سے بڑھا دیا۔ مگر یہ کوئی نہ بتا سکا کہ عالم مین یہ تماشا کیون ہو رہا ہے؟ اور باوجودیکہ ایک ایک کا دشمن ہے اور ہر فرد دوسرے کو کھائے جاتا ہے۔ مگر دشمن کی اسی نبرد گاہ عام ہی مین حسن و عشق کا قصہ بھی چھڑا ہوا ہے۔ اور جسے دیکھیے کسی محبوب رعنا کے شوق مین سرگردان و بیقرار نظر آتا ہے۔

بہرحال تم فلسفی کو بکنے دو۔ سبب و علت نہ پوچھو۔ اور ان فکرون سے آزاد ہو کر اس صورت زیبا کو جی بھر کے دیکھ لو جسے نظر شوق دیکھنا چاہتی ہی۔ خدا جانے اس کے بعد پھر زیارت کی فرصت ملے گی یا نہین۔

افریقہ کے بیڑے کی تباہی

معز کے دل پر بڑا اثر پڑا۔ فوراً ایک بڑا بھاری بیڑا تیار کروایا۔ اور اُس پر سامان جنگ لادے اور بہادر سپہگرون کو سوار کرا کے موسم سرما مین قصرہ کی طرف روانہ کیا۔ مگر خدا ہی کو منظور نہ تھا کہ بدنصیب و بد اطوار مسلمانان صقلیہ کی فریاد رسی ہو۔ ایک شدید طوفان مین پڑ کے یہ سارا بیڑا تباہ ہو گیا۔ سب جہاز ڈوب گئے۔ اور فوج مین سے معدود چند لوگون کے سوا جتنے گئے تھے سب غرق ہو کے لقمۂ نہنگ اجل ہوئے اس بیڑے کی تباہی کا یہ اثر ہوا کہ خود افریقہ مین المعز کی حالت نازک ہو گئی یہان تک کہ عرب زناتہ جو ہمیشہ اُس کی فوجون سے بھاگا کرتے تھے یک بیک چیرہ دست ہو گئے۔ اور بعض شہرون کو حملہ کر کے اُس کے قبضے سے چھین لیا۔ اور المعز بغیر اُس کے کہ اُس کا کچھ تدارک کر پائے ۴۵۳ھ مین مر گیا۔

تمیم حاکم افریقیہ اور اس کے بیٹے علی و ایوب صقلیہ مین

اب اُس کا بیٹا تمیم مسند نشین ہوا۔ عنان حکومت ہاتھ مین لے کے اُس نے ایک اور بڑا بھاری بیڑا بنوایا اور اُس مین زبردست لشکر کو سوار کرا کے جزیرۂ صقلیہ کی طرف روانہ کیا۔ اور اپنے دو بیٹون علی اور ایوب کو بھی اُس لشکر کے ساتھ بھیجا۔ یہ بیڑا خیریت سے پہونچ گیا۔ چنانچہ ایوب کچھ لشکر کے ساتھ شہر مدینہ مین اُترا۔ اور علی نے شہر جرجنت پر قدم رکھا۔ اور دو چار روز کے بعد ایوب بھی سارے لشکر کو لے کے اپنے بھائی علی کے پاس آ گیا۔

ابن حواس نے علی کو اپنے قصر مین اُتارا۔ اور بہت سے ہدیے اور تحفے پیشکش کیے۔ ایوب جب چند روز یہان رہا تو اُس کے اخلاق اور اچھے برتاؤ کی وجہ سے عام اہل شہر اُس کے گرویدہ ہو گئے۔ جس پر ابن حواس کو حسد معلوم ہوا۔ اور اسی حسد کے جوش مین اُس نے اہل شہر کو لکھ بھیجا کہ

ایوب کو اپنے یہان سے نکال دو۔ مگر اہل صقلیہ اُس کے اس قدر گردیدہ ہو رہے تھے کہ اپنے حاکم ابن حواس کے حکم کا بھی کچھ خیال نہ کیا۔ یہ رنگ دیکھا تو وہ اپنا لشکر جمع کر کے چڑھ آیا۔ الغرض اہل جرجنت نے ایوب کی رفاقت چھوڑ دی۔ مگر لڑائی چھڑ ہی گئی۔ اور عین اُس وقت جبکہ معرکہ کارزار گرم تھا ابن حواس پہ ایک ایسا کاری تیر پڑا کہ گھوڑے سے گرا اور اُسی وقت ٹھنڈا ہو گیا۔

اُن کی واپسی افریقہ

اب تمام اہل شہر اور ساری فوج نے ایوب ہی کو اپنا فرمانروا و حاکم بنا لیا۔ مگر چند ہی روز میں تمیم یعنی ایوب و علی کے باپ کے فرستادہ ہوئے افریقہ کے غلامون اور شہر جرجنت والون کے درمیان کچھ جھگڑے پیدا ہو اور اُس سے جو آتش فساد بھڑکی وہ سارے جزیرے میں پھیل گئی۔ یہ رنگ دیکھ کے ایوب اور علی دونون بھائیون نے جو اہل صقلیہ کی مدد کو آئے تھے اپنے لشکر کو جمع کر کے جہازون پہ سوار کرایا اور لنگر اُٹھا کے ۴۶۱ھ میں افریقہ واپس گئے۔ اُن کے ساتھ بہت سے معززین صقلیہ اور سرداران افواج بحری نے بھی وطن کو خیرباد کہہ کے افریقہ کی راہ لی۔

فرنگی فرمانروا رجار کا زور اور اسلامی قوت کا خاتمہ

اب صقلیہ سے قریب قریب تمام سربرآوردہ اور کارآزمودہ بہادران اسلام نکل گئے۔ اور کوئی ایسا باقی نہ رہا جو فرنگیون کو اُن کی دست برد سے روک سکے۔ چنانچہ چند ہی روز میں وہ سارے جزیرے پر چھا گئے۔ تمام شہرون پر اُن کا قبضہ ہو گیا۔ فقط بلاد قصریانہ اور جرجنت باقی تھے۔ جن کا آکے فرنگیون نے محاصرہ کر لیا۔ اور مسلمانون کو یہان تک تنگ کیا کہ اگرچہ اُن کے پاس کھانے کو کچھ نہین باقی رہا تھا مگر انجام کے خطرون کے خیال سے ہتھیار نہ رکھتے تھے۔ مردار

کہاتے تھے اور ہر قسم کی مصیبت و ذلت برداشت کرتے تھے مگر مقابلہ کیے جاتے تھے - آخر مجبوری و تکلیف اس درجے سے بھی بڑھی - اور بالکل عاجز آ کے اہلِ ترجنہ نے ہتھیار رکھ دیے - اور شہر و قلعہ فرنگیون کے حوالے کیا - مگر اہلِ قصرِ نوٹو ان سے ہاتھ دھو کے اور تین سال تک مقابلہ کیا - یہان تک کہ ۴۸۳ھ مین اُن کی آزادی اور صقلیہ کی آخری اسلامی ریاست کا بھی خاتمہ ہو گیا -

مسلمانون کے ساتھ رجار کا سلوک

اس طریقے سے جب رجار سارے جزیرے پر قابض ہو گیا تو اُس نے دونون فرنگیون کو لا کے مسلمانون کے ساتھ بسایا - اور چند ہی روز کے اندر مسلمانون کی یہ حالت کر دی کہ اب نہ اُن کے قبضے مین کوئی حمام تھا نہ آٹا پیسنے کی چکی تھی - اور نہ کسی مسلمان کی کوئی دکان تھی - یہان تک کہ ۴۹۰ھ سے پیشتر رجار مر گیا -

دوسرا رجار مسلمانون کا قدردان تھا

اب اُس کا بیٹا دوسرا رجار وارث مسند حکومت ہوا - اس دوسرے رجار کو مسلمانون سے اُنس تھا - اور اُس زمانے کی فرنگی وحشت و بہیمیت کے مقابل عربی تمدن کو وہ پسند کرتا تھا - چنانچہ اُس نے سلاطین اسلام کی روش اختیار کی - اسلامی ممالک کی طرح خدمتین قائم کین - حاجب اور وزرا مقرر کیے - فوجین مرتب کین - دیگر محکمہ جات کی بنیاد ڈالی - اور فرنگیون کے طور و طریق کو ترک کر دیا - اس لیے کہ اُن لوگون مین اُس وقت تک اس تہذیب اور ان تمدنی صلاحون کا پتہ نہ تھا - چنانچہ اس مسیحی فرمان روائے صقلیہ نے خاص اپنا دربار عدالت قائم کیا - جس مین فریادی آ کے انصاف چاہتے اور وہ مظلومون کی دادرسی کر کے ظالمون کو سزائین دیتا - اور سزا دینے مین چاہے اُس کا بیٹا ہی کیون نہ ہو کسی کی جنبہ داری نہ کرتا - ماسوا اس کے اُس نے مسلمانون کی قدر افزائی کی - اور فرنگیون کو ان پر دست ستم دراز کرنے سے روکا - جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اس کے خیرخواہ اور جان نثار خادم ہو گئے -

گرد کے تمام جزائر پر اُس کا قبضہ

اس کے بعد اُس نے ایک بڑا زبردست بیڑا تیار کرایا۔ اور اُن تمام جزیرون پر قبضہ کرلیا جو مہدیہ یعنی دارالسلطنت افریقہ اور صقلیہ کے درمیان مین واقع تھے۔ مالطہ تو پہلے ہی اُس کے پاس تھا اب جزائر قوصرہ جربہ اور قرقنہ بھی اُس کے تصرف مین آگئے۔ اور آخر کار اُس کی قوت یہان تک بڑھی کہ اب فرنگی افریقہ کے ساحلی شہرون پر بھی حملے کرنے لگا۔

اس تاریخ کا عبرتناک خاتمہ

یہ تھی جزیرۂ صقلیہ کی مختصر تاریخ۔ جس مین عربی سطوت قائم ہوئی۔ بڑھی۔ جنوبی اطالیہ تک پھیلی۔ اور آخر باہمی نفاق خودسریون اور بدنظمیون سے گھٹنا شروع ہوئی۔ یہان تک کہ گھٹتے گھٹتے بالکل فنا ہوگئی۔ مسلمانون نے صقلیہ مین ہزارون مسجدین بنائی تھین سیکڑون حمام قائم کیے تھے صدہا قلعے بنائے تھے اور خدا جانے کتنے ایک بڑے بڑے عالیشان قصر و ایوان تعمیر کیے تھے۔ مگر جب اُن کی نالائقی کی سزا مین خدا نے اپنا یہ عہد پورا کیا کہ "جو لوگ اپنی حالت کو بدلتے ہین ہم بھی اُن کی حالت بدل دیتے ہین" اور اُن کے عروج و اقبال کا کہین پتہ نہ تھا۔ اور اُس دور کی عظمت کا نام و نشان بھی نہ باقی تھا۔ جس کے دنو نون رخون کی تصویرین یہ ہین کہ ابن جبیر اندلسی نے اپنے سفر مین تو یہ حالت پائی تھی کہ سارے جزیرے مین کوئی جگہ مسجدون سے خالی نہ نظر آتی تھی یا اب یہ حالت ہے کہ نہ وہان کسی مسجد کا پتہ ہے نہ مسلمانون کے آنے رہنے اور حکومت کرنے کی کوئی یادگار کہین نظر آسکتی ہے۔

قدیم سیاحان ہندوستان

اُن کی شادیون مین گانا بجانا اور دعوتین ہوتی ہین اور بانسری بجائی جاتی ہے۔ ارغنون کے سوا اور سب باجے اُن کے یہان بھی رائج ہین اُن کا گانا اور بجانا ہمارے یہان کی طرح ہے۔ رات اور دن دونون وقت نہایت فیاضی کے ساتھ دعوت کی جاتی ہے اور دونون وقت، گانا بجانا ہوتا ہے۔ بعض ہمارے یہان کی طرح حلقہ باندھ کے ناچتے ہین۔ بعض ایک صف مین کھڑے ہوکے اور ایک کے بعد ایک اس مین وہ رنگین ڈنڈے سے آپس مین لڑ جاتے ہین کیونکہ جیسے ہی ایک دوسرے کا سامنا ہوتا ہے ! جھٹ ڈنڈے بدل لیتے ہین۔ یہ ناچ نہایت خوشنا اور عمدہ ہوتا ہے۔

شمالی ہندوستان کے امرا کے سوا گرم حمام کوئی نہین استعمال کرتا عام لوگ دن مین کئی مرتبہ ٹھنڈے پانی سے نہاتے ہین۔ یہان تیل نہین پیدا ہوتا۔ اور ہمارے ملک کے سیب ناشپاتی۔ اور شفتالو بھی نہین ہوتے۔ انگور جیسا کہ مین پہلے بیان کرچکا ہون فقط ایک مقام پر اور بہت کم مقدار مین پیدا ہوتا ہے۔ ہندوستان مین ایک درخت تین بالشت بلند ہوتا ہے۔ جس مین کوئی پھل نہین ہوتا۔ اگر کوئی شخص اُس کے قریب آتا ہے تو وہ سمٹ جاتا ہے اور اپنی شاخین بھی سمیٹ لیتا ہے۔ جب وہ شخص چلا جاتا ہے تو وہ پھر پھیل جاتا ہے۔ اس درخت کا نام "لاج ونتی" ہے۔

بیجانگر سے پندرہ دن کی مسافت پر شمال کی جانب ایک پہاڑ ہے جو البنجارہ کہلاتا ہے۔ اُس کے گرد پانی کے چشمے ہین۔ جس مین بے شمار زہریلے جانور ہین۔ اور پہاڑ کے اوپر بھی ہر جگہ سانپ رہتے ہین۔ اس مین ہیرے اور جواہرات پیدا ہوتے ہین۔ انسان کی عقل کوئی ایسا طریقہ نہین معلوم کرسکی ہے کہ اُس پہاڑ پر جانے کی کوئی ترکیب نکالی جاسکے۔ لیکن ہیرے اور جواہرات حاصل کرنے کا ایک طریقہ اُنھین معلوم ہوگیا ہے۔ اس پہاڑ کے قریب ہی ایک دوسرا پہاڑ ہے جو اُس سے کسی قدر زیادہ بلند ہے سال کے

ایک خاص زمانے مین لوگ اِس بڑے پہاڑ پر بیل لے کے آتے ہین: بان اُنھین ذبح کر کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے جن مین خون بھرا ہوتا ہے ایک خاص کل کے ذریعے سے جو اُنھون نے اس مقصد کے لیے بنائی ہے دوسرے پہاڑ کی چوٹی پر پھینک دیتے ہین۔ ہیرے اور جواہرات گوشت کے ٹکڑون مین لپٹ جاتے ہین۔ گدھ اور عقاب [illegible] گوشت کو اُٹھا لاتے ہین کیونکہ سانپون کے ڈر سے [illegible] بیٹھ کے نہین کھا سکتے، [illegible] ایسی جگہ [illegible] جو محفوظ ہو۔ لوگ اُن کے پیچھے پیچھے جاتے ہین اور [illegible] جواہرات چُن لیتے ہین دوسری قسم کے [illegible] سانپ [illegible] ہین۔ پہاڑون [illegible] لوگ [illegible] جاتے [illegible] ہین [illegible] اور [illegible] اُن [illegible] نکالے [illegible] ہین [illegible] اور [illegible] قیمتی پتھر [illegible] نہایت سخت نگرانی کی جاتی ہے [illegible] معتبر لوگ اُن کی نگرانی کے لیے مقرر کیے جاتے ہین [illegible] کپڑے اور جسم کو جاتے وقت دیکھ لیا کرتے ہین۔

[illegible] ہر مہینے کا نام پتھرون سے [illegible] کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر لوگ [illegible] ہین کیونکہ اس کے وقت مین ساری دنیا [illegible] مین تھا لیکن [illegible] کو وہ سالہا رہتا ہے ہین بعض ممالک [illegible] سنگ شب چراغ استعمال کرتے ہین بعض ممالک مین سکہ کی جگہ لوہے کے ٹکڑے استعمال کیے جاتے ہین۔ [illegible] سوئی کی شکل کے بنائے جاتے ہین بعض ممالک مین ایک موٹے کاغذ کا [illegible] ہے جس پر بادشاہ کا نام [illegible] ہے۔ ہندوستان کے بعض حصون مین [illegible] کے ذریعہ [illegible] ہین۔ بعض ممالک مین سونے کے سکے

ہیں جن کا وزن ہمارے فلارن کا دونا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں سونے و پیتل کے سکے بھی ہیں۔ بعض مقامات پر سونے کے ٹکڑے جن پر چھپہ کام بنا ہوا ہو اور کاٹ کے ایک ہی وزن کے کر دیے جاتے ہیں سکے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے لوگ [illegible] بچھوا اور دستانے گول ڈھالیں اور تیر و کمان استعمال کرتے ہیں بعض ان میں کے لوگ خود و زرہ بھی استعمال کرتے ہیں دستانہ ہندوستان کے لوگ وہ تمام اسلحے استعمال کرتے ہیں جو ہمارے یہاں شہر کے محاصرہ کرنے [illegible] حملہ کرنے کے لیے رائج ہیں۔ وہ ہمیں فرینگ (فرنگی) کہتے ہیں [illegible] بیان ہے کہ ہم دو آنکھیں رکھتے ہیں فرنگی ایک آنکھ اور دنیا کی باقی [illegible] میں نہ عقل و دانائی ہے وہ اپنے آپ کو سب سے بڑھا ہوا [illegible] ہیں۔

فقط کھمبات کے لوگ کاغذ کا استعمال جانتے ہیں باقی سب لوگ درختوں کے پتوں پر لکھتے ہیں اور [illegible] ہیں بائیں سے لیکن ہمارے یا یہودیوں کی طرح بائیں [illegible] نہیں لکھتے بلکہ اُن کی سطریں صفحہ کے اوپر سے نیچے کو آتی ہیں۔ ہندوستان کے لوگوں کی بہت سی زبانیں ہیں۔ اُن کے یہاں غلام [illegible] زندہ ہی اور مقروض کو جو روپیہ نہ ادا کر سکے [illegible] قرض خواہ کی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔

فوجداری مقدمات میں جہاں کوئی شہادت نہ ہو ملزم سے قسم لی جاتی ہی اور اُس کے تین طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ شخص جس سے قسم لی جاتی ہی اپنے دیوتا یعنی بت کے سامنے کھڑا ہو کے اُس بت کی قسم کھاتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں اس قسم کے بعد وہ اپنی زبان ایک گرم سرخ لوہے کے ٹکڑے پر لگاتا ہی۔ اور اگر اُسے کسی قسم کا صدمہ نہ پہونچے تو وہ بے گناہ قرار دیا جاتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اُسی طرح قسم کھانے کے بعد اُس گرم و سرخ لوہے کو وہ شخص چند قدم لے کے چلتا ہے اگر اس کا جسم کسی مقام پر جل گیا تو اُسے اس جرم کی سزا دی جاتی ہے۔ اگر کسی قسم کا صدمہ نہ پہونچا تو رہا کر دیا جاتا ہے۔ قسم کھانے کا ایک تیسرا طریقہ ہے اور یہی عام

طور پر رائج ہی۔ بُت کے سامنے ایک برتن مین اُبلتا ہوا گھی رکھا جاتا ہے جو شخص یہ کہتا ہے کہ مین بے گناہ ہون اپنی دو انگلیان اُس اُبلتے ہوے گھی مین ڈالتا ہے اور نکالتے ہی فوراً ان پر کپڑا لپیٹ کے مُہر کر دیجاتی ہے تاکہ اُس بندش کو بدل نہ سکے تیسرے دن وہ پٹی کھولی جاتی ہے اگر انگلیون مین کسی قسم کا صدمہ پایا گیا تو اس ملزم کو سزا دیجاتی ہے اگر صحیح و سالم ہو تو مین تو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

وبائی امراض ہندوستان کے لوگون کو نہین معلوم اور نہ وہان اس قسم کی بیماریان پیدا ہوتی ہین جو ہمارے ممالک مین ساری آبادیون کا خاتمہ کر دیا کرتی ہین۔ اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان قومون کی آبادی اتنی زیادہ ہی کہ یقین نہین آسکتا۔ اُن کی فوجون مین دس لاکھ سے زیادہ سپاہی ہوتے ہین۔ ایک لڑائی کے بعد فاتح بارہ گاڑیون مین وہ ریشمی اور سُنہرے ڈورے لاد کے لائے تھے جو مقتولین کے سر کے بالون سے کھولے گئے تھے۔ بعض اوقات مین خود میدان جنگ مین موجود تھا۔ لیکن مین نے کسی طرف حصہ نہین لیا۔ اور دونون جانب کے لوگون نے یہ دیکھ کے کہ مین اجنبی ہون چھوڑ دیا۔

جزیرہ جاوہ مین ایک درخت پیدا ہوتا ہے لیکن وہ شاذونادر کسی کو ملتا ہے۔ اُس کے تنے کے بیچ مین ایک لوہے کی سیخ ہوتی ہی جو بہت پتلی اور درخت کے تنے کے برابر لمبی ہوتی ہے۔ اگر کسی شخص کو اُس سیخ کا ایک ٹکڑا مل جائے۔ اور وہ اسے اپنے جسم مین گوشت سے لگا کے رکھے تو وہ لوہے کے ضرر سے بالکل محفوظ ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر لوگ اپنی کھال مین شگاف دے کے اُس لوہے کا ایک ٹکڑا اپنے جسم کے اندر رکھ لیتے ہین۔

وسط ہندوستان کی سرحد پر ایک عجیب غریب چڑیا ہی جو سمندر کہلاتی ہی۔ اُس کی چونچ مین بہت سے مختلف سوراخ ہوتے ہین۔ جب اُس کی موت قریب آتی ہے وہ سوکھے تنکے اپنے گھوسلے مین جمع کرتی ہے۔

اُس کی چونچ کے ہر سوراخ سے مختلف راگ پیدا ہوتے ہیں۔ یہان تک کہ وہ خود ہی وجد مین آکے اپنے بازو جھاڑنے لگتی ہے اُس سے لکڑیون مین آگ لگ جاتی ہے۔ اور وہ چڑیا اُسی مین جل کے مرجاتی ہے۔ اُس کے تھوڑی دیر بعد اُس کی راکھ مین ایک کیڑا پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی کیڑا بڑھ کے اُس چڑیا کی شکل مین ہوجاتا ہے۔ وہان کے لوگون نے اُس چڑیا کی چونچ کی نقل مین بانسری بنائی ہے جس کی آواز بھی بہت اچھی ہوتی ہے۔ ایک دفعہ لوگون کے سامنے مین نے بانسری بجے لی تعریف کی تھی تو اُنھون نے بیان کیا کہ اس کا آغاز اسی طریقے سے ہوا ہے۔

ہندوستان کے آگے جزیرہ سیلون (لنکا) مین ایک ندی ہے جو آبرونانی کہلاتی ہے۔ اُس مین مچھلیان اس کثرت سے ہین کہ لوگ اُنھیں ہاتھ سے پکڑ سکتے ہین۔ لیکن اگر کوئی شخص اس مچھلی کو تھوڑی دیر اپنے ہاتھ مین لیے رہے تو اُسے بخار آجاتا ہے۔ اور جیسے ہی وہ مچھلی کو چھوڑ دے پھر صحیح وسالم ہوجاتا ہے۔ وہان کے لوگ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہین کہ وہ مچھلیان دیوتاؤن سے تعلق رکھتی ہین۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہ ایک قدرتی بات ہے اگر ہمارے یہان بھی کوئی شخص تارپیڈو مچھلی کو اپنے ہاتھ مین پکڑے تو اس کا ہاتھ فوراً سُن ہوجاتا ہے اور ایک خاص قسم کا درد محسوس ہوتا ہے۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

اسی اثنا مین جہیز کا سامان نکالا جاتا ہے۔ اُس کی فرد لاکے دولھا والون کے سامنے پیش کردی جاتی ہے جس مین وہ تمام زیور۔ جوڑے۔ ظروف۔ پلنگ۔ اور چوکی اور جو کچھ جہیز مین دیجا مین درج ہوتی ہین۔ تمام جہیز دن کا فہرست سے مقابلہ کرلیا جاتا ہے اور اب دولھن رخصت ہونے کے لیے بالکل تیار ہوتی ہے۔ اُس کا لباس کوئی بھاری کامدار جوڑا نہین ہوتا ہے۔ بلکہ ایک شوہے یعنی ٹول پر کی تنزیب کا کرتا اور سادہ ریشمی کرتا پائجامہ پہنے ہوتی ہے۔ اور اُن مین بھی سادگی کا اس قدر لحاظ رہتا ہے کہ گوٹ تک نہین لگائی جاتی۔ اور

اور ناڑے کا ازار بند پڑا ہوتا ہے۔

اُس کے سنگار اور کپڑے پہنانے کے وقت ڈومنیاں " بابل یعنی میکا چھوٹنے کا راگ گاتی رہتی جو نہایت ہی پُر حسرت اور جگر گداز ہوتا ہے۔ ایک عجیب رنج والم کا سمان بندھ جاتا ہے۔ ہر شخص ملول وحزین ہوتا ہے۔ اور تمام حاضرین کی آنکھوں سے بیل اشک جاری ہوتا ہے۔ جب تمام اعزا ملنے والے اور خاندان کے دوست احباب مِل مِل کے اور سوز وگداز کے الفاظ کے ساتھ لڑکی کو رخصت کر چکتے ہیں۔ وہ خود زار وقطار روتی ہوتی ہے۔ اور فینس ڈیوڑھی مین لگادی جاتی ہے اُس وقت دولھا پھر اندر بلایا جاتا ہے کہ آ کے اپنی دولھن کو لے جائے۔ وہ آتا اور دولھن کو اپنی گود مین اٹھا کے فینس مین بٹھا دیتا ہے

رخصت سے پہلے زنانے مین دولھا کو سلام کرائی جاتی ہے اور تمام اعزا واقارب دوست احباب بقدر حیثیت دیتے ہیں۔ اسی وقت باہر شربت پلائی ہوتی ہے۔ جس مین شربت کا کٹورا اور گلاس فقط رسم کے طور پر لایا جاتا ہے پیتا کوئی نہین مگر تمام حاضرین محفل شربت کی تھالی مین حسب حیثیت و توفیق روپیہ ڈالتے ہین۔ اور اس طرح اندر باہر جو کچھ روپیہ سلام کرائی اور شربت پلائی مین جمع ہوتا ہے دولھا کو دے دیا جاتا ہے۔

اب برات اُسی دُھوم دھام اور اُسی شان وشوکت سے دولھا کے گھر کی طرف واپس روانہ ہوتی ہے۔ واپسی کے اس جلوس مین جو اضافہ ہوتا ہے اُس مین سب سے پہلے تو دولھن کی فینس ہر جو دولھا کے گھوڑے کے آگے رہتی ہے۔ اور نہایت ہی ممتاز ہوتی ہے پر تکلف جھمکا پڑا ہوتا ہے دونون جانب کہاریان جھمکے کو پکڑے ہوئے ساتھ رہتی ہین۔ اور گرد دولھا کے ملازمون یا مخصوص لوگون کا ہجوم رہتا ہے اور دولھا کے بعد پھر اور سب ساتھ والی عورتون کی فینسین رہتی ہین۔

[illegible] سے زیادہ نمایان چیز اس جلوس مین جہیز کا سامان ہوتا ہے
[illegible] جلوس اور باجے والون کے پیچھے اور دولھن کی فینس
[illegible] آگے اس [illegible] ہوتا ہے کہ تانبے کا ایک ایک برتن ایک ایک چنگیر مین
[illegible] مزدور کے ہاتھ مین ہوتا ہے - چینی اور شیشے کے
[illegible] کشتیون [illegible] ہوتے ہین - اُن کے بعد صندوق وغیرہ ہوتے ہین
[illegible] دلھن [illegible] ہوتے ہین - اُن کے بعد پلنگ ہوتا ہے جس مین
[illegible] سب سامان تیار موجود ہوتا ہے اور بچھونا
[illegible] ڈولیون [illegible] ڈولیون کے دونون سرون
[illegible] گجرے گچھے لٹکتے ہوتے ہین لڑکی کو معاشرت کا تمام سامان
[illegible] ضروری چیزین تیل عطر اور اگر
[illegible] عطردان خاصدان - لوٹا - کٹورا - اور بعض اور
[illegible] سب سامان باجون اور برات کے جلوس اور دولھا
[illegible] اور سب کے پیچھے ڈولیون پر کھانے کی دیگین
[illegible] کھانا کہلاتا ہے جسے عموماً لڑکے والے دولھا کو
[illegible] ہین -

[illegible] جب برات دولھا کے گھر پہونچتی ہے تو خوشی کے
[illegible] سے پہونچ کے [illegible] گانا شروع کرتی ہین
[illegible] شادی کے لیتی ہین اور اس مبارک سلامت کے زور و شور مین
دولھن اتاری جاتی ہے - بعض خاندانون مین یہان بھی اُسے دولھا ہی گود
[illegible] اور بعض گھرانون مین دولھا کی مان جنین آکے اُتارتی
[illegible] اُسے جا کے [illegible] ہی دولھا - اُس کے دامن پہ نماز شکرانہ
پڑھائی جاتی ہے - دولھن [illegible] پاؤن دھلا کے پانی مکان کے چارون کونون
مین ڈال دیا جاتا ہے - [illegible] رونمائی ہوتی ہے جس مین تمام عورتین اور محرم
[illegible] زیور دیتے ہین - اور منھ کھول کھول کے
اُس کی صورت [illegible] -

اس نئے گھر مین یہ پہلی رات دولھن کے لیے نہایت سخت پابندیون اور شرمیلے پن سے بسر کرنے کی رات ہوتی ہے۔ نہ وہ کسی سے بول سکتی ہے نہ باتین کر سکتی ہے۔ نہ کسی کو آنکھ بھر کے دیکھ سکتی ہے سوا میکے کی ساتھ والیون کے اور کسی سے کچھ نہین کہہ سکتی۔ اور اسی مصیبت سے بچانے کے لیے صبح ہوتے ہی اُس کا بھائی یا کوئی اور رشتہ دار چوتھی لینے کو آ پہونچتا ہے۔ اور جہانتک ممکن ہے سویرے ہی سوار کرا لیجاتا ہے۔ اس مرتبہ بھی دولھن اگرچہ اُسی پالکی یا تامدان سے جاتی ہے مگر جلوس اور باجے کی ضرورت نہین۔ دولھا بھی دولھن کے ساتھ جاتا ہے اور اُس کے ساتھ سات طرح کی ترکاریان اور سات قسم کی مٹھائیان جاتی ہین۔

دن گزر کے اُسی رات کو دولھن کے گھر مین چوتھی کھیلی جاتی ہے۔ دولھن کو وہ بری کا جوڑا اُتار کے چڑھاوے کا جوڑا پہنایا جاتا ہے جو سب جوڑون سے زیادہ بھاری کامدار اور نہایت ہی پُر تکلف ہوتا ہے۔ یہ جوڑا پہنا کے اُس کا خوب بناؤ چناؤ کیا جاتا ہے۔ دولھا کی طرف سے اُس کی بہنین اور رشتہ دار عورتین بھی آجاتی ہین۔ اور اس مجمع مین دولھا دولھن مٹھائیون اور دولھا کی ساتھ والیان اور دولھن والیان ترکاریون اور پھولون کی چھڑیون سے باہم لڑتی ہین۔ یعنی مٹھائی اور ترکاریان ایک دوسرے کے کھینچ کھینچ کے مارتی۔ اور چھڑیون کے ہاتھ رسید کرتی ہین۔ کبھی دل لگی مین لڑائی تیز بھی ہو جاتی ہے۔ اور بعض عورتین خفیف سی چوٹ بھی کھا جاتی ہین۔

چوتھی کے دو چار روز بعد پھر دولھن دولھا کے گھر مین آتی ہے۔ اور اُس کے بعد علی العموم چار چالے ہوا کرتے ہین۔ چالے کا لفظ چال اور چلنے سے نکلا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دولھن اپنی سسرال سے بُلائی جاتی ہے۔ مگر یہ بُلانا خود اُس کے میکے مین نہین بلکہ میکے والون مین ہوتا ہے۔ یعنی اُس کی خالائین پھوپھیان ممانیان ہمت کرکے باتکلف

سے اپنے یہان بلاتی ہین۔ جہان وہ مع دولھا کے جاتی ہے۔ اور اُس نئے جوڑے کے رکھ رکھاؤ کے لیے خاص اہتمام اور انتظام کیا جاتا ہے فقط ایک رات دولھا دولھن مہمان رہتے ہین۔ اور رخصت کرتے وقت اُنھین جوڑا سلام کرائی اور زیور وغیرہ بقدر ہمت و استطاعت دیے جاتے ہین۔

یہ تھی لکھنؤ والون کی شادی جس کی بہت سی رسمون کو چھوڑ کر اُس کا ایک اجمالی خاکہ ناظرین دلگداز کو دکھا دیا گیا۔ دیہات والون کی شادی کا طریقہ بجز عقد نکاح کے اور تمام باتون مین بدلا ہوا ہے۔ وہان بھی مانجھا ہوتا ہے۔ مگر دولھا کے لیے مانجھے کا زرد جوڑا اُس کی بہنین یا اور عزیز عورتین لاتی ہین۔ دولھن کے گھر سے دھوم دھام اور جلوس اور باجے کے ساتھ مانجھا نہین آتا۔ نہ دولھا کے یہان سے سانچق آتی ہے اور نہ دولھن کے گھر سے مہندی جاتی ہے۔ بلکہ سانچق اور مہندی کا مقصد برات ہی کے دن ایک اور طریقے سے پورا ہو جاتا ہے وہ یہ کہ برات جب دولھن کے دروازے پہ پہنچتی ہے تو اُس کے مکان سے ذرا فاصلے پر ٹھہر جاتی ہے۔ وہان سے بجائے سانچق کے بری کے نام سے دولھن کا جوڑا اور اُس کے ساتھ اور بہت سے جوڑے اور سوہاگ کی چیزین جو ضروری سمجھی جاتی ہین کچھ شکر کچھ کھیلین خوانون پر لگا کے باجے کے ساتھ دولھن کے دروازے پر بھیجی جاتی ہین۔ دولھا کے اعزا و احباب ساتھ جاتے ہین جو اُن سب چیزون کو دولھن والون کو علانیہ دکھاتے اور اُن کے سپرد کر کے شربت پینے کے بعد واپس آتے ہین۔

اُس کے تھوڑی دیر بعد اسی طریقے سے دولھن کی طرف سے بری آتی ہے۔ جس مین دولھا کا جوڑا ہوتا ہے۔ یہ بری دیہاتون مین مہندی کی قائم مقام ہے۔ اس کے بعد وہ جوڑا پہن کے جس مین جامہ نیمہ پگڑی مقنع سہرا پھولون کی بدھیان اور جوتا وغیرہ ہوتا ہے روانہ ہوتا ہے۔ اب برات دولھن کے دروازے پر جاتی اور اُس مقام مین ٹھہرتی ہے جو محفل نکاح کے لیے منتخب کیا گیا ہو۔ یہان رات بھر نغمہ و سرود اور ناچ گانے کی محفل گرم رہتی ہے بجز اُس وقت کے جب قاضی صاحب آ کے نکاح پڑھائین۔ نکاح کا وہی طریقہ ہے

جو شہر والون مین بیان کیا گیا - عقد کے بعد لڑکی والے برات کو کھانا دیتے ہین شہر مین بجبر تھوڑے سے کھانے کے برات کو کھانا دینا لازمی نہین ہے بلکہ دولھا خود کھلا پلا کے سے جاتا ہے - مگر دیہات مین لڑکی والون کا اہم ترین فرض برات کو کھلانا ہے جس مین ذرا بھی کمی رہ جائے تو اُن کے خیال مین برادری مین ناک کٹ جاتی ہے -

یہ کھانا پورا تورا ہوتا ہے جس مین پلاؤ - زردہ - قورمہ - خمیری روٹیان شیرمال - لازم ہین - اور ہر ادنی و اعلیٰ کو بلا استثنا و امتیاز پورا تورا دیا جاتا ہے کھانا لیتے وقت لڑکے والے نہایت بے حمیتی اور بے شرمی سے چھوٹی چھوٹی کے لیے کھانا مانگتے ہین - گھوڑون اور بیلون کے لیے دانہ چارہ ضرورت سے بہت زیادہ طلب کرتے ہین اور لڑکی والون پر فرض ہے کہ زبان سے نہین نہ نکلے - کسی چیز کے دینے سے انکار کیا اور آبرو خاک مین مل گئی - اور سب کیا دھرا برباد ہو گیا -

اس کے بعد رخصتی اور واپسی کا قریب قریب وہی طریقہ ہے جو شہر والون مین ہے - ہان ایک رواج یہ بھی ہے کہ دیہات مین برات کے ساتھ عورتین نہین جاتین - اور نہ دولھن کے ساتھ کوئی معزز خاتون آتی ہے دائی اور خادمہ کی حیثیت سے دو ایک ادنیٰ درجے کی عورتین البتہ چلی آتی ہین - ماسوا اس کے دیہات مین دولھن پر بھی بہت زیادہ سختیان ہوتی ہین اُس کا فرض ہے کہ چوتھی مین واپس آنے کی گھڑی تک سسرال مین جس طرح رکھ دی جائے رکھی رہے - نہ کھائے پیے نہ پیشاب پیخانے کو جائے - نہ سونے جائے - نہ چہرے پر سے ہاتھ ہٹائے - اور نہ آنکھین کھولے - اس لیے کہ یہ باتین بیحیائی و بے شرمی مین داخل ہین - اور اِس اندیشے سے کہ دولھن کو سسرال مین جا کے پیشاب یا پخانے کی ضرورت نہ پیش آئے دو دو دن پہلے سے اُس کا کھانا پانی بند کر دیا جاتا ہے - اور زیادہ مصیبت یہ ہے کہ دیہات کی دولھن اکثر دوسرے گاؤن مین بیاہ جاتی ہے - اور آمد و رفت مین دو دو تین تین منزلین طے کرنا ہوتی ہین - ظاہر ہے کہ ایسی حالت مین

دولھن بیچاری پر کیسی سخت مصیبتیں گزرتی ہوں گی۔

دیہات میں سانچق اور مہندی کے ترک ہو جانے اور براتوں کے کھلانے میں سختیاں ہونے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ زیادہ تر براتیں سفر کر کے ایک بستی سے دوسری بستی میں جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ ایک دن ایک جلوس یہاں سے جائے اور دوسرے دن دوسرا جلوس وہاں سے یہاں آئے۔ اور پھر تیسرے روز برات روانہ ہو۔ علی ہذا القیاس براتیوں کو گو کہ دولھا اکثر اپنے گھر سے کھلا کے لیجاتا ہے مگر لڑکی والوں کے گھر پہنچتے پہنچتے سارے براتی بھوکے بنگالی ہوتے ہیں۔ اور کنگلوں کی سی شان دکھانے لگتے ہیں۔

چند کتابوں پہ ریویو

سوانح مولوی شاہ سید قربان علی مرحوم۔ اس کے کئی نام ہیں "تذکرہ محبوب جہان سید قربان علی نور اللہ مرقدہ" "کشکول جہان فیض" اور "بیاض اتقیا" اور سب سے تاریخ ۱۳۱۵ھ نکلتی ہے۔ مولوی سید قربان علی الہ آباد کے ایک رئیس تھے جو باعتبار دنیا وکالت و مختاری سے ترقی کر کے جے پور کی رکنیت ریاست تک ترقی کر گئے۔ اور ملک کے عالی پایہ رؤسا میں شمار تھا۔ لیکن بلحاظ دین اُنھوں نے زہد و تقوی اور عبادت و ریاضت میں جو کمال روحانی و شرف معرفت روحانی حاصل فرمایا وہ اُن سے ایک دولتمند آدمی کے لیے بالکل نئی چیز تھا۔ وہ سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کے مرشد طریقت تھے اور بہت سے لوگ اُن کے مرید ہیں۔ اُنھیں کے پوتے مولوی سید انوار الرحمن صاحب نے اُن کی لائف لکھی ہے جس سے بخوبی نظر آسکتا ہے کہ اس رئیس اعظم اور ولی اکرم کا دین و دنیا دونوں عالموں میں کیا رتبہ تھا۔ یہ کتاب ۲۰×۲۶ تقطیع کے سفید کاغذ پہ عمدہ روشن اور صاف چھپی ہے اور ۲۰۰ صفحوں پہ تمام ہوئی ہے۔ جناب مصنف مدظلہ سے جے پور خط بھیج کے منگوائی جا سکتی ہے۔

فیض المدینہ فی حال السکینہ۔ یہ بھی مصنف ممدوح بالا کا چھوٹی تقطیع پہ ایک چالیس صفحوں کا رسالہ ہے جس میں اُنھوں نے اپنے اُن جذبات رحمت کا ذکر فرمایا ہے جو شرف حضوری مدینہ اور زیارت تربت حضرت خیر الانام کے وقت اُن کے دل میں پیدا ہوے۔ طریقہ مجددیہ کے سلوک کا بیان ہے۔ یہ ایک فارسی مثنوی ہے مثنوی مولانائے روم کی بحر میں ہے جس کی فارسی اور اس کا فلسفۂ روحانی دونوں قابل تعریف ہیں۔ یہ بھی جناب مصنف سے طلب کی جائے۔

رسالہ احیاء المیت فی فضائل اہل البیت۔ مؤلفۂ علامہ جلال الدین سیوطی کا ترجمہ علامہ
موصوف جلب روایات کے بادشاہ ہین۔ اگرچہ احادیث کی تنقید مین سب سے پیچھے ہین۔ اس رسالہ مین
اُنھون نے اہل بیت نبوت کی فضیلت مین ساٹھ حدیثین مختلف اہل تخریج کی کتابون سے چھانٹ کے جمع
کر دی ہین۔ اس رسالہ کا ترجمہ مشتاق بڑی بیگم صاحبہ دہلویہ متخلص بہ پروین حضرت شاہ مولوی قربان علی
کی زوجۂ محترمہ نے فصیح اور صاف اردو مین کیا ہے۔ کرمہ پروین صاحبہ کا نظم و نثر کلام شائع ہو چکا ہے
اور ہماری ناظرین اُن کے کمالات سے بخوبی واقف ہین۔ امید ہے کہ مسلمان اپنی قوم کی اس
فاضلہ محترمہ کے تصانیف کی قدر اور اُن کا احترام فرمائین گے۔ یہ رسالہ بھی مولوی انوار الرحمن صاحب
سے جے پور کے پتہ پر خط بھیج کے منگوایا جائے۔

سراج القواعد اور فوائد الصبیان۔ تعلیم فارسی کے لیے یہ فارسی نحو وصرف کے دو رسالے
ہین جو دو حصون پر منقسم ہین۔ چھوٹی تقطیع پر صاف اور واضح چھپے ہین۔ حکیم سید شاہ
محمد راحت حسین صاحب بہاری نے اُن کو تصنیف فرما کے شائع کرایا ہے۔ بچون کو فارسی زبان
سکھانے کے لیے ملک کی یہ بہت مختصر اور مفید خدمت ہے۔ جس سے فائدہ اُٹھانا چاہیے
قیمت دونون حصون کی ۲؍ ہے۔ اور حاجی کاظم علی صاحب سے " کلکتہ۔ محلہ مرزاپور بیٹھک خانہ
روڈ نمبر ۶۸ " کے پتہ پر خط بھیج کے منگوائی جا سکتی ہے۔

شفائی جنتری۔ جس کو ابوالشفا حکیم محمد شمس الحسن صاحب سہسوانی طبیب گیا نے
مرتب فرما کے بہت حسن وخوبی سے شائع فرمایا ہے۔ اس مین سنین وایام عیسوی۔ ہجری
محمدی۔ فصلی۔ الٰہی۔ بنگلہ اور پردشتہ مندرج ہین۔ اس مین بعض بہت قیمتی چیزین
بھی ہین۔ مثلاً ایک ایسے فرمان کا فوٹو ہے جس مین ہندو کے مندر کے نام ایک
مسلمان فرمان روا کے اوقاف وعطایا کا پتہ چلتا ہے۔ ایک فوٹو حکیم غنی الدین احمد خان
شفاء الملک مرحوم کا ہے۔ ایک فوٹو راجگیر کے منظر عام کا ہے۔ اور بہت سی
واقفیت اور دلچسپی کی باتین ہین۔ یہ جنتری ۲۰×۲۶ سائز کے ۸۰ صفحون پر ہے۔
جناب مشتہر سے منگوائی جائے۔

نابغہ ذبیانی

جاہلیت عرب کے شاعرون مین یہ نہایت ہی ممتاز اور دور اولین عرب کا مستند رئیس استاد سخن تھا۔ اور قبائل مضر بن عدنان یعنی حضرت اسمٰعیل کی نسل مین سے تھا جو بڑھتے بڑھتے سارے عرب پر چھا گئی تھی۔ اس کا اصلی نام زیاد بن معاویہ تھا کنیت ابو امامہ تھی اور لقب جس نے سب سے زیادہ شہرت پائی نابغہ۔ نابغہ عرب کا ہومر ہے اس لئے کہ اس سرزمین کا سب سے پہلا شاعر یہی ہے جس کے کلام پہ عرب کی شاعری کو ناز تھا۔

نیر اسلام کے طلوع کے بعد بھی اہل عرب مین اُس کی شاعری کی ویسی ہی عظمت و وقعت باقی رہی۔ چنانچہ خلیفۂ دوم امیر المومنین عمر فاروق نے ایک روز بنی غطفان کے چند تازہ وارد لوگون کے سامنے ایک شعر پڑھ کے سوال فرمایا کہ "یہ کس کا شعر ہے؟" اُنھون نے کہا "نابغہ کا" ارشاد فرمایا تو تمھارے شعرا مین سب سے بڑھا ہوا یہی ہے۔

اسی طرح ایک اور بار کا ذکر ہے کہ حضرت عمر نے حاضرین سے پوچھا "عرب کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟" اُنھون نے عرض کیا "امیر المومنین اس کو خود ہی جانتے ہون گے" تب آپ نے دو شعر پڑھ کے دریافت فرمایا "یہ کس کے شعر ہین؟" جواب دیا "نابغہ کے" اس کے بعد ایک اور شعر پڑھ کر پوچھا "یہ کس کا ہے؟" لوگون نے کہا "یہ بھی نابغہ کا ہی" اس کے بعد آپ نے اور تین شعر پڑھے اور اُن کی نسبت بھی وہی سوال کیا۔ اور جواب یہ تھا کہ "یہ بھی اُسی کے ہین" اب حضرت نے فرمایا تو پھر تمھاری قوم کا سب سے بڑا شاعر وہی ہے۔ اس واقعے مین دلچسپ اور قابل لحاظ یہ بات ہے کہ جناب فاروق اعظم نے

اِس موقع پر نابغہ کے جتنے شعر سنائے سب توحید اور درستی اخلاق کے بارے مین تھے۔ اور اُن مین انبیاے سلف کا بھی ذکر تھا۔

ایک دن کسی نے حضرت عبداللہ بن عباس کے سامنے اُٹھ کے آپ سے دریافت کیا "سب سے بڑا شاعر کون ہے؟" آپ نے ابوالاسود دؤلی کی طرف اشارہ کیا کہ تم بتادو۔ ابوالاسود اُس وقت کے ادیب بے ہمتا، ان عرب کے ماہر بے بدل اور نحو وصرف اور اصلاح رسم خط کے موجد تھے لہذا اُن سے زیادہ قابل استناد کس کا فیصلہ ہو سکتا تھا؟ ابوالاسود نے فوراً نابغہ کا ایک شعر پڑھا اور کہا "جس کا یہ شعر ہے وہی سب سے بڑا شاعر ہے"

بنی مراد کا ایک وفد عبدالملک بن مروان کی خدمت مین حاضر ہوا۔ باریابی ہوتے ہی اُن مین سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر اپنے کسی گزشتہ فعل پر عذر خواہی کی۔ اور قسم کھائی کہ ہم سے پھر کبھی ایسی حرکت نہ ہوگی۔ عبدالملک اُس کی عذرخواہی سُن کے خوش ہوا اور اُن لوگون کی طرف متوجہ ہو کے کہا "تمھارے لیے یہ مناسب بھی نہ تھا کہ ایک ناپسندیدہ کام کرو اور پھر معذرت خواہ بھی نہ ہو" اس کے بعد اُس نے دربار داران اہل شام کی طرف رخ کر کے کہا "نابغہ نے نعمان بن منذر کے سامنے جو قصیدہ سنا کر عذرخواہی کی تھی وہ قصیدہ تم مین سے کسی کو یاد ہے؟ جس مین کا ایک شعر یہ ہے

حَلَفْتُ فَلَمْ اَتْرُكْ لِنَفْسِكَ رِيبَةً — وَلَيْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ لِلْمَرْءِ مَذْهَبٗ،

(مین نے قسم کھائی اور آپ کے لیے شک کی کوئی گنجائش نہین باقی رکھی اور خدا کے بعد (یعنی اُس کی قسم کھانے کے بعد) انسان کے لیے اور کوئی طریقہ باقی بھی نہین رہتا) اتفاق کی بات۔ اہل شام مین سے کسی کو یہ قصیدہ یاد نہ تھا۔ تب عبدالملک نے وفد والون کی طرف توجہ کر کے پوچھا "تم مین سے کسی کو یاد ہے؟" اُن مین سے ایک شخص نے عرض کیا "جی ہان یاد ہے۔ اور سارا قصیدہ سنا دیا۔ سن کر عبدالملک نے ہر ہر شعر کی بڑی تعریف کی اور کہا "عرب کا سب سے بڑا شاعر یہی شخص تھا"

معٰویہ بن بکر باہلی نے ایک دن حماد راویہ سے جو کلام عرب کا بہت بڑا حافظ و محقق تھا پوچھا "لوگ نابغہ کو سب شاعرون پر کیون ترجیح دیتے ہین؟" حماد نے

شعر مذکورۂ بالا سنا کر کہا، اس لیے کہ اس شعر کا سا ایک شعر بلکہ اس کا آدھا یا چوتھا حصہ کو نصیب ہو جائے تو تمہارے شاعر ہو جانے کے لیے کافی ہے۔

اس واقعے پر عبدالملک کا ایک اور واقعہ بھی اگرچہ طولانی ہے مگر غالباً لطف سے خالی نہ ہوگا۔ اُس نے اپنے والیٔ عراق حجاج کو لکھا، "دنیا کی کوئی لذت نہیں جو مجھے نصیب نہ ہوئی ہو۔ اور میرے نزدیک قابل [illegible] عاقل دانشمندون کی باتون سے بڑھ کے کوئی لذت دنیا مین نہین ہے۔ تمہارے دیار مین عامر شعبی ہین جن کی مین بڑی تعریف سنتا ہون، اُنھین میرے پاس بھیج دو۔" شعبی اکابر تابعین مین تھے۔ فاضل اجل اور بے بدل تھے۔ چنانچہ ہزارون حدیثین اُن کے واسطے سے ہم تک پہونچی ہین۔ بخاری و مسلم اور تمام ائمۂ حدیث کے مستند ترین راویون مین تھے اور زندگی ہی مین ان کے فضل و کمال کی بے انتہا شہرت ہو گئی تھی۔

خلیفہ کا یہ خط پاتے ہی حجاج نے سامان سفر درست کر کے امام شعبی کو دمشق روانہ کر دیا۔ خود شعبی کہتے ہین کہ مین دمشق مین پہونچتے ہی سیدھا عبدالملک کے محل کے دروازے پر پہونچا۔ اور عرض بیگی سے کہا، "میری اطلاع کر دو۔" اُس نے پوچھا، "آپ کون ہین؟" مین نے اپنا نام بتایا۔ نام سنتے ہی اُس نے بڑے جوش و خروش سے مرحبا کہی۔ مجھے اپنی کرسی پر بٹھا کے اندر گیا۔ اور فوراً واپس آ کے کہا، "تشریف لے چلیے۔" اب مین اندر گیا۔ اور دیکھا کہ ایک کرسی پر عبدالملک بیٹھا ہے۔ اور اُس کے سامنے کرسی پر ایک پیر کہن سال بیٹھا ہے جس کے سر اور ڈاڑھی کے تمام بال سفید ہین۔ مین نے سامنے جا کے سلام کیا۔ اور عبدالملک نے سلام کا جواب دے کے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ مین اُس کے بائین ہاتھ کی طرف ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

میرے بیٹھتے ہی عبدالملک نے اُس معمر شخص سے پوچھا، "سب سے بڑا شاعر کون ہے؟" اُس نے جواب دیا، "امیرالمومنین مین۔ مجھ سے بڑا شاعر کون ہو سکتا ہے؟" اُس کا یہ جواب سُن کر میرے تن بدن مین آگ لگ گئی۔ بے اختیار پوچھ بیٹھا، "امیرالمومنین یہ کون صاحب ہین جو اپنے منہ میان مٹھو اپنے آپ کو سب سے بڑا شاعر بتاتے ہین؟" میرے یون بیباکی سے پوچھ بیٹھنے پر عبدالملک کو تعجب ہوا

اور کہا۔ ان کو آپ نہین جانتے؟ یہ اخطل ہین"۔ مگر مجھے کہان تاب باقی؟ نام سنتے ہی اُس شخص کی طرف رخ کر کے کہا "سنیے اخطل صاحب سب سے بڑا شاعر وہ ہے جس کے یہ اشعار ہین" اور نابغہ کے چند شعر پڑھ دیے۔ اب اخطل نے عبدالملک سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہین؟" اور عبدالملک نے فوراً میرا نام بتا کے تعارف کرا دیا۔ میرا نام سُن کے اُس نے کہا "امیرالمومنین بخدا انھون نے سچ کہا۔ نابغہ مجھ سے بڑھا ہوا ہے۔

اب عبدالملک نے میری خیریت پوچھی مین نے کہا "امیرالمومنین اچھا ہون"۔ ساتھ ہی مین نے اس بارے مین عذرخواہی کی کہ مین گذشتہ لڑائیون مین محمد بن اشعث کے ساتھ اور حجاج کے خلاف تھا۔ عبدالملک نے کہا "ان باتون کو جانے دیجیے۔ اور میرے کسی قول و فعل پر آپ ان امور کا اثر نہ پائین گے"۔ اب اُس نے دریافت کیا "نابغہ کی نسبت آپ کی کیا راے ہے؟" مین نے کہا "امیرالمومنین۔ نابغہ کا پوچھنا ہی کیا؟ عمر بن الخطاب اُسے تمام شعراے عرب پر فضیلت دے چکے ہین"۔ یہ کہہ کے شعبی نے حضرت فاروق کا مذکورہ بالا واقعہ بیان کیا۔ اب عبدالملک نے اخطل کی طرف توجہ کی اور کہا "جملہ شعراے عرب مین کسی کا کلام ایسا بھی ہے کہ اُس کے اشعار سُن کے تمھارا جی چاہتا ہو کہ یہ میرے شعر ہوتے؟" اخطل نے کہا "کوئی نہین۔ مگر میرے ہی قبیلے کا ایک شخص ہے جس کے بعض اشعار سُن کے میرے دل مین آئی کہ یہ میرے شعر ہوتے تو اچھا ہوتا"۔ عبدالملک نے اُن شعرون کے سنانے کی فرمایش کی۔ اخطل نے چند شعر پڑھے اور اُن کا معرف ہوا۔ شعبی کہتے ہین یہ سنتے ہی مین بے ساختہ کہہ بیٹھا "ان شعرون سے اچھے تو قطامی شاعر کے اشعار ہین"۔ اور یہ کہتے ہی مین نے قطامی کے بہت سے منتخب اشعار سُنائے عبدالملک اُن کو سُن کے بیتاب ہو گیا اور بولا "خدا کی سخت کو غارت کرے خوب کہتا ہے"۔

اب اخطل نہایت ہی شکستہ خاطر اور ملول تھا۔ مجھ سے کہنے لگا "سُنیے آپ علم حدیث اور اُس کے متعلق بہت سے فنون مین کمال رکھتے ہین اور میرا کیا

یہ فن شاعری ہے۔ لہذا فرض ہے کہ مجھے آپ اگر اپنی قوم کی صف اولین میں نہیں بیٹھنے دیتے تو اسی جگہ پڑا رہنے دیجئے جہاں میں ہون" میں نے کہا "میں وعدہ کرتا ہون کہ کبھی آپ کے اشعار پر معترض نہ ہون گا۔ نہ آپ کی شہرت کا مزاحم ہون گا۔ اور اس وقت جو کچھ ہوا اُس کو آپ معاف فرمائیں" اُس نے کہا "اِس عہد و پیمان میں کوئی آپ کا ضامن بھی ہے؟" میں نے کہا "امید ہے کہ خود امیرالمومنین میری ضمانت کر لیں گے" ساتھ ہی عبدالملک بولا "ہان ہان میں شعبی کی ضمانت کرتا ہون اور ذمہ دار ہون کہ یہ کبھی آپ کی شہرت کے مزاحم نہ ہون گے"

اب میں عبدالملک کو روز نابغہ کا کلام سنایا کرتا اور اُس کی یہ حالت تھی کہ کبھی نہ اُکتاتا۔ برابر سنے جاتا۔ ایک دن باتون باتون میں اُس نے مجھ سے پوچھا کہ "زبان عرب میں سب سے بڑی شاعرہ کون ہے؟" میں نے خنساء کا نام لیا۔ اور خلیفہ نے اس کی دلیل پوچھی تو میں نے خنساء کے دو شعر پڑھ کے سنائے عبدالملک نے کہا "مگر میرے خیال میں تو سب سے بڑی اور اچھی شاعرہ وہ ہے جس کا کلام یہ ہے" اور لیلیٰ نام ایک شاعرۂ عرب کے دو شعر سنانے۔ یہ جواب سن کر میں خاموش ہو رہا۔ اور اُس نے کہا "شعبی میرے اختلاف سے آپ ناراض تو نہیں ہو گئے؟" میں نے کہا "جی نہیں۔ ناراضی کیسی میں تو ایک نیا دلکش کلام سن کے خوش ہوا۔ میرے لیے سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ مجھے آئے دو مہینے ہو گئے جس مدت میں سوا نابغہ کے اشعار سنانے کے میں کوئی اور کام نہیں کر سکا" عبدالملک نے کہا "اور میں نے جو تم سے ایک بات میں اختلاف کیا اور تم کو ایک نئی شاعرۂ عرب کا کلام سنایا تو اس لیے کہ اہل عراق اہل شام کی نسبت اکثر کہا کرتے ہیں کہ یہ لوگ دولت و حکومت میں اگرچہ ہم پر غالب آ گئے۔ مگر علم و روایت میں ہم ہی اُن سے بڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہون کہ ہم عراق والون کے اُس علم میں بھی اُن سے بڑھے ہوئے ہیں جس پر انھیں ناز ہے یعنی علم و روایت میں بھی اُن پر فوقیت رکھتے ہیں" اس کے بعد اُس نے لیلیٰ کے متعدد اشعار بار بار پڑھے یہان تک کہ مجھے مستحضر ہو گئے۔

اس واقعے کے بعد شعبی کہتے ہیں، "جب تک میں شام میں رہا یہ معمول تھا

کہ روز بلا ناغہ سب سے پہلے عبدالملک کی صحبت مین پہونچتا۔ اور سب کے بعد واپس آتا۔ اس پابندی سے کئی سال تک مجھے وہان رہنے کا اتفاق ہوا۔ جس مدت مین اُس نے مجھے اور میرے لڑکے باتون کو جن کا شمار نہین تھا دو دو ہزار درہم انعام دیے۔ اور آخر مجھے اپنے بھائی عبدالعزیز کے پاس بھیج دیا جو مصر کا والی تھا۔ اور اُسے اس مضمون کی تحریر بھیجی "مین شعبی کو تمھارے پاس بھیجتا ہون۔ اُن کے علم و فضل کو دیکھو اور بتاؤ کہ ایسا صاحب کمال تم نے کوئی اور بھی دیکھا ہے؟" جب عبدالعزیز کی صحبت مین چند روز رہ کے مین دمشق مین واپس آ لیا تب مجھے اپنے گھر آنے کی اجازت دی

نابغہ کی شاعری کی عرب مین اس درجہ قدر تھی کہ عکاظ کے میلے مین جہان تمام شاعرون کا مجمع ہوتا نابغہ کے لیے ایک چرمین قبہ کھڑا کیا جاتا جس مین مُنہ پہ نقاب ڈال کے وہ ایک شان و وقار کے ساتھ صدر مین بیٹھتا۔ تمام شعرائے عرب اُس کی خدمت مین حاضر ہو کے اپنا کلام اُس کے سامنے پیش کرتے۔ اور اگر وہ پسند کر لیتا تو اپنی شاعری پہ ناز کرتے۔ ایک سال اسی میلے مین نابغہ کو پہلے اعشیٰ نے اپنا کلام سنایا۔ پھر حسان بن ثابت نے سنایا۔ ان کے بعد اور بہت سے شعرا اپنا اپنا کلام سناتے رہے۔ یہان تک کہ خنسا بنت عمرو نے اُس کے روبرو کھڑے ہو کے اپنے بھائی صخر کے غم مین اپنا ایک مرثیہ سنایا۔ جس کے مضمون کا خلاصہ یہ تھا کہ "صخر وہ شخص تھا کہ سرداران قوم اُس کی اقتدا کرتے تھے۔ گویا وہ ایک جھنڈا تھا جس کی نوک پہ آگ روشن تھی (رہنمائی کے لیے پہاڑون مین آگ سلگا دی جاتی ہے اور اُس کا دھوان نوجوان رہ نوردون کو راستہ کا نشان دیدیا کرتا ہے)" نابغہ یہ اشعار سن کے پھڑک گیا۔ اور کہا "ابوبصیر (یہ حسان کی کنیت تھی) ابھی اپنا کلام سنا چکا ہے اس کے اشعار نہ سنے ہوتے تو مین کہتا کہ تم تمام جن و انس سے اچھا کہتی ہو" حسان کو اُس کا یہ کہنا ناگوار ہوا۔ اور بگڑ کے کہنے لگے "مین قسم کھا کے کہتا ہون کہ مین تجھ سے اور تیرے باپ دونون سے اچھا کہتا ہون۔ اور دونون سے بڑا شاعر ہون" یہ طیش کا کلمہ سن کے نابغہ نے نہایت متانت سے جواب دیا۔ کہ "بھتیجے تو اپنے دل مین جو چاہے خیال کر۔ مگر تو نے یہ اچھے شعر نہین کہے ہین" پھر اُن دو شعرون پہ خود ایسے اعتراض کیے

اُس حسان سے جواب نہ بن پڑا۔

فرماں رواے حیرہ نعمان بن منذر کے دربار مین نابغہ کی بڑی قدر و منزلت تھی اُس کے مخصوصین و مقربین مین تھا اور جلوت و خلوت مین ہر جگہ حاضر رہتا۔ ایک دن نعمان کی بیوی جمال دختر وش ملکہ برہنہ تھی کہ نابغہ کا سامنا ہو گیا۔ ملکہ کی جو نظر نابغہ پر پڑی تو گھبرا کے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ بدحواسی مین دوپٹہ گر گیا۔ اور اُس نے نہایت اضطراب کے ساتھ دونون ہاتھون سے اپنا منہ چھپا لیا۔ اُس کی اُس وقت کی ادائین نابغہ کے دل پر ایسا اثر کر گئین کہ اُس کے شوق اور اُس کے حسن و جمال کی تعریف مین ایک قصیدہ کہہ ڈالا۔ وہ قصیدہ نعمان کے گوش گزار ہو گیا۔ اور اُس کے خوف سے نابغہ بھاگ کھڑا ہوا۔

یہان سے بھاگ کے نابغہ مدینہ یثرب مین آیا۔ مگر اُس کا کلام اس قدر مقبول عام تھا کہ وہ قصیدہ اُس کے پہلے پہونچ کے بہت سے سخن فہمان مدینہ کو یاد ہو چکا تھا۔ اتفاق سے اس قصیدے کے ایک شعر مین کچھ عیب تھا مگر نابغہ کا رعب اس قدر غالب تھا کہ کسی کو زبان سے نکالنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر سب نے ایک گانے والی رنڈی کو بُلا کے گوایا۔ اور جب تھوڑی دیر تک وہ مختلف چیزین گا چکی تو اُس کی زبان سے وہی قصیدہ گوایا۔ اور اس طرح کہ جس شعر مین عیب تھا اُس کے معیوب لفظ پہ پہونچتے ہی ہر بار گانے والی کی زبان کو لغزش ہو جاتی۔ یہ سُن کے نابغہ چونک پڑا۔ اور اپنے عیب سے واقف ہو گیا۔ مگر اُس وقت تو خاموش رہا۔ یہان سے جانے کے بعد اپنا وہ مصرع بدل دیا۔ اور دل کا اتنا صاف تھا کہ اس واقعے کے بعد جب کبھی لوگ اُس کے شاعرانہ کمال کا تذکرہ چھیڑتے تو وہ کہتا "ہونے کو تو مین سب سے بڑا شاعر ہون مگر میرے کلام مین اکثر عیب رہ جایا کرتا ہے۔ اور اُس کے ثبوت مین یہی مدینے کا واقعہ بیان کر دیا کرتا۔

نعمان کی ملکہ کی تعریف مین نابغہ نے قصیدہ کہا تو اپنے ایک دوست کو سب سے الگ لے جا کے سنایا۔ اُس نے جا کے نعمان کو سنا دیا۔ اور اُس کی یہ حالت ہوئی کہ آپے سے باہر تھا۔ اور طیش و غضب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ نابغہ کو ڈھنڈھوایا تو کہین پتہ نہ تھا۔ جوش و غیظ کے ساتھ کہا "اچھا کبھی تو ملے گا۔

اور جب ہاتھ آیا زندہ نہ چھوڑ ون گا" نابغہ مدینے ہوتا ہوا پہلے اپنے قبیلے مین گیا اور اُس کے بعد فرمان رواے آل غسان حارث اعرج کی ڈیوڑھی پر زرین پہونچا۔ اور اُس کی مدح مین قصیدہ کہا۔

بعض راویان سلف کہتے ہین کہ نابغہ سے نعمان کے ناراض ہونے کی بنیاد اور تھی۔ وہ یہ کہ دربار داران حیرہ مین سے مُرّۃ بن سعد سعدی کے پاس ایک بے نظیر و لاجواب تلوار تھی۔ نابغہ نے ایک دن اُس کی تعریف نعمان کے سامنے کر دی۔ نعمان نے وہ تلوار دیکھنے کے بہانے منگوائی اور پسند کر کے چھین لی۔ اس نقصان کی وجہ سے مُرّہ کو نابغہ سے عداوت ہو گئی۔ اُس نے عبدالقیس نام ایک یمنی الاصل درباری کو گانٹھا۔ دونون نے مل کے نعمان کی ملکہ کی تعریف مین وہ عاشقانہ قصیدہ کہا جس کے بعض شعرون مین فحش الفاظ بھی تھے۔ اور وہ فحش قصیدہ نعمان کو سنا کے کہا یہ اشعار نابغہ نے ملکہ کی تعریف مین کہے ہین۔ جس پر نعمان بے سوچے سمجھے نابغہ کا دشمن ہو گیا۔

اس واقعے کے حالات بعض علماے جاہلیت ایک اور عنوان سے بیان کرتے ہین۔ جو قصہ دونون مذکورہ واقعات سے زیادہ دلچسپ ہے۔ وہ یہ کہ ایک دن نعمان بن منذر اور منخل بن عبید بن عامر یشکری ایک صحبت مین بیٹھے ہوئے تھے۔ اور سامنے نابغہ کھڑا تھا۔ نعمان نہایت ہی بھدا موٹا اور بدصورت آدمی تھا اُس کے مقابل منخل نہایت ہی خوبصورت و خوش اندام اور عرب کے اعلیٰ ترین صاحب جمالون مین تھا۔ یہان تک کہ عام لوگون مین شہرت تھی کہ نعمان کی پری جمال ملکہ سے اور منخل سے ناجائز تعلق ہے اور نعمان کے دونون بیٹے (جو باپ کے خلاف خوبرو تھے) اُسی کے نطفے سے ہین۔ اس موقع پر نعمان کی مدح مین نابغہ نے جو قصیدہ سنایا تو منخل نے کہا حضور بادشاہ کی تعریف مین تو تم نے بہت کہا ہے کوئی دلچسپ قصیدہ ملکہ کی تعریف مین نہین کہتے؟ یہان سوچنے اور غور کرنے کی تو ضرورت تھی نہین۔ فوراً ایک پُر جوش قصیدہ ملکہ کی مدح مین سنا دیا جس مین ملکہ کا حسن و جمال بیان کرنے کے سلسلے مین اُس کے چہرے۔ سینے۔ پیٹ۔ کمر۔ سُرینون۔ اور شرم گاہ تک کی تعریف مین

موجود تھے ان اشعار کو سُن کے نعمان پر تو کچھ اثر نہین ہوا۔ مگر منخل کو بڑی معلوم ہوئی۔ اور کہنے لگا "یہ شعر تو وہی شخص کہہ سکتا ہے جس نے اُن اعضا کے لطف سے آشنا اور لذت شناس ہو"۔ منخل نے یہ الفاظ نعمان [illegible] ان پر جم کر بیٹھ گئے۔ انتقام کی فکر مین ہوا۔ اور نابغہ اُس کے تیور دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

نابغہ کے بھاگنے کے بعد منخل کے سر پر ایک نئی آفت آئی۔ وہ یہین حیرہ مین عمرو بن ہند کی بیٹی ہند پر عاشق تھا۔ چنانچہ اُس کے شوق مین اُس نے نہایت ہی اشتیاق سے شعر کہے۔ یہ شعر جیسے ہی اُس کی محبوبہ کے باپ عمرو بن ہند کے گوش گزار ہوئے اُس نے طیش مین آکے اُسے پکڑ بلایا۔ اور اُسی وقت قتل کر ڈالا۔

نابغہ بھاگ کے غسان کے جس فرمان روا کے پاس پہونچا وہ عمرو بن حارث اعرج کا بیٹا تھا۔ اُس کے دادا حارث اعرج کی ماں ماریہ بنت ظالم تھی جو "ذات القرطین" یعنی دو گوشوارون والی کے لقب سے مشہور تھی۔ اُس کے گوشوارے بیش قیمت ہونے مین ضرب المثل ہو گئے تھے۔ اور سارے عرب مین یہ حال تھا کہ جب کسی چیز کی زیادہ قیمت بتائی جاتی تو لوگ کہتے "کیا یہ ماریہ کے گوشوارے ہین؟"

بہرحال نابغہ اب اس ماریہ کے پرپوتے کے دربار مین تھا۔ اُس کی اور اُس کے بھائی نعمان کی شان مین قصیدے کہتا۔ صلہ یاب ہوتا۔ یہان تک کہ اس مشغلہ مین خاک بنی غسان ہی مین اُس نے دنیا چھوڑ کے سفر آخرت کیا۔

مگر نابغہ کا بنی غسان مین مرنا صحیح نہین معلوم ہوتا۔ اس لیے کہ معتبر ذریعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمان بن منذر کو اُس کا اس قدر شوق تھا کہ اُس کے جانے کے چند روز بعد اُس کی صحبت سے محروم ہو جانے پر پچھتایا۔ ادھر نابغہ کو بھی نعمان کی فیاضیان اور قدردانیان نہ بھولتی تھین۔ اور اسی کوشش مین لگا رہتا تھا کہ قصور معاف کرا کے پھر اُسی دربار حیرہ مین پہونچے۔ اور آخر اسی کوشش مین کامیاب ہوا۔

اس واقعے کو حضرت حسان بن ثابت نے جو مداح حضرت ختم المرسلین

محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس لیے کہ یہ واقعات خود اُن پر گزرے تھے وہ فرماتے ہین "مین نے جاہلیت مین نعمان ابن منذر کی مدح مین ایک قصیدہ کہا اور حیرہ مین پہونچا کہ نعمان کو سُنا کے صلہ انعام حاصل کرون۔ نعمان کے قصر مین گیا تو دروازے پر اُس کے عرض بیگی عصام ابن شہیرہ سے ملا۔ میری صورت دیکھ کے اُس نے کہا تم اندرونی علاقۂ عرب کے آدمی نظر آتے ہو۔ میرے خیال مین تم کو حجازی ہونا چاہیے۔ مین نے کہا "جی ہان مین حجازی ہی ہون" بولا "تو پھر قحطانی نکلو" کہا "جی ہان قحطانی" بولا "تو پھر یثربی نکلو" کہا "جی ہان یثرب ہی مین رہتا ہون" کہنے لگا "تو اب تم خزرجی نکلو" مین نے کہا "آپ کا یہ فرمانا بھی بجا ہے" یہ سنتے ہی ہنس کے بولا "تو پھر تم حسان بن ثابت نکلو" کہا "آپ کا یہ خادم وہی شخص ہے"

اب اُس نے کہا تو پھر دربار مین چلنے سے پہلے چند باتین یاد کرلو اول تو جیسے ہی تمھارا بادشاہ کا سامنا ہوگا وہ جبلہ بن ایہم شاہ غسان کا حال تم سے پوچھین گے۔ اور گالی دے کر اُس کا نام لین گے۔ تم خبردار اُن کی ہان مین ہان نہ ملانا۔ وہ لاکھ اُسے بُرا بھلا کہین تم اُس کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالنا۔ اور نہ کچھ اُس کی طرفداری مین کہنا۔ بلکہ اگر تم سے تائید چاہین بھی تو عرض کر دینا حضور مین کیا ہون جو حضور اور شاہ غسان کے درمیان مین دخل دون۔ حضور اُسے جانین اور وہ حضور کو جانین۔ اُس کے بعد اگر وہ تم کو اپنے ساتھ دسترخوان پر بُلائین تو حتی الامکان اس سے بچنا۔ لیکن اگر اصرار کرین اور قسم دلائین تو ادب سے بیٹھ جانا اور آہستہ آہستہ اُس طرح کھانا کہ نہ بھوکے رہو اور نہ مربھکون کی طرح پیٹ بھر لو۔ اُس کا بھی خیال رہے کہ بادشاہ کے سامنے باتون کو زیادہ طول نہ دینا۔ اور کسی معاملہ کو جب تک وہ خود نہ بیان کرین اپنی طرف سے نہ چھیڑنا۔ اور اُن کی صحبت مین بہت دیر تک نہ ٹھہرنا کہ اُن کے لیے موجب ناگواری ہو۔

دربارداری کی یہ ہدایتین سُن کے مین نے عصام کا شکریہ ادا کیا۔ اور وہ بادشاہ سے اجازت حاصل کر کے مجھے اُن کے روبرو دربار مین لے گیا

میں بادشاہ نعمان کا سامنا ہوتے ہی آداب بجا لایا۔ اور اُس نے چھوٹتے ہی صلہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ مگر میں نے وہی جواب دیا جو عصام نے بتایا تھا اب میں نے اجازت لے کے اپنا قصیدہ سنایا۔ تھوڑی دیر کے بعد دسترخوان بچھا۔ اور ان نعمت کے ظروف اور مئے گلگون کی صراحیاں لا کے چنی گئیں۔ مگر میں نے عذر کیا اور آخر خاطر خواہ انعام پا کے باہر نکلا۔

اب مجھے وہاں کوئی کام نہ تھا۔ واپسی کے لیے عصام سے رخصت ہونے لگا۔ تو اُس نے روکا اور کہا ابھی مجھ کو تمھیں ایک بات بتانا باقی ہے۔ آج خبر ملی ہے کہ نابغہ ذبیانی آیا ہوا ہے۔ گو کہ آجکل بادشاہ اُس سے ناراض ہیں مگر اُس کی باتوں میں اُنھیں اس قدر لطف آتا ہے کہ جب وہ ہوتا ہے تو اُس کے سوا وہ کسی سے بات نہیں کرتے۔ تم بھی اُس کے سامنے دربار میں چلنا۔ اور عزت کے ساتھ واپس آنا۔ معمولی طریقے سے واپس چلے جانے کے مقابل یہ اچھا ہوگا۔ اُس کے کہنے سے میں ٹھہر گیا۔ اور مہینہ بھر تک وہیں نعمان کی ڈیوڑھی پر پڑا رہا۔

اس اثنا میں میں نے یہ تماشا دیکھا کہ قبیلۂ بنی فزارہ کے دو شیخ نعمان کے پاس آئے جن سے نعمان کو بڑی خصوصیت تھی۔ اور اُن کی باتوں کو بہت کم رد کیا کرتا تھا۔ نابغہ نے آخر میں جا کے اُنھیں لوگوں میں پناہ لی تھی۔ اور اُن کو آمادہ کیا تھا کہ بیچ میں پڑ کے اُس میں اور نعمان میں صفائی کرا دیں۔ چنانچہ اس موقع پر وہ اُسے اپنے ہمراہ لیتے آئے۔ اور حرمی خیمے میں جو نعمان کے حکم سے اُن کے لیے کھڑا کیا گیا تھا اُسے چھپا کے بٹھا رکھا۔ مگر نابغہ نے اُنھیں فزاری سرداروں کی ایک گانے والی اور مغنیہ کنیز کو اپنا ایک قصیدہ یاد کرا دیا۔ جس کو اُس کنیز نے اپنے آقاؤں کے ساتھ دربار میں جا کے نعمان کے سامنے گایا۔ وہ ہی چار اشعار سُننے تھے کہ نعمان سے ایک بیقراری ظاہر ہوئی۔ اور بولا "میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ یہ اشعار تو نابغہ کے ہیں۔" نابغہ کا خیال آتے ہی حاضرین سے اُس کے حالات پوچھنے لگا کہ کہاں ہے اور کیا کرتا ہے۔ اُسے مہربان دیکھ کے کسی نے کہہ دیا کہ "حضور وہ آپ کے فزاری دوستوں کے خیمے میں موجود ہے۔" سنتے ہی نعمان نے متحیر ہو کے فزاریوں سے پوچھا اُنھوں نے کہا "جی ہاں موجود ہے۔ حضور سے عفو تقصیر کرا لیے

حاضر ہوا ہی گر سامنے آنے کی جرأت نہین ہوتی- اس کے بعد دونون نے نہایت خوشامد کے الفاظ مین سفارش کی- اور نعمان نے نابغہ کا قصور معاف کر دیا-

اس واقعے کو بعض راویان سلف تھوڑے تغیر کے ساتھ بیان کرتے ہین- وہ کہتے ہین کہ نابغہ نے اُس مغنیہ کنیز کو جب اپنے اشعار یاد کرا کے بھیجا ہے تو سمجھا دیا تھا کہ میرے یہ اشعار اُس وقت گانا جب حضور شہریار نشۂ صہبا سے بدمست اور جوش سرور سے بیخود ہون- اُس نے یہی کیا- نعمان نے اشعار پہچان لیے- اور مزے مین جھومتا اُٹھ کھڑا ہوا کہ کھلی فضا مین جائے پہلے دو چار قدم گیا ہوگا کہ دونون فزاری دوست ملے- نابغہ اُن کے ساتھ مین تھا اور اُس کی ڈاڑھی مہندی سے رنگی ہوئی تھی- اُس کی صورت دیکھتے ہی نعمان نے کہا "اس داڑھی کو تو خون مین رنگنا چاہیے" یہ سُن کے فزاریون نے سفارش کرنا شروع کی- اور یہان تک کہا کہ نعمان نے راضی اور خوش ہو کر اُس کا قصور معاف کر دیا-

اس کے بعد حسان نے اسے نعمان کے دربار مین آتے جاتے دیکھا- اور کہتے ہین مجھے اُس کی تین باتون پر حسد آیا- اور نہین کہہ سکتا کہ ان تینون مین سے کس کی جلن زیادہ بڑھی ہوئی تھی- اول تو مجھے اس پر حسد تھا کہ نکالے جانے کے بعد جب پھر باریاب ہوا تو اُسے بادشاہ سے کس قدر تقرب حاصل تھا اور کس شان سے ہر وقت شریک صحبت اور ندیم سرا رہتا تھا- دوسرے اُس کے کلام کی خوبی و لطافت اور سادگی و بے تکلفی پر- تیسرے اُن سو اعلیٰ درجے کے اونٹون پر جو اس جدید تقرب کے وقت اُسے انعام مین ملے تھے- اور یہی چیز تھی جس نے نابغہ کو پھر اُس دربار مین پہونچایا- در اصل نہ وہ نعمان کی فوجون سے ڈرتا تھا اور نہ اُس کے لیے کوئی زندگی کا خطرہ تھا- اصلی وجہ یہ تھی کہ جب نعمان کے انعام و اکرام کا خیال آتا اور اُس کے بذل و نوال کو یاد کرتا تو اُس کو بغیر اس دربار مین دوبارہ پہونچے اپنی زندگی بیکار و بےمزہ نظر آتی تھی- اس دربار کی فیاضیون نے اُس کی معاشرت بدل دی تھی- اور اس کو بدوی صحرانشین

سے ایک عالی مرتبہ رئیس عجم بنا دیا تھا۔ چنانچہ وہ سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا پیتا تھا جن کے بغیر کھانا نہ ہضم ہوتا۔ یہ ظروف دربار نعمان سے مرحمت ہوئے تھے اور یہ رئیسانہ شانداری دربار حیرہ کے طفیل میں تھی۔

بعض راویان اخبار دربار نعمان میں نابغہ کی واپسی کا اور ہی سبب بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نابغہ نے جب سنا کہ نعمان سخت بیمار ہے اور ایسا بیمار کہ زیست کی امید نہیں تو اُسے بڑا صدمہ ہوا۔ پرانے تعلقات یاد آ گئے اور گو کہ صدہا طرح کے اندیشے تھے اور قتل ہونے کا خوف لگا تھا۔ مگر دل بے قرار ہو گیا اور سفر کر کے اُس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں پہونچا تو نعمان کو سخت بخار میں مبتلا پایا۔ وہ بچھونے پر پڑا کراہ رہا تھا۔ جگہ سے ہلنے کی طاقت نہ تھی۔ مگر لوگ شاہان حیرہ کے قدیم رواج کے مطابق پلنگ اُٹھا کے اِدھر اُدھر لے جاتے۔ کبھی دربار میں لاتے کبھی باغوں میں لے جاتے۔ کبھی محلوں قصروں اور ایوانوں میں پھراتے۔ اور کبھی زنانی عملداروں میں پہونچا دیتے۔ نابغہ اُس کی عرض بیگی عصام سے ملا۔ اور نظم میں اُس سے پوچھا کہ بتاؤ بادشاہ کا کیا حال ہے؟ میں تمھیں اس کا الزام نہیں دیتا کہ میرے لیے باریابی کی اجازت کیون نہیں حاصل کی۔ مگر یہ جلدی بتاؤ کہ وہ ہیں کیسے۔ اس لیے کہ خدانخواستہ اگر وہ نہ ہوئے تو ساری نعمتیں اور برکتیں بھی اُن کے ساتھ رخصت ہو جائیں گی۔ بہر حال عصام سے حال معلوم ہونے کے بعد وہ نعمان سے ملا۔ اور پھر اُس کا مورد عنایت ہو گیا۔

عرب کے لوگ نابغہ کی قادر الکلامی کے اس قدر قائل تھے کہ کسی کے نہ تھے حسان بن ثابت نے خود بیان کر دیا کہ انھیں باوجود اعلیٰ درجے کے مقبول عام شاعر عرب ہونے کے نابغہ کے کلام کی خوبی و لطافت پر رشک آتا تھا۔ اُن کے بیٹے صالح نے ایک دن کہا کہ میرے نزدیک تو بخدا نابغہ مخنث تھا۔ کسی نے پوچھا "آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ کیا آپ نے اُسے دیکھا تھا؟" کہا "دیکھا تو نہیں مگر اپنے شعر سقط النصیف میں اُس نے عورت کی اداؤں کو اس کمال سے دکھایا ہے کہ سوا مخنث کے اور کسی سے یہ ہو سکتا ہی نہ تھا۔"

نابغہ چونکہ شعراے جاہلیت میں ہے اس لیے اُس کی وفات کی تاریخ نہیں معلوم ہو سکی۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

خوشی کی تقریبون کو ہم بہ قدر ضرورت بتا چکے اب غمی کی صحبتون کا بیان کر دینا بھی ضروری ہے۔ اگرچہ سارے ہندوستان مین عام ہین۔ جہان تک مین نے غور کیا ان مین لکھنؤ کی کوئی خصوصیت نہین نظر آتی۔ غمی کا باعث کسی کا مرنا ہوتا ہے۔ لہذا مرنے کے دن اعزا و احباب کو خبر کر دی جاتی ہے۔ اور جن لوگون کو مجبوری مانع نہین ہوتی ضرور آتے ہین۔ عورتین جو آتی ہین اپنی ڈولی یا سواری کا کرایہ آپ دیتی ہین شادی کی تقریبون مین اور عام قسم کی آمد و رفت مین لازم ہے کہ مہمان آنے والیون کی سواری کا کرایہ دیا جائے مگر غمی کا گھر اس تکلیف سے مستثنی کر دیا گیا ہے۔

اس کے بعد مردے کو نہلاتے ہین۔ شیعون کے یہان عام معمول ہے کہ غسل کے لیے جنازہ پہلے غسل خانے مین لے جایا جاتا ہے جہان غسال جو نہلانے مین نہایت مشاق مگر اس کے ساتھ قسی القلب مشہور ہین مردے کو غسل دے کے کفن پہناتے ہین۔ مگر سنیون کے یہان مردہ اپنے گھر ہی مین نہلایا جاتا ہے اور خود اعزہ و اقارب یا دوست احباب نہلاتے ہین۔ اکثر مرد اور عورتین جو زیادہ مشاق ہون بلا لیے جاتے ہین۔ اور اکثر جگہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی شرع دان مولوی صاحب یا کوئی اور پڑھے لکھے واقف کار بزرگ بتاتے جاتے ہین کہ اس ترتیب سے نہلانا چاہیے۔ اور مسنون غسل میت کیا ہے۔

غسل کے بعد کفن پہنایا جاتا ہے جس مین ایک ازار ایک کفنی جو کرتے کے نام سے مشہور ہے پہنا کے اوپر سے دو چادرین لپیٹ دیجاتی ہین۔ اور سر اور پاؤن کے پاس اور کمر مین کپڑے کی چیتین پھاڑ کے باندھ دیجاتی ہین تاکہ کھلنے نہ پائین۔

اس کے بعد اگر شیعون کا جنازہ ہے تو صندوق مین رکھ کے اس پر کوئی دوشالہ ڈال کے جنازے کو شامیانے کے سایہ مین لے جاتے ہین۔ اور ساتھ ساتھ کوئی شخص قرأت و اداے مخارج سے سورۂ رحمان کی بعض آیتین پڑھتا جاتا ہے۔ صندوق شامیانے کے اٹھانے والے علی العموم شہدے ہوتے

ہین جن کا مدت دراز سے مُردے اُٹھانا پیشہ ہوگیا ہے۔ مگر ان لوگون کی بھونڈگیون اور بدتمیزیون سے شیعون مین خیال پیدا ہوا ہے کہ جنازون کو خود اٹھانا چاہیے۔ جس کے لیے متعدد کمیٹیان شہر مین قائم ہوگئی ہین اور اُن کے پُرجوش اور دیندار ارکان تلاش مین رہتے ہین کہ کوئی مرجائے تو اُس کے جنازے کو خود اپنے اہتمام مین سے کے مذہبی آداب اور احتیاطون سے اُٹھائین۔

سنیون مین میت کو کسی ہلکی چارپائی پر لٹا کے اور اوپر سے چادر ڈال کے لیجاتے ہین۔ اگر عورت کا جنازہ ہو تو چارپائی پر بانس کی کھپاچیون کو قوس نما صورت مین قائم کرکے اور اُن کے سِرون کو دونون جانب چارپائی مین اٹکا کے اوپر سے چادر ڈالتے ہین۔ اس کو گہوارہ بنانا کہتے ہین۔ اور اس کی ضرورت محض پردے کے خیال سے پیدا ہوئی ہے۔ سنیون مین جنازے کو خود اعزا و احباب اپنے کندھون پر اُٹھا کے آہستہ آہستہ کلمہ پڑھتے ہوے لے جاتے ہین۔ اور نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے۔

قبرہیان عموماً صندوقی کھودی جاتی ہے۔ جس مین انسان کے سینے تک ایک چوڑا حوض کھودا جاتا ہے۔ پھر اُس کے اندر دونون جانب کنارے چھوڑ کے ایک دوسرا پتلا حوض کھودتے ہین وہ بھی انسان کی کمر سے کم گہرا نہین رہتا۔ جب قبر خوب صاف کرلی جاتی ہے تو مُردے کو اس مین نہایت احتیاط سے اُتارتے ہین کہ ہاتھ سے چھوٹ کے گرنے اور چوٹ کھانے نہ پائے قبر مین عموماً سرہانا شمال کی طرف رکھا جاتا ہے۔ اور مُردے کا مُنہ ڈھیلون وغیرہ کی آڑ لگا کے قبلے کی طرف کردیا جاتا ہے۔ اس کے بعد بند کھول دیتے ہین۔ اور اکثر اعزا اکو مُنہ کھول کے میت کی آخری صورت بھی دکھا دیا کرتے ہین۔ اس موقع پر شیعون کے وہان تلقین پڑھی جاتی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ کوئی ثقہ اور متقی بزرگ قبر مین اُتر کے میت کا شانہ ہلاتے جاتے ہین اور ایک عربی عبارت پڑھتے جاتے ہین جس مین میت کی طرف خطاب کرکے بتایا جاتا ہے کہ وہان نکیرین آکے سوال کرین تو تم یہ جوابات دینا جس کے سلسلے مین تمام عقائد دینیہ کی تعلیم کردی جاتی ہے اس کے بعد اندرونی حوض پر تختے

جما دیے جاتے ہین۔ اور اگر اُن مین درز یا جھری ہو تو مٹی کے ڈھیلے رکھو رکھ کے اطمینان کر لیتے ہین کہ مٹی اندر نہ جائے گی۔ قبر مین کافور اور خوشبو تو کفن ہی مین موجود ہوتی ہے۔ بعض لوگ کیوڑے کی بوتل بھی ڈال دیتے ہین۔ اور اُس کے بعد اوپر سے مٹی ڈال کے قبر کا اوپر والا حوض بھر دیا جاتا اور قبر کی صورت بنا دی جاتی ہے۔

مٹی دینے کو لوگ بڑا اہم اور ضروری کام تصور کرتے ہین۔ اور جب قبر مین مٹی ڈالی جانے لگتی ہے تو حاضرین مین سے ہر شخص عام اس سے کہ کوئی ہو تین مرتبہ ہاتھ مین مٹی لے کے قبر مین ڈالتا ہے۔ اور قرآن کی تین آیتین پڑھتا ہے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم نے تم کو اس سے (مٹی سے) پیدا کیا۔ ہم نے تم کو پھر اُسی مین پہونچایا۔ اور ہم پھر آیندہ (بروز قیامت) تم کو اس سے نکال کے کھڑا کرین گے۔"

بہرحال جب قبر بن کے تیار ہو جاتی ہے تو اُس پر وہی چادر جو جنازے پر پڑی تھی یا پھولون کی چادر ڈال دیجاتی ہے۔ اور فاتحہ پڑھ کے اور دعاے مغفرت کر کے لوگ واپس آتے ہین۔

مرنے والے کے گھر مین اُس کی وفات کے دن چولھا نہین جلتا بلکہ جنازے کے گھر سے نکلنے کے بعد کسی عزیز و قریب کے گھر سے پکا پکایا کھانا آجاتا ہے۔ جس کو لوگ دفن سے واپس آکے کھاتے ہین۔ اور اُسی وقت تمام مہمان اُس کھانے سے پیٹ بھرتے ہین۔ تین دن تک معمولاً یہی ہوتا ہے کہ گھر مین کھانا نہین پکتا۔ یہ طریقہ اصل مین آغاز اسلام اور خود حضرت رسالت علیہ السلام سے شروع ہوا۔ جبکہ حضرت جعفر طیار کی شہادت کا حال سُن کر اور ان کے گھر والون کو روتا پیٹتا دیکھ کر آپ نے کھانا بھجوا دیا تھا۔ مگر لوگون نے اس شائستہ بنیاد پر جو عمارت یہان قائم کر لی ہے وہ نہایت لغو اور شرمناک ہے۔ کسی کے مرتے ہی گھر مین جتنا کھانا تیار ہو پھینک دیا جاتا ہے۔ گھڑون مٹکون کا پانی بہا دیا جاتا ہے۔ اور اس کا سبب عورتین یہ بیان کرتی ہین کہ فرشتۂ موت جس چھری سے جان لیتا ہے اُس کو کھانے پینے کی چیزون مین دھوتا ہے

مرنے کے تیسرے دن اور کبھی مناسب دن دیکھ کے چوتھے روز سوم ہوتا ہے۔ دراصل اس کا آغاز اس سے ہوا کہ یہ دن اس لیے مقرر تھا کہ لوگ آکر رسم تعزیت ادا کرین۔ اور پسماندون کی تسلی و تشفی کرین۔ مگر یہ خیال کر کے کہ ایک مجمع کثیر کا خالی بیٹھا رہنا اچھا نہین معلوم ہوتا۔ یہ طرز عمل اختیار کیا گیا کہ جو وہان آئین بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرین۔ اور دو دو ایک ایک پارے پڑھ کے اُن کا ثواب مُردے کی روح کو بخشین۔ چند روز مین تعزیت کا خیال جاتا رہا۔ اور فقط یہ رہ گیا کہ اس روز کتنے لوگ آئے اور کتنے قرآن مرنے والے کو بخشے گئے۔ ختم صحبت کے وقت پہلے مختلف لوگ قرآن کے چند رکوع اور آخر کی چھوٹی سورتین پڑھ کر فاتحہ کے لیے ہاتھ اُٹھاتے ہین۔ اس مین ایک نیا لغو طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ تھوڑا تھوڑا گھسا ہوا صندل ایک پیالے مین تیل اور تھوڑے پھول لا کے حاضرین مین سے ہر ایک کے سامنے پیش کیے جاتے ہین۔ ہر شخص ایک پھول اُٹھا کے تیل مین ڈالتا ہے۔ اور وہ صندل اور تیل اور پھول لے جا کے مرحوم کی تربت پر ڈال دیتے ہین۔

اسی روز شام کو پہلی بڑی فاتحہ خوانی ہوتی ہے۔ اور گھر مین پہلی بار کھانا پکتا ہے۔ اگرچہ اب غربت نے ہمدردون کی اس قدر کمی کر دی کہ میت کے گھر کھانا بھیجنے والے بہت کم رہ گئے ہین۔ اور اکثر غریب گھر والون کو اس سے پہلے ہی کھانا پکانے پر مجبور ہو جانا پڑتا ہے۔ لیکن مروجہ طریقہ یہی ہے کہ تیجے یعنی سوم سے پہلے باہر ہی کے کھانے پر بسر ہو۔

سوم اور چہلم کی فاتحون نے عوام مین عجب شان پیدا کر لی ہے۔ اصلیت تو اسی قدر ہے کہ جہان تک ہو سکے غریبون اور محتاجون کو کھانا کھلایا جائے اور اُس کا ثواب مرنے والے کو پہونچا دیا جائے۔ ہندوستان مین ہندوون مین مُردون کی تیرہوین اور برسی ہوتے دیکھ کے مسلمانون کا جی چاہا کہ ہم بھی اسی قسم کے کام ناموری اور دھوم دھام سے کرین۔ اس شوق کے تقاضے نے تیجے۔ دسوین۔ بیسوین۔ چہلم اور دیسے کے نام سے غمی کی تقریبین پیدا کر دین۔ جن مین ہوتا وہی ایصال ثواب ہے مگر وہ کھانے

نام پیدا کرنے اور برادری کو کھانا دینے کی شان سے۔ پھر اُس پر قیامت یہ ہوئی کہ عوام مین یہ عقیدہ پیدا ہوا کہ ان ہمارے مروجہ فاتحون مین جو کچھ دیا جاتا ہے وہ خدا کے حکم سے بجنسہ مُردے کو پہونچا دیا جاتا ہے۔ اس عقیدے نے فاتحون مین یہ شان پیدا کر دی کہ گویا مُردے کی دعوت کیجاتی ہے۔ وہ کھانے زیادہ اہتمام سے دیے جاتے ہین جو مرحوم کو مرغوب تھے۔ حالانکہ خیرات کا اصول یہ چاہتا ہے کہ جس غریب کو کھلایا جائے اُس کی پسند کا لحاظ رکھا جائے تاکہ اُس کے خوش کرنے سے ثواب مین ترقی ہو۔

اسی قدر نہین فاتحون مین اب تو یہ ہوتا ہے کہ چار چار پانچ پانچ جوڑ کھانے کے نکال کے ایک پاک و صاف مقام پر ترتیب سے چنے جاتے ہین۔ آبخورے مین پانی بھی لا کے رکھ دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ کھانے مین مردے کو پانی پینے کی بھی ضرورت ہو گی۔ پھر اُس کے لیے کپڑون کے نئے اور حتی الامکان نفیس و قیمتی کپڑے اوڑھنا بچھونا۔ جانماز۔ نئی قلعی کیے ہوے تانبے کے برتن لوٹا۔ کٹورا۔ پتیلی وغیرہ بھی کھانے کے برابر رکھ دیے جاتے ہین اور جب یہ سب سامان تیار ہو جاتا ہے تو کوئی مُلّا آ کے فاتحہ کرتا۔ یعنی قرآن کی چند مختصر آیتین اور چھوٹی سورتین پڑھکر دعا کرتا ہے کہ خداوندا ان چیزون کا ثواب فلان شخص کو پہونچا۔ اس طریقے سے عوام کو اطمینان ہو جاتا ہے کہ یہ چیزین مردے کو پہونچ گئین۔ اور وہ سب کھانے اور چیزین کسی محتاج یا دیندار مسلمان کے گھر پہونچا دیجاتی ہین۔

ان چیزون سے خود مرحوم کے متمتع ہونے کے خیال نے دلون مین یہان تک رسوخ پیدا کر لیا ہے کہ بعض ادنے طبقے کی جاہل عورتین فاتحے کی چیزون کے پاس بن سنور کے خود بھی بیٹھ جاتی ہین کہ مرحوم شوہر ان کھانون اور کپڑون سے لطف اُٹھائے گا تو خود اُن کے حسن و جمال کی لذت سے کیون محروم رہ جائے۔

فاتحون مین کھانا فاتحے کی ضرورت سے بہت زیادہ پکوایا جاتا ہے۔ جو حسب توفیق اعزا و احباب مین جن سے حصہ داری ہے تقسیم ہوتا ہے۔

اور تمام گھر کے پرجون۔ دھوبی۔ نائی۔ حلال خور وغیرہ کو دیا جاتا ہے۔ جنھون نے فاتحون کے شاندار تقریبین بن جانے کی وجہ سے اپنے حقوق پیدا کر لیے ہین۔

گو کہ ہم نے یہ سب کارروائیان فاتحہ سوم کے ضمن مین بیان کر دی ہین لیکن ان کی تعمیل زیادہ اہمیت کے ساتھ چہلم مین ہوتی ہے جو کہنے کو تو مرنے کے چالیسوین دن مگر از روے عمل در آمد چالیس سے دو چار روز کم زمانے مین ہوا کرتا ہے اور فاتحے دسوین بیسوین کے بھی کچھ امتیاز سے ہوتے ہین۔ بلکہ ہر جمعرات کا دن خاندان کے بزرگون کے فاتحے کے لیے مقرر ہو گیا ہے مگر جو اہتمام سوم اور چہلم کے فاتحون کے لیے ہوتا ہے اور فاتحون کے لیے نہین کیا جاتا۔ ششماہی اور برسی کے فاتحے بھی بڑے اہتمام سے ہوتے ہین۔ اور حضرات امامیہ کے ہان ہر غمی کے فاتحے مین لزوم کے ساتھ مجلس عزاے آل عبا علیہ السلام بھی ہوتی ہے۔

غمی کی تقریبون کے خصوصیات ہم نے بیان کر دیے۔ اب رہی محفلون کی نشست کا طریقہ وہ وہی ہے جو دوسری تقریبون مین عرض کر دیا گیا۔ یہ خوشی اور غمی کی وہ تقریبین تھین جو اخلاقی و معاشرتی طریقے سے مروج ہین۔ مذہب نے جن محفلون کو رواج دیا ہے اُن کو ہم آیندہ بیان کرین گے۔

عائشہ بنت طلحہ

یہ عہد تابعین کی بڑی شریف النسب زندہ دل پارسا و صاحب جمال خاتون تھین۔ اُن کا پہلا شرف یہ تھا کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہ کی صاحبزادی تھین جن کا شمار عشرۂ مبشرہ مین ہے۔ دوسرا شرف یہ کہ اُن کی والدۂ محترمہ ام کلثوم حضرت ابو بکر صدیق رضی کی بیٹی تھین۔ جن کے وسیلے سے اُنھین حضرت صدیق اکبر کی نواسی اور حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بھانجی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ سوا تیسرا فخر اُن کا یہ ہے کہ حضرات حسنین علیہما السلام کی سالی تھین۔ اس لیے کہ اُن کی بہن اُم اسحٰق کے ساتھ پہلے حضرت امام حسن علیہ السلام نے اور اُن کے بعد جناب امام حسین علیہ السلام نے نکاح کیا۔ اور دونون اماموں کو خدا نے اُن کے بطن سے اولاد عطا کی۔ اس لیے کہ امام حسنؑ کے فرزند طلحہ اور امام حسینؑ کی

صاحبزادی فاطمہ اُنھین کے بطن سے پیدا ہوئی تھین۔

عائشہ بنت طلحہ کا حسن وجمال اُن دنون شرفا و معززین عرب مین نہایت مشہور تھا۔ اور علی العموم اہل سیر کہتے ہین کہ اُن کی صورت اُن کی خالہ عائشہ صدیقہ سے بہت ملتی تھی۔ اور حضرت عائشہ کو اُن سے محبت بھی ویسی ہی تھی۔ چنانچہ انھون نے اپنی اِن خوبصورت و پری تمثال بھانجی کا عقد اپنے سگے بھتیجے عبداللہ ابن عبدالرحمن بن ابی بکر کے ساتھ کر دیا۔ اُن سے عائشہ بنت طلحہ کو خدا نے پہلے جو فرزند دیا اُس کا نام عمران تھا۔ اور اُسی کی نسبت سے اُنھون نے اپنی کنیت اُم عمران رکھی۔ عمران کے علاوہ اُنھین انھین پہلے شوہر سے خدا نے تین اور اولادین بھی دی تھیں۔ جن کے نام نامی۔ ابو بکر۔ طلحہ۔ اور نفیسہ ہین۔ اُن کی صاحبزادی نفیسہ بھی حسن وجمال مین بے نظیر تھین۔ چنانچہ ولید بن عبدالملک کے ساتھ نکاح ہونے کے بعد وہ خلافت بنی امیہ اسلامیہ کی ایک عالی وقار ملکہ بن گئین۔

عائشہ بنت طلحہ باوجود پارسا و پرہیزگار ہونے کے بڑی نازنین بیوی تھین شوہر کا دباؤ مشکل سے مانتین۔ اور جیسی زندہ دل شوخ طبع تھین ویسی ہی نازک مزاج اور زبان کی تیز بھی تھین۔ عام ہرجعیت و مقبولیت اور اُس کے ساتھ دولت و امارت نے اِن جذبات کو بڑھا دیا تھا۔ اُنھین خاندانی قرابت بنی تیم سے تھی۔ اور بنی تیم کی عورتون کی یہ شان سارے عرب مین مشہور تھی کہ ایک طرف تو اپنی شوہرون کی نہایت محبوبہ اور چاہیتی لاڈلی بیوی ہوتین اور دوسری طرف نہایت ہی زبان دراز اور تیز ہوتین۔ یہی صفت ایک حد تک اِن محترم بیوی مین بھی موجود تھی۔

یہی حال اُن کی بہن اُم اسحق کا تھا۔ جن دنون وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے عقد نکاح مین تھین وہ اُن بیوی کی نسبت فرمایا کرتے۔ اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ وہ حاملہ ہوئین۔ زچگی ہوئی گھر ... پوری مدت مین مجھ سے اُن سے بگاڑ رہتا تھا بات چیت ترک تھی۔ نہ وہ مجھ سے بولتی تھین نہ مین اُن سے بات کرتا تھا۔

اس مزاج و مذاق کا انجام یہ تھا کہ عائشہ بنت طلحہ اور اُن کے شوہر عبدالرحمن سے بگڑی۔ اور ملال یہان تک بڑھا کہ عائشہ نے اُٹھ کے ایک چادر اوڑھ لی اور گھر سے نکل کے اپنی خالہ حضرت ام المومنین صدیقہؓ کے پاس ہونچین اور اُنھین کے حجرے مین جو مسجد نبوی کے اندر تھا سکونت اختیار کر لی۔ اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ مسجد نبوی مین ایک دن اتفاقاً اُن کے خوبصورت چہرے پر صحابی رسول اللہؐ حضرت ابوہریرہؓ کی نظر پڑ گئی۔ اور یہ بے خود کر دینے والا جمال جہان آرا دیکھ کر بے تحاشا اُن کی زبان سے نکلا "سبحان اللہ! معلوم ہوتا ہے جنت سے حور اُتر آئی!" چار مہینے تک محترم خالہ کے پاس رہی تھین کہ اُنھون نے سمجھا بجھا کے میان بیویون مین ملاپ کرا دیا۔ اور پھر شوہر کے پاس جا کے رہنے لگین پر تب بھی نبتی نہ تھی۔ روز بگاڑ ہوتا۔ یہان تک کہ اِن لڑائیون کا حال سُن سُن کے لوگون نے عبداللہ سے کہا "یہی حال ہے تو پھر آپ طلاق کیون نہین دیدیتے؟" لوگون کے اس ناگوار مشورے کو سُن سُن کر اُنھون نے دو شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "لوگ کہتے ہین طلاق دیدو۔ مگر جس سے محبت ہو اُس کو کیونکر طلاق دیدون؟" تھوڑے دنون بعد عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ اور عائشہ بنت طلحہ باوجود رنجشون کے اُن کی وفات تک اُنھین کی عقد مین رہین۔

ان پہلے ابن عم شوہر کی وفات کے بعد اُنھین حضرت عبداللہ بن زبیر کے بھائی مصعب بن زبیر نے پیام دیا۔ عائشہ بنت طلحہ کی طرف سے بہت ہی ناقابل برداشت شرطین پیش ہوئین۔ اور مصعب نے اُن سب کو قبول کر لیا۔ چنانچہ پانچ لاکھ درہم مہر ادا کر کے اُن سے عقد کیا۔ اور پانچ ہی لاکھ درہم نکاح کے بعد رونمائی مین دیے۔ خبر عبداللہ بن زبیر کو پہونچی تو اپنے بھائی مصعب کی نسبت کہا "اُنھون نے تلوار میان مین کر لی۔ اور حظ نفس حاصل کرنے مین پڑ گئے۔" ان دونون بھائیون کا سب سے بڑا سنگدل دشمن عبدالملک بن مروان تھا۔ اُس نے جو عبداللہ بن زبیر کا یہ فقرہ سنا تو ہنس کے کہا "عبداللہ نے غلطی کی مصعب تو دین و دنیا دونون مین غافل ہی تھا۔"

بہرحال عبداللہ بن زبیر یہ جملہ کہنے کے بعد مصعب کو ایک تحریر بھیجی جس مین

عیش پہ سیتون پہ سرفراز تھی۔ دستم دلائی تھی کہ خبردار اب مدینے کو چھوڑ دو۔ اور مجھ سے مکۂ معظمہ میں آ کے ملو۔ یہ بھی تاکید جانو کہ راستے میں مقام بیداء کے سوا اور کسی جگہ نہ ٹھہرنا۔ اور وہاں ٹھہرنے کو میں نے کہا بھی تو اس لیے کہ میرے خیال میں شاید تمھیں وہ شخص ہو جو وہاں زمین میں دھنسے گا۔ مصعب کو یہ تحریر ملی تو فوراً مکے میں آ کر معظم و محترم بھائی سے ملے۔ اور تجرد والحاح کے ساتھ قصور معاف کرا کے اُنھیں راضی کر لیا۔

مصعب کے عقد میں آنے کے بعد جناب عائشہ بنت طلحہ کے غمزہ و ناز کی یہ حالت تھی کہ کبھی اُنھیں اپنے بنڈے میں ہاتھ نہ لگانے دیتیں۔ مصعب خوشامدیں کرتے مگر وہ ایک نہ سُنتیں۔ آخر ایک دن مصعب نے عاجز آ کے اس کی شکایت اپنے معتمد اور منشی ابن ابی فروہ سے کی۔ اُس نے کہا "آپ کی نازبرداری نے اُن کے ناز و انداز بڑھا دیے ہیں۔ آپ کی اجازت ہو تو میں دم بھر میں انھیں سیدھا کر کے آپ کی لونڈی بنا دوں" مصعب نے کہا "میں تمھیں اجازت دیتا ہوں مگر اتنا خیال رہے کہ اُن سے زیادہ محبوب مجھے دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اور خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھے جتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اُن سب سے زیادہ شیریں و پرلطف نعمت میں اُنھیں کو سمجھتا ہوں" ابن ابی فروہ نے کہا "آپ اطمینان رکھیں اُنھیں ضرر کسی قسم کا نہ پہونچے گا" اس کے بعد ابن ابی فروہ نے دو قوی ہیکل حبشی غلاموں کو ساتھ لیا۔ اور جناب عائشہؓ کے دروازے پر جا کے دروازہ کھلوایا۔ اور اندر جانے کی اجازت مانگی۔ اُس وقت رات ہو چکی تھی۔ اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بولیں "بھلا اندر آنے کا یہ کون وقت ہے؟" جواب دیا "جی ہاں میں اسی وقت آنے پر مجبور ہوں۔ عائشہ سامنے سے ہٹ گئیں اور اُس نے گھر کے اندر داخل ہو کے غلاموں کو حکم دیا کہ انگنائی میں ایک گہرا گڑھا کھود دو۔ وہ دونوں جو کدالیں ساتھ لائے تھے کھودنے لگے۔ اور جناب عائشہ اور اُن کی کنیزیں گھبرا گھبرا کے دیکھ رہی تھیں کہ یہ گڑھا کیوں کھودا جا رہا ہے۔ آخر ایک کنیز نے پوچھا کہ "گڑھا کیوں کھود رہے ہو؟" ابن ابی فروہ نے کہا "اب اس کا کیا جواب دوں؟ تمھارے آقا کمبخت اتنے بڑے ظالم و سنگدل

پہ کہ دو مر مارنے کی مجال نہین - مین تو یہ کام نہ کرتا - مگر افسوس اُن سے ڈرتا ہون - اُن کے حکم سے مجبور ہون" اُس کنیز نے گھبرا کے پوچھا "آخر اُنھون نے کیا حکم دیا ہے؟" کہا "حکم یہ ہے کہ ایک گہرا کنوان کھود کے تمھاری بیوی کو اُس مین زندہ دفن کر دون" یہ سنتے ہی سب کنیزین کانپ گئین - اور عائشہ بنت طلحہ کے تو ہوش و حواس جاتے رہے - ابن ابی فروہ کے پاس آ کے رحم کی التجا کرنے لگین - اُس نے کہا "بیوی آپ کے میان اتنے بڑے سنگدل ہین کہ جس کی حد نہین - دنیا بھر مین اُن سے بڑا خونریز آدمی نہین پیدا ہوا ہے - کس کی مجال ہے کہ اُن کے حکم کو ٹال کے اپنی جان خطرے مین ڈالے؟" جناب عائشہ نے خوشامد کر کے کہا "اچھا اتنا ٹھہرو کہ مین ذرا اُن سے مل لون" ابن ابی فروہ نے کہا "افسوس یہ تو ہو ہی نہین سکتا" اور ساتھ ہی غلامون کو ڈانٹا کہ "جلد کنوان کھودو" اُس کی یہ مستعدی دیکھ کے جناب عائشہ اور سب کنیزین زار و قطار رونے لگین - اور گھر بھر مین پیٹس پڑ گئی - تھوڑی دیر رونے پیٹنے کے بعد اُنھون نے نہایت ہی یاس کے لہجے مین کہا "تو کیا اب مجھے مار ہی ڈالو گے؟ اور میرے بچنے کی کوئی صورت نہین ہے؟" ابن ابی فروہ بولا "حضور کیا عرض کرون؟ اللہ جل شانہ اس سنگدل ظالم سے اُس کا بدلہ ضرور لے گا - مگر اس وقت کوئی بات نہین بن پڑتی - خدا نہ کرے کسی کو ایسا غصہ آئے - اُس کا غصہ وہ کافر غصہ ہے کہ جس کی کوئی روک نہین" عائشہ نے پوچھا "تو آخر میرا قصور کیا ہے؟ جو مجھ پر یہ غصہ ہے؟" بولا "یہی کہ آپ اُن کا کہنا نہین مانتین - اُن کو خیال پیدا ہو گیا ہے کہ آپ کے دل مین اُن کی طرف سے کینہ ہے - اور آپ کے دل مین کوئی اور بسا ہوا ہے - اسی طیش مین وہ آپے سے باہر ہو گئے ہین" بولین "تو مین تمھین قسم دلاتی ہون کہ اُن کے پاس جا کے اس بارے مین کچھ کہو سنو" ابن ابی فروہ نے کہا "لیکن ڈر لگا ہے کہ مین حکم کی تعمیل کرنے سے پہلے اُن کے سامنے گیا - اور اُنھون نے میرے قتل کا حکم دیدیا تو کیا ہو گا؟" اس جواب پر پھر گھر مین کہرام مچ گیا - جب دیر تک یہی حالت رہی اور ابن ابی فروہ نے سب کنیزون خصوصاً جناب عائشہ کو خوب پٹوا لیا - تو کہا "افسوس آپ کی گریہ و زاری اب مجھ سے نہین دیکھی جاتی - اب چاہے مارا جاؤن یا زندہ بچون اُن کے پاس جاتا ہون - مگر حضور فرمائین تو سہی کہ اُن سے جا کے کیا کہون؟" بولین "تم اُن سے ذمہ کر لو کہ

مجھ سے پھر کبھی ایسی حرکت نہ ہو گی۔" کہا "اور اِس کے معاوضے میں حضور میرے ساتھ کیا سلوک کریں گی؟" کہا "جب تک جیتی ہوں احسان مند رہوں گی۔" بولا "تو پھر قسم کھا کے اقرار اور عہد و پیمان کیجیے۔" اُنھوں نے عہد کیا۔ اور ابن ابی فروہ حبشیوں کو کھود نے سے روک کے مصعب کے پاس آیا۔ اور ساری سرگذشت بیان کی۔ اُن کو ابن ابی فروہ کی کارروائی پر تعجب ہوا۔ اور کہا "تو پھر جا کے اُن سے قسم بھی لے لو کہ اب کبھی مجھ سے نہ لڑیں گی۔ اور نہ پھر کنارہ کریں گی۔" ابن ابی فروہ نے فوراً جا کے اس کی بھی تعمیل کرلی۔ اور غلاموں کو لے کے واپس آیا۔ اور مصعب میں اور اُن میں بہت دنوں کے لیے ملاپ ہو گیا۔

ایک بار اور مصعب سے بگاڑ ہوا۔ اور راستے دنوں تک کشیدگی رہی کہ دونوں کو اس کا ملال محسوس ہونے لگا۔ اسی اثنا میں مصعب ایک میدان جنگ میں گئے۔ اور وہاں سے فتحیاب ہو کے واپس آئے۔ اُن کے واپس آنے کی خبر سنی تو عائشہ نے اپنی ایک کنیز سے کہا افسوس مجھ سے اُن سے بگاڑ ہے۔ اور اب اس ملال سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اُس نے اُس سے بہتر ملاپ کا کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ آپ اِسی وقت چلی جائیں اور فتح کی مبارکباد دیں۔ دل میں نیکی آ گئی۔ فوراً چلی گئیں۔ اور فتح کی مبارکباد دی مصعب چونکہ اسی وقت میدان گیر و دار سے چلے آتے تھے چہرے اور کپڑوں پر بالکل غبار پڑا ہوا تھا۔ اپنے ہاتھ سے اُن کے چہرے اور جسم کو جھاڑنے لگیں مصعب خود زرہ پہنے ہوئے تھے۔ کہنے لگے۔ "زیادہ قریب نہ آؤ۔ لوہے کی بو سے تمہارے سر میں درد ہونے لگے گا۔" بولیں "یہ بو خدا کی قسم مجھے مشک و عنبر کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے۔"

عائشہ بنت طلحہ کی ناز آفرینی اور نازک مزاجی کی یہ حالت تھی کہ ایک دن صبح صبح مصعب آٹھ بڑے بڑے موتیوں کے دانے لیے ہوئے آئے۔ اُن کو خواب ناز سے جگایا۔ اور موتی اُن کی گود میں ڈال دیے۔ وہ آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھیں۔ اور کہا "جو لطف اس وقت نیند میں آ رہا تھا اُس کے سامنے یہ موتی کچھ نہیں۔ مجھے ناحق جگا دیا۔"

لو سال رواں بھی ہے روانہ باش

یا حضرت ۱۹۱۸ء اور بربون کے دیکھتے آپ بڑے بھلے مانس تھے مگر افسوس آپ کو بھی بارہ مہینے مین اپنا عہد حکومت ختم کر کے جانا ہی پڑا۔ جی چاہتا ہے کہ آپ کے ایسے صلح جو حاکم کا زمانہ ہمیشہ قائم رہتا۔ اور آپ کے زیر امن دورسے زندگی بھر لطف اٹھاتے رہتے۔ لیکن کیا کرین تقدیر سے لاچار ہین۔ کچھ زور نہین چلتا۔ اور آپ رخصت ہوے جاتے ہین۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کوئی لاٹ صاحب زیادہ مہربان و ہر دلعزیز ہوئے تو دنیا کے ملا اعلے مین عرضداشتین بھیج کے ہم نے زیادہ نہین تو چند ہی روز کے لیے ان کی مدت حکومت مین توسیع کرا لی۔ مگر جس دربار اقدس و اعلی نے آپ کو بھیجا ہے وہ ایسا وضعدار واقع ہوا ہے کہ ایسے معاملون مین کسی کی نہین سنتا۔ کہنا سننا خوشامد و التجا کرنا سب بیکار ہے۔ اور یہ محال عقلی سمجھ لیا گیا ہے کہ کوئی برس بارہ مہینون سے زیادہ کا ہو۔ ہم جہان تک غور کرتے ہین یہ کوئی مشکل بات نہین معلوم ہوتی کہ دیگر بڑے کواکب کی طرح اب کی مرتبہ آفتاب کے گرد زمین کا دورہ بجاے بارہ مہینے کے چوبیس مہینون کا ہوتا زمین اتنی بھاگا بھاگ نہ جاتی۔ ایسی تیزی سے نہ دوڑتی۔ یا وہ بیضاوی دائرہ جو اس کی سڑک ہے وہی پھیل کے بڑا ہو جاتا۔ مگر نہین یہ وہ نظام ہے جو نہین بدل سکتا۔ اور کیسا ہی اچھا مبارک و فرخندہ فال سال ہو یہ ممکن نہین کہ تین سو پینسٹھ دن چھ گھنٹے سے ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ کی بھی زیادہ عمر پا سکے۔ ہم سب کی طرح آپ کی موت کے لیے بھی کاتب قدرت نے وقت اور گھڑی مقرر کر دی ہے۔ لیکن اتنا فرق ہے کہ آپ کو اپنی عمر بتا دی گئی ہے کہ اتنی ہو گی۔ اور ہمین لاکھ سر مارین کسی طرح نہین معلوم ہو سکتا کہ کب مرین گے۔ اور اگر خدانخواستہ یہ معلوم ہو جاتا تو ہمین جینا محال ہو جاتا۔ ہم کو

مرجاتے۔ مگر آپ کو خدا نے ایسا مضبوط دل دیا ہو کہ جانتے ہین اتنے دنون سے ایک منٹ بھی زیادہ نہ جئین گے۔ مگر مطلق پروا نہین۔ یہ آپ جیتے کیسے ہین؟

آپ کے جاتے وقت جی چاہتا تھا کہ آپ کو دم بھر کے لیے اپنے یہان روکتے آپ کی دعوت نہ کر سکتے تو بھی ایک ہلکا سا "ایٹ ہوم" ضرور دیتے جس مین آپ کی عنایتون کا شکریہ ادا کرتے۔ آپ کے احسانات کا اعتراف کرتے اور یقین دلاتے کہ آپ کو خبر ہو یا نہ ہو ہم آپ کے کارنامون کو صفحات ایام مین بڑے فخر کے ساتھ درج کرین گے۔ اور دنیا اتنی ناحق شناس نہین ہے کہ آپ کے نام اور آپ کی برکتون کو کبھی بھول جائے۔

آپ سے پیشتر متواتر چار ایسے جانستان بزرگ تشریف لائے کہ افسوس آپ سے آکے دنیا کو آدھا بھی مشکل سے پایا ہو گا۔ روم کے اگلے ظالم تاجدارون کی طرح اُنھون نے آدمیون ہی کو نہین قومون اور نسلون ملکون اور مملکتون کو باہم لڑا کے تماشا دکھا۔ اپنی دلچسپی اور اپنے تفنن طبع پر لاکھون نہین کرورون آدمی کٹوا ڈالے۔ ایسے تماشے بہت سے اگلے برسون نے بھی دیکھے اور دکھائے مگر وہ کبھی ملک کسی سرزمین اور کسی قوم یا گروہ تک محدود تھے۔ لیکن اِن زبردست بزرگان ماضی اور سنگدل ابنائے فلک نے ساری دنیا کو لڑا یا۔ تمام ملکون مین خون اُچھالا۔ اور کوئی نہ تھا جسے کسی جگہ اطمینان سے بیٹھنے دیا ہو۔ ہم جھوٹ نہ بولین گے۔ ہم کو اُنھون نے اس آتش قتال سے بہت دور رکھا۔ اور گو اس کا دھڑکا ہر وقت لگا رہتا تھا۔ مگر بفضلہ تعالی اس کی نوبت نہ آنے پائی کہ ہماری سرزمین مین تلوار چلی ہو۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ اِن خون آشام بزرگون نے ہمارے وطن کے منتخب لوگون کو ہزارہا میل پر کھینچ بلایا۔ اور یہان نہین تو وہین ہم کو لڑا لڑا کے ہمارے لڑنے اور کٹنے مرنے کا تماشا دیکھ لیا۔

اور ہم جو وہان نہین گئے تو کیا مصیبت سے بچ گئے؟ یہان گھر بیٹھے مصیبت تھی۔ دانے پانی تک کو ترس گئے۔ ذرا ذرا سی ضروریات زندگی سے محروم ہو گئے اور سب سے بڑی آفت یہ تھی کہ جس طرح کوئی دشمن حریف سپاہیون کو گرفتار کر کے زنجیرون مین جکڑ دیتا ہے اُسی طرح ہم یہان اپنے وطن اور اپنے گھر مین ہاتھ پاؤن باندھ کے ڈال دیے گئے۔ نہ کچھ لکھ سکتے تھے۔ نہ پڑھ سکتے تھے۔ نہ دوستون سے آزادانہ گفتگو کر سکتے تھے۔ یہان تک کہ باہر والون کی آواز بھی نہ سُن سکتے تھے

وہ جو سنا ہو "بے مار کی توبہ" اِن بزرگون کے عہد مین دیکھ لی۔ وہ جو میدان مین گئے تھے وہ تو خیر مجرم تھے کہ دوسرون پر تلوار اُٹھائی۔ بھلا بتائیے ہم نے کیا قصور کیا تھا کہ ہمین بیٹھے بٹھائے اور بے کچھ کیے دھرے اسیر تھے۔ اور یہ مثل پوری طرح صادق آ گئی کہ "کرے داڑھی والا اور پکڑا جائے مونچھون والا" بجز اس کے کہ "اندھیر نگری چوپٹ راجہ" کی کہانی والے چیلے کی طرح کھا کھا کے ہم موٹے ہو گئے تھے اپنی اور کوئی خطا نہین نظر آتی۔

خیر اب یہ دکھڑا کب تک روئین۔ نہ آپ کو سننے کی فرصت ہو اور نہ ہم مین کہنے کی طاقت۔ اور بالفرض آپ کی عدیم الفرصتی کو بھول کر اپنی سرگزشت کہتے ہی رہین تو آپ دم بھر مین غائب ہو کے عُزلت کدۂ فنا مین جا بیٹھین گے اور ہمین وہ ضروری باتین کہنا رہ جائین گی جن کا جانے سے پہلے آپ کے گوش گزار کر دینا ضروری ہے۔

آپ جس وقت تشریف لائے ہین (معاف کیجیئے گا) ہم لوگ گزشتہ چار برسون کی خوشامدین کر کر کے اِس طرح ناکام و ناامید ہو چکے تھے کہ آپ کی ذات سے بھی ہمین فلاح کی کوئی امید نہ تھی۔ اور گو کہ ہم نے خوف اور دہشت سے خیر مقدم مین آپ کی تعریف ہی کی تھی اور حضور و جناب کے الفاظ سے خطاب کر کے التجا کی تھی کہ لللہ اب لڑائی کو رد کیجیے۔ اس لیے کہ اب ہم مین لڑنے کا دم نہین رہا۔ مگر دل کے صاف نہ ہونے اور فلاح و بہبود سے مایوس ہونے کے باعث دو چار طنز آمیز الفاظ بھی کہہ گذرے تھے۔ اب ہم اُن الفاظ پر پچھتاتے ہین اس لیے کہ آپ نے ہماری سُن لی۔ اور آپ ہی کی نیک نفسی تھی کہ فتنۂ دوران کا خاتمہ ہو گیا۔

ہم آپ کے حد سے زیادہ شکر گزار ہین۔ اتنے شکر گزار کہ اس سے پہلے کبھی کسی کے نہ ہوئے تھے۔ آپ نے واقعی کمال کر دیا۔ اور اتنے بڑے جھگڑے کو دنیا سے مٹا دیا جس کے اس قدر جلد اور آناً فاناً مٹ جانے کی ہرگز امید نہ کی جا سکتی تھی۔ جب تک دنیا قائم ہے اور نوع انسان باقی ہے یہ بھی یادگار رہے گا کہ اتنی بڑی عالمگیر لڑائی کو آپ نے چٹکی بجاتے مین موقوف کرا دیا جو اور دو تین سال قائم رہتی تو دنیا

مین چند گنتی کے آدمی باقی رہ جاتے۔

تاہم آپ ابھی صلح کو ناتمام چھوڑے جاتے ہین۔ اگرچہ آپ کی توجہ سے ہماری ابد مدت سلطنت کے حریف اس قدر مغلوب اور بے دست و پا ہوگئے کہ اب اُن مین اتنی مجال نہین کہ سر اُٹھا سکین۔ مگر پھر بھی ابھی صلح کے شرائط کا طے ہونا باقی ہے جس کام مین اکیلے حریفان جنگ ہی نہ ہون گے بلکہ دنیا کے دیگر سلاطین بھی ہون گے۔ اور اس پنچایت کا اونٹ نہین معلوم کس کل بیٹھتا ہے۔ اس لیے آپ براہ کرم اپنے ولی عہد سے کہتے جائیے کہ خیریت کے ساتھ صلح کی تکمیل کرادین۔

آپ نے لڑائی تو ختم کرادی مگر ہم کو ابھی تک آفات جنگ سے نجات نہین ملی۔ غلہ ویسا ہی مہنگا ہے۔ ستر پوشی کے لیے کپڑے کے ہم ویسے ہی محتاج ہین۔ رنگ کے نہ ملنے سے سہاگنین بھی اُن بیواؤن کی وضع مین ہین جن کا سہاگ اِس لڑائی کے ہاتھون اُجڑ گیا۔ اور قیامت یہ کہ علم جس کی ترقی و اشاعت مین ہر مہذب و شائستہ سلطنت مصروف رہا کرتی ہے کاغذ اور سامان طبع کی گرانی سے فنا ہوا جاتا ہے۔ آپ مین جب اتنا رحم ہے کہ ہماری حالت زار دیکھ کے صلح کے اسباب پیدا کر دیے تو اپنے جانشین کو اتنی وصیت بھی فرماتے جائیے کہ ان آفتون اور اس تباہی سے دنیا کو جلدی نجات دلائین۔

عائشہ بنت طلحہ

اُن دنون اشعب نام ایک مسخرہ تھا جس کی بڑے بڑے معززین مین رسائی تھی اور اُس کے صدہا واقعات مشہور ہین۔ حضرت سکینہ بنت حسینؓ رضی اللہ عنہا کے حالات مین بھی اُس کے متعدد واقعات کتب سیر مین درج ہین۔ یہ اشعب مصعب کی خدمت مین اکثر آیا کرتا تھا۔ ایک دن جناب عائشہ بنت طلحہ مصعب سے سخت ناراض تھین۔ اور مصعب اسی فکر مین بیٹھے تھے کہ اشعب آگیا۔ اور اُن کو فکرمند دیکھ کے جویائے حال ہوا۔ اُنھون نے ساری سرگزشت بیان کر دی

اور اپنی پریشانی ظاہر کی۔ اشعب نے کہا "اگر مین اُنھین راضی کر دون تو کیا دلوائیے گا؟" کہا "جو مانگو" اشعب نے کہا "دس ہزار درہم لون گا" مصعب نے کہا "اچھا دیے" اُن سے اقرار لے کے اشعب جناب عائشہ کے پاس پہونچا۔ اور عرض کیا "حضور یہ غلام آپ پر سے قربان ہو۔ حضور جانتی ہین کہ اس خادم کو آپ سے کیسی محبت ہے۔ میری وفاداری آج ہی کی نہین پرانی ہے۔ اور مین دراصل حضور ہی کی خوشی پہ جیتا ہون۔ اور پھر میری یہ خوشامد کسی غرض سے نہین ہے۔ بلکہ خالص جوش نمکخواری نے رہین مرحمت و عنایت بنا رکھا ہے۔ اس وقت ایک خاص ضرورت حضور کی ڈیوڑھی پہ لائی ہے۔ نظر عنایت ہو گئی تو زندگی بھر بے دامون کا غلام رہون گا" جناب عائشہ نے ہنس کے کہا "کچھ کہو گے بھی یا یونہین فضول بکتے چلے جاؤ گے؟" بولا "جی ہان عرض کرتا ہون۔ مجھے فی الحال دس ہزار درہم کی ضرورت ہے۔ اور ہمارے امیر مصعب نے وعدہ کر لیا ہے کہ یہ رقم اسی وقت سے دین گے بشرطیکہ حضور اُن سے راضی ہو کے ملاپ کر لین" یہ سنتے ہی عائشہ کی جبین ناز پر شکن پڑ گئی سخت برہمی سے کہا "یہ ہرگز نہین ہو سکتا۔ قیامت تک نہ ہوگا" اشعب نے کہا "تو پھر ایک کام کیجیے۔ ذرا ایک روز کے لیے راضی ہو کے مل لیجیے۔ اور جیسے ہی مجھے رقم مل جائے پھر لڑ جھگڑ کے بگڑ جائیے گا۔ اور وہی کج ادائیان اور کج خلقیان جو غلام آپ کو دکھا رہا ہے اختیار کر لیجیے گا" یہ سن کے عائشہ کو ہنسی آ گئی۔ اور اُس کے کہنے کے بموجب مصعب سے ملاپ کر لیا۔

اسی طرح ایک اور دفعہ کا واقعہ ہے کہ عائشہ اور مصعب مین لڑائی ہوئی۔ ناراضی اور بگڑنے مین عائشہ یہان تک بڑھین کہ غصہ مین کہہ بیٹھین "مصعب میرے بھائی کی جگہ ہین" یہ کہتے ہی اپنا کمرہ بند کر کے بیٹھ رہین۔ اور مصعب نے لاکھ صفائی کی تدبیر کی مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ آخر عاجز آ کے اُنھون نے قیس رقیات کو جو اس عہد کے ایک صاحب اثر بزرگ تھے درمیان مین ڈالا۔ اُنھون نے آ کے جناب عائشہ بنت طلحہ کو سمجھانا شروع کیا۔ کہنے لگین "آپ کے کہنے سے مین مل بھی جاؤن تو اس کا کیا علاج ہے کہ اُن سے نہ ملنے کی قسم کھا چکی ہون۔ اور اُنھین اپنا بھائی بتا چکی ہون" قیس نے کہا "اس کا یہ علاج ہے کہ مفتی عراق اور فاضل و فقیہ زمانہ امام شعبی موجود ہین آپ اُن سے فتویٰ اور مشورہ لے لیجیے۔ وہ بتا دین گے کہ یہ دشواری کیسے دور ہو سکتی ہے"

بہرحال قیس کے کہنے سے شعبی بلوائے گئے۔ اُنھون نے چار ہزار درہم کفارہ مین بتائے اور کہا "یہ رقم ادا کر دیجیے آپ کے سامنے سے قسم کی دیوار ہٹ جائیگی۔ اور پھر مصعب سے ملنے مین کوئی مضائقہ نہ ہوگا"

مصعب سے اکثر بگاڑ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ عائشہ بنت طلحہ اُن کا کہنا بہت کم مانتی تھین۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا چہرہ عام لوگون سے چھپاتی نہ تھین جو آتا اس کو اپنی صورت دکھا دیتین۔ اس پر مصعب بگڑتے۔ اور بے پردگی سے روکتے۔ اس کے جواب مین اُن کے چھیڑنے کے لیے کہتین "خدا نے مجھے زیور جمال سے آراستہ کیا ہے۔ اچھا نہین معلوم ہوتا کہ خدا کی اس نعمت کو مین لوگون سے چھپاؤن۔ اور اُن کو اِس خوبصورت چہرے کی زیارت سے محروم رکھون" اس پر مصعب اور برافروختہ ہوتے۔

مگر یہ روایت یقیناً غلط ہے۔ اس لیے کہ اُن کی زندگی کے تمام واقعات سے متواتر ظاہر ہوتا ہے کہ اپنا چہرہ چھپاتی اور پردے مین رہتی تھین ممکن ہے کہ اتفاقی طور پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یا بعض اور لوگون نے جو اُن کی صورت دیکھ پائی تھی اُس کی شکایت مصعب نے کی ہو۔ اور ناز برداری شوہر کے چھیڑنے اور چڑھانے کے لیے اُنھون نے یہ جواب دے دیا ہو۔ اگر یہ صحیح واقعہ ہوتا تو اُن کا طرز عمل بھی اس کے مطابق ہوتا۔ حالانکہ اُن کے مشرح و مفصل حالات مین بے پردگی کا مطلق پتہ نہین چلتا۔

اسی طرح یہ واقعہ بھی غلط اور بے اصل معلوم ہوتا ہے جو مصعب کے ساتھ عائشہ کا نکاح ہونے کے متعلق بعض اہل روایت نے بیان کیا ہے کہ ایک دن مصعب بن زبیر، عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر۔ اور سعید بن عاص جو اُس دور کے وضعدار شوقین اور دولت مند نوجوانان قریش مین سے تھے عزۃ المیلاء کے پاس گئے جو اُن دنون مدینے کی ایک بڑی مشہور صاحب جمال مغنیہ تھی اور اکثر عورتون کے مذاق و حالات سے واقف رہا کرتی تھی ان تینون نے اُس سے کہا کہ ہم نے اپنی شادیان ٹھہرائی ہین۔ اور دو دلھنین بھی تجویز کر لی ہین۔ مگر اتنا چاہتے ہین کہ نکاح کے پیشتر تمھارے ذریعہ سے دریافت کر لین

دیہ لڑکیان کیسی شکل و شمائل کی ہین؟" عزۃ المیلا سنے کہا "اچھا تم سنے کن کن لڑکیون کو تجویز کیا ہے۔ مصعب سنے عائشہ بنت طلحہ کو عبداللہ سنے آم قاسم بنت زکریا۔ اور سعید نے عائشہ بنت عثمانؓ بن عفان کو بتایا۔ عزہ ان کو اپنے مکان مین بٹھا کے گئی ان سب بیویون سے ملی۔ اُن کے جسم اور اُن کی صورتون کو بخوبی دیکھا۔ بلکہ عائشہ بنت طلحہ سنے تو اُس کی خواہش کے مطابق برہنہ ہوکر اُسے اپنے ہر ہر عضو کے دیکھنے اور اُس پر غور کرنے کا موقع دے دیا۔ اور جب وہ چلی تو کہا تمھارا کہنا تو مین نے کر دیا۔ اب تم میرا کہنا بھی کر دو۔ اُس نے کہا "جو حکم ہو" فرمایا "کچھ گا کے سناؤ۔ جس کا ایک زمانہ مشتاق ہو رہا ہے" عزہ سنے دو ایک راگ گا کے سنائے جس پر عائشہ بہت خوش ہوئین۔ اور خلعت و زیور سے سرفراز کر کے رخصت کیا۔ گھر واپس آ کے عزہ نے مصعب سے کہا "سنو تمھاری دولھن حسن و جمال مین اپنا جواب نہین رکھتی ہر عضو سانچے مین ڈھلا ہوا ہے۔ اور ہر ادا معشوقانہ ہے۔ بڑی تلاش سے اُن مین فقط دو عیب نظر آئے۔ ایک یہ کہ کان بڑے ہین۔ اور دوسرے یہ کہ پاؤن بھی بڑے ہین۔ مگر ان عیبون پر انسان کی نظر نہین پڑ سکتی۔ اس لیے کہ کانون کو خمار چھپائے رہتی ہین۔ اور پاؤن جرابون مین چھپے رہتے ہین۔ اس کے بعد اور دونون نوجوانون کو ان کی دولھنون کی نسبت بھی اطمینان دلایا۔ اور اُسی کے مشورے سے تینون نے اُن لڑکیون کے ساتھ شادیان کین۔

اس روایت کے بے بنیاد ہونے کی کھُلی وجہ یہ ہے کہ اُس مین مصعب اور عبداللہ بن عبدالرحمن دونون کی نسبت کہا گیا ہے کہ ایک ساتھ عزۃ المیلا کے پاس آئے اور مصعب سنے بتایا کہ وہ عائشہ بنت طلحہ کے ساتھ عقد کرنے والے ہین۔ حالانکہ عائشہ بنت طلحہ کا عقد پہلے انھین عبداللہ بن عبدالرحمن کے ساتھ ہوا تھا۔ اور اُن کی وفات کے بعد مصعب کو اُنھین پیام نکاح دینے کا موقع ملا۔

مصعب باوجود اُن تمام جھگڑون اور روز روز کی لڑائیون کے جناب عائشہ بنت طلحہ کے شمع رخسار کے پروانہ تھے۔ ایک دم کو بھی بغیر اس نازنین بیوی کے چین نہ آتا۔ اور لڑائی کے بعد جب تک راضی کر کے ملاپ نہ کر لیتے بیتاب و بیقرار رہتے۔

ایک دن عائشہ نے کسی تقریب مین قریش کی بہت سی شریف زادیون اور محترم بیویون کو اپنے گھر مین مہمان بُلایا۔ محفل طرب کے لیے بڑے تکلفات کیے۔ ہر طرف پھولون کے ہار لٹک رہے تھے۔ گلدستے رکھے تھے۔ اُن کی خوشبو سے سارا مکان مہک رہا تھا۔ الوان نعمت اور تر و تازہ میوہ جات چنے ہوئے تھے۔ جو جو بیویان آئین اُن کو عزت و تکلف سے بٹھایا۔ کھلایا پلایا۔ سب کو مطلا و مذہب جوڑے پہنائے۔ اور اس کے بعد مذکورہ بالا مغنیہ عزۃ المیلا اس زنانی محفل مین بیٹھ کے گانے لگی۔ اُس کو بھی گانا شروع ہونے سے پہلے بھاری خلعت فاخرہ عطا ہو چکا تھا۔ عزۃ المیلا نے چند گیتون کے بعد امراء القیس کے چند عاشقانہ اشعار گائے۔ جن مین اُس کی محبوبہ نازنین کے دُر دندان اور لب خندان کی تعریف تھی۔

یہان سے قریب ہی مردانے مین مصعب چند ندیمان صحبت کے ساتھ بیٹھے باتین کر رہے تھے کہ عزۃ کی تانین اُن کے کانون مین پہنچین۔ اُٹھ کر محفل کے قریب آئے۔ اور پردے کے پاس کھڑے ہو کے گانا سننے لگے۔ عزہ جیسے ہی امراء القیس کے اشعار گا چکی بے اختیار چلا کے داد دی۔ اور کہا "عزۃ خدا کرے جیتی رہو۔ جن چیزون کا تم اپنے نغمے مین ذکر کر رہی ہو ہم نے اُن کا لطف اُٹھایا۔ اور خدا کی قسم ویسا ہی پایا جیسا کہ تم کہتی ہو" اس کے بعد عائشہ کے پاس کہلا بھیجا "اس وقت تم تک تو ہماری رسائی غیر ممکن ہے مگر عزہ کو اتنی اجازت دو کہ یہان ہمارے پاس آ کے دو ایک چیزین گا دے۔ تاکہ اس لطف سے ہم بھی محروم نہ رہین" عائشہ نے اجازت دی اور عزہ نے مردانے مین آ کے وہی امراء القیس کے اشعار بار بار سنائے۔ مصعب کی یہ حالت تھی کہ اُن اشعار کو کسی طرح سُن ہی نہ چکتے تھے۔ معلوم ہوتا کہ جوش بیخودی سے دیوانے ہو رہے ہین۔ دیر کے بعد جب عزہ خود ہی رُکی تو کہا "کیا خوب گاتی ہو! تم اپنا جواب نہین رکھتین۔ تمھارا نغمہ بھی بے نظیر ہے۔ اور جن اشعار کو گا رہی ہو وہ بھی بے نظیر ہین" اس کے بعد خدا خدا کر کے عزہ کو زنانی محفل مین واپس جانے کی اجازت دی۔ جہان خاتونان مدینہ کو بہت دیر تک اپنے نغمہ سے محظوظ کر کے وہ اپنے گھر واپس گئی۔

اسیری بابل

بخت نصر سارے بنی اسرائیل کو اسیر کر کے بابل پکڑ لے گیا تھا۔ اُن کے بادشاہ صدقیا کو طوق و سلاسل پنہائے۔ اُس کے بیٹون کو اُس کے سامنے قتل کرایا۔ لوہے کی گرم سلاخون سے اُس کی آنکھین پھوڑین۔ اور اُسے بابل کے تیرہ و تار قیدخانے مین ڈال دیا۔ اہل بابل یعنی کلدانی بت پرست بنی اسرائیل سے غلامون کی طرح محنت و مشقت کے ذلیل ترین کام لینے لگے۔ اور اس حالت کو مدتین گذر گئین۔ یہان تک کہ اسرائیلی بادشاہ صدقیا قید مین مر گیا۔ اور اس کے مرنے کے بعد فارسی تاجدار سائرس نے حملہ کر کے کلدانیون کو تباہ اور بابل کو ویران و بے چراغ کیا۔ اور بنی اسرائیل کو اپنے وطن ارض یہودا مین واپس آنے کی اجازت دی۔

یہ واقعہ دنیا کے اہم ترین تاریخی واقعات مین سے ہے جس کے حالات کتب آسمانی سے معلوم ہوئے ہین۔ انگریزی کے جادو بیان و نکتہ سنج شاعر گولڈ اسمتھ نے اُنھین مذکورہ واقعات سے ماخوذ کر کے ایک چھوٹا سا دلچسپ منظوم ڈراما لکھا ہے جس سے تاریخ قدیم کا ذوق رکھنے والون خصوصاً دلدادگان شریعت الٰہی و رمز شناسان اسرار پیغمبری کو بڑا لطف آسکتا ہے۔ اور مسلمان چونکہ توحید کے عقیدے مین سب سے زیادہ بڑھے ہوے ہین اور انبیاے سلف کا بیحد ادب کرتے ہین اس لیے ہمین امید ہے کہ اُن کو اس ڈراما مین یہود و نصاریٰ سے زیادہ مزہ آئے گا۔

اسی خیال سے مین نے اس چھوٹے سے ڈراما کا ترجمہ اردو نظم مین کر دیا اور ان پابندیون کے ساتھ کہ اصل مضامین بجنسہ قائم رکھے ہین۔ ترجمہ ویسی ہی نظم مین ہے جیسی کہ گولڈ اسمتھ نے لکھی ہے۔ اصل ہی کی طرح شعر خوانی ہے۔ نغمے ہین۔ اُسی نمونے کے بند اشعار ہین۔ اُسی شان و ترتیب سے قافیے ہین۔ اور وہی رنگ ہے۔ خلاصہ یہ کہ فقط الفاظ تو اردو ہین باقی ہر چیز انگریزی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس ڈراما کو بہی خواہان اردو عموماً اور مسلمان خصوصاً پسند کرین گے۔ قدر دانان دلگداز اس تمہید کے بعد آپ اب اس ڈراما کو ملاحظہ فرمائین۔ اور دیکھین کہ یہ ڈراما کیسے مورخانہ وقار، مذہبی استقلال، موحدانہ جذبات اور ادیبانہ کمالات کو ظاہر کر رہا ہے۔

خاکسار
محمد عبد الحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشخاص ڈراما

پہلا اسرائیلی نبی — پہلا کلدانی پوجاری
دوسرا اسرائیلی نبی — دوسرا کلدانی پوجاری
اسرائیلیہ عورت — کلدانیہ عورت

نوجوان مردون اور دوشیزہ لڑکیون کے گروہ

پہلا کھیل

(منظر دریاے فرات کے کنارے قدیم شہر بابل کے قریب)

پہلا نبی (شعر خوانی) اسیرانِ ستم جو کام کرتے کرتے روتے ہو
فراتِ تیز رو کا شور سنتے ہوش کھوتے ہو
ذرا اِس گریہ و زاری کو چھوڑو اور دم لے لو
خدا سے لو لگا کر دل کو اک تسکین سی دے لو
ذلیل دپابزنجیر - اور دنیا بھر عدو اپنی
خدا ہی کے ہے ہاتھ اب تو امید و آرزو اپنی

وہی (نغمہ) خدا ہی پہ ہے ناز ہم کو زمین پر
اُسی کے کرم پر لگی ہین نگاہین
مصیبت بڑھے جتنی قلبِ حزین پر
بڑھے حوصلہ بھی کہ اُس کو نباہین

دوسرا نبی (نغمہ) نہین گو کہ آراستہ وہ حرم یان
نہ قربانیان اور چڑھاوے ہین اِس جا

بنے گا حرم اُس کا سینے مین ہر آن
اور اُس پہ دُرِ اشک ہر دم چڑھے گا

(پہلے نغمے کو اسرائیلی مل کر پھر گاتے ہین)

اسرائیلیہ عورت (شعر خوانی) یہ نغمہ پھر سُنانا جس سے گھر یاد آتا ہے اپنا
کہ نقشہ کھینچے ان آنکھون کے آگے اپنے موطن کا
زیتون کے مرغزار وا جو ہوا ویڑتے پھولون کی چادر
وہ کھیتوا! انگنی قدِ زرون ہی لپکا جن کے دامن پہ
پہاڑ وا صن لبنان کے! ہی جن پہ تاج سرِدن کا
درختو لیموؤن کے! جن سے سارا بن مہک اُٹھا
تھے کیسے جان فزا یہ جھنڈ! کیسے پیارے میدان تھے
خصوصاً جبکہ ہم سب موردِ الطاف رحمان تھے

وہی (نغمہ) اِدِ وطن! فریب نہ دے بن کے مہربان
بے سود و بے نتیجہ ہے ہر وقت ہر گھڑی
پیش نظر ہی رکھنا گزشتہ سرور یان
پھر رنج سے بدل کے اُسے کرنا دشمنی

ظالم ستانے والی! وہان جا جہان کہ سب
آزاد اور مست شرابِ سُرور رہون
کمبخت ہم سے جو کہ ہین خواہان فضل رب
کیا قہر ہے کہ وہ ترے زخمون سے چور ہون

دوسرا بنی (شعر خوانی) مگر کیون شکوہ! اگر طوق و سلاسل ہین تو کیا پروا؟
دلون کے جوش پر بھی کیا ہی اِن سب قیدونکا پہرا؟
ہماری شادمانی کے لیے کیا یہ نہین کافی؟
کہ یان ہین بُت پرستی سے بچے رہتے فقط ہم ہی تنہا؟

ہے آغاز آج ہی کی صبح سے تو یان کی عیدون کا
کہ جب سورج کی ان سب اشرکون مین ہوتی ہے پوجا
ہمارے پُرجفا مالک اِسی دن اپنی رسمون کو
بجا لا کر کرینگے سخت بے شرمی کے کامون کو
اسی کا غم کرین ہم؟ ناتوان نیکی تو پنہان ہو؟
اور اُس کے بدلے دل پر حکمران نخوت سے عصیان ہو؟
نہین ہم تو زیادہ خوش ہون اپنی ایسی حالت پر
کہ تلخی رنج کی غالب نہ آنے پائے ہمت پر

وہی (نغمہ) جن جن مسرتون کا بدی پر مدار ہے
انجام اُن کا یہ ہے کہ دل بیقرار ہے
محنت سے نیک پاتے ہین نیکی یہ جان لو
اور اپنے دُکھ کو چشمۂ لذات مان لو
صندل کو بو دے گا نہ اپنی وہ بُو کبھی
جب تک کہ جڑ ہے اُس کی زمین مین لگی ہوئی
لیکن اُسے جو کاٹ کے جلاؤ تو دیکھنا
اک آن مین مہک اُٹھے گی گرد کی فضا

وہی (شعرخوانی) گر خاموش میرے بچو! ظالم حاکم آتے ہین
سُننے مین نے بھیانک باجے جن کو وہ بجاتے ہین
فضا مین گونجتی ہین اُن کی تانین شادمانی کی
خبر دیتی ہوا ہے اُن کی قربت اور روانی کی
یہ بڑھتا شور کا کہتا ہے آتے ہین وہ سُرعت سے
مرے بچو! بچے رہنا تم اُن لوگون کی سنگت سے

(کلدانی پوجاری بہت سے زن و مرد کے ساتھ آتے ہین)

پوجاری (نغمہ) یارو آؤ! عید کا وقت آگیا
کوئی لذت آج ہم سے رہ نہ جائے

"عیش کو نکلو" ہے سورج کہہ رہا
شہ بھی آتا ہے کہ یان عشرت منائے

دوسرا پوجاری (نغمہ) شمس ہی کی سی ہے برکت شاہ کی
دونون رحمت ہین ہمارے واسطے
شمس سے گر ہے فلک پہ روشنی
تو زمین کی روشنی ہے شاہ سے

کلدانی عورت (نغمہ) جلدی آؤ مزے کے رسیا
ہون مین پیری چشم عشق کا تحفا
مجھ کو لو - اور چھوڑ دو سب کو

کلدانی مرد (نغمہ) ان مین نہ آئے تم کو مزہ گر
جھک پڑو جھٹ پٹ اور مردون پہ
مے ہی مزے کی تر کرو لب کو

پہلا پوجاری (نغمہ) مے بھی مزے کی حسن بھی پیارا
بیسون مردون کا ان سے سہارا
کس کا شوق نہین ہے سب کو

دوسرا پوجاری (نغمہ) چھانٹون اس کی کسے ہے فرصت؟
سب کا شوق ہے سب سے رغبت
دونون کا لطف اٹھاؤن گا شب کو

پہلا پوجاری (شعر خوانی) مگر یہ کیون؟ کہ سارا ملک ہے جب عیش سے شادان؟
اسیران یہودا کر رہے ہین نالہ و افغان؟
بجاؤ کیون نہ تم اہل یہودا بانسری اپنی؟
لٹکتے جھاڑیون مین کیون تمھارے چنگ ہین خالی؟
اٹھاؤ بانسری - اور چھیڑ دو تم اپنا بھی نغما
سناؤ راگ صیہون کا تقاضا ہے یہ اس دن کا
بھلا دو غم کو - اور تانین لگاؤ ساتھ ہم سب کے
ضرورت ہے کہ تم سا باکمال اپنی بھی دھن چھیڑے

وہی (نغمہ) جو جو لمحہ آتا ہے
عیش نیا اک لاتا ہے
آؤ - تم تو دانا ہو
وقت کو مفت نہ جانے دو

دوسرا پوجاری (نغمہ) کل پھر ہاتھ نہ آئے گا
آج کا لطف جو جائے گا
آہ! کہ کل پچھتاؤ گے
جیسا کروگے پاؤ گے

دوسرا نبی (شعر خوانی) گرفتارِ سلاسل - اور ذلیل و پست و خوار ایسے
مشقت میں پھنسے، آفت زدہ اور بے وقار ایسے
یہی ہر وقت بیدردوا بھلا گانے بجانے کا؟
شریکِ کار ہاے شرک ہو کر لطف اٹھانے کا؟
نہیں - ہرگز نہ ہو گا یہ - یہ ہاتھ اس دم ہی غارت ہوں!
جو استادِ زبان مشاقِ فن ہاے مسرت ہوں!
اگر بھولیں ہم اپنی سرزمین اور اپنے موطن کو!
کریں یا کام جس سے اتقا کا لطف زائل ہو!

دوسرا پوجاری (شعر خوانی) گستاخ غلامو! تم اگر یوں نہ سنو گے
تو یاد رہے سخت مصیبت میں پھنسو گے

پہلا نبی (شعر خوانی) کیا خوف! کرو ظلم! ہمیں بس ہے یہ نعمت
اللہ سے ڈرتے ہیں نہیں اور کوئی دہشت

(سب کلدانی چلے جاتے ہیں)

اسرائیلی گروہ (نغمہ) کیا بدلے گی اس دل کو بھلا قید و اذیت
رہتا حرم سینہ میں ہے جو بہ حفاظت؟
لغزش نہ ہو! اعدا کو دکھا دو یہ تحمل
کہتے ہیں جسے فتح وہ ہے ضبط و تحمل

(سب چلے جاتے ہین)

دوسرا کھیل

(حسب سابق کلدانی اور بنی اسرائیل اور وہی اگلا منظر)

پہلا نبی (نغمہ)
نور ایمان! مرے دل کے ملکوتی مہمان
ساکنِ سینۂ پُر داغ و دانیِ حرمِ امن
مرحمت کرتے ہین تو اپنی دواے تسکین

دے وہ پر جن سے اُڑے قلب بہ سوے افلاک
خاک کی تیرہ کثافت سے ہون آنکھیں صاف
اور آزاد غم و درد سے ہو جائین حزین

پہلا پوجاری (شعر خوانی)
بس ہو چکا - سزا مین بہت دیر ہو گئی
ہے حکم شہریار کی تعمیل لابدی
راحت تمھاری شاہ کی فرمان بری مین ہے
دیوتاؤن کو بلا ہو نجات اسی مین ہے
لیکن کیا جو شاہ کے فرمان سے انحراف
تو اُس کی مہربانیان جاتی رہین گی صاف
سوچو تم اپنے سر پہ بلا کیسی لاتے ہو؟
سمجھو کہ کیسا غصہ تم اُن کو دلاتے ہو؟

نبی (نغمہ)
طوفان اُٹھا ہے آفت کا
سارے لہراتے سمندر مین
اندھڑ دہ چلا ہے قیامت کا
افریقہ کے دشت و در مین
لیکن طوفان
چرخ شکن بان
لاتا ہے گو ہر طرح کی آفت

شاہ کا غصہ
قہر کا جلوہ

ہے سب سے بڑی پرشور قیامت

اسرائیلیہ عورت (شعر خوانی) اے قسمت! کیسے ہیبت ناک خطرے بڑھ گئے؟
جان کس دہشت میں ہے؟ اور کیسے یہ صدمے سہے!
اے نیبو! واقف اسرار ربانی و صدق لم یزل
ہو معاف اک لڑکی کی جرأت میں یا دگر خلل
ہاے! دم بھر کے لیے منظور کر لو حکم کو
آنسوؤں سے کل گنہ کا داغ ہم ڈالیں گے دھو

وہی (نغمہ) ہیں عاجز زندگی سے ہم مگر مرنے سے ڈرتے ہیں۔
اور امیدانی وہ شامت زدوں کا جو سہارا ہے
بٹھانے والے دل کے تازے جو صدمے گزرتے ہیں۔
بڑھاتے اُس کو اتنا ہیں کہ دم مارین نہ یارا ہو۔
یہ اُمید ایک دھندلی شمع ہے جو دل میں جلتی ہے
بڑھاتی ہے فقط کمبختوں کی یہ راہ کی رونق
پھر اُس پر یاں تو اک ظالم اندھیری رات طاری ہے۔
جو کچھ بھی۔ روشنی ہو دی تو یہ رکھتی نہیں مطلق۔

دوسرا لوچاری (شعر خوانی) پھر اب کیا دیر ہے؟ اٹھو شریک جشن عشرت ہو۔
نگاہیں کہتی ہیں آؤ عیش و مسرت ہو۔
بس آؤ۔ اور گاؤ ایسا دلکش نغمۂ شیریں۔
کہ ہو اس جشن کی نام شہ ذیجاہ سے تزئین
اسیرو۔ ساز چھیڑو۔ اور بجاؤ بانسری اپنی۔
یہ صحبت۔ یہ گھڑی۔ یہ جا پھر اک ہو رنگ میں ڈوبی

کلدانیہ عورت (نغمہ) لو صبح دم کی کرنیں ہیں آج مسکراتی۔
شاخیں وہ جھنڈیوں کی ہیں ارغنون بجاتی

چلو نسیم کیا کیا جنگل مین سے ہے لگاتی
پودھون مین جاکے نہرین مین کھیلتی کھلاتی

پہلا پوجاری (نغمہ)
ایسی تو دھوم کا یان اک جشن ہو رہا ہے
آخر بتاؤ موقع یہ کون رونے کا ہے؟
ہم کو کسی کی پروا اب تو نہین ذرا ہے
ہم تو وہی کرین گے یہ دل جو چاہتا ہے۔

دوسرا پوجاری (شعرخوانی)
مگر ٹھہرو، وہ دیکھو اِن اسیرون کا جو افسر ہے
جو کہلاتا ہے پیغمبر رکھی نے اس نے لب پر ہے
بس اب تم دیکھ لینا۔ اِس کا کیا رتبہ ہے گانے مین
ہر اک دُھن کے ادا کرنے مین ہر دل کے رجھانے مین
ہے کیا جذب نمایان۔ ذرا دیکھو تو صورت کو
یہ بادل سے بڑھانے والا طوفانون کی شدت کو
گلے کے سُر بھی لو اب مل گئے ہین چنگ کے سُر سے
سنین گے اس سے اپنے شاہ کے اقبال کے نغمے

پہلا نبی (نغمہ)
اُتر۔ دکھن۔ پورب۔ پچھم۔
ہر سمت سے فوجین آتی ہین!
ناپاک دلو۔ اب کانپو تم!
سب وحشی زبانین گونگی ہین!

ہر سمت سے طوفان اُٹھا ہے
بابل پہ آ کے برسنے کو!
خواری! تباہی! اور مٹنا ہے
رونے! مرنے! سر دُھننے کو!

دوسرا نبی (نغمہ)
پامال کر الٰہی! اور خاک مین ملا دے!
سورج کے ڈوبنے سے پہلے ہو یہ خدایا!

دی ہے سزا جو اس نے وہی اسے سزا دے!
یہ ہو چکا مقرر! اب ہو کے یہ رہے گا

دوسرا پوجاری (شعر خوانی) بس غلامون سے جو ہوسے ایسی گستاخی عیان
فیصلہ اُس کا کرین گے آپ ہی شاہ جہان
اسمجھ شامت زدو! کیا دیکھا تم سب نے نہین
حد قیا کی عظمتین ان ہاتھون کیسی مٹ گئین
اُس اندھیرے قید خانے کی طرف پھیرو نظر
قید ہے جس مین تمھارا وہ شہ خستہ جگر
دیکھو زنجیرین بجاتا۔ آنکھون سے معذور ہے
غم مین اپنے بیٹون کے روتا ہے اور رنجور ہے
یہ بھی سُن رکھو غلامو! ہین ابھی باقی بہت
بھاری بھاری بیڑیان اور مجبس پرعفونت

سارے کلدانی (نغمہ) اُٹھیے شاہ ذی شان اُٹھیے
قائم کیجیے قوم کی شوکت
ملکون ملکون سب کی زبان سے
نکلے حضرت ہی کی مدحت
(سب چلے جاتے ہین)

تیسرا کھیل

(وہی اشخاص۔ وہی جگہ۔ وہی منظر)

پہلا پوجاری (شعر خوانی) ہان دوستو تقدیر نے بے شک کیا ہی فیصلا
یعنی ہماری سلطنت قائم ہے "اور دو بے" جزا!
مجنون نبی بیکار ہی دیتا ہی دھمکی خوف کی
اِس سرکشی کے جوش مین مخفی عداوت ہی بھری

اپنے تو نام و زور کی شہرت ہی دنیا میں رہے
ان عدل ایثار و زہد خواہون کا سر کچلا کیے

وہی - (نغمہ) ہم عمر ہے انسان کی
اپنی بڑی شاہنشہی
اس کو رہے دائم بقا
گو ساری دنیا ہو فنا
جب کچھ نہ دنیا مین رہے
اُس وقت یہ باطل مٹے

اسرائیلی نبی (شعر خوانی) یونہیں مغرور کے سر مین خیالِ [illegible]
گھڑی بھر بعد دیکھو تو نہ عظمت [illegible] ہوتی ہے
گر مین! کیا ہی وہ غمگین جلوس ہے دلخراش آ رہا
جو اُس میدان کے رُخ چلے چلے آتے ہیں [illegible]
اور اب دیکھو لیے جاتے ہین وہ دریا کے رستہ پر
جنازہ ایک جس کو ہین اُٹھائے لوگ کاندھے پر
مگر افسوس! میری آنکھون نے کیا خوب پہچانا
یہودا کی یہ شاہی نسل کا ہے آخری جلوہ
ہوئے رخصت ہمارے شاہ سب خطرے کی [illegible] رخصت ہین
جناب صدقیا جاتے سوئے آغوشِ تربت ہین

وہی (نغمہ) بدنصیبو! جنھین قسمت سے ہے اپنی نفرت
اپنی محتاجی و اندوہ پہ جو رو رہے ہو
پوچھو تو - کیسی المناک تھی اُس کی قسمت
اور کرو شکر کہ تم اُس سے بہت اچھے ہو

پہلا نبی (نغمہ) مغرورو! ناز ہے جنھین عیش و شباب پر
یہ رنگ رلیان چھوڑ کے اس کو بھی سوچ لو

تم سا تھا ناز اِسے بھی بجا اور جناب پر
اِس کا ہی سا تمھارا بھی انجام کار ہو

وہی (شعر خوانی) تم اِس شامت زدہ کی غم میں لپٹی لاش کو دیکھو
یہ سیلا جسم زنجیروں سے ہر جا خستہ تو دیکھو
یہ حلقے دیکھو جو آنکھوں سے خالی ہیں بھیانک ہیں
بدن پر چیتھڑے اور بال دیکھو جو کمر تک ہیں
مگر کیا آسمان بدلہ نہ لے گا اس کا دشمن سے؟
گرا ئے گا نہ اُس کو وہ خدنگِ ظالم افگن سے؟
مگر کب تک خدا سے دو جہان یہ جور اٹھائے گا؟
بخوبی دھمکیاں ہولیں گی تب وہ قہر ڈھائے گا

اسرائیلیہ عورت (نغمہ) ہانپتی بھاگتی ہے جیسے کہ زخمی ہرنی
کودتی پھاندتی شیریں و رواں نہروں کو
اور دریا کوئی سطے کر کے نشیبی وادی
کرتا حائل رہ صیاد میں ہے نہروں کو

ویسے ہی ہم بھی مصیبت زدہ ہوکر رونے
شوق میں چشمۂ رحمت کے ہیں بے صبر و قرار
کون چشمہ؟ جو ہو مظلوم کے حق میں مژدا
اور زبردست ستمگر کو کرے زار و نزار

پہلا نبی (شعر خوانی) گریہ شور کیسا ہے؟ معاذ اللہ! ہیں سب حیران!
وہ دیکھو برج گرنے کو ہے۔ کیسا مچ گیا طوفان؟
وہ دیکھو کس کا لشکر سارے میدانوں میں ہے پھیلا؟
یہ آپہونچا ہے ستائرس لوٹتا اور مارتا ہر جا
وہ دیکھو۔ ہو رہی ہے مورچوں کی کیسی پامالی؟
خداوندا! تری ہی ہے فتح ہر باقی ہیں سب فانی۔

اسیرون کا گروہ (نغمہ) پامال کر الٰہی! اور خاک مین ملا دے!
پاداش کا ہو آغاز اِس کا ہے وقت آیا
دی جو سزا اُنھون نے وہی سزا اُنھین دے
یہ ہو چکا مقرر۔ اب ہو کے یہ رہے گا!

پہلا پوجاری (شعرخوانی) ہوئی بالکل شکست۔ اور لشکر بابل وہ بسپا ہے
وہ سائرس فاتح عالم برابر بڑھتا آتا ہے
دُھوان قصرون پہ اُٹھتا! وہ سیلاب عدو جاری
ہے کیا نخوت کا سر نیچا! شجاعون کی ہے کیا خواری!
خدایا ہم اُسن اپنی دعا! گو دیر مین مانگی
ہمین پچھتانے کو مہلت ملے بس ایک ساعت کی!

دونون پوجاری (نغمہ) مبارک ہین وہ جو مبارک گھڑی مین
خدا سے جہان کی طرف لو لگائین
چھپین جا کے اُس کے جلال قوی مین
نہ پہلے تباہی کی وہ مار کھائین

دوسرا نبی (شعرخوانی) زمانہ اب ہمارا ہے! جری بے باک بدحالو!
خدا سے ڈرنے اور انسان کے آگے بھاگنے والو!
جسے بھولے تھے پہلے اُس سے بیکار التجا ہے اب
تمھاری جان ہین۔ دولت سلطنت غارت ہین سب کی سب

وہی (نغمہ) او لوسفر! ابن صباح پُر خطر
جنت کے اور انسان کے ساتھی قدیم
انسان و جنت اور سب
ہین تیرے نکبت خواہ سب

عہ لوسفر وینس تارے (زہرہ) کو بھی کہتے ہین۔ اور شیطان کو بھی۔ بابلی چونکہ اس ستارے کو پوجتے تھے اسی وجہ سے بنی اسرائیل نے اُس کو شیطان کہہ دیا۔ چونکہ یہ ستارہ صبح کو طلوع کرتا ہے اس لیے اِس کو ابن صباح کہا پھر شیطان کے واقعات اُس کی طرف منسوب کر دیے۔

اور چاہتے ہیں تجھ کو ملعون و رجیم

پہلا نبی (نغمہ) او شہر بابل! کیسا تو غارت ہوا!
اُس اوج سے ہے یہ تباہی سخت تر
سنسان یہ سڑکیں تری
ہوں گی بہائم سے بھری
یاں بولیں غوک - اور بیٹھیں گدھ مُردار پہ!

دوسرا نبی (شعرخوانی) یہی انجام ہو! لیکن سنو - واں دو سے کیونکر
خبر دیتی ہے تُرہی اب رکن پیکار سے نکہ؟
ہمارا حامیِ اعظم شہ سائرس ہے آ پہونچا
ظفر پیکر عساکر کے ... یہی رستا
بس اب تم چھیڑ دو دُھن اپنے صیہونِ معظم کی
مبارکباد گاؤ حامیِ اولادِ آدم کی
بحکم رب اسیروں کے چھڑانے کو وہ آتا ہے
ستمگر کے لیے بھاری سلاسل ساتھ لاتا ہے

نوجوان اسرائیلیوں کا گروہ (نغمہ) اٹھو اور گاؤ اپنی سب تھا ہا دی
کہ یاد الم میں ہے اب ملتی لذت
یہ سائرس ہے اک رحمت سبحانی
نصیب اُس سے ظالم کو ہو خواب راحت

اسرائیلی لڑکیوں کا گروہ (نغمہ) سائرس ہم کو بچانے والا
الفت و عشرت ساتھ ہیں اُس کے
آتا ہے رحمت لانے والا
آتا ہے ہم کو دُکھ سے چھڑانے

آدھی اسرائیلیوں کا گروہ (نغمہ) مبارک ہے جو رحم سے حکمراں ہو
بڑے صلح اور امن ہے اُس کو الفت

مبارک ہے جو کھول دے دست دعا کو
مگر دل کو کر لے اسیر محبت

بارت اسٹرئی (نغمہ)

اپنے حامی اپنے مونس او خداوند کریم!
حمد سب گاتے ہین دل سے سرمدیت کی تری
تو کہ ہے بے ابتدا بے انتہا ذات قدیم
ہو تجھی مین ابتدا اور انتہا ہم لوگون کی
(سب جاتے ہین)

بنی اسرائیل کی مختصر تاریخ

حضرت ابراہیم سے جب وطن چھوٹا تو چند روزہ کی سرگردانی کے بعد آپ ارض کنعان مین مقیم ہو گئے آپ کے پوتے حضرت یعقوب اپنے گم شدہ فرزند حضرت یوسف کی وجہ سے تو کل خاندان کے ساتھ مصر مین جا کے فروکش ہوئے۔ وہان اُن کے بارہ بیٹون سے اُن کی نسل بڑھنا شروع ہوئی۔ جو بارہون بیٹون کی نسبت سے بارہ سبطون یعنی قبیلون مین منقسم تھی۔ اور چونکہ حضرت یعقوب کا لقب اسرائیل تھا۔ اس لیے سب "بنی اسرائیل" کہلاتے۔ چند روز بعد اُن کی نسلون کو بیحد بڑھتے دیکھ کر مصر والون یعنی قبطیون اور اُن کے فرمان روا فرعونون نے اُن پر طرح طرح کے ظلم شروع کیے۔ اس ظلم کے دُور کرنے کے لیے انھین مین سے خدا نے حضرت موسیٰؑ کو مبعوث کیا۔ اور وہ سارے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجے سے چھڑا کر اپنے قدیم آبائی وطن ارض کنعان کی طرف لے چلے۔ مصر سے اس نکلنے کو خروج کہتے ہین جو بہ اختلاف روایات ولادت حضرت محمد مصطفےٰ صلعم سے ۲۰۶۱ یا ۲۱۰۱ سال پیشتر ہوا۔ بنی اسرائیل کتنی مدت تک مصر مین رہے یہ بھی مختلف فیہ ہے بعض روایتون سے ۴۳۰ سال اور بعض روایتون سے ۲۱۵ سال معلوم ہوتے ہین۔ لہذا یہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت یعقوبؑ مع اہل و عیال کے مصر مین ولادت سرور عالم علیہ السلام سے ۲۲۷۶ یا ۲۳۸۶ یا ۲۴۹۱ یا ۲۶۰۱ سال پیشتر تشریف لے گئے تھے۔

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کے نکلے تو مگر زندگی مین ارض کنعان یعنی خدا کی وعدہ کی ہوئی سرزمین مین پہونچنا نہ نصیب ہوا۔ چالیس سال کی

دشت نوردی کے بعد اُن کی قوم ارض کنعان مین پہونچی - اور چند روز مین اُس پر قابض و متصرف ہو گئی - اب اُن مین ایک طرح کی جمہورت تھی - یہان تک کہ اُن کی تمنا کے مطابق اُن مین سلطنت قائم ہوئی - پہلا بادشاہ ساؤل (طالوت) ہوا - اس کے بعد حضرت داؤدؑ بادشاہ ہوے جو اُس کے داماد تھے - اور پھر اُن کے فرزند حضرت سلیمانؑ تخت نشین ہوے جنھون نے ولادت محمدیؐ سے ۱۶۸۸ سال پیشتر مسجد اقصیٰ یعنی حرم الٰہی کو تعمیر فرمایا -

حضرت سلیمانؑ کے بعد ارض فلسطین مین جس کا مستقر بیت المقدس تھا اُن کے بیٹے رجعام تخت نشین ہوئے - اور فقط دو سبط اُن کے زیر فرمان رہے - دلس سبطون نے اُن کے شمال مین ایک جداگانہ سلطنت قائم کر لی - جس کا مستقر شہر سامرہ تھا - اس سامرہ کی اسرائیلی سلطنت کا خاتمہ تاجدار نینوا شلما نصر کے ہاتھ سے ولادت محمدیؐ سے ۱۲۹۱ سال پیشتر ہوا - اور وجہ یہ ہوئی کہ سامرہ کے پچھلے اسرائیلی بادشاہ ہوشع نے نینوا کی باجگزاری قبول کرنے کے بعد فرعون مصر "سو" سے سازش کرنا چاہی تھی - جس کی سزا مین شلما نصر نے ہوشع کو قتل کیا - اور دسون سبطون کو مع زن و فرزند پکڑ لے گیا - اور آج تک پتہ نہین کہ یہ دسون سبط کیا ہوے اور کن قومون مین کھپ گئے - دوسری سلطنت بیت المقدس کا خاتمہ بابل کے فرمان روا بخت نصر کے ہاتھ سے ۱۱۶۹ سال قبل ولادت سرور عالم ہوا - بخت نصر نے اُن کے بادشاہ صدقیا کے بیٹون کو قتل کیا - اُس کی آنکھین پھوڑ دین - اور اُسے اور اُس کی قوم یعنی باقی ماندہ دو سبطون کو مع عورتون اور بچون کے بابل مین پکڑ لایا - اور اُن سے غلامی کی محنت لی جانے لگی - یہان تک کہ ۱۱۵۰ھ قبل محمد مین سائرس نے آکر بابل کو تباہ کیا - اور بنی اسرائیل بیت المقدس مین واپس آئے - جس وقت کی تصویر اس ڈراما مین دکھائی گئی ہے -

---

مہذب بک ایجنسی

... وجہان ...

۴ر

... دو پہلے ...

... گشت ... رقعہ ...

... رسوم شاہی ...

... صورتوں ... عورتوں کا ...

... ناگن ... ساز کی ...

۱۰ر

... قیمت

... حسرت ایک ... دلچسپ ...

مصنفہ جناب وحشی نگرامی

۱۰ر

گلیہ اورنگ زیب ... شاد ... سے

... ایک دلچسپ ناول ... پیرایہ میں ... ۳ر

... الماس جنگ طرابلس پر ایک مختصر

دلچسپ اور تاریخی ناول ... ۲ر

عطر سخن اس عہد کے ... الخیال شعرا ... گرم

شبلی ۔ حالی ۔ اور اقبال وغیرہ کل ... مقبول

شاعروں کی معرکۃ الآرا نظمیں

... مولانا شبلی اور دیگر مستند ...

۲ر ... نظمیں

دولت درانیہ احمد شاہ درانی کے حالات

... سے معرکۃ ... پانی پت

عمر

... بعد ... تعلیم یافتہ ... کے لیے

... زندگی ... ۱۲

... کے مشہور ...

... تاریخی ناول ... شاد گلستان

... اور ... بھائی

... سے سلطنت ... لینے کی تدابیر ...

... سوشل اور

... ۱۲ر

... چوبیس

... ناول ...

... انھیں بڑا ناز

تھا اور ... تصنیف خیال

... قیمت عہ

... ان کی ... مصنفہ میری کوریلی ... ب

... نیا مذہب اور ... ساینٹیفک

... کیا گیا ہے ۸ر

روح لیلی میری کوریلی کا ... ناول ...

... کی ... روحانی ... حصہ شائع ... اور

... کی گئی ہے قیمت ... عہ

... شاہ سلامت ... رعایا کی سرکشی ...

... شاہی کی تباہی ... رعایا کا

... زخم کھا کر گرنا اور اس وقت

... آنسو بہانا عمر

... معشوق ... ہاتھوں ایک

... کی تباہی ... ادے کی

پریشانی ... اصطبل سے انجان ... نکلنا

... درانی کی بدولت

محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب بک ایجنسی گرونزن بیگ خان لکھنؤ

چابک سواری مین کمال حاصل کرکے پھر اپنی
موروثی جائداد حاصل کرنا قیمت فی جلد ۹ر

جام زہر - ایک چھوتا ناول جس مین بے مرضی کی
شادی اور نوجوانی کی غلطیون کے نتائج نہایت
موثر طریقے پر دکھائے گئے ہین مصنفہ مولوی حافظ
حاجی محمد احسن صاحب وحشی بلگرامی ۱۰ر

خلق مجسم ایک شائستہ لڑکی کی پاک زندگی کا
فوٹو قیمت ۴ر

ماتا سرزمین بابل کی دیوی ماتا کا با عظمت بتکدہ اور
اس کی عجیب و غریب حکایات بخت نصر کی خونریزیان
قیمت عہ ر

گمدم سراغ رسانی کے لیے بہت ہی مفید ناول قیمت عہ ر

الو کی دم فاختہ ظرافت کا گنجینہ حماقت کا سفینہ
ایک طرف ظرافت ایک طرف نصیحت قیمت ۸ر

عیار دن کا عیار - پولیس کی کارروائیان
اور سراغ رسانی کے راز نہایت عمدگی سے دکھائے
گئے ہین - عہ ر

قصہ حاجی بابا اصفہانی - مالک ایران
کے ایک مشہور و معروف سیاح کے چشم دید
واقعات ۴ر

بنر باغ مسلمانون کی فضول خرچی اور
عیوب کا نتیجہ ۶ر

جفا و وفا . معشوقہ دلنواز کی وفاداری
عاشق کی دغابازی اور مکاری اور خفیہ
فروشون کے کارنامے ۱۲ر

درد فراق شہنشاہ محمد اور سلطان بایزید
کی مشہور جنگ قیمت ۴ر

محبوس گذشت ناول کے پیرایہ مین فتح
سومنات کی پوری تاریخ ۱۰ر

معشوقہ عرب عربون کی طرز معاشرت پر
ایک نہایت اچھوتا ناول قیمت ۱۰ر

رزم نرم قنوج کی لڑائی سلطان شہاب الدین کی
فتح اور راجہ جے چند کی شکست - حسن و عشق کی ایک
بھولی تصویر قیمت ہر دو حصہ مکمل ۴ر

نیرنگ فرنگ فرانس کا ۱۸۷۰ء کا انقلاب
فرانس اور جرمنی کی جنگ مشہور ناولسٹ وکٹر
ہیگو کے ناول کا ترجمہ قیمت ۱۲ر

حور عین ۱۸۵۷ء کے غدر کے واقعات چھترپور کا
جوش جہالت . انسانی ہمدردی اور نیکی و بدی
کے نتائج قیمت عہ

عقد الجواہر جنھون نے کبھی اس ناول کو دیکھ لیا ہے
وہی جانتے ہین کہ کس قدر دلچسپ اور پر لطف
ہے - قیمت فی جلد ۴ر

طلسم - سر والٹر اسکاٹ کا دوسرا تاریخی ناول یعنی
قیصر ل کا اور سلطان صلاح الدین کی ملاقات اور فن
حرب کے جوہر - دونون کا عہد و پیمان ایک عاشق
صادق اور جانباز کی مطلب برآری - حسن و عشق
اور فراق و وصال کی داستان ۱۲ر

دل سوز - سومنات پر سلطان محمود غزنوی
کا پر جوش حملہ . مسئلہ تناسخ پر محققانہ بحث کے ساتھ
حسن و عشق - قیمت ۸ر

سیتا . ہندو عورتون کی وفاداری اور سچی محبت کا افسانہ
۱۸۵۷ء کے غدر کے تاریخی واقعات ہر دو جلد سے ر

مکار سرپرست بڈھے سرپرست کی مکاری و
دغابازی اور آخر کار مکافات عمل کا سین ۵ر

راز عشق - امریکہ کے مشہور سراغ رسان نک
کارٹر کی تصنیف خفیہ پولیس کے حیرت انگیز کارنامے عہ ر

گنجینہ سراغرسانی یہ ناول خفیہ پولیس کے پیشے
ایک ہدایت نامہ اور تفتیش کرنے والون کا پچانا
ہے ہر چہار حصہ قیمت ۴ر

خوبی قسمت - مسمریزم کے ذریعے سے انسان
کیونکر قابو مین لایا جاتا ہے قیمت عہ ر

کالجنگ کی کھونی ایک جانور ان نے اپنے شاہ کے کا [illegible] اور [illegible] کے واقعات بیان کئے ہیں

معشوقہ فرنگ [illegible] نہایت عجیب ڈراما کا ترجمہ قیمت ۸ر

خدائی فوجدار پنڈت رتن ناتھ سرشار کا مشہور و معروف ناول [illegible] سے پُر اور دلچسپی سے معمور [illegible]

گر [illegible] مسلمین [illegible] بنگالی ناول کا ترجمہ ایک نوجوان کی [illegible] کا [illegible] ۲ر

اکبر شمیم تجارت [illegible] مسٹر جیمس ایلین کی [illegible] کا ترجمہ [illegible] کیا کچھ کر سکتا ہے ۲ر

چیتھڑا [illegible] ایک [illegible] ناول عیاروں کی [illegible] رسالہ ۲ر

[illegible] ایک نہایت دلچسپ ظریفانہ [illegible] ۲ر

[illegible] **چو** [illegible] ایک عصمت شعار لڑکی کا [illegible] ۲ر

[illegible] سے [illegible] نہایت [illegible] سے بھرا ہوا ناول ۲ر

[illegible] انجام۔ مولفہ حضرت نیاز [illegible] ۱۲ر

رسالہ [illegible] اردو کے مبسوط قاعدہ صرف [illegible] **کلیہ** [illegible] لفظ بدلنے کا آلہ ۲ر

اردو متروک الفاظ کا مفصل [illegible] تصحیح فصیح الفاظ کا محل استعمال [illegible] دستور العمل قیمت ۴

بقا شاعر ہند شعرائے ماضی و حال کے واقعات [illegible] شاعری کے نکات [illegible] کلام [illegible] آخر میں خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی [illegible] لطیفے۔ قیمت ۲ر

ترجمہ ناول [illegible] ڈز

فسانہ الدوین ولیلی [illegible] اشعار [illegible] رنگین [illegible]

[illegible]

فسانہ [illegible] کا ترجمہ [illegible]

فسانہ لالرس [illegible]

[illegible] کی [illegible] وغیرہ کا [illegible]

فسانہ [illegible] تاریخی واقعات [illegible] نہایت دلچسپ

[illegible] **حیرت** [illegible] بازی سے [illegible] کا فیصلہ [illegible] نہایت [illegible]

روز الیصبرت [illegible] دغابازی [illegible] انجام بے انتہا دلچسپ [illegible] حصہ دوم [illegible]

ناول اسرار [illegible] کا با محاورہ ترجمہ [illegible] جذبات کا [illegible]

تحفہ [illegible] انقلاب کی تصویر [illegible] بیان کے [illegible] موقع [illegible]

[illegible] کا خلاصہ [illegible]

محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب ایجنسی گولہ گنج لکھنؤ

دل افروز

ناولون کے شائق خصوصاً مولنا شرر کے ناولون کے شیدا اس رسالے کو ضرور خرید فرمائین جس مین ہمیشہ دو سلسلے ناولون کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مجموعی صفحات ٹائٹل کے علاوہ (۳۲) ہوتے ہین۔ پہلا ناول مولنا کا طبع زاد ہوتا ہے۔ اور دوسرا انگریزی کے کسی ناول کا ترجمہ۔ سالانہ چندہ مع محصول ڈاک ۱ر ہر سال اپریل سے دل افروز کا سال شروع ہوتا ہے۔ اور اپریل کا پرچہ دو روپیہ ایکسآنہ (۱ر) پر وی پی بھیج کے سالانہ چندہ وصول کر لیا جاتا ہے۔ نمونے کے واسطے ۲ر کا ٹکٹ آنا چاہیے۔

مینیجر دلگداز و دل افروز۔

دلگداز!

مولنا شرر کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ جو نئے زبان اردو کے علمی خزانے کا اعلیٰ لٹریچر ہے جو اصحاب خریداروں کو ایک سال خرید ار رہنے کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خریدار رہین تو مولنا ممدوح کا ایک نیا ناول مفت نذر کیا جاتا ہے۔ اور وہی سال بعد کے چندے اور محصول ڈاک پر وی پی روانہ کر دیا جاتا ہے قیمت سالانہ مع محصول ڈاک عہ دلگداز کا وی پی عہ کا اور ناول کا وی پی آنے کا محصول بڑھا کے عہ کا بھیجا جاتا ہے۔

دلگداز کی ناکمل جلدین		دلگداز کی مکمل جلدین			
جلد ۱۹۱۰ء	۱ر	جلد ۱۹۱۲ء	عہ	جلد ۱۹۰۹ء	عہ
جلد ۱۹۱۱ء	۱۲ر	جلد ۱۹۱۳ء	عہ	جلد ۱۹۰۶ء	عہ
جلد ۱۹۱۱ء	عہ	جلد ۱۹۱۵ء	عہ	جلد ۱۹۰۸ء	عہ
منتخب مضامین ۱۹۱۶ء	۱ر	جلد ۱۹۱۶ء	عہ	جلد ۱۹۰۷ء	عہ
		جلد ۱۹۱۷ء	عہ		

مینیجر دلگداز

مورخ!!!

اعلیٰ لٹریچر اور خالص تاریخ کا ایک ماہانہ رسالہ جس مین مختلف مضامین نہین مکمل تاریخین سلسلہ وار شایع ہوتی ہین اور ایسا انتظام کر دیا گیا ہے کہ چند روز کے اندر آپ کی زبان مین تمام قومون اور ملکون کی مبسوط اور ضخیم اور مفصل و واضح تاریخین پیدا ہو جائین گی۔

فی الحال مورخ مین مولنا شرر صاحب کی مشہور تاریخ "ارض مقدس" کے ۸ہ صفحے ہوتے ہین اور اس کے بعد ۳۲ صفحون پر کاندی کی مشہور تاریخ "دولت ہسپانیہ عرب" کا ترجمہ ہر ماہ رسالہ پانچ جز یعنی ۸۰ صفحون پر ہوتا ہے۔ مورخ کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ رکھا گیا ہے۔ اور بہ محصول ڈاک ۶ر عہ رسالہ پر مورخ جاری کر دیا جائے گا۔ نمونے کے لیے ۸ر کے ٹکٹ آنے چاہئین حامیان زبان اردو اور مولنا شرر کے لٹریچر کے قدر دانون سے امید ہے کہ اس رسالے کی ضرور سرپرستی کرین گے۔ اس کا خریدنا زبان اردو کی بڑی خدمت ہے توجہ فرمائیے قدر دانی کیجیے اور خود اپنی اور اپنی زبان کی خدمت کیجیے۔

المشتہر

محمد صدیق حسن سب ایڈیٹر دلگداز و ایڈیٹر مورخ کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

تصانیف مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر

تاریخ و سوانح عمریاں

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات۔ [illegible]
(۲) ابوبکر شبلی حضرت شبلی کے حالات [illegible]
(۳) تاریخ سندھ۔ عرب کے فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ جلد اول [illegible]
(۴) [illegible] اقوام سلف کی نہایت واضح تاریخ [illegible]
(۵) [illegible] ترجمہ [illegible]
(۶) [illegible] کے حالات [illegible]
(۷) [illegible] اسلام [illegible]
(۸) خواجہ معین الدین اجمیری حضرت خواجہ اجمیری کے حالات [illegible]
(۹) سکینہ بنت حسین جناب سکینہ بنت امام حسین [illegible]
(۱۰) افسانۂ قیس حضرت عامری کے حالات۔ [illegible]
(۱۱) حسن بن صباح اور فرقۂ باطنیہ اسماعیلیہ [illegible]
(۱۲) قرۃ العین ایک مجتہد زادی۔ [illegible]
(۱۳) شیریں ملکۂ عجم خسرو پرویز کی معشوقہ [illegible]
(۱۴) ملکۂ زنوبیہ [illegible] سلف کی [illegible] ملکہ [illegible]

ناول

(۱۵) حسن کا ڈاکو [illegible] ناول [illegible]
(۱۶) [illegible] سلطنت عباسیہ [illegible] کا ایک تاریخی واقعہ ہر دو حصہ [illegible]
(۱۷) مفتوح فاتح۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول۔ [illegible]
(۱۸) [illegible]۔ ایک عاشقانہ تاریخی ناول۔ [illegible]
(۱۹) خوفناک محبت ہندوستانی شریف زادوں کی پاکدامنی و جہالت کی اس سے بہتر تصویر نہیں ہو سکتی۔ [illegible]
(۲۰) حسن کا ڈاکو۔ حرام پور کے نواب کی سرگزشت ہر دو حصہ [illegible]
(۲۱) اسرار دربار حرام پور۔ حرام پور کے نواب کے اور حالات۔ ہر دو حصہ [illegible]
(۲۲) غیب دان دولھن۔ حیرت انگیز غیب دانی۔ [illegible]
(۲۳) رومۃ الکبریٰ [illegible]
(۲۴) ماہ ملک۔ غزنویوں کا عروج [illegible]
(۲۵) زوال بغداد۔ دولت عباسیہ [illegible]

(۲۶) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کی تصویر [illegible]
(۲۷) مقدس نازنین یا [illegible]
(۲۸) [illegible] دوسری صلیبی لڑائی۔ [illegible]
(۲۹) قیس و لبنیٰ عہد صحابہ کا ایک سچا عشق [illegible]
(۳۰) فلورا فلورنڈا [illegible] سلطنت عرب [illegible]
(۳۱) آغا صادق کی شادی۔ ایک دلچسپ قصہ [illegible]
(۳۲) فلپانا عہد صحابہ کا ایک سچا قصہ [illegible] کا قصہ [illegible]
(۳۳) فردوس بریں۔ [illegible] جنت کی سیر [illegible]
(۳۴) یوسف نجمہ [illegible]

متفرقات

(۳۵) الحکم الرفات [illegible] رسالہ [illegible]
(۳۶) سرسید کی [illegible] [illegible]
(۳۷) ہندوستان [illegible] [illegible]
(۳۸) اردو سے ہندوؤں کا تعلق [illegible]
(۳۹) زمانہ اور اسلام [illegible]
(۴۰) شب [illegible] [illegible]
(۴۱) شب غم [illegible]

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

(۴۲) اتالیق بی بی۔ میاں کی حرکات [illegible] بی بی کی مزید ار نکتہ چینی۔ [illegible]
(۴۳) پادری اور [illegible]۔ ایک نہایت دلچسپ ناول [illegible] حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible] حصہ سوم [illegible]
(۴۴) دولت [illegible] ترجمہ تاریخ [illegible]
حصۂ اول [illegible]
حصۂ دوم [illegible]
حصۂ سوم [illegible]

المشتہر
حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز پریس [illegible] لکھنؤ

سالِ اُنیّس سو اُنیّس مبارک باشد

وہ زمانہ گیا جب برس میں دو ایک بار غلغلہ بلند ہوا کرتا تھا کہ "عید مبارک باشد" اب تو ہر سال نئے عیسوی برس کی آمد پر ہر جگہ دھوم مچ جایا کرتی ہے۔ چنانچہ آج ہم بھی آپے سے باہر ہو کر اور ساری مصیبتوں اور تباہیوں کو بھول کے بے ساختہ غل مچا رہے ہیں کہ "سنہ ۱۹۱۹ء مبارک باشد" اور وجہ یہ کہ جنگ و پیکار نے کشت و خون۔ اور تباہی و بربادی نے چند سال سے اس درجہ پریشان کر رکھا تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ عیدیں بے مزہ تھیں۔ بڑے دن پھیکے تھے۔ سال کے نئے دن بے رونق تھے۔ اور ہر عید میں شمشیر بُراں کی صورت نظر آتی تھی۔ ان پریشانیوں کے بعد یکایک سُنا کہ صلح ہو گئی۔ اور اُس کے چند ہی روز بعد نیا سال آ پہنچا۔ اس موقع پر گو کہ ہنوز فلاح کی کوئی صورت نہیں نظر آتی تھی۔ روٹی کپڑے کو اُسی طرح ترس رہے تھے۔ اور ذرا ذرا سی چیز کے لیے محتاج تھے مگر سال نو کا نام سنتے ہی امید موہوم کا گلزار پُر بہار آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ اور خوشی میں آ کے بے سوچے سمجھے اور بغیر غور کیے غل مچانے لگے۔ "سال نو مبارک باشد"

اس میں شک نہیں کہ صلح کا سہرا سنہ ۱۹۱۸ء کے سر بندھ گیا۔ اور اتنے بڑے جدال و قتال اور ایسے ہنگامۂ عظیم کے بعد یک بیک امن و امان قائم کر دینا قیامت تک کے لیے اُس کے نام لکھ دیا گیا۔ مگر یہ فقط ایک کہنے کی بات تھی اور واقعہ بھی تھا تو ایسا کہ ہوا اور دوسرے روز تقویم پارینہ ہو گیا۔ اس بات کا فیصلہ کہ دنیا کا آئندہ کیا رنگ رہے گا۔ ملکوں کی تقسیم اور مملکتوں کے حدود کیا رہیں گے۔ دنیا کے قوانین

و آئین کیا ہون گے۔ اور حکمرانی و جہان بانی کی پالسی و حکمت عملی کیا ہو گی۔ اس کا تصفیہ یا حضرت سنہ ۱۹۱۹ء آپ کے ذمے ہے۔

فی الحال ساری دنیا کی نگاہین دو باتون مین لگی ہوئی ہین۔ اوّل یہ کہ اس لڑائی کے بعد دنیا کا نقشہ کیا ہو گا۔ کس مملکت کی وسعت کتنی رہے گی۔ اور کس سلطنت کے حدود کیا ہون گے۔ دوسرے یہ کہ آیندہ کے لیے نظام حکمرانی کیا ہو گا۔ حکمرانون کے اقتدارات کس قدر وسیع ہون گے اور محکومون کو سلطنت کے مقابلے مین کیا حقوق ملین گے۔ ان دونون باتون کا فیصلہ ہونے کے بعد آیندہ کے لیے جو نظام تمدن قائم ہو گا وہ اسی سال نو کا قائم کیا ہوا ہو گا۔ لہذا سال گزشتہ نے ہمین گو تباہی سے بچایا۔ مگر ہماری دنیا اور ہمارا اسلوب معاشرت جو آیندہ صدیون اور قرنون تک برقرار رہے گا۔ وہ اسی حکمران جدید کی یادگار ہو گا۔ اور در اصل ہمارا بننا بگڑنا اور ہماری فلاح و بہبود کا اصلی دار و مدار اسی سال کے کارنامون پر ہے۔ یہ بہت بڑا انقلاب ہے جس پر بحث کرنے کے لیے ضرورت ہے کہ تخلیق سے آج تک کی تاریخ حکمرانی و جہان بانی پر ہم ایک تفصیلی نظر ڈالین۔

نوع انسان کے پیدا ہونے اور بڑھنے کے ساتھ ہی جب ایک نظام تمدن کی ضرورت محسوس ہوئی تو پہلے بزرگان خاندان کی حکومت سے اُس کا آغاز ہوا۔ جب اس نظام کو اور زیادہ وسعت ہوئی تو گروہون کے سردارون اور بستیون کے چودھریون کی حکومت شروع ہوئی۔ پھر اس کے بعد جب قومین زیادہ بڑھین اور پھیلین تو اُن کے سردار بادشاہ اور پھر بادشاہ سے بڑھ کر شہنشاہ ہو گئے۔ قدیم ترین نظام حکومت مین اگرچہ عنان فرمان روائی ایک ہی شخص کے ہاتھ مین رہتی مگر اُس کے احکام مین اکابر قوم اور ذی عقل و تجربہ کار لوگون کے مشورون کو بڑا دخل ہوا کرتا تھا۔

لیکن نشۂ حکومت نے حکمرانون کو چند ہی روز مین "نا دلاغری" کا سبق پڑھا دیا۔ اور بادشاہون کی یہ حالت ہو گئی کہ اپنے سامنے کسی کی

کچھ ہستی نہ سمجھتے۔ اُن کی زبان قانون تھی۔ اور اُن کا حکم فیصلۂ قضا۔ اسی طرز حکومت نے دنیا کے وہ خود پرست تر متکبرین پیدا کیے۔ جو نمرود۔ فرعون۔ شلمانصر بخت نصر۔ اور اسی طرح کے بہت سے پُرجلال وہیبت ناموں سے دنیا مین مشہور ہین۔ تاریخ کے ان قدیم شہریارون نے کرورون آدمیون کو قتل کیا۔ لاکھون خاندان تباہ و برباد کیے۔ ہزارون شہر اُجاڑے۔ اور خدا جانے کتنی قومون کو پامال و بے خانمان کیا۔ ابناے آدم اُن کے غلام تھے۔ ساری عورتین اُن کی لونڈیان تھین۔ اور وہ جس کے ساتھ انصاف یا بے انصافی سے جیسا بُرا سے بُرا سلوک چاہتے کرتے کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہ تھا۔

ان لوگون کے راہ راست پر لانے کے لیے مقتدایان دین اور علماے روحانیین نے بڑی بڑی کوششین کین۔ مرنے کے بعد کے اندیشے بتائے۔ ظلم وجور کے تاریخ دکھائے۔ مگر سوا دو چار نیک نفس تاجدارون کے بہت کم کسی نے اُن کی پروا کی۔ ان سلاطین کے طرز عمل نے دنیا کے سامنے یہ دشواری پیش کی کہ اگر کوئی فرمان روا نہ ہو تو نظام عالم نہین چل سکتا۔ اور جب ایک شخص کے ہاتھ مین تمام اختیارات دیدیے جاتے ہین تو اُس مین کبر ونخوت کے جذبات پیدا ہوتے ہین۔ اور اُس کے مظالم سے بچنے کی کوئی تدبیر نہین ہو سکتی۔ یہ معمہ مدتون کے بعد یون حل ہوا۔ کہ بعض قومون نے اپنے ہان کوئی بادشاہ ہی نہین رکھا۔ جس کا ثبوت ہمین حکومت بنی اسرائیل کی ابتدائی صدیون اور قبائل عرب کے اگلے نظام تمدن سے ہاتھ آتا ہے۔ اسی زمانے مین بعض ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے جنھون نے امارت وریاست کی اطاعت سے اصولاً انحراف کیا۔ جیسا کہ ہمین ایران کے ایک نفس مزدک اور بہت سے خوارج کے اصول تمدن سے نظر آتا ہے۔ مگر سلاطین اُن کو اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کرتے۔ اور اُن کی سرکوبی و پامالی مین کوئی بات اُٹھا نہ رکھی جاتی۔

بنی اسرائیل کے زمانے ہی مین یا اُن کے بعد یونان مین ایک با اصول طرز حکمرانی شروع ہوا جس مین حکمران کو جملہ افراد قوم کی فرمان برداری کرنا پڑتی۔ اور یہی حکمرانی کے نظام جمہوری کی پہلی بنیاد تھی۔ مگر اُس وقت تک دنیا

کی آب و ہوا اُس آئین جہان بانی کے اس قدر خلاف تھی کہ یونان نے پہلے خود ہی اس جمہوریت کو مٹانا شروع کیا۔ اور اُسی کو مٹاتے مٹاتے خود مٹ گیا۔

اب اس جمہوریت نے ایک جدید وضع مین مملکت روم مین نشو و نما پانا شروع کیا۔ اُس نے چند ہی روز مین رومیون کو ایک مہذب ترین اور زبردست ترین سلطنت بنا دیا۔ مگر اختیارات کی ہوس اور آدمیون کو اپنا غلام بنانے کے شوق نے چند ہی روز کے اندر رومیون مین شہنشاہی پیدا کر دی۔ اور اغسطس نے اِس سارے نظام جمہوری کو پامال کر کے "قیصری" پیدا کی جو دوسرے الفاظ مین شہنشاہی اور فرعونیت ہی تھی اغسطس قیصری دور پر نیتیون اور سختیون کے بعد بھی دولت روم کے قوانین و نظام تمدن مین اگر جمہوریت کے چند نشانات باقی رہ گئے تھے تو اُن کو قسطنطین اعظم اور مسیحیت کے نشو و نما نے خاک مین ملا کے نسیاً منسیا کر دیا۔ پھر وہ سلطنت مشرقی و مغربی کے نام سے دو شہنشاہیون مین بٹ گئی اور مغربی دنیا یعنی فرنگستان مین کہین اُس کا پتہ نہ تھا۔ اب مسیحیت کا دور دورہ تھا۔ اور ممکن تھا کہ مذہب ناصح و ہادی بن کر بادشاہون کی کچھ اصلاح کرتا۔ مگر پوپون نے اپنا اثر بڑھتے دیکھا تو جو نخوت تاجدارون مین تھی خود اُن مین پیدا ہو گئی۔ اور اُنھون نے تہرا تاج پہن لیا۔ جس سے ایک طرف اگر تثلیث کا اشارہ تھا تو دوسری طرف یہ خیال بھی مضمر تھا کہ ہم بادشاہون کے بادشاہ اور شہنشاہون پر حکومت کرنے والے ہین۔ بہر حال اُنھون نے بجاے اس کے کہ فرمان روا اُون کی خود سری کو اعتدال پہ لاتے۔ شہنشاہی جذبات کو اور زیادہ ترقی دیدی۔ اور مذہب کو شخصیت کا حامی بنا دیا۔

رومیون کے بعد عربون کا دور شروع ہوا۔ اُن مین اُس وقت تک دنیا کے عہد اولین کی جمہوریت موجود تھی کہ ہر قبیلے کا ایک حاکم اور شیخ ہو۔ اکابر قبیلہ اُس کے مشیر ہون۔ اور اگر وہ عدل و انصاف سے تجاوز کرے تو منصب حکومت سے ہٹا دیا جائے۔ تمدن عرب کی یہی شان تھی کہ حضرت رسول آخر الزمان نے اُس سرزمین سے ظہور فرما کے سارے عرب

کی عنان فرمان روائی اپنے ہاتھ مین لی ایک قانون الہی جاری کیا جس کی پابندی امیر و غریب اعلی و ادنے اور راجا اور پرجا سب کے لیے یکسان طور پر واجب تھی۔

آپ کی وفات کے بعد وہی قدیم قانون عرب جاری ہوا یعنی یہ کہ اکابر امت عرب اپنے لیے کوئی جانشین مقرر کر لین۔ اِس وقت ہم حضرات شیعہ کے اِس خیال سے بحث نہین کرتے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی کے لیے جانشینی کی وصیت فرما دی تھی اور آپ کے بعد جو انتخاب ہوا آپ کی وصیت اور نص نبوت کے خلاف ہوا۔ ہمین یہ بتانا ہے کہ صحابہ نے عرب کے رواج قدیم کے مطابق عام اس سے کہ وصیت ہو یا نہ ہو ایک نئے شخص کو منتخب کر لیا۔ اور یہ نظام جہانبانی قائم ہوا کہ ایک حکمران کے مرنے کے بعد لوگ کسی نئے حکمران کو منتخب کر لین۔ اگر وہ قانون شرع اور اصول عدالت کی پابندی کرے تو اُس کی اطاعت و فرمان برداری کی جائے اور اگر اُن سے انحراف کرے تو اُس کو ہٹا کے دوسرے کو منتخب کر لیا جائے۔ مگر یہ وضع چند ہی روز رہنے پائی تھی کہ چوتھے جانشین جناب علی مرتضیٰ کو دشمنون کی ہنگامہ آرائیون اور پولٹیکل مجبوریون سے آغوش نبوت یعنی مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر اپنا دار الخلافت کوفہ مین منتقل کرنا پڑا جو علاقہ اب تو عرب کہلاتا ہے مگر اُن دنون جزیرہ عرب کے حدود سے باہر تھا۔ عراق کہلاتا تھا اور ساسانی شہنشاہی مین داخل تھا جہان کے رہنے والے تھوڑے سے شرفاے عرب اور باقی نبطی اور عجمی تھے جن کو بجز کسراے عجم کی غلامی کے جمہوریت کی ہوا تک نہ لگی تھی۔ حضرت علیؑ تمدن اسلام جاری فرما رہے تھے مگر وہ کہتے تھے کہ تم امام نہین خدا ہو۔

اُدھر شام مین جناب معاویہؓ نے رومی رعایا کو اپنا غلام بنایا اور اُن کی قوت کے برتے پر علم بغاوت بلند کر دیا۔ اور حضرت علی کی شہادت کے بعد جب عنان خلافت بھی اُن کے ہاتھ مین آگئی تو اُنھون نے اپنے دربار مین رومی کروفر کی نقل اُتار کے خلافت اور جانشینی رسول اکرمؐ کو پوری

پوری شہنشاہی بنا دیا۔ اب خلافت کا فقط نام تھا۔ دراصل یہ عربون کی شہنشاہی تھی جس کا سرمایہ شہریاری ارض عرب سے نکال کے ملک شام مین بچھایا گیا۔ جس پر بیٹھنے والا اور اُس کے گرد ہاتھ باندھ کے کھڑے ہونے والے عرب تھے۔ مگر وہی عرب جو وطن سے نکل آئے تھے۔ جزیرہ نماے عرب کے رہنے والون نے یہ رنگ دیکھا تو اس عربی سلطنت سے علٰحدہ ہو کے اپنے اُسی قدیم مذاق پر آ گئے۔ وہی قبائل کے شیوخ کی سرغنائی قائم ہو گئی جس کو اُس بیرونی سلطنت سے بہت ہی کم سروکار تھا۔ مگر حدود عرب کے باہر ایک عربی شہنشاہی قائم تھی جو مشرق سے مغرب تک سیکڑون ملکون پر حکومت کر رہی تھی۔

اب پھر وہی خود مختار اور اپنی زبان کو قانون بنانے والے شہنشاہ تھے اور جمہوریت کا کہین پتہ نہ تھا۔ یورپ مین یونان و روم کی روایتون کی بنا پر امید تھی کہ وہان قومی نظام حکمرانی کو زندگی حاصل ہو سکے گی۔ مگر وہان پاپاؤن کے زور نے سخت ترین شخصیت کو فروغ دے رکھا تھا۔ مگر حروب صلیبیہ کا زور و شور ٹوٹنے کے بعد وہان ایک عہد جدید شروع ہوا۔ جس مین زمیندارانہ ریاستون کے ٹوٹنے کی نتیجہ مین شاہی و شہنشاہی اور پھر اُس کے اندر جمہوریت کا آغاز ہوا۔ جس نے چند ہی روز کے اندر انگلستان و فرانس مین بادشاہون کے اقتدارات محدود دکیے۔ اور رعایا کی آواز مین قوت پیدا ہوئی۔

حکمرانی کا یہ نمونہ دنیا کے سامنے پیش ہوا تو ساری دنیا کو اچھا معلوم ہوا۔ اور اسی بیقراری نے یہ لڑائی چھیڑی اور اُس کا فیصلہ چونکہ جمہوریت کی طرفداری مین ہوا اس لیے امید ہے کہ ساری دنیا مین جمہوری نظام حکومت کو فتح ہو گئی۔ اسوقت سے شاہی و شہنشاہی کے الفاظ دنیا مین مٹ جائین گے۔ اور اگر رہین گے بھی تو براے نام رہین گے۔

مگر افسوس یہ ہے کہ اب بھی بہت جگہ بلکہ علی العموم یہ ہو رہا ہے کہ جمہوریت کی نقاب چہرے پر ڈال کے چند اشخاص حکومت کرنے لگتے ہین۔ اور ملک کو جمہوریت سے صحیح فائدہ نہین حاصل ہو سکتا۔ لہذا یا حضرت سنہ ۱۹۱۹ء آپ کے عہد مین چونکہ ساری دنیا مین جمہوری نظام قائم ہونے والا ہے اس لیے اس کا خیال

جو کہ آپ کی قائم کرائی ہوئی جمہوریت سچی جمہوریت ہے۔ وہ جمہوریت نہ ہو جس مین برائے حکومت کا دھوکا دے کر سخت ترین استبداد سے کام لیا جاتا ہے۔

عائشہ بنت طلحہ

بیوگی کے زمانے مین عائشہ بنت طلحہ نے ایک مرتبہ خلافت کی بے اعتنائیان دور کرنے کے لیے دمشق کا سفر بھی کیا تھا۔ اور ہشام بن عبدالملک کے دربار مین [illegible]ان جو ولید کے بعد مسند نشین خلافت ہوا تھا۔ اس کے قصر مین پہونچین تو اُس نے پوچھا کہا "آپ نے یہان تک سفر کرنے کی کیون زحمت فرمائی؟" فرمایا "اس لیے جس طرح آسمان نے اپنے مینہ کو روک رکھا ہے ویسے ہی دولت اسلامیہ نے ہمارے حقوق روک دیے۔" بولا "بہتر مین آپ کی حق شناسی کرون گا۔" اس کے بعد چونکہ اُس وقت آپ دنیائے اسلام کی ایک نامور اور عدیم المثال خاتون تھین تمام معززین بنی امیہ کے پاس کہلا بھیجا "عائشہ بنت طلحہ یہان آئی ہوئی ہین لہذا آج شب کو آپ سب صاحب میرے مکان مین آ کے اُن سے ملین۔ اور اپنے فضل و کمال کا ثبوت دین۔" اس منشور خلافت کے مطابق رات کو قصر خلافت مین بڑا بھاری مجمع ہو گیا۔ اور لوگون نے باتون باتون مین اپنی تاریخ دانی ایام عرب کی واقفیت۔ اور اشعار جاہلیت عرب مین اپنی وسیع النظری ظاہر کی۔ مگر عائشہ بنت طلحہ کی واقفیت عامہ تاریخ و سیر سے آگاہی اور شعر دانی سب سے بڑھی ہوئی تھی۔ اور سب کو تسلیم کر لینا پڑا کہ ان فنون مین کوئی اُن کا مقابلہ نہین کر سکتا۔ لوگ اسی پر عش عش کر رہے تھے کہ تارون کے طلوع وغروب کا تذکرہ چھڑا۔ عائشہ نے دم بھر مین اُن تمام تارون کے نام بتا دیے جو اوپر نظر آ رہے تھے۔ اور ایک ایک کی طرف اشارہ کر کے بتا دیا کہ وہ وہ تارہ۔ اور یہ فلان تارہ ہے۔ اس ہمہ دانی پر تمام حاضرین مبہوت و حیرت زدہ رہ گئے۔ اور ہشام نے نہایت ہی تعجب کے ساتھ پوچھا "واقعات و اشعار عرب مین آپ کا تبحر تو خیر ممکن ہے کہ اُدبا سے زمانہ سے حاصل ہوا ہو

گرستارہ شناسی مین آپ کو یہ کمال کیسے حاصل ہو گیا؟ فرمایا "یہ فن مین نے اپنی خالہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کیا ہی" بہرحال اِس صحبت نے جو ایک بہت ہی نازک امتحان تھا عائشہ بنت طلحہ کو تمام اُدبائے زمانہ مین ممتاز و صاحب کمال ثابت کر دیا۔ دوسرے دن ہشام نے آپ کو ایک لاکھ درہم دے کے رخصت کیا۔ اور آپ شان و شوکت سے مدینہ طیبہ مین واپس آئین بیوگی کے زمانے مین آپ کا معمول تھا کہ ایک سال مکے مین رہتین اور ایک سال مدینے مین۔ آپ کا بہت سا مال و اسباب اور متعدد گلے طائف مین رہا کرتے تھے جہان آپ کا ایک عالیشان قصر بھی بنا ہوا تھا۔ کبھی وہان بھی تشریف لے جا کر چند روز تک گوشہ گیر اور عزلت گزین رہتین۔ اِس قصر کے سامنے اکثر لوگ تیراندازی کی مشق اور نشانہ بازی مین کمال پیدا کرتے تھے۔ آپ اپنے قصر سے بیٹھ کے اُن کی اِس سپہگرانہ مشق کی سیر کیا کرتین۔

ایک دن بیٹھی یہ تماشا دیکھ رہی تھین کہ مشہور شاعر نمیری کا گزر ہوا۔ آپ نے آدمی بھیج کے اُس کا نام و نسب پچھوایا۔ معلوم ہوا کہ نمیری ہی ہے۔ پاس بلوایا اور کہا "تم نے اپنی محبوبہ زینب کے شوق مین جو شعر کہے ہین اُن مین سے چند شعر سناؤ" اُس نے کہا "حضور میری اُس بنت عم کا اب ذکر ہی کیا؟ بڑھیا ہو گئی۔ اور ہڈیان تک گھل گئین" آپ نے اصرار فرمایا۔ اور اُس نے چند شعر سنائے جو نہایت لطیف پاکیزہ اور موثر تھے۔ جناب عائشہ نے داد دی۔ اُس کی تعریف کی اور فرمایا "تم نے خوب کہا ہے۔ اور لطف یہ کہ تم نے اپنی محبوبہ کی حسن صفتون کا اظہار کیا ہے وہ فیاضی۔ پرہیزگاری۔ دینداری۔ اور اُس کی فرحت بخش خوشبو وغیرہ ہین" اس کے بعد ایک ہزار درہم دے کر اسے رخصت کر دیا۔ دوسرے جمعہ کو آپ نے دیکھا کہ وہ پھر باہر کھڑا ہے۔ بلوا لیا۔ اور پھر زینب کی تعریف کے اشعار کی فرمائش کی۔ اُس نے کہا "آج چند وہ شعر نہ سناؤن جو حارث بن خالد نے حضور کی تعریف مین کہے ہین؟" آپ کی کنیزین اُسے مارنے کو اٹھین۔ مگر آپ نے اُنھین روکا۔ اُس کو اجازت دی۔ اور اُس نے حارث کے اشعار آپ کے حسن اور عفت کی تعریف مین سنائے آپ نے اُن شعرون کی داد دی اور اُسے ایک ہزار درہم اور دو خلعت دے کے رخصت کیا۔

افسوس ہمین جناب عائشہ بنت طلحہ کا سنہ وفات نہین معلوم ہو سکا۔

نکاح جعفر و عباسہ کی تحقیق

فلسفۂ تاریخ کا یہ ایک عجیب و غریب حیرت انگیز راز ہے کہ جو واقعہ جتنا زیادہ مشہور ہے اتنا ہی لایعنی و بے اصل ہے۔ قہقہہ دیوار کی شہرت سے کون ناواقف ہے حالانکہ اصلیت کچھ بھی نہیں۔

موسیقار و ققنس کی فرضی خوش الحانیوں سے دنیا کا ہر گوشہ اس قدر پرشور ہوا کہ بعض معتبر اہل لغت نے اپنی کتابوں میں لکھدیا کہ علم موسیقی انہیں طائروں کی سریلی آوازوں سے مستخرج ہے سیمرغ کی نسبت ایسے لوگوں نے کیسے کیسے واقعات روایت کیے یہانتک کہ شیخ سعدی جیسا مشرقی حکیم اپنی مشہور کتاب بوستان میں فرماتا ہے۔

چنان پہن خوان کرم گسترد کہ سیمرغ در قاف روزی خورد

عنقا و ہما جیسے مفروض الوجود پرندوں نے اپنے فرضی پروں کا سایہ ڈال ڈال کر کتنے مفلسوں کو بادشاہ بنا دیا ہے

کس نیاید بزیر سایۂ بوم ور ہما از جہان شود معدوم

اہل علم نے ان طائروں کے وجود کو بھوت پری کے قصوں سے زیادہ اہمیت نہیں دی ہے چنانچہ علامہ دمیری نے حیوۃ الحیوان میں ایک بزرگ کا شعری قول نقل کیا ہے کہ بھوت۔ غول بیابانی اور عنقا یہ سب فرضی اسم بے مسمیٰ ہیں سے

الجن والغول والعنقاء ثالثۃ اسماء اشیاء لم توجد لم تکن

(ترجمہ) بعد تحقیق کے کھلا عقدہ یہ مقولہ ہے دور بینوں کا

جن و عنقا و غول صحرائی ہے خیالی وجود تینوں کا

حضرت ہود اور جنت شداد کا افسانہ ایسا زبان زد خاص و عام ہوا کہ آخر اس نے عوام کی زبانوں سے گزر کر تاریخ اور قرآن مجید کی تفسیر

جگہ لی اور بعض اہل تاریخ وتفسیر نے تو یہان تک لکھدیا کہ امیر معاویہ رضؓ کے عہد خلافت مین عبداللہ بن قلابہ ایک بزرگ اپنے اونٹ کی تلاش مین اُس جنت مین جو دنیا والون کی نظر سے پوشیدہ رکھی گئی ہے پہونچ بھی گئے تھے حالانکہ محققین نے ہمیشہ اِس کہانی کو باطل سمجھا کیونکہ شداد حضرت ہود سے تقریباً ہزار برس بعد ہوا ہے صاحب تاریخ الخمیس نے اور علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمۂ تاریخ مین اس پر بہت عمدہ ریمارک کیا ہے۔

ظلمات وآب حیات کے قصے کو افسانہ نویسون کی خیالی بلند پروازیون نے اختراع کیا۔ افسانے کی حیثیت سے ترقی کرکے اُس نے اوراق تاریخ مین جگہ پائی پھر رفتہ رفتہ عجائب پسند ترجمہ نویسان قرآن نے تفسیرون مین داخل کرکے پورے افسانے کو قصۂ خضر وموسیٰ کی آیات پر منطبق کر لیا۔ اور خضر کو ظلمات کا آب حیات پلاکر زندۂ جاوید بنادیا ؎

تہیدستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

لیلیٰ ومجنون کی وضعی داستان عشقیہ سے عشق وعاشقی کی دنیا مین ہمیشہ ایک ہلچل رہی شعرا نازک خیال کو طبع آزمائی کے لیے ایک شگوفہ ہاتھ آیا اور وہ ہمیشہ نئے اضافے اور عجیب عجیب اضافات کے ساتھ اِس داستان کو دلچسپ بناتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج عوام اِس جھوٹے افسانے کو اخبار متواترہ مین شمار کرتے ہین

تزئین الاسواق کے مصنف اُن لوگون مین ہین جو لیلیٰ ومجنون کے داستان عشقبازی کو جھوٹا نہین سمجھتے لیکن دیکھو کہ باوجود اس کے وہ اپنی اسی کتاب مطبوعہ مصر صفحہ (۵۴) مین جہان مجنون ولیلی کا حال شروع کیا ہے واقعات سے مجبور ہوکر کیا لکھتے ہین: — قد اختلف فی اسمہ ہل ہو عامر او مہدی او الاقرع او معاذ او قیس ابنہ او ابن الملوح او البحتری بن جعد او الصحیح الاول وفی نسبہ اختلاف عامری او کلابی او جعدی او قشیری او المجانین متعددۃ او ہما اثنان فی بنی عامر ولم یکن احد وانما امرء تعشق واستکرہ عن ان یصرح باسمہ واسم محبوبتہ فکنوہ بالمجنون ولیلی۔

یعنی مجنون کے نام مین اختلاف ہے کہ وہ عامر ہے یا مہدی ہے یا اقرع ہے

معاذ ہی یا قیس اُس کا بیٹا ہے یا ابن لوح ہی یا بحتری ابن جعد ہے اور صحیح پہلا قول ہی۔ اور اُس کے نسب مین بھی اختلاف ہے کہ وہ عامری ہی یا کلابی ہے یا جعدی ہے یا قشیری ہے یا بہت سے مجنون ہین یا قبیلۂ بنی عامر مین مجنون تھے یا مجنون کوئی شخص نہین تھا اور بات اتنی ہے کہ کوئی ایک مرد کسی عورت پہ عاشق ہوا اور اپنے اور اپنی معشوقہ کے نام کی تصریح سے اُس کو عار آیا تو اُس نے مجنون و لیلیٰ کے نام کو وضع کر لیا۔

علامہ خضر بن عطاء اللہ اپنی مشہور کتاب الاسعاف فی ابیات القاضی والکشاف صفحہ (۱۰) مین صراحت کرتے ہین۔

اختلف فی وجودہ فذھب قوم الی انہ اسم مستعار لاحقیقۃ لہ اصلا ولیس فی بنی عامر اسم ولانسب قال الاصمعی رجلان ماعرفا فی الدنیا الا بالاسم مجنون بنی عامر وابن القریہ انما وضعھما الرواۃ

مجنون کے وجود مین اختلاف ہے تو ایک گروہ اس طرف گیا ہی کہ مجنون ایک ایسا نام مستعار ہی جس کی کچھ حقیقت نہین ہی اور قبیلۂ بنی عامر مین اس نام و نسب کا کوئی شخص نہین ہوا ہے۔ اصمعی نے کہا کہ دو شخص ایسے ہین جن کا وجود دنیا مین صرف نام کا ہے اول مجنون عامری دوسرے ابن قریہ کہ اِن نامون کو صرف قصہ گویون نے وضع کیا ہی۔

روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات مطبوعۂ ایران صفحہ (۱۱۲) مین تین شخصون کے وجود کو فرضی بتایا ہے۔ ان ثلاثۃ اشخاص شاعت اخبارھم واشتھرت اثارھم ولاحقیقۃ لوجودھم وھم مجنون لیلی وابن ابی العقب یحیی بن عبداللہ وابن القریہ۔

یعنی بلاشبہ تین شخص ایسے ہین جن کے افسانے شائع ہو چکے اور جن کے آثار مشہور ہو چکے حالانکہ اُن کے وجود کی کوئی حقیقت نہین ہی (اول) لیلیٰ کا فرضی عاشق مجنون۔ دوسرے ابن ابی العقب یحییٰ بن

عبداللہ۔ تیسرے ابن فرج۔

اب دیکھو کہ جس شخص کا دنیا مین وجود ہی نہین ہوا وہ آفاق عالم مین اس قدر مشہور ہے کہ دنیا کے ہر گوشے مین اُس کے فرضی مگر دلچسپ افسانے شوق کی آنکھون سے پڑھے جاتے ہین اور قبول کے کانون سے سُنے جاتے ہین۔ اور اُس کی اس بے بنیاد و محض فرضی داستان کو ناواقف لوگ اخبار متواترہ مین شمار کرتے ہین ان ھذا لشیئ عجاب۔ آخری زمانہ مین ہندوستان کا واقعہ "بلیک ہول آف کلکتہ" ایک خاص اہمیت کے ساتھ مشہور ہو کر مورخین کی کتابون مین گشت کرتا رہا۔ آخر پردہ راز اُٹھا۔ تو صاف کھل گیا کہ واقعہ "بلیک ہول آف کلکتہ" بالکل بے سر و پا اور جھوٹا افسانہ تھا۔ ان ایرادات سے مدعا یہ ہے کہ کسی واقعے کا محض مشہور ہونا اُس کی صحت کی دلیل نہین ہے۔ اسی تمہید کے بعد اب ہم کہتا ہون کہ انھین قصص باطلہ موضوعہ مین سے جعفر و عباسہ کی مشہور کہانی ہے جس کی لغویت ثابت کرنے کے لیے اس وقت ہم نے قلم ہاتھ مین لیا۔

اس کہانی کی لغویت ثابت کرنے سے پہلے اصل واقعہ مشہور کا ملخص طور پر بیان کر دینا مناسب ہے۔ تاریخ آل برمک کے مصنف نے اپنی اسی کتاب مین اس واقعہ کو افسانہ کے دلچسپ پیرایہ مین لکھا ہے اس لیے ہم یہان اُسی کا ملخص اپنے الفاظ مین کرتے ہین اصل کتاب فارسی زبان مین مطبوعۂ یورپ ہے :۔

جعفر ابن یحیٰی برمکی امیر المومنین ہارون الرشید اعظم کا مجوسی الاصل نو مسلم وزیر اعظم تھا اور عباسہ بنت مہدی اس کی حقیقی بہن تھی کہا جاتا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید کو جعفر و عباسہ دونون سے اس قدر محبت تھی کہ بلا اُن کے اس کو چین نہ آتا تھا اور جب تک دونون جمع نہ ہون شراب و کباب کی مجلس مین اُس کو کچھ لطف نہ ملتا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ یہ دونون ایک مجلس مین جمع نہ ہو سکتے تھے کیونکہ عباسہ کے لیے جعفر ایک نامحرم مرد تھا۔ ایک روز خلیفہ نے جعفر سے کہا کہ میرا لطف زندگی جب تک تم دونون ایک مجلس مین جمع نہ ہو پورا نہین ہو سکتا اس لیے مین چاہتا ہون کہ عباسہ کا نکاح تمھارے ساتھ کر دون۔ تاکہ تم دونون بلا تکلف جمع ہو سکو مگر شرط یہ ہے کہ میان بی بی مین مقاربت نہ ہو مقصود رد کردہ

جب جعفر نے یہ شرط منظور کی اور نکاح ہو گیا۔ ملاقات و مصاحبت کے بعد عباسہ جعفر
پر عاشق ہو گئی اور جعفر اُس کے رخِ زیبا کا دلدادہ لیکن عباسہ کا عشق نسوانی تبر تھا
اُس نے جعفر کو بہت کچھ پھسلایا بہکایا مگر وہ خلیفہ کے خوف سے مقاربت پر راضی نہ ہوا۔
عباسہ نے متعدد بار خطوط بھی لکھے اور جعفر نے اُس کے قاصد کو یا قید کر لیا یا جان سے
مار ڈالا مگر جعفر چونکہ عباسہ کے حسن پر خود بھی فریفتہ ہو چکا تھا اُس کو عباسہ کے بہکانے
سے اپنی لغزش کا اندیشہ ہوا اور مجبوراً بغداد سے باہر چلے جانے کا ارادہ کیا۔ آخر بعض
ارکان دولت کو ہموار کر کے خلیفہ ہارون رشید سے ولایت خراسان پر بھیجے جانے
کی درخواست کی لیکن خلیفہ نے اُس کا اپنے سے جدا ہونا پسند نہ کیا۔ ادھر عباسہ نے
جعفر سے مایوس ہو کر اس کو رام کرنے کے لیے دوسرا جال تیار کیا۔ دریاے دجلہ کے
عین کنارے اُس نے ایک نہایت دلکشا قصر تیار کرایا تھا۔ اسی قصر مین ہارون رشید
کو چند خاص مصاحبین کے ساتھ جن مین جعفر ممتاز تھا مدعو کیا۔ اس دھوم دھام کی پرتکلف
دعوت مین ناچ رنگ اور شراب و کباب کا خاص اہتمام تھا۔ پہلی رات مین بزم رقص
و سرود کے ختم ہونے کے بعد ایک نہایت خوبصورت دوشیزہ لونڈی کو بنا سنوار کر
ہارون رشید کے پاس بھیجا اور عباسہ نے خاص طور پر یہ پیام کہلا بھیجا کہ مین نے اس
لڑکی کو خصوصیت کے ساتھ آپ ہی کے لیے تیار کیا ہے۔ ہارون رشید اس خوشنما دوشیزہ
کو پا کر بہت مسرور ہوا مگر جواب مین کہلا بھیجا کہ جب میرے لیے عورت مہیا کی گئی تو میرے
محبوب وزیر جعفر کے واسطے بھی ایسی ہی ایک پری پیکر کو مہیا کرنا چاہیے یہ پیام عباسہ
کے عین مطابق مرضی تھا اُس نے فی الفور ایک خوبصورت دوشیزہ لڑکی جو پہلے سے تیار
کر رکھی تھی جعفر برمکی کے پاس بنا چُنا کے بھیجدی رات بھر بزم عیش و نشاط گرم رہی دوسرے
روز رات کے وقت بھی ایسا ہی ہوا کہ کھانے سے فارغ ہو کر اور مجلس رقص و سرود
کے ختم ہونے پر ایک دوشیزہ لڑکی ہارون رشید کی خدمت مین اور ایک دوشیزہ
لڑکی وزیر جعفر کی خلوت مین پیش کی گئی تیسری رات مین ہارون رشید کے پاس تو دوشیزہ
لونڈی بھیجی گئی اور جعفر کے پاس عباسہ خود بن سنور کر جا موجود ہوئی۔ عباسہ کے
ایما سے خدام نے جعفر کو تیز شراب پلا رکھی تھی اس لیے کچھ تو وہ نشہ مین بدحواس
تھا اور کچھ اس دھوکے مین کہ عباسہ نے معمول کے مطابق کوئی خوبصورت عورت

بھیجی ہوگی بلاتکلف عباسہ کے ساتھ مے خواری کرنے لگا۔ صبح کو بیدار ہوا تو عباسہ کو اپنے پہلو مین پایا۔ عباسہ کی اس کارروائی سے جعفر کا خون خشک ہوگیا۔ لیکن کرتا کیا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تھا اور اب بلاتکلف اپنی محبوبہ (عباسہ) سے ملنے جلنے لگا عباسہ کے بطن سے جعفر کے دو بیٹے حسن اور حسین پیدا ہوئے۔ یہ بچے برّہ نامی ایک حاضنہ اور ریاش نامی ایک غلام کے سپرد کیے گئے مگر افشاے راز کا اندیشہ ہوا تو ریاس غلام اور برّہ حاضنہ کے ساتھ ان بچون کو مکہ معظمہ روانہ کردیا گیا۔ جعفر کا باپ یحییٰ خلیفہ کی حرم اور اُس کے محلات کا نگران کار تھا اور نگرانی مین بہت سختی کرتا تھا۔ یہانتک کہ روز رات مین تمام مقصورون کے دروازون کو بند کر کے کنجیان اپنے پاس رکھتا تھا۔ زبیدہ خاتون نے اِن سختیون سے تنگ آکر خلیفہ سے شکایت کی۔ خلیفہ نے یحییٰ سے پوچھا کہ بابا جان! زبیدہ کیا شکایت کرتی ہے؟ یحییٰ نے جواب دیا کہ تم کوئی شکایت نہ سنو۔ زبیدہ نے دوبارہ شکایت کی اور سختی سے کہا کہ یحییٰ میرے معاملات مین کیون دخل دیتا ہے۔ اور میرے خدام و حرم مین کیون دخیل ہے؟ خلیفہ نے کہا کہ یحییٰ مرد راستباز اور میرے حرم مین غیر متہم ہے۔ زبیدہ نے جھلّا کر کہا کہ اگر وہ متہم نہین ہے تو جعفر نے وہ حرکت کیون کی جس سے وہ منع کیا گیا تھا خلیفہ نے پوچھا وہ کونسی حرکت ہے؟ زبیدہ نے سارا واقعہ اور بچون کی ولادت کا حال مفصل کہہ سنایا۔ خلیفہ نے پوچھا وہ بچے کہان ہین؟ زبیدہ نے کہا مکے مین۔

اس کے بعد خلیفہ حج کے بہانے سے مکہ معظمہ گیا۔ عباسہ نے اگرچہ غلام و دایہ کو تاکیدی حکم بھیجا کہ بچے یمن مین پہونچا دیے جائین اور اخفاے راز کی تمام تدبیرین عمل مین لائی جائین۔ لیکن پھر بھی یہ راز مخفی نہ رہ سکا۔ اور مکہ معظمہ پہونچکر ہارون رشید کو اصلی واقعات معلوم ہوگئے۔ صحت واقعہ کا یقین ہونے کے بعد خلیفہ ہارون رشید کے طیش و غضب کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اس نے نہ صرف جعفر بلکہ اُس کے تمام خاندان برامکہ کا قلع و قمع کر دیا۔ اور تین روز کے اندر بارہ سو جانین ہلاک کی گئین۔ عباسہ کو قتل کیا۔ اُس کے دونون بچے بالکل ننھے اور قبول صورت تھے۔ ان بھانجون پر خلیفہ کو بہت رحم آیا اور اُن کو لپٹا لپٹا کر بہت رویا۔ لیکن انتقام کا جوش ہنوز باقی تھا۔ اُن معصوم بچون کو زندہ دفن کرا دیا۔ ان کے بعد ریاس، برّہ،

جعفر کے تین خاص خادم اور عباسہ کے دو ملازم قتل کیے گئے۔ پھر جن مزدورون نے بچون کو دفن کیا تھا اخفاے راز کے خیال سے اُن کو فنا کیا۔ اور اُن مزدورون کو جس شخص نے مارا اُس کو خلیفہ نے اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ یہ ہے جعفر و عباسہ کی بیہودہ کہانی جسکو عقل کے دشمن زوال برامکہ کا اصلی سبب قرار دیتے ہین۔

مین کہتا ہون کہ جعفر و عباسہ کی یہ تمام کہانی اس قدر بے سروپا ہے کہ اس کو افسانے کا مرتبہ بھی نہین دیا جاسکتا اور یہی وجہ ہے کہ اہل تحقیق نے اس کی اصلیت سے انکار کیا۔ چنانچہ علامۂ ابن خلدون نے اپنے مقدمۂ تاریخ مین صاف لکھدیا ہے کہ یہ قصہ افترا محض ہے جس کو سادہ لوح مورخون نے بے سوچے سمجھے اپنی کتابون مین لکھ مارا۔ اور بعد والون نے کورانہ تقلید کی علامۂ ابن خلدون کی محققانہ راے ہم اس مضمون کے خاتمے پر لکھین گے۔ پہلے ہم اپنی تحقیقات کو قارئین کرام کے سامنے پیش کرتے ہین۔

اس کہانی کو تاریخ طبری کے مصنف صاحب مروج الذہب مصنف تاریخ آل برمک مولف اعلام الناس شارح قصیدۂ ابن عبدون اور طبری فارسی کے افسانہ گو۔ اور ابن اثیر نے تاریخ کامل مین وضاحت سے لکھا ہے مگر حالت یہ ہے کہ اس قصے کے اکثر مہتم بالشان اجزا مین خود ان مورخین کے درمیان مین ایسے فاحش اختلافات ہین کہ اُنھین اختلافات سے واقعہ کی لغویت معلوم ہوجاتی ہے

(۱) سب نے تصریح کی ہے کہ ہارون رشید نے عباسہ کا نکاح جعفر کے ساتھ اس لیے کیا کہ شراب خواری کی مجلس مین یہ دونون جمع ہون تو پورا لطف آئے۔ مگر اعلام الناس کے مصنف نے شراب خواری کا مطلق ذکر نہین کیا ہے اس نے نکاح کی وجہ صرف یہ بتائی ہے کہ ہارون رشید کو جعفر و عباسہ دونون سے محبت اس قدر تھی کہ بلا اُن کے کسی مجلس مین اس کو لطف نہ آتا تھا۔ اور اعلام الناس کے مصنف کا شرابخواری کے ذکر کو چھوڑ دینا نہایت عجیب ہے کیونکہ اس کا زمانہ ان سب مورخین کے بعد ہے۔

(۲) تاریخ آل برمک کے مصنف نے لکھا ہے کہ جعفر عباسہ کے رخ زیبا پر فریفتہ ہوگیا۔ اور شارح ابن عبدون اس کی تکذیب کرتے ہین۔ وہ لکھتے ہین کہ جعفر نے

عباسہ کی صورت ہی نہیں دیکھی کیونکہ سوائے ہارون رشید کی مجلس کے یہ دونون کہین اور جمع نہین ہونے نہ ہو سکتے تھے چنانچہ خلوت واقع ہونے کے بعد جب عباسہ نے خود بتایا کہ مین ہی عباسہ بنت مہدی ہون جعفر نے اس کو پہچانا ہی نہین۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہارون رشید کی موجودگی مین اس کے خوف و جبروت کے سبب سے جعفر عباسہ کے چہرے پر نگاہ نہ ڈال سکتا تھا۔ یہی صراحت صاحب مروج الذہب نے بھی کی ہے۔

(۳) تاریخ آل برمک اور شرح قصیدہ ابن عبدون مین لکھا ہے کہ جعفر نکاح ہونے کے بعد عباسہ سے دور رہتا تھا۔ عباسہ نے اس کو بہت کچھ بہلایا ورغلایا مگر وہ خلیفہ کے خوف سے مقاربت پر راضی نہین ہوا۔ تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر کا بیان بالکل اس کے متضاد ہے یہ مورخین لکھتے ہین کہ نشہ مین مست ہو کر جب ہارون رشید جلسہ سے اٹھ جاتا تھا تو اسی مجلس مین جعفر و عباسہ جو شراب سے مخمور ہوتے تھے صحبت مقاربت سے لطف اٹھاتے تھے اعلام الناس مین ان امور فاحشہ مین سے کسی کا بھی ذکر نہین ہے

(۴) تاریخ آل برمک مین صراحت ہے کہ جعفر عباسہ کے ہر قاصد کو جو اس کے بہلانے کو یا عباسہ کا ولولہ انگیز خط لیکر آتا تھا یا تو قید کر لیتا تھا یا قتل کرا دیتا تھا۔ مگر قاصد کے قید و قتل کا ذکر کسی تاریخ مین نہین ہے۔ البتہ علامہ مسعودی نے مروج الذہب مین صرف اتنا لکھا ہے کہ عباسہ کے قاصد کو جعفر گالی گلوچ دیکر واپس کر دیتا تھا۔

(۵) تاریخ آل برمک مین لکھا ہے کہ عباسہ کے حرکات سے اندیشہ ناک ہو کر جعفر نے خراسان جانے کی درخواست کی جعفر و عباسہ کا واقعہ جن مورخین نے لکھا ہے اُن مین سے کسی نے بھی اس کا مطلق ذکر نہین کیا ہے۔

(۶) تاریخ آل برمک کے مصنف نے نہایت صراحت سے بیان کیا ہے کہ جعفر سے مایوس ہو کر عباسہ نے اپنے محل مین جو دریا کے کنارے تھا ہارون رشید اور جعفر کی پر تکلف دعوت کی دو راتین برابر خلیفہ اور جعفر کے پاس خوبصورت عورتین بنا بنا کر بھیجتی رہی۔ اور تیسری رات مین بجائے کسی دوسری عورت کے

بنے کے خود بن سنور کر جعفر کے پاس جا پہونچی جو نشہ مین بدحواس تھا اُس نے دوسری عورت کے خیال سے عباسہ کو آغوش صحبت مین لے لیا اور اُسی وقت خلوت واقع ہوئی طبری اور کامل ابن اثیر نے بالکل اس کے خلاف لکھا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید اُن دونون کو چھوڑ کر چلا جاتا تو اُسی مقام طرب مین بدمست جعفر مجبور عباسہ سے ہم بستر ہوتا تھا مروج الذہب مین شراب کا ذکر نہین ہے بلکہ ایک دوسری ہی بات بتائی ہے کہ عباسہ نے جعفر سے مایوس ہو کر اُس کی ماں عتابہ کو مال و جواہر دیکر راضی کر لیا۔ اُس نے یہ چالبازی کی کہ جعفر کو ایک نئی زرخرید لونڈی کے حسن و جمال کا لالچ دلایا اور جب دیکھا کہ وہ اُس لونڈی سے ملنے کے لیے حد سے زیادہ بیتاب ہو گیا ہے تو رات کے وقت عباسہ کو بنا سنوار کر اُس کے پاس بھیجدیا۔ جعفر نے چونکہ عباسہ کو ہارون رشید کے سامنے نظر بھر کر دیکھا نہ تھا اس لیے پہچان نہ سکا اور لونڈی کے دھوکے مین عباسہ کے ساتھ خلوت کی"

قصیدہ ابن عبدون کا شارح ایک تیسری بات لکھتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ جعفر کی ماں عتابہ ہر رات مین ایک باکرہ لڑکی جعفر کے پاس بھیجتی تھی اور جعفر شراب پی کر اُس کے ساتھ رات بسر کرتا تھا۔ یہ معلوم کر کے عباسہ نے عتابہ سے کہا کہ ایک رات تو باکرہ لونڈی کے عوض مین مجھ کو جعفر کے پاس بھیجدے۔ عتابہ نے یہ درخواست منظور نہ کی تو عباسہ نے دھمکایا کہ تو میری درخواست رد کرے گی تو مین اپنے بھائی ہارون رشید سے فلان فلان باتین کہدونگی اور تو یہ بھی سمجھ لے کہ میرے بطن سے لڑکا پیدا ہوگا تو وہ تیرے فرزند جعفر کے شرف کا باعث ہوگا۔ اس دھمکی سے ڈر کر عتابہ راضی ہو گئی اور ایک رات کے وقت عباسہ کو لونڈی بنا کر جعفر کی خدمت مین پیش کر دیا۔ جعفر نے عباسہ کو لونڈی سمجھ کر اُس کے ساتھ رات بسر کی۔ صبح ہوئی تو عباسہ نے کہا "کیون جعفر تو نے بنات ملوک کو کیسا پایا" جعفر نے پوچھا کہ تو کس بادشاہ کی بیٹی ہے؟ عباسہ نے کہا "مین ہی تو عباسہ بنت مہدی ہون" یہ سنکر جعفر کا نشہ ہرن ہو گیا اور ماں سے جا کر شکایت کی۔ لیکن اب پچھتانا سخت بیکار تھا۔

اعلام الناس کا مصنف ایک اور ترتیب لکھتا ہے وہ یہ کہ جعفر کی محفل مین ایک عورت تھی جو نوجوان لڑکیون کو سنوار کر جعفر کے پاس پیش کیا کرتی تھی۔ عباسہ نے

اُسی ملازمہ عورت کو رشوت دیکر ہموار کر لیا- اور اُس نے ایک رات کسی اور لڑکی کے عوض مین عباسہ کو پیش کر دیا-

جعفر و عباسہ کی کہانی کو پڑھو اور اِن اختلافات پر غور کرو کہ جتنے مُنہ اُتنی باتین کیا سچے اور متواتر واقعات کی یہی شان ہوا کرتی ہے؟ لیکن ٹھہرو- ابھی کہانی کی بہت کچھ حقیقت کھلنے والی ہے-- (باقی پھر)

عائشہ بنت طلحہ

مگر افسوس کہ خلافت کے جھگڑا دن نے چند روز بعد مصعب بن زبیر کو جام شہادت پلا دیا- اپنے محترم مدعی خلافت بھائی عبداللہ بن زبیر کی طرف سے وہ عبدالملک بن مروان کے مقابلے پر روانہ ہوئے- اور ایسی بہادری و شجاعت سے لڑے جو تاریخ اسلام مین ہمیشہ یادگار رہے گی- مگر تقدیر برسر خلاف تھی- میدان جنگ مین شہید ہوئے- اور اُن کی شہادت نے عائشہ بنت طلحہ کے دل کو بیحد صدمہ پہونچایا- زندگی مین اگرچہ باہم اکثر بگاڑ ہوا کرتا وہ لڑنا اور ملنا بھی لطف کا تھا- اب اُن کے بعد ہر عیش کے موقع پر جناب عائشہ کو مصعب یاد آیا کرتے تھے-

مصعب حکمرانی اور پولیٹکل معاملات مین ناکام رہے مگر دنیوی عیش اور خانگی مسرتون کے لحاظ سے اُن دنون اُن سے زیادہ خوش نصیب ساری دنیا مین کوئی نہ تھا- حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نواسی عائشہ بنت طلحہ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی پوتی سکینہ بنت حسینؓ دونون اُن کے نکاح مین تھین- اور اُن کی محبوبہ بیویان تھین- اور یہ دونون بیویان شرافت و علو نسب عصمت و عفت- لطافت معاشرت علم و فضل- زندہ دلی و بذلہ سنجی اور عدیم المثال حسن و جمال کے لحاظ سے انتخاب روزگار تھین- ان دونون مین سے ایک بھی جس کی انیس زندگی بیوی ہوتی- اُس کی خوش نصیبی پر دنیا والے سب کو حسد ہوتا- یہان تک کہ خلفا بھی اپنے عیش کو اُس سے کم پاتے- نہ کہ اُن دونون کا ایک گھر مین جمع ہونا اور ایک ہی

کی بیویاں بن جانا۔ یہ وہ چیز تھی جس کی بدولت مصعب بن زبیر جب تک زندہ رہے محسود روزگار رہے۔ مصعب ابن زبیر نے ایک مرتبہ تمنا کی تھی کہ مین قریش کی دونوں بہترین و حسین ترین خاتونوں عائشہ و سکینہ کا شوہر ہوں۔ اور عراقین یعنی عراق عرب و عراق عجم کی عنان حکومت میرے ہاتھ مین ہو۔ اُن کی یہ آرزو خدا نے پوری کر دی۔ اور تمتع دینوی کے لحاظ سے محسود روزگار بنا دیا۔

مصعب کی شہادت کے بعد بشر بن مروان نے جو فاتح خلیفہ وقت کا بھائی تھا جناب عائشہ بنت طلحہ کو نکاح کا پیام دیا۔ اُسی زمانے مین اتفاقاً عمر بن عبید اللہ بن معمر تیمی شام سے کوفے مین آئے تھے۔ وہ معزز اور دولتمند مرزائے قریش مین تھے۔ عائشہ سے خاندانی قرابت رکھتے تھے۔ اور اُن کے اوصاف سے بخوبی واقف تھے۔ اُنھوں نے جو بشر کے پیام کا حال سُنا تو فوراً ہی ایک کنیز عائشہ کے پاس بھیجی اور کہلا بھیجا "سُنتا ہوں تم کو بشر نے پیام دیا ہے۔ مگر جہان تک مین خیال کرتا ہوں اُس کمرو مبتلاے بواسیر و ورم طحال سے مین اچھا ہوں۔ اور چونکہ تم میری بنت عم ہو تم پر میرا حق بھی ہے۔ لہٰذا اگر تم میرے نکاح مین آنا پسند کرو تو وعدہ کرتا ہوں کہ تمھاری صحبت کو عیش سے اور تمھارے گھر کو دولت سے بھر دونگا۔ عائشہ نے اُن کا پیام قبول فرمایا اور مقام حیرہ مین عقد اور رخصتی کی کارروائی عمل مین آئی۔

عمر بن عبید اللہ نے نکاح کے دن دس لاکھ درہم یکمشت اُن کے پاس بھجوا دیے جن مین سے پانچ لاکھ مہر کی بابت تھے اور پانچ لاکھ نذرانے اور رونمائی کے نام سے۔ اور چونکہ حیرہ مین الگ خیمے مین تنہا پڑے تھے اور نئی مشہور آفاق دلھن سے ملنے کا شوق بیتاب کیے ہوئے تھا۔ جناب عائشہ کی معتمد علیہ کنیز کو بُلا کے کہا "اگر آج ہی شب کو مجھے تمھاری بیوی سے ملنے کا موقع نصیب ہو جائے تو تم کو ایک ہزار دینار انعام دونگا" کنیز نے وعدہ کیا۔ اور اشرفیون کی پوٹلی لے کے واپس گئی۔ جس کو اُس نے حجلۂ عروسی کے ایک کونے مین زمین پر رکھ دیا۔ اتنے مین عائشہ آگئین۔ زمین پر ایک اونچی چیز دیکھ کے اُس کے قریب گئین۔ اور کنیز سے پوچھا "یہ کیا ہے؟ فرش لپٹا پڑا ہے۔ یا کپڑے ہین

کنیز نے کہا، "آپ پوچھتی کیا ہیں؟ خود ہی نہ دیکھ لیجیے کہ کیا ہے۔" اس جواب پر اُنھوں نے جھک کے دیکھا۔ اور یہ دیکھ کے کہ اشرفیاں ہیں مسکرائیں۔ اس کے بعد واپس جانے کو تھیں کہ کنیز نے ہاتھ جوڑ کے کہا، "بیوی جس شخص نے اتنی ایک رقم مجھے مفت دے ڈالی اُس کے لیے بھلا یہ مناسب ہے کہ اکیلا آپ پڑا رہے؟" فرمایا "مناسب تو نہیں ہے مگر میں نے نہ ابھی سنگار کیا ہے نہ جوڑا بدلا ہے۔ نہ زیور پہنا ہے۔ آج اسی وقت یہ کیسے ممکن ہے؟" لونڈی بولی "حضور کے لیے ان باتوں کی ضرورت ہی نہیں۔ سو بناؤ کا بناؤ اکیلا آپ کا یہ پیارا مکھڑا ہے۔ جس سنگار کو کہیے اس چہرے میں۔ جس لباس و زیور کو چاہیے ان خوبصورت اعضا میں۔ جو خوشبو پسند ہو اس عطر بار بدن میں موجود ہے۔ اور رہی میں تو اُن سے اقرار کر آئی۔ اب تو اُنھیں یہاں بلوا ہی کے رہوں گی۔" کنیز کے یہ الفاظ سُن کے بولیں "خیر تمھاری یہی خوشی ہے تو بلا لا" کنیز خوشی خوشی گئی۔ اور عبدالرحمن بن عبیداللہ کو بلا لائی۔

عشا کا وقت آخر ہو چلا تھا کہ وہ آئے۔ یہاں آئے تو دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس موقع پر جناب عائشہ نے اُن کے لیے سات دسترخوان چنوائے۔ اس لیے کہ وہ بڑے پُرخور مشہور تھے۔ اگر سات دسترخوان نہ تھے تو ایک پر سات آدمیوں کا کھانا ضرور تھا۔ وہ ہاتھ دھو کے بیٹھے تو دم بھر میں سارا دسترخوان صاف کر دیا۔ کھانے سے ہاتھ دھو کر وضو کیا۔ اور نماز عشا پڑھنا شروع کی۔ نماز میں اتنی رکعتیں پڑھیں اور اتنی دیر تک مصروف عبادت رہے کہ کوئی اور ہوتا تو سات دفعہ عشا کی نماز پڑھ لیتا۔ وہی کنیز کہتی ہے کہ اُنھوں نے نماز میں اتنی دیر لگائی کہ میں پڑ کے سو گئی۔ عبادت سے فارغ ہو کر اُنھوں نے مجھے جگایا۔ میں نے اُٹھ کر اُنھیں حجلۂ عروسی میں پہونچا دیا اور آ کے لیٹ رہی۔ رات کو وہ سات بار اُٹھ اُٹھ کر نہائے۔ اور فجر کے وقت جب وہ غسل کر کے اور نماز پڑھ کے بیٹھے تو میں سامنے جا کے کھڑی ہوئی۔ میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور پوچھا "کچھ کہو گی؟" میں نے کہا "میں کیا عرض کروں۔ آپ کا سا آدمی نہیں دیکھا۔ آپ نے رات کو سات آدمیوں کا کھانا اکیلے کھا لیا

یہ نماز بھی ایسی پڑھی جو سات آدمیوں کی نماز کے برابر تھی۔ اور اس کے بعد تو آپ ماتی ہی ہیں"۔ سُن کر وہ بے اختیار ہنس پڑے اور اپنا ہاتھ عائشہ کے شانے پر مارا جنھوں نے مسکرا کے اور شرما کر اپنا سر چھپا لیا۔

عمر بن عبید اللہ سے لڑائی اور بگاڑ کے واقعات تو زیادہ نہیں سُنے گئے مگر اس میں شک نہیں کہ اُن کے چھیڑنے ستانے اور تنگ کرنے میں بھی وہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھتی تھیں۔ ایک دن خوشی میں آکر اُنھوں نے عائشہ سے کہا "یوں تو مجھے بہت سے معرکے پیش آئے مگر آج کا سا معرکہ ایسا وہ ایک سے زیادہ سخت معرکہ مجھ پر نہیں گزرا"۔ عائشہ نے کہا "اچھا بتاؤ تم لڑائی کے کتنے میدانوں میں گئے؟ کتنے معرکوں سے سابقہ پڑا؟ اُن میں سخت تر کون کون تھے؟ اور سب سے زیادہ سخت کون معرکہ تھا؟" کہا "سنو سب سے پہلا تو معرکۂ سیستان تھا۔ اس کے بعد ارض فارس میں معرکۂ قطری پیش آیا۔ اسی طرح اور بہت سی لڑائیاں گنوا گئے۔ جب کہہ چکے تو عائشہ نے کہا "تم نے سب معرکے گنوا دیئے مگر اُس دن کا نام نہ لیا جس روز تمھیں سب سے زیادہ سخت معرکہ پیش آیا تھا۔ اور جس میں سب سے بڑھ کر بہادری دکھانی پڑی تھی؟" پوچھا "وہ کون سا معرکہ تھا؟" کہا "جس دن تم رملہ کو بیاہ لائے۔ اور اُن کے حجلۂ عروسی میں قدم رکھا تھا۔" یہ سن کر عمر بن عبید اللہ سٹپٹا کے رہ گئے۔ اور کچھ جواب نہ دے سکے اور وجہ یہ تھی کہ اُن کی اور کئی بیویاں تھیں مگر سب میں بدصورت رملہ تھیں۔

عمر بن عبید اللہ کے مزاج میں حسد و رقابت کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ اس کی تاب نہ لا سکتے تھے کہ اُن کے کسی رقیب کا ذکر اُن کے سامنے تعریف سے کیا جائے ایک دن سخت گرمی تھی۔ دھوپ کی تپش اور گرد و غبار میں چل کے گھر میں آئے تو چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ عائشہ سے کہا "اس وقت دھوپ اور گرد و غبار نے پریشان کر دیا۔ ذرا مجھ پر سے گرد تو جھاڑ دینا۔" عائشہ ایک رومال لے کے اُٹھیں گرد جھاڑنے لگیں۔ مگر جھاڑتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں "گرد آلود چہرے تو بہت دیکھے مگر گرد میں جیسا مصعب کا چہرہ پیارا ہو جاتا تھا آج تک کسی کا نہیں دیکھا"۔ یہ الفاظ نہ تھے زہر میں بجھے ہوئے خنجر و پیکان تھے جنھوں نے عمر کے دل و جگر کو پاش پاش کر ڈالا۔ سینے میں آتش حسد کا ایک شعلہ اُٹھا۔ اور سارا تن بدن جل کر خاک ہو گیا۔ مگر مجبور تھے۔ بیوی ایسی بلا کی سخت گیر تھیں کہ مجال نہ تھی زبان سے اُف

نکلے۔ یا حرف شکایت لب پہ آئے۔ ضبط کرکے خاموش ہو رہے۔

عائشہ بنت طلحہ عمر بن عبیداللہ کے عقد نکاح مین آٹھ سال تک رہین یہان تک کہ ۸۲ھ مین اُنھون نے وفات پائی۔ اور اس بیوگی و مصیبت کا صدمہ اُنھین پہلی دو مرتبہ سے زیادہ ہوا۔ اور اُنکی لاش پہ کھڑے ہوکے ماتم کیا۔ اور رو رو بیٹھین۔ اُن دنون کی معاشرت کی رو سے بیوی شوہر کی لاش پہ اگر بیٹھے بیٹھے گریہ و ماتم کرتی تو سمجھا جاتا کہ بعد عدت دوسرا عقد کرے گی۔ لیکن اگر کھڑے ہوکر آہ و زاری گریہ و بکا۔ اور ماتم کرتی تو سمجھ لیا جاتا کہ اب یہ کسی سے نکاح نہ کرے گی۔ چنانچہ عمر بن عبیداللہ کی میت پر اُنھون نے کھڑے ہوکر بین و بکا کیا۔ اور اِس اشارے سے اُسی وقت سمجھ لیا گیا کہ اب وہ کسی سے نکاح نہ کرین گی۔ چنانچہ اس کے بعد بہت لوگون نے اور بڑے بڑے عالی مرتبہ شرفا و معززین نے اُنھین پیام دیا۔ مگر اُنھون نے سب کو جواب دے دیا۔ اور باقی ماندہ زندگی بیوگی ہی مین بسر کی۔ اگرچہ خدا نے دولت و حشمت دی تھی اور جب تک جیتی رہین بڑے شان و شکوہ اور نہایت ہی کروفر سے رہین۔

اُن کے کروفر اور شان و شوکت کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ عبدالملک بن مروان کے عہد مین یزید بن معاویہ کی بیٹی عاتکہ نے حج کا ارادہ کیا اور اجازت لینے کے لیے اُس کے پاس گئی تو اُس نے کہا "تم جاتی تو ہو مگر ذرا شان و شوکت اور دھوم دھام سے جانا۔ اس لیے کہ وہان عائشہ بنت طلحہ بھی موجود ہون گی۔" اُس نے کہا "جی ہان مین شان و شکوہ سے جاؤن گی۔ اور روانگی کے لیے شاہانہ ساز و سامان کیا۔ اُس کی سواری مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ کے درمیان گزر رہی تھی کہ ایک سواری بڑی دھوم دھام سے آئی جس کے جلوس نے سارا راستہ گھیر لیا۔ اور عاتکہ کے ہمراہیون کو ادھر اُدھر منتشر ہو جانا پڑا۔ عاتکہ نے دل مین کہا "معلوم ہوتا ہے یہ عائشہ کی سواری ہے" مگر لوگون نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ عائشہ نہین ہین بلکہ اُن کی خادمہ جا رہی ہے۔ اِس جلوس کے نکل جانے کے تھوڑی دیر بعد ایک اور جلوس آیا۔ جس کا کروفر پہلے جلوس سے بھی زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ یزید کی بیٹی کے ہمراہیون کو پھر ادھر اُدھر ہٹ کے سڑک چھوڑنا پڑی۔ اور اُس نے

کہا، کیا یہ عائشہ جا رہی ہیں؟ لوگوں سے پوچھا تو سُنا کہ یہ بھی عائشہ نہیں ہیں۔ یہ اُن کی مشاطہ ہے۔ عاتکہ دل میں حیران تھی کہ اس کے بعد سب سے بڑا اور سب سے زیادہ شان و شوکت کا جلوس گزرنے لگا۔ اس جلوس میں تین سو اعلیٰ درجے کی خوبصورت سانڈنیاں تھیں جن پر کلس دار محملیں کسی ہوئی تھیں۔ لوگوں سے پوچھا تو پتہ چلا کہ اب یہ خود عائشہ کی سواری کا ہے۔ جو حج کرنے کو تشریف لیے جاتی ہیں۔ یہ شان و شوکت دیکھ کے عاتکہ کے ہوش اُڑ گئے۔ اور بے اختیار زبان سے نکلا، "عند اللہ خیر و ابقیٰ" جو کچھ خدا کے پاس ہے اچھا اور نہایت پائدار ہے۔ یعنی یہ سب دولت و حشمت رہنے والی نہیں، رہے گا وہی جو خدائے عز و جل کے پاس ہے۔

عبدالملک کے زمانے میں چند روز تک حارث بن خالد والی مکہ تھا۔ ایک دن مؤذن نے حرم میں اذان دی اور وہ نماز کے لیے نکلا۔ اتنے میں اُس کے پاس عائشہ بنت طلحہ کا پیام پہونچا کہ "ابھی نماز میں ذرا تامل کیجیے۔ میرا طواف پورا ہولے تو نماز پڑھیے گا۔" حارث آپ پر فریفتہ تھا۔ آپ کے حُسن و جمال کی تعریف میں اشعار کہے تھے۔ اور آپ کا بے انتہا پاس و لحاظ کرتا تھا۔ یہ پیام سُنتے ہی وہ نماز سے رُک گیا۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ اور جب آپ طواف سے فارغ ہولیں تو تکبیر کی اجازت دی۔ یہ خبر لوگوں نے عبدالملک کو پہونچا دی۔ وہ حارث کی اس دینی مداہنت سے سخت ناراض ہوا۔ اور اُسے عہدۂ ولایت مکہ سے معزول کر دیا۔ مگر حارث کو اس کی مطلق پروا نہ ہوئی اور کہا، "عائشہ بنت طلحہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں مجھے عبدالملک کی ناراضی کا خوف ہے نہ معزولی کا افسوس۔"

عبدالملک کے بعد جب اُس کا بیٹا ولید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو وہ حج کے لیے مکۂ معظمہ میں آیا۔ اُس کے عقد میں جناب عائشہ کی صاحبزادی نفیسہ تھیں جن کے حُسن و جمال کی بھی شہرت تھی۔ ولید کے آنے کا حال سُن کر عائشہ بنت طلحہ اُس کے پاس گئیں اور کہا، "امیر المومنین۔ مجھے اپنے ساتھ کے جلوس اور اپنی حفاظت کے لیے کچھ سپاہی چاہییں تاکہ جب میں باہر نکلوں وہ میرے جلو میں رہا کریں۔ اُس نے بہت سے آدمی مقرر کر دیے۔ اور اب اُن کی سواری کا کرّ و فر پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا۔ چنانچہ اب جو وہ حج کو گئیں تو ہمراہ رکاب

ساٹھ خچرون کا جلوس زیادہ تھا - اِن خچرون پر بھی محملین تھین - اور اُن کی عظمت و شان کا لوگون پر بڑا اثر پڑتا تھا -

راستے مین اُن کے دیور عروہ بن زبیر ملے - اور اُن کی محمل کے پاس پہونچ کے ایک شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "عائشہ! او ساٹھ خچرون کے جلوس والی خاتون! کیا تم ہر سال یونہین حج کیا کرتی ہو؟" عائشہ نے جواب مین کہلا بھیجا "ہان یونہین - تمھارا جی چاہتا ہو تو تم بھی میرے ساتھ ہو لو" مگر عروہ کو اُن کی رفاقت اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوئی -

اُسی حج کے موقع پر یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی سکینہ رضی اللہ عنہا بھی حج کے لیے شان و شکوہ سے نکلین - مگر اُن کے شکوہ و شوکت سے عائشہ بنت طلحہ کا شکوہ بڑھا ہوا تھا - اتنے مین خاص عائشہ کی محمل کے ساربان نے اُتر کے حُدی کا نغمہ گانا شروع کیا جس مین وہ بار بار اِس مضمون کے ایک شعر کا اعادہ کرتا تھا کہ "عائشہ! او ساٹھ خچرون کے جلوس والی خاتون! آپ جب تک زندہ و سلامت ہین ہمیشہ اسی شان و شکوہ سے حج کیا کرین" جناب سکینہ کو عائشہ کے حُدی خوان کی یہ خودستائی ناگوار ہوئی - اُن کی ناگواری کو اُن کا حُدی خوان ساربان سمجھ گیا - فوراً اُس نے یہ حُدی گانا شروع کیا کہ "عائشہ! دیکھو یہ تمھاری سوت (یعنی سکینہ تمھاری شاکی ہین - مگر یاد رہے) کہ ان کے جد بزرگوار نہ ہوتے تو تمھارا باپ نعمت ہدایت سے محروم رہ جاتا" عائشہ پر اس کا بڑا اثر ہوا اور اپنے ساربان کو حکم دیا کہ اپنی زبان روک لے اور اپنا نغمۂ حُدی فوراً بند کرے

رسالہ انتظامیہ فرنگی محل لکھنؤ

فرنگی محل سے یہ اعلیٰ درجہ کا علمی اور اسلامی رسالہ کامیابی کے ساتھ نکلا [illegible] کا وہ نمبر جو حضور سرور عالم کے محترم نام کی نذر کیا گیا ہے آپ کے مختصر حالات سے لبریز اور ہر مسلمان کو اُس کا ایک نمبر اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ ہم مشورہ دیتے ہین کہ [illegible] انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ اپنے اس رسالے کی چھپائی اور صحت مین زیادہ اہتمام فرمائین گے -

تصانیف مولنا محمد عبد الحلیم صاحب شرر

تاریخ و سوانح عمریان

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات۔
(۲) ابوبکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات۔
(۳) تاریخ سندھ۔ عرب کے فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ جلد اول
(۴) عصر قدیم۔ اقوام سلف کی نہایت واضح تاریخ
(۵) حروب صلیبیہ۔ انگریزی سے ترجمہ اور عربی سے کشی
(۶) مسیح و مسیحیت۔ دین مسیحی کے حالات اولاد محمدی
(۷) عرب قبل از اسلام۔ تاریخ ارض مقدس کی تیرہ جلدیں
(۸) خواجہ معین الدین چشتی۔ حضرت اجمیری کے حالات
(۹) سکینہ بنت حسین۔ جناب سکینہ بنت امام حسین۔
(۱۰) افسانہ قیس۔ مجنون عامری کے حالات
(۱۱) حسن بن صباح۔ بانی فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ
(۱۲) قرۃ العین۔ ایک مجتہد زادی۔
(۱۳) شیرین ملکہ عجم۔ خسرو کی نامور معشوقہ۔
(۱۴) ملکہ زنوبیہ۔ سلف کی ایک عربی شہزادی ملکہ

ناول

(۱۵) جویائے حق۔ حضرت رسول صلعم کی سوانح عمری بطور ناول
(۱۶) بابک خرمی۔ سلطنت عباسیہ کے زمانے کا ایک تاریخی واقعہ۔ ہر دو حصہ
(۱۷) مفتوح فاتح۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول۔
(۱۸) الفانسو۔ ایک عاشقانہ تاریخی ناول۔ ۱۲
(۱۹) خوفناک محبت۔ ہندوستانی شریف زادوں کی پاکدامنی و حالات کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی۔
(۲۰) حسن کا ڈاکو۔ حرام پور کے نواب کی سرگذشت ہر حصہ
(۲۱) اسرار دربار حرام پور۔ حرام پور کے نواب کے اور حالات۔ ہر دو حصہ۔ ۱۰
(۲۲) غیب دان دلہن۔ حیرت انگیز غیب دانی۔
(۲۳) رومۃ الکبری۔ روم پر گاتھ لوگوں کا حملہ
(۲۴) ماہ ملک۔ غوریوں کا عروج۔
(۲۵) زوال بغداد۔ دولت عباسیہ کا استیصال۔
(۲۶) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کی تصویر کامل ہر دو جلد
(۲۷) مقدس نازنین۔ ایک حسینہ کا پوپ بن جانا۔
(۲۸) شوقین ملکہ۔ دوسری صلیبی لڑائی۔
(۲۹) قیس و لبنیٰ۔ عہد صحابہ کا ایک سچا عشق۔
(۳۰) فلورا فلورنڈا۔ اندلس میں سلطنت عرب۔
(۳۱) آغا صادق کی شادی۔ ایک دلچسپ قصہ
(۳۲) فلپانا۔ عہد صحابہ کا ایک سچا واقعہ
کاغذ ولایتی۔
(۳۳) فردوس بریں۔ جیتے جی جنت کی سیر
(۳۴) یوسف نجمہ کامل

متفرقات

(۳۵) الحکم الرفاعیہ۔ طریقت میں سید احمد رفاعی کے ایک رسالہ کا ترجمہ
(۳۶) سرسید کی دینی برکتیں
(۳۷) ہندوستان کی موسیقی۔ مولنا شرر کا لکچر
(۳۸) اردو سے ہندوؤں کا تعلق۔
(۳۹) زمانہ اور اسلام۔ مولنا شرر کی مشہور نظم
(۴۰) شب وصل
(۴۱) شب غم

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

(۴۲) اتالیق بی بی۔ میاں کی حرکتوں پر بی بی کی مزیدار نکتہ چینی۔
(۴۳) پاداش عمل۔ ایک نہایت دلچسپ ناول موسوم بہ کنتھ کا ترجمہ حصہ اول
حصہ دوم، حصہ سوم
(۴۴) دولت ہسپانیہ۔ ترجمہ تاریخ کا نڈی
" حصہ اول
" حصہ دوم
" حصہ سوم

المشتہر
حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز گڑھ برن بیگ خان لکھنؤ

ہماری کوتاہیاں اور قدردانی

ہمیں اپنے اس پرانے رسالے کی اشاعت و قدردانی ... ابھی ... اس کی تعداد اشاعت پر نظر ... اور ... مضامین ... ادا کرتو ... سے گزشتہ ... آپ ہی آپ ... لگتا ہے کہ ... ایک ... مصنف ... لیکن ساتھ ہی جب انگریزی اور دوسری زبانوں کے رسالے ... تعداد اشاعت ... سے بڑھا ہوا ... جن کی شہرت ... زیادہ دیکھتے ہیں تو دل کو ایک نامرادی و ناکامی سی تکلیف محسوس ہونے لگتی ہے اور ... امید پر ... اوس پڑ جاتی ہے

گو کہ اس موقع پر میں اپنے دل کو تسلی دیتا ہوں کہ ناموری و شہرت میں چاہے کوئی بڑھ جائے مگر ... اصل جو خوبیاں مجھ میں اور میری تحریروں میں ہیں ... کسی کے زبان و قلم میں نہیں ہو سکتیں یہ تسلیاں اگرچہ بہت کچھ حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ لیکن جب اس بات کا مشاہدہ ہونے لگتا ہے کہ فلاں انگریزی پرچہ کی ... سو ساٹھ ... میں ہو چکا ہے جہاں دلگداز کا گزر نہیں ... کثرت سے سمندر کی لہریں ہندوستان کے باہر ممالک دور دراز میں لیجاتی ہیں۔ ڈاک کے تھیلے اُن کی کاپیوں سے بھرے ہوتے ہیں جہاں دلگداز کے چند ہی پرچے ہوتے ہیں تو ان سب تسلی و دلدہی کی باتوں پر خاک پڑ جاتی ہے۔ اور یہ ہمت شکن واقعات

جوصلون کو بھی بالکل پست کر دیتے ہین۔

لیکن اب بھی مین مردہ امید ان کو جلاتا، پست و پامال حوصلون کو اُبھارتا اور اپنے دل سے کہتا ہون دین کسی سے کم نہین۔ مجھے بھی اتنا ہی نام نمود اور فخر وامتیاز حاصل ہے جتنا اُن لوگون کو ہے جن کی کتابون کے پڑھنے والے میری کتابون کے شایقین سے اور جن کی تحریرون کے قدردان میرے قدردانو سے دس گنے بلکہ سو گنے ہین۔ جو تشفی وتسلی دینے والے خیالات میرے دل کو ٹھپکیان دے دے کے بڑھاتے ہین اُن کا پوری طرح بیان کر دینا میرے امکان مین نہین مگر باوجود اس کے حتی الامکان مین بتاؤن گا کہ وہ کون سی دل خوش کن باتین ہین جن سے ایک شکستہ خاطر مصنف کے دل کو تسکین ہو سکتی ہے۔ مین اپنے دلی منصوبون سے اس نتیجہ کو پہونچتا ہون کہ اورون کی شہرت محض ظاہری و نمائشی دل فریبیون کی وجہ سے ہے مگر میری تحریر مین معنوی خوبیان اور حقیقی دلچسپیان ہین۔ میرا خود پرست نفس مجھے باور کراتا ہے کہ میرے قدردان سچا مذاق سخن رکھنے والے اور ذی علم وصاحب فضل لوگ ہین۔ میرا اسلوب بیان کچھ ایسے اعلیٰ مذاق کا ہے کہ بجز مہذب وشایستہ اور ذی ہوش وسخن سنج لوگون کے جہلا کو اُن مین لطف نہین آ سکتا۔ بہ خلاف اس کے اور مصنفون کا یہ حال ہے کہ جاہلون مین زیادہ مقبول وپسندیدہ ہین۔ جن مین مجھ سے صاحب کمال کو شہرت نہین نصیب ہو سکتی۔ بہرحال ان باتون سے آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک مصنف کو اُس کا غرور اُبھارتا ہی رہتا ہے۔ چاہے ساری دنیا اُسے چھوڑ دے اور ایک شخص بھی شوق سے اُس کے کلام کو نہ پڑھے مگر وہ یہی سمجھا کرتا ہے کہ مین ہی سب سے اچھا ہون۔ دنیا اگر مجھے نہین پسند کرتی تو وہ خود بُری ہی مین بُرا نہین ہو سکتا۔

لیکن باوجود خود پسندی کے ان بھلاوون اور فریبون کے ایک دفعہ جبکہ سالانہ ناول ندرانہ کے سیکڑون وی۔ پی واپس آگئے تو ناقدری کے خیال نے مجھے بیحد تکلیف دی۔ ناقدرشناس پبلک پر مجھے سخت غصہ آیا اور طیش مین آکر مین آمادہ ہوگیا کہ یہ علمی دلچسپیان پیدا کرنے کا جو مشغلہ

اختیار کر رکھا ہے اُس کو مطلق چھوڑ دون۔ پھر کبھی پبلک کے سامنے آنے کا نام نہ لون۔ اور جتنے غیر شائع شدہ مسودے پڑے ہین اُنھین کو نہین جتنی اپنی مطبوعہ کتابون کو بھی اپنے کتب خانے مین پاؤن جلا دون۔ ساتھ ہی دل مین خیال آیا کہ میری اس جلد بازی کی حرکت سے اُن چند لوگون کو کتنا بڑا صدمہ ہوگا جو میری تحریرون کے شیدا ہین۔ اور ایک پرچے کے نکلنے مین ذرا سی بھی دیر ہوتی ہے تو فوراً شوق سے خطوط بھیجا کرتا بعض اوقات تار بھیج کے خیریت دریافت کرتے ہین۔ غرض میرے دل نے کہا کہ میری اس کمزوری لغویت اور بیہودگی سے بہت سے قابل و فاضل لوگون اور علم دوست احباب پر سخت ظلم ہو جائے گا۔

ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ مین نے لکھنا اور اپنی کتابون کو شائع کرنا چھوڑ دیا یا مین مر بھی گیا تو اس سے دنیا کو کیا نقصان پہونچے گا؟ دوسرے دن آفتاب اُسی آب و تاب سے طلوع ہوگا۔ لوگ یونہین آپس مین بیٹھ کے ہنسین بولین اور گائین بجائین گے۔ اور ویسی ہی دلچسپیان قائم رہین گی۔ بالفرض چند رونے والے ہوئے بھی تو دو گھڑی یا زیادہ سے زیادہ دو دن رو پیٹ کے اور حسرت کی باتین کر کے پھر اُسی طرح دنیا سے لطف اُٹھانے لگین گے۔ اور اپنے کام مین مصروف ہو جائین گے۔ اس سے جو اصلی نقصان اُٹھانے یا کف افسوس ملنے والا ہوگا وہ خود مین ہون گا۔

انھین خیالات کے سلسلے مین مجھے ایک اگلے احمق وزیر کا قصہ یاد آگیا اُس نے بادشاہ کو کسی بات کا مشورہ دیا۔ بادشاہ نے اُس کی بات نہ مانی بلکہ سخت ناراض ہو کر اُسے بُرا بھلا کہا۔ وزیر نے فوراً استعفا پیش کر دیا۔ اور آ کے گھر مین بیٹھ رہا۔ اور اس پر بھی صبر نہ آیا تو شہر چھوڑ کے ایک گاؤن مین چلا گیا کہ جب مین نہ ہون گا تب بادشاہ سلامت کو قدر و عافیت معلوم ہوگی۔ مگر دوسرے ہی دن اپنے ایک خادم کو شہر مین بھیجا کہ جاؤ پتہ لگاؤ میرے علیحدہ ہو جانے کا کیا اثر ہوا؟ وہ ملازم گیا اور واپس آیا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی اپنے حسن تدبیر پہ ناز کرنے والے وزیر صاحب نے پوچھا "بتاؤ تمھین دربار شاہی مین کچھ ہلچل اور گھبراہٹ نظر آئی؟"

اُس نے کہا "جی ہان بڑی ہل چل پڑی ہوئی ہے۔ تمام ارا کین دولت قصر شاہی مین جمع ہین۔ اور ہر شخص سخت پریشانی مین مبتلا ہے" وزیر بولا "یہ تو مین پہلے سے سمجھا ہوا تھا کہ تمام معززین دربار اور ارا کین سلطنت میرے نہ ہونے سے پریشان ہو جائین گے۔ اور سب کے سب متفق اللفظ ہو کر بادشاہ سے عرض کرین گے کہ انھین جلدی بلوائیے۔ ورنہ ایک دن بھی کام نہ چل سکے گا" خادم نے کہا "جی نہین۔ آپ کے بُلوانے یا آپ کے حقوق ظاہر کرنے کا تو کسی کو خیال بھی نہین ہے وہان تو ہلچل اس بات کی پڑی ہوئی ہے کہ دیکھیے اب کون وزیر ہوتا ہے۔ اور پریشانی اس وجہ سے ہے کہ ہر شخص اس فکر مین سرگردان و حیران ہے کہ معزز خدمت وزارت اُسی کو ملے اور وہی آپ کی جگہ پر مقرر کیا جائے" یہ سنتے ہی وزیر صاحب اپنا مُنہ لے کے رہ گئے۔

اس خود پرست اور بیوقوف وزیر کی طرح اگر مین نے بھی جھنجھلا کے اپنی تحریرین جلا ڈالین اور سب سے الگ ہو کے بیٹھ رہا تو دنیا ایسی ہی رہے گی۔ مزے اُڑانے والے یونہین مزے اُڑاتے رہین گے۔ علمی تحریرین یونہین پڑھی جائین گی۔ اور داد سخن دینے والے یونہین داد سخن دین گے۔ بیوقوف بنون گا تو خود مین۔ ساری دنیا میری اس حماقت پر ہنسے گی۔ اور جب تک زندہ رہون گا اُلّو بنایا جاؤن گا"

ان خیالات کا انجام یہ ہوا کہ مین اپنے ارادے سے باز آ گیا اور دل مین ٹھان لی کہ چاہے جو کچھ ہو۔ لوگ پسند کرین یا نہ کرین مین یونہین لکھتا رہون گا۔ اور میرا شعار یہ رہے گا کہ "کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے میکنم" اس ارادے کے ساتھ ہی دل نے تسلی دی کہ موجودہ نسل اگر میری قدر نہ کرے گی۔ اور آج کی دنیا میری آواز نہ سُنے گی تو مضائقہ نہین۔ بعد والی نسلین میری قدر کرین گی۔ اور آنے والی دنیا میرے کلام کو بُوجھے گی۔ مین نہ ہونگا۔ مگر میرے مضامین اور میری کتابین ہون گی جن کے ہر ہر لفظ کی قدر ہوگی۔ قرون آیندہ کے اُدبا و فصحا میرے ہر ہر فقرے کی تشریحین کرین گے۔ اُن مین نکات و رموز پیدا کرین گے۔ میرے کمالات کے قائل ہون گے۔ اور اِن بدمذاق جاہلون سے دنیا خالی ہو جائے

جو میری اور میرے مضامین کی قدر نہین کرتے - حسد و رقابت کے شیطان نے چپکے سے میرے کان مین یہ پھونک دیا کہ آج کل کے اور مصنفین جن کی تحریرین زیادہ مقبول و معروف ہین اُن دونون گمنامی مین پڑے ہون گے - دنیا اُن کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی ہو گی - میری تحریرون کے شیدا اُن پر اعتراض کرین گے - اور اُن کی شہرت کو مٹا دین گے -

اور بس یہی مین چاہتا ہون - اس سے زیادہ سختی کا مین روادار بھی نہین - اور نہ معاصر ہم عصرون کو کوئی جسمانی اذیت پہونچانا چاہتا ہون جانتا ہون کہ شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی کو جو علم و فضل مین فارابی و ابن سینا کا مد مقابل تھا بعض علما ہی کی سازش نے قتل کرایا - ابن تیمیہ کا سا فاضل گران پایہ ہم عصر عالمون ہی کی دشمنی سے سات برس تک قید خانے مین پڑا رہا - قدر دان صاحبان علم ہی کی ریشہ دوانی نے محمود غزنوی کو فردوسی کا ایسا دشمن بنا دیا کہ اس غریب کو جان لے کے بھاگنا پڑا - مجھے اپنے معاصرون سے ایسی ذلیل دشمنی نہین ہے - مین ایسی حرکتون کو شاعری و ادب کے مذاق کے خلاف اور ایک صاحب علم شخص کی شان کے لیے ننگ سمجھتا ہون - مین تو اتنا ہی چاہتا ہون کہ تمام لوگ میرے قدر دان ہو جائین - اور جو لوگ مجھ پر اعتراض یا نکتہ چینی کرتے ہین اُن کی اتنی شہرت ہی نہ رہے کہ اُن کی آواز کسی کے کان تک پہونچ سکے -

بہرحال اب میری ساری امیدین آیندہ نسلون سے وابستہ ہین - خود فراموشی کے جوش مین مین یہ بھی کہتا ہون کہ اگر میری تحریرین خراب ہین تو اُن کا مٹ جانا ہی اچھا ہے - اور اُن کے مٹ جانے سے مین بہت خوش ہون گا - لیکن وہ تحریرین جو اچھی ہین وہ عزت کی نظر سے دیکھی جائین - اُن کی قدر ہو - آیندہ نسلون مین جو تحریرین رہ جائین گی وہ اچھی ہی ہون گی - اور وہی میری کامیابی کا اصلی ذریعہ ہون گی -

تاہم اپنی آنکھون کے سامنے کی ناقدری و عیب چینی تکلیف ضرور دیتی ہے - اور جس طرح کوئی شاعر جنت کی شراب طہور پر شراب شیراز کے ایک موجودہ اور نقد جام کو اور حور جنت کے عوض ایک دُنیوی مہ پارہ کو ترجیح دیتا ہوا اسی طرح

میرا بھی بعض اوقات بے اختیار جی چاہنے لگتا ہے کہ قرون آیندہ کی ناموری ومقبولیت کے خیال کو لات مار کے سامنے سے ہٹا دون اور وہ مضمون لکھنے لگون جو عوام الناس کو پسند ہون- اور مجھے اُن لوگون سے زیادہ شہرت حاصل ہو جائے جو بدمذاق اور جاہل لوگون کو خوش کر کے نام پیدا کر رہے ہین-

اب تو مجھے یہ نظر آرہا ہے کہ دینی علما کی طرح شعرا و ادبا کی قسمت بھی عوام کے ہاتھ مین دیدی گئی ہے- عالمون فاضلون خصوصًا علماے دین کے لیے یہ پرانی مصیبت چلی آتی ہے کہ بڑے بڑے محقق و فلسفی اور عالی مرتبہ محدث و فقیہ جنھین اعلی درجے کا تبحر حاصل ہو کونے مین بیٹھے رہ جاتے ہین اور جاہل واعظین مسند ارشاد پر بیٹھ کر اور جھوٹ سچ باتین بنا کے اپنی یاوہ گوئی و طلیق اللسانی سے عام لوگون کو گرویدہ بنا لیتے ہین- مگر اب تو بازار ادب و معانی مین بھی کھرے کھوٹے اور جانچ پرتال کی کسوٹی اُن جہلا کے ہاتھون مین ہے جو ہماری بدقسمتی سے اُسی مذاق سخن کو اچھا سمجھتے ہین جو نفس الامر مین بھونڈا اور خراب ہے اور جس کی اچھے مذاق والون کے نزدیک وقعت نہ ہونی چاہیے-

مگر نہین- مین ان دھوکون مین پڑ کے اپنی متانت کو ہاتھ سے نہین دینا چاہتا- یہی سنجیدہ اور گھرا رنگ میرے خیال مین زیادہ موزون و مناسب ہے- اُن بہت سے داد دینے اور لطف اُٹھانے والون سے جو ظاہری نمایش اور سطحی دلفریبیون مین محو ہو کر آپے سے باہر ہو جاتے ہون اور دم بھر کے لیے قدردان سخن بن جاتے ہون وہ تھوڑے سے سخن شناس اچھے جو سمجھ کر قدر فرمائین اور غور و خوض کے بعد داد دین- اور مجھے میرے دل نے اطمینان دلا دیا ہے کہ میرے قدردان ایسے ہی ہین-

ایک شخص نے ایک بار نہایت سنجیدگی کے ساتھ کہا "بیوقوف لوگ تعریف کرنے لگتے ہین لیکن عقلمند آدمی خوبیون کو دل ہی دل مین تسلیم کرتا ہے زبان سے نہین کہتا- اُس کی یہ شان نہین ہوتی کہ کسی نئی چیز کو دیکھ کے بے اختیار اُٹھ کھڑا ہو اور بے تحاشا تعریف کرنے لگے- بلکہ میلان اور پسند کرنے کے خیال کو وہ دل مین دبا تا ہے اور اُس کے چہرے بشرے اور لب و لہجے سے

خودداری کے سوا کوئی بات نہیں ظاہر ہوتی۔ اپنے قدردانوں کو میں اسی گروہ میں تصور کرتا ہوں۔ اور دل کو یہ کہہ کے تسلی دیتا ہوں کہ اگرچہ اُن کی زبان سے اُن کی وضع کے مطابق "واہ" کا کلمہ نہیں نکلا مگر دل سے میری خوبیوں اور میرے کلام کی لطافت کے معترف ہیں۔

ان دنوں جب کہ اردو لٹریچر کو ترقی ہو رہی ہے تصنیف و تالیف اور اشاعت کا بازار خوب گرم ہے زمانے نے عجیب عجیب لوگ پیدا کر دیے ہیں جن کی دست برد سے بچنا نہایت دشوار ہے۔ اور انھیں کی بدولت اعلیٰ مصنفوں اور ادیبوں کے لیے منزل مقصود کا راستہ نہایت ہی خوفناک ہفتخوان بن گیا ہے جس کی تفصیل آپ کو بعد کے فقروں میں مل جائے گی۔

ایک بزرگ نے ایک کتاب تصنیف فرمائی اور اُس کی اس قدر تعریف نہ ہوئی جتنی وہ چاہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بزرگ بھی کسی کی تعریف نہیں کرتے۔ کیسی ہی اعلیٰ درجے کی نو تصنیف کتاب اُن کے سامنے پیش ہو جائے اُن کا دل معترف ہو جائے مگر زبان اس اعتراف کا اقرار نہیں کرتی۔ اور ایک متعصبانہ جوش کے ساتھ وہ ہر مصنف کے راستے میں ایک مہیب دیو بن کر آ کھڑے ہوتے ہیں۔

اب ان دوسرے بزرگ کو دیکھیے۔ آپ نے شہرت عام حاصل کر لی ہے۔ زمانہ آپ کے لٹریچر کا قدردان ہے۔ اور مقبولیت کی حیثیت سے آپ کو دنیا سے کوئی شکایت نہیں۔ مگر آپ کے دل میں یہ خیال جوش زن ہے کہ جس جگہ میں پہنچ گیا ہوں وہاں تک کوئی اور نہ پہنچنے پائے۔ اس کا انجام یہ ہے کہ جو لوگ ان بزرگ کو اپنا مربی بنا کے شہرت کے میدان میں قدم رکھیں اُن کو تو آپ اپنے ایک خادم یا پرستار کی حیثیت سے اہل عالم کے سامنے پیش کر دیتے ہیں اور ان کی پیٹھ پر آپ کا بزرگانہ دست شفقت نظر آیا کرتا ہے۔ مگر یہ مجال نہیں کہ کوئی شخص چاہے کیسا ہی باکمال ہو بغیر آپ کے سلسلۂ ارادت میں داخل ہوئے پبلک سے روشناس ہو سکے۔ اور اگر کسی نے علم خودمختاری بلند کر دیا یا بدقسمتی سے آپ کی ہمسری کا مدعی ہوا تو آپ اُس کے مار نے ہٹانے پیچھے ڈھکیلنے اور ذلیل

دخوار کرنے مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھتے۔

اِن تیسرے بزرگ کو بھی پہچان لیجیے۔ آپ سب سے زیادہ ذی علم ہین عالم اجل اور فاضل بے بدل ہین۔ مقتدائی و امامت قوم کا عمامہ بھی آپ کے سر مبارک پہ ہے۔ آپ فقط پُرانی عربی فارسی یا سنسکرت کی کتابون کا مطالعہ فرماتے ہین۔ جدید انشا پردازی اور دورِ جدید کی ترقیون کو نہ آپ ترقی تصور کرتے ہین اور نہ اِس قابل سمجھتے ہین کہ اُن کی طرف کوئی عاقل و قابل توجہ کرے۔ آپ کا اصلی منشا یہ ہے کہ علوم و فنون ہی نہین دنیا کی تمام واقفیتون حتی کہ دین کے ضروری مسائل کو بھی لوگ آپ ہی کی وساطت سے حاصل کرین۔ آپ نئی کتابون کو کبھی بہ تکلف ملاحظہ بھی فرماتے ہین تو فقط عیب نکالنے مضحکہ اُڑانے اور عام لوگون کو اُن کی طرف سے متنفر کرنے کے لیے۔ اور آپ کی نظر سے گزرنے کا یہ فخر بھی فقط دو ہی ایک خوش نصیب مصنفون کو نصیب ہو سکتا ہے۔ مادری زبان کے سارے ادبی ذخیرے کو آپ اُسی طرح ملاحظہ فرماتے ہین جس طرح کسی میلے مین ایک کوٹھے پر بیٹھنے والا ہزارون آدمیون کی بھیڑ کو دیکھے جس مین کالے کالے سر تو بیشمار دکھائی دیتے ہین مگر یہ پتہ نہین لگ سکتا کہ اُن سرون مین دماغ کیسا ہے اور اس انبوہ مین کس کس شان اور کس کس درجے کے لوگ ہین۔ یہ بزرگ سچ پوچھیے تو ایک زندہ مصنف اردو کی ہفتخوان ادب کے سفید دیو ہین۔ جن کے ہاتھ سے جان بر ہونا نہایت دشوار ہے۔

آخر مین اس ہفتخوان ترقی کے کالے دیو کو بھی ملاحظہ فرما لیجیے۔ آپ کالا کوٹ اور اُس سے کھلتے رنگ کا پتلون پہنے ہین۔ لبادقات سر پہ ہیٹ بھی نظر آتی ہے۔ آپ جدید تہذیب مغربی کے دلدادہ اور یونیورسٹی کے سند یافتہ فاضل ہین۔ بی۔ اے۔ سے کم نہین۔ اور اُس کے اوپر خدا جانے کون کون ڈگریان حاصل کر چکے ہین۔ آپ کو اِن مقدس صورت بزرگ پر جن کا ابھی اس سے پہلے ذکر ہو چکا یہ بڑا بھاری اعتراض ہے کہ وہ چند حکماے یونان اور چند اپنے اکابر سلف کے سوا اور کسی کو اس قابل نہین

سمجھتے کہ اُس کے خیالات اور اُس کی تحریر دن کی طرف توجہ کی جاتی اور جدید مغربی ترقیون کی طرف سے اُنھون نے آنکھین اور کان دونون بند رکھے ہین۔ مگر موجودہ [illegible] اعتراض جو اردو کی نسبت آپ کا خیال ہے کہ اُس مین کچھ ہونا ہی نہین۔ اس کا لٹریچر خوب ہے۔ اُس کی کتابین مکمل ہین۔ اور اُس کے مصنف جاہل ہین لہذا آپ سے اردو کے کسی جون جگہ [illegible] مصنف [illegible] کو صیاد ٹریکٹ

ہو سکتا ہے معلوم ہے

سچ یہ ہے کہ اردو سے زیادہ بدنصیب زبان [illegible] دنیا سے پردے ہو گی۔ اردو بولنے والون مین پرانے مذاق کے علما عربی لٹریچر کے دلدادہ ہین جدید کالجون کے تعلیم یافتہ انگریزی کے شائق ہین۔ ہندو برادران وطن جن آغوش مین یہ مدتون پلتی رہی سنسکرت اور ہندی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ رہ گئے فقط اردو بولنے والے مسلمان اُن کو جتنی اردو اپنے گھرون مین آجاتی ہے اُس کو محکمۂ تعلیم زیادہ ورنیکیولر اسکولون کے ذریعہ سے غارت کر کے بھلا دیتا ہے۔

ایسی بدنصیب زبان کا مصنف داستان پرداز ہو کر کسی کو امید ہی کیا ہو سکتی ہے اور یہ قوت ہے وہ اگر پبلک سے کسی اچھے سلوک کا امیدوار اور دوسری زبانون کے مصنفون کی ہمسری کا دعویدار ہے۔

جنگجو عورتین

اس سے بحث کرنے کی ضرورت نہین کہ دنیا مین یا کسی سرزمین مین مرد زیادہ پیدا ہوتے ہین یا عورتین۔ لیکن اس مین شک نہین کہ مختلف اسباب کے پیش آنے سے اکثر ملکون مین عورتون کی تعداد اکثر زیادہ ہو جایا کرتی ہے۔ عورتین عموماً گھر مین گھر کے امور خانہ داری مین مصروف رہا کرتی ہین۔ مگر مردون کو گھر کے باہر کے تمام کام انجام دینا پڑتے ہین۔ جس کے باعث آفات ارضی و سماوی سے اکثر اُنھین کو سابقہ پڑا کرتا ہے۔ اور انجام یہ کہ بہت سے مرد جلد ہلاک ہو جاتے ہین۔ دوسرے ملکون مین جا بستے ہین۔ کاشتکاری مین مصروف ہوتے ہین یا

اور سب سے بڑی آفت یہ کہ لڑائی اور جنگ ویکار مین مارے جاتے ہین۔ اسی گزشتہ لڑائی نے ایک کرور سے زیادہ مردون کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ اور قریب قریب اتنے ہی معذور و بیکار کردیے۔ لیکن عورتین ان آفتون سے محفوظ و مصئون رہنے کے باعث اتنی ہی رہین جتنی تھین۔

اس پر غور کرنے سے تعدد ازدواج کی ضرورت بڑی آسانی سے نظر آجاتی ہے۔ اگلی دنیا مین جدال و قتال کا سلسلہ بہ نسبت آج کل کے زیادہ اور برابر جاری رہتا تھا کون سا ملک تھا جہان روز تلوار نہ چلتی ہو۔ اور جہان کی رعایا کو اُن کے پڑوس والے ایک گھڑی بھی چین سے بیٹھنے دیتے ہون۔ عرب ہی کو دیکھیے جہان کے تمام قبائل ہمیشہ باہم برسرپیکار رہتے۔ اور ایام عرب یعنی ظہور اسلام سے پیشتر کی باہمی جنگون کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہتا تھا۔ ان لڑائیون مین کیا ہوا کرتا تھا یہی کہ مرد سیکڑون اور ہزارون کی تعداد مین مارے جاتے۔ اور عورتین چاہین آزاد رہین۔ یا زبردست اور فتحیاب گروہ کی لونڈیان بنین سب زندہ رہتین۔ اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ عورتون کی تعداد مردون سے بہت زیادہ ہو جاتی۔ اور عورتون کی اس کثرت تعداد کے بعد بجز اس کے کہ ایک مرد کئی عورتون کی کفالت کا ذمہ دار ہو جائے فلاح کی اور کوئی صورت نہ نظر آتی تھی۔ اسی دشواری کا ایک اندوہناک اور دل خراش انجام یہ بھی تھا کہ عرب و ہند وغیرہ مین بہت سے شرفا اپنی لڑکیون کو مار ڈالتے یا زندہ دفن کر دیا کرتے تھے۔

بہ لحاظ جذبات اور ہوسون کے جس طرح ایک مرد متعدد عورتون کو چاہتا ہے اُسی طرح ایک عورت بھی متعدد مردون کو چاہتی ہے جس کا ثبوت اس سے بخوبی مل سکتا ہے کہ بہت سی منکوحہ عورتین ایک شوہر پر قناعت نہ کر کے بداخلاقی اختیار کر لیتی ہین۔ اور بہت سی عورتین بازار مین بیٹھ کر اپنے آپ کو بے شمار مردون کے سامنے پیش کر دیتی ہین۔ مگر باوجود جذبات فطری کی اس یکسانی کے کسی شائستہ مذہب اور مہذب قانون معاشرت نے اس کو جائز نہین قرار دیا کہ ایک عورت جائز طور پر متعدد مردون کی زوجہ بنے۔ خلاف اس کے قریب قریب تمام ادیان سلف اور شائستہ تمدنون نے اچھے

موجودہ تہذیب یا عہد کے وضعی قوانین سے بحث نہین) بالاتفاق اس مین کوئی مضائقہ نہ سمجھا کہ ایک مرد متعدد بیویان رکھے۔ جو فیصلہ یقیناً مردون کی کمی اور عورتون کی کثرت کی بنیاد پر تھا۔

لیکن اس عہد کی تہذیب و معاشرت نے مذکورۂ بالا ضرورت سے قطع نظر کر کے سب قومون اور قریب قریب کل مذہبون کو اس جانب متوجہ کر دیا ہے کہ ایک سے زیادہ جورو ئین نہ رکھی جائین۔ یہ مین مانتا ہون کہ اس مردون کے سر سے بوجھ بہت کم ہو گیا۔ انھین روز کے خانگی جھگڑون سے آرام مل گیا۔ عورتون کو رقابت یا سوتیا ڈاہ سے نجات مل گئی۔ اور زنان و مردون کی مسرت بڑھ گئی۔

مگر اس دشواری کے دور کرنے کا کوئی انتظام نہین ہوا کہ مردون کی جلاوطنی اور اُن کے مارے جانے سے عورتون کی تعداد مین جو اضافہ ہوگا اُس کا کیا علاج ہے؟ اور اس کے بعد عورتون کی کثرت جب بدکاری و بداخلاقی کو بڑھائے گی تو اُس کے انسداد کی کیا تدبیر ہو گی؟ مذہب اور قوانین معاشرت دو چار عورتون کو جذبات دلی و خواہشات نفسانی کے دبانے کا سبق دے کر پرہیزگار اور عفت شعار بنا دے سکتے ہین۔ مگر ایک گروہ کثیر کے خواہشات کو روکنا اختیار سے باہر ہے۔

اس سے بہتر کوئی تدبیر نہین ہو سکتی کہ عورتون کو بھی مردون کی طرح فوج مین بھرتی کیا جائے جس کی انگلستان کے ایک جادو بیان ادیب گولڈ اسمتھ نے اسپین کی لڑائی کے وقت زور و شور سے تحریک کی تھی۔ اس تحریک کو سُن کر اُس وقت بھی بہت سے حضرات چونک پڑے تھے اور اب بھی چونک پڑین گے۔ ہمارے بہت سے احباب اس کو مذاق تصور فرمائین گے۔ اور جو حضرات پردے کے حامی ہین وہ تو از سرنو لعن وطعن شروع کر دین گے اور اس کو بھی پردے پر ایک حملہ تصور فرمائین گے۔ یہ ہم جانتے ہین کہ اقوام مغرب کا متعصبانہ جوش خود پرستی اس کی اجازت نہ دے گا کہ اسلام کی پیروی مین تعدد ازدواج کو اختیار کیا جائے۔ اس لیے کہ یہ

بلکہ یہ تمام مصیبتون پر غالب آجاتا ہے۔ بہرحال تعدد ازدواج سے قطع نظر کر کے
اصلاح اور نظام تمدن کی درستی کے لیے اگر غور سے دیکھیے تو یہ تحریک
نہ کوئی مذاق ہے نہ خلاف تہذیب ہے۔ اور نہ خلاف شرع۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ عورتون مین جسمانی و روحانی کمزوری
ہے۔ وہ نہ لڑائی کی مصیبتون کو برداشت کر سکتی ہین اور نہ سرفروشی و جان
بازی کے میدانون مین ثابت قدم رہ سکتی ہین۔ اُن مین نہ جرأت ہے نہ شجاعت
نہ دلیری ہے نہ بہادری۔ مگر مین سمجھتا ہون کہ بہادری و شجاعت کوئی فطری و
پیدائشی چیز نہین بلکہ یہ اُن صفات مین سے ہے جو تعلیم و تربیت اور صحبت
و معاشرت سے نشو و نما پاتے ہین۔ ہم ہی کبھی بڑے بہادر تھے۔ اور بغیر تلوار
اور قرابینچے کے نہ رہا کرتے تھے یا آج ہم سب سے زیادہ بزدل اور ڈرپوک
ہین۔ بنگالی کبھی جبن و بزدلی مین ضرب المثل تھے یا اب بہادر و جانباز ثابت
ہونے لگے ہین۔ پارسی اور یہودی کبھی دنیا کے نامور ترین شجاعون اور نامی
سپہگرون مین تھے اور آج حد درجے کے بزدل اور نامرد ہین۔ شجاعت اور
سپہگرانہ جوانمردی دراصل خاندانی و قومی روایتون۔ گرد و پیش کے اثرون۔
ندیمان صحبت کے مذاق۔ سپاہیانہ معاشرت۔ بہادرانہ تعلیم و تربیت۔ اور فنون
جنگ کی تحصیل سے پیدا ہوا کرتی ہے۔ جو گروہ اِن چیزون سے محروم ہوتا ہے
بزدل ہو جاتا ہے۔ اور اُن سے جس قدر دور اور علیحدہ ہوتا جاتا ہے اُسی
قدر زیادہ بزدل ہوتا جاتا ہے۔ لہذا عورتون کو اگر بہادر بنایا جائے تو نظر آجا
گا کہ اُن مین کیسی بہادر اور جانباز عورتین پیدا ہوتی ہین وہ سپاہی بن کر
کیسے کیسے بہادری کے کام کرتی ہین۔ کتنے کتنے بڑے لشکرون کو شکستین دیتی ہین
اِس کے ساتھ ورزش کرائی جائے۔ سپہگرانہ فنون کی تعلیم دیجائے۔ اور مشاقی
کے لیے روز لڑائی جایا کرین۔ جس کام کو امید ہے کہ وہ مردون سے
زیادہ شوق اور دلچسپی سے انجام دیا کرین گی۔ تو ممکن نہین کہ وہ اعلیٰ درجے
کی بہادر جنگجو اور نبرد آزمانہ ثابت ہون۔

تاریخ قدیم مین ثابت ہے کہ اگلے دنون علاقہ کوہ قاف مین

ایسی جنگجو عورتین رہتی تھین جنھون نے مردون کو اپنی قلمرو سے نکال دیا تھا۔ ہومر کہتا ہے کہ اُن کی ملکہ پنتھی سیلیا جنگ ٹراے مین آئی۔ اور [illegible] کی فصیل کے نیچے بہادری سے لڑتی ہوئی ماری گئی۔ افریقہ کے سپاہی عورتین ہرقلوس سے لڑی تھین۔ اور عرب کی بہادر خاتونین جہاد مین بوقت ضرورت مردون کے دوش بدوش کھڑی ہو کر [illegible]

آج کل کی عورتین [illegible] جا بجا [illegible] مگر [illegible] ان کی حالت جنگیون مین مردون کا جیسا [illegible] سے ممکن نہین ہم اپنے محلے کی بعض عورتون [illegible] سے [illegible] کے دونون پر اپنا رعب بٹھا رکھا ہے [illegible] زبان سے جتنا گہرا زخم [illegible] مرد سنان اور سنگین سے نہین پہونچا سکتے ان کو اگر توپ و تفنگ [illegible] مل جائین تو [illegible] عالم مین [illegible] ذالدین۔

[illegible] یقین کامل ہے کہ اگر ان کو [illegible] کے پہلو [illegible] فوج مین [illegible] نہایت [illegible] ثابت ہون گی۔

نکاح جعفر و عباسہ کی تحقیق

ہم گزشتہ [illegible] ہمارے کرم دوست مولانا [illegible] جو تاریخی مسائل کی تحقیق [illegible] کا فضل و کمال [illegible] لکھنے مین [illegible]

(۷) تاریخ آل برمک مین لکھی [illegible] عباسہ کے بطن سے جعفر کے دو بیٹے حسن اور حسین پیدا ہوئے [illegible] مین کسی لڑکے کی ولادت کا مطلق ذکر نہین ہے حالانکہ یہ کتاب تمام تذکرہ [illegible] کے بعد [illegible] مین لکھی گئی [illegible] تاریخ طبری اور اُس کے مقلد ناقل کامل ابن اثیر مین [illegible] قدر ہے کہ عباسہ کے ایک بیٹا جعفر سے پیدا ہوا ہان ابن طقطقی نے اپنی کتاب [illegible] سلطانیہ مین طبری و ابن اثیر کے خلاف دو بیٹون کی پیدائش کا ذکر کیا ہے [illegible] بن خاوند شاہ المتوفی سنہ ۹۰۳ھ نے روضۃ الصفا مین لکھا ہے کہ عباسہ کے بطن سے جعفر کے صرف ایک بیٹا پیدا ہوا۔ شارح ابن عبدون اکثر اجزاء قصہ کے بیان مین

تاریخ آل برمک کا ہم زبان ہے۔ لیکن اُس نے بھی دو بیٹون کی ولادت کا ذکر نہین کیا ہے

(۸) تاریخ آل برمک۔ مروج الذہب، وشرح قصیدۂ ابن عبدون۔ اور روضۃ الصفا مین صراحت ہے کہ زبیدہ خاتون خاندان جعفر کی سخت دشمن تھی اور اُسی نے عباسہ کے بطن سے بچہ پیدا ہونے کی خبر ہارون رشید کو پہونچائی۔ اگرچہ اس بیان مین بھی باوجود اتفاق ان مؤرخین کے الفاظ و اسالیب کلام مین اختلاف ہے۔ پھر تاریخ طبری اور کامل ابن اثیر تو ان تاریخ نویسون کے خلاف یہ صراحت ہے کہ عباسہ سے اُس کی ایک لونڈی کو تکلیف پہونچی۔ اور ناخوش ہو کر اُس لونڈی نے عباسہ کا سارا راز ہارون رشید سے بیان کر دیا۔

تعجب یہ ہے کہ نکاح جعفر و عباسہ کا پہلا بیان کرنے والا طبری ہے اور اُسی کی پوری تقلید ابن اثیر نے کی ہے پھر جو بات طبری نے نہین لکھی اُس کو شارح ابن عبدون اور صاحب مروج الذہب وغیرہ نے کیونکر اور کہان سے لکھا؟ اعلام الناس اور آداب سلطانیہ مین شراب و کباب۔ بازہ چھوکری کا سرے سے ذکر ہی نہین نہ یہ ظاہر کیا کہ ہارون رشید پر اس واقعے کا انکشاف کیسے ہوا؟

(۹) تنہا بہ نی مورخ آل برمک نے عباسہ کے دو معصوم بچون حسن اور حسین کے زندہ دفن کرنے اور جعفر و عباسہ کے چند ملازمین کے قتل کیے جانے کا ذکر بڑی بیدردی سے کیا ہے یہانتک کہ جن مزدورون نے بچون کو دفن کیا اُن کو اور نیز جس شخص نے اُن مزدورون کو قتل کیا اُسکو اخفاے راز کے خیال سے خود ہارون رشید کے ہاتھون تلوار کے گھاٹ اُتارا ہے مگر کسی اور مؤرخ نے ان ہوات کا ذکر نہین کیا ہے۔

(۱۰) تاریخ آل برمک مین یہ صراحت بھی ہے کہ ہارون الرشید نے اپنی عزیز ترین بہن عباسہ کو قتل کر دیا۔ لیکن اور کسی تاریخ مین عباسہ کے انجام کا کوئی ذکر نہین کیا گیا ہے۔ ابن مسکویہ خازن الرازی نے اپنی کتاب العیون والحقائق مین نہ تو عباسہ اور اُس کے بیٹون کے قتل کا ذکر کیا نہ بیٹون کے نام بتائے ہین۔

(۱۱) تاریخ آل برمک مین تمام خاندان برامکہ کے قتل و غارت کی خبر دی گئی

ہے حالانکہ دوسری تمام تاریخون سے فقط جعفر کا قتل ہونا ثابت ہوتا ہے۔
(۱۲) مصنف تاریخ آل برمک نے نہایت دلیری سے لکھا ہے کہ خلیفہ ہارون رشید نے تین دن کے اندر بارہ سو برمکیون کو ہلاک کیا۔ لیکن یہ ایک ایسا سفید جھوٹ ہے جس کی نظیر کسی لغو سے لغو داستان مین بھی نہین مل سکتی درحالیکہ کسی نے ایسا لکھا نہ خود خاندان برامکہ مین بارہ سو آدمیون کی مردم شماری تھی۔
(۱۳) تاریخ طبری۔ مروج الذہب۔ ابن اثیر۔ تاریخ آل برمک۔ طبری فارسی۔ اداب سلطانیہ عیون الحقائق اور شرح قصیدہ ابن عبدون اور روضۃ الصفا تمام کتابون مین جعفر و عباسہ کے نکاح کی صراحت ہے مگر مصنف اعلام الناس نے ان سب کے خلاف یہ تصریح کی ہے کہ ہارون رشید نے جعفر کے ساتھ اپنی بہن میمونہ کا نکاح کیا۔ (دیکھو کتاب اعلام الناس مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۷) اور یہ اختلافات اور زیادہ وقیع ہو جاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہین کہ اعلام الناس کا زمانہ تالیف تمام مذکورہ بالا کتب تاریخ کے بعد ہے۔

ان اختلافات فاحش کو دیکھکر کون کہہ سکتا ہے کہ نکاح جعفر و عباسہ کی کہانی مین کچھ بھی شائبہ اصلیت ہے۔ کیا سچے واقعات تاریخی کی یہی شان ہوتی ہے کہ جتنے منہ اُتنی باتین۔ ذالک قولھم بافواھھم

ان تیرہ اختلافات کے سوا بہت سے اور بھی متضاد امور ہین جن کو بخوف طوالت ہم نے نظر انداز کر دیا کیونکہ ابطال واقعہ کے لیے یہی تیرہ فاحش اختلافات کافی سے زیادہ ہین پس ایسا واقعہ جو اتنے اختلافات اور متضاد باتون سے بھرا ہوا ہو تواتر نہین ہو سکتا۔ بلکہ اُس کو صحیح گمان کرنا بھی خبط عشواہ ہے۔ قصۂ جعفر و عباسہ کے باطل ہونے کی یہ پہلی دلیل تھی۔

دوسری دلیل:— انسائکلوپیڈیا آف اسلام مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۲ مین لکھا ہے کہ:— عباسہ خلیفہ مہدی عباسی کی بیٹی اور خلیفہ ہارون رشید کی بہن ہے اور اُس کے تین شوہر ایک کے بعد ایک مرے۔ جب تیسرا شوہر مرا تو ابونواس شاعر نے عباسہ کی مذمت مین تین شعر کہے۔

الا قل للامین اللہ   وابن القادۃ الساسہ

اذا ماکنت سرّک ان تقتلہ راسہ
فلا تقتلہ بالسیف وزوجہ بعباسہ

یعنی اللہ کے امین ہارون رشید سے کہدو کہ اگر کسی کو قتل کرنا چاہے تو اُس کو تلوار سے نہ مار بلکہ عباسہ کے ساتھ اُس کا نکاح کردے۔

بربادی برامکہ کے ساتھ عباسہ کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے کہ اُس کا نکاح جعفر سے ہوا۔ پھر یہ ہوا۔ اور وہ ہوا۔

طبری سے پہلے جو مورخین گزرے ہیں اُنھوں نے اس واقعہ کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے اور یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ابو نواس کے اشعار کی شرح کرنے والوں نے عباسہ کے تینوں شوہروں کا ذکر کیا۔ مگر جعفر کا نام کسی نے بھی نہ لیا۔ طبری نے بھی دوسرے راویوں کی طرح اتنا ہی ظاہر کیا ہے کہ جعفر کی بربادی کے اسباب میں سے ایک سبب نکاح عباسہ بھی ہے۔ بعد والوں نے اس پر عجیب وغریب حاشیے چڑھائے اور اسی لیے ابن خلدون اس واقعے کو باطل اور بے اصل محض قرار دیتا ہے۔ طبری کی یہ روایت صحیح تسلیم کی جائے تو جعفر سے نکاح ہونے کے وقت عباسہ کی عمر چالیس[ع۵] برس کی تھی جو گویا بڑھاپے کا زمانہ ہے۔ یہ بھی یقینی ہے کہ عباسہ کا دوسرا شوہر جعفر سے گیارہ برس پہلے مرچکا تھا اور یہی باتیں نکاح جعفر و عباسہ کو غلط ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔

جعفر کا قتل بلاشبہ پولیٹکل وجوہ پر مبنی تھا۔ اُس زمانے میں ایسی کہانیاں عام طور پر مروج تھیں اور بنائی جاتی تھیں کہ فلان وزیر کی شادی فلان بادشاہ کی بہن یا بیٹی سے ہوئی تو جعفر کے قتل کی بعد بھی فلان خاندان عباسیہ کے لیے جعفر کو اس داستان کا ہیرو بنا دینا بہت آسان تھا قدیم تاریخوں سے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ قتل جعفر کے بعد عباسہ کا کیا حشر ہوا۔ صرف پچھلے افسانہ نویسوں نے اُس کے خاتمہ کے متعلق عجیب عجیب ناپاک باتیں لکھدی ہیں۔ رفتہ رفتہ اس نامعقول داستان کی اس قدر شہرت ہوئی کہ ۱۷۵۳ء میں ایک ناول اور اُس کے بعد ۱۹۰۲ء میں دوسرا ناول فرانسیسی زبان میں "عباسہ" کے نام سے شائع ہوا۔ انتہی کلامہ۔

ع۵۔ انسائکلوپیڈیا آف اسلام کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ اُس وقت عباسہ کی عمر چالیس برس سے کم تھی اور اس امر کو ہم چوتھی دلیل کے تحت میں تفصیل سے لکھیں گے۔

انسان دنیا مین کب سے ہے

یہ محققانہ مضمون ہمارے مکرم فاضل دوست مرزا محمد عسکری صاحب بی اے۔ نے مرحمت فرمایا ہے جس کو ہم خوشی اور فخر کے ساتھ درج دگداز کرتے ہین

کلکتہ کی مشہور ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے سالانہ جلسہ مین جو زیر صدارت ڈاکٹر ہیڈن پریسیڈنٹ سوسائٹی مذکور منعقد ہوا تھا پریسیڈنٹ نے اس مضمون پر کہ جیالوجی یعنی علم طبقات الارض کی تحقیقات کے مطابق جو ادوار زمین کی عمر کے متعلق قائم کیے گئے ہین اُن کا حساب ہمارے مروجہ سال شمسی پیمانہ سے کس طرح کیا جاسکتا ہے اور خاص کر اس عرصہ کا تعلق خلقت انسانی کے ساتھ کیا ہے ایک محققانہ اور پُر از معلومات لکچر پڑھا تھا جس کا جا بجا سے خلاصہ ہدیۂ ناظرین دلگداز کیا جاتا ہے۔

جدید انکشافات

جو ادوار تحقیقات جیالوجی کے مطابق تخلیق ارض کے قائم کیے گئے ہین اُن کا وقت اضافی ہے اور اُن سے کوئی زمانہ مروجہ سنین شمسی مین نہین بتایا جاسکتا۔ گذشتہ صدی عیسوی کے وسط سے اس دقیق مسئلہ کے حل کرنے کی کوششین برابر کیجا رہی ہین مگر اُن کے نتائج ہنوز آپس مین مختلف ثابت ہوئے اور کوئی امر یقین کے ساتھ اُن کے متعلق طے شدہ نہین کہا جاسکتا۔ پچاس سال پیشتر ڈاکٹر لائل کی تجویز تھی کہ زمین کی عمر تخمیناً پچیس کرور یا ڈھائی سو ملین سال کی ہوگی۔ مگر برخلاف اس کے دیگر حکما جنھون نے بجاے استشہاد جیالوجی کے خود زمین کے طبعی استشہاد پر اپنے دلائل کو قائم کیا تھا جن کا تعلق آفتاب کی عمر کے ساتھ ہے اُن کے نزدیک وہ صرف دس یا بارہ ہی ملین سال کی ہوگی۔ بالآخر گذشتہ صدی کے آخر مین لارڈ کلون نے اس مدت کو زیادہ سے زیادہ چالیس ملین سال خیال کیا اور یہی خیال تمام حکما کا

اُس وقت تک تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی تین مختلف دلائل کی بنیاد پر پیش کیجاتی ہین مثلاً ایک یہ کہ جو مٹی دریا کے پانی مین ملی ہوئی اُس کے ساتھ بہہ کے آتی ہے اور اُس سے وہ پہاڑ بنتے ہین جو "سیڈیمینٹری" یعنی تہ نشین مٹی سے بنے ہوسے پہاڑ کہلاتے ہین اگر اِس قسم کے پہاڑ ناپے جائین تو اُن کی عمر سے زمین کی عمر کا پتہ لگ جائے گا۔ چنانچہ اسی خیال کے مطابق پروفیسر "لوکس" نے اسی قسم کے پہاڑون کو ناپ کر جن کی دبازت تقریباً تین لاکھ ساٹھ ہزار فٹ تھی حساب لگایا کہ یہ پہاڑ کم سے کم اسّی ملین سال کے عرصہ مین قائم ہوسکے ہون گے ایک دوسرا طریقہ اُس عقدۂ لاینحل کے حل کرنے کا یہ اختیار کیا گیا کہ سمندر کے پانی مین جو نمک (سوڈیم) موجود ہے وہ سائنس کی تحقیقات کے بموجب اپنے پہاڑون سے کٹ کٹ کر آتا ہے جو اِگنیس یعنی آتشین کہلاتے ہین۔ پس اگر سمندر مین گھلے ہوئے نمک کی ایک سال کی مقدار دریافت کر لی جائے تو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ جس قدر نمک بالفعل روے زمین کے تمام سمندرون مین موجود ہے اُس کے جمع ہونے مین کتنا عرصہ لگا ہو گا۔ پروفیسر "جولی" نے یہی طرز عمل اختیار کیا اور حساب لگا کے بتایا کہ تقریباً چھیانوے ملین برس اِس مین صرف ہوے ہون گے۔ مگر اس قسم کے تمام دلائل اور استشہاد جو جیالوجی پر مبنی ہین اُن مین ایک بات ضرور دیکھی گئی یعنی جس قدر زمانہ تخلیق ارض کا اُن کے حساب سے نکلتا ہے گو وہ آپس مین مختلف اور کم و بیش ہے مگر اُس سے کہین زیادہ ہی جو طبعی استشہاد کی بنیاد پر قرار دیا گیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ یا تو ادلۂ جیالوجی غلط اور خلاف قیاس ہین یا اُن ادلۂ طبعی مین جن سے زمین اور آفتاب کی طبعی حرارت کے یوماً فیوماً زائل ہوتے جانے سے زمین کی عمر دریافت ہو سکتی ہے غلطی ہے۔ جدید تحقیقات سے ثابت ہوا کہ شق ثانی یعنی دلائل طبعی یقیناً غلط ہین کیونکہ مسئلۂ زوال حرارت جس پر طبعی سائنس کی بنیاد قائم ہے فی زماننا "ریڈیو ایکٹو" عناصر کے دریافت ہونے سے بالکل کمزور بلکہ غیر معتبر ہو گیا جن سے ثابت ہوا کہ حرارت ارضی کا سواے آفتاب کے کوئی دوسرا ذریعہ بھی ہے۔ اس جدید انکشاف سے یہ ہوا کہ اب ہمین

سائنس کی بنیاد پر کہنا ذرا بھی بے اصل اور مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ کچھ عجب نہیں ہمارا کرۂ ارضی مابین ایک ہزار اور دو ہزار ملین سال کے پرانا ہو۔ اس جدید دریافت یعنی "ریڈیو ایکٹو" عناصر کی موجودگی سے علمی تحقیقاتون کے لیے نئی راہین کھل گئین اب اس سے پہاڑون کی عمر دیگر طرق سے جو نہایت صحیح اور معتبر ہین دریافت ہو سکین گی۔ "ریڈیو ایکٹو" سے یہ مطلب ہے کہ جدید تحقیقات سے منکشف ہوتا ہے کہ "یورنیم" تحلیل پذیر ہو کے "ہیلیم" اور "ریڈیم" اور اکثر مرکبات ریڈیم مثلاً سیسہ ہو جاتا ہے اور مرکبات مذکورہ کی مقدار دریافت کر لینا ممکن ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی دریافت ہو سکتا ہے کہ ان مرکبات نیز اصل "یورنیم" کے زوال پذیر ہونے مین کتنا عرصہ درکار ہے۔ اِن سب کے بعد وہ زمانہ کہ جس مین یہ زوال پذیری جاری رہی یا دوسرے الفاظ مین جس مین "یورنیم" والے فلزات ابتداءً بنے تھے دریافت ہو جائے گا۔

چنانچہ اسی طریقہ سے وہ ادوار جن مین مذکورہ بالا عناصر مختلف ازمنۂ جیالوجی مین پائے گئے حساب کر کے بتائے جاتے ہین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم ایک لاکھ برس سے زائد جو کوہ آتش فشان "ویسوویس" کے مادۂ آتشین لاوا کے تجارب سے حاصل ہوا زیادہ سے زیادہ چودہ سو ملین برس تک ہو سکتا ہے جو ملک "کینڈا" (شمالی امریکہ) کے کوہ آرکین کے فلزات کی تحلیل سے حاصل ہوا اور یہ دنیا مین سب سے قدیم پہاڑ خیال کیا جاتا ہے۔

یہ نتائج جو "ریڈیو ایکٹو" عناصر کے ساتھ تجربہ کرنے سے مسئلہ تخلیق ارضی کی نسبت حاصل ہوے اُن کا اجتماع اور مقابلہ حال مین ڈاکٹر "جے بیرل" نے اُن دیگر نتائج سے کیا ہے جو اسی مسئلہ تخلیق کی نسبت دیگر طرق جیالوجی سے مثلاً وہ جو فوسل (متحجر) پہاڑون کی عمر کی نسبت ہین حاصل ہوئے ہین جس سے پتہ لگتا ہے کہ "ٹرلوبٹیا" (مین لوب والے جانور جواب معدوم ہین) کی تخلیق درمیان ۵۵۰ اور ۷۰۰ ملین برس اور مچھلیون کی درمیان ۳۵۰ اور ۴۰۰ ملین اور چڑیون کی تقریباً ۱۵۰ ملین برس پیشتر ہوئی ہو گی۔ حیوانات مرضعہ جو میمل کہلاتے ہین اُسی وقت وجود مین آئے جس وقت کہ چڑیان پیدا ہوئین ممکن ہے کہ اُس سے کسی قدر پیشتر پیدا ہوے ہون۔ مگر میمل بہ حیثیت نوعی اُس

دور مین ظاہر ہوئے جو جیالوجی کی اصطلاح مین "مایوسین" اور "پلیوسین" کہلاتے ہین۔ یا عام فہم الفاظ مین اُس کو پانچ ملین اور دو ملین یعنی پچاس لاکھ اور ایک کرور برس کے درمیان کا عرصہ سمجھیے بعض جسیم میمل حیوانات کی ہڈیان کوہ سوالک اور پنجاب مین بکثرت پائی جاتی ہین۔

نوع انسانی کا ظہور

حیوانات مرضعہ یا میمل کے آخری درجۂ ارتقا مین انسان کا ظہور ہوا جس کا وقت سنین مروجہ مین دریافت کرنا ہمارے لیے ایک نہایت عجیب مضمون ہے۔ تحفظ آثار کے لحاظ سے انسان دیگر حیوانات سے بالکل مختلف اور ممتاز رہے ہے حیوانات کے وجود قدیم کی شہادت صرف اُن کی پرانی ہڈیون یا بعض خاص صورتون مین اُن کے نقش پاسے لسکتی ہے۔ مگر برخلاف اس کے انسان اپنی قدامت کا ثبوت علاوہ ان دو چیزون کے اپنی دستکاریون سے بھی دیتا ہے جن کو علم آرکیالوجی کی اصطلاح مین "آرٹی فیکٹ"، کہتے ہین۔ اِنھین دستکاریون سے اُس کی قدیمی ہستی کا پتہ اُس کی ہڈیون کی بہ نسبت زیادہ ملتا ہے۔ اس قسم کے آثار قدیمہ وہ مختلف قسم کے اوزار ہین جو انسان نے سب سے اول پتھر سے اُس کے بعد ہڈی اور سب سے آخر مین برنج (برونز) اور لوہے سے بنائے تھے۔ اِنھین اوزارون کی ساخت کے اعتبار سے یہ تین قدیم زمانے دور سنگی دور برنجی اور دور آہنی کہلاتے ہین جن مین قدیم ترین زمانہ یعنی دور سنگی وہ ہے جس مین سب سے پہلے انسان کا سُراغ ملتا ہے۔ ماہران علم آرکیالوجی انسانی ارتقا کے دس درجہ یا منزلین قرار دیتے ہین جن مین ہر ایک منزل کے واسطے خاص خاص مصنوعات یا دستکاریان اور ڈھانچے قرار دیے گئے ہین۔ علی الخصوص آخری منازل مین گو کہ اُن کے ڈھانچے مقابلۃً کمیاب ہین۔

زمانۂ حال تک علمائے آرکیالوجی کی بالاتفاق یہ راے تھی کہ سب سے پہلا انسان یا نوع انسانی وہ ہے جس کو اُن کی اصطلاح مین نوع "نیانڈر تھال" کہتے ہین یعنی وہ جس کے آثار ابتدا ایک مقام موسوم بہ نیانڈر تھال مین ملے تھے اور بعد کو دیگر مقامات مین بکثرت پائے گئے۔ یہ نوع زمانۂ حال کی نوع بشری سے بہت مختلف ہے یہانتک کہ وہ ایک علیحدہ نوع خیال کی گئی ہے کیونکہ ماہرین فن اپنی اصطلاح مین نوع بشری کو "ہوموای اُنس" اور نوع "نیانڈر تھال" کو "ہومو نیانڈر تھال اِن سِس" کے علیحدہ علیحدہ نام دیتے ہین اب تک تو جو کچھ کہا گیا یہ اتفاق تھا مگر تھوڑا عرصہ گذرا کہ ایک مقام موسوم بہ ہیڈلبرگ واقع جرمنی مین ایک انسانی جبڑے کی ہڈی اور دوسرے مقام موسوم بہ پلٹ ڈون واقع انگلستان مین ایک انسانی کھوپڑی دستیاب ہوئی جو نوع "نیانڈر تھال" سے بہت زیادہ قدیم خیال کی جاتی ہے ان دونون چیزون کے ملنے سے حکما مین اختلاف پڑ گیا یہانتک کہ بعض اس کو ایک علیحدہ نوع انسانی سمجھنے لگے۔ مگر پروفیسر ڈبلیو کے گرگیری نے سنہ ۱۹۱۷ء کے ایک علمی رسالہ مین جو امریکہ سے نکلتا ہے ایک نہایت قابلیت کا مضمون اسی عنوان سے لکھا ہے اور ایک طویل بحث کے بعد آخر مین نتیجہ نکالا ہے کہ اس کھوپڑی کے دریافت ہونے سے کسی علیحدہ نوع کا پتہ نہین چلتا بلکہ اُس کو بھی اُسی جنس عام (ہومو) مین رکھنا لازم ہے۔

اگر ہم ان دونون قدیم آثار ون یعنی محفوظات ہیڈلبرگ و پلٹ ڈون کو مستثنیٰ کر دین تو ہم کو نوع انسانی کے محجر آثار (فوسل) اُس دور کے قبل کے نہین ملتے جس مین نوع نیانڈر تھال کا ظہور ہوا تھا۔ گر ان دونون آثار ون کی اصلیت کی نسبت جھگڑا پڑا ہوا ہے۔ اگر اُن کی نسبت جو دعویٰ کیا جاتا ہے صحیح ہے تو بیشک وہ نوع "نیانڈر تھال" سے قدیم ہون گے اور نوع انسانی کو اُس دور تک پہونچا دین گے جس کو جیالوجی مین "پلیوسین" کہتے ہین۔ وہ مخلوق جس کو اہل فن "پیتھی کا انتھروپس" کہتے ہین پہلے پہل اُس کے آثار ملک جاوا مین ملے تھے۔ مگر وہ ہرگز نوع بشری (ہومو) مین شمار نہین کیا جا سکتا۔ بلکہ انسان اور بندر کے درمیان مین کوئی مخلوق ہوگا۔ بس

خلاصہ یہ ہوا کہ باوجود اختلاف آرا اور دلائل و شواہد مختلف کے حکما کی بالاتفاق راے یہ ہے کہ نوع بشری کے سب سے قدیم آثار دوز پلی اسٹوسین میں پائے جاتے ہین جو پروفیسر بیرل کے حساب سے کم سے کم دس لاکھ اور ممکن ہے کہ پندرہ لاکھ برس پیشتر گزرا ہے۔ پس اس حساب سے نوع "نیانڈر تھال این سس" کو پانچ لاکھ یا زیادہ سے زیادہ ساڑھے سات لاکھ برس سے زیادہ زمانہ نہین ہوا۔

دار السلطنت ترکان آل عثمان

دولت عثمانیہ اس لڑائی کے بعد اس درجے کو پہونچ گئی کہ اب ہمین اُس کا خاتمہ سمجھ لینا چاہیے۔ مسلمان اس کو چاہے ٹھنڈے کلیجے سے برداشت کرین یا پُرسوز آہون اور جلتے ہوئے آنسوؤن کے ساتھ۔ مگر برداشت کرنا ہوگا۔ خدا کی یہی مرضی معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ پوری ہو کر رہے گی۔ مگر اس موقع پر جبکہ قسطنطنیہ کے انجام کی نسبت کوئی قطعی راے نہین قائم کی جا سکتی یہ بتانا بے موقع نہ ہوگا کہ مسلمانون اور آل عثمان کا مستقر خلافت ہونے کے زمانے مین قسطنطنیہ کی کیا شان رہی۔

سلطان محمد ثانی نے جس شان سے اس شہر پر قبضہ کیا ہے اُس کا حال سنین ماضیہ مین دلگداز کے صفحون پر شرح و بسط کے ساتھ شایع ہو چکا ہے۔ یہ ۸۵۷ھ مین ترکون کے ہاتھ سے فتح ہوا تھا کسی فاضل شخص نے اُسی وقت اُسکا تاریخی نام "بلدۂ طیبہ" قرار دیا جن الفاظ سے سال فتح معلوم ہو سکتا ہے۔ اُسی سال سے یہ شہر ترکون کا دار السلطنت قرار پا گیا۔ اور اسلام نے اس سرزمین کو کچھ ایسے ذوق و شوق سے قبول کیا کہ ۱۳۷ سال بعد دیکھا تو یہ خالص اسلامی شہر اور بڑا زبردست مرکز اسلام تھا۔ اور "اسلام بول" کہلاتا تھا۔ جس کے معنی ترک و عرب تو "سرزمین اسلام" خیال کرتے اور ہم ہندوستانیون کا یہ خیال تھا کہ "اس سے اسلام کا بول بالا ہے"۔

چنانچہ حسب بیان مصنف "اخبار الاول" ۹۹۴ھ مین بعہد شیخ الاسلام ضیاء آفندی شہر کا بندوبست کیا گیا تو ثابت ہوا کہ قسطنطنیہ مین مسلمانون کے ۴۹۸۰

یہود کے ۴۹۸۵ - اور مسیحیون کے ۴۹۰۰ محلے تھے - ۸۸۴ جامع مسجدین تھین جن مین جمعہ کی نماز ہوتی - ۴۵۹۶ عام مسجدین تھین جن مین محلون کے مسلمان پنج وقتہ نماز ادا کیا کرتے - اُس کے مقابل مسیحیون کے کنیسون کا شمار ۴۵ تھا - ۱۶۵۴ بچون کے مکتب - اور ۱۵۸۵ اعلیٰ تعلیم کے بڑے مدرسے تھے - پینے کا پانی پہونچانے کے لیے شہر کے اندر ۹۷۵ چشمے شب و روز جاری رہتے ۲۲۸۵ رستوران یعنی بھٹیار خانے تھے جن مین تکلف و آرام سے بیٹھ کر لوگ کھانا کھایا کرتے ۱۲۰۰۰ بنیون کی دکانین تھین - اور ۹۸۵ بازار تھے - ۲۳۵۲ قہوہ خانے تھے - جو کلبون کا کام دیتے - اور وضع و شریف اُن مین بیٹھ کر مبادلۂ خیالات کیا کرتے - ایک ہزار حمام تھے - اور ۵۵۴۰ شراب خانے تھے جو شہر کے باہر نصاریٰ کے محلون مین تھے - یہ بھی اندازہ کیا گیا کہ اُن دنون سلطنت کی طرف سے فصل خصومات کے لیے ۵۵۶ قاضی قلمرو مین مامور تھے - جن مین سے ۵۶۰ اناطولیا یعنی ایشیا مین تھے اور ۹۶۰ رومیلیہ یعنی یورپین ٹرکی مین -

یہ تھا آج سے ساڑھے تین سو برس پیشتر کا قسطنطنیہ بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ۱۲۷ برس مین اسلام نے اس شہر مین اس قدر ترقی کر لی تھی تو اُس کے بعد سے آج تک ۳۴۲ برس مین مسلمانون کے کتنے محلے - کتنی مسجدین کتنے مدرسے - اور کتنے قہوہ خانے اور حمام بڑھ گئے ہون گے - اور مسلمانون کی آبادی کتنی زیادہ ہوگی -

سنتے ہین کہ یورپ مین انصاف بڑھ رہا ہے - حقوق رعایا کی مراعات ہر شخص کے پیش نظر ہے - مہذب دول یورپ کا ساری دنیا کے لیے یہ فیصلہ ہے کہ ہر سرزمین کے رہنے والون کو حکومت خود اختیاری دی جائے - اور زبردست قومین کمزور قومون پر جسمانی قوت یا کثرت تعداد کی بنا پر دوسرے ملکون مین چیرہ دستی اور تغلب و تصرف نہ کر سکین - مگر ان سب برکتون سے یورپ و امریکہ کے مسیحیون کے سوا اور کسی قوم کو مطلق العنانی کی سند ملنا غیر ممکن ہے - یہ حضرات ساری دنیا کو فتح کر کے ہر قوم اور ہر ملک کے صاحب کمال ادب آموز و معلم اخلاق

بن گئے ہین - اپنے مذاق و جذبات کے مطابق دنیا کی اصلاح کرنا چاہتے ہین اور اِس کو نہین پسند کر سکتے کہ کوئی شخص اُن کے راستے مین خلل انداز ہو مفتوح قومون کے جذبات و فورسات اور خیالات و عادات وحشیانہ ہین اندیشہ ہے کہ اپنے حق مین جو فیصلہ کرین گے مضر ہو گا - لہذا اب تمام لوگونکو اپنی قسمت اُنھین بزرگون کے ہاتھ مین دے دینی چاہیے - اور مسلمانون کو ٹھنڈے کلیجے سے یہ سننے کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ قسطنطنیہ کی سچی سلطنت کے حوالے کر دیا گیا -

ترجمہ تاریخ گبن

تاریخ گبن کا ترجمہ مین نے بجائے خود شروع کر دیا ہے مگر مسلمانون نے ابھی تک ویسی توجہ نہین کی جیسی کہ چاہیے ہے - اس وقت تک تقریباً پچاس درخواستین آئی ہین کہ وہ مستقل خریداری کرین گے - اور پہلا حصہ اُن کی خدمت مین وی - پی روانہ کر دیا ہے مگر اتنے بڑے اہم کام کے لیے اتنی درخواستین بالکل ناکافی ہین - کم از کم دو سو درخواستین تو ہون - اس مین شک نہین کہ بعض بزرگان امت اور اکابر قوم نے حوصلہ افزائی فرمائی اور بعض حضرات وعدہ فرماتے ہین کہ ہم دس پندرہ خریدار پیدا کر دین گے - مگر جب تک اُن خریدارون کے اسمائے گرامی کی فہرست مع اُن کے دستخطون کے نہ مل جائے اتنا بھروسہ نہین ہو سکتا کہ اُن کے سہارے پر اتنا بڑا بوجھ اُٹھا لیا جائے - خرابی یہ ہے کہ مسلمان اس کے عادی ہو گئے ہین کہ ہر فرض کفائی کو امرائے امت اُٹھا لیا کرین - مگر امرا آخر کہان تک فیاضی دکھا سکتے ہین - اصلی قوت پبلک کی ہوتی ہے - اور افسوس کہ مسلمان پبلک بہت کمزور ہے - بہرحال مین اس فرض کے انجام دینے مین اپنی طرف سے کوئی کوشش اُٹھا نہ رکھون گا - مسلمانون کو بھی میری دستگیری مین پوری سرگرمی دکھانی چاہیے -

خاکسار - محمد صدیق حسن ایڈیٹر مورخ
کٹرہ بزن بیگ خان - لکھنؤ -

کلثوم ۔ ایک جدید اچھوتا ناول مصنفہ شیخ احمد علی صاحب کامل ۳ر

اسرار ہند ۔ اہل ہند کے گذشتہ کارناموں کا آئینہ ۱۲ر

جذبۂ عشق ۔ ایک لڑکی نے کیونکر اپنی فہم و فراست کی بدولت ایک وحشی کو مہذب و شایستہ بنا لیا ۸ر

کمند گیسو ۔ نازنینان فرانس کے ذریعے سے سراغ رسانی اور خفیہ پولیس کی کامیابیاں ۳ر

لال کپتان ۔ شاہ مانٹی نگرو اور اسمٰعیل بے کی ۱۸۷۷ء کی جنگ کے حیرت انگیز واقعات کے ساتھ عشق کے راز و نیاز کی تصویرین ۱۲ر

ناشاد ۔ اورنگ زیب کی تخت دہلی کے لیے مرتور لڑائیاں شہزادہ محمد اور شہزادی مہرالنسا کے عشق کی داستان مصنفہ حضرت ریاض ۱۲ر

جام سرشار ۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کا مشہور ناول ۔ ہندوستانی امرا کا عیش و عشرت میں پڑ کے تباہ ہونا ۔ عہ ر

جنگ بلقان ۔ جنگ بلقان کے بعض دلچسپ اور دلکش تاریخی مناظر اور یورپ کے تعجب خیز کارنامے ایک ناول کے پیرایے میں ۸ر

التمش ۔ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے کے حالات عفت شعاری ۔ اور حلم و بردباری کا بیان قیمت ۱۲ر

فریب نیرنگ ۔ دو فریب و فا ۔ دلچسپ و حیرت انگیز واقعات مصنفہ سید عاشق حسین صاحب ۱۲ر

ارمان ۔ مصنفہ آغا شاعر دہلوی ۔ نارضا مندی کی شادی کا کیا انجام ہوتا ہے عہ ر

خلق عظیم ۔ ایک شائستہ لڑکی کی پاک زندگی کا نمونہ ہے ۔ الشش

ماتا ۔ سرزمین بابل کی دیوی ماتا کا باعظمت تذکرہ اور اس کی عجیب و غریب حکایتین بخت نصر کی خونریزیاں ۔ عہ ر

گندم ۔ سراغرسانی کے لیے بہت ہی مفید ناول اور نہایت دلچسپ عہ ر

الوکی دم فاختہ ۔ ظرافت کا گنجینہ حماقت کا سفینہ یعنی ظرف ظرافت دیکھ ماڈرن نصیحت ۱ر

قصہ حاجی بابا اصفہانی ۔ ممالک ایران کے ایک مشہور و معروف سیاح کے چشم دید واقعات ۱۲ر

چھنا و فا ۔ معشوقہ دل نواز کی وفاداری عاشق کی دغابازی اور مکاری اور خفیہ فروشوں کے کارنامے ۱۲ر

درد فراق ۔ شہنشاہ تیمور اور سلطان بایزید کی مشہور جنگ ۱۲ر

نیرنگ فرنگ ۔ فرانس کا ۱۸۷۰ء کا انقلاب فرانس اور جرمنی کی جنگ ۔ مشہور ناولسٹ وکٹر ہیگو کے ناول کا ترجمہ ۱۲ر

حور عین ۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے واقعات چھیڑ کر جوش جہالت ۔ انسانی ہمدردی ۔ اور نیکی و بدی کے نتائج ۔ عہ

عقد الجواہر ۔ جنھون نے کبھی اس ناول کو دیکھ لیا ہے وہی جانتے ہین کہ کسقدر دلچسپ اور پرلطف ہے ۔ ۸ر

دل سوز ۔ شہر سومنات پر سلطان محمود غزنوی کا پرجوش حملہ ۔ مسئلہ تناسخ پر محققانہ بحث کے ساتھ حسن و عشق ۸ر

جنگ طرابلس ۔ ٹرکی و اٹلی کی لڑائی پر ایک ناول ۱۲ر

محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

سیتا ہندو عورتون کی وفاداری اور سچی محبت کا افسانہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے تاریخی واقعات ہر دو جلد ۔ ۳ ر

مکار سرپرست ۔ بڈھے سرپرست کی مکاری و دغابازی اور آخرکار مکافات عمل کا سین قیمت ۔ ۱۲ ر

راز عشق ۔ امریکہ کے مشہور سراغرسان نک کارٹر کی تصنیف خفیہ پولیس کے حیرت انگیز کارنامے ۔ ۱۲ ر

گنجینہ سراغرسانی ۔ یہ ناول خفیہ پولیس کے لیے ایک ہدایت نامہ اور تفتیش کرنے والون کا سچا رہنما ہے ہر چہار حصہ ۔ ۱ ۸ ر

خوبی قسمت ۔ مسمریزم کے ذریعے سے انسان کیونکر قابو مین لایا جاتا ہے ۔ ۱۲ ر

نشتر ۔ مشہور ناول شاید ہی کسی نے نہ دیکھا ہو ۔ قیمت ۸ ر

شہاب لکھنؤ ۔ سلطنت اودھ کے عروج کے زمانے کے چشم دید حالات ایک انگریز سیاح کے قلم سے قیمت فی جلد ۔ ۱ ۸ ر

سیرۃ النعمان ۔ امام اعظم کی سوانحعمری علم کلام اور فن حدیث اور فقہ پر بحث قیمت ۔ ۱ ۸

مخمس حبیب طبع زاد مولوی سید محمد کاظم صاحب بہ ترکیب بند مسدس پر شکوہ ہند حالی ۔ ۴ ر

داستان مریخ ۔ سیارہ مریخ کے متعلق علمی اور سائنٹفک مشاہدات کے نتائج ۔ ۲ ر

سیرۃ العباس ۔ آنحضرت صلعم کے چچا حضرت ابو الفضل عباس بن عبد المطلب کی زندگی کے حالات قیمت ۔ ۱ ۸

دنیائے اسلام اور عیسائیت ۔ اس کتاب سے معلوم ہو گا کہ اسلام نے کس طرح ایک ہزار سال تک سیاست اور علوم و فنون مین ساری دنیا کی رہبری کی اور اسباب زوال ۸ ر

مجموعہ رسائل نور ۔ تصوف پر اعلیٰ درجے کی کتاب جس مین معرفت و طریقت کے لطائف و رموز و نکات کھولے گئے ہین جو انسان کو ولی بنا دینے کے لیے کافی ہین قیمت فی جلد ۔ ۱۲ ر

زمانہ اور اسلام ۔ مولانا شرر صاحب قبلہ کی ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی نظم ۔ ۳ ر

ہندوستان موسیقی ۔ مولانا صاحب کا ایک لکچر موسیقی پر تفصیلی بحث ۔ ۴ ر

رامائن کے بعض سین ۔ مہاراجہ رام چندر کی جلاوطنی اور راون سے جنگ ۔ ۴ ر

علمی ثمرہ ۔ پیٹرسن جنگ کی ہسٹری نہایت دلچسپ ناول ۔ ۳ ر

خزانہ گلزار سلطان حلیم اول کے زمانے کا ایک تاریخی ناول ۔ ۶ ر

افسانہ بنگال مشہور و معروف بنگالی مصنفین کے آٹھ دلچسپ قصے ۔ ۱۲ ر

رسالہ زبان دانی ۔ اردو کے مبسوط قاعدے صرف و نحو کے کلیات با محاورہ زبان بولنے کا آلہ مصنفہ خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت ۴ ر

آب بقا ۔ مشاہیر ہند شعرائے ماضی و حال کے واقعات طرز تمدن ۔ شاعری کے نکات چیدہ اور منتخب کلام اور آخر مین خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت کی نیچرل نظمون کا مجموعہ قیمت ۱۲

ہمجولی خواجہ صاحب موصوف کے گیارہ نہایت دلچسپ اور عورتون کے پڑھنے کے قابل قصے جو خاص محاورات اردو مین لکھے گئے ہین قیمت ۸ ر

نیرنگی مہر جہد ہکیم کے صاحب اور وفاداری کی داستان اور شریف النساء کی خوفناک کج ادائیون کا انجام قیمت ۔ ۶ ر

المشتہر

محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

تصانیف مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر

تاریخ و سوانح عمریاں

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات۔ عہ
(۲) ابوبکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات۔ عہ
(۳) تاریخ سندھ۔ عرب کے فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ جلد اول عہ
(۴) عصر قدیم۔ اقوام سلف کی نہایت واضح تاریخ۔ عہ
(۵) حروب صلیبیہ انگریزی سے ترجمہ اور عربی سے تحشی [illegible]
(۶) مسیح و مسیحیت دین مسیحی کے حالات تا ولادت محمدی عہ
(۷) عرب قبل از اسلام تاریخ ارض مقدس کی تیسری جلد۔ [illegible]
(۸) خواجہ معین الدین چشتی حضرت خواجہ اجمیری کے حالات ۶ر
(۹) سکینہ بنت حسین جناب سکینہ بنت امام حسینؑ ۶ر
(۱۰) افسانۂ قیس مجنون عامری کے حالات۔ ۳ر
(۱۱) حسن بن صباح۔ بانی فرقۂ باطنیہ اسماعیلیہ۔ ۶ر
(۱۲) قرۃ العین۔ ایک مجتہدزادی کے حالات ۲ر
(۱۳) شیریں ملکۂ عجم۔ فرہاد خسرو کی نامور معشوقہ ۲ر
(۱۴) ملکۂ نوبیہ۔ سلف کی ایک عربی شہزادی ملکہ ۳ر

ناول

(۱۵) جویائے حق۔ حضرت رسول صلعم کی سوانح عمری بطور ناول [illegible]
(۱۶) بابک خرمی۔ سلطنت عباسیہ کے زمانے کا ایک تاریخی واقعہ ہر دو حصہ عہ
(۱۷) مفتوح فاتح ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول۔ عہ
(۱۸) الفانسو۔ ایک عاشقانہ تاریخی ناول ۱۲ر
(۱۹) خوفناک محبت ہندوستانی شریف زادیوں کی پاکدامنی و حالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہوسکتی۔ عہ
(۲۰) حسن کا ڈاکو۔ حرام پور کے نواب کی سرگزشت ہر دو حصہ [illegible]
(۲۱) اسرار دربار حرام پور۔ حرام پور کے نواب کے اور حالات ہر دو حصہ ۱۰ر
(۲۲) غیب دان دولھن۔ حیرت انگیز غیب دانی عہ
(۲۳) رومۃ الکبریٰ۔ روم پر گاتھ کا حملہ عہ
(۲۴) ماہ ملک۔ غوریون کا عروج [illegible]
(۲۵) لعبت چین پہلی صدی ہجری کا تاریخی ناول عہ
(۲۶) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کی تصویر مکمل ہر دو جلد [illegible]
(۲۷) مقدس نازنین۔ ایک حسینہ کا پوپ بن جانا۔ عہ
(۲۸) شوقین ملکہ۔ دوسری صلیبی لڑائی۔ عہ
(۲۹) قیس و لبنیٰ۔ عہد صحابہ کا ایک سچا عشق۔ عہ
(۳۰) فلورا فلورنڈا۔ اندلس میں سلطنت عرب۔ عہ
(۳۱) آغا صادق کی شادی ایک دلچسپ قصہ ۱۰ر
(۳۲) فلپانا۔ عہد صحابہ کا ایک سچا واقعہ عہ کاغذ ولایتی [illegible]
(۳۳) فردوس بریں۔ حسن بن صباح کی جنت کی سیر عہ
(۳۴) یوسف نجمہ کامل۔ عہ

متفرقات

(۳۵) الحکم الرفاعیہ معرفت میں سید احمد رفاعی کے ایک رسالے کا ترجمہ۔ ۳ر
(۳۶) سر سید کی دینی کتابیں ۲ر
(۳۷) ہندوستان کی موسیقی پر مولانا شرر کا لکچر ۲ر
(۳۸) اردو سے ہندوستان کا تعلق ۲ر
(۳۹) زمانہ اور اسلام مولانا شرر کی منظوم نظم ۱ر
(۴۰) شب وصل [illegible]
(۴۱) شب غم ۱ر

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

(۴۲) آتالیق بی بی بیان کی حرکتوں پر بانی کی نکتہ چینی ۱ر
(۴۳) یاداش عمل۔ ایک نہایت دلچسپ ناول موسومہ بہ "[illegible]" کا ترجمہ حصہ اول عہ
حصہ دوم عہ حصہ سوم عہ
(۴۴) دولت ہسپانیہ۔ ترجمہ تاریخ کانڈی
حصہ اول " عہ
حصہ دوم " عہ
حصہ سوم " عہ

خطِ پیکانی

[illegible] تیرچیدان قدیم کتبوں کو [illegible] پڑھے جا سکتے تھے اور [illegible] سے اہم حصے [illegible] کا اپنا [illegible] مسلمان ایران وغیرہ [illegible] کی کہ گیا [illegible] اور جن قدر [illegible] کا پڑھنا دشوار ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ [illegible] مایوسی کے ساتھ یقین کر لیا گیا [illegible] لوں کی ان مجہول و نامعلوم تحریروں کا مطلب سمجھنا غیر ممکن ہے۔

مگر نہایت ہی صحیح ہے کہ [illegible] اور حضرت مسیح نے بجا ارشاد فرمایا تھا [illegible] گیا [illegible] محققوں نے اس بارہ میں کوشش کی [illegible] صرف کر دیں اور آخر اس طلسم [illegible] کسی [illegible] توڑ نہ سکا تھا۔ بلکہ کسی کو اس کی جانب توجہ کرنے کی جرأت بھی نہ ہوئی تھی۔

[illegible] خط [illegible] سب سے زیادہ اہم تو اہل مصر کا خط تھا [illegible] مگر اس کے بعد سب سے [illegible] ایران عراق کے خط پیکانی [illegible] ہے جس [illegible] کتبے [illegible] بابل [illegible] یادگار عمارتوں [illegible]

اُس کے حروف علی العموم میخون یا تیر کے پھلون (پیکا نون) کی قطع کے ہوتے ہین۔ اسی وجہ سے حال کی دنیا نے اس خط کا نام "خط پیکانی" رکھ دیا ہے۔

اس خط کے اکثر کتبے بڑی بڑی چٹانون اور عہد قدیم کی مورتون پر کھدے ہوئے ہین۔ یا اینٹون اور ٹھیکرون پر ٹھپے کے طریقے سے بنا دیے گئے ہین۔ یہ کتبے دولت عجم کے قدیم دار السلطنت پرسی پولس (اصطخر) کی پرانی یادگارون پر جا بجا ساسانی سلطنت کے اور بہت سے شہرون مین بابل اور نینوا کے کھنڈرون مین اور نیز مصر کے بعض آثار منہدمہ مین بھی نظر آتے ہین بظاہر اسباب معلوم ہوتا ہے کہ پہل اس خط پیکانی سے آشوریا۔ اور میڈیا مین کام لیا گیا۔ بعد ازان یہ تحریر تو عجم اور دولت فارس کی ساری قلمرو مین پھیل گیا۔

اس کے خط کے حروف تین جداگانہ شانون کے برآمد ہوئے ہین۔ اور اکثر مقامات مین اس خط کی تینون شانین ایک ہی جگہ یون دکھائی گئین ہین کہ تینون وضعون کے حروف تین متوازی کالمون مین برابر برابر منقوش ہین۔ اور ایک ہی مطلب یا ایک ہی الفاظ تینون خطون مین کندہ کر دیے گئے ہین۔ تاکہ ان مین سے جس کسی کو کوئی پڑھ سکتا ہو پڑھ کے دوسرون کا مطلب بھی سمجھ جائے۔ ان تین شانون مین سب سے قدیم آشوریا والون کے خط پیکانی کی شان ہے۔ اس مین تقریبًا ..۴ متمائز اور جداگانہ حروف ہین۔ دوسری شان میڈیا والون کی ہے جو در اصل پہلے ہی خط کی اصلاح و تہذیب ہے۔ اور اُس مین گھٹا کر ..ا حروف رکھ لیے گئے ہین۔ تیسری اور سب سے پچھلی شان فارسیون کے خط کی ہے جس مین فقط ۳۶ سے لے کے ۴۴ تک حروف بھی باقی رہ گئے ہین۔ اور یہی خط پیکانی سب سے زیادہ مکمل اور اصلاح شدہ ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے حرفون مین باہمی تشابہ والتباس نہین باقی رہا ہے کہ ایک حرف پر دوسرے کا شبہ ہو سکے۔ اُس کے حروف نہایت ہی واضح و متمائز بھی ہین۔ اور اُن کے پڑھنے مین بہت کم دشواری یا غلطی ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ الفاظ ایک ترچھی لکیر کے ذریعے سے جدا و متمائز کر دیے جاتے ہین۔ جو فارسی زبان اس خط مین لکھی ہوئی ہے اُس کی نسبت

یقین کیا جاتا ہے کہ موجودہ فارسی کی ماں یہی ہے۔ اور حیرت کی بات ہے کہ موجودہ حالت سے الگ ہو کر وہ سنسکرت سے بہت قریب ہو گئی ہے۔ جس سے یہ خیال قائم ہو گیا ہے کہ فارسی اور سنسکرت زبانین اصل مین کبھی ایک ہی تھین۔

اشوریا والون کے کتبون مین مختلف پیکانی قطع کے حروف ابتدائی خیالات ظاہر کرتے تھے۔ لیکن بیرونی ممالک کے لوگ جو کوئی دوسری زبان بولتے تھے۔ اُن کی تحریر مین اُنھین الفاظ کی شکلین جو اُسی خیال کو ظاہر کرتین اشوریا والون کے لفظون کی شکلون سے جداگانہ تھین۔ اِس خط مین بہ تعمق غور کرنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ حروف جن سے ایک لفظ مرکب ہوتا وہ بلا لحاظ اپنی شکلون کے ایک خاص خیال کو ظاہر کرتے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ایک جملے کے سمجھنے مین یہ بڑی دشواری پیش آجاتی کہ آیا یہ جملہ خیالات کی شکلون کے لحاظ سے لکھا گیا ہے یا آوازون کی شکلون کے لحاظ سے۔ پھر اس سے بھی زیادہ مشکل یہ بات تھی کہ بعض حروف مختلف خیالات کی جگہ پر استعمال کیے جاتے۔ اور اِس کا پتہ لگانا کہ یہان کون سا خیال مقصود ہے نہایت ہی دشوار ہوتا۔ لیکن خزف پارون پر بعض کھڑی کھڑی سطرین لکھی ہین جن سے بڑی مدد ملی اُن مین پہلے تو یہ بتا دیا گیا تھا کہ کون کون حروف خیالات کے ادا کرنے کے لیے مخصوص ہین۔ اور اُن کے مقابل وہ تمام حروف کندہ تھے جو آوازون کو ادا کرتے ہین یا خاص خاص آوازون کے لیے قائم کیے گئے ہین۔ چند ایسے خزف پارے ملے جن مین الفاظ کے مقابل آشوریا کی زبان مین اُن کا مطلب بھی بیان کر دیا گیا تھا۔

یہ پیکانی وضع کے حروف اصطخر کے کھنڈرون مین پہلے پہل سنہ ۱۰۲۶ محمدی (سنہ ۱۶۱۸ء) مین نظر آئے۔ لیکن اُس وقت نہ اُن کا کچھ مطلب سمجھا جا سکتا تھا اور نہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ یہ کیا ہے۔ سنہ ۱۱۰۳ محمدی (سنہ ۱۶۷۴ء) مین ایم جارڈن نام ایک شخص نے اُن مین سے بعض کتبون کی نقلین لے لین۔ اور اُن پر غور ہونے لگا۔ یہان تک کہ سنہ ۱۱۳۱ محمدی (سنہ ۱۷۰۲ء) مین ایک مستشرق عالم

یوربی ٹامس ہائڈ نے اُس پر بے انتہا فکر کی - اور بڑے غور و پرداخت کے بعد
اُس نے جو رائے قائم کی یہ تھی کہ یہ کوئی تحریر نہیں۔ فقط خیالی شکلیں ہیں
جو اِس غرض سے بنادی گئی ہیں کہ طرح طرح کے پیکانی نقش و نگار بنا کے
خوش نمائی پیدا کیجائے۔ بعض لوگوں کا خیال اِس جانب گیا کہ معماروں
نے محض اتفاقی طور پر یہ نقش بنا دیے ہیں۔ ورنہ اُن سے کوئی خاص غرض
نہیں مقصود ہے۔ ایک جرمنی بزرگ نے یہ فرمایا کہ یہ نقش کیڑوں اور حشرات
الارض نے بنا دیے ہیں۔ مگر باوجود ایسے خیالات کے ظاہر کیے جانے
کے لوگوں کو اطمینان نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ تہیر نام ایک محقق نے اس بات پر
اپنا یقین ظاہر کیا کہ یہ نقوش بے وجہ نہیں۔ اور بجز اس کے اور کوئی بات
نہیں کہ یہ نقوش کسی اگلے رسم خط کے حروف ہیں۔ چند روز میں دیگر
مصنّفین بھی تہیر کے ہم خیال ہو گئے۔ مگر ایسی کوئی تدبیر کسی کے ذہن میں
نہ آتی تھی کہ ان تحریروں کا مطلب سمجھا جائے۔ سنہ ۱۲۱۷ محمدی (سنہ ۱۸۰۲ء) میں
ہنیوور کے ایک مشہور عالم السنہ گروٹ فنڈ نے اعلان کیا کہ میں نے اس
خط پیکانی کے تمام حروف تہجی پڑھ لیے۔ اور پتہ لگا لیا کہ یہ کتبے کیونکر
پڑھے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد ۳۴ سال تک خاموشی رہی۔ یہاں تک
کہ سنہ ۱۲۵۱ محمدی (سنہ ۱۸۳۵ء) میں سر ہنری رالنسن نے ایران کا سفر کیا کوہ بیستون
کے مشہور و معروف کتبے کو خود جا کے دیکھا۔ اور اُس کی نقل اُتار لی۔ ایک بلند
پہاڑ کے ایک پہلو پر جس جانب ... خیابان سے سیدھی خط مستقیم کاٹ
کے سطح کر لی گئی ہے دامن کوہ سے ... فٹ کی بلندی پر یہ کتبہ کھدا ہوا
ہے جہاں تک بمشکل انسان کی رسائی ہو سکتی ہے۔ یہاں پہاڑ کے اس
سطح ہموار پر خط پیکانی میں تین تحریریں ہیں اور نشان و رسم خط میں تینوں
ایک دوسرے سے جدا ... ہیں۔ باایں ہمہ اس سے صاف معلوم
ہوتا تھا کہ اگرچہ تینوں خطوں کی شان جدا ہوتی ہے مگر اصل میں سب
ایک ہی خط۔
یہ نقل لانے کے بعد سر ہنری رالنسن نے اُس پر غور کرنا شروع کیا۔

اور آخر محنت و جستجو کے بعد اُنھیں پوری کامیابی ہوئی۔ فارسی زبان سے وہ بخوبی ماہر تھے پرانی فارسی کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ اسی فارسی دانی کی مدد سے اُنھوں نے یہ کتبے پڑھ لیے۔ اُن کا ترجمہ کیا اُن کو اس تحریر میں ہر حرف اور ہر لفظ کی آواز معلوم ہو گئی۔ اور ربط عبارت کا سلسلہ بھی معلوم ہو گیا۔

اس کے بعد انگلستان اور دیگر ممالک یورپ کے علما نے اس جانب بے انتہا توجہ کی اور اُن تمام کتبوں اور تحریروں کو جو پرانی عمارتوں کے در و دیوار پہاڑوں کے پہلوؤں میں اور ظروف یا ٹھیکروں کے خزف پاروں پر ملیں سب پڑھ لی گئیں۔ اور اس ذریعہ سے آشوریا۔ بابل اور فارس کی اگلی سلطنتوں کا بہت معتدبہ حصہ جو تاریخوں میں موجود نہ تھا دنیا کو معلوم ہو گیا۔ اسی قدر نہیں تفتیش و جستجو کا سلسلہ جاری ہو گیا ہے۔ اور جو نیا کتبہ زمین سے نکلتا یا کسی کھنڈر میں مل جاتا ہے ایک نئے صفحۂ تاریخ کا کام دیے جاتا ہے۔

ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

مجلسوں اور محفلوں کا حال ہم بیان کر چکے۔ اب ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم لوازم صحبت کو بھی شرح و بسط سے بتا دیں اس لیے کہ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے معاشرت اور وضع صحبت کا حال آئینہ کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔ لوازم صحبت بہت زیادہ بلکہ بے شمار ہیں۔ جن کو ہم وقتاً فوقتاً بتائیں گے۔ مگر فی الحال سب سے مقدم چیزیں حقہ۔ خاصدان۔ لوٹیا۔ اور اُگالدان ہیں۔ یہ اس قدر ضروری اشیا ہیں کہ رؤسا کے ہمراہی خدمتگاروں کے پاس لازمی طور پر موجود رہا کرتی ہیں۔ چند روز پیشتر اعلیٰ طبقے کے دولتمندوں کے ہمراہ ایک خدمتگار کے ہاتھ میں حقہ بھی رہا کرتا تھا۔ مگر اب یہ طریقہ چھوٹ گیا۔ حقہ دراصل دہلی کی ایجاد ہے۔ اور وہیں شاہی کھنڈی خانوں میں مختلف وضعوں کے حقے تیار ہو گئے تھے۔ لکھنؤ نے جو کچھ ترقی کی وہ سب سے پہلے حقوں، پیچوانوں، چلموں اور چیزوں کی شکل اور قطع کی اصلاح سے متعلق ہے۔ دہلی کے حقے کی قطع بھدی اور بدصورت

تھی۔ لکھنؤ مین نہایت موزون و خوشنما بنا دی گئی۔ پھر تانبے پیتل پھول اور جست کے حقّون کے علاوہ مٹی کے حقّے ایسے خوشنما بن گئے جو لوگون کو اپنی نفاست و نزاکت کے لحاظ سے نہایت ہی پسند آئے۔ اور اکثر لوگون کو مٹی کے نازک سبک خوشنما اور سوندھے حقّے پُرتکلف قیمتی حقّون سے زیادہ اچھے معلوم ہوتے۔

حقّون کی شکل مین اصلاح و ترقی ہونے کے بعد خود تنباکو مین عجیب عجیب لطافتین اور خوبیان پیدا کی گئین۔ تنباکو کو گڑ یا شیرے مین ملا کے کوٹ لینا غالبًا دہلی ہی کی ایجاد ہے۔ جس کی وجہ سے پینے کی تنباکو کی اصلاح مین ہندوستان کو دنیا کے سارے ملکون اور صفحۂ زمین کی تمام قومون پر فوقیت حاصل ہے۔ تنباکو ساری دنیا مین پیا جاتا ہے۔ چرٹ سگریٹ اور پائپ کے لیے تنباکو کی اصلاح مین اگرچہ یورپ نے بے انتہا کوششین کین۔ اور طرح طرح کی نفاستین پیدا کر دین مگر یہ تدبیر کسی کو نہ سوجھ سکی کہ شیرہ یا گڑ ملا کے تنباکو کی تلخی اور گلوگیری مٹائی جائے اور دھوئین مین لطف اور قیام پیدا کیا جائے۔ اس کے بعد لکھنؤ نے یہ ترقی کی کہ خمیرہ ملا کے اور خوشبوئین شریک کر کے تنباکو سی بدبو دار ناگوار چیز کو اس قدر خوش آیندہ اور لطیف بنا لیا کہ چلم بھر کے رکھتے ہی سارا کمرہ خوشبو سے مہک اُٹھتا ہے اور جو حقّہ نہ پیتے ہون اُن کا بھی جی چاہنے لگتا ہے کہ دو ایک کش کھینچ لین ہندوستان کے بعض خطّون کا تنباکو بہت اچھا ہوتا ہے اور اُن شہرون کے نام سے تنباکو مشہور بھی ہو گیا ہے۔ مگر وہ شہرت کسی انسانی کوشش کا نتیجہ نہین۔ کوشش اور تدبیر سے جو نفاست تنباکو مین لکھنؤ نے پیدا کی ہے اور کسی شہر کو نہین نصیب ہوئی۔ اکثر شہرون کے لوگ خمیرے کو نہین پسند کرتے یا شاکی ہین کہ اُس سے نزلہ ہو جاتا ہے مگر یہ محض اُن کے عادی نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور ویسا ہی ہے جیسے اگر کسی کو قورمہ ناپسند ہے یا اُسے ہضم نہین کر سکتے۔ تنباکو کے ساتھ حقّے کے تمام لوازم مین ترقیان ہوئین۔ چلمین بھی پہلے سے زیادہ نازک نفیس اور خوشنما ہو گئین چنبرون مین بھی ترقی ہوتی رہی۔ چنبرون مین خوبصورت تہری نقرئی زنجیرین لگائی گئین۔ طرح طرح کی مہنالین ایجاد ہوئین۔ پھر پھولون کے نفیس اور دلفریب حقّے ایجاد ہوئے۔ غرض یہان کی سوسائٹی نے حقّے کو سنوار کے اور آراستہ کر کے دلھن بنا دیا۔

حقے کے بعد نہین بلکہ اُس سے بھی زیادہ اہم چیز لوازم صحبت مین خاصدان ہے جس کی بار بار ضرورت پیش آیا کرتی ہے۔ اور باہر آنے جانے مین خدمتگارون کے پاس رہتا ہے۔ خاصدان وہ چیز ہے جس مین پانون کی گلوریان بنا کے رکھی جاتی ہین۔ پان ہندوستان کی قدیم چیز ہے۔ ہندوون کے زمانے سے اُس کی اہمیت چلی آتی ہے۔ اگلے دنون راجاؤن اور بادشاہون کو جب کوئی بڑی مہم پیش آتی یا کوئی ذمہ داری کا کام لینا ہوتا تو پان کا بیڑا (گلوری) بنا کے سامنے رکھتے اور کہتے کہ کون اسے اُٹھائے گا جس کا مطلب یہ ہوتا کہ "اس مہم پر کون جائے گا؟" یا اُس ذمہ داری کے کام کو کون انجام دے گا؟ ارکان دولت سرداران یا عام حاضرین دربار مین سے جو کوئی اُس بیڑے کو اٹھا لیتا وہ گویا وعدہ کرتا کہ اس کام کو مین انجام دون گا۔ یا اس مہم کو مین سر کرون گا۔ یہ رسم تو مٹ گئی۔ مگر یہ کہاوت آج تک زبانون پر موجود ہے کہ فلان شخص نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا ہے" یعنی اُس کو اپنے ذمے لیا ہے۔

پرانے دربارون مین حاضرین کو انعام و اکرام کے ساتھ پان بھی مرحمت ہوا کرتے۔ جس کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامے مین کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پان ہندوستان کی تاریخی چیز ہے۔ لہذا چاہیے تھا کہ مرور زمانہ سے پانون اور پان کے سامان کو یوماً فیوماً ترقی ہوتی رہتی مگر ہمین بالکل نہین نظر آتا کہ پان جب تک دہلی مین تھا اُس کو کیا ترقی ہوئی۔ اُس کے مسالے کے جو اجزا قدیم الایام سے چلے آتے ہین آخر تک وہی قائم رہے۔ اور اُن کی بھی کسی قسم کی اصلاح نہین ہوئی۔ اُس کے مسالون مین کتھا چونا ڈلیان اور الائچیان قدیم زمانے ہی مین منتخب ہو چکی تھین۔ تنباکو بھی لکھنؤ مین آنے سے پہلے ہی اُس کے اجزا مین شامل ہو چکا تھا۔ مگر اُس کا بالکل پتہ نہین لگتا کہ اگلی بیسیون صدیون اور سیکڑون گزشتہ دربارون اور سلطنتون نے اُس کو کون سی خاص ترقی دی لکھنؤ مین پان کا رواج دہلی کی بہ نسبت بہت زیادہ ہو گیا۔ اس کے لیے خاص قسم کے ظروف ایجاد ہوئے۔ اور اُس کی تمام چیزون کو جدا جدا ترقی حاصل ہوئی۔ پہلے تو خود پانون یعنی اُس کے پتون کی اصلاح ہوئی۔ ہندوستان

کے بعض شہرون مثلاً مہوبے وغیرہ کے پان قدرتی طور پر بہت اچھے اور اعلیٰ درجے کے ہوتے ہین اطراف لکھنؤ مین اگرچہ پان کثرت سے پیدا ہوتے ہین مگر اُن مین بالذات کوئی خاص خوبی و فوقیت نہین ہوتی۔ مگر یہان کے ترقی پسند امرا کی توجہ سے تنبولیون (پان والون) نے مصنوعی اصول پر پانون کو ترقی دینا شروع کی اور اس درجے پر پہونچا دیا کہ یہان کے پان سب جگہ سے بڑھ گئے۔ وہ پانون کو مہینون زمین مین دفن کرکے رکھتے ہین یہان تک کہ اُن کا کچا پن دور ہو جاتا ہے۔ رائند بالکل نہین باقی رہتی ہے۔ رگین نازک اور نرم ہو جاتی ہین۔ رنگ مین سفیدی اور پختگی آجاتی ہے۔ کچے پان مین جو ایک طرح کی تیزی ہوتا ہے وہ بھی جاتی رہتی ہے۔ وہ ایسا نرم اور نازک اور لطیف ہو جاتا ہے کہ کسی جگہ کا پان مزے اور لطف مین اُس کا مقابلہ نہین کر سکتا۔ یہی بنے ہوئے پان بیگمی پان کہلاتے ہین جو دور دور کے شہرون مین جاتے اور نہایت ہی قدر اور بڑے شوق سے لیے جاتے ہین۔

پان کے پتے کے بعد چونا ہے۔ ہر جگہ اور ہر شہر مین معمولی چونا استعمال ہوتا ہے جو اکثر چھنا ہوا صاف بھی نہین ہوتا ہوا اس چونا نہایت ہی تیز اور اکال چیز ہے۔ نیا تازہ چونا ہوا یا زیادہ ہو گیا تو مُنہ کٹ جاتا ہے۔ ان مضرتون سے بچنے کے لیے یہان یہ تدبیر کی جاتی ہے کہ اُسے خوب چھان کے اور صاف کرکے اُس مین تھوڑی سی بالائی یا تازہ شیرین دہی کا توڑ چھان کر ملا دیتے ہین اس طریقے سے لکھنؤ کے نفیس مزاج لوگون کے پاندانون مین ایسا اچھا خوش گوار لطافت اور بے ضرر چونا ہوتا ہے کہ اور جگہ نہین نصیب ہو سکتا۔

دوسری چیز پان کے لوازم مین سے کتھا ہے۔ کتھا بجائے خود نہایت ہی کڑوی کڑوی اور بدمزہ چیز ہے۔ پان مین وہ محض خوش ذائقگی کی اصلاح اور اچھا رنگ پیدا کرنے کی غرض سے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن اُس کا کڑوا پن بہت ناگوار گزرتا ہے جو عادت ہو جانے سے جاتا ہے

گوارا ہو جاے. مگر اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ ایک بدمزہ چیز ہے۔ کتھے کے بنانے کی یہ تدبیر تو سب جگہ عام ہے کہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے اُسے پانی مین پکاتے ہین اور جب جوش کھا کر وہ سرخ شربت سا ہو جاتا ہے تو کپڑے مین چھان کر پانی مین رکھ کے جما لیتے ہین۔ عام طور پہ سب جگہ اتنا ہی ہوتا ہے مگر یہان ایک طباق یا توسے مین راکھ بھر کے اُس پہ ایک کپڑا ڈالتے ہین۔ اور اُس کپڑے پر اُس جمے ہوے کتھے کو روئی کی طرح پھیلا دیتے ہین اور اُس پر بار بار پانی چھڑکتے جاتے ہین۔ پانی اُس کی سُرخی کو لے کر جس مین کھٹا پن ہوتا ہے راکھ مین جذب ہو جاتا ہے۔ اس طرح صاف کرتے کرتے کتھے کا فقط وہ لطیف ترین حصہ باقی رہ جاتا ہے جو دھوئے کپڑے کا سا سفید اور نہایت ہی نفیس ہوتا ہے۔ پھر اُس مین کیوڑے کی خوشبو دے کر اکیوڑے کے پھولون مین رکھ کے خشک کر لیتے ہین۔ اس تدبیر پہ بعض اور مقامات مین بھی اب عمل ہونے لگا ہے۔ مگر یہ ایجاد لکھنؤ ہی کی ہے۔ اور جس تکمیل کے ساتھ یہان اُس پر عمل ہوتا ہے اور کہین ہو بھی نہین سکتا۔ اب اِس قسم کا کتھا اکثر تاجر لکھنؤ مین تیار کر کے فروخت بھی کرنے لگے ہین۔ جن مین سے ہمارے کرم مہربان قاضی محمد یونس صاحب مقیم محمود نگر لکھنؤ نے بہت شہرت حاصل کی ہے۔ مگر نفاست پسند اُمرا کے گھرون مین جو سفید اچھا اور صاف کتھا خود ہی بنا لیا جاتا ہے۔ وہ اس قدر نفیس ہوتا ہے کہ اُس کی نفاست کو بازار والون کا تیار کیا ہوا کتھا چاہے کیسا ہی اچھا ہو نہین پہونچ سکتا۔ دکن کے شہرون پونا وغیرہ مین ایک نئی طرح کا بنا ہوا خشک کتھا بازار مین ملتا ہے جو سوکھا ہی پان مین ڈالا جاتا ہے۔ وہان کے لوگون کو وہ کتھا پسند بھی ہے مگر ہم باوجود کوشش کے اُس کی خوبیون کو نہ محسوس کر سکے اور نہ سمجھ سکے۔ اس لیے کہ بظاہر وہ کرکرا بھی ہوا کرتا ہے اور کھٹا پن اُس مین اصلی بے بنے کتھے سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔

پان کے مسالون مین تیسری چیز ڈلیان ہین جو سروتے سے کاٹ کے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے پان مین ڈالی جاتی ہین۔ اُن کا کاٹنا ایک معمولی چیز تھا۔ مگر لکھنؤ مین ڈلیون کا کاٹنا بھی ایک صنعت بن گیا۔ اس لیے کہ اب اکثر

خاتم مین باجرے کے دانون کے برابر باریک کاٹتی ہین جن مین سب دانے برابر اور یکسان ہوتے ہین اور پھر اِس شرط کے ساتھ کہ چورا زیادہ نہ نکلے اور ڈلی کا کوئی حصہ ضائع نہ ہونے پائے۔

الائچیون مین کسی اصلاح کی گنجائش ابھی تک نہین محسوس ہوئی اس لیے کہ جیسی آتی ہین ویسی ہی استعمال ہوتی ہین۔ مگر تکلفات نے اتنا ضرور کیا ہے کہ خاص تقریبون مین اور خاص موقعون پر اُن مین چاندی کا ورق لگا دیا جاتا ہے اور جب خاصدان یا تھالی مین رکھی جاتی ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ چاندی کے چمکتے ہوئے ٹکڑے رکھے ہین۔

اس کے بعد تنباکو ہے۔ تنباکو کا استعمال دھوئین کی صورت مین جس طرح عالمگیر ہے اُسی طرح کھانے مین بھی اُس کا رواج بڑھتا جاتا ہے۔ انگلستان مین مین نے بہت سے انگریزون کو دیکھا جو تنباکو کی خشک پتی اکثر چبا لیا کرتے ہین۔ ہندوستان مین بھی مدت سے خشک تنباکو کے کھانے کا رواج چلا آتا ہے جس کو دہلی مین اس کی سنہری رنگت کے لحاظ سے زردہ کہتے ہین۔ پہلے فقط غیر مدبر اور غیر اصلاح شدہ پتی کو پان مین ڈال کر کھایا کرتے تھے۔ مگر اگلے ہی دنون یہ بھی رواج تھا کہ بہت سے گھرون مین تنباکو کی پتی مین اُس کے ڈنٹھلون کو اُبال کر اور اس کے عرق مین چند اعتدال پر لانے والے خوشبودار مسالے ملا کر تنباکو کی کڑواہٹ اپنے مذاق کے مطابق گھٹا یا بڑھا دی جاتی۔ اور لطافت و خوشگواری کے ساتھ اُس مین ایک جانفزا خوشبو بھی پیدا کر دی جاتی۔ مگر یہ تدبیر مخصوص گھرون اور خاندانون تک محدود تھی عام لوگ تنباکو کی پتی ہی بغیر بنائے کھاتے جو ہر پاندان مین موجود رہا کرتی۔ لیکن اب تقریباً بیس برس ہوئے منشی سید احمد حسین صاحب نے اپنی ایجاد سے ایک خاص قسم کا بنا ہوا تنباکو جس کی صورت ٹوٹے دار بارود کی سی ہوتی ہے ملک کے سامنے پیش کیا اور وہ ایسا مقبول ہوا کہ چند ہی سال کے اندر بے بنی پتی کے کھانے کا رواج قریب اُٹھ گیا۔

نکاح جعفر و عباسہ کی تحقیق

تیرھوین دلیل - طبری. ابن اثیر اور مورخ آل برمک نے ہارون رشید کی شراب خواری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بزم بادہ خواری مین اُس کو بغیر جعفر و عباسہ کی شرکت کے لطف نہ ملتا تھا اور اِن دونون کا نکاح اسی غرض سے کیا گیا تاکہ وہ دونون بھی شریک صحبت رہ سکین اور سب مل کر لطف کامل اُٹھائین۔

اب دیکھو کہ خود یہی مورخین جو اس مقام پہ ہارون رشید کو اپنی بہن کے ساتھ شراب احمر پلاتے ہین دوسری جگہ اُس کے زہد و تقدس کو کن الفاظ مین بیان کرتے ہین۔

خود طبری نے اپنی اسی تاریخ مطبوعہ مصر جلد ۱۱ صفحہ ۷۴۱ مین لکھا ہے۔

ذکر العباس بن محمد عن ابیہ عن العباس قال کان الرشید یصلی فی کل یوم مائۃ رکعۃ الی ان فارق الدنیا الا ان تعرض لہ علۃ وکان یتصدق من صلب مالہ فی کل یوم بالف درھم بعد زکوتہ وکان اذا حج معہ مائۃ من الفقھاء وابناءھم واذا لم یحج احج ثلاث مائۃ رجل بالنفقۃ والکسوۃ وکان یمیل الی اھل الادب والفقہ ویکرہ المراء فی الدین - عباس بن محمد نے اپنے باپ سے اُنھون نے عباس سے ذکر کیا کہ ہارون رشید ہر روز سو رکعت نماز (نفل) پڑھتا تھا۔ یہان تک کہ اُس نے دنیا چھوڑی مگر یہ کہ اُس کو کوئی بیماری ہو جاتی اور ہر روز اپنے راس المال سے اُس کی زکوٰۃ کے بعد ہزار درم صدقہ دیتا تھا۔ اور جب حج کرتا تو اُس کے ساتھ سو فقہا اپنے لڑکون کے ساتھ حج کرتے اور جب حج نہ کرتا تو تین سو مردون کو نفقہ و لباس دیکر حج کراتا۔ وہ ہارون رشید ادب اور فقہ والون کی طرف جھکتا تھا۔ اور دین مین ریا کو ناپسند کرتا تھا

تاریخ الخلفاء مصر صفحہ ۱۱۱ مین امام سیوطی فرماتے ہین۔

کان یصلی فی خلافتہ فی کل یوم مائۃ رکعۃ الی ان مات لا یترکھا الا لعلۃ

ویتصدق من صلب مالہٖ کل یوم الف درھم وکان یحب العلم واھلہ ویعظم حرمات الاسلام۔ ہارون رشید اپنی خلافت مین ہر روز سو رکعت نماز (نفل) پڑھتا تھا (اور) بلاوجہ اس نماز کو ترک نہین کرتا تھا اور اپنے راس المال سے ہر روز ہزار درہم صدقہ دیتا تھا اور علم اور اہل علم سے محبت اور حرمات اسلام کی عظمت کرتا تھا۔

یہی مضمون کامل ابن اثیر مطبوعہ پیرس ج ۶ صفحہ ۱۴۹ مین مندرج ہو۔ تقریبًا تمام مورخین ہارون رشید کے اس زہد و عبادت کے بیان کرنے مین طبری کے ہمزبان ہین۔ پس جو خلیفہ ایسا پرہیزگار ہو کہ فرائض کے سوا روزانہ سو رکعت نماز نفل عمر بھر پڑھتا رہا ہو۔ جو روزانہ اپنے راس المال سے ہزار درہم صدقہ علاوہ زکوٰۃ کے دیتا ہو جو سو فقہا کو اپنے ساتھ حج کراتا ہو اور خود حج نہ کرسکنے کی حالت مین تین سو نفوس کو نفقۂ ولباس کے ساتھ حج کے لیے بھیجتا ہو۔ جو حرمات اسلام کی تعظیم اور ریا کو ناپسند کرتا ہو۔ اس کو ایسے غیر مہذب طریقے سے شراب خواری سے متہم کرنا افترا محض اور انصاف کا خون کرنا ہے۔ فہم سلیم ہرگز باور نہین کرسکتی کہ ہارون رشید اس تورع و پرہیزگاری اور ان مشاغل کے ساتھ کبھی شراب و فحش کا خواب بھی دیکھتا ہو اور اگر اس کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر لاجرم علم روایت اور فن تاریخ سے ایمان اُٹھ جائے گا۔

چودھوین دلیل۔ نکاح کے بعد عورت و مرد کا ہم بستر ہونا شرعًا اور عقلًا جائز ہوجاتا ہے پس نکاح سے پہلے یہ شرط لگانی کہ مرد اپنی جائز بی بی کے گرد نہ پھٹکے ایک مجنونانہ فعل ہے۔ اگر جعفر عباسہ کے ساتھ رہا تو وہ اُس کا شرعی اور قانونی حق واجب تھا جو کسی طرح کا جرم قرار نہین پاسکتا۔ اس کے علاوہ عورت و مرد کا ہم صحبت ہونا ایک فطری امر ہے جس کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہین سکتی اور اسی وجہ سے ہر مذہب نے بیگانے جوان مرد و عورت کے اختلاط کو سختی سے منع کیا ہے۔ آگ اور سوکھی گھاس کو اکٹھا کرکے یہ امید رکھنی کہ آگ خشک گھاس کو نہ جلائے گی بالکل دیوانہ پن ہے۔ پس عباسہ کا نکاح جعفر کے ساتھ اس شرط پر کرنا

کہ مقاربت واقع نہ ہو اور پھر اُس کے وقوع کے بعد جعفر کو تمام کنبے سمیت قتل کر دینا ایک ایسا مجنونانہ فعل ہے جس کے وقوع کی امید ہارون رشید جیسے عاقل اور دیندار خلیفہ سے نہین کی جا سکتی کیونکہ نکاح کی اصلی غرض حیوانی خواہش کا پورا ہونا اور توالد و تناسل ہے پس ظاہر ہے کہ عورت کو اپنے شوہر سے متمتع نہ ہونے دینا تکلیف مالا یطاق ہے جو نہ شرعاً درست ہے نہ عقلاً صحیح۔

پندرہوین دلیل۔ طبری جو افسانۂ جعفر و عباسہ کا پہلا لکھنے والا ہے اپنی تاریخ مصر جلد ۱۱ صفحہ ۶۷۶ مین اس طرح شروع کرتا ہے حدثنا احمد بن زھیر احسبہ عن عمہ زاھر بن حرب۔ بیان کیا ہم سے احمد بن زہیر نے گمان کرتا ہون مین کہ اُنھون نے اپنے چچا زاہر بن حرب سے سُنا۔

علامہ طبری تو احمد بن زہیر سے روایت کرتے ہین لیکن وہ نہین جانتے کہ احمد بن زہیر نے یہ کہانی کس سے سنی۔ یہ تو طبری کا صرف گمان ہے کہ شاید ابن زہیر نے اپنے چچا زاہر بن حرب سے سُنا ہو گا جیسا کہ طبری کے لفظ احسبہ سے ظاہر ہے درحقیقت کچھ متحقق نہین کہ ابن زہیر نے جعفر و عباسہ کے افسانے کو اپنے چچا زاہر بن حرب سے سنا یا کسی اور سے۔ اگر کسی اور سے سنا تو وہ کون اور کیسا راوی ہے۔ پس اس قصے کا تیسرا راوی مجہول ہے اور اصل مین اِن تمام اکاذیب کا وہی بانی ہے اور وہین سے کذب و افترا کی بنیاد پڑی ہے۔ الفاظ طبری سے یہ بھی نہین معلوم ہوتا کہ احمد بن زہیر نے روایت کرتے وقت خود کہہ دیا ہو کہ مین نے اپنے چچا زاہر بن حرب سے ایسا سُنا ہے۔

پس ایسی صورت مین کہ نہ احمد بن زہیر راوی نے خود ہی بتایا نہ کسی دوسرے طریقے پر متحقق ہوا کہ ابن زہیر نے اپنے چچا زاہر بن حرب سے سنا محض طبری کا گمان کارآمد نہین ہو سکتا۔ بلکہ یہ گمان گمان فاسد اور بناے باطل بر باطل ہے۔

بالفرض اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ احمد بن زہیر نے اپنے چچا زاہر

اس جرح سے اس قصہ کو سُنا تو بھی طبری کی یہ روایت قابل وثوق نہین ہو سکتی۔
اولاً۔ اس وجہ سے کہ قتل جعفر کے ایک سو پندرہ برس کے بعد طبری نے اپنی تاریخ کو مدون کیا ہے اور اتنے زمانے کی روایت کا صرف دو راویون پر ختم ہو جانا شبہ سے خالی نہین ہے۔
ثانیاً۔ اس وجہ سے کہ روایت طبری کے دو راوی احمد بن زہیر اور زناہر بن حرب ہین۔ ان دونون کی ثقاہت وعدم ثقاہت سے نہ تو خود طبری نے بحث کی نہ اسانید وتراجم کی کتابون مین ان کا کچھ پتہ ملتا ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ یہ لوگ قابل اعتماد اور مقبول الروایۃ بھی تھے یا نہین۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیثین نقل کیجاتی ہین اُن مین سلسلۂ روات کے ساتھ راویون کی ثقاہت وعدم ثقاہت اور اُن کے قوت وضعف حافظہ وغیرہ تمام باتون کو دیکھا جاتا ہے۔ ان امور مین سے کہین بھی کوئی کمزوری پائی گئی تو حدیث پایۂ اعتبار سے ساقط یا کم سے کم مشتبہ ہو جاتی ہے۔ لیکن باوجود اس کے حدیث کی اس جانچ پڑتال کے وضاعین نے بیشمار حدیثین وضع کر کرکے اس چالاکی سے روایت کین کہ اکثر محدثین نے اُن موضوعات کو اپنی کتابون مین درج کر لیا۔
جب علم حدیث کی روایتون مین یہ پیچیدگیان اور دشواریان ہین تو تاریخ کا کیا پوچھنا۔ بہرحال جعفر و عباسہ کے شرمناک افسانے کا سب سے پہلا لکھنے والا طبری ہے اور اُس کی روایت کا حال یہ ہے کہ وہ خود تکما بین پڑا ہوا ہے کہ احمد بن زہیر نے یہ روایت کس سے سنی ع

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

کسی کی تعریف جو ضعیف راوی سے سُنی جائے ایک حد تک قبول کیجا سکتی ہے لیکن ایسا واقعہ جو سراسر فضیحت ورسوائی سے بھرا ہوا ہو کبھی مقبول ولائق اعتبار نہین ہو سکتا جب تک روایت ودرایت مین اُس کا ہر پہلو صحیح اور غیر مجروح نہ ہو۔ کیونکہ جس اہمیت کا واقعہ ہے اُسی مرتبہ کی سند بھی ہونی چاہیئے۔

ثبوت تین دلیل۔ عیون الانبار فی طبقات الاطبار مطبوعۂ مصر

جلد ۲ صفحہ ۳۴-۳۵ مین لکھا ہے۔

الطبیب صالح بن بہلة الہندی عالج ابراہیم بن صالح العباسی وکان باشارۃ علیہ جعفر بن یحیی البرمکی علاجا عجیبا وعاش ابراہیم بعد ذلک دہرا ثم تزوج العباسة بنت المہدی وولی مصر وفلسطین وتوفی فی مصر وقبرہ بہا۔ طبیب صالح بن بہلہ ہندی نے جعفر بن یحیی برمکی کے اشارے سے ابراہیم بن صالح عباسی کا عجیب وغریب علاج کیا اور اس کے بعد ابراہیم بن صالح زمانے تک زندہ رہا پھر عباسہ بنت مہدی سے نکاح کیا اور مصر و فلسطین کا گورنر ہوا اور مصر ہی مین انتقال کیا اور وہین اس کی قبر ہے۔

امام ابن ایاس اپنی مشہور کتاب تاریخ مصر مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۳۲ مین ابراہیم بن صالح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہین۔

ثم تولی من بعدہ الامیر ابراہیم بن صالح العباسی وہی الولایة الثانیة فاقام بہا حتی توفی فی مصر سنة ست وسبعین ودفن بمصر۔

پھر ان کے بعد امیر ابراہیم بن صالح عباسی مصر کے گورنر ہوئے اور یہ ولایت ثانیہ ہے۔ پھر وہ وہین رہے یہان تک کہ مصر مین ۱۷۶ھ مین انتقال کیا۔ اور مصر مین دفن کیے گئے۔

(۱) نکاح جعفر و عباسہ کا افسانہ لکھنے والے سب اس بات پر متفق ہین کہ جعفر کے ساتھ عباسہ کا پہلا نکاح تھا۔ اور نیز یہ کہ وہ زمانہ عباسہ کے عنفوان شباب کا تھا۔ حالانکہ یہ دونون باتین خلاف واقع ہین۔ ابراہیم بن صالح عباسہ کا دوسرا شوہر تھا جیسا کہ ہم عنقریب ثابت کرین گے اور ابراہیم بن صالح کا انتقال ۱۷۶ھ مین بمقام مصر ہوا۔ جعفر ۱۸۷ھ مین قتل کیا گیا یعنی قتل جعفر سے گیارہ برس پہلے عباسہ کا دوسرا شوہر ابراہیم بن صالح مر چکا تھا۔

(۲) ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جعفر کے ساتھ عباسہ کے نکاح کا جو زمانہ بتایا جاتا ہے وہ عباسہ کے عنفوان شباب کا زمانہ نہین ہو سکتا۔ بلکہ ظاہر یہ ہے

کہ اُن دنون وہ ادھیڑ ہو گی جب کہ عورتون کا عہد ناز و کرشمہ ختم ہو چکتا ہے
کہنے والا کہہ سکتا ہو کہ ممکن ہے ابراہیم بن صالح کے مرنے کے بعد جعفر سے نکاح ہوا ہو لیکن یہ صریحا غلط ہے۔

اولاً - اِس وجہ سے کہ ابراہیم بن صالح کے مرنے کے بعد جعفر سے نہین بلکہ عباسہ کا تیسرا نکاح محمد بن علی بن داؤد سے ہوا جیسا کہ ہم آیندہ صراحت کرین گے۔

ثانیاً - اس وجہ سے کہ ابراہیم بن صالح کے انتقال اور جعفر کے قتل مین گیارہ برس کا فرق ہے تو اب ہم پوچھتے ہین کہ ہارون رشید کو تو جعفر و عباسہ کے بغیر ایک لمحہ صبر آتا تھا پھر یہ دس برس اُس نے کیونکر صبر سے گزار دیے اور اُس کے پہلے جب کہ عباسہ اپنے شوہرون کے نکاح مین تھی ہارون رشید کس طرح چپکا بیٹھا رہا اور اگر خاموش نہین رہا تو اپنے لطف کے لیے اُس نے جعفر و عباسہ کے اجتماع کی کوئی ترکیب کیون نہین نکالی؟ اور نکالی تو وہ کونسی ترکیب تھی؟

کیا اب بھی جعفر و عباسہ کے نکاح کے عدم واقعیت مین شبہ ہو سکتا ہے۔

ہماری قدردانی حُسن

ہم حسینون پر فریفتہ ہین۔ حُسن کے دلدادہ ہین۔ ہر پیاری چیز کی طرف ہمارا دل کھنچتا ہے۔ ہر خوشنما شے کے شوق مین ہاتھ بڑھا دیتے ہین۔ مگر آج تک پتہ نہ چلا کہ یہ ذوق و شوق کیون ہے اور اِس دل دینے اور بازار عشق کا سودا کرنے مین ہمارا اصلی مقصد کیا ہے؟ ہم باتین بہت بناتے ہین اور اظہار شوق مین حد سے گزر جاتے ہین۔ لیکن اس چیز کو کبھی صاف صاف نہین بیان کرتے کہ ہمین یہ بیقراری و بیتابی کیون ہے؟ اور جس چیز کو ہم چاہتے ہین اُسے لے کر کیا کرین گے؟

شیر خوبصورت اور مستانہ آنکھون والی نازنین ہرنی کی طرف

بیتابانہ شوق سے گیا مگر جب پاس پہونچا اور اُس کو پالیا تو پھاڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ بانہ بھولی خوبصورت اور معصوم صفت قمری پہ کیسی ہوس اور کیسے ذوق وشوق سے جھپٹا۔ جیسا اُس کا سخت گیر پنجہ نازک بدن فاختہ پہ پڑ گیا تو دم بھر میں اُس کی ہستی مٹادی۔ اُس شوخ ادا پری جمال نے خوبصورت خوش رنگ اور نازک وشاداب پھول کو بڑے ذوق وشوق سے توڑا اور دم بھر میں کسی کے دل کی طرح مل دل کے پھینک دیا۔ اُس معصوم بچے نے اُس نظر فریب خوشنما اور اپنے پیارے کھلونے کو جسے خدا جانے کیسی ضد اور ہٹ سے حاصل کیا تھا شوق ہی شوق میں توڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

کیا تمھارے دل کے جذبات بھی یہی ہیں؟ کیا تم بھی وہی شیر دہن باز، وہی شوخ چشم حسینہ اور وہی ضدی بچے ہو؟ جسے چاہتے ہو اصل میں اُس کے دشمن ہو؟ دوستی کی نقاب مُنہ پہ ڈال کے آتے ہو اور اُس محبوب کو خاک میں ملانا چاہتے ہو جس کی محبت کے دعوے دار ہو؟ کیا تم ہی یورپ کے اسٹیج کے بلوبیرڈ عہ یا حرام پور کے نواب ہو جو جور وستم اور مکر وفریب سے حسینوں کو حاصل کرتے اور لطف اٹھاتے ہی قتل کر ڈالا کرتے تھے؟

تم تو اپنے اِس جرم اور اپنے ہاتھ کے جور وستم کا اقرار نہ کرو گے۔ مگر یہ تم پر منحصر نہیں ساری دنیا اسی جرم کی مجرم نظر آ رہی ہے۔ اور اوراقِ تاریخ بتاتے ہیں کہ دنیا میں ابتدا سے آج تک یہی ہوتا آیا ہے کہ جس چیز کا کوئی سب سے زیادہ خواہاں ہے وہی اُس کا بڑا دشمن ہے۔ اُن کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم اس لیے آئے ہیں کہ دنیا کو بنائیں سنواریں آراستہ کریں اور خوب ترقی دیں مگر عمل یہ ہے کہ جس چیز کا شوق ہوا اُسے غارت کر کے اور حد سے زیادہ بگاڑ کے رکھ دیا۔ سچ یہ ہے مرغوب ومحبوب چیز کے بگاڑنے کا یہ بیتابانہ شوق ہمیں اپنے مورثِ اولین حضرت آدم سے ورثے میں ملا ہے۔ سارے گلشن جنان پر اُنھیں تصرف کرنے کی اجازت تھی فقط ایک درخت کی نسبت کہا گیا تھا کہ اسے یونہیں لگا رہنے دینا۔ اُس کے پاس نہ جانا۔ اُس کو

عہ بلوبیرڈ کے معنی نیلی ڈاڑھی والے کے ہیں۔ یورپ کے ناٹکوں میں یہ کیرکٹر کثرت سے دکھایا جاتا ہے۔ اس شخص کا طرزِ عمل یہ تھا کہ شادی کے بہانے حسین عورتوں کو پھانستا اور چند روز میں قتل کر ڈالتا تھا۔

ہاتھ نہ لگانا۔ اور اُس کی شان رعنائی مین فرق نہ ڈالنا۔ مگر فورًا شوق نے اُنھین بیتاب کر دیا۔ نہ رہ گیا۔ گئے اُس کو چھوا۔ اُسکا پھل توڑا اور اُس کو چبا گئے مگر گئے اور اُس جرم کی سزا مین فردوس بریں کو ہاتھ سے کھو دیا۔

ہمارے اکثر دوستون کو جنت کے ہاتھ سے نکل جانے کا بڑا افسوس ہے۔ اُن مین کچھ جو بیوقوف ہین فقط بیٹھے ہاتھ ملا کرتے ہین اور جنھین خدا نے عاقبت اندیشی کا جوہر دیا ہے۔ پاکبازی و پارسائی کو دستورالعمل بنا کے نمازین پڑھ سکے روزے رکھ کے۔ اور خیراتین کر کے اس کوشش مین لگے رہتے ہین کہ اُس جنت کو اب نہین تو مرنے کے بعد ہی سہی پھر جیت لین۔ ہم دعا کرتے ہین کہ خدا اُن کی کوششون مین برکت دے۔ اور اس مقصد مین کامیاب کرے۔

لیکن نماز روزہ ہے۔ زہد و اتقا ہے۔ اور سب طرح کی کوششین ہین اصلی غلطی پر جا ہے تنبہ ہوا ہو یہ آج تک نہ ہوا اور نہ ہو گا۔ ممکن نہین کہ انسان کے دل سے وہ اصلی خرابی دور ہو جس نے جنت سے نکلوایا تھا۔ غور کیجئے بھی اور انصاف کرو تو یہ دنیا خود ہی ایک اعلیٰ ترین جنت ہے۔ جسے خدا نے محض اس لیے پیدا کیا ہے کہ تمھارا ہر طرح کا شوق پورا کرے۔ جنت مین کون سی چیز ہے جو یہان نہین ہے خود خدا نے فرمایا کہ "جنت مین یہین کی سی چیزین ہین گی" یہ نہین کہا کہ دنیا مین جنت کی سی چیزین ہین مطلب یہ کہ دنیا کی نعمتون سے جنت کی نعمتون کو تشبیہ دی گئی۔ اور اس کو سب مانتے ہین کہ جس صفت مین کسی چیز کو کسی سے تشبیہ دیجاے اس مین اُس کا درجہ بڑھا ہوتا ہے جس سے تشبیہ دی گئی ہو۔

انسان کی عادت ہے کہ موجود چیز کی قدر نہین کرتا۔ اور جو چیز پاس نہین اُس کی ہوس مین دوڑتا ہے۔ اُسی کا یہ بھی ایک جلوہ ہے کہ ہم جنت دنیوی کی قدر نہین کرتے۔ اور جنت موعودہ کے شوق مین ایسی بیقراری و بدحواسی سے دوڑتے ہین کہ قدم قدم پر ٹھوکرین کھاتے ہین۔

دنیا کو ہوش و بصیرت کی نگاہ سے دیکھو جدھر دیکھو گے عروس بہار اپنا جلوہ دکھاتی نظر آے گی۔ ایک سے ایک اچھا چمن کھلا ہوا ہے۔ ساری وادیون

در تمام مرغزاروں میں سبزے کا فرش مخملیں بچھا ہے جس پر رنگ برنگ پھولوں نے اپنی بوقلمونی سے جا بجا ایک نیا نظر فریب اور دلکش قالین بچھا دیا ہے۔ اس میں سنہری روپہلی دھاریاں کی طرح نہیں ہیں تو ہوں مگر سیماب اور سنہرے پانی کے پر لطف چشمے جاری ہیں جن کی ننھی ننھی نازک لہریں شوخ دوشیزہ جبینوں کی پرشکن پیشانیوں کو بھی مات کرتی ہیں۔ ایک طرف تو یہ مست خرام ندیاں جوش بہار میں فریفتہ ہو چلتے چلتے بڑھ کے دامن چمن کو چومتی اور سبزۂ خوابیدہ کو چھیڑ چھیڑ کے جگانے لگتی ہیں دوسری طرف سبزپوش نونہالان لب جو ان کے دلدادہ ہو رہے ہیں اگرچہ وہ بعض نسیم و نغمۂ طیور پر مست ہو کے جھوم رہے ہیں اور بالکل از خود رفتہ ہیں مگر اس پر بھی ان میں بھی جدول طلائی کی دلکشی اور نہر سیمیں کی مست خرامی انھیں کچھ ایسا بیتاب کرتی ہے کہ وہ جھکے جھکے اور بار بار اس کی جبین ناز کو چوم لیتے ہیں اور پھر بھی جی نہیں بھرتا۔ طیور اپنا ارغنون بجا رہے ہیں۔ اور اس کے ساتھ بلبل کانٹے پر پھولوں کو اپنی عاشقانہ غزل سنا رہی ہے۔ کیا یہ بہار جنت کی بہار سے کم ہے؟ اور کیا یہ منظر ایسا نہیں کہ اگر سچا عاشق ہے تو ہم اس پر اپنی جان نثار کر دیں؟

مگر یہ سب ہم زبان سے تو ہر وقت جان فدا کرنے کو تیار نظر آتے ہیں۔ مگر عمل یہ ہے کہ سبزے کو پاؤں سے روندتے ہیں۔ پھولوں کو توڑ توڑ کے سینے پر لگاتے اور ہنسا کے گلے میں ڈال لیتے ہیں اور ان کی زندگی و شادابی کو اپنی ہوس کے بھوت کی بھینٹ چڑھا کے ہی انھیں راہ میں پھینک دیتے ہیں۔ نہروں میں نہانے کو اترنے اور اپنے ناپاک قدموں سے گندلا کر کے ان کے پانی کو گندلا کرتے ہیں نونہالان چمن کی کاٹ چھانٹ کرتے ہیں۔ اور طیور کو اسیر کر کے پنجرے میں بند کرتے ہیں تاکہ ہماری خوابگاہ میں ہمیں فراق گل کی داستان سنائے۔ اور سناتے ہی سناتے تڑپ کے مر جائے۔

ان سب سے زیادہ شوق پری جمال حسینوں اور دل ربا نازنینوں کا ہے جن کے حسن پر ہم دنیا و عقبیٰ کی تمام خوبصورتیوں کو قربان کرتے رہتے ہیں۔ جن کے شوق میں ہم روز مرتے اور ہر بار مر کے جیتے ہیں جن کے خط بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ اور جن کی کج رخیوں کو بھی ہم نے ایک

اور اسے معشوقانہ خیال کر رکھا ہے۔ اُنھین کے ساتھ دیکھو کہ تمھارا برتاؤ کیا ہو۔ کہنے کے لیے تو تم اُن کے رُخِ زیبا کے عاشق ہو۔ فقط دکھانے کو تم اُن پر جان دیا کرتے ہو۔ یہ سب ظاہری مکاریان ہین۔ اصل مین تم اُن کی آبرو کے خواہان ہو۔ اُن کے حسن کی بہار کے شائق نہین بلکہ اُس کو لوٹنا چاہتے ہو۔ جس طرح بھیڑیے نے اُس معصوم بھیڑ کو چیر پھاڑ ڈالا۔ جس طرح باز نے اُس مست خرام کبک کو نوچ کے رکھ دیا اُسی طرح تم چاہتے ہو کہ ہر باہوش حسینا اور ہر خوبرو جمیلہ کو اپنی ہوس پر قربان کر دو۔ اور پھر اُسے کسی کام کا نہ رکھو۔

سچ پوچھو تو یہی زمین جس کو تم زال دنیا کہتے ہو مشاطۂ قدرت کے ہاتھ کی بنائی سنواری اور آراستہ کی ہوئی دولھن ہے جس کو خدا نے حسن لازوال عطا کیا ہے اور اُس کا شباب روز افزون ترقی کرتا رہے گا۔ مگر تمھارا مجنونانہ اور ظالمانہ جوش چاہتا ہے کہ اُس کا جوبن اس طرح لوٹو کہ اُس کا سارا بناؤ سنگار اور حسن و جمال دم بھر مین مٹا کے رکھ دو۔ جسے تم عشق یا ذوق و شوق کہتے ہو۔ اصل مین کسی محبت کا تقاضا نہین بلکہ بہیمیت کا جذبہ ہے۔ جو اُس کی قدر کرنے یا اُس کی داشت اور خدمت کے لیے نہین بلکہ اُس کے تباہ و برباد کرنے کے لیے ہے۔

تمھاری یہی بیجا دست برد اور حد سے گذری ہوئی بے اعتدالی دیکھ کر بہت سے اگلے مذاہب کے عقلا نے تم کو روکا اور یہ سمجھایا کہ دنیا اختیار کرنے کے لیے نہین بلکہ ترک کرنے کے لیے ہے۔ تم اس مین جس قدر مبتلا ہوتے جاؤ گے اُسی قدر خدا سے دور ہو گے۔ مگر تم مین سے چند ہی تھے جنھون نے اُن بزرگون کا کہنا مانا۔ ورنہ عموماً حسینون اور دنیا کی خوبصورت چیزون پر تمھارے عشق اور شوق کے ہاتھون ظلم ہی ہوتا رہا۔ مگر یہ تعلیم بھی خدا کی مرضی اور فطرت کے تقاضے کے خلاف تھی۔ اور غیر ممکن تھا کہ دنیا کا یونیورسل (علی الاطلاق) مذہب بن سکے۔

آخر عرب کے دشت و جبل سے چشمۂ نبوت جاری ہوا۔ اور اُس نے صاف و صریح آواز مین اصلی منشاء ربانی بتا دیا کہ دنیا چھوڑنے کے لیے نہین بلکہ برتنے کے لیے ہے۔ اُس کی خوبیون سے لطف اُٹھاؤ۔ اُس کی خوبصورتیون کے مزے لوٹو اور اُس کی برکتون سے فائدہ حاصل کرو۔ مگر اعتدال کے ساتھ۔ اور وہ اعتدال

یہ ہے کہ تمھارا لطف اُٹھانا مزے لوٹنا اور تسکین حاصل کرنا ایسا بیمانہ نہ ہو کہ اپنی محبوب اور پسندیدہ چیز کو غارت کر کے رکھ دو۔

حسن و خوبی کے شوقینو! پھول کو توڑ نہیں اُسے اُس کے گلبن پر رہنے دو۔ تاکہ اپنے شباب اور اپنی شادابی کی بہار دکھائے۔ اور باغبان قدرت کی نگرانی میں اپنی عمر پوری کر کے وہ امانت دنیا کے سپرد کر دے جس کے لیے آیا ہے۔ بلبل کو پکڑ نہیں اُس کو پنجرے میں بند کر کے رکھنے سے تمھیں کچھ نہ مل جائے گا۔ اس لیے اُسے صحن چمن میں نغمہ سرائی کرنے دو۔ تاکہ دنیا سے رخصت بھی ہو تو اپنے بچوں کو چمن میں اپنا جانشین بنا کے چھوڑ جائے۔

اس طرح کا اعتدال تم کو ہر حُسن کی قدر دانی میں اور ہر نعمت سے لطف اُٹھانے میں قائم رکھنا چاہیے۔ اور یہی سچا کیش و آئین اور برگزیدہ و بے ضرر اخلاق ہے۔

رقص

اگرچہ رقص اور سرود کا ساتھ ہے مگر ناچنا بذاتہ ایک نہایت ہی دلچسپ فن ہے اُس کا اصل منشا یہ ہے کہ پاؤں ایک معینہ و مقررہ مقدار و ترتیب سے اُٹھائے جائیں۔ یا گانے میں اُس کی گت کی مناسبت سے جسم کو حرکت دی جائے۔ ناچنا اُن فطری جذبات سے ہے جن کی تعلیم خود فطرت نے دی ہے۔ اسی وجہ سے اِس بات کا پتہ لگانا غیر ممکن ہے کہ انسان میں ناچ کا آغاز کب سے ہوا۔ اُس کا پہلا موجد کون شخص ہے۔ یا پہلے پہل اُس کا رواج کس قوم اور ملک میں ہوا۔ نہایت ہی وحشی و غیر متمدن قوموں میں بھی ناچنے کا رواج قدیم سے قدیم زمانہ میں پایا جاتا ہے۔

ہندوستان میں ناچ ایک بہت بڑا اہم فن ہے اُس کے موجد اولین مہادیو جی سمجھے جاتے ہیں۔ اور اُس کی ابتدا برہما جی کی پرستش و عبادت سے بتائی گئی ہے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ ناچنا فطری جذبات انسانی کے تقاضے سے ہے۔

ناچ کو عبادت سے وابستہ کرنا ہندوستان ہی کے لیے مخصوص نہ تھا بلکہ دیگر اقوام نے بھی عبادت الٰہی میں اُس سے کام لیا ہے۔ یہودیوں میں بھی جو بت پرستی سے بالکل گریزاں و متنفر تھے بعض موقعوں پر ناچنا داخل عبادت تھا۔ توریت کے الفاظ ہیں کہ "اُنھیں ناچ کر خدا کی حمد کرنے دو" اُسی سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت داؤد[ع] خدا کے سامنے

ناچے۔ مسلمانون کو ان بیانات سے وحشت نہ کھانا چاہیے۔ اس لیے کہ درحقیقت یہ بس چیزین عبارت ہین اس مین آپ کا نماز مین بہ ترتیب اُٹھنا بیٹھنا۔ رکوع و سجود کرنا۔ کلام الٰہی سے متاثر ہو کر آپ سے کسی بیتابی کی حرکت کا ظاہر ہو جانا۔ شعرخوانی مین الفاظ کے مطابق ہاتھ پاؤن اور چشم و ابرو کو حرکت دینا۔ مشائخ صوفیہ کا صحبت سماع مین بیتابی سے اُٹھ کھڑا ہونا۔ اور ہاتھ پاؤن مارنے لگنا یہ سب چیزین رقص مین داخل ہین۔

قدیم یونانیون نے رقص کو علمی شان سے منضبط کر دیا تھا۔ اور غرض یہ تھی کہ اُس کے ذریعے سے مختلف قسم کے جذبات نہایت ہی خوبی کے ساتھ نمایان کیے جاسکتے۔ ہومر کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ یونانیون مین اکثر تقریبون کے موقعون پر ناچ ہوا کرتا تھا۔ ارسطاطالیس رقص کو بھی فنون شعر و نظم کے زمرے مین شامل کرتا تھا۔ اسپارٹا والے جو یونانیون مین نہایت ہی بانکے جان باز سپاہی تھے اپنے بچون کو پانچ ہی سال کی عمر سے ناچنے کی جبریہ تعلیم دینا شروع کر دیتے تھے۔ وہان بڑے بوڑھے سکھاتے اور قوم کے سارے بچے سیکھتے۔ اہل اسپارٹا ناچ کے ساتھ بھجن اور مختلف قسم کے گیت بھی گایا کرتے۔ اسپارٹا کے نوجوانون مین ایک خاص قسم کے ناچ "رقص فیزک" کا رواج تھا۔ یہ ایک جنگی ناچ تھا جس کو ایک نمائشی لڑائی کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

قدیم الایام کے لوگون مین تین طرح کے رقصون کا پتہ لگتا ہے۔ (ایک) جنگی ناچ جو درحقیقت ایک قسم کی ورزش تھی اور اُس کا مقصود یہ تھا کہ جسم تیار کیا جائے اور خوبصورت بنایا جائے (دوسرا) تفریحی ناچ یہ صرف دل بہلانے اور صحبت مین زندہ دلی و برانگیختگی پیدا کرنے کے لیے ہوتا۔ (تیسرا) دینی ناچ یہ عبادت کے ساتھ مخصوص تھا اور توبہ کرانے یا چڑھاوا دینے کے موقعون پر جوش و خروش کے ساتھ عمل مین آتا۔

مصر مین ناچ فراعنہ کے زمانے سے ثابت ہوتا ہے۔ فرعونون کے دربار مین اُن کے سامنے ناچنے والی عورتین کھڑی ہو کر ناچا کرتی تھین۔ اُسی طرح آج بھی مصر کے بازارون اور وہان کی صحبت ہائے عیش مین وہ پیشہ ور عورتین

ناچا کرتی ہین جو اپنے آپ کو خاندان برامکہ کی یادگار بتاتی ہین۔

اشوریا و بابل مین بھی معلوم ہوتا ہے کہ فتحمند فوجون کے آگے آگے نازنین حسین عورتین ناچتی اور کھیلتی ہوئی چلتی تھین۔

ہندوستان مین بھی ناچنے والی عورتون کا رواج نامعلوم زمانے سے چلا آتا ہے۔ اُن مین سے اکثر مندرون مین رہ کر دیوتاؤن کی مورتون کے سامنے ناچا کرتی تھین۔ ایک ہزار سال پیشتر کا ایک عرب سیاح لکھتا ہے کہ بعض راجاؤن کی سواری کے ساتھ بہت سی عورتین ناچتی ہوئی چلتی ہین۔ عبادت کے لیے عورتون کے ناچنے کا رواج دکن کے بڑے مندرون مین آج بھی موجود ہے۔

ساسانیون کے عہد مین ایران مین بھی رقاصہ عورتین موجود تھین۔ اور یہودیون مین تو معلوم ہوتا ہے کہ شاہزادیون اور رئیس زادیون کے لیے بھی صحبتون مین کھڑے ہو کر ناچنا معیوب نہ تھا چنانچہ ہیرود جس نے بادشاہ کو اپنے رقص سے ازخود رفتہ کر کے حضرت مسیح کو بپتسمہ دینے والے یحیےٰ کا سر کٹوایا شاہزادی تھی۔

ابتدائی زمانے کے مسیحی بھی اپنے مذہبی جلسون مین ناچا کرتے تھے گو کہ انجیل مین اِس کا ذکر نہین ہے مگر اُنھون نے اپنے طرز عمل سے رقص کو عبادت بنا لیا تھا۔

اسلام مین البتہ بجز صوفیہ کی مجالس حال و قال کے قرآن و حدیث یا فقہ سے کہین اور کسی زمانے مین نہین ثابت ہوتا کہ رقص سے عبادت و خدا پرستی مین کام لیا گیا ہو۔ بلکہ علما علی العموم اُس کے حرام ہونے کا فتوی دے رہے ہین۔ مگر ہماری سمجھ مین نہین آتا کہ اِس فتوے کی بنیاد کیا ہے۔ قرآن و حدیث سے اُس کی حرمت ثابت نہین ہوتی۔ اہل حبشہ کا رقص خود حضرت سرور عالم نے ملاحظہ فرمایا۔ اور خاتون محترم اُم المومنین عائشہ صدیقہ کو اپنے پیچھے کھڑا کر کے دکھایا تھا۔ یورپ مین ناچنا اعلی درجے کی شریفانہ صحبتون مین مہذب ترین دلچسپی تصور کیا جاتا ہے۔ اعلی و ادنے ہر طبقے کے زن و مرد بے تکلف ناچتے ہین۔ اور رقص کی تعلیم بچپن سے لازم ہو گئی ہے۔ خصوصًا لڑکیان اگر ناچنا نہ جانتی ہون تو بالکل پھوہڑ خیال کی جاتی ہین۔

یورپ والون کا عام خیال ہے کہ رقص سے صحت اور اخلاق دونون پر نہایت عمدہ اثر پڑتا ہے۔ مگر ہندوستان مین رقص چونکہ بدکار و عصمت فروش عورتون کا پیشہ ہے اس لیے اُس مین دلچسپی چاہے جس قدر زیادہ ہو مگر صحت و اخلاق پر ہرگز اچھا اثر نہین پڑ سکتا۔

ہمارے شعرا مین رقص بسمل بہت مشہور ہے۔ اس سے علی العموم کاری زخم کھانے یا ذبح ہونے کے بعد نیم جان لاش کا تڑپنا مراد لیا جاتا ہے۔ مگر بعض ظالم و بہائم صفت وحشی قومون مین رقص بسمل کا خوفناک تماشا حیرتناک بے رحمی و سنگدلی کی مسرت کے ساتھ اس طرح دکھیا جاتا ہے کہ رقص بسمل کے شائق کسی جنگل مین مسافرون کی رہگذر پر جا کے جمع ہوتے ہین۔ اور آگ جلا کے اُس پر ایک لوہے کا توا رکھ دیتے ہین جو خوب گرم ہو کر سُرخ ہو جاتا ہے اُس وقت جو مسافر یا اجنبی شخص مل جاتا ہے اُس کو پکڑ لیتے ہین اور فوراً تلوار سے اُس کا سر کاٹ کر وہ جلتا توا گردن پر رکھ دیتے ہین۔ توا جم کے بیٹھ جاتا ہے۔ خون جو جوش مار کے نکلنا چاہتا ہے محتبس ہو کر بند ہو جاتا ہے۔ اور بے سر کی لاش جس کی گردن پر سر کے عوض توا ہوتا ہے گھنٹون دوڑتی کودتی ناچتی اور گرتی پڑتی ہے۔ جسے دیکھ کر وہ لوگ قہقہے لگاتے اور بہت ہی خوش ہوتے ہین۔

افسوس انسان مین اگر رحم اور خدا کا خوف نہ ہو تو اُس سے زیادہ وحشی و خونخوار کوئی نہین ہو سکتا۔ درندہ پیٹ بھرنے کے لیے ذی روح مخلوق کی جان لیتا ہے اور وہ بے ضرورت محض تفنن طبع اور دل بہلانے کے لیے۔ جانور بھوک کے تقاضے سے کسی جاندار کو مارتا ہے تو وہ سیر و تفریح اور دلچسپی کے لیے جس کا نام شکار رکھ دیا گیا ہے۔

گلستان

شیخ سعدی کی گلستان کو پڑھتے تو سب ہین مگر یہ شاید کسی کو نہ معلوم ہو گا کہ اُس کے نام کا ماخذ و مخرج کیا ہے۔ اور لوگ یہ سُن کر تعجب کرینگے کہ اس نام کا اصلی ماخذ یونانی زبان اور اُس کا ادب ہے۔

ولادت حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوا چھ سو برس پیشتر یا یون کہیے کہ حضرت مسیح سے پہلی صدی کے وسط مین ارض شام کے شہر غدارہ مین ملیاغر نام زبان یونانی کا ایک شاعر و معلم رہتا تھا۔ اس نے اپنے زمانے تک کے یونانی شاعرون اور ادیبون کے نظم و نثر کلام کا ایک منتخب مجموعہ مرتب کیا جس مین ہر شاعر کی بہترین نظمین اور ہر ادیب کی فصیح و موثر و مختصر نثرین جمع کی تھین۔ ملیاغر نے اس مجموعے مین یونانی شاعر سافو سے لے کر اپنے عہد تک کے تمام شعرا و ادبا کا منتخب کلام جمع کیا تھا۔ اور آخر مین اپنا بھی بہت سا کلام درج کر دیا تھا۔ اُس کے شروع مین اپنی ایک تمہیدی نظم درج کی جس مین ہر شاعر کو اپنے خیال و مذاق کے مطابق کسی خاص پھول سے تشبیہ دے کر اُسی پھول سے تعبیر کیا۔ اور اسی رعایت سے اُس مجموعے کا نام "پھولون کا ہار" رکھ دیا۔

ملیاغر کے بعد تھسالونکا کے فلپ نے اس "پھولون کے ہار" مین زمانۂ مابعد کے تیرہ اور شاعرون اور انشا پردازون کے کلام کا انتخاب اضافہ کیا۔ اور اپنے اس نئے مجموعۂ سخن کا نام "انطالوغی" رکھ دیا۔ یونانی زبان مین "انطوس" پھول کو کہتے ہین اور "لوغیہ" کے معنی "خرمن" کے ہین۔ لہٰذا "انطالوغی" کے معنی

"خرمن گل" یا "گلستان" و "گلزار" ہے۔

فلپ کے بعد شہر ہرقلہ کے دیوجیانوس، شہر سارڈنیس کے اسٹراٹو اور اناقیا نام ایک اور یونانی سخن سنج نے جو اپنے دور کے بڑے نامور ادا شناس سخن میں تھے بہت سے نئے منتخبات کے اضافے کر کے نئے نئے مجموعے شائع کیے۔ مگر ان سب مجموعوں کا نام وہی "انطالوغی" یعنی گلستان یا خرمن گل رہا۔ جن میں تین سو یونانی شعرا اور ادیبوں کی ۴۵۰۰ نظمیں اور نثریں درج تھیں۔ اور اب یونانی میں اس قسم کے مجموعوں کا عام نام "انطالوغی" ہو گیا۔ گویا یہ کسی کتاب کا نہیں بلکہ ایک فن یا خاص قسم کی کتابوں کا عام نام تھا۔ چند روز بعد یونانی زبان کے تمام مذکورہ مجموعہ ہائے سخن دست برد زمانہ کی نذر ہو گئے۔ فقط "انطالوغی" کا نام رہ گیا۔ جس پر یورپ کی زبانوں نے اپنے لب و لہجے کے لحاظ سے تصرفات کیے چنانچہ انگریزی میں وہ "انتھالوجی" بن گیا۔ انگریزی میں آج بھی اس قسم کے انتخابات سخن کو "انتھالوجی" کہتے ہیں جس کے اصلی معنی وہی خرمن گل یا گلستان کے ہیں۔

مگر ولادت سرور عالم کے تقریباً چار سو برس بعد یعنی دسویں صدی عیسوی میں قسطنطین قفالاس کی جستجو سے پھر بعد ازاں نویں صدی ولادت محمدی یا چودھویں صدی ولادت عیسوی میں مقیموس فلانودیس کی جستجو سے فنا شدہ یونانی "انتھالوجی" یعنی قدیم گلستان یونان کے چند اجزا دستیاب ہو گئے جو بعد والوں کی کوشش سے دنیا میں محفوظ رہ گئے۔

مقیموس کا ترتیب دیا ہوا مجموعہ بہ سلسلہ اسکریس ایڈیشن ۸۳۴ھ محمدی (سنہ ۱۴۰۴ء) میں شہر فلارنس میں طبع ہوا۔ اس کے بعد اس کے اور کئی ایک عمدہ ایڈیشن ترجمہ اور توضیحات کے ساتھ شائع ہوئے۔ لوگ اسی مقیموس کے نسخے کے دلدادہ ہو رہے تھے کہ یکایک سلما سیوس نام ایک شخص نے ۱۰۳۵ محمدی (سنہ ۱۶۰۶ء) میں قسطنطین قفالاس کے فنا شدہ مجموعے کو ہیڈل برگ کے کتب خانے سے برآمد کر کے دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ یہ مجموعہ زیادہ مکمل تھا اور بڑا اس میں بقابل مقیموس کے مجموعے کے زیادہ استیعاب تھا یہ نسخہ سی سالہ جنگ کے زمانے میں تروۃ الکبری میں لایا گیا۔ وہاں سے پیرس میں گیا۔

(۱۸۱۶ء) مین پھر ہیڈل برگ مین بھیج دیا گیا۔

اس یونانی گلستان (انتھالوجی) کے دیکھا دیکھی رومیون نے اپنی لاطینی زبان مین بھی شعر و سخن کے کئی مجموعے منتخب کرکے مدون کیے جن کے [illegible] کملاے [illegible] ستفالیغر، پھودس، بورمان۔ اور چند اور سخن سنجان لاطینی تھے بورمان کا مجموعہ زیادہ ضخیم تھا جو [illegible] محمدی اور [illegible] محمدی (۱۷۵۹ء و ۱۷۷۳ء) مین امسٹرڈم سے شائع ہوا پھر اس کو کسی قدر ترقی دے کے زیادہ [illegible] کے ساتھ میئر نام ایک یورپین فاضل نے [illegible] محمدی (۱۸۳۵ء) مین اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خوبی و خوشی [illegible] نام ایک عالم لاطینی نے [illegible] محمدی (۱۸۶۹ء) مین شائع کیا۔

عربی زبان اس قسم کی گلستانون سے بمقابل یونانی و لاطینی کے زیادہ مالا مال ہے۔ ان مین سب سے پہلے ابو تمام[ع] حبیب بن اوس المتوفی [illegible] محمدی (۸۴۵ء) نے

ع یہ دونون ادیب اسلام کی پہلی صدیون کے نامور ادیب اور [illegible] روایت عرب کے عالم بے بدل تھے۔ ابو تمام کا نام حبیب بن اوس تھا وہ بنی طے مین سے تھا ادب و شاعری مین استاد زمانہ تھا۔ اس کی کتاب "حماسہ" نہایت مشہور و مقبول ہے اور آج تک [illegible] عربی کے نصاب مین داخل ہے۔ اس نے اپنے ایک مجموعۂ اشعار کا نام "[illegible] الشعرا" رکھا جس کے معنے شعرائے نامور کے سمجھنے چاہیے۔ اس مین جاہلین (جاہلیت کے شاعرون) مخضرمین (وہ شاعر جنھون نے جاہلیت و اسلام دونون زمانون کو دیکھا) اور اسلامیین (شعرائے عہد اسلام) کا نہایت ہی عمدہ انتخاب کیا ہے۔ اس کی ایک اور کتاب [illegible] "اختیار [illegible]" ہے اس مین محض شعرائے سلف کے مقبول و پسندیدہ اشعار [illegible] کہتے ہین اس کو اتنے اشعار زبانی یاد تھے کہ اور کسی کی نسبت نہین سنے گئے کہتے ہین کہ قصیدے [illegible] اور متفرق [illegible] کے سوا اس کو صرف چودہ ہزار عربی مثنویان بزبان یاد تھیں۔ اس عہد کے ایک رئیس اور [illegible] ملک ابو دلف عجلی کی مدح مین اس نے قصیدہ پڑھا۔ ابو دلف نے پچاس ہزار درہم صلے مین دیے اور کہا خدا کی قسم [illegible] اس قصیدے سے کہین [illegible] ہے۔ اس لیے کہ آپ کی اس نظم کو [illegible] جو آپ نے محمد بن حمید طوسی کے مرثیے مین کہا ہے اور کوئی نظم بہتر نہین ہو سکتی" ابو تمام نے کہا [illegible] کے [illegible] قومون نے کئی مرثیے کہے ہین [illegible] سے کس مرثیے [illegible] آپ نے [illegible] فرمایا [illegible]

پھر بعد ازان ابو الفرج[عہ] اصفہانی المتوفی ۳۵۶ھ محمدی (۹۶۶ء) نے ان تمام

اُس مرثیہ کا مطلع پڑھا اور کہا کاش مین مرگیا ہوتا اور یہ مرثیہ آپ نے میرے مرنے پہ کہا ہوتا۔ اس لیے کہ جس شخص کے غم مین یہ مرثیہ ہو وہ مر نہین سکتا۔ وہ ابد الآباد تک جیتا رہے گا۔"

لوگ کہتے ہین کہ بنی طے مین تین ایسے شخص پیدا ہوئے کہ ساری دنیا مین اُن کا جواب نہین ہوا۔ حاتم طائی کا سخاوت مین۔ داؤد طائی کا زہد و تقویٰ مین۔ اور ابو تمام طائی کا شعر و سخن مین

آخر عمر مین وہ شہر موصل کی ڈاک کا مہتم مقرر ہو گیا تھا۔ ۱۹۲ھ محمدی (۸۰۸ء) مین مضافات دمشق کے قریۂ جاسم مین پیدا ہوا تھا۔ گندم گون کشیدہ قامت فصیح البیان اور شیرین زبان تھا۔ مگر بات اس قدر جلدی کرتا تھا کہ بعض اوقات سمجھنا دشوار ہو جاتا۔ ۲۳۱ھ محمدی (۸۴۵ء) مین چالیس ہی سال کی عمر تھی کہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ نوشل بن حمید طوسی نے اُس کی قبر پر ایک مقبرہ بنوا دیا جو مدت تک تمام شاعر کا مقبرہ کہلاتا

عہ ابو الفرج علی بن حسین اُموی اصفہانی۔ یہ ادیب خاص خلفاے بنی اُمیہ دمشق کی نسل سے اور اُن کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کا پر پوتا تھا۔ مگر باوجود بنی امیہ مین ہونے کے اُس کا شمار شیعیان علی مین کیا گیا ہے۔ اُس کی کتاب اغانی جو اکیس جلدون مین ہے ادب و حالات عرب کی ایک ایسی عدیم المثال کتاب ہے کہ بہ اتفاق علماے سلف اپنا جواب نہین رکھتی۔ صاحب علم فرمان رواے اسپین صاحب بن عباد کے ہمراہ سفر اور دورے مین تین سو اونٹون پر اُس کا کتب خانہ رہا کرتا تھا۔ اغانی تصنیف ہو کے اُس کے پاس پہونچی تو کہنے لگا بس اب اتنے اونٹون کے رکھنے کی ضرورت نہین اکیلی یہی کتاب اغانی کافی ہے۔ اسپین کے خلیفہ اموی حکم نے جو علم کا بڑا قدر دان تھا اس کتاب اور مصنف کی بڑی قدر کی۔ ہزار دینار اُس کے پاس تحفہ مین بھیجے۔ اور اُس کے لیے اس مصنف نے بنی امیہ کی تاریخ اُن کے خاندانی نسبون اور ہر قسم کے حالات اور اُن کی شان مین قصیدے ... تھا۔ ان کے علاوہ اُس کی اور بہت سی کتابین ... خوب اور اُس عہد کی تصنیفون کا کوئی ادنےٰ سمجھی جاتی تھی ...

مگر وہ زندگی بھر وزیر مہلبی کی ذات سے ...
قصیدے کہتا اور اُسی کی قدر دانی ... ۳۵۶ھ ...

عربی نغمون اور گیتون کے منتخب مجموعے مرتب کیے جو جاہلیت عرب مین یعنی حضرت سرور عالم سے پہلے مروج تھے۔ اُن کی مجموعی ضخامت دَس جلدون کو پہونچ گئی۔ ابوالفرج اصفہانی نے اِس کے علاوہ اپنی مشہور کتاب اغانی مین اُن تمام گیتون اور نغمون کو بھی مرتب کر کے شائع کر دیا تھا جو علی العموم عربون مین مروج و متداول تھے۔ اس ضخیم عربی کتاب کو یورپ مین کوسے گارٹن نے ۱۸۴۰ عیسوی (۱۲۵۶ھ) مین نہایت خوبی و تحقیق سے چھاپ کے شائع کر دیا ہے پھر اُس کی نقل دوبارہ مصر مین چھپی۔ اور اب دنیا کے تمام مشہور کتب خانون مین موجود ہے۔

ان کتابون کے علاوہ عربی مین اور بہت سے اسی قسم کے مجموعے یعنی گلستانین ہین جو عموماً پسند کی جاتی ہین۔ مگر اُن مین سب سے بہتر اور نہایت مکمل وہ مجموعۂ انتخاب ہے جس کو ثعالبی[۱] نے مرتب کر کے ”یتیمۃ الدھر“ کے نام سے شائع کیا ہے۔ ثعالبی کی وفات کے بعد اور

مین پیدا ہوا تھا اور ۳۵۹ھ محمدی (۹۶۶ء) مین خاص بغداد مین وفات پائی۔

[۱] ثعالبی کا پورا نام ابو منصور عبدالملک بن محمد بن اسمٰعیل ثعالبی تھا۔ اپنے عہد مین علم و ادب کے استاد بے ہمتا اور نظم و نثر مین مرجع عالم تھے۔ ان کے سیرۃ نگار اُنھین اپنے زمانے کے تمام مصنفون کا سردار اور سارے مولفین کا امام بتاتے ہین۔ زندگی ہی مین اُن کا نام ہر جگہ ادب و شعر مین ضرب المثل ہو گیا تھا۔ اور اُن کی زیارت کے شوق مین دور دور سے ادیبون کے قافلے برابر آتے رہتے تھے۔ اُن کے دیوان یکایک دنیا مین شائع ہوئے تو تمام لوگون کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے افق مشرق سے ماہتاب اور تارون نے طلوع کیا ہے۔

ان کی کتابون مین سب سے زیادہ مشہور و مقبول ”یتیمۃ الدھر فی محاسن اہل العصر“ ہے جس مین تمام شعرائے عرب کا منتخب کلام جمع کر دیا ہے۔ یہ اس فن یعنی فن گلستان کی تمام کتابون سے بڑی اچھی اور بہت حاوی ہے۔ اس کی تعریف مین ابوالفتوح نصراللہ اسکندری نے جو ایک نازک خیال شاعر عرب تھا اور بہت مشہور تھا یہ دو شعر کہے ہین۔

ابیات اشعار الیتیمہ　　　ابکار افکار قدیمہ

یتیمہ کے اشعار قدما کے ابکار افکار یعنی اُن کی طبعزاد دوشیزائین ہین۔

ماتوا و عاشت بعدھم　　　فلذاک سمیت الیتیمہ

وہ سلف مر گئے اور وہ اُن کے بعد زندہ رہین اس سبب سے اُن کا نام یتیمہ پڑ گیا۔

لوگون نے اُس کو اور بڑھایا۔ اور زیادہ مکمل کیا جو آج تک موجود و متداول و مشہور ہے۔

لیکن عربون نے انتھالوجی (فن گلستان) مین کتابین تو لکھین۔ مگر اُس کے یونانی نام کو نہین لیا۔ بلکہ ہر مولف نے اپنی کتاب کا ایک جداگانہ نام رکھ دیا۔

عربون کے اتباع اور اُن کی علمی تعلیم سے فارسی، ترکی، ہندوستانی اور دیگر السنۂ مشرق مین بھی اِس فن کی صدہا کتابین تصنیف ہوئین۔ فارسی مین جتنے شعرا کے تذکرے ہین اُن مین زیادہ تر مقصود شاعرون کے حالات نہین بلکہ اُن کے کلام کا انتخاب ہوتا ہے۔ اور سچ پوچھیے تو انتھالوجی یعنی فن گلستان کی کتابین ہین۔ سعدی نے اگرچہ دوسروں کے کلام یا دیگر شعرا کی نظمون کو نہین جمع کیا۔ مگر درحقیقت اُن کی کتابین مختلف واقعات عالم۔ تجربون نصیحتون۔ دانا اگلے کارنامون کا انتخاب ہین جو اور اخلاقی اصول پر مرتب کیے گئے ہین لہذا صحیح معنون مین اُن کی دونون کتابون۔ گلستان اور بوستان پر انتھالوجی" "خرمن گل" یا "گلستان" کے لفظ صادق آتے ہین۔ اور یقیناً اُسی خیال سے ادھر اس فن کی حقیقت و تاریخ کو معلوم کر کے انھون نے یہ دونون نام اختیار کیے ہین جو ان کو براہ راست نہین تو بواسطہ یونانی سے ملے ہین۔ فارسی مین کلام شعر کو پھول سے تعبیر کرنے کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ اردو مین مجموعۂ اشعار کا عام نام "گلکدہ" یا "گلدستہ" مشہور ہو گیا ہے۔ فارسی مین "گلستان مسرت" کے نام سے اس فن کی ایک اعلیٰ درجے کی مکمل کتاب مصطفائی مطبع نے لکھنؤ سے شائع کی تھی جو اب دستیاب نہین ہوتی۔

اردو مین بھی اس فن نے بہت ترقی کی۔ جتنے گلدستے نکل رہے تھے

ثعالبی کی اور بھی کتابین ہین جن سے اُن کی وسعت نظر کا پتہ لگتا ہے سنہ ۳۵۰ محمدی (سنہ ۹۶۱ء) مین پیدا ہوئے اور سنہ ۴۲۹ محمدی (سنہ ۱۰۳۸ء) مین سفر آخرت کیا اُن کو ثعالبی اس لیے کہتے ہین کہ ثعلب لومڑی کو کہتے ہین اور اُن کا اصلی پیشہ یہ تھا کہ لومڑیون کی کھالون کو بناتے اور درست کرتے اور پھر اُن کو سیتے تھے۔

یا اب نکلتے ہین سب اسی فن کی کتابین "خرمن گل" یا "گلستان" ہین مگر اُن کے علاوہ اور بھی بہت سے مجموعہ ہائے اشعار مختلف حیثیتون سے منتخب کیے گئے ہین بعض مین عوام کے مذاق کی غزلین جمع کی گئی ہین بعض مین گانے کی غزلین اکٹھا کر دی گئی ہین۔ دو چار ایسے بھی ہین جن مین اچھا اور مقبول کلام چھانٹ لیا گیا ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ ابھی تک اردو مین کوئی ایسا مستند و مقبول عام انتخاب نہین شائع ہوا جو یونانی و عربی گلستانون کا جواب ہو سکے۔

مگر چینی زبان مین "نغمون کی کتاب" کے نام سے کنفیوشیس کی مرتب کی ہوئی ایک گلستان موجود ہے۔ جو ادب مشرق کا ایک قدیم ترین اور سب سے پہلا مجموعہ انتخاب ہے۔ اس لیے کہ کنفیوشیس حضور سرور عالم سے قریباً بارہ سو برس پیشتر تھا۔ لہذا اُس کی گلستان کی نسبت سمجھنا چاہیے کہ آج سے ڈھائی ہزار سال پیشتر کی لکھی ہوئی ہے جبکہ بخت نصر ارض فلسطین اور بیت المقدس کو پامال اور بنی اسرائیل کو جلا وطن کرنے کے لیے اسیر کر رہا تھا۔ اہل چین اپنی اس قدیم گلستان کو ایک الہامی و آسمانی کتاب خیال کرتے ہین۔ اور اُس کا بڑا ادب کرتے ہین۔

افسوس کہ سنسکرت مین سب علم ہین مگر تاریخ کی قسم کی کوئی چیز نہین۔ اور اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ اُس مین کسی قدیم انتھالوجی (گلستان) کا بھی پتہ نہین لگا۔

تاج

تاج کو بعض لوگ سر کا ایک زیور بتاتے ہین۔ مگر اصل مین یہ زیور نہین بلکہ ایک زیور نما مرصع و مکلل ٹوپی کا نام ہے جو امتیاز کے لیے پہنی جاتی تھی۔ ابتداءً فقط بادشاہون کے ساتھ مخصوص تھی اور اُن کے سوا کوئی بھی اس کو نہ پہن سکتا تھا لیکن بعد کے زمانے مین بادشاہون نے اپنی فیاضیون سے شاہزادون امیرون اور معزز و ممتاز لوگون کو بھی حسب حیثیت تاج عطا کرنا شروع کر دیے۔ اس کا

پتہ لگانا غیر ممکن ہے کہ تاج کا پہلا موجد کون ہے یا پہلے پہل کس قوم سے اس کا آغاز ہوا۔ ہر قوم اپنی تاریخ مین اپنے کسی قدیم بادشاہ کو اُس کا موجد بتاتی ہے ہندوؤن مین ہم زمانہ اور مہابھارت کے زمانون مین بھی مکٹ (تاج) کا رواج پاتے ہین۔ مگر توراۃ کی تاریخ سے چونکہ قدیم ترین تمدن آشوریا یعنی فرمان روایان نینوا کا ثابت ہوتا ہے اس وجہ سے موجودہ مورخین نے یہ رائے قائم کر لی ہے کہ تاج کی ایجاد سب سے پہلے وہان کے بادشاہون سے ہوئی۔

علامہ مسعودی مروج الذہب مین کہتے ہین۔ "دنیا مین سب سے پہلے جس نے تاج پہنا وہ سریانی (یعنی اشوریا کا) بادشاہ نمرود سان تھا۔ اُس نے پہلے پہل تاج کو ایجاد کیا۔ پھر مسعودی ہی کے مطابق ایران والے تاج کا موجد اور پہلا تاجدار کیومرث کو بتاتے ہین۔

انسان ابتداءً پتون سے ستر پوشی کرتا تھا۔ اس وقت اور اُس کے بعد بھی یعنی کپڑے اور چمڑے کے لباس کے مروج ہو جانے کے بعد مدتون تک جسمانی آرائش و زیبائی پتون اور پھولون ہی سے ہوا کرتی تھی چنانچہ تاج کا پہلا نمونہ بھی پتون کا ایک ہار تھا جو سر مین لپیٹ لیا جاتا۔ یہی اور اسی شکل کا تاج پہلے پہل دنیا کی تمام متمدن قومون مین مروج ہوا۔ اس کے بعد جب جواہرات اور سونے چاندی سے زیب و زینت کا کام لیا جانے لگا تو تاج مین بھی ان چیزون نے پھولون اور پتیون کی جگہ لینا شروع کی۔ چنانچہ ہندوستان کے راجاؤن کے قدیم تاج اُن کی تصویرین دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت ہی قیمتی بھاری اور مرصع بہ جواہر تھے۔ یہی کیفیت ایرانی تاجدارون کے تاجون کی بھی معلوم ہوتی ہے۔ مرصع تاجون کی سب سے پہلی وضع یہ تھی کہ ایک پٹی مین ایک ہیرا نصب کیا جاتا۔ وہ پٹی سر مین لپیٹ کے پیچھے کی طرف باندھ دی جاتی۔ اور ہیرا پیشانی کے اوپر چمکتا رہتا۔ یونان کے سب سے بڑے دیوتا جوپیٹر مصر کے یونانی فرمان روا بطلیموس اور شاہان شام کے بادشاہون کی مورتون کے سرون پر اسی وضع کا تاج نظر آتا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان صنفون تاج کی خصوصیت بادشاہ ہی کے لیے نہ تھی اور بہت سے معزز

عہدہ دار و معتمدین دربار بھی تاج پہنا کرتے۔ مگر بادشاہ کے تاج میں اور اُن لوگوں کے تاجوں میں نمایاں فرق ہوتا۔ بادشاہ کے تاج کی پٹی سنہری ہوتی۔ اور دیگر عہدہ داروں کے تاجوں کی اور رنگ کی۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اس پٹی میں اور زیادہ کام ہونے لگا۔ اور دیگر اقسام کے بیش قیمت جواہرات بھی جڑے جانے لگے۔

ایرانیوں میں ساسانیوں کے آخر عہد تک ثابت ہوتا ہے کہ والیان ملک اور مخصوصین دربار کو خاص وضع اور خاص درجے کے تاج عطا ہوا کرتے جو نہایت ہی قیمتی ہوتے۔ عربوں سے اُن سے جب لڑائی ہوئی ہے تو عجمی سردار اپنے تاجوں سے پہچان لیے جاتے تھے کہ وہ کس رتبے اور درجے کے سردار ہیں۔ چنانچہ سب سے اعلیٰ رتبے کا سردار ایک لاکھ دینار کا تاج پہنا کرتا جو اسے دربار خسروی سے عطا ہوتا۔ ان سرداروں کو قتل کرنے کی بدولت کئی صحابیوں کو اُن کے تاج ہاتھ آئے۔ جنھوں نے اُن کو دولت سے مالامال کر دیا۔ اس قدر نہیں شاہان عجم نے تاج کی وضعوں اور اُس کے پہننے کے طریقوں میں طرح طرح کے اسرار و اشارات مقرر کر رکھے تھے۔ سب سے زیادہ قیمتی اور مرصع تاج ساسانی شاہان ایران کا تھا۔ جس کی نسبت مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دربار کے مکان میں صدر مقام پر عین تخت کے اوپر دو مرصع طلائی ستونوں کے درمیان سونے کی زنجیروں میں لٹکا رہتا۔ وہ اس قدر بھاری اور وزنی تھا کہ کسی انسان کا سر اُس کا بوجھ اُٹھا ہی نہ سکتا۔ مگر وہ تخت سے اتنا بلند رہتا کہ بادشاہ جب سریر خسروی پر جلوہ فرما ہوتا تو وہ تاج جو اُوپر آویزاں تھا اُس کے سر میں پہن جاتا اور اہل دربار کو نظر آتا کہ بادشاہ اُس کو پہنے ہوئے ہے۔

ایرانیوں ہی کو دیکھ کر یونانیوں میں یہ [illegible] تاج عزت کی علامت سمجھا جاتا۔ یونان میں یہ بھی رواج تھا کہ اُن کے قومی دنگلوں میں جو لوگ شہسواری، شہ زوری، شمشیر زنی، نیزہ بازی، یا دوڑ میں سبقت بازی لے جاتے اُن کو انعام میں بجائے تمغے کے ایک تاج دیا جاتا۔ اسی طرح یہ تاج اُن لوگوں کو بھی ملتا جنھوں نے اپنے ملک کی کوئی نمایاں

خدمت انجام دی ہوتی۔ مگر یہ سب تاج پھولون اور پتون کے ہوتے جن کی قیمت تو کچھ نہ ہوتی۔ مگر عزت بہت بڑی تھی۔

یونانیون سے تاج کو رومیون نے لیا۔ اور اُن مین اُس کا رواج زیادہ تعمیم کے ساتھ تھا۔ اُن مین سب سے زیادہ معزز و ممتاز تاج کورونا اوبسیی ڈیونالیس کہلاتا۔ یہ تاج کسی محصور شہر یا فوج کی طرف سے اُس سپہ سالار کو عطا ہوتا جس نے اُن کو دشمن سے نجات دلا کر آزادی دی ہوتی۔ یہ تاج فقط جنگلی پتیون اور پھولون سے بنایا جاتا جو اُسی مقام پر آسانی سے جمع کر لیے جا سکتے۔ اس کے بعد اُس تاج کا درجہ تھا جو سوک کہلاتا۔ یہ شاہ بلوط اور درخت آدک کے پتون سے بنایا جاتا۔ اور اُس بہادر و جانباز سپاہی کو مرحمت ہوتا جس نے کسی میدان جنگ مین کسی رومی باشندے کی جان بچائی ہوتی۔ جس شخص کو یہ تاج ملتا اُس کو اُس کے ساتھ اور بہت سے حقوق بھی مل جاتے۔

رومیون مین ایک اور تاج تھا جو مورل کہلاتا۔ یہ سونے کا ہوتا اور اُس پر قلعے کے برج اور دمدمے بنے ہوتے۔ یہ اُس سپاہی کو ملتا جو کسی محصور شہر کی فصیل پر لڑائی مین سب سے پہلے سیڑھی لگا کے چڑھ جاتا۔ اس کے علاوہ ایک اور تاج جو کرونہ والاریس کہلاتا اُس شخص کو دیا جاتا جو کسی دشمن کے پڑاؤ یا مورچے مین سب کے پہلے گھس پڑتا۔ اسی طرح کرونہ نادالیس اُس بہادر کو عطا ہوتا جو سب سے پہلے دشمن کے جہاز پر قدم رکھتا۔ اِن مذکورہ تاجون مین سے مورل اور سوک تاج آج بھی وہان نقیبون مین مستعمل ہین۔

رومیون مین تین طرح کے اعزازی تاج تھے جو "فتح کے تاج" کہلاتے یہ حسب رتبہ اُن سپہ سالارون کو ملا کرتے جو کسی مہم کے سر کرنے اور فتح حاصل کرنے کے بعد جلوس اور فوج کے ساتھ شان و شوکت سے رومتہ الکبریٰ مین داخل ہوا کرتے۔ اِنھین پر منحصر نہین اور وضعون کے مختلف تاج بھی اہل روم مین مروج تھے جو مختلف درجون اور جداگانہ

جیتیون کے ناموردن کو ملا کرتے۔ اُنھین مین چند مقدس تاج بھی تھے جو سونے کے ہوتے یا غلّے کی بالیون یا درختون کی پتیون سے بنا لیے جاتے۔ اِن تاجون کو مقتدایان دین اور دیگر حاضرین چڑھاوے اور قربانی کے موقع پر پہن لیا کرتے۔ اور غالباً اُنھین سے پاپاؤن نے اپنے تہرے تاج اور اسقفون اور ربّیون نے خاص خاص وضعون کے تاج حاصل کیے ہین جو کیتھولک مسیحیون مین آج تک مروج ہین۔

اہل روم مین ایک قسم کے ماتمی تاج بھی تھے جو معزز مُردون کو پہنائے جاتے۔ اس تاج کا آغاز یونانیون سے ہو چکا تھا۔ چنانچہ اُن کے وہان یہ لاشون کو پہنانے کے تاج ایک قسم کی ہری خوش رنگ گھانس سے بنائے جاتے۔

رومی اپنی دلچسپی کی محفلون اور عیدون مین بھی ایک قسم کا تاج پہنا کرتے جو پھولون کے ہارون سے بنتا۔ اور اسی وضع کا تاج رومی دلھنین بھی پہنا کرتین جس کے لیے وہ خود اپنے ہاتھون سے توڑ کر پھول جمع کرتین اور اُن کو گوندھ کے شادی وزفاف کے موقع پر پہن لیا کرتین۔ اِس قبیل کا ایک تاج زچگی کے لیے مخصوص تھا۔ یہ ہار کی وضع مین گوندھ کر اُس کمرے یا کوٹھری کے دروازے پر لٹکا دیا جاتا جس مین بچہ پیدا ہوتا لیکن یہ شادی و زچگی کے تاج ہندوستانیون کے مذاق کے مطابق تاج نہین کہے جا سکتے۔ شادی والا تو ہمارے نزدیک سہرا تھا۔ اور زچگی والے تاج کو بجاے تاج کے بندنوار کہا جائے تو شاید زیادہ موزون ہوگا۔

عرب مین بعد جاہلیت تاج کا ہونا یقینی ہے۔ اس لیے کہ قدیم شاہان یمن نے آشوریا اور عجمیون کے تعلقات سے بعدازان والیِ حیرہ و کندہ کی ریاستون نے ساسانیون سے اور بنی غسان کی سلطنت نے رومیون سے ضرور دیگر اوضاع و اطوار شہریاری کے ساتھ تاج بھی حاصل کر لیے تھے۔ اس لیے کہ شاہان فرنگ و عجم مین اُن دنون علی العموم تاجون کا رواج تھا۔ جاہلیت کا نامور شاعر عمرو بن کلثوم تغلبی اپنے قصیدہ معلقہ

مین پہلے اس پر فخر کرتا ہے کہ ہم نے کبھی بادشاہ کی اطاعت نہین کی۔ اور مصرعہ ہے "وسید معشر قد توجوہ" (اور سردار جماعت جسے لوگون نے تاج پہنایا) اس کے بعد کہتا ہے کہ اس تاج پوش کو ہم نے قتل کر کے ڈال دیا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ بادیہ نشین عربون کی آزادی اس سے نفرت کرتی تھی کہ تاجدارون کی اطاعت کرین مگر ان مین بادشاہ کہلانے والے تاجدار ہو چکے تھے۔ لیکن طلوع نیر اسلام سے پہلے کی باتین ہین۔

ظہور اسلام کے بعد چونکہ حکمرانی کا پہلا نمونہ اس معصوم ناموس الہی نے دکھایا جو انوار قدس کا سرچشمہ تھا اس لیے شاہی و شہریاری انسانی آزادی پر قربان کر دی گئی۔ اور حکمرانی و امارت محض چوپانی اور قوم کی خدمتگزاری کا نام رہ گیا۔ اسی وجہ سے مسلمانون مین مدت ہاے دراز تک فرمانرواؤن کے لیے سوا خلیفہ و نائب رسول کے اور کوئی لفظ نہین تھا۔ خدا مراتب اعلی کرے حضرت عمر فاروق کے کہ انھون نے "امیرالمومنین" کا ایک سادہ سا لقب بتا دیا جو آج تک خلفا کا سرمایۂ ناز رہا۔ اس لیے کہ مسلمانون کا بادشاہ اور شہنشاہ صرف خداوند کریم تھا۔ کئی صدیون تک یہ حالت رہی کہ "بادشاہ" کے لقب سے مسند آرایان خلافت باوجود ہر طرح کے کر و فر کے ڈرا کرتے اور عوام اسلام ان الفاظ کو خدا کے سوا کسی بندے کی طرف منسوب کرنا شرک اور ناجائز تصور کرتے۔ یہان تک کہ خلافت کمزور پڑی۔ عربی معاشرت نسیاً منسیا ہو گئی۔ اور اسلامی وضعداریان اکاسرہ و قیاصرہ کے تتبع اختیار کر لینے کے باعث بالکل مٹ گئین۔ دیلمیون۔ آل بویہ۔ اور سلجوقیون کا زور ہوا جو خلیفہ تو نہ مانے جا سکتے تھے مگر سطوت و جبروت مین خلفا سے بڑھے ہوئے تھے۔ امیرالمومنین اور خلیفہ کے القاب مسند خلافت ہی سے چپک کے رہ گئے۔ لہذا ان کے لیے نئے معزز القاب کی تلاش ہوئی۔ اسی جستجو نے چند روز مین امیرون کو سلطان و بادشاہ بنا دیا۔ آخر بادشاہ۔ سلطان۔ اور شہنشاہ کے لقب مسلمانون کو ایسے مانوس ہو گئے کہ ان کے استعمال کرنے مین نہ شرع کا پاس تھا۔ اور نہ شرک کا اندیشہ۔ چنانچہ حکمرانان۔ غزنوی۔ سلجوقی۔ زنگی و ایوبی

سب سلطان کہے جانے لگے۔ چین و افریقہ مین تو البتہ جہان عربی معاشرت پر بیرونی [illegible] کم پڑا بادشاہ اور سلطان کے الفاظ کم استعمال ہوئے باقی مشرق کے تمام سلمان [illegible] شاہی سے [illegible] سب کے سب سلطان بادشاہ اور شہنشاہ کہے جانے لگے۔

[illegible] میں اس شرکانہ [illegible] اعتبار کو یہان تک ترقی ہوئی کہ صیغۃ الاعتقاد [illegible] رکو [illegible] ہجو [illegible] شروع کردیا۔ اور القاب مین تو ایسی [illegible] خدا کے لیے کوئی نام اور لقب نہین باقی رہا اور حضرت رب العزت [illegible] القاب و صفات مستعمل ہوتے تھے سب [illegible] یان سلطنت [illegible] مستعمل ہونے لگے۔

[illegible] دوسرے الفاظ مین یون کہا جاسکے کہ فرعون کو مسلمان تو تمام [illegible] ہوگئے۔ [illegible] کو آج مسلمان حیرت سے دیکھین گے کہ قدیم [illegible] نے اختیار کیا۔ وہی عربی عمامہ جو [illegible] عرب مین [illegible] تھوڑی ترمیم و ترقی کے ساتھ خلفا [illegible] اور ان کے بعد سلاطین و شاہان اسلام [illegible] تاج کا کام دیتا رہا۔ تاج کا جو خیال عالم ہندوستانیون کے ذہن مین [illegible] انگریزون اور [illegible] سے ہوا ہے۔ خصوصاً جب انگریزون نے یہ تاج [illegible] لکھنؤ کو دیا تو سارے ہندوستان مین یہ خیال پھیل گیا کہ تاج ایسا اور اس وضع کا ہوتا ہے۔ ورنہ مسلمانون مین کہین اور کسی جگہ سوا مقطع اور شاندار عمامون کے اس قطع کے تاجون کا رواج نہین رہا تھا۔ چند [illegible] بعد ان عمامون مین بڑے بڑے قیمتی موتی اور جواہرات لگائے جانے [illegible] اس پر یہ ترقی ہوئی کہ ایک یا کئی کلغیان قائم کردی گئین۔ کلغیون کا [illegible] خلفا [illegible] بنی عباس کے عہد تک ثابت نہین ہوتا۔

[illegible] خلفا کے بعد جب مسلمانون مین سلاطین اور بادشاہون کی حکومت جاری ہوئی تو تاج کے عوض تاج کی کلغیان لے کے مرصع جیغون کے ساتھ شاہی عمامون مین لگائی جانے لگین۔ سلاطین آل عثمان شاہان ہند اور فرمانروایان عجم سب کے تاج یہی کلغی دار عمامے تھے۔ ایران کے بادشاہون مین

خصوصاً آخر زمانے مین ایک لمبی اونچی کنگرہ دار ٹوپی کا رواج معلوم ہوتا ہے جو اُن کی تصویرون کے سرون پر نظر آتی ہے - مگر یہ کلاہ یا یارخ بھی جس نے تھوڑی تبدیلی کے ساتھ موجودہ ایرانی ٹوپی کو پیدا کیا ہے - اس ٹوپی کو اس لیے تو تاج کہہ سکتے ہین کہ شاہان ایران کے سرون سے زینت و عزت پاتی تھی مگر فی نفسہ اُس کو تاج سے کوئی تعلق نہ تھا -

---

نکاح جعفر و عباسہ کی تحقیق

سترھوین دلیل - امام تاریخ و لغت ابو عبداللہ بن مسلم معروف بہ ابن قتیبہ کاتب دینوری المتوفی سنہ ۲۷۶ھ اپنی مشہور کتاب معارف مطبوعہ لندن صفحہ ۱۹۲ مین لکھتے ہین :-

واما العباسة فزوجها هارون من محمد بن سلیمان فمات عنها فزوجها من ابراهیم بن صالح بن علی - مگر عباسہ بنت مہدی تو نکاح کیا اُس کا ہارون نے محمد بن سلیمان سے . پھر عباسہ کو چھوڑ کر اُنھون نے انتقال کیا تو ابراہیم بن صالح بن علی سے اُس کا نکاح کیا -

ابن قتیبہ کی اس صراحت سے ثابت ہے کہ عباسہ کا پہلا نکاح محمد بن سلیمان سے اور اُن کے انتقال کے بعد ابراہیم بن صالح سے ہوا - اور یہ صراحت نکاح جعفر و عباسہ کے واقعے کو باطل کر دیتی ہے -

اب دیکھو کہ کتاب اعلام الناس قتل جعفر کے نوسو چودہ برس کے بعد سنہ ۱۱۰۰ھ مین تالیف ہوئی ہے مورخ کامل ابن اثیر جس کا انتقال سنہ ۶۳۰ھ مین ہوا ہے اُس نے اپنی تاریخ کامل جعفر کے قتل کے چار سو تینتالیس برس کے بعد سنہ ۶۳۰ھ مین تکمل کی ہے -

علی بن حسین مسعودی جس کی وفات سنہ ۳۴۶ھ مین ہوئی اُس نے قتل جعفر کے ایک سو انچاس برس کے بعد سنہ ۳۳۶ھ مین مروج الذہب کی تالیف کی ہے -

ابن جریر طبری جس کا سال وفات سنہ ۳۱۰ھ ہے اُس نے قتل جعفر کے ایک سو پندرہ برس کے بعد سنہ ۳۰۲ھ مین تاریخ طبری مرتب کی -

تاریخ آل برمک جو ضیاء الدین ضیاء برنی کی تصنیف ہے ۷۵۸ھ مین لکھی گئی ہے۔ کتاب الفخری جس کا مشہور نام آداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ ہے اُس کی تالیف کا ٹھیک سال تو متحقق نہین ہوا لیکن کتاب کے مصنف محمد بن علی معروف ابن طقطقی کا انتقال ۷۰۹ھ مین ہوا۔ اس لیے ظاہر ہے کہ یہ کتاب زوال دولت عباسیہ کے بعد چھٹی صدی مین تصنیف ہوئی۔

روضۃ الصفا کا مولف میر خواند محمد بن خاوند شاہ بن محمود ۲ رجب ۹۰۳ھ مین فوت ہوا ہے اس لیے یہ کتاب نوین صدی کی تالیف ٹھہرتی ہے۔

یہ سب سات متداول کتابین ہین جن مین نکاح جعفر و عباسہ کی کہانی کمی وبیشی کے ساتھ مذکور ہے۔ سب سے پہلی تصنیف جس مین نکاح جعفر و عباسہ کی کہانی ہے تاریخ طبری ہے جو قتل جعفر کے ایک صدی کے بعد لکھی گئی ہے۔ لیکن تاریخ طبری نے خود واقعہ و روایت کی توثیق نہین کی بلکہ یہ لکھا کہ اسباب زوال برامکہ مین سے ایک سبب یہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ بعد کو جو جو زمانہ گزرتا گیا رفتہ رفتہ یہ روایت جو ایک شخص کے مُنہ سے تصنیف ہوکر نکلی تھی واقعیت کا رنگ بلکہ افسانے کی صورت پکڑتی گئی یہانتک کہ روضۃ الصفا۔ اعلام الناس اور تاریخ آل برمک نے اتنا اضافہ کیا جو تاریخ طبری کے مصنف کے حاشیۂ خیال مین بھی نہ گزرا ہوگا۔ اور مورخ تاریخ آل برمک نے تو ایک اچھا خاصا عجیب افسانہ لکھ کر فسانۂ عجائب کو بھی نظرون سے گرادیا۔

جعفر و عباسہ کا نکاح اور خاندان برامکہ کی بربادی ایسے دو اہم واقعے ہین جن کو ہر زمانے ہر دور اور ہر طبقے مین متواتر الروایت ہونا چاہیے یا کم سے کم ہر زمانے مین اُس کے روایت کرنے والے کثرت سے پائے جائین۔ یہان معاملہ بالکل برعکس ہے۔

جعفر ۱۸۷ھ مین قتل ہوا لیکن قدماء کی کتابون مین جو اس عہد سے قریب تھے اِس واقعے کا مطلق ذکر نہین ہے حالانکہ قتل جعفر کے اور تباہی برامکہ کے ذکر سے کوئی کتاب خالی نہین ہے۔ چنانچہ ابن قتیبہ جس کا انتقال قتل جعفر کے اُناسی (۷۹) برس کے بعد ۲۷۶ھ مین ہوا ہے۔ جعفر و عباسہ کے نکاح کا کچھ ذکر نہین کرتا۔

بلکہ اُس کے خلاف یہ صراحت کرتا ہے کہ عباسہ کا نکاح پہلے [illegible] سے اور محمد بن سلیمان کے انتقال کے بعد ابراہیم بن صالح سے ہوا۔

یہ ناممکن ہے کہ واقعہ ہوا ہو اور ابن قتیبہ نے جان بوجھ کر درج نہ کیا ہو کیونکہ ایسے اہم اور عظیم الشان مشہور واقعے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اور فرض کرو کہ ایسا ہوا تو ہم دو صورتوں میں سے ایک کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ یا تو ابن قتیبہ کو نکاح جعفر و عباسہ کی خبر نہیں ملی یا اُس نے قصداً نہیں لکھا۔ اگر خبر ہی نہ ملی تو یہ واقعے کے غلط ہونے کی دلیل ہے کیونکہ وہ اپنی تاریخ میں اصل واقعے کو بتاتا اور عباسہ کے دو نکاحوں کی صراحت کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کہا جا سکتا ہے کہ جب ابن قتیبہ جیسے قریب العہد مورخ کو اطلاع نہیں ملی تو بعد والے مورخین کو واقفیت کیونکر ہوئی؟ ہاں اگر ابن قتیبہ پر بددیانتی کا الزام قائم کیا جائے کہ اُس نے جان بوجھ کر نہیں لکھا تو یہ توجیہ بے معنی ہے۔ اس بددیانتی کی کوئی وجہ بتانی چاہیے۔ پھر یہی بدگمانی طبری وغیرہ پر بطریق اولیٰ چسپاں ہو سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ ایسا نہ ہوا ہو اور اُن لوگوں نے لکھ دیا ہو۔ کیونکہ طبری وغیرہ کی حیثیت مدعی کی ہے اور مدعی پر واجب ہے کہ اپنے دعوے کا کافی ثبوت پیش کرے۔

بہرحال ابن قتیبہ سب سے پہلا اور قدیم مورخ ہے جو زمانہ ہارون رشید سے بہت قریب تھا۔ اُس کی تاریخ معارف کا اس واقعے سے خالی ہونا بلکہ اُس کے خلاف شہادت دینا اور بعد والے مورخین کی کتابوں میں اِس واقعے کی صراحت ہونی قصۂ جعفر و عباسہ کے غلط اور افترائے محض ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

اٹھارہویں دلیل۔ اب تماشا دیکھیے کہ علامہ یاقوت حموی رومی جن کا انتقال ۶۲۶ھ میں ہوا ہے، اپنی مشہور کتاب معجم البلدان (مطبوعہ یورپ جلد ۳ صفحہ ۲۰) میں جو علم جغرافیہ میں ہے ابن قتیبہ سے زیادہ صراحت کرتے ہیں۔

هي عبّاسة بنت المهدي تزوجها محمد بن سليمان بن علي ثم أدنيها

ثم تزوجها ابراهيم بن صالح فمات عنها ثم تزوجها محمد بن علی بن داؤد بن علی فمات عنها ثم اراد ان يخطبها عيسى بن جعفر فلما بلغه هذا الشعر بالله وحيا من الرجال تزوجها الی ان ماتت

(یعنی) عباسہ بنت مہدی سے نکاح کیا اُس سے محمد بن سلیمان بن علی نے پھر جب اُنھوں نے انتقال کیا تو نکاح کیا اُس سے ابراہیم بن صالح نے پھر وہ بھی جب ... زندگی میں فوت ہو گئے تو نکاح کیا اُس سے محمد بن علی بن داؤد بن علی نے پھر جب اُنھوں نے بھی قضا کی تو عیسی بن جعفر نے اُس کے نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ کیا لیکن جب اُن کو (ابو نواس کے) اس شعر کی اطلاع ہوئی تو اپنا ارادہ ترک کر دیا اور عباسہ کے ساتھ نکاح کرنے سے لوگ کنارہ کش رہے یہاں تک کہ عباسہ نے وفات پائی

علامہ یاقوت حموی۔ کامل ابن اثیر کا ہمعصر اور طبری سے تقریباً [illegible] پیچھے ہے پس اگر نکاح جعفر و عباسہ کے افسانے کی کچھ بھی اصلیت ہوتی تو ابن اثیر کی طرح یاقوت حموی بھی ضرور نقل کرتے۔ لیکن اس محقق نے قطعاً نظر انداز کر دیا اور اس سے ثابت ہے کہ اُن کے نزدیک بھی یہ ساری کہانی لاشے محض ہے۔

علامہ یاقوت حموی نے صراحت کی ہے کہ عباسہ کا پہلا نکاح محمد بن سلیمان سے ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد ابراہیم بن صالح سے اور اُن کی وفات کے بعد محمد بن علی بن داؤد سے ہوا۔ تیسرے شوہر محمد بن علی کے انتقال کے بعد ابو نواس شاعر نے عباسہ کی مذمت میں تین شعر کہے جن کو ہم دوسری دلیل کے تحت میں نقل کر چکے ہیں۔ اُن اشعار کا مطلب یہ ہے کہ ہارون رشید کسی کو قتل کرنا چاہے تو اُس کو تلوار سے نہ مارے۔ بلکہ عباسہ کے ساتھ اُس کا نکاح کر دے (کہ وہ خود بخود مر جائے گا) عیسی بن جعفر نے عباسہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہا تھا مگر جب اُس نے ابو نواس کے اِن شعروں کو سُنا تو اپنے ارادے سے باز آ گیا۔ اس کے بعد پھر کسی نے عباسہ سے نکاح کرنے کی جرأت نہیں کی یہاں تک کہ وہ مر گئی۔

نکاح جعفر و عباسہ کے ماننے والے مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ عباسہ کا پہلا نکاح جعفر سے ہوا۔ لیکن ابن قتیبہ اور یاقوت حموی کے بیانات سے ان کا

قرار واقعی تکذیب کر دی اور پھر اس تاویل کا موقع بھی نہیں دیا کہ شاید تیسرے شوہر محمد بن علی کی وفات کے بعد جعفر کا نکاح عباسہ کے ساتھ ہوا ہو کیونکہ یاقوت حموی نے صاف الفاظ میں صراحت کر دی کہ محمد بن علی بن داؤد کے انتقال کے بعد کسی نے عباسہ سے نکاح کرنے کی جرأت نہیں کی تا آنکہ عباسہ کا انتقال ہو گیا۔

انیسوین دلیل۔ خبر متواتر وہ خبر ہے جس کے روایت کرنے والے ہر دور میں اتنے لوگ ہوں جن پر جھوٹ کا گمان نہ ہو سکے اور اس کے بعد خبر مشہور کا درجہ ہے۔ نکاح جعفر و عباسہ کی خبر نہ متواتر ہے نہ مشہور ہے۔ کیونکہ منتہی سب کا طبری ہے اور طبری اس روایت میں منفرد ہے نہ اُس کے معاصرین میں سے کسی نے اس کا ذکر کیا نہ اُس سے پہلے کسی قدیم مورخ کی کتاب میں اس کا نشان ملتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ طبری کے پہلے اس خبر کا کوئی وجود نہیں تھا ورنہ محال ہے کہ ایسے اہم اور عظیم الشان خبر کو مورخین نظر انداز کرتے۔ پس ہمارے تمام دلائل مذکورہ بالا سے یہ بات متحقق ہو جاتی ہے کہ نکاح جعفر و عباسہ کا واقعہ طبری ہی کے قریب زمانے میں تصنیف ہوا۔ اور بعد والوں نے اُس کی کورانہ تقلید کی۔ اس طرح نقل در نقل ہو ہو کر یہ واقعہ موضوعہ اتنا مشہور ہو گیا جس کو آج ناواقفین اخبار مشہورہ میں شمار کرتے ہیں۔

ہندوستان میں مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

تنباکو میں بتی کی اصلاح سے پہلے جس کا سہرا ہمارے مکرم دوست منشی سید احمد حسین صاحب کے سر ہے اصلاح کی ایک اور کامیاب کوشش کی گئی تھی وہ یہ کہ تنباکو کی پتی اور ڈنٹھلوں کو خوب اچھی طرح اُبال کر اُس کا عرق نکال لیا جاتا ہے۔ اور پکاتے پکاتے وہ اس قدر گاڑھا کر دیا جاتا ہے کہ لیئی یا تاری افیون کی سی شکل ہو جاتی ہے پھر اُس میں مشک کیوڑا اور بہت سی مناسب خوشبوئیں ملا کے اس درجہ لطیف بنا دیا جاتا

کر پان کے ساتھ رتی برابر قوام کھا لیجیے تو تنباکو کا مزہ آنے کے ساتھ منہ مین دن بھر خوشبو آتی رہتی ہے پھر نفاست مزاجی نے اس پر اور زیادہ ترقی کی۔ یعنی اُس قوام کی ننھی ننھی گولیان بنائی جاتی ہین۔ اور ہر گولی ایک خوراک کی مقدار مین ہوتی ہے۔ پھر گولیون پر چاندی یا سونے کے ورق لپیٹ کر اُن کو ایسا خوشنما اور دلفریب بنا دیا جاتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے موتی رکھے ہوئے ہین۔ قوام اور گولیون کو مفتی گنج کی ایک بیگم صاحبہ بے مثل بناتی تھین۔ خاص لکھنؤ والے ان کو اُن کے ہاتھ کی بنی ہوئی گولیون کے سوا کسی کارخانے کی گولیان نہین پسند تھین مگر اُنھین کے زمانے مین اصغر علی محمد علی کے کارخانے نے ان دونون چیزون کو تیار کرکے سارے ہندوستان کے سامنے پیش کر دیا۔ چند روز بعد ان بیگم صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اور ہر جگہ اصغر علی کے کارخانے ہی کے قوام اور گولیون کا رواج ہو گیا۔ بعد ازان اور بہت سے لوگون اور متعدد کارخانون نے ان چیزون کو اپنے اہتمام سے تیار کیا۔ مگر ابھی تک کوئی بھی اصغر علی مرحوم کے کارخانے سے سبقت نہین لے جا سکا۔ لیکن قوام اور گولی مین ایک عیب تھا۔ وہ یہ کہ چاہے خوشبو دیر تک ٹھہر جائے مگر تنباکو کا مزہ اور اُس کا کڑوا پن پہلی ہی پیک مین جاتا رہتا۔ اسی عیب کے مٹانے کے لیے منشی سید احمد حسین صاحب نے یہ جدید مربہ و معطر پتی ایجاد کی جس کی تلخی اور عطریت آخر تک پان کا ساتھ دیے جاتی ہے۔ اور اسی خوبی کا نتیجہ ہے کہ یکایک دنیا کا رخ اس طرف پھر گیا اور قوام اور گولیان گو اب بھی تیار کیجاتی ہین مگر تقویم پارینہ ہو گئین۔ اور اُن کا مذاق گھٹنے کی یہی رفتار رہی تو امید ہے کہ تھوڑے زمانے مین بالکل مٹ جائین گی۔

پان ہی کے متعلق یا اُس کی مناسبت سے لکھنؤ مین چند اور ایجادین ہوئین مثلاً ایسی الائچیان ایجاد کی گئین کہ ایک الائچی کھا لیجیے تو منہ پان سے زیادہ سرخ ہو جائے۔ ان کی تیاری مین اگرچہ پان ہی کے اجزا سے کام لیا جاتا ہے جو رنگ ملا کر الائچی کے چھلکون مین بھر دیے جاتے ہین مگر بجز اس کے کہ رنگ چوکھا آتا ہے وہ پان کا بدل نہین ہو سکتین۔ اور کسی کو

پان کھانے کی غرض اُن مصنوعی الائچیوں سے نہیں حاصل ہو سکتی۔اسی طرح ایک اور قسم کی الائچیاں تیار کی گئیں جن میں مستی بھر دی جاتی ہے۔اور عورتیں بجائے اس کے کہ دیر تک بیٹھ کر مسی ملیں اس قسم کی ایک الائچی پان میں ڈال کر کھا لیں تو مستی خود بخود لگ جاتی ہے۔اور گہری نیلگونی خوب اچھی طرح ریخون میں جم کر بیٹھ جاتی ہے۔مگر ان دونوں قسم کی الائچیوں سے وہ مقصد خوبی نہ حاصل ہو سکا جس کے لیے ایجاد کی گئی ہیں۔مثلاً سرخ الائچیاں پان کا بدل نہیں ہو سکتیں۔اور سیاہ الائچیوں میں عمدہ معطر مسی کی خوشبو نہیں ہوتی اس لیے عام پسند اور مقبول نہ ہو سکیں۔اور آج تک اُن سے بجز مذاق اور دل لگی کے کوئی ضروری کام نہیں لیا جا سکتا جو لازمہ معاشرت ہو۔

اسی سلسلے میں ہمیں چکنی ڈلی کو بھی بیان کر دینا چاہیے جو اگر پان کا جزو لاینفک نہیں تو اُس کے لواحق میں ضرور ہے۔بعض لوگ معمولی ڈلیوں کے عوض اُسے پان میں کھاتے ہیں۔اور پان میں نہ کھائیں تو بہت سے لوگ اُسے تنہا مُنہ میں رکھتے ہیں جو الائچی کے ساتھ مل کر بہت لطف دیتی ہے۔خصوصاً ہندو احباب چونکہ مسلمانوں کے ہاتھ کی گلوری نہیں کھا سکتے اس لیے اُن کی خاطر و تواضع محض چکنی ڈلی اور الائچی ہی سے ہوتی ہے۔لہذا وہ بھی معاشرت کا ایک ضروری سامان بن گئی ہے۔

چکنی ڈلی دراصل وہی ڈلی ہے جو پانوں میں ڈالی جاتی ہے مگر مرتبہ اور اصلاح شدہ۔یہ لکھنؤ یا دہلی یا حیدر آباد یا دیگر متمدن شہروں میں نہیں بنتی بلکہ جہاں پیدا ہوتی ہے وہیں سے بنی بنائی آتی ہے۔کہا جاتا ہے کہ اصلی ڈلی کو دودھ میں ڈال کے اُبال لیتے اور پکاتے ہیں۔تیار جس طرح بنتی ہو اُس میں ایک لعاب پیدا ہو جاتا ہے خشکی دفع ہو کے دہنیت آ جاتی ہے۔اور بعض اوقات زیادہ ڈلی کھا جانے سے گلے میں جو پھندا پڑ جاتا ہے وہ عیب چکنی ڈلی میں بالکل

مین باقی رہتا۔ اور سچ یہ ہے کہ معمولی ڈلی سے بدرجہا زیادہ بامزہ اور لطیف و نفیس ہو جاتی ہے۔

جہان تک مجھے معلوم ہے چکنی ڈلی کا رواج حیدرآباد دہلی اور دیگر شہرون مین لکھنؤ کے مقابل بہت زیادہ ہے اور انھین مقامات کے شوقینون کا کام تھا کہ اُس مین کسی قسم کی اصلاح کرتے یا اُس کو اپنے مذاق مین ترقی دیتے۔ مگر تعجب ہے کہ کسی شہر مین اس جانب توجہ نہ کی گئی۔ اور چکنی ڈلی کی بھی اصلاح کی تو لکھنؤ والون نے۔ چکنی ڈلی کا اصلی مغز نہایت لطیف خوش مزہ و نازک ہوتا ہے اور جو حصہ قشر سے ملا رہتا ہے کسی قدر کٹھا رہ جاتا ہے۔ خصوصاً پیندے کی طرف کا حصہ بہت زیادہ ناقص ہوتا ہے۔ انھین عیوب کے مٹانے اور ناقص حصے کے نکال ڈالنے کے خیال سے لکھنؤ مین کاٹ چھانٹ کر معمولی چکنی ڈلیان کئی قسم کی تیار ہونے لگین سب سے اول تو دورخی کہلاتی ہین۔ اُن کے بننے کی شان یہ ہے کہ نیچے اوپر سے زیادہ تر حصے کو اور تھوڑے تھوڑے کنارون کو گرد سے کاٹ کر خوشنما اور خوش رنگ کٹوریان سی بنا دی جاتی ہین جن مین فقط وہی نرم و لطیف مغز رہ جاتا ہے جو چکنی ڈلی کا بہترین حصہ ہے۔ دوسرے درجے کی یک رخی کہلاتی ہین۔ اُن مین بھی اگرچہ چارون طرف سے تھوڑی بہت کاٹ چھانٹ ہوتی ہے۔ مگر نیچے اوپر کے دونون ناقص حصون مین سے ایک طرف کا زیادہ تر حصہ چھوڑ دیا جاتا ہے تیسری قسم یہ ہے کہ چکنی ڈلی کے مغز کے خوش نما ہشت پہل ٹکڑے بنا دیے جاتے ہین۔ اس کاٹ چھانٹ مین جو چورا نکلتا ہے وہ جداگانہ فروخت ہوتا ہے۔ اور در اصل لکھنؤ مین وہ بہ چکنی ڈلی کی پانچوین قسم بن گیا ہے۔ پھر اُس کی بھی دو تین قسمین ہو گئی ہین۔ اس لیے کہ دورخی اور یک رخی ڈلیون مین سے جو چورا نکلتا ہے وہ الگ رکھا جاتا ہے۔ اور دونون کی لطافت نرمی اور مزے مین نہایت فرق رہتا ہے اور اسی وجہ سے اُن کی قیمتون مین بھی زمین آسمان کا فرق رہا کرتا ہے۔ الغرض چکنی ڈلی اگرچہ اس قدر زیادہ لکھنؤ والون کے شوق کی چیز نہین ہے مگر اُس کی اصلاح بھی انھون نے اس قدر کی جو کسی جگہ نہین ہو سکی تھی۔

اب چونکہ پان کے اجزا ختم ہو گئے لہذا ہم اُن کے ظروف و آلات کی طرف توجہ کرتے ہین۔ پانون کا سامان رکھنے کی سب سے اہم چیز یا یون کہیے ہر پان والی گلوریون مین جو قوت برقی کی سی اخلاقی اور معشوقانہ کشش ہوتی ہے اُس کی بیٹری پاندان ہے۔ اگلے زمانے مین خصوصاً دہلی مین پٹیا سا ہوا کرتی تھی جو گول اور مربع یا ہشت پہل سب قطعون کی ہوتی ہین۔ اور غالباً دہلی ہی سے حیدرآباد مین پٹاری نما پاندان گئے۔ جن کی نقل وہ ٹین اور شیشے کے مربع پاندان ہوتے ہین جو حیدرآباد کی شادیون مین کمال فیاضی سے چونا۔ کتھا۔ ڈلیا۔ چکنی ڈلیان۔ الائچیان۔ لونگین اور پان قرینہ رکھ کر مہمانون مین تقسیم کیے جاتے ہین۔ بہرحال پرانے پاندان بھی پٹاریان تھین۔ اور انھین پٹاریون کو ساتھ لیے ہوئے دو ڈیڑھ صدیون پیشتر کی محترم خاتونین دہلی سے لکھنؤ مین آئی تھین۔ یہان جب تک دہلی کی تقلید رہی وہی پٹاریان رہین۔ مگر جس دن سے لکھنؤ والون نے اپنی وضع معاشرت اور زبان مین اپنی تراش وخراش شروع کی اُس روز سے پاندانون کا نقشہ بھی بدلنا شروع ہو گیا۔ پہلے تو پان رکھنے کے لیے فقط تانبے کی قلعی دار گول پٹاریان اختیار کی گئین۔ پھر اُن کے ڈھکنے مین بلندی اور گولائی پیدا ہونا شروع ہوئی۔ چند روز مین اُن کی قطع ایک چوڑے نقرئی قبے کی سی ہو گئی جس پر چوٹی کی جگہ گرفت کے لیے ایک لمبوترا کڑا لگا دیا جاتا ہے۔ کڑے کے دونون سرے کنڈھون مین پھنسا دیے جاتے ہین۔ چنانچہ بجاے اوپر کی طرف قائم رہنے کے وہ ادھر اُدھر پڑا رہتا ہے۔ اس پاندان کے اندر دو کٹھے جو سنے کی کلھیان ہوتی ہین۔ جن کی قطع بعینہ چھوٹی ٹھلیون کی سی ہوتی ہین۔ انھین کلھیون کے سلسلے مین تین برابر کی بڑی ڈبیان ہوتی ہین۔ جن مین سے بعض مین سلم اور بعض مین کٹی ہوئی ڈلیان اور چکنی ڈلیان رکھی جاتی ہین۔ یہ تینون ڈبیان اور دونون کلھیان برابر ایک حلقے مین جمی رہتی ہین اور اُن کے بیچ مین یعنی مرکز حلقہ پر جو جگہ چھوٹتی ہے اُس مین ایک اور چھوٹی ڈبیا رکھ دی جاتی ہے۔ جس مین علی العموم الائچیان یا لونگین رکھی جاتی ہین۔ ڈبیون کے ڈھکنے کسے ہوئے ہوتے ہین خود بخود نہین کھل سکتے بلکہ کھلنے مین تھوڑا بہت زور مانگتے ہین۔ مگر کلھیون کے ڈھکنے تھالی نما ہوتے ہین جو اُن کے منہ پر رکھ دیے جاتے ہین۔

چھوٹے چونے کی کلیوں میں کتھا چونا لگانے کی تحتیاں ہوتی ہیں جن کے سروں پر کبھی تو مور بنا دیا جاتا ہے اور کبھی سادی رہتی ہیں۔ ان کلیوں کے اوپر ایک بڑی پورے پاندان کی تھالی ہوتی ہے جس میں پان کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیے جاتے ہیں۔ اگلے دنوں ایک اور اسی قطع کا جداگانہ ڈھکنے دار ظرف ہوتا تھا جس میں پان رکھے جاتے۔ وہ ناگردان کہلاتا تھا مگر تجربہ نے اُس کو غیر ضروری اور ناقص ثابت کیا۔ اس لیے کہ اُس میں بند کر دینے سے ہوا نہ لگتی اور پان خراب ہو جاتے۔ اسی وجہ سے ناگردان اگرچہ بعض بعض پرانے پاندانوں میں اب بھی نظر آ جاتا ہے مگر دراصل اُس کا رواج بالکل چھوٹ گیا۔ اور عنقریب معدوم ہو جائے گا۔

چند روز میں پاندان عورتوں کو صندوق خزانے اور کیش بکس کا کام دینے لگا۔ اور عورتوں کے لیے سچ یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں عمر عیار کی زنبیل تھا اس ضرورت سے وہ وسعت اور جسم میں بڑھنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ دس دس سیر اور بیس بیس سیر کے پاندان بننے لگے۔ اور پھر سخت ضروری تھا کہ مہمان جائیں تو ہر جگہ وہ ساتھ رہے۔ اس لیے کہ [illegible] جتنا بڑا پاندان ہوتا تھا اتنی ہی بڑی بیگم صاحب کی حیثیت و وجاہت سمجھی جاتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ڈولی میں ساری جگہ پاندان لے لیا کرتا۔ اور بیگم صاحب کو بڑی مشکلوں سے دبنے اور سمٹنے کے بعد بیٹھنے کو جگہ ملتی۔ یہ تقدیر پاندان وزن اور قد و قامت میں روز افزوں ترقی کرتے جاتے تھے کہ یکایک اختصار پسندی نے نئی طرح کے چھوٹے بلند گنبد نما اور کلس دار پاندان ایجاد کیے جو پہلے تو آرام دان کہلاتے تھے مگر اب عموماً حسن دان کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اُن میں اندر تو وہی چیزیں ہوتی ہیں جو پاندان میں ہیں مگر بیرونی قطع ایک کلس دار خوشنما گنبد کی سی ہوتی ہے۔ اور بجائے کڑے کی اُسی کلس یا چوٹی کو پکڑ کے اٹھایا جاتا ہے۔ یہ حسن دان عموماً پسند کیے گئے۔ لکھنؤ میں بھی اور دیگر بلاد میں بھی اُن کی مانگ بڑھی۔ لکھنؤ میں پہلے پہل اُن کو مردوں نے اختیار کیا۔ یا اُن لوگوں نے جو نمائش اور دکھاوے کو نہیں پسند کرتے ہیں۔ مگر چند روز میں عام ہو گیا اور گو کہ اگلی وضع کے پاندان نہیں مٹے مگر اب زیادہ رواج حسن دانوں ہی کا ہے۔ اور جن گھروں میں پاندان باقی بھی ہیں تو اتنے بڑے نہیں بلکہ چھوٹے۔ اب [illegible]آباد میں بھی

ایسے ہی لکھنؤ کی وضع کے حسن دان بننے لگے ہیں۔ مگر وہ زیادہ پھیلے ہوتے ہیں اور [illegible] قدر خوبصورت نہیں ہوتے جیسے لکھنؤ میں بنائے جاتے ہیں لکھنؤ کے حسن دانوں کا تناسب ہی ایک چیز ہے جو یہاں کے ساتھ مخصوص ہے۔ وہ کسی جگہ کے کاریگروں کو اس تناسب کا قائم رکھنا قریب قریب ناممکن ہے۔

پاندان کے بعد خاصدان ہے [illegible] ظرف ہے جس میں [illegible] پان [illegible] محفل یا صحبت احباب میں لائی جاتی ہیں۔ [illegible] ایک تھلی [illegible] دیتی ہے جس میں ایک طرف کتری ہوئی ڈلیاں [illegible] چونا کتھا لگا کر اور دوسرے کے بیچ [illegible] وہاں بھی تھالی مروج ہے اس لیے امید [illegible] اگلے [illegible] طرح ہوگا۔ مگر لکھنؤ [illegible] ان کی کٹوریاں [illegible] وضع کی خوب [illegible] عموماً بڑے ہوتے ہیں [illegible] ان کی قطع ایسی ہوتی ہے جلدی کہ [illegible] کے لیے [illegible] ان کے قائم رکھنے کے لیے ان میں [illegible] لگا دی جاتی ہیں۔ [illegible] جاتی تھیں بعد ازاں زنجیروں کا ایک [illegible] چاندی کی ایک چھوٹی ڈبیا یا کیری [illegible] عطر دان میں چار دن [illegible] یہ پورا اچھا مع پانوں کے خاصدان میں [illegible] مگر اس میں تنزل خیال کر کے یہ رواج ہوگیا کہ کٹوریوں میں [illegible] کی کیلیں لگا دی جایا کریں۔ مگر اب سب سے اچھا طریقہ [illegible] کٹوری ہے اور یہ پان ہی کا ایک غلاف چڑھا دیا جاتا ہے [illegible] دیتا۔

پھر [illegible] ان کٹوریوں [illegible] صرف تھالی [illegible] تھی۔ اس کے بعد اس تھالی پر ایک [illegible] کنگورہ دار ڈھکنا بھی دکھا گیا [illegible] تھالی پکڑ لیا کرتی ڈھکنے نے خاصدان کی صورت ہی چھوٹے [illegible] ان کی سی کردی۔

التماس [illegible] تمام خریداروں کے نام [illegible] کے وی۔پی گئے [illegible] ۱۹۱۹ء کا [illegible] وصول ہو گیا [illegible] ان حضرات کے جو [illegible] پوسٹ آفس کے [illegible] لہٰذا براہ کرم وہ فوراً اپنا چندہ [illegible] اول عمر بھیج دیں [illegible] بھیج کر یہ [illegible] رکھا جائے۔

[illegible]

فسانہ دو جہان ترجمہ رینیس آف لورڈ لٹنز اخلاقی ناول جسمین ہزارون نصائح دلپذیر درج ہین عاٰ/

گناہ بے لذت نام ہی سے اندازہ فرمالیجیے ۸/

بوالہوس مرد پبلک کی رسوم منگنی اور نسبت کی مختلف صورتون کا نقشہ عورتون کا استقلال عہ/

سلیمہ ۔ اورنگ زیب کا دکن پر حملہ۔ تاناشاہ سے خونریز لڑائیان ایک دلچسپ ناول کے پیرایے مین قیمت ۴/

مرقع طرابلس جنگ طرابلس پر ایک مختصر دلچسپ اور تاریخی ناول ۳/

عطر سخن اس عہد کے جدید الخیال شعرا۔ اکبر۔ شبلی حالی۔ اور اقبال وغیرہ کل ۴۶ مقبول شاعرون کی معرکۃ الآرا نظمین۔ عہ/

تاریخی جواہر مولنا شبلی اور دیگر مستند اساتذہ کی ۱۰ تاریخی نظمین۔ ۲/

دولت درانیہ احمد شاہ درانی کے حالات سکھون اور مرہٹون سے معرکہ آرائیان عہ/

کلجگ کی کھونٹی ایک حمازدان نے اپنے شباب کے کارنامے اور دردشرینہ پچون کے واقعات بیان کیے ہین ۸/

خدائی فوجدار پنڈت رتن ناتھ سرشار کا مشہور و معروف ناول ظرافت سے شرابور دلچسپی سے معمور عاٰ/

گربہ مسکین ایک بنگالی ناول کا ترجمہ۔ ایک نوجوان کی چالاکیون کا انکشاف۔ ۲/

کرشمۂ رقابت فاضل اجل مسٹر جیمس ایلن کی مشہور کتاب بک آف میڈیٹیشن کا ترجمہ جسمین دکھایا گیا ہے کہ جوش رقابت مین انسان کیا کچھ کر ڈالتا ہے ۲/

چنچل جاسوس ۔ ایک اخلاقی ناول عیارونکی چالبازی اور چنچل جاسوس کی سراغرسانی ۳/

روپ کماری ۔ ایک عصمت شعار لڑکی کا واقعہ ۳/

بوالہوس بنگالی ایک نہایت دلچسپ ظریفانہ اخلاقی ناول ۳/

ظریف الطبع نام ہی سے ظاہر ہے جو نہایت دلچسپ اور ظرافت سے بھرا ہوا ناول ۳/

ایک شاعر کا انجام مولفہ حضرت نیاز فتحپوری ۱۲/

شاہد رعنا ۔ دہلی کی ایک تائب طوائف کی خود نوشت سوانحعمری مصنفہ قاضی سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی۔ ۱۰/

سعید ایک نوجوان شخص کا محفل رقص و سرود مین شریک ہونے اور طوائف کے مکان پر جانے سے تائب ہونا۔ ۴/

سعادت چند شریف زادون اور ایک طوائف کا راہ پر آنا۔ ۱۲/

متوالی بیراگن پانی پت کے آخری جنگ پر ایک تاریخی ناول۔ احمد شاہ ابدالی اور مرہٹون کی مشہور لڑائی۔ مادھوجی سندھیا اور ایک بیراگن کا عشق ۹/

حیدر علی و ٹیپو سلطان سلسلہ فرمانروایان ہند مولفہ مسٹر ولیم ہنٹر کی کتاب کا ترجمہ جسمین حیدر علی اور ٹیپو سلطان والیان میسور کی مفصل سوانح عمریان درج ہین۔ عہ/

عروج و زوال پرتھی راج کے زمانے کا ایک تاریخی ناول مصنفہ منشی نوبت رائے صاحب نظر ۳/

پی کہان ۔ رتن ناتھ سرشار کا مشہور ناول ۴/

تاج شہادت سنہ ۱۲۵۰ء کا ایک سچا واقعہ مولفہ منشی پیارے لال صاحب شاکر ۲/

پاربتی عورتون کے پڑھنے کے لائق ایک بنگالی ناول کا ترجمہ ۲/

المشتہر

محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

کلثوم۔ ایک بہت دلچسپ ناول مصنفہ شیخ [illegible] علی صاحب کامل ۳ر

اسرار ہند اہل ہند کے گذشتہ کارنامے [illegible] ۱۲ر

جنگ عشق ایک لڑکی نے کیونکر اپنی فہم و فراست کی بدولت ایک وحشی کو مہذب و شائستہ بنا لیا ۱۳ر

گمشدہ گمشدہ مونا رغیان فرانس کے ذریعے سے سراغرسانی خفیہ پولیس کی کامیابیان ۱۳ر

لال کپتان شاہ [illegible] واقعات کے ساتھ عشق کے [illegible] ۱۲ر

بادشاہ [illegible] کی تخت دہلی کے لیے [illegible]

جام سرشار پنڈت رتن ناتھ سرشار کا مشہور ناول ہندوستانی امرا کا عیش و عشرت [illegible] کے تباہ ہونا عہ

جنگ بلقان جنگ بلقان کے بعض دلچسپ و دلکش تاریخی مناظر اور یورپ کے تعجب خیز کارنامے ایک ناول کے پیرایے میں عہ

التمش خلیفہ ہارون رشید کے زمانے کے [illegible] عفت شعاری اور علم و بردباری کا بیان قیمت ۸ر

فریب نیرنگ فریب وفا۔ دلچسپ و حیرت انگیز واقعات مصنفہ سید عاشق حسین صاحب ۱۲ر

ارمان مصنفہ آغا شاعر دہلوی۔ نارضامندی کی شادی کا کیا انجام ہوتا ہے عہ

خلق مجسم ایک شائستہ لڑکی کی پاک زندگی کا فوٹو عہ

[illegible] سرزمین بابل کی دیوی اما کا باعظمت تذکرہ [illegible] کی عجیب و غریب [illegible] بیان عہ

گندم۔ سراغرسانی کے سلسلے [illegible] ناول اور نہایت دلچسپ عہ

الوکی دم فاختہ [illegible] ۱۰ر

حاجی بابا اصفہانی [illegible] ایک مشہور [illegible] انعامات

جفا و وفا [illegible] عاشق [illegible] ۱۰ر

درد فراق شہزادہ [illegible] سلطان [illegible]

نیرنگ فرنگ فرانس کا مشہور انقلاب فرانس اور جرمنی کی جنگ مشہور ناول نویس وکٹر ہیوگو کے ناول کا ترجمہ ۱۲ر

جوش عین ۱۸۵۷ء کے غدر کے واقعات پر [illegible] جوش جہالت۔ انسانی ہمدردی اور نیکی و بدی کے نتائج

عقد الجواہر جنہوں نے کبھی اس ناول کو دیکھ لیا ہے وہی جانتے ہیں کہ کس قدر دلچسپ اور پر لطف ہے

دل سوز۔ شہر سومنات پر سلطان محمود غزنوی کا پرجوش حملہ [illegible] حسن و عشق

جنگ طرابلس ٹرکی اور اٹلی کی لڑائی [illegible]

سیتا ہندو عورتوں کی وفاداری اور سچی محبت کا افسانہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے تاریخی واقعات ہر دو جلد ۲ ر

مکار سرپرست۔ بڈھے سرپرست کی مکاری و دغابازی اور آخر کار مکافات عمل کا سین قیمت ۱۰ ر

راز عشق۔ امریکہ کے مشہور مصنف سان ٹک کارٹر کی تصنیف خفیہ پولیس کے حیرت انگیز کارنامے ۱۰ ر

گنجینہ سراغ رسانی۔ یہ ناول خفیہ پولیس کے لیے ایک ہدایت نامہ اور تفتیش کرنے والوں کا سچا رہنما ہے ہر چہار حصہ ۱۲ ر

خوبی قسمت۔ مسمریزم کے ذریعے سے انسان کیونکر قابو میں لایا جاتا ہے ۱۰ ر

قشقر۔ مشہور ناول شاید ہی کسی نے نہ دیکھا ہو۔ قیمت ۸ ر

شہاب لکھنؤ۔ سلطنت اودھ کے عروج کے زمانے کے چشم دید حالات ایک انگریز سیاح کے قلم سے قیمت فی جلد ۱۲ ر

سیرۃ النعمان۔ امام اعظم کی سوانح عمری علم کلام اور فن حدیث اور فقہ پر بحث قیمت ۱۲ ر

مخمس حبیب۔ طبع زاد مولوی سید محمد کاظم صاحب پر ترکیب بند مسدس شکوہ ہندستانی ۴ ر

داستان مریخ۔ سیارہ مریخ کے متعلق علمی اور سائنٹفک مشاہدات کے نتائج ۲ ر

سیرۃ العباس۔ آنحضرت صلعم کے چچا حضرت ابو الفضل عباس بن عبد المطلب کی زندگی کے حالات قیمت ۱۲ ر

دنیائے اسلام اور عیسائیت۔ اس کتاب سے معلوم ہوگا کہ اسلام نے کس طرح ایک ہزار سال تک المشـ

سیاست اور علوم و فنون میں ساری دنیا کی رہبری کی اور اسباب زوال ۴ ر

مجموعہ رسائل نور۔ تصوف پر اعلیٰ درجے کی کتاب جس میں معرفت و طریقت کے لطائف و رموز و نکات کھولے گئے ہیں جو انسان کو ولی بنا دینے کے لیے کافی ہیں قیمت فی جلد ۱۲ ر

زمانہ اور اسلام۔ مولانا شرر صاحب قبلہ کی ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی نظم ۳ ر

ہندوستان موسیقی۔ مولانا صاحب کا ایک لکچر موسیقی پر تفصیلی بحث ۴ ر

راماین کے بعض سین۔ مہاراجہ رام چندر کی جلاوطنی اور راون سے جنگ ۴ ر

علمی کھیل۔ عصمت بیگ کی ناتجربہ کاری نہایت دلچسپ ناول۔ ۴ ر

خزانہ گلزار سلطان حلیم۔ دلی کے زمانے کا ایک تاریخی ناول ۸ ر

افسانہ بنگال۔ مشہور و معروف بنگالی مصنفوں کے آٹھ دلچسپ قصے ۱۲ ر

رسالہ زبان دانی۔ اردو کے بسوط قاعدے صرف و نحو کے کلیات۔ با محاورہ زبان بولنے کا آلہ مصنفہ خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت ۱۲ ر

آب بقا۔ مشاہیر ہند شعرائے ماضی و حال کے واقعات طرز تمدن۔ شاعری کے نکات۔ چیدہ اور منتخب کلام اور آخر میں خواجہ عبد الرؤف صاحب عشرت کی نیچرل نظموں کا مجموعہ قیمت ۱۲ ر

آنکھ مچولی۔ خواجہ صاحب موصوف کے گیارہ نہایت دلچسپ اور عورتوں کے پڑھنے کے قابل قصے جو خاص محاورات اردو میں لکھے گئے ہیں قیمت ۸ ر

نیرنگی دہر۔ مجید و حکیم کے مصائب و وفاداری کی داستان اور شریف النساء کی خوفناک کج ادائیوں کا انجام قیمت ۲ ر

محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

دلگداز

مولانا شرر کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ جس نے زبان اردو کے علمی خزانے کو علمی ذخیرہ اور ... ان کو ایسا ... کر دیا ہے ۳۲ برس سے جاری ہے جس میں مولانا ممدوح کا ایک نیا ناول قسط وار دیا جاتا ہے۔ اور دو ہی سال بعد کے چندہ مع محصول ڈاک وی پی روانہ کر دیا جاتا ہے۔ قیمت سالانہ مع محصول ڈاک دلگداز کا دو روپیہ ۲؍ اور ناول کا وی پی ... نمونہ ... کا بھیجا جاتا ہے۔

دلگداز کی ۱۶ مکمل جلدیں		دلگداز کی مکمل جلدیں			
۱۸؍	جلد ۱۹۱۰ء	۱؍	جلد ۱۹۱۲ء	۱؍	جلد [illegible]
۱۱؍	جلد ۱۹۱۱ء	۱؍	جلد ۱۹۱۳ء	۱؍	جلد [illegible]
۱؍	جلد ۱۹۱۲ء	۱؍	جلد ۱۹۱۴ء	۱؍	جلد [illegible]
۱۰	منتخب مضامین ۱۹۱۸ء	۱؍	جلد ۱۹۱۵ء	۱؍	جلد [illegible]
		۱؍	جلد ۱۹۱۶ء	۱؍	جلد [illegible]

مینیجر دلگداز

دل افروز

ناولوں کے شائقین خصوصاً مولانا شرر کے ناولوں کے شیدائی صاحبوں کو ضرور خریدنا فرمانا چاہیے جس میں ... ناولوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مجموعی صفحات ... کے علاوہ (۳۲) ہوتے ہیں ... ناول مولانا کا طبع زاد ہوتا ہے۔ اور دوسرا انگریزی کے کسی ناول کا ترجمہ۔ سالانہ چندہ مع محصول ڈاک ... ہر سال اپریل سے دل افروز کا سال شروع ہوتا ہے اور اپریل کا پرچہ ... ایک آنہ ... پر وی پی بھیج کے سالانہ چندہ وصول کر لیا جاتا ہے۔ نمونے کے واسطے ۲؍ کا ٹکٹ آنا چاہیے۔

مینیجر دلگداز و دل افروز

مورخ!!

علمی لٹریچر اور خاص تاریخ کا ایک ماہانہ رسالہ جس میں مختلف مضامین نہیں مکمل تاریخیں سلسلہ وار شائع ہوتی ہیں اور ایسا انتظام کر دیا گیا ہے کہ چند روز کے اندر آپ کی زبان میں تمام قوموں اور ملکوں کی مبسوط اور ضخیم اور مفصل و واضح تاریخیں پیدا ہو جائیں گی۔

فی الحال مورخ میں مولانا شرر صاحب کی مشہور تاریخ ''ارض مقدس'' کے ۴۸ صفحے نکلتے ہیں اور اس کے بعد ۳۲ صفحوں پر کاندی کی مشہور تاریخ ''دولت ہسپانیۂ عرب'' کا ترجمہ ہر رسالے میں ... یعنی ۸۰ صفحوں پر ہوتا ہے۔ مورخ کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ رکھا گیا ہے اور محصول ڈاک ... سالانہ پر مورخ جاری کر دیا جائے گا۔ نمونے کے لیے ۸؍ مرحمت ہوں میں حامیان زبان اردو اور مولانا شرر کے لٹریچر کے قدردانوں سے امید ہے کہ اس رسالے کی ضرور سرپرستی کریں گے۔ اس کا خریدنا زبان اردو کی سچی خدمت ہے توجہ فرمائیے خرید کیجیے اور خود اپنی اور اپنی زبان کی خدمت کیجیے

المشتہر

محمد صدیق حسن اسسٹنٹ ایڈیٹر دلگداز و ایڈیٹر مورخ کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

تصانیف مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شرر

تاریخ و سوانح عمریاں

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات [illegible]

(۲) ابوبکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات [illegible]

(۳) تاریخ سندھ۔ عرب کے فتوحات سندھ کی تحقیق [illegible] جلد اول [illegible]

(۴) [illegible] قدیم [illegible]

(۵) حروب صلیبیہ [illegible]

(۶) مسیح و مسیحیت [illegible] کے حالات [illegible]

(۷) قبل از اسلام [illegible] جلد [illegible]

(۸) [illegible] کے حالات [illegible]

(۹) [illegible]

(۱۰) قیس مجنون [illegible] کے حالات [illegible]

(۱۱) حسن بن صباح [illegible] اسماعیلیہ [illegible]

(۱۲) [illegible] کے حالات [illegible]

(۱۳) [illegible]

(۱۴) [illegible]

ناول

(۱۵) [illegible]

(۱۶) بابک خرمی [illegible] تاریخی [illegible]

[illegible] دو حصہ [illegible]

(۱۷) [illegible] حصہ اول [illegible]

(۱۸) [illegible]

(۱۹) [illegible]

[illegible]

(۲۰) [illegible]

(۲۱) [illegible]

[illegible] حصہ [illegible]

(۲۲) [illegible]

(۲۳) [illegible]

(۲۴) ماہ ملک [illegible]

(۲۵) [illegible]

(۲۶) ایام عرب [illegible]

(۲۷) مقدس نازنین [illegible]

(۲۸) شوقین ملکہ [illegible]

(۲۹) قیس و لبنیٰ [illegible] عشق

(۳۰) فلورا فلورنڈا [illegible]

(۳۱) آغا صادق کی شادی [illegible]

(۳۲) [illegible]

(۳۳) فردوس بریں [illegible] جنت کی سیر

(۳۴) یوسف نجمہ کامل [illegible]

متفرقات

(۳۵) [illegible]

[illegible]

(۳۶) [illegible]

(۳۷) ہندوستان [illegible]

(۳۸) [illegible] ہندوستان [illegible]

(۳۹) زمانہ اور اسلام [illegible]

(۴۰) شب وصل [illegible]

(۴۱) شب غم [illegible]

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

(۴۲) [illegible]

(۴۳) [illegible]

[illegible] حصہ اول [illegible]

[illegible] حصہ دوم [illegible]

(۴۴) [illegible]

حصہ اول [illegible]

حصہ دوم [illegible]

حصہ سوم [illegible]

حسان بن ثابتؓ

شاعر دنیا مین بہت سے گذرے ہین اور اُنھون نے ... بھی بہت حاصل کی مگر شعرا ... جو فضیلت و عزت جناب حسانؓ کو ملی اور کسی کو نصیب نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ اُن کا شمار صحابہ مین ہے۔ اور کئی شعرا ایسے بھی ہین جو صحبت رسالت سے شرفیاب ہوئے تھے مگر وہ رتبہ جو حسانؓ بن ثابت کو مبداء فیاض سے عطا ہوا اُنھین پر ختم ہو گیا۔ مسلمانون مین بہت کم ہین جو جناب حسانؓ سے نہ واقف ہون۔ اُن کا نام ادب و تعظیم سے نہ لیتے ہون اور یہ نہ جانتے ہون کہ حسانؓ مداح رسول دو جہان اور دربار نبوت کے شاعر تھے۔ مگر اُن کی زندگی اور اُن کے نسب کے حالات سے بہت کم لوگ واقف ہین۔

حسان مدینہ طیبہ کے قبائل اوس و خزرج مین آخر الذکر قبیلے کے ممبر تھے۔ اور خزرج مین بھی اُن کا شمار بنی نجار مین ہے۔ یعنی اُسی محترم خاندان مین جو حضور سرور عالم کے دادا عبد المطلب کا ننہال تھا۔ لہذا یہ کہہ سکتے ہین کہ اگرچہ وہ قریش مین سے نہ تھے مگر جناب رسالت مآب سے تعلق قرابت رکھتے تھے اُن کا سلسلہ نسب نوین پشت پر خزرج سے جا ملتا ہے جن سے قبیلہ خزرج کا آغاز ہوا۔ پھر آگے بڑھ کے اُن کا نسب از روے روایت عام ... ازد و قحطان تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن فی الحال مولنا سلیمان صاحب ندوی نے اپنی کتاب ارض القرآن کی جلد دوم مین اوس و خزرج دونون کو کمال جستجو و تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ نابت بن اسمٰعیل کی نسل سے تھے۔ اور اس کے صحیح ہونے مین شک کرنے کی بہت کم گنجایش ہے۔ حسان کی والدۂ ماجدہ فریعہ بنت خالد بھی قبیلہ

خزرج کی بیٹی تھین۔

اُن کے مورث اعلیٰ نجار کے والد کا نام تیم اللات تھا۔ اُس مین چونکہ عرب کے مشہور بُت "لات" کا نام تھا اِس لیے حضرت رسول خدا صلعم نے اُس کو بدل کے "تیم اللہ" کر دیا۔ اور سب اُنھین اسی نام سے یاد کرنے لگے

حسان کی کنیت ابو الولید تھی۔ اور اُن شعرا مین تھے جنھون نے بڑی عمر پائی اور جاہلیت و اسلام کے دونون زمانے خوب اچھی طرح دیکھے حضرت رسول خدا صلعم سے آٹھ سال بڑے تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سنہ ولادت محمدی سے آٹھ سال پیشتر یعنی ۵۶۳ء مین پیدا ہوئے تھے۔ اور اسی بنیاد پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب حضرت رسول آخر الزمان ہجرت کر کے اُن کے وطن مدینے مین تشریف لائے ہین اُس وقت حسان کی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ اور یہی زمانہ اُن کے ایمان لانے اور دین اسلام قبول کرنے کا ہے۔ اس کے بعد ۵۴ھ مین اُنھون نے سفر آخرت کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی عمر ۱۲۰ برس کی ہوئی۔

شعر و سخن کے لحاظ سے اُن کی ہر زمانے مین شہرت رہی۔ چنانچہ کہتے ہین اُنھین تین امتیاز حاصل تھے۔ جاہلیت مین اوس و خزرج کے شاعر مانے جاتے تھے۔ عہد نبوت مین دربار نبوت کے شاعر مانے گئے اور عہد خلافت مین سارے یمن اور تمام قبائل یمن و قحطان کے شاعر سمجھے جاتے تھے۔ ابو عبیدہ کا دعوی ہے کہ سارے اہل عرب اِس بات کے قائل تھے کہ تمام حضری (شہرون کے رہنے والے) عربون مین حسان سے بڑا کوئی شاعر نہ تھا۔

عہد جاہلیت مین اُنھون نے محض شاعری کی حیثیت سے غالباً کئی بار شام و عراق کا سفر کیا۔ معمول تھا کہ شعراے عرب کے جہان بڑے مجمع ہوے وہان ضرور پہونچا کرتے۔ اُنھون نے حیرہ مین جا کے نعمان بن منذر کی شان مین قصیدہ کہا۔ اور صلہ پایا۔ بنی غسان کے دربار مین بھی ضرور باریاب ہوئے ہون گے۔ اس لیے کہ ارض شام مین اُن کا جانا ثابت ہے اور یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی شاعر عرب شام مین جائے اور بغیر دربار بنی غسان

کی سیر دیکھے چلا جائے۔

بازار عکاظ مین یہ نابغہ ذبیانی سے ملے جو اُس زمانے مین تمام شعرائے عرب مین سربرآوردہ تھا۔ یہ پہونچے تھے کہ خنسا نابغہ کے پاس سے نکلی جو اُس وقت کی عدیم النظیر شاعرہ تھی اور مرثیہ گوئی مین جواب نہ رکھتی تھی۔ حسان نے جاتے ہی نابغہ کو اپنے اشعار سنانا شروع کیے جن کو سُن کے اُس نے کہا۔ تم شاعر ہو اور بنی سُلیم کی بہن جو ابھی گئی ہے (خنساء) نوحہ خوان ہے۔

اسی طرح جاہلیت مین ایک دن سر راہ بیٹھے چند احباب کو اپنی شعر سُنا رہے تھے کہ مشہور شاعر حطیئہ کا گزر ہوا۔ وہ بھی کھڑا ہو کے سُننے لگا۔ یہ اُس کو پہچانتے نہ تھے۔ خیال کیا کہ کوئی وحشی بدوی ہے۔ کہنے لگے "بدوی تو کیا سُن رہا ہے؟" اُس نے کہا "اس مین کوئی مضائقہ تو نہین نظر آتا!" یہ جواب اُس نے کچھ ایسی بے پروائی کی شان سے دیا تھا کہ یہ اور برافروختہ ہوئے۔ اور غصے سے پوچھا "تیری کنیت کیا ہے؟" اُس نے کہا "ابو مُلیکہ" کہا "میری نظر مین اس سے زیادہ تیری ذلت کیا ہوسکتی ہے کہ زنانے نام پر تو نے اپنی کنیت رکھی ہے۔ اور تیرا نام کیا ہے؟" اُس نے کہا "حطیئہ" نام سُنا تو پہچانا۔ اور چونکے۔ مگر ٹالنے کے لیے کہا "تو اب آپ تشریف لیجائین خدا حافظ" اور وہ بھی چُپکا چلا گیا۔

یہ بھی عہد جاہلیت کا واقعہ ہے کہ ملک شام مین حسان اور شاعر بنی بکر بن وائل اعشیٰ دونون ایک کلوار کی دکان پر گئے۔ دونون نے شراب پی۔ اس کے بعد حسان وہیں پڑ کے سو گئے۔ سوتے سوتے آنکھ کھلی تو سُنا کہ اعشیٰ کلوار سے کہہ رہا ہے۔ ان کو قرض لینے کی جرأت نہین ہوئی اور دام پاس ہین نہین" یہ سنتے ہی اپنے آپ کو پھر سوتا ڈالدیا۔ یہان تک کہ اعشیٰ کی آنکھ لگ گئی۔ جب دیکھا کہ وہ غافل سو گیا ہے تو چپکے سے اُٹھے۔ اور کلوار کے پاس جتنی شراب تھی سب خریدلی۔ اور اُس کو زمین پر لُنڈھانا شروع کیا۔ یہان تک کہ بہتے بہتے وہ اعشیٰ کے نیچے پہونچی۔ کپڑے بھیگے تو چونک

رکے اٹھا۔ اور حسان کو شراب کا دریا بہاتے دیکھ کے سمجھ گیا کہ اُنھوں نے میرا کہنا سُن لیا۔ خوشامد اور عذر خواہی کرنے لگا۔ اور حسان کو جوش آیا تو چند پُر جوش شعر اپنی اولوالعزمی و بلند حوصلگی کی تعریف مین فی البدیہہ کہہ کے سنا دیے۔

ولادت حضور سرور عالم کے متعلق حسان کہتے ہین "مین سات آٹھ برس کا لڑکا تھا کہ ایک صبح کو ایک یہودی نے مدینے کے تمام یہودیون کو پکار کے جمع کیا۔ اور جب سب آ گئے تو کہا "وہ ستارہ طلوع ہو گیا جس کے طالع مین آج ہی شب کو احمد کی ولادت ہو گی" اس کے بعد جب آپ مبعوث ہوے اور مدینے مین تشریف لائے تو وہ یہودی اگرچہ اُس وقت تک زندہ موجود تھا مگر کمبخت ایمان نہ لایا" یہ کوئی تعجب کی بات نہین یہود اُن دنون بے صبری سے ظہور حضرت ختم المرسلین کے منتظر تھے۔ بلکہ اوس و خزرج کو دھمکیان دے رہے تھے کہ عنقریب نبی آخر الزمان ظاہر ہون گے اور اُن کو ساتھ لے کر ہم تمھارا قلع و قمع کر دین گے۔ کسی طالع سے اُس یہودی کو معلوم ہوا۔ مگر جب آپ تشریف لائے تو اُسے باد نہ ہوا کہ یہی وہ پیغمبر ہین جن کا کوکب اقبال مجھے نظر آیا تھا۔

حسان کی قطع یہ تھی کہ پیشانی کے بال بڑے بڑے تھے جو دونون آنکھون کے درمیان لٹکتے رہتے۔ ڈاڑھی مونچھین سب سفید ہو گئی تھین مگر آپ فقط مونچھون اور ڈاڑھی کی بیچی کو مہندی سے رنگ کے سرخ کر لیتے باقی ساری ڈاڑھی سفید رہتی۔ بلکہ اس انوکھی وضع پر اُن کے فرزند عبدالرحمٰن نے اعتراض کیا کہ "آپ نے یہ کیا قطع بنا رکھی ہے؟" کہنے لگے "یہ وضع مین نے اس لیے بنائی ہے کہ لوگ مجھے دیکھ کر کہین ایک خون آشام شیر ببر بیٹھا ہوا ہے" غالباً پیشانی کے بالون کو آنکھون کے درمیان لٹکانے مین بھی یہی مشابہت مقصود ہو گی۔ مگر لطف کی یہ بات ہے کہ آپ نہایت ہی بزدل واقع ہوئے تھے جس کا ذکر آگے آئے گا۔ صورت چاہے شیر کی بنا لین مگر دل بھیڑ کا پایا تھا۔

ہجرت کے بعد حضرت رسول کریم کو ضرورت محسوس ہوئی کہ حسان کی شاعری سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ اِس موقع پہ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عرب ہو تو مین شاعری ہمارے یا اور سب ملکون کی طرح فقط دلچسپی تفنن طبع یا محض اظہار کمال

لیے نہ تھی وطن قومی اور ہمدردی معاشرت کے رگ و پے مین شاعری سمائی ہوئی تھی ہر قوم اور ہر گروہ اپنا جداگانہ شاعر رکھتا۔ جو اُس کے فضائل و اوصاف کے اظہار مین قصیدے کہتا۔ اُن کی بہادری اور فیاضی کے کارنامون کو اپنے کلام سے یادگار بنا کے سارے زمانے مین مشہور کرتا۔ اور قوم اُس کے آگے آنکھین بچھاتی۔ اور بڑے بڑے زبردست حامی اُس کی تیغ زبان سے ڈرتے جو چاہتی کسی قوم یا کسی نامور شخص کو چمکا دیتی۔ اور چاہتی دم بھر مین مٹا کے رکھ دیتی۔ اس لیے کہ تار برقی سے بھی زیادہ تیز اور سریع السیر تھی۔ ر شعرا کے کلام کو سارے عرب مین پھیلا دیتی۔ اور مدح یا ہجو جو ہوتی عورتون اور بچون تک کی زبان پر جاری ہو جاتی۔

اور یہی وجہ تھی کہ مشرکین کا جب اور کوئی زور نہ چلا تو اُن کے شعرا نے حضور سرور عالم اور مسلمانون کی ہجوین کہہ کہہ کے شائع کرنا شروع کین۔ اور حضور رسالت پر اُن کا اثر اس لیے پڑا کہ وہ ہجوین قبائل کو بدظن اور دشمن بنا کے تبلیغ دین کے فرض مین خلل انداز ہونے لگین۔ اور مسلمان جو اشعار سے متاثر ہونے کے بچپن سے عادی تھے اُن ہجو کے اشعار سے اذیت پانے لگے۔

حضرت رسول اکرم اور مسلمانون کی ہجو کرنے والے مشرکین مین تین شخص تھے جو مسلمانون کی مذمت کرتے کرتے سارے عرب مین بہت مشہور ہو گئے تھے۔

(۱) عبداللہ بن زبعری۔ (۲) ابو سفیان بن حرث بن عبدالمطلب اور (۳) عمرو بن عاصی۔ ان کے اشعار سے جب مسلمانون کو زیادہ اذیت پہونچنا شروع ہوئی تو سب نے حضرت علیؓ سے کہا "آپ ان لوگون کی ہجو و ان کا جواب کیون نہین دیتے؟" اُنھون نے فرمایا "اگر رسول خدا صلعم کا حکم ہوگا تو مین اس کام کے لیے موجود ہون" یہ سُن کے کسی نے بارگاہ رسالت مین عرض کر دیا کہ شعرائے مشرکین ہماری ہجوین کہہ کہہ کے شائع کر رہے ہین۔ حضرت علی کو حکم ہو گا تو وہ بخوبی جواب دے سکین گے۔ آپ نے فرمایا "یہ علی سے نہ ہو گا" پھر حضور سرور عالم نے انصار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "جن لوگون نے اپنے اسلحہ سے خدا و رسول کی مدد کی ہے اُن کو اس سے کون مانع ہے کہ اپنی زبانون سے بھی دین کی مدد کرین؟" یہ سنتے ہی

حسان بن ثابت اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا، "یا رسول اللہ۔ اس کام کے لیے مین حاضر ہون" یہ کہتے ہی اُنھون نے اپنی کالی کالی زبان نکال کے اُس کی نوک انگلیون سے پکڑ لی اور کہا "خدا کی قسم بصراے شام وصنعاے یمن کے درمیان مجھے اُس سے بھلا کوئی کلام نہ معلوم نہ ہو گا جو دشمنان رسالت کے جواب مین ہو" آپ نے فرمایا "اگر تم اُن کی ہجو کیسے کرو گے؟ مین بھی تو اُنھین کے قبیلے اور خاندان مین ہون" عرض کیا "آپ کو مین اُن مین سے اس طرح نکال لون گا جیسے آٹے کے خمیر مین سے بال کھینچ کے نکال لیا جاتا ہے"

اب انصار مین سے تین بزرگ دشمنان اسلام کی ہجودن کا جواب دینے اور اُن کی ہجوین کہنے لگے۔ (۱) حسان بن ثابت (۲) کعب بن مالک۔ (۳) عبد بن رواحہ۔ حسان اور کعب تو دشمنون کا جواب ترکی بترکی دیتے۔ یعنی شعراے مشرکین کے مذاق کے مطابق جاہلیت کی لڑائیون اُن کی زندگی کے واقعات اور اُن کے خاندانی حالات مین سے شرمناک عیوب نکال نکال کے دکھاتے۔ اور اُنھین ذلیل و خوار کرتے۔ بخلاف اس کے عبداللہ ابن رواحہ فقط اُن کے شرک و کفر اور نافرمانی الہی سے بحث کرتے۔ اور محض بے دینی پر اُن کو شرم دلاتے۔ جب تک قبائل عرب خصوصًا قریش نے دین اسلام نہین قبول کیا تھا اُس وقت تک تو اُنھین حسان اور کعب کے اشعار سے بے انتہا اذیت پہونچتی تھی۔ اور ابن رواحہ کا کلام اُس قدر گران نہ گزرتا تھا۔ مگر جب وہ مسلمان ہو گئے اور عقائد توحید و مسائل شرع کی تعلیم پائی تو حسان و کعب کے کلام کا اُنھین چندان خیال نہ ہوتا۔ اب تو جوش دینداری مین اُنھین عبداللہ بن رواحہ کے اشعار بہت تکلیف پہونچاتے۔

ابو الحسام نے آنحضرت صلعم کی ہجو کہی۔ وہ اشعار جب مدینے مین پہونچے تو حسان بارگاہ نبوی مین اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور جس طرح کوئی بہادر سپاہی شمشیر و سنان کو خدمت کے لیے پیش کرتا ہے اُنھون نے اپنی سیاہ زبان نکال کے ناک کی نوک پر رکھی اور عرض کیا "یا رسول اجازت ہو

تو اِس زبان سے خبر لون؟ اور مضائقہ نہ ہو تو بڑھا کے کچھ جھوٹی تہمتین بھی لگا دون؟" آپ نے فرمایا میں اور وہ ایک ہی خاندان کے ہین تم سے کیسے بن پڑے گا؟" عرض کیا خدا کی قسم آپ کو بال کی طرح کھینچ کے الگ کر دون گا۔ ارشاد ہوا "تو اچھا ابوبکر کے پاس جاؤ وہ انساب عرب سے خوب واقف ہین سب کا حال بتا دین گے" اس حکم کے مطابق حسان ابوبکر صدیق کے پاس گئے۔ اُنھون نے سب کے نسبون کا حال بتایا۔ اور سب کے تعلقات بھی سمجھا دیے۔ اِس کے بعد حسان نے تین شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا

"تو نے محمد (صلعم) کی ہجو کہی اور مین نے اُس کا جواب دیا۔
اس کی جزا مجھے خدا سے ملے گی۔ میرے ماں باپ اور میری
عزت و حرمت محمد (صلعم) کی عزت و حرمت بچانے کے
لیے سینہ سپر ہین۔ تو اُن کی ہجو کرتا ہے حالانکہ تجھے اُن سے
کوئی نسبت نہین۔ لہذا مین کہتا ہون کہ تمھارے بُرے
تمھارے ہی اچھون پر قربان ہو جائین گے۔"

حسان کے اشعار قریش مین پہونچے تو سب کہنے لگے۔ یہ اشعار بغیر ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کی مدد کے نہین کہے جا سکتے تھے۔ بلکہ بعض روایتون سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اشعار کو سُن کے مشرکین کہنے لگے معلوم ہوتا ہے اب ابوبکر بھی شعر کہنے لگے!"

حضور سرور عالم نے بارہا حسان کے اشعار کی تعریف فرمائی اور دعا دی کہ روح القدس مشق سخن مین تمھارے ممد و معاون رہین۔ یہان تک کہ بعض صحابہ کا بیان ہے کہ اُنھون نے ستر شعر جبرئیل امین کی مدد سے کہے۔ یہ اتنا بڑا فخر ہے جو دنیا کے کسی شاعر کو نہین نصیب ہو سکا۔

ایک مرتبہ حضرت سرور عالم سفر مین تھے۔ یکایک حسان یاد آ گئے فرمایا حسان کہان ہین؟" حسان پیچھے تھے "لبیک" کہتے ہوے بڑھے۔ اور عرض کیا "حاضر ہون" فرمایا "حسان اِس وقت تم ہی حدی خوانی کرو" یہ حکم ہوتے ہی حسان نے اونٹ کے آگے جا کے اپنے اشعار حدی کے طرز

مین گانے لگے۔ آپ شوق اور توجہ سے سُن رہے تھے۔ اُونٹ جھوم جھوم کے تیز قدم اُٹھاتا تھا۔ جب اُنھون نے حدی خوانی سے زبان روکی۔ ارشاد ہوا "مشرکین کو یہ اشعار جگر شگاف تیرون سے بھی زیادہ سخت اور گران گزرتے ہین"

غزوۂ احزاب کے موقع پر جب خدا نے مسلمانون کو کفار کے شر سے بچا لیا اور مشرکین واپس گئے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا "مسلمانون کو دشمنون کی بدگوئی سے کون بچائے گا؟" فوراً تینون انصاری شاعر کعب حسان اور عبداللہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا "اس خدمت کے لیے ہم حاضر ہین" آنحضرت نے حسان کی طرف دیکھ کے فرمایا "ان تم اُن کی ہجو کہو اس لیے کہ روح القدس تمھاری مدد کرین گے"

ایک مرتبہ حسان نے حضور سرور عالم کی مدح مین چند شعر کہے جن کے مطلع کا مضمون یہ تھا کہ "مین بحکم خدا گواہی دیتا ہون کہ محمدؐ اُس خدا کے رسول ہین جو آسمان پر ہے اور بلند ہے" آنحضرت نے جیسے ہی یہ شعر سُنا فرمایا "اور تمھارے ساتھ مین بھی اس کی گواہی دیتا ہون"

صاحب اثر معززین عرب مین سے ایک شخص جس کا نام حرث بن عوف تھا بارگاہ رسالت مین حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کسی شخص کو حضور میرے ہمراہ کر دین۔ تاکہ وہ لوگون کو آپ کے دین کی تعلیم دے۔ مین اُن کی حفاظت کا ذمہ دار اور اُن کی جان کا کفیل ہون" آپ نے انصار مین سے ایک شخص کو اُس کے ہمراہ کر دیا۔ اُن کو لے کے حرث اپنی قوم مین گیا۔ مگر اُس کی قوم نے بیوفائی اور غداری کی۔ اور اُن انصاری بزرگ کو شہید کر ڈالا۔ چند روز بعد حرث بن عوف سامنے حاضر ہو کے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ کو نہایت ناگوار ہوا۔ مگر وفور مروت سے آپ کی حالت یہ تھی کہ کسی کو بُرا کہنا بھی چاہتے تو اُسکے مُنہ پر نہ کہہ سکتے۔ حکم دیا "حسان کو بُلاؤ" حسان آ گئے۔ اپنی خدمت جانتے ہی تھے اور یہان عوف کی صورت دیکھی ساتھ ہی اُس کی بدعہدی و بے وفائی یاد آ گئی۔ اُس کی بدعہدی پر برجستہ دو شعر پڑھے۔ جن کو سُن کر حرث اس قدر پریشان ہوا کہ کہا "محمدؐ ان کو روکیے۔ مین کفالت کا جرمانہ ادا کر دون گا" چنانچہ اُس نے اُس جرمانے مین ستر اُونٹ حاضر کیے اور کہا "محمدؐ۔ اس شخص (حسان) کی بُرائی سے بچنے کے لیے مین تم سے پناہ

مانگتا ہون۔ یہ وہ شخص ہے کہ اپنی زبان کی تلخی سمندر مین ملا دے تو سارا کا سارا کڑوا ہو جائے۔

حسان کی بدیہہ گوئی اور اُن کے شاعرانہ کمال کا جوہر اُس روز کھلا جس دن دربارِ نبوی مین بنی تمیم کا وفد آیا۔ یہ لوگ نہایت جاہل۔ گنوار بیباک اور خود پرست تھے۔ اُن کا ستر اسی آدمیون کا گروہ مسجد نبوی مین یک بیک گھس پڑا۔ آپ گھر کے اندر تھے۔ اُن لوگون کے سرغناؤن نے زور زور سے چلانا شروع کیا "محمد! باہر نکلو۔ ہم اس لیے آئے ہین کہ خودستائی مین ہم سے تم سے مقابلہ ہو جائے۔ اسی لیے ہم اپنے خطیب اور شاعر کو بھی ساتھ لیتے آئے ہین" آپ باہر آئے اور ان گستاخ بدتمیزون کے مجمع مین بیٹھ گئے۔ اب اُن کا سردار اقرع اُٹھا اور کہنے لگا "خدا کی قسم میری مدح انسان کو بنا دیتی اور میری ہجو بگاڑ دیتی ہے" آپ نے فرمایا "یہ تو خدا کا کام ہے" اُنھون نے کہا "ہم سب سے زیادہ معزز ہین" آپ نے فرمایا "تم سے زیادہ معزز یوسف بن یعقوب تھے" یعنی حضرت یوسف علیہ السلام جو مصر کے سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے تھے۔

اب اُنھون نے کہا اچھا تو اب ہمارے شاعر و خطیب کو اجازت دو۔ آپ نے اُن کی درخواست منظور فرمائی اور اُن کے خطیب عطارد نے کھڑے ہو کے یہ تقریر کی "تعریف اُس خدا کی جو ہم سے افضل اور تعریف کا اہل ہے۔ وہی جس نے ہمین بادشاہ بنایا۔ اہلِ مشرق مین ہمین سب سے معزز کیا۔ ہمین بے حد دولت دی جس کو ہم فیاضی سے خرچ کرتے ہین۔ لوگون مین ہمارا مثل و نظیر نہین۔ کیا ہم آدمیون کے سردار اور اُن مین صاحب فضل نہین ہین؟ الغرض جس کسی کو دعویٰ ہو ہمارے سامنے آئے۔ اور جس طرح ہم نے اپنی فضیلتین گنوائی ہین وہ بھی گنوائے۔ حالانکہ ہم اگر چاہین تو ابھی اپنی اور فضیلتین بھی پیش کر سکتے ہین۔ لیکن ہمین لاف زنی کرتے شرم آتی ہے۔ اب مین جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اور جس کو دعویٰ ہو ہمارے قول سے اچھا قول اور ہمارے حالات سے اچھے حالات پیش کرے" عطارد یہ کہہ کے بیٹھ گیا اور اُس کا جواب دینے کے لیے اِدھر سے ثابت بن قیس کھڑے ہوئے۔

ثابت کا خطبہ یہ تھا "حمد اُس خدا کی جس نے آسمان و زمین پیدا کیے۔ اُن

اپنا حکم جاری کیا۔ اپنی کرسی اور اپنے علم کو وسعت دی۔ اور جو کچھ ہوتا ہے اُسی کے فضل و کرم اور اُسی کی قدرت سے ہوتا ہے۔ اُس کی قدرتون مین سے ایک یہ ہے کہ اپنی مخلوق مین سے ہمارے لیے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو حسب مین اُن سب سے افضل باتون مین اُن سے سچا۔ اور رائے مین ان سب سے اچھا ہے۔ پھر اِس پیغمبر پر ایک کتاب نازل کی۔ اور اپنی خلقت کا اُسے امانت دار قرار دیا۔ لہذا وہی وہ شخص ہے جسے اللہ نے سارے عالم مین سے برگزیدہ کیا۔ پھر اُس نے لوگون کو ایمان کی طرف بلایا تو اُس کی قوم اور اُس کے قرابت دارون مین سے مہاجرین نے اُس کو قبول کیا جو سب مین افضل ہین۔ اُن کے چہرے سب سے زیادہ روشن ہین۔ اور اُن کے اعمال سب سے اچھے ہین۔ پھر اُس کے بعد سارے اہل عرب سے پہلے جن لوگون نے پیروی رسُول کی اور اُن کی دعوت حق قبول کی وہ ہم گروہ انصار ہین۔ لہذا ہم خدا کے انصار اور اُس کے رسول کے وزرا ہین۔ اور لوگ جب تک ایمان نہ لائین اور لا الٰہ الا اللہ نہ کہین ہم اُن سے لڑتے رہین گے اور جو کوئی خدا و رسول پر ایمان لائے گا اُس کا مال اور خون ہم پر حرام ہے اور جو خدا و رسول کے ماننے سے انکار کرے گا اُس پر ہم خدا کی راہ مین جہاد کرین گے۔ اور اُس پر جہاد کرنا ہمارے لیے کوئی دشوار کام نہین ہے مین یہ کہتا ہون اور تمام مومنین و مومنات کے لیے درگاہ الٰہی مین دعائے مغفرت کرتا ہون"

یہ تقریر ختم ہوئی تو بنی تمیم کا شاعر زبرقان اُٹھا اور اپنی قوم کی فضیلت مین مدح خوانی کرنے لگا۔ جب وہ اپنے اشعار سنا چکا تو آنحضرت صلعم نے حسان کو بلوایا اور مسجد مین ایک منبر رکھوا کے حکم دیا کہ اس پر بیٹھ کے جواب دین۔ حسان نے فی البدیہ اُسی بحر اور قافیہ مین بہت سے اشعار سنائے جن کو سُن کر بنی تمیم متحیر ہو گئے۔ عطارد سے نہ رہا گیا۔ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایک قطعہ اپنی فضیلت مین پڑھا۔ حسان نے اُن شعرون کا بھی برجستہ جواب دیا۔ یہ سب دیکھ کر بنی تمیم مین سے اقرع کہنے لگا "یہ شخص تو واللہ برگزیدہ معلوم ہوتا ہے اس کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ سخن آفرین ہے۔ اور اُس کے خطیب و شاعر کی آواز ہمارے خطیب و شاعر کی

اور اُس سے زیادہ بلند ہے۔" یہ کہہ کے اُس نے آنحضرت صلعم کی طرف دیکھا اور کہا "مجھ کو کچھ دلوا دو" آپ نے بقدر حیثیت عطا کیا مگر اُس نے کہا "ابھی اور دو" آپ نے اور دیا۔ اور اقرع بولا "خدا کی قسم یہ سردار عرب ہیں" اُس کے بعد یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے چند روز یہاں ٹھہر کے قرآن اور عقائد دین کی تعلیم پائی۔ اور گھر جانے لگے تو آپ نے اور زیادہ عنایت فرمائی۔ کپڑے پہنائے کچھ نقد دیا۔ اور وہ سب خوش خوش اپنے گھروں کو واپس گئے۔

عوج بن عنق

بت پرستوں کے تمام مذہبوں میں دیوتاؤں کے عہد کی ایک تاریخ ہوا کرتی ہے جو بالکل خلاف فطرت اور عجیب مافوق العادت قصوں اور افسانوں سے لبریز ہوتی ہے۔ مصریوں۔ بابلیوں۔ یونانیوں۔ رومیوں۔ ہندوؤں۔ چینیوں سب میں عہد اولین تاریخ کا ایک ایسا دور ضرور موجود ہے جس میں یہ عجائب روزگار اشخاص جمع ہیں۔ اُس زمانے میں آپ جسے دیکھیے عجیب و غریب شکل و شمائل خارج از عقل قوت۔ اور انوکھی ترکیبوں اور بندشوں کا نمونہ نظر آتا ہے۔

مگر ایسے ہی دور از قیاس افسانے جب ہم آل ابراہیم کے موحد خدا پرستوں میں بھی دیکھتے ہیں تو بڑا تعجب معلوم ہوتا ہے۔ دراصل یہود نے غیر قوموں اور مشرکانہ عقائد کی آمیزش سے اپنی قدیم کتابوں میں ایسے بہت سے افسانے درج کر دیے ہیں جو ہندوؤں کے راون۔ یونانیوں کے ہرقلوس اور ایرانیوں کے رستم سب کو مات کر دیتے ہیں۔ مگر اس سے بھی زیادہ یہ امر قابل حیرت اور افسوس ناک ہے کہ یہود کی کتابوں سے اخذ کرکے اکثر مسلمانوں نے بھی ایسی باتوں کو جزو عقائد بنا لیا۔ اُنھیں میں ایک "عوج بن عنق" ہے جس کا نام مسلمانوں میں ایسا مشہور ہوا کہ بچہ بچہ اس کو قصص الانبیا میں پڑھ کر خوش ہوتا۔ اور ریجھ جاتا ہے۔ اس موقع پر ہمیں رد و قدح اور تردید و تحقیق سے بحث نہیں ہم عوج بن عنق کے حالات کو پرانی عربی کتابوں سے نکال کے پیش کیے دیتا ہوں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مسلمان بھی یونانیوں اور ہندوؤں سے نیچے نہیں۔ بلکہ کچھ بڑھے

ہوئے ہین۔ اس لیے کہ "عوج بن عنق" کی شان کا آدمی شاید دنیا کی کوئی دیومالا بہ پیش کر سکے گی۔ واجد علیشاہ مرحوم نے اپنے جانور خانے مین ایک گدھا بھی منگوا کے چھوڑ دیا تھا کہ کوئی یہ نہ کہے فلان جانور اس مین نہین ہے۔ اسی دلگداز مین جب تمام نامورانِ ارض کے حالات لکھنے کا التزام کیا گیا ہے تو بالکل بیجا اور بدنما ہوتا اگر "عوج بن عنق" کے ایسے مشہور شخص کے حالات سے صفحاتِ دلگداز خالی رہ جائین۔ لہذا اب آپ ان بزرگ کے حالات ملاحظہ فرمائین۔

کہتے ہین کہ حضرت آدمؑ کی صلبی اولاد مین "عنق" یا "عناق" نام ایک بیٹی تھی جو ایسی بھاری بھرکم اور لمبی چوڑی تھی کہ بیٹھتی تو پوری ایک ایکڑ زمین گھیر لیتی اُس کے ہاتھون کی اُنگلیان تین تین گز لمبی اور دو دو گز چوڑی تھین (افسوس کہ انگلیون کی لنبان اور چوڑان مین تناسب نہین قائم رہ سکا) ہر انگلی کی نوک پر دو دو ناخن تھے جو ایسے سخت تھے کہ معلوم ہوتا فولاد کے دو دو پھاوڑے لگے ہوئے ہین۔

دنیا مین اسی عورت سے بدکاری فحاشی اور رنڈیون کے پیشے کی بنیاد پڑی۔ وہی جادو کی بھی موجد تھی۔ اور علانیہ گناہ کرتی تھی۔ اسی کے بطن سے عوج پیدا ہوا جو حیرت انگیز شکل و صورت کا آدمی تھا۔ عوج کی ولادت بھی حضرت آدمؑ کی زندگی مین ہوئی۔

اس کی مان عنق کی بےاعتدالیان اور بدکاریان جب حد سے گزرین تو خدا نے اُس کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر اتنی بڑی بھاری بھرکم اور ایسے قد و قامت کی عورت کا ہلاک کرنا انسان کا کام نہ تھا اس لیے اُس پر بڑے بڑے شیر ببر چھوڑے گئے جو ہاتھیون کے برابر تھے۔ بھیڑیے چھوڑے گئے جو اونٹون کے قد و قامت کے تھے۔ اور بڑے بڑے گدھ مسلط کیے گئے جو گدھون کے برابر تھے۔ اُنھون نے مل کے اُسے مارا۔ چیرا پھاڑا۔ اور نوچ نوچ کر کھا گئے۔

مگر اُس کے عظیم الجثہ صاحبزادے رہ گئے جو اِدھر اُدھر بےٹکان مارے مارے پھرتے۔ دو قدم چلے اور مشرق سے مغرب مین یا مغرب سے

مین پہونچ گئے۔ سمندر اُن کا راستہ نہ روک سکتا۔ اس لیے کہ پانی کا گہراؤ بہین بھی اُن کے گھٹنون گھٹنون سے زیادہ نہ تھا۔ طوفان نوح اُن کو ڈبو نہ سکا اُس مین پانی فقط اُن کے ٹخنون تک پہونچا تھا۔ کیون نہ ہو؟ آپ کا قد ماشاء اللہ سے ایک روایت کے مطابق ۳۳۳۳ ۱/۲ گز اور دوسری روایت سے جسے حسب حیثیت زیادہ معتبر ہونا چاہیے ۳۳۳۳ گز کا تھا اور طوفان نوح مین پانی پہاڑون کی چوٹیون سے فقط چالیس ہی گز اونچا ہوا تھا۔ میان عوج کا سر بادلون سے اوپر نکل جاتا اور جب کبھی پیاس لگتی سر جھکا کے بدلیون مین سے پی لیتے غذا یہ تھی کہ سمندر مین اُتر جاتے اور بڑی بڑی مچھلیان پکڑ کے ہاتھ اونچا کر دیتے۔ وہ اُسم بھر مین حرارت آفتاب سے بھن جاتین اور آپ تناول فرماتے۔

اور حسب مضمون شملہ بمقدار علم عوج نے عمر بھی اپنے قد و قامت کی مناسبت سے پائی۔ حضرت آدم کے سامنے پیدا ہوئے تھے۔ تین ہزار سال تک دنیا کی بہار دیکھتے رہے بھی اپنی موت سے نہین مرے بلکہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ حضرت موسیٰ سے لڑائی ہونے کا یہ سبب ہوا کہ جناب کلیم اللہ کی معرفت جب خدا نے بنی اسرائیل کو موعودہ سرزمین مین پہونچانے کا وعدہ کیا تو اُس سرزمین مین اُن دنون کنعانی رہتے تھے جو بڑے زبردست اور جبار تھے۔ جبار سے مراد یہ سمجھی گئی کہ وہ ہاتھ پاؤن اور قد و قامت مین بڑے تھے بمصر سے آزادی پانے اور فرعون کے ڈوبنے کے بعد خدا نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ مملکت شام کے مضافات اریحا مین جاؤ۔ اس سے مراد وہی ارض مقدس تھی جس مین ہزار شہر تھے اور ہر شہر مین ایک ہزار آدمیون کی آبادی تھی۔ اور شادابی اور پیداوار کی یہ حالت تھی کہ ایک ایک انگور کے خوشے کو اُن کے پانچ آدمی اُٹھاتے تھے اور جو بمقابل ساری دنیا کے آدمیون کے قوی ہیکل اور بڑے تن و توش کے دیو سے زور لوگ تھے۔ اسی طرح انار بھی اتنے اتنے بڑے ہوتے کہ کسی انار مین سے دانے نکال لیے جاتے تو اُس کے خالی خول مین پانچ آدمی اطمینان سے بیٹھ جاتے۔ یہ عمالقہ لوگ تھے جو قوم عاد کی باقی ماندہ یادگار تھے۔ انھین لوگون کا ایک سردار ان دنون "عوج بن عنق" بنا ہوا تھا۔

اب حضرت موسیٰ کو خدا نے حکم دیا کہ اُن لوگون سے لڑو۔ مگر مقابلے سے پہلے بارہ سبطون مین سے بارہ شخصون کو منتخب کرکے اُن لوگون کے پاس بھیجو۔ جناب موسیٰ نے یہ بارہ نقیب چُن لیے اور جب ارض اریحا کی سرحد پر پہونچے تو اُن بارہ نقیبون کو روانہ کیا کہ جبارین اریحا کی حالت دریافت کر لائین۔ یہ اسرائیلی نقیب جیسے ہی سرزمین اریحا مین داخل ہوئے عوج بن عنق کا سامنا ہو گیا۔ عوج سر پہ لکڑیون کا ایک گٹھا لیے ہوئے تھا ان بارہون اسرائیلیون کو بھی اُسی گٹھے مین بٹھا لیا۔ اور گٹھے کو گھر مین اپنی جورو کے پاس لے جا کر اُن کو زمین پر ڈال کے کہا۔ ذرا ان ننھے ننھے آدمیون کو دیکھنا۔ یہ ہم سے لڑنے کو آئے ہین۔ خیر اب تو مین ان کو دم بھر مین پیس کے رکھ دون گا۔" جورو کہنے لگی ان کے مار ڈالنے سے کیا مل جائے گا؟ ان کو چھوڑ دو کہ اپنی قوم سے جا کے ہماری قوت اور ہمارے قد و قامت کا تذکرہ کرین اور جو کچھ دیکھا ہے کہہ سنائین۔ جورو کے کہنے سے عوج نے ان اسرائیلیون کو چھوڑ کے اپنے یہان سے ہنکا دیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ عوج نے لکڑیون کے گٹھے مین نہین بلکہ اپنی آستین مین جو اُن دنون جیبا کا کام دیا کرتی تھی باغ کے میوون کے ساتھ ان بارہ اسرائیلی نقیبون کو بھی بھر لیا۔ اور بادشاہ کے سامنے لا کے آستین جھاڑی تو پھلون اور میوون کے ساتھ بارہ آدمی بھی نکل پڑے۔ بادشاہ پہچان گیا کہ اسرائیلی ہین۔ اُن سے کہا "جاؤ اور اپنی قوم سے ہی بیان کر دینا جو تم نے دیکھا ہے۔"

ان اسرائیلیون کے چلے آنے کے بعد عوج نے ایک بڑا بھاری پہاڑ اُکھاڑ کے اپنے سر پہ رکھ لیا۔ جو پھیلاو مین اُتنا ہی بڑا تھا جتنی وہ زمین تھی جس پر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کا پڑاؤ تھا یعنی ساڑھے تین میل لمبی اور اُتنی ہی چوڑی تھی۔ اس چٹان کو سر پہ لے کر چلا کہ بنی اسرائیل کی لشکر گاہ پہ ڈال کے اُنھین ہمیشہ کے لیے فنا کر دے کہ اتنے مین ایک ہُدہُد اُس چٹان پہ آ بیٹھا۔ اور اُس کو ایک چونچ جو ماری تو وہ چٹان بیچ سے خالی ہو کر عوج کے گلے کا ہار ہو گئی سارا سر اُس کے اندر سما گیا۔ اور کسی چیز کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ اتنے مین وہ ٹھوکر

کھا کے گرا۔ اسی مصیبت مین پڑا تھا کہ جناب کلیم اللہ موسیٰ آ پہونچے اور اپنی عصا کا ایک ایسا معجزنما ہاتھ مارا کہ ایک ہی ضرب مین اُس کا دم نکل گیا۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت موسیٰ کا قد چالیس گز بلند تھا۔ چالیس ہی گز کی اُن کی چوب تھی۔ اور حملہ کرتے وقت اُنھون نے چالیس ہاتھ اونچی جست کی اس طرح ۱۲۰ گز کی بلندی پر لکڑی ماری تو عوج کی ایڑی مین لگی۔ اور وہی اُس کی موت کا بہانہ ہو گئی۔

اس کے بعد بنی اسرائیل کے ایک انبوہ کثیر نے خنجر مار مار کے بڑی مشکل سے عوج کا سر دھڑ سے جدا کیا۔ اور اُس کی ایک پسلی لے جا کے دریاے نیل پر ڈال دی جس سے پل بن گیا۔ اور لوگ اُسی پر سے ہو کے نیل کے پار ہوا کرتے تھے۔ ہمارے بچپن مین بہت سے صادق العقیدہ مسلمانون کو یقین کامل تھا۔ اور شاید آج بھی ہو کہ دریاے نیل پر آج تک عوج بن عنق کی پنڈلی کی ہڈی کا پل قائم ہے۔ جس مین اگر کوئی ذرا بھی شک کرتا تو لوگ لڑنے اور اُسے بے دین کہنے کو تیار ہو جاتے مگر اب کتب سلف سے معلوم ہوا کہ ہڈی نہین پسلی کا پل قائم تھا۔ اور خدا جانے آج بھی ہے یا نہین۔

قتل کرنے کے بعد حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل اُس کی لاش کو چھوڑ کے چلے گئے۔ اس لیے کہ اتنی بڑی لاش کے لیے قبر کون کھودتا؟ اور کس کے دفن کیے دفن ہوتی۔ مگر چند ہی روز بعد لاش پر اتنی بالو اور مٹی جمع ہو گئی کہ ایک سلسلۂ کوہ بن گیا۔ اور کیا عجب کہ وہ پہاڑ آج تک موجود ہو۔ مگر افسوس جغرافیہ نویسون کو پتہ نہ لگا کہ وہ پہاڑ کون سا ہے اور کہان ہے۔

خلاصہ یہ کہ میان عوج بن عنق دنیا کی تاریخ مین بڑے شخص تھے اور صحیح معنون مین بڑے تھے۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

بالون کی گوریان رکھنے کے لیے اگرچہ خاصدان مین بہت ترقی کی گئی۔ اُس کی خوشنمائی اور خوبی مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا گیا۔ مگر جب یہ نظر آیا کہ گرمیون کے موسم مین تانبے کے

قلعی کیے ہوے خاصدان جل اُٹھتے ہین۔ اور اُن مین رکھنے سے پُرتکلف گلوریون کے خشک ہونے کے علاوہ وہ ایسی گرم ہو جاتی ہین کہ کھانے مین بجاے تفریح کے تکلیف ہوتی ہے۔ اور بعوض تسکین کے مُنہ خشک ہو جاتا ہے تو اُس موسم مین اُن کے رکھنے کے لیے مٹی کی کوری کاغذی ہانڈیان اختیار کی گئین جن مین پان ٹھنڈے رہتے ہین۔ اُن کی تازگی و فرحت بخشی مین اور ترقی ہو جاتی ہے اور اُن مین ہلکی ہی سوندھاپن پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ کاغذی ہانڈیان لکھنؤ مین ایسی سبک خوشنما اور ورق کی سی باریک بنتی ہین کہ اور کسی جگہ نہین بن سکتین۔ جب ان کو پانی مین بھگو کے اور اُن مین گلوریان رکھ کے سامنے لائی جاتی ہین تو پان تو بعد کھایا جائے گا اُن کی صورت دیکھتے ہی آنکھون مین تازگی آجاتی ہے۔

پھر اُمرا کے تکلف نے اس خیال سے کہ اُن کو بار بار بھگونا دشوار ہے اور جب تک پانی مین تر نہ ہون اُن مین لطف نہین آسکتا اُن پر کپڑا منڈھا تاکہ کپڑا اُن کو گھنٹون تر رکھے۔ اور معمولی سفید کپڑا چونکہ جلدی میلا ہو جاتا اور گلوریان رکھنے کی وجہ سے اُس مین جا بجا سُرخ دھبے پڑ جاتے اس لیے بجاے سفید کے اُن پر سرخ ٹول منڈھا گیا جو نہ جلدی میلا ہوتا ہے اور نہ پان کے دھبے اُس کو بدنما کر سکتے ہین۔ زیادہ آراستگی کے لیے ان ہانڈیون مین ٹول پر باریک روپہلی دھنک سے ہلکی سی بنادی جاتی ہین۔ جن چیزون نے پان کی ہانڈیون کو بنا سنوار کے دولھن بنا دیا۔

تانبے کے خاصدان بھی عمومًا غلاف مین بند رہتے ہین۔ اور اسی طرح کے غلافون کا رواج پاندانون اور حسن دانون کے متعلق بھی ہے۔ جو بڑے اہتمام سے حسب درجہ و حالت پر تکلف بنائے جاتے ہین جن مین فقط حفاظت نہین آرایش بھی ملحوظ خاطر ہوتی ہے۔

ایسا ہی تول دھنک کے ساتھ صراحیون پر بھی منڈھا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے صراحیون مین پانی خوب ٹھنڈا رہتا ہے۔ اور اُن کی صورت دیکھتے ہی بے پیاس کے پانی پی لینے کو جی چاہتا ہے۔

پان کھانے والون کو اکثر پیک تھوکنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے جس کے لیے بار بار اُٹھنا زحمت سے خالی نہین۔ اور پھر جن کمرون مین پُرتکلف فرش بچھا ہو تو

کو جب مشکل سے اور دور جا کے گرتی ہے۔ اور جگہ جگہ بھی تو پیک کے دھبّون سے مکان خراب ہوتا ہے۔ اس لیے پان ہی کے سلسلہ مین ایک اور ظرف کی ضرورت پیش آئی جو تھوکنے کے لیے ہو۔ یہ ظرف اُگالدان کہلاتا ہے۔ اُگالدان کوئی نئی چیز نہین جس کو لکھنؤ کے ساتھ خصوصیت ہو۔ پہلے اُگالدان غالبًا دہلی مین ایجاد ہوئے اور وہ بعینہٖ لکھنؤ مین منتقل ہو آئے۔ اُن کی قطع یہ تھی کہ نیچے گول پیندا اُس کے اوپر ایک گول لٹو پھر اُس کے اوپر کنول نما دہانہ۔ یہ اگالدان تانبے پیتل اور جست کے ہر جگہ بننے لگے۔ بیدر مین اُن پر وہان کا بے نظیر بدری کا کام بنا۔ لکھنؤ مین تانبے پر نقاشی کا کام بنا ۔ گیا پھر مرادآباد مین بنے اور اُن پر وہان کی نفیس نقاشی ہوئی۔ لکھنؤ مین مٹی کے اُگالدان اُسی قطع کے بننے لگے۔

مگر اُن مین خرابی یہ تھی کہ اُن کا نیچے کا حصہ ہلکا اور اوپر کا زیادہ پھیلاؤ کی وجہ سے وزنی ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ اکثر بے احتیاطی یا غفلت مین گر جاتے اور فرش خراب ہوتا۔ اس عیب کے دور کرنے کے لیے پہلے حیدرآباد اور اُس کے بعد مرادآباد مین ایک دوسری قطع کے اُگالدان بننے لگے جو شاید دہلی ہی کے ایجاد ہون۔ اُن کی قطع کمہارون کے بڑے بڑے مٹکے یا ہانڈی کی ڈگڈگی کی سی ہوتی ہے۔ اور لکھنؤ مین بھی بہت سے لوگون کو اس قسم کے اُگالدان اختیار کر لینا پڑے۔ اگرچہ یہان ابھی تک پرانی وضع چھوٹی نہین اور اُسی وضع کے بہت بڑے بڑے اگالدان اب بھی بنتے ہین مگر اب بہت سے گھرون مین اس نئی وضع کے بھی موجود ہین مگر سچ یہ ہے کہ اُگالدان کی ایجاد و ترقی مین لکھنؤ کو کوئی خصوصیت نہین ہے اگرچہ اُن کا رواج لکھنؤ مین ہندوستان کے تمام شہرون سے زیادہ ہے۔

اب ایک نئی قطع کے بیٹھے اور پھیلے ہوئے انگریزی اُگالدان بھی آتے ہین جو چینی اور تمام چینی کے ہوتے ہین مگر وہ غالبًا چرٹ پیتے وقت تھوکنے کے لیے ہین۔ پان کی پیک تھوکنے کے لیے بالکل موزون نہین ہین۔

خاصدان کے بعد امرا اور خوش باش لوگون کے ہمراہی سامان مین پانی کی لوٹیا بھی ہے۔ جو خدمتگارون کے پاس رہا کرتی ہے۔ علی العموم یہ تانبے کی اوسط درجے کی سادی یا نقشی لوٹیان ہوا کرتی ہین۔ جن لوگون کو خدا نے استطاعت دی ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ امارت و دولتمندی نے اُن کو پابندی شرع سے

آزاد کر دیا ہے وہ چاندی کی لوٹیان ساتھ رکھتے ہین۔

لوٹیا پُرانی ہندوؤن کے عہد کی چیز ہے جو ایک بے ٹونٹی کا گول ظرف ہوتا تھا جس کا مُنہ پیٹ سے چھوٹا ہوتا اور چونکہ کنوین سے پانی بھرنے کی اکثر ضرورت پیش آ کرتی اس لیے ہر مسافر کے ساتھ سفر مین لوٹیا ڈوری ضرور رہا کرتی۔ اور دیہات کے ہندو اور نیز وہان کے ادنے طبقے کے مسلمانون مین آج تک اُسی اگلی شان سے اس کا رواج ہے مسلمانون نے اپنے زمانے مین اُس لوٹیا مین ٹونٹی لگا دی تاکہ پانی کے استعمال مین آسانی ہو۔

مین یہ نہین جانتا کہ دہلی کے امرا مین بھی یہ رواج تھا۔ اور جن لوگون کے ساتھ خدمتگار رہا کرتے تو اُن کے پاس لوٹیا بھی ضرور ہوتی جو پانی پینے کلی کرنے اور دوسری ضرورتون مین کام آیا کرتی۔ مگر لوٹیا کی موجودہ قطع اور اُس کی خوشنمائی مین لکھنؤ کو بڑا دخل ہے جس کا حال ہم تانبے کے برتنون کے سلسلے مین بیان کرین گے۔

گرمیون مین رنگین کپڑے کا منڈھا ہوا چھاگل اور پنکھا بھی خدمتگارون کے پاس رہتا۔ اور بعد کے زمانے مین چھتری بھی لازم ہوگئی جس کو دھوپ مین نوکر آقا کے سر پر لگائے رہتا۔

گھرون کی اندرونی ضرورتون مین ہاتھ دھونے کے لیے سلفچی آفتابہ اور چونکہ صابون کا رواج نہ تھا اس لیے بیسن دانی بھی ضروری چیزین تھین۔ سلفچی آفتابہ بیسندانی کے دولتمند گھرون کی پُرانی چیزین ہین جو دہلی مین خدا جانے کب سے مروج تھین اور اپنی اُسی قدیم وضع و شان سے لکھنؤ مین آگئین۔ یہان سلفچی تو وہی رہی اور گو اب اس کی جگہ تسلے کا زیادہ رواج ہوگیا ہے مگر سچ یہ ہے کہ وہ سلفچی کا بدل نہین ہوسکتا سلفچی ایک گول پیٹ کا ظرف ہے جس کا مُنہ ذرا چھوٹا کر کے گرد ایک اچھلے تشت کی وضع مین بہت زیادہ پھیلی ہوتی ہین اور مُنہ پر ایک پردے کی جالی رکھ دی جاتی ہے جس مین سے ہاتھ دھوئے مین سب پانی اندر گر جاتا ہے۔ اُس پردے کو جب چاہین اُٹھا کر اُس کو خوب اچھی طرح صاف کر سکتے ہین۔ اس جالی کے اوپر تھوڑی گھانس ڈال دیجاتی ہے کہ پانی کے گرنے مین چھینٹین نہ اُڑین اُس مین بہت بڑی خوبی اور نفاست یہ ہے کہ میلا پانی جس سے [illegible] کراہت ہوتی ہے نظر کے سامنے نہین رہتا ہے اور جن کے مزاج مین نفاست ہے اُن [illegible]

میں رواں ہو۔ مگر آفتابے کی جگہ لکھنؤ میں لوٹا رائج ہو گیا۔ دراصل آفتابہ ہی پرانے زمانے کا لوٹا تھا جس پر لکھنؤ کے مذاق نے تصرف کر کے موجودہ لوٹے کی بیڈول شکل پیدا کی۔ پرانا لوٹا جو آفتابہ کہلاتا اُس کی شکل یہ تھی کہ تانبے کا ایک قرولی شکل کا ظرف ہوتا جس میں پیٹ اور گلے کا کچھ امتیاز نہ تھا۔ پیندے کے پاس جتنا دور ہوتا وہ اوپر کی طرف کو گھٹتا چلا جاتا۔ آخر میں وہی گلا ہو جاتا۔ یہاں تک کہ کنارے موڑ کے منہ بنا دیا جاتا اور ایک جانب اُس میں خمدار ٹونٹی لگا دی جاتی۔ اس شکل کے لوٹے حیدرآباد میں اب تک پائے جاتے ہیں جو اپنی قدامت اور ہمارے لوگوں کے نقش اولین کا ثبوت دیتے ہیں۔ اُن کی شکل مصر و شام کے گلی ظروف آب یا انگریزوں کے یہاں منہ دھونے کے برتن کے ساتھ چینی کا جگ رہتا ہے اُس کی سی ہوتی۔ اور اسی سے خیال ہوتا ہے کہ مسلمان اس کو عرب و ایران سے اپنے ساتھ لائے ہوں گے۔ چند روز بعد ہندی تمدن کے اثر سے اُس میں پہلا یہ تصرف کیا کہ پیٹ گول بن کر گردن سے جدا اور متمائز ہو گیا۔ مگر اُس کی قربت سے باوجود گولائی کے لمبوترا پن باقی تھا۔ یعنی عرض اور پھیلاؤ بلندی کی مناسبت سے نہ تھا۔ اُس وقت تک پیٹ کی گولائی بھی کُرے کے مثل نہیں بلکہ بیضاوی تھی۔ یہی شکل اُس آفتابے کی ہے جس کا تذکرہ اردو کی اگلی مثنویوں اور قصے کہانیوں میں ہے۔ لکھنؤ میں یہ ہوا کہ پیٹ بالکل گول کُرے کی سی ہو گیا۔ اور جتنی بلندی ہوتی اُسی کی مناسبت سے اُس کا دور اور پھیلاؤ بھی بڑھ گیا۔ گلوں میں بھی ایک موزوں ڈھلاؤ ہو گیا۔ اور ٹونٹی بھی تنا سب اور نوک کے پاس تنگ خمدار اور بہت ہی خوشنما ہو گئی۔ یہ لکھنؤ کا موجودہ لوٹا ہے جس سے زیادہ خوشنما اور سڈول لوٹے ہندوستان کے کسی شہر میں نہیں ہیں۔ اور ہر جگہ کے شوقین فرمائشیں کر کر کے لکھنؤ سے منگوایا کرتے ہیں۔ جو تناسب لوٹوں میں یہاں پیدا ہو گیا ہے چھوٹی لٹیا سے لے کر بڑے سے بڑے لوٹے تک سب میں نظر آتا ہے۔

اسی قسم کا مناسب تصرف تانبے کے تمام برتنوں میں ہوا ہے جن کو ہم آیندہ بیان کریں گے اس لیے کہ اس محل پر اُس کے بتانے کا موقع نہیں ہے۔

بیسن دانی دراصل تانبے کی ایک بے ٹونٹی کی لوٹیا ہوتی ہے جس میں بیسن بھرا رہتا ہے۔ کھانا کھانے کے بعد دہنیت چھڑانے کے لیے اُس میں سے بیسن لیکر

ملا جاتا ہے۔ اور پھر پانی سے دھو ڈالا جاتا ہے۔ بعض مگر بہت ہی کم لوگ ایسے ہین جو بین کی جگہ بیسن دانی مین اُبٹنا یا کھلی رکھتے ہین۔ اس لیے کہ بیسن کھانے کی چیز ہے جس کو ہاتھ دُھونے مین ضائع کرنا اُن کے خیال مین ناجائز یا نامناسب ہے۔ مگر اب اس کا رواج بہت کم ہوگیا ہے اس لیے کہ اُبٹنا شادیون کے سوا (ورکسی) موقع پر نہین بنتا۔ اور کھلی سے ہاتھ مین اُس کی تیز بو آنے لگتی ہے۔

ریویو

علم وعمل طب ۔ اس کے فاضل مصنف لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر بھولا ناتھ ہین جو دولت برطانیہ کے محکمۂ طبیہ کے ایک معزز اعلے طبقے کے عہدہ دار ہین۔ ڈاکٹر صاحب کی خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی تاریخ اور تمدن اسلامی کے اصول و فروع کے بہت بڑے عالم ہین اس شوق مین اُنھون نے عربی و فارسی کی اعلیٰ ترین قابلیت حاصل کی اور فن طب یونانی کو بالاستیعاب حاصل کیا۔ اس کے بعد مصر ایران اور عراق مین برسون رہ کے عربی و فارسی مذاق کو نہایت ہی سچا اور ستھرا بنا لیا۔ اسلامی تاریخ پر اُن کی نظر نہایت وسیع ہے۔ اور یہی اُن کا پسندیدہ سبجکٹ بن گیا ہے۔ اُن کا فارسی کلام اہل زبان کے رنگ مین ڈوبا اور فارسی کے مستند شعراے بلند خیال کے کلام کی تصویر ہے۔ قیام بغداد کے زمانے مین اُنھون نے بغداد کو اس نظر سے دیکھا جس نظر سے کوئی مورخ اسلام اُس کو دیکھتا۔ آثار سلف اور عہد عباسی کی یادگارون کی اُنھون نے بڑے ذوق و شوق اور نہایت محنت و مشقت سے جستجو کی۔ اور ہزارون لاکھون مسلمان زائرین اسلام نے وہ کام نہ کیا ہوگا جو اُنھون نے اپنے علمی مذاق کے تقاضے سے کیا۔ سچ یہ ہے کہ مسلمانون کو اُن کا نہایت شکرگزار رہنا چاہیے اُن کی یہ کتاب علم وعمل طب جو اردو مین ایک بڑی ضخیم کتاب ہے اور ۱۸ × ۲۲ سائز کے ۱۲۱۶ صفحون پر ختم ہوئی ہے دراصل طب یونانی اور ڈاکٹری کے درمیان مختلف فیہ مسائل کا محاکمہ ہے۔ اس کا فیصلہ کہ محاکمہ کیسا کیا ہے اطبا کر سکتے ہین یا ڈاکٹر مگر مین یہ کہنے کا البتہ حق رکھتا ہون کہ دونون گروہون کے لیے یہ کتاب نہایت ہی مفید اور سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔ تاہم اتنا مین کہون گا کہ کرنل صاحب ڈاکٹری کے اصلی اُستاد اور طب یونانی کے عاشق ہین۔ اصلی ذوق جو ابتدائی تعلیم کی برکت سے اُن کے رگ و پے مین

سرایت کر گیا ڈاکٹری کا ہے۔ اور متعدد تجربون کے بعد میرا یہ خیال قائم ہو گیا ہو کہ جسطرح چکھنے سونگھنے سننے اور پہننے اوڑھنے مین ہم بچپن کی عادت و تربیت سے خاص غذاؤن عطرون نغمون اور لباسون کے عادی ہو جاتے ہین اُسی طرح علوم و فنون اور ادبی مذاق مین بھی خاص قسم کا ادب مخصوص مذاق عن اور خاص خاص مسائل و مباحث ہمارے لیے پسندیدہ بن جاتے ہین۔ اور جو لطف ہمین اُن مین آتا ہے دوسرون کے ادب و مذاق و خیالات مین نہین آتا ہے۔ اور ون کی نظر مین وہ کتنے ہی پسندیدہ ہون۔ بہت نمایان طور پر اِس کا اندازہ مذہبون سے ہو جاتا ہے۔ دنیا مین بہت سے مذہب موجود ہین سب اپنی حقانیت کے مدعی ہین اور دوسرے مذہبون کو باطل بتاتے ہین لیکن حالت یہ ہے کہ آج تک فیصلہ نہ ہو سکا۔ جس شخص کو ابتداءً جس دین کی تعلیم ہو جاتی ہے اُس کے ذہن مین کچھ ایسے اصول اور مبادی مسائل جم کے بیٹھ جاتے ہین کہ اُسے سوا اپنے دین کے کسی اور دین مین کوئی خوبی نظر ہی نہین آسکتی بعض لوگ اپنا مذہب بدل بھی دیتے ہین مگر اُس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ پہلی تعلیم کمزور تھی اور دوسری اتنی زبردست کہ پہلی پہ غالب آگئی۔ اس مین زبان سے کوئی دعوی جو چاہے کرے مگر اصلی دخل محاکمہ کو نہین بلکہ آبائی مذہب کی تعلیم کے کمزور ہونے کو ہوتا ہے لہذا میرے نزدیک کوئی ایسا شخص جو مختلف ادیان یا مذاقون یا دلچسپیون کا صحیح فیصلہ کر سکے آج تک نہ دنیا مین نہ پیدا ہو سکا۔ اور نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی طرح کرنل صاحب پر بھی مین سمجھتا ہون کہ ڈاکٹری کا جو ابتدائی اثر تھا اُس پہ طب یونانی کی تعلیم غالب نہ آسکی۔

لیکن میرے اس کہنے سے یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ کرنل صاحب کی اس کتاب کی خوبیون پہ کوئی اثر پڑ سکتا ہے۔ اُنھون نے ایک بے نظیر و عدیم المثال کوشش کمال نیک نفسی کے ساتھ اور تعصبات سے علیحدہ ہو کر کی ہے جس کی بدولت اس کتاب کو پڑھ کے اطباے یونانی اور ڈاکٹرون دونون کو اپنے اپنے فن مین نہایت اعلیٰ درجے کے قیمتی بلکہ بے بہا معلومات حاصل ہو سکتے ہین۔ اور اِس کتاب کو ہر ڈاکٹر اور طبیب کے کتب خانے مین ضرور موجود رہنا چاہیے نہایت عمدہ مجلد و اصنح چھپی ہوئی خوبصورت کتاب ہے۔ پشتی پہ سنہرے حرفون مین کتاب اور مصنف کا نام لکھا ہے۔ سرلوح پہ ماثور کے طریق پر عربی کا یہ فقرہ۔ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ

فَتَدَ وَّوْا یَا عِبَادَ اللہ - لکھا ہے اور نام کے نیچے یہ رباعی ہے۔

اسرار وجود جملہ نہفتہ بمانند
وان گوہر بس شریف ناسفتہ بماند
ہر کس بدلیل عقل چیزے گفتہ
آن نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

یہ کتاب حاذق الملک حکیم اجمل خانصاحب کے نام سے معنون کی گئی ہے۔ اور قیمت مجلد کتاب کی ساڑھے پانچ روپیہ (صہ) اور غیر مجلد کی سوا پانچ روپیہ (صہ) ہے۔ جن حضرات کو شوق ہو دفتر زمانہ کانپور سے یا از بہن لعل صاحب سے بھارت انشورنس آفس لاہور کے پتہ پر خط بھیج کر منگوالین۔

البیان الکامل فی تحقیق الدق والسل - نام عربی ہے اور کام انگریزی اس لئے کہ اس رسالے مین بغیر اس کے کہ طب یونانی کو ذرہ بھی قابل لحاظ سمجھا جائے خالص ڈاکٹری اصول اور جدید تحقیق کے مطابق ہمارے پرانے اور گہرے دوست ڈاکٹر محمد عمر صاحب اسسٹنٹ سرجن و ہاؤس سرجن (شارع برقیہ) متعینہ کنگ جارج میڈیکل کالج لکھنو نے مرض دق اور سل کی تاریخ اس کے اسباب و علامات اس سے بچنے کے تدابیر۔ اور علاج شرح و بسط سے درج فرمائے ہین۔ جناب مصنف کئی وجہون سے خوفناک بزرگ واقع ہوئے ہین اول تو نام سے جلال فاروقی ظاہر ہے۔ اس مین احمدیت یعنی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی پیروی نے تازہ اسٹیم پیدا کر دی۔ پھر اس اسٹیم مین قوت برق کی بیقراری اضافہ ہوئی۔ اور ڈاکٹری نے علم بالیدین پہلے ہی سے مشاق کر رکھا ہے۔ ایسے بزرگون کی کتاب پر ریویو لکھنا غیر معمولی جرأت کا کام ہے۔ مگر محبت و مروت کی بدولت ہماری یہ بھی مجال نہین کہ نہ لکھین۔

یہ کتاب بجائے خود نہایت ضروری اور ہندوستان کے ہر گھر مین رہنے کے قابل ہے۔ ہم ڈاکٹری نہین جانتے۔ لیکن اگر ڈاکٹر محمد عمر صاحب تحسین ناشناس کو گوارا کریں تو اتنا ضرور کہین گے کہ انھون نے کتاب بڑی محنت اور تحقیق سے لکھی ہے۔ اور پبلک پر واقعی بڑا احسان کیا ہے۔ ہندوستان کو مرض سل و دق نے بہت ستا رکھا ہے۔ اور غریب پردے والیان زیادہ تر اس کی شکار ہوا کرتی ہین۔ اُن کے ہاتھ مین ایک ایسی کتاب دے دینا جس کی مدد سے

وہ اس مرض سے بچنے کی کوشش کریں یا اس مرض کے مریضوں کی اچھی داشت اور تیمارداری کریں ایسا کام ہے جس کی جزا ڈاکٹر صاحب کو خدا کی درگاہ سے ملے گی۔

لیکن یہ ڈاکٹر صاحب کو اُن کی ادبی قابلیت پر بالتخصیص مبارکباد دیتے ہیں۔ اس کتاب کی زبان نہایت شستہ اور دلچسپ ہے۔ ۲۰×۲۶ پیمانے پر دو سو سے زیادہ صفحوں پر چھپی ہے۔ کاغذ سفید ہے۔ اور چھپائی صاف۔ قیمت فی جلد چار روپیہ (للعہ) جن صاحبوں کو شوق ہو ڈاکٹر محمد عمر صاحب کو اُن کے مندرجۂ بالا پتہ پر لکھ کے وی پی منگوالیں۔

تذکرۃ الشعرا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مولانا سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی نے پھر اپنے مذاق سخن اور اپنے محققانہ ادب سے قدرداناں سخن کو بہرہ مند فرمانا شروع کر دیا ان کی گذشتہ طولانی غیبت ہندوستان کے لیے ایک سخت قومی و علمی مصیبت تھی خدا کا ہزار ہزار شکر کہ پھر بلبل سخن ادب اردو کے باغ میں نغمہ سنج ہے۔ مولانا حسرت موہانی کے لیے کسی جدید تعارف کی ضرورت نہیں ہندوستان کا بچہ بچہ ان کو جانتا۔ اور نظم اردو کا ہر قدردان ان کا گرویدہ ہے لوگ یہ مژدہ سُن کر خوش ہوں گے کہ اُنھوں نے اپنے قدیم سلسلۂ تذکرۂ شعرا کو پھر جاری کر دیا۔ جس کی جلد اول کو لوگ ذوق و شوق سے دیکھ چکے ہیں۔ اب اس کی دوسری جلد شروع ہوئی ہے جس کے جز رسالوں کی صورت میں سال میں چار بار بالالتزام شائع ہوتے رہیں گے۔ اور وعدہ کیا گیا ہے کہ ہر جز سو صفحوں کا ہوگا۔ جز و اول جو ۹۴ صفحوں پر ہے اور جز دوم و سوم ایک ہیں جن کا مجموعہ بمقابل پہلے جز کے دونے سے زیادہ معلوم ہوتا ہے ہمارے سامنے ہیں۔ پہلے جز میں جناب حسرت نے غالب دہلوی کے حالات زندگی ایسی جدت طرازی سے لکھے ہیں کہ بے ختم کیے نہیں رہا جاتا۔ بعض کتابوں اور رسالوں پر ریویو ہیں خود جناب مدیر کی تازہ غزلیں ہیں۔ اور بہت سے شعرائے اردو کی منتخب غزلیں ہیں دوسرے اور تیسرے جز میں "نکات سخن" کے نام سے شاعری اور ادب اردو کی اصلاح کا ایک ایسا بے نظیر محققانہ اور پرلطف و مستند رسالہ شروع کیا گیا ہے جس کا پیش نظر رکھنا ہر شاعر و ہر زباندان اردو کا فرض ہے۔ اس کے بعد نساخ

رامپوری مرحوم کے حالات زندگی ہین۔ پھر ۹۴ صفحون پہ "یادگار وفا" یعنی وفا رامپوری کا دیوان ہے۔ بعدازان ۱۶ صفحون پہ گستاخ مرحوم کا دیوان ہے اور آخر مین خود ایڈیٹر صاحب اور آغا کی دو غزلین ہین۔ مین ہندوستان کے تمام شائقین زبان اردو کو مشورہ دیتا ہون کہ اس سلسلہ کے تمام اجزا کو ضرور منگوا کے اپنے پاس رکھین۔ اس لیے کہ ان کو اس سے اچھا اور سستا معلومات زبان کا ذخیرہ اور دلچسپ کمالون کا مجموعہ ہرگز نہ مل سکے گا۔ قیمت سالانہ مع محصول ڈاک دو روپیہ (۲؏) ہے اور ہر جز کی قیمت فی پرچہ ۲؍ حسرت موہانی کو علیگڈھ کے پتہ پر خط بھیج کر منگوا لیجیے۔

دیوان حسرت موہانی" یہ حضرت مولانا حسرت کے دیوان جلد اول و دوم و سوم و چہارم کی بہترین غزلون کا مجموعہ ہے جس مین تازہ کلام مین سے بھی نئی غزلین بڑھا دی گئین ہین اور خود جناب مصنف کا انتخاب ہے یہ ۹۷ صفحون پر ہے۔ قیمت فی جلد ۸؍ اس کو بھی جناب مصنف ممدوح سے طلب فرمائیے۔

تشیمۃ الاخلاص۔ اس مین ملا طاہر سیف الدین کی کتاب "ضوء الحق المبین" پر ایک تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ ابھی چند روز ہوے سارے ہندوستان مین ملا صاحب کے خلاف تمام مسلمانون مین ایک غلغلہ بلند تھا اس رسالے کے مصنف صاحب اُن کے طرفدار ہین اور گو کہ عقیدۃً اُن کے صفات ہین مگر کہتے ہین کہ اُنھون نے جو کچھ کہا اپنے لوگون سے کہا اور چھپا کے کہا کوئی کیون بُرا مانے۔ مصنف سید عبدالعزیز احمر ترمذی ساکن کوٹ احمدان آباد مین۔ اور نولکشور پریس مین واضح چھپا ہے۔ قیمت ۴؍ مصنف صاحب سے منگوائیے"

اہل القبلہ" اس ۲۰ × ۲۶ تقطیع کے ۴۰ صفحون کے رسالے مین مولانا محمد عبدالغفور صاحب عابدی نے قرآن۔ حدیث۔ فقہ اور تصوف کی دلیلون سے ثابت کیا ہے کہ تمام اہل قبلہ مسلمان ہین۔ قیمت ۶؍ ہے مولوی محمد یوسف صاحب نظامی اہلکار محکمۂ خزانۂ عامرہ سرکار عالی حیدرآباد دکن سے منگوائی جائے۔

ابو العتاہیہ

اسلام کی دوسری صدی مین عرب کا ایک نامور اخلاقی شاعر تھا جو سلاست کلام الفاظ کی خوبی و روانی اور اُن کے موثر و عبرت خیز ہونے مین جواب نہ رکھتا تھا۔ ابو العتاہیہ لقب پڑ گیا تھا جس نے اتنی شہرت پکڑ لی کہ نام کو مٹا دیا۔ اصلی نام اسمعیل بن قاسم تھا۔

اس نامور شاعر کی زندگی مین دیکھنا یہ ہے کہ اُس کی اصلیت کیا تھی۔ اور کمال نے اُس کو کس اعلیٰ مرتبہ پر اور کہان سے کہان پہونچا دیا تھا۔ دراصل وہ قبیلۂ بنی عنزہ کا غلام تھا۔ ابو العتاہیہ کی کنیت تو شاعری نے دلوائی اصلی کنیت ابو اسحٰق تھی۔ اُس کی مان اُم زید بنت زیاد محاربی تھی جس کا باپ بنی زہرہ کا غلام تھا۔ اسی سے موقع پا کر ابو قابوس نصرانی شاعر نے جب سُنا کہ ابو العتاہیہ نے عتابی کو مجھ پر فوقیت دی ہے تو جھنجھلا کے لوگون مین مشہور کرنے لگا کہ ابو العتاہیہ کی مان ایک زانیہ لونڈی تھی۔

ابو العتاہیہ کا نشو و نما کوفے مین ہوا۔ ابتداے عمر مین پہلا کام یہ تھا کہ ہیجڑون کے ساتھ ساتھ پھرا کرتا۔ چندے بعد کوفے مین کمھاری کا پیشہ شروع کیا اور مٹی کے برتن بنانے لگا۔ تھوڑے دنون بعد یہ کام بھی چھوڑ دیا اور شاعری شروع کی۔ اور اُس مین اس قدر چمکا کہ تمام معاصرون سے بڑھ گیا۔

کہتے ہین اُس وقت لوگون مین مقبول و پسندیدہ شاعر فقط تین تھے۔ بشار سید۔ اور ابو العتاہیہ۔ اور ان تینون شاعرون کے کلام کی اس قدر کثرت تھی کہ اُن کا پورا کلام باوجود جستجوے کثیر کے کوئی نہ جمع کر سکا۔ ابو العتاہیہ تمام بحرون مین کہتا۔ شعر کا مضمون نہایت ہی لطیف و پاکیزہ ہوتا۔ الفاظ بہت

آسان اور فصیح ہوتے۔ جن مین حد سے زیادہ دلکشی ہوتی لیکن ان خوبیون کے ساتھ اُس کے کلام مین عیوب بھی اورون سے زیادہ رہ جاتے۔ اُس کے اکثر اشعار زہد اور تمثیل مین ہوتے۔ اُس کے کلام کی بنا پر معاصرین مین سے اکثر لوگ کہتے کہ وہ فلسفیون کے مذہب کا پیرو تھا۔ اور بعث و نشر کا قائل نہ تھا۔ اس پر دلیل یہ لاتے کہ اُس کے اشعار مین جہان دیکھیے موت اور فنا کا ذکر ملتا مگر حشر و نشر، معاد، اور جزا و سزا کا مطلق اشارہ بھی نہ نظر آتا۔ اُس نے ایسی بحرون مین اشعار کہے جن مین اُس سے پہلے کسی نے نہ کہے تھے اور اُس نے اپنے اشعار کے ذریعے سے اُن بحرون کو عام لوگون مین پسندیدہ بنا دیا۔

مگر شاعرون کے عام مذاق کے خلاف ابو العتاہیہ نہایت ہی خسیس اور بخیل تھا۔ ایک دن خلیفہ مہدی عباسی نے اُس سے کہا، تم بڑے صاحب کمال ہو مگر افسوس کہ اس کمال کے ساتھ مُعتہ یعنی پُرعیب بھی ہو۔ اسی مُعتہ سے اخذ کر کے لوگون نے اس کو ابو العتاہیہ کہنا شروع کیا۔ اور چند روز مین یہی عیب نما لقب ہر زن و مرد کی زبان پر جاری تھا۔ اور جو جو اُس کی شاعری کی شہرت ہوتی گئی اس لقب کی بھی ہوتی گئی بعض لوگ اس لقب کی اور توجیہین بھی کرتے ہین۔

اُس کے خاندان کی یہ حالت بیان کی جاتی ہے کہ وہ قبیلہ بنی عنزہ مین تھا۔ اور اُس کا پردادا کیسان مقام عین التمر مین رہتا تھا سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب اس شہر کو فتح کیا تو کیسان کو جو اُن دنون ایک یتیم بچہ تھا اور بنی عنزہ مین سے کسی کی کفالت مین تھا اسیر کر لائے۔ اُس کے ساتھ اور بہت سے لڑکے پکڑ لائے گئے تھے۔ یہ بچے جب بارگاہ خلافت صدیق اکبر مین پیش کیے گئے تو اتفاقاً اُس وقت عباد بن رفاعہ عنزی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت صدیق ایک ایک لڑکے کو پاس بلا کے اُس کا نسب پوچھتے۔ اور اُس کو جو کچھ معلوم ہوتا بتا دیتا۔ اس سلسلہ مین جب اُنھون نے کیسان سے یہ سوال کیا تو اُس نے اپنے آپ کو بنی عنزہ مین سے بتایا۔ اپنے قبیلے کا نام سنتے ہی عباد چونکے۔ اور عرض کیا کہ یہ لڑکا مجھے دیدیجیے۔ تقسیم کے وقت کیسان چونکہ خود حضرت صدیق کے حصہ مین پڑا تھا اس لیے اُنھون نے اُس کا ہاتھ عباد کے ہاتھ مین دیدیا۔ عباد نے اپنے

اُس کو آزاد کر دیا۔ اور بیٹا بنا کے پالا۔ اس واقعے کی بنا پر ابو العتاہیہ کے طرفدار کہتے ہین کہ وہ دراصل عنزی النسل بھی تھا اور بنی عنزہ کا غلام بھی تھا۔

اور بنی عنزہ کو اُس سے ایسا تعلق ہو گیا تھا کہ اُس کو اپنے ہی مین سے سمجھتے اور اُس کا ساتھ دینے کو تیار رہتے۔ چنانچہ ایک روز کوفے مین مندل اور حیان نامی دو عنزی شخص بیٹھے ہوے تھے۔ ناگہان ابو العتاہیہ خون مین تر بتر آیا۔ دونون نے گھبرا کے پوچھا "کیا ہوا کیا؟" ابو العتاہیہ نے بعوض جواب دینے کے اُن سے سوال کیا کہ "بتاؤ مین کون ہون؟" اُنھون نے کہا "تم ہمارے بھائی ہو۔ بھتیجے ہو۔ اور غلام ہو۔" ابو العتاہیہ نے کہا "مگر فلان شخص نے مجھے مارا بلکہ اپنے نزدیک مار ڈالا۔ اور کہتا ہے کہ مین نبطی ہون۔ اور اگر مین واقعی نبطی ہون تو مُنہ چھپا کے اسی وقت بھاگا جاتا ہون۔" ان دنون جو ساکنین عراق نہ فارسی ہوتے نہ عربی وہ نبطی کہلاتے۔ یہ سُن کر وہ دونون عنزی شخص اُٹھ کھڑے ہوے اور اس قدر طیش مین بھرے ہوے تھے کہ برہنہ پا دوڑے اور جوش کے لہجے مین کہا "اگر عیسیٰ بن موسیٰ عباسی سے بھی تمھارا انتقام لینا ہوگا تو بے لیے نہ رہین گے۔" عیسیٰ بن موسیٰ ان دنون کوفے کا حاکم تھا۔ جس شخص نے ابو العتاہیہ کو مارا وہ ایک قصاب تھا۔ دونون عنزیون نے جا کے اس کو جی بھر کے مارا پیٹا اور ابو العتاہیہ کے دل کی بھڑاس نکال کے واپس آئے۔

بعض اہل روایت کا بیان ہے کہ ابو العتاہیہ اور اسحٰق موصلی جو دربار عباسی کا سب سے زیادہ باکمال مغنی تھا دونون مزار نام ایک مقام مین رہتے تھے۔ اور ابو العتاہیہ اور اُس کے خاندان والے سفالی کے مرتبان بنایا کرتے تھے۔ چند روز بعد دونون بغداد مین آئے۔ ابراہیم تو وہین بغداد مین ٹھہر گیا۔ اور ابو العتاہیہ شہر حیرہ مین آ کے مقیم ہوا جو کوفے کے پاس تھا۔

ابو العتاہیہ کا اصلی مذہب یہ تھا کہ توحید کا قائل تھا۔ اور مجوس کے عقیدے کے مطابق کہا کرتا کہ اللہ جل شانہ نے بغیر کسی مادے کی مدد کے دو متضاد جوہر پیدا کیے۔ پھر دنیا جو بنی تو وہ اُنھین دونون سے مرکب ہے۔ عالم حادث ہے۔ [illegible] بنانے والا خدا کے سوا کوئی دوسرا نہین۔ یہ بھی کہتا کہ عنقریب خدا سب [illegible] کو اُنھین دونون متضاد جوہرون کی طرف پھیر دے گا۔ یہ بھی اُن کا

عقیدہ تھا کہ تمام احکام فطرۃً عقلی ہین۔ عذاب دوزخ کا قائل تھا۔ اور امامت کے مسئلہ مین شیعیان زیدیہ کے مذہب پر تھا۔ مگر باوجود اس اعتقاد کے بادشاہ وقت کے خلاف بغاوت کرنے کو جائز نہ سمجھتا تھا۔ اور عقیدۂ جبر کا بھی معتقد تھا۔

ثمامہ سے جو اُس عہد کے ائمۂ معتزلہ مین تھا اُس سے اکثر مباحثہ رہا کرتا۔ ایک دن مامون رشید کے سامنے ابو العتاہیہ نے ثمامہ سے مسئلۂ جبر کے متعلق کچھ سوال کیا۔ مامون نے کہا "جاؤ اپنی شاعری کرو۔ تم کو ان باتون سے کیا تعلق؟" عرض "اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو امیر المومنین مجھے ان سے کچھ پوچھنے کی اور ان کو جواب دینے کی اجازت دین" مامون نے اجازت دی اور ابو العتاہیہ نے ثمامہ سے کہا "مین اس بات کا قائل ہون کہ بندے بُرا یا بھلا جو کام کرتے ہین وہ ان جانب ... ہوتا ہے۔ اچھا اب دیکھو مین اپنے ہاتھ کو ہلاتا ہون۔ بتاؤ اس کو کس نے حرکت دی؟" ثمامہ بولا "اُس شخص نے جس کی مان فحبۂ زانیہ ہے" ابو العتاہیہ ... ہو کر مامون سے کہا "امیر المومنین دیکھیے۔ خدا کی قسم اس نے مجھے گالی دی" ثمامہ بولا "امیر المومنین بخدا اس کے پاس جواب نہین ہے" مامون اس سوال و جواب پر بے اختیار ہنسنے لگا اور ابو العتاہیہ کی طرف دیکھ کے بولا "مین نے تم سے پہلے کہہ دیا تھا کہ اپنی شاعری کرو۔ اور ان باتون مین نہ پڑو۔ ... تم کو تعلق نہین"

اس کے بعد ابو العتاہیہ دربار کے باہر جب ثمامہ سے ملا تو پوچھا "کیا ... وہی فحش اور بیہودہ جواب کافی ہے" ثمامہ نے کہا "سب سے بہتر کلام وہ ہے جو گفتگو کو ختم کر دے۔ بُرے کو سزا دے۔ اپنا غصہ مٹا دے۔ اور جاہل پر کامیاب کر دے"

بعض لوگ کہتے ہین کہ ابو العتاہیہ مذہب کے بارے مین مذبذب تھا۔ ایک عقیدہ ظاہر کرتا۔ اور جب اُس پر کوئی اعتراض کرتا تو اُس عقیدے کو چھوڑ کر دوسرا عقیدہ اختیار کر لیتا۔

ایک مرتبہ کسی نے ابو العتاہیہ کو دیکھا کہ ایک ہیجڑے کے گھوڑے کے ساتھ رکاب تھامے جا رہا ہے۔ اُس نے ٹوک کے کہا "تمھین اپنے مرتبے۔ اپنی عمر اور اپنی شاعری کے خلاف اس وضع سے جاتے شرم نہین آتی؟" بولا "مین تو ...

کے ساتھ اس لیے رہتا ہون کہ ان کی مکاریان اور چالاکیان سیکھون"۔

بشر بن معتمر نے ابو العتاہیہ سے کہا "مین نے سنا ہے کہ تم جب حج کو گئے تھے تو وہان یتیمون، محتاجون، اور غریب الوطنون کے پچھنے لگایا کرتے تھے۔ کیا یہ سچ ہے؟" کہا "جی ہان"۔ پوچھا "اور اس مین تمھارا مقصد کیا تھا؟" کہا "یہ کہ خدا نے مجھے جتنا بلند کیا ہے اُتنا ہی اپنے آپ کو نیچا کر کے دکھاؤن۔ تاکہ کبر و نخوت دل سے دور ہو۔ اسی لیے مین فقط یتیمون اور فقیرون کے پچھنے لگاتا تھا"۔ بشر نے کہا "پچھنے لگانے سے نفس کشی ہونے کا خیال تو چھوڑو۔ اس کام سے نہ تمھین ادب حاصل ہو سکتا تھا۔ اور نہ تمھاری کسی قسم کی اصلاح ہو سکتی تھی۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تم کو وہ زمانہ اور وقت معلوم ہے جب پچھنے لگا کر خون لینے کی ضرورت ہوتی ہے؟" کہا "نہین"۔ بشر بولا "اچھا اب یہ بتاؤ کہ تمھین اس کا حال معلوم ہے کہ ہر شخص کی طبیعت کی مناسبت سے کتنا خون لینا چاہیے؟ اس لیے کہ زیادتی اور کمی دونون مین ضرر ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے"۔ کہا "مین تو یہ بھی نہین جانتا"۔ بشر نے کہا "تو میرے نزدیک تمھارا فقط یہ مقصد تھا کہ پچھنے لگانا سیکھو۔ اور یتیمون اور محتاجون کو زیر مشق بناؤ"۔ یہ بھی کہتے ہین کہ زندیقون کے سرغنا حمدویہ نے اُس کے گرفتار کرنے کا ارادہ کیا اُس کے خوف سے وہ چھپ کر حجام یعنی پچھنے لگانے والا بن گیا تھا۔

ابن ابی داؤد کے پیرو ابو شعیب نے ابو العتاہیہ سے پوچھا "قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟" یہ اُس عہد کا بڑا پُر فتن مسئلہ تھا جس نے بڑے بڑے ائمہ حدیث کو مبتلائے عذاب کر دیا۔ ابو العتاہیہ نے اُس سے سوال کیا کہ "تم اللہ کے متعلق پوچھتے ہو یا غیر اللہ کے متعلق؟" ابو شعیب نے کہا "غیر اللہ کے متعلق"۔ بس سنکر ابو العتاہیہ خاموش ہو رہا۔ ابو شعیب بار بار پوچھتا تھا اور وہ خاموش تھا۔ آخر عاجز آکر ابو شعیب نے کہا "تم جواب کیون نہین دیتے؟" بولا "جواب تو مین نے دیدیا مگر خدا نے تمھین گدھا بنایا ہو تو مین کیا کرون؟"

ابو العتاہیہ صاف ستھرا رہتا۔ رنگ نہایت گورا تھا۔ بال گھنے گھونگروالے اور سیاہ تھے۔ نہایت اچھی وضع قطع مین رہتا۔ بڑا ذہین و طباع تھا اور نہایت ہی صائب الرائے۔

اُس کے اور اُس کے بھائی زید کے قبضے مین بہت سے حبشی غلام تھے جو مٹی کے برتن بنا بنا کے پکاتے اور جب بہت سے تیار ہو جاتے تو ٹوکرے مین لاکر ایک آڑھتیے آبو عباد یزیدی کے حوالے کر جاتے۔ وہ بیچتا، اور جو بچ رہتے اُن کو واپس کر جاتا۔ بعض لوگ کہتے ہین کہ یہ پیشہ فقط اُس کا بھائی کرتا خود اُس کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور اس کے ثبوت مین یہ واقعہ پیش کرتے ہین کہ ایک دن کسی نے آبو العتاہیہ سے پوچھا "تم کمہار ہو؟" کہنے لگا "ہان۔ مین قافیون کا کمہار ہون اور میرے بھائی برتنون کے کمہار ہین"

آبو العتاہیہ کے شاگرد بہت تھے جو کثرت سے اُس کے پاس آتے۔ اُن کو اپنے اشعار سناتا۔ اور چونکہ کاغذ اُن دنون موجود نہ تھا وہ لوگ ٹوٹے ہوئے ٹھیکرے اُٹھا لیتے۔ اور اُن پر اُس کے کلام کو لکھ لیتے۔

اُس عہد کے ایک مستند بزرگ مصعب بن عبداللہ کہا کرتے کہ "سب سے بڑا شاعر آبو العتاہیہ ہے" لوگون نے اس کا سبب پوچھا تو اُس کے چند شعر سنائے اور کہا "بھلا اس سے اچھا کلام ہو سکتا ہے؟" اصمعی بھی آبو العتاہیہ کی شاعری کا بہت بڑا معترف تھا۔ مسلم خاسر شاعر سے لوگون نے فرمایش کی کہ اپنا کچھ کلام سنائیے۔ کہا "اپنا کلام کیا سناؤن مین تمھین آبو العتاہیہ کا کلام سناتا ہون جو سارے جن و انس سے اچھا کہتا ہے" اسی طرح ایک اور شاعر داؤد بن زید سے کسی نے پوچھا "کون شاعر اپنے تمام ہم عصرون سے اچھا ہے" اُس نے کہا "آبو نواس"۔ پوچھنے والے نے کہا "تو پھر آپ آبو العتاہیہ کی نسبت کیا فرماتے ہین؟" جواب دیا "وہ اپنے ہم عصرون ہی نہین تمام جن و انس سے شاعری مین بڑھا ہوا ہے" خود ابو العتاہیہ سے لوگون نے پوچھا "آپ کس طرح شعر کہتے ہین کہ ایسا اچھا کہہ لے جاتے ہین؟" بولا "جس بات کا ارادہ کرتا ہون اُس کے متعلق تمام خیالات میرے سامنے آ کے کھڑے ہو جاتے ہین جن کو چاہتا ہون لے لیتا ہون۔ اور جن کو چاہتا ہون چھوڑ دیتا ہون" ایک دن آبو العتاہیہ نے دعوے کیا کہ "مین چاہتا تو میری زبان سے جو لفظ نکلتا شعر ہوتا" یعنی مین غیر موزون بات ہی نہ کہتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ خیالات اور الفاظ دونون پر اُسے غیر معمولی حکومت و قدرت حاصل تھی۔ اور عجیب موزون طبع وارث

ہوا تھا۔ ابوالعتاہیہ کا بیٹا محمد کہتا ہے "ایک دن والد سے کسی نے پوچھا آپ فن عروض جانتے ہیں؟ کہنے لگے میرا درجہ عروض سے بڑھا ہوا ہے" اور واقعی اُس نے بعض ایسی بحروں میں کہا ہے جو نہ عروض کی کتابوں میں موجود ہیں اور نہ کسی شاعر نے اُس سے پہلے اُن بحروں میں کہا تھا۔

ایک دن ہارون رشید کو بخار آیا۔ ابوالعتاہیہ نے فضل بن ربیع سے مل کے ایک کاغذ دیا جس میں تین شعر لکھے ہوئے تھے۔ اُن کا مضمون یہ تھا، لوگ اگر یہ جانتے ہوتے کہ تو اُن کے لیے کیا ہے تو تیرے بیمار ہوتے ہی سب مر جاتے تو خدا کا خلیفہ ہے۔ اور اگر سارے آدمیوں کے ساتھ تولا جائے تو وزن میں سب سے بھاری نکلے گا۔ لوگوں کو معلوم ہے کہ محتاج تیری صورت دیکھتے ہی غنی ہو جاتے ہیں" فضل نے جا کر یہ اشعار رشید کو سنائے تو اُسی وقت ابوالعتاہیہ کو بلا بھیجا۔ جب تک بیمار رہا اُسی سے باتیں کرتا رہا۔ اور رخصت کرتے وقت اُس کو بہت کچھ مال و زر دیا۔

ابن اعرابی عہد قدیم کا بڑا نامور و مستند ادیب تھا اُس کی صحبت میں کسی نے ایک شعر کی نسبت کہا "یہ ٹھیک نہیں ہے" پوچھا "کیوں؟" کہا "نہایت ہی سُست پھیکا اور بدمزہ شعر ہے" ابن اعرابی کو غصہ آ گیا کہنے لگا "شعر نہیں خود تمھاری عقل سُست ہے۔ ابوالعتاہیہ کا شعر اور سُست ہو خدا کی قسم نہ ایسا قادرالکلام دیکھا گیا اور نہ ایسا فطرت کے مطابق کہنے والا۔ میں تو اُس کے کلام کو ایک قسم کا جادو سمجھتا ہوں" اس کے بعد وہ بے ثباتی علم پر ابوالعتاہیہ کے اشعار دیر تک سناتا رہا۔ معترض نے کہا "یہ تو ابوالعتاہیہ کا ذاتی مذاق ہے۔ مدح میں اُس کے اشعار ایسے نہیں ہوتے" ابن اعرابی نے اُس کے چند مدحیہ اشعار سنائے اور کہا "بھلا کون ان کا جواب دے سکتا ہے؟" آخر عاجز آ کے اُس شخص نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور کہا "آپ کیا فرماتے ہیں"

خود ابونواس کے سامنے اُس کے اشعار کی داد دیتے ہوئے ایک شخص نے کہا "اب اس وقت آپ سے بڑا کوئی شاعر نہیں ہے" کہا "جب تک یہ بڈھا ابوالعتاہیہ زندہ ہے ایسا نہ کہو"

ثمامہ بن اشرس کہتے ہین "ابو العتاہیہ نے مجھے بے ثباتی عالم اور دولت کی ناپائداری پر اپنے تین شعر سنائے۔ اُن مین یہ خیال موزون کیا تھا کہ انسان کا اصلی مال وہ ہے جو اُس نے خرچ کر ڈالا۔ اور جو رہ گیا وہ اُس کا نہین ہے۔ مین نے پوچھا "یہ مضمون آپ نے کہان سے کہا ہے؟" کہا "حدیث پیغمبر سے" یہ کہہ کے وہ حدیث بھی سُنا دی جو اس خیال کا ماخذ تھی۔ تب مین نے پوچھا "کیا واقعی آپ کا عقیدہ ہے کہ یہ حضور سرور عالم کا ارشاد ہے؟" کہا "بے شک" مین نے کہا "تو پھر آپ نے یہ ستائیس توڑے اپنے گھر مین کیون جمع کر رکھے ہین؟ نہ کھاتے ہین نہ پیتے ہین۔ نہ زکوۃ دیتے ہین۔ نہ ذخیرۂ آخرت بناتے ہین" کہنے لگا "ابو معن تم خدا کی قسم کہتے سچ ہو۔ مگر مین اس کو ڈرتا ہون کہ محتاج ہوا تو لوگون کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑے گا" ثمامہ نے کہا "مگر اور محتاجون سے اپنی احتیاج کو آپ زیادہ کیون تصور کرتے ہین افسوس آپ ہمیشہ سے حریص و بخیل واقع ہوے ہین۔ گوشت کبھی خریدتے ہین تو عید عید کو" جواب کو ٹال کے کہنے لگا "خدا کی قسم اب کی عاشورے کو مین نے گوشت مول لیا تھا۔ اور اُس کے پکانے مین پانچ درہم خرچ ہو گئے" اُس کے اس جملے پر مجھے بے انتہا ہنسی آگئی۔ اور اُسی ہنسی مین یہ بحث اُڑ گئی۔

یہی ثمامہ کہتے ہین مین اُن سے ملنے کو گیا تو دیکھا کہ روکھی روٹی بیٹھے کھا رہے ہین۔ پوچھا کہ "آپ روکھی روٹی کھاتے ہین؟" کہا "نہین تو" مگر مجھے نظر آیا" یہ بغیر مسکا لگائے خود ہی چکنی ہو جاتی ہے" پوچھا "یہ کیسے؟" کہا "آؤ دیکھو" پاس جا کے کیا دیکھتا ہون کہ پاس ایک پیالے مین دودھ رکھا ہے۔ اور اُس کے برابر سوکھی کھنکری چپاتی رکھی ہے۔ اس سے ٹکڑا توڑ کے دودھ کے پاس لے جاتے ہین اور بغیر اس کے کہ دودھ کو چھو بھی جائے مُنہ مین رکھ لیتے ہین۔ مین نے کہا "واہ۔ آپ دودھ مین روٹی کو بھگوتے خوب ہین۔ اور چلا آیا۔

ایک دن آپ نے شہر کے باہر کسی تفرج گاہ مین عیاش نام ایک شخص کی بڑی فیاضی سے دعوت کی جو بغداد کے پل کا داروغہ تھا۔ کھانے کا وقت آیا تو غلام سے کہا "اورون کے سامنے تو اُن کے لیے جو کچھ پکا ہے لگاؤ۔ مگر میرے سامنے فقط سرکہ اور روغن زیتون رکھ دو۔ اس واقعے کا راوی کہتا ہے مین اس خیال

قریب گیا تو دیکھا کہ آپ بلاتکلف جلدی جلدی کھا رہے ہیں لیکن غور سے دیکھا زیتون کے عوض پانی میں کڑوا تیل تھا۔ پوچھا یہ کیا ہے۔ کہا چاہتا ہوں کہ کڑوا تیل ہی ڈلوایا کروں۔ غلام نے غلطی سے زیتون کی مٹیا کے عوض کڑوے تیل کی مٹیا سے انڈیل لیا۔ اور جب لا چکا تو میں نے کہا تیل ہی تو ہے۔ رہنے بھی دو۔

محمد بن عیسی خزیمی کہتے ہیں ابوالعتاہیہ کے پڑوس میں ایک نہایت ہی بوڑھا شکستہ حال شخص رہتا تھا جو غریب کھجوروں کی گٹھلیاں چنتا پھرتا تھا۔ روز صبح و شام کو اُن کے سامنے سے گزرتا اور وہ اُسے دعا دیتے کہتے کہ "خدا تمھاری مفلسی دور کرے۔ اور تم کو دولت مند بنا دے"؟ یونہیں برس برس گزر گئے۔ ایک دن میں نے عاجز آ کے کہا "اس غریب کو آپ جانتے ہیں کہ محتاج ہے مگر فقط دعا پر ٹال دیا کرتے ہیں اتنی توفیق نہیں ہوتی کہ اُسے کچھ خیرات دیدیں" کہا "ڈرتا ہوں کہ اسے بھیک مانگنے کی عادت نہ پڑ جائے گداگری نہایت ہی ذلیل پیشہ ہے اور دعائیں تو تم جانتے ہو کہ کیسی کیسی برکتیں اور خوبیاں ہیں"۔

اسی خزیمی کا یہ بھی بیان ہے کہ ابوالعتاہیہ کا ایک حبشی غلام تھا جو اُن کی خدمت کرتا۔ نہایت ہی قد آور لمبا تڑنگا اور بھاری بھرکم جوان تھا۔ آپ اُسے کھانے کو دو روٹیاں روز دیا کرتے۔ ایک دن اُس نے مجھ سے کہا کہ مجھے فقط دو روٹیاں ملتی ہیں اور وہ بھی بغیر مسکے کے۔ اُن میں میرا پیٹ نہیں بھرتا۔ آپ سفارش کر کے تین روٹیاں کرا دیتے تو بڑا احسان ہوتا۔ میں نے اُس سے وعدہ کر لیا۔ اور ایک موقع پر جب وہ غلام سامنے سے گزرا ابوالعتاہیہ سے پوچھا آپ اسے کیا دیا کرتے ہیں؟ کہا دو روٹیاں روز دیتا ہوں۔ میں نے کہا یہ اس کو کافی نہیں ہوتی ہوں گی۔ تین روٹیاں کر دیجیے۔ کہنے لگے "جس کا پیٹ تھوڑے میں نہیں بھرتا۔ زیادہ میں بھی نہیں بھر سکتا۔ انسان جہاں پیٹ کا بندہ ہوا بس گیا گزرا ہوا۔ اس غلام کی حالت یہ ہے کہ گھر کے اندر کام کرتا ہے۔ عورتوں کے سامنے جاتا ہے۔ اُسے اگر قناعت و کفایت کا عادی نہ بناؤں گا تو میرے گھر کو تباہ کر دے گا" تھوڑے زمانے کے بعد وہ غریب مر گیا اُس کے کفن کے لیے آپ نے ایک پھٹی پرانی لنگی ایک سڑی گلی پلنگ کی چادر دی۔ میں دیکھ کے جل گیا

اور کہا، خوب۔ زندگی بھر خدمت کرنے اور حقوق پیدا کر لینے کی یہ قدر دانی کرا لیا سڑا گلا کفن ملا۔ ایک دینار مین اچھا خاصہ کفن ہو جاتا۔ کہا آپ کو نہین معلوم۔ نئے کپڑون کے مستحق مُردون سے زیادہ زندہ لوگ ہین" یہ جواب مجھے اس قدر ناگوار ہوا کہ مین نے کہا "جی ہان۔ آپ نے اُسے زندگی بھر کفایت شعاری سکھائی۔ اور مرنے کے بعد بھی سکھا رہے ہین"

لطف تو ایک دن ہوا۔ ابوالعتاہیہ بہت سے اہل محلہ کے مجمع مین بیٹھے تھے کہ ایک شوخ و بیباک عیار نے آکر خاص اُن سے سوال کیا عیار ان دنون عراق مین کثرت سے تھے جو ہمارے یہان کے آزاد فقیرون کی طرح فقرے اور پھبتیان کہنے والے نہایت ہی دریدہ دہن اور گستاخ ہوا کرتے تھے۔ آپ نے اپنی عادت کے مطابق فرمایا "برکت ہے" اُس نے دو تین بار ڈھٹائی سے سوال کیا اور یہ بھی وہی جواب دیتے رہے کہ "برکت ہو آگے بڑھو"۔ اِن کا ایک شعر اِس مضمون کا تھا کہ "ہر شخص اپنے مال مین سے فقط کفن پائے گا"۔ عیار نے وہ شعر سنایا اور کہا "تو بابا تو کیا اپنی ساری جمع جتھا کفن ہی مین لگا دے گا؟" ابوالعتاہیہ نے جواب دیا "ہرگز نہین" عیار نے کہا "تو پھر تیرے کفن دفن مین کتنا خرچ ہوگا؟" کہا "پانچ دینار" عیار بولا "تو بابا وہ پانچ دینار نکال لے اور اُس سے جو بڑھے اُس مین سے ایک درہم فقیر کو دلوا" کہا "تجھکو جو دون گا وہ مجھے نہین مل سکتا تو اس کا مستحق نہین ہے" آزاد بولا اچھا بابا ایک کام کر وہ پانچ دینار جو کفن دفن کے لیے رکھے ہین اُن مین سے ایک کو بھنا۔ تین درہم ملین گے دو اپنے پاس رکھ اور ایک مجھے دے" ابوالعتاہیہ نے تعجب سے پوچھا "یہ کیون؟" بولا "اس لیے کہ قبر تین درہمون مین کھدتی ہے۔ مجھے ایک درہم دے اور مین وعدہ کرتا ہون کہ تیری قبر کھود دون گا۔ دو درہم تجھے بچ رہین گے۔ تو اس سے زیادہ کیا فائدے مین رہ سکتا ہے اور اگر بالفرض مین نہ کھود سکا تو وہ درہم تیرے وارثون کو واپس کر دون گا۔ تجھے

عنایت ہو تو جس کی کہیے میں ضمانت لکھوا دون" آزاد کا یہ جواب سُن کر ابو العتاہیہ شرما گیا اور جھنجھلا کے اُس سے کہا "دور ہو یہان سے!" وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔ اور جتنے لوگ صحبت مین بیٹھے تھے سب ہنس پڑے۔ اُن کی طرف دیکھ کر ابو العتاہیہ نے کہا "ایسے ہی لوگون کی وجہ سے خیرات دینا حرام ہو گیا ہے" لوگون نے کہا "یہ نہین معلوم ہوا کہ یہ حرمت کب ہوئی۔ اور کس کے حکم سے ہوئی؟"

ایک دن ایک شخص نے پوچھا "آپ اپنی جائداد کی زکوٰۃ بھی دیتے ہین؟" بولا "خدا کی قسم بال بچون کو زکوٰۃ ہی مین سے تو کھلاتا ہون" اُس نے کہا "خوب زکوٰۃ تو محتاجون اور فقیرون کا حق ہے" کہنے لگا "زکوٰۃ نہ ملے تو اُن سے زیادہ محتاج دنیا بھر مین کوئی نہ ملے گا"

ایک فیاض رئیس سے دوستی تھی۔ وہ ہمیشہ سلوک کرتا اور اُن کی ساری حاجتین پوری کر دیا کرتا۔ وہ مر گیا تو اُس کے بھائی کے پاس پہونچے اور کچھ مانگا۔ اُس نے دینے مین تامل کیا۔ آپ نے اس مضمون کے اشعار لکھ بھیجے کہ افسوس جو دوست تھا مر گیا اور جس سے نفرت ہے وہ نہین مرتا۔ آخر اُس نے ان کی شمشیر زبان کے خوف سے جو کچھ مانگا حاضر کر دیا۔

ایک بزاز سے کچھ کپڑا لیا تھا مگر دام باقی تھے۔ ایک دن گدھے پر سوار اُس کی دکان کے سامنے سے گزرے۔ اُس نے اپنے غلام کو دوڑایا کہ قیمت وصول کر لو۔ اور خبردار بے لیے نہ آنا۔ یہ پل پر پہونچے تھے کہ غلام نے آ کے گدھے کا دہانہ پکڑ لیا۔ اور روپیہ کا تقاضا کیا۔ انھون نے رقم کے دینے مین تامل کیا تو غلام دست درازی کرنے لگا۔ اتفاق کی بات وہ غلام نہایت ہی حسین و خوش رو تھا۔ جو دیکھتا دل ہار دیتا تھا۔ دم بھر مین سیکڑون آدمی جمع ہو گئے۔ اتنے مین آپ نے فی البدیہہ دو شعر پڑھے "تیری صورت کیسی پیاری ہے! کاش اسی پیارے مکھڑے کی سی تیری حرکتین بھی ہوتین" اشعار سُن کے سارے مجمع نے قہقہہ لگایا۔ اور وہ خوبصورت غلام ایسا جھینپا کہ چھوڑ کے بھاگا۔ اور مالک سے جا کے کہا "آپ نے مجھے ایسے شیطان کے پاس بھیجا کہ اُس نے ہزارہا خلقت کو جمع کر کے مجھ پر ایسے شعر کہے کہ مجھے چھوڑ کے بھاگ آنا پڑا"

ریّا بنت الغطریف السلمی

(حسن کی کرشمہ سازیان)

یہ عہد اولین اسلام کی ایک نیک نہاد و باعصمت خاتون تھین جن کے عشق اور عہد و فا کے نباہنے کی داستان قیامت تک حسن وعشق کے بڑے بڑے افسانون کو شرماتی رہے گی۔

اُن کے مورخین کہتے ہین کہ بڑی حسینہ جمیلہ پاکباز و عفیفہ علم و ادب مین مشہور۔ اور شعر وسخن مین نامور تھین۔ اور گروہ انصار مین سے تھین۔

اِن نیک بیوی کے سچے شریفانہ عشق کی داستان یون شروع ہوتی ہے کہ کسی میلے یا عید کے دن جب مدینہ کی عورتین کسی بیرونی نزہت گاہ یا زیارت گاہ مین جایا کرتی تھین نسل انصار کے ایک معزز ذی وقعت اور صاحب علم بزرگ عتبہ بن حباب بن منذر بن صبوح انصاری اُس مسجد مین بیٹھے ہوے تھے جو غزوۂ خندق یا احزاب کی یادگار مین ایک خندق کے کنارے تعمیر کی گئی تھی یکایک چند عورتون کا ایک غول مسجد کی زیارت کو آیا اِن مین ایک نوخیز دلفریب کمسن دوشیزہ جو چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتی تھی ساتھ والیون سے الگ ہو کر اُن کے قریب آئی۔ اور دبی زبان سے سوال کیا "آپ اُس کے بارے مین کیا کہتے ہین جسے آپ کے وصل کی تمنا ہو؟" رعب حُسن اور ہجوم شوق نے اُن کی زبان بند کر دی اور وہ نازنین اپنی ساتھ والیون کے ساتھ چلی گئی۔

اُس کے جانے کے بعد عتبہ کی حالت دگرگون تھی۔ ایک نازنین حور خصائل کے پھول سے نازک لبون اور شرمائے ہوے چشم وابرو کا یہ سوال نہ تھا بلکہ ایک بجلی تھی جس نے سینے مین آگ لگا دی بیقراری بڑھی۔ ہوش وحواس بجا نہ رہے۔ دل سے سیکڑون بار یہی سوال کرتے کہ تو کسی کی زلف گرہگیر مین پھنس گیا۔ مگر یہ بتا کہ مین کہان جاؤن۔ اُسے کس جگہ ڈھونڈون۔ کس سے اُس کا پتا پوچھون۔ افسوس یہ بھی تو نہین معلوم کہ یہ حور وش تھی کون۔ کس کی بیٹی ہے۔ کس

قبیلے کی ہے۔ کیا نام ہے اور کہاں رہتی ہے! آہ!

وہاں تو وہی آنکھ جہاں اپنا گزارہ ہی نہیں؟

اٹھ کر گھر آئے۔ مگر گھر میں کیا خاک دل لگتا۔ مدینے کی گلیوں میں مارے مارے پھرتے۔ ایک ایک سے پوچھتے اور سب احمق بناتے۔ وہ دن اور ساری رات انگاروں پر لوٹتے۔ اور کلیجہ تھام تھام کر آہیں کرتے گزر گئی۔ صبح ہوئی تو پھر پوچھ گچھ کی اور وہی خاک چھانتا۔ جب نہ کہیں سراغ لگا اور نہ کسی جگہ دل لگا تو پھر اسی نالۂ خدا کی مسجد احزاب کی راہ لی اور پھر وہیں تھی اور سرا پا انتظار بن کر درگاہ الٰہی میں تضرع و خشوع سے التجا کرنے لگے کہ "خداوندا اسے بھیج یا اُس کا پتہ بتا"۔ بیٹھے بیٹھے وہی وقت آگیا جس وقت کل اُس گل اندام کا چہرۂ زیبا دکھا اور سوال کرتا سنا تھا۔ ناگہاں دور پر عورتوں کا ایک غول ادھر آتا دکھائی دیا۔ دل میں امیدوں نے ہجوم کیا شوق نے یقین دلایا کہ وہ گلبدن سیمتن اسی گروہ میں ہے۔ دل پر در سے بے زبان ہائے "مرحبا" کی آواز کانوں میں آنے لگی اور جوں جوں وہ گروہ قریب ہوتا جاتا تھا شوق کی بیخودیاں بڑھتی جاتی تھیں۔ آخر وہ عورتیں مسجد میں آئیں اور ادھر اُدھر سیر کرنے لگیں مگر اُس پری جمال کا کہیں پتہ نہ تھا جسے آنکھیں ڈھونڈھ رہی تھیں۔ اب یاس ایک بے رحم قصائی کی طرح امیدوں اور تمناؤں کو سینے کے مقتل میں چن چن کر ذبح کرنے لگی۔ اور قریب تھا کہ ساری تمناؤں کا خاتمہ ہو جائے کہ یکایک اس غول میں کی ایک عورت نے قریب آکر دلی زبان میں پھر وہی کل والا سوال کیا کہ "اپنی طالب وصال کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" یکایک مقتول و مذبوح تمنائیں پھر جی اُٹھیں۔ اور نہایت ہی حسرت و تمنا کے ساتھ پوچھا "مگر آہ وہ ہے کہاں؟" اُس نے جواب دیا کہ "اپنے باپ کے ساتھ شہر سماوہ کو چلی گئی"۔ ایک آہ کے ساتھ کہا "آہ! جی بھر کے دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ پھول نظر کے سامنے سے ہٹ گیا! مگر اور نہیں تو اس کا اور اُس کے باپ اور خاندان کا نام تو بتا دو"۔ عورت نے چپکے سے کہا "اُس کا نام ریا ہے۔ غطریف سلمی کی بیٹی ہے۔ اور انصار کے گھرانے کی لڑکی ہے"۔

یہ کہتے ہی وہ عورت اور اُس کی ساتھ والیاں چلی گئیں۔ اور عتبہ کو

ہوش نہ تھا کہ مین کیا کرون اور کہان جاؤن۔ آخر بصد ہزار جبر گھر مین آئے۔ اور رات بھر اسی سونچ مین رہے کہ کیا کرون اور کس طرح اُڑ کر ثمادہ پہونچ جاؤن۔ مگر ثمادہ کالے کوسون عراق کی سرحد پہ ہے۔ جہان انسان مہینون کی دشت نوردی کرکے پہونچتا ہے۔ آہ! میری سہ پارہ چودھوین رات کا چاند ہے۔ اور ثمادہ اُس کا آسمان ہاے! مین اس روشن تارے کو آسمان سے کیسے توڑ لاؤن؟" چند شعر موزون کیے جن کا مضمون یہ تھا کہ دوستو! ریّا اپنے مسکن ثمادہ مین چلی گئی۔ اور اُس کا قافلہ آسمان ثمادہ کی طرف جا رہا ہے۔ دوستو! مین روتے روتے بیدم ہو گیا۔ اور آنکھون مین آنسو نہین باقی رہے۔ کوئی مہربان ہے کہ تھوڑے آنسو مجھے قرض دے دے۔

آخر جس طرح بنا سفر کا سامان کیا۔ ایک یار باصفا کو رفیق سفر اور انیس حرمان بنا کے ساتھ لیا۔ اور ثمادہ کی طرف چل کھڑے ہوے۔ منزل مقصود پر پہونچ کے کاشانۂ جانان کی راہ لی۔ فطریق سلمی سے ملے اور اُس کو جونام معلوم ہوا تو اس خیال سے کہ دار الہجرت مدینہ کے متوطن ہین بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ ہاتھون ہاتھ لیا۔ خود اپنے یہان مہمان کیا۔ اور دو تین روز کے بعد کہا "آپ جس کام کے لیے تشریف لائے ہون بیان کیجیے۔ مجھ سے جہان تک ہو سکے گا آپ کی مدد کرونگا اور کوشش کرونگا کہ جس غرض سے آئے ہین وہ بوجہ احسن پوری ہو۔"

اس کے جواب مین عقبہ بن حباب تو خاموش رہے مگر اُن کے ہمسفر دوست نے مہمان نواز فطریق سے کہا "ہمارے دوست آپ کی صاحبزادی ریّا کے لیے پیام دینا چاہتے ہین۔" اُس نے کہا "آپ کی شرافت خاندانی دولتمندی اور حسب و نسب مین کوئی شبہہ نہین۔ بے شک آپ کو پیام دینے کا حق ہے۔ اور مجھے بھی قبول کرنے مین کوئی عذر کرنے کی وجہ نہین۔ مگر یہ معاملہ خود ریّا کی ذات کا ہے۔ اُس سے پوچھنا مقدم ہے اور مین نے نکاح کے معاملے مین اُسی کو اختیار دے رکھا ہے۔"

عقبہ "تو پھر اپنی صاحبزادی سے بھی جا کے دریافت فرما لیجیے۔"

اب فطریق اندر گیا اور ریّا سے کہا "بیٹی مدینے کے معزز و شریف سردار عقبہ جو ہمارے مہمان ہین تیرے ساتھ شادی کرنے کے آرزومند ہین۔ مین اُن کی شرافت سے واقف ہون۔ اور ہمارے ہی گروہ انصار کی نامور یادگار ہین۔ تیری

اس معاملے مین کیا ارادہ ہے؟"

رتیا تو اس کی منتظر ہی تھی۔ خود بھی عتبہ کے شوق مین بیتاب وبیقرار تھی اور اُن کے دل مین بھی ایک فقرہ کہہ کر آگ لگا آئی تھی۔ بے تکلف قبول کرلیا اور باپ سے کہا "اباجان ایسے شریفون کی درخواست کو مسترد نہ کرنا چاہیے"

اسی قدر نہین باپ کے جانے کے بعد لونڈی کے ہاتھ عتبہ کے پاس شکریہ بھی کہلا بھیجا۔

یہ شکریہ ادا کرنا قیامت ہو گیا۔ لونڈی نے قطریق سے کہہ دیا۔ اور وہ اس نے بھی ساتھ آکر بیٹی سے کہا "رتیا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ تجھ سے اس مدنی شخص سے پہلے کا عہد و پیمان ہے۔ اور تم دونون میری غفلت مین ایک دوسرے پر فریفتہ ہو چکے ہو۔ مگر یہ امر عرب کی شرافت و معاشرت کے خلاف ہے کہ لڑکی کی شادی اُس شخص سے کی جائے جس کے ساتھ نکاح سے پہلے محبت پیدا ہو چکی ہو۔ مین نے تجھے اپنی شادی کا اختیار دیا تھا۔ مگر اب ثابت ہوا کہ تو آزادی پانے کی اہل نہ تھی۔ اس لیے اب یہ غیر ممکن ہے کہ عتبہ کے ساتھ تیرا عقد ہو۔ ایسی رسوائی و بدنامی کو تیرا باپ نہین برداشت کر سکتا۔"

رتیا باپ کے یہ خیالات سُن کر بہت گھبرائی۔ دل مین نشتر سے چبھ گئے۔ مگر چہرے سے کوئی غیر معمولی پریشانی نہ ظاہر ہونے دی۔ اور کہا "اباجان آپ کو اختیار ہے۔ اور بغیر آپ کی مرضی کے کوئی کام نہین ہو سکتا۔ لیکن آپ انصار مین ہین۔ اور ہمارا مہمان بھی انصاری ہے۔ کج خلقی و بے مروتی انصار کا شیوہ نہین اُن کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی بات نہین منظور ہوتی تو اس کو ایسی خوبصورتی اور تہذیب و شائستگی سے ٹالتے ہین کہ اُن کے اخلاق پر حرف نہین آنے پاتا۔ اور جب آپ کو عرب کے رسم و رواج کا اتنا پاس و لحاظ ہے تو اپنی خاندانی تہذیب کو ہاتھ سے دینا بھی ہرگز نہ پسند کرین گے"

قطریق "مین بے شک ایسا نہ کرون گا"

رتیا "تو آپ یہ نہ کرین کہ اُن کو صاف لفظون مین جواب دین۔ اور وہ دنیا

بھر میں کہتے پھرتے ہیں کہ وضع انصار کے خلاف آپ نے ان کو نہایت بدتمیزی وسختی سے جواب دیا۔"

فطریق "تو پھر میں کیا کروں اور کیا جواب دوں؟"

ربیا "نکاح کو بظاہر منظور کیجیے مگر اُس میں ایسی شرطیں لگا دیجیے کہ اُن سے نہ پوری ہو سکیں۔"

فطریق "یہ صحیح ہے میں اتنا مہر مانگوں گا کہ اُن سے دیے نہ دیا جائے۔ دوتی مجھے اپنے ہم قوم و ہم نسب لوگوں سے ایسا روکھا پن نہ برتنا چاہیے۔" یہ کہہ کے باہر آیا۔ اور عتبہ سے کہا "میری بیٹی کو بھی آپ کے عقد میں آنا منظور ہے۔ مگر اُس کا مہر بھی آپ نے سُنا؟"

عتبہ "فرمائیے جہاں تک ممکن ہو گا اُس کو فراہم کر کے حاضر کر دوں گا۔"

فطریق "میری بیٹی کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے۔ اور اُس کا مہر اُس کی خوبیوں کے لحاظ سے مقرر کیا گیا ہے۔ آپ کو ایک ہزار اشرفیاں۔ پانچ ہزار روپیہ سرخ بُرد یمانی کی نفیس و اعلیٰ چادریں۔ اور عنبر اشہب کے پانچ قرص ادا کرنا ہوں گے۔"

عتبہ "یہ تو دشوار ہے۔ اشرفیاں روپیہ اور چادریں شاید مہیا بھی کر لوں مگر عنبر کے پانچ قرص کہاں سے لاؤں گا؟"

فطریق (مسکرا کے) "اور بغیر اس کے ربیا کسی کو نہیں مل سکتی۔"

عتبہ "اچھا خیر۔ میں کوشش میں اپنی جان لڑا دوں گا۔ لیکن اقرار فرمایئے کہ اگر مہر کی یہ سب چیزیں لا کے پیش کر دوں تو آپ ربیا کو میرے عقد میں دے دیں گے۔"

فطریق دل میں سوچنے لگا کہ اقرار کر دوں یا نہ کروں۔ اگر اس نے سب چیزیں لا کے موجود کر دیں تو پھر انکار کرتے نہ بنے گی۔ مگر آپ ہی خیال کیا کہ ان چیزوں کا ہاتھ آنا محال ہے بھلا یہ کہاں سے لائیں گے۔ اور کہا "بے شک میں اقرار کرتا ہوں کہ جس دن آپ یہ مہر کی چیزیں لے آئیں گے اُسی دن نکاح کر دوں گا۔"

عتبہ نے اس کے بعد سارے عرب اور عراق کی خاک چھان

اور چونکہ طلب صادق تھی اور عشق سچا تھا خدا نے سب چیزیں مہیا کر دیں۔ فوراً اُن کو لیکر ستاوہ میں پہونچا۔ اور نفطریق سے کہا یہ سب چیزیں لے آیا۔ لیجئے اب عقد کا سامان کیجیے۔" اُس نے حیرت سے عقبہ کی صورت دیکھی گھبرایا ہوا بیٹی کے پاس گیا۔ اور کہا ادرّیا۔ عقبہ نے مہر کی تمام مطلوبہ چیزیں حاضر کر دیں جن کو میں سمجھتا تھا کہ کسی کو دستیاب نہ ہو سکیں گی۔ اب بتا کیا کروں؟"

ریّا "آپ نے صاف الفاظ میں اقرار تو نہیں کیا؟"

نفطریق "اقرار تو صاف لفظوں میں کر چکا جس سے پھرنا غیر ممکن ہے۔ اب تو میں مجبور ہوں کہ تیرا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دوں"

ریّا "ہاں۔ بدعہدی تو آپ سے نہ ہو سکے گی"

نفطریق "نہ آج تک کبھی ہمارے خاندان میں ہوئی اور نہ مجھ سے ہوگی۔ افسوس کہ تم دونوں اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے اور پابندی عہد نے مجھے ذلت گوارا کرنے پر مجبور کر دیا۔ خیر تو اب دُولھن بننے کے لیے تیار ہو۔ مشاطہ کو بلا کہ تجھے بنا چنا کے آراستہ کرے۔ اور آج ہی شام کو تیرا عقد ہو جائے"

اسی دن شادی ہو گئی۔ اور عقبہ کو ریّا کی صورت میں ایسی نعمت غیر مترقبہ اور ایسی دولت لازوال ہاتھ لگی کہ دوسرے روز سے جو ولیمہ کی دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا تو مسلسل چالیس روز تک جاری رہا۔ اہل ستاوہ نے اس مدت تک برابر جشن منائے۔ اور کسی گھر میں کھانا نہ پکا۔ ان دعوتوں و جشنوں کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد عقبہ نے اپنی پری جمال و حور خصال دولھن ریّا کو بڑے ساز و سامان سے رخصت کرایا اور ایک پر تکلف برات کی شان سے یہ عروسی قافلہ مدینے کی طرف روانہ ہوا۔

مدینۂ طیبہ ایک منزل رہ گیا تھا کہ ناگہاں بدوی ڈاکو قافلہ پر آ پڑے۔ اُنھیں خبر مل گئی تھی کہ اس قافلے میں دولھا دُولھن بڑے ساز و سامان اور اعلیٰ درجے کے جہیز کے ساتھ آ رہے ہیں۔ لہذا اُنھوں نے اتنی قوت سے حملہ کیا کہ قافلہ والوں کا زور چلنا غیر ممکن تھا۔ عقبہ نے جب دیکھا کہ میری دولھن

کی عزت و ناموس پر حملہ ہونے والا ہے تو شیر ببر کی طرح ڈاکوؤن پر جھپٹ پڑا۔ اور بہتون کو مار کے گرا دیا۔ مگر کہان تک؟ اور کب تک؟ جب دشمنون نے نرغہ کرکے سب طرف سے نیزے مارنا شروع کیے تو زخمی ہو کر گرا۔ اور زخم ایسے کاری تھے کہ تڑپ کر جان دے دی۔

ریّا نے محل کے پردے سے جھانک کر عاشق دولھا اور باوفا شوہر کی بیجان لاش دیکھی تو ایسی حسرت و یاس سے رونے پیٹنے اور ماتم کرنے لگی کہ ڈاکوؤن کو لوٹنا بھول گیا اور سب نقش حیرت بنکے رہ گئے۔ اُس نے بال کھول دیے۔ زیور نوچ کے پھینک دیا۔ نہ آنسوؤن کا سلسلہ ٹوٹتا تھا اور نہ ماتم و سینہ کوبی سے ہاتھ رکتا تھا جوش حسرت مین اُس نے چند شعر فی البدیہہ تصنیف کیے جن کو بین کی طرز مین گا کے سنا دیا اور آسمان و زمین اور حجر و شجر کو رُلا رہی تھی۔ اُن شعرون کا مضمون یہ تھا کہ "مین نے صبر کیا مگر یہ صبر نہین بلکہ تمھارے پاس آنے کے راستے کو کاٹنا ہے۔ او میری جان اگر انصاف کی راہ سے دیکھو تو دنیا بھر مین سب سے پہلے اُسی کو تمھارے پاس آنا چاہیے"۔ آخر یہ شعر پڑھتے ہی پڑھتے ایک چیخ ماری اور محل سے زمین پر گر کے جان دے دی۔

یہ حسرتناک منظر نہ تھا ایک جادو یا طلسم تھا۔ ڈاکو اور قافلے والے سب کھڑے رو رہے تھے اور کسی کو کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ دیر کے بعد جب ہوش آیا تو سب نے مل کے اُن دونون عاشق و معشوق کو شہیدان وفا کی طرح اُنھین کے کپڑون کا خونین کفن پہنا کے ایک ہی قبر مین دفن کر دیا۔ اور بصدق دل فاتحہ پڑھ کے اپنا اپنا راستہ لیا۔

تھوڑے دنون کے بعد لوگون نے دیکھا کہ اُن کی قبر پر ایک درخت اُگا ہے جو وارد و صادر کو اُس دشت بے شجر مین اپنے پاس بلا کے بتا دیا کرتا ہے کہ "میرے سایہ مین عتبہ اور ریّا کے ایسے صادق العہد و جان باز عشاق آرام فرما رہے ہین"۔ لوگون نے اُس درخت کا نام "شجرۃ العروسین" (دولھا دولھن والا درخت) رکھ دیا۔ اور اسی نام سے مدتون وہ درخت اور وہ مقام یاد کیا جاتا رہا۔

دارمیہ حجونیہ

یہ عہد صحابہ کی ایک پُرجوش راست باز اور بیباک و آزاد خاتون تھی۔ نہایت ہی طلیق اللسان اور بڑی فصیح البیان تھی۔ حضرت علی مرتضیٰ کے ساتھ اُسے خاص عقیدت و محبت تھی۔ اور اگرچہ زمانہ بدل گیا تھا مگر آپ کی مدح سرائی میں کسی کا خوف دل میں نہ لاتی۔ اُسے جمل و صفین کے واقعے یاد تھے جن کو یاد کر کے حضرت علی مرتضیٰ کی عزت کرتی۔ اور آپ کی ناکامیون پر حسرت سے آنسو بہاتی۔

ابوسہیل مسیحی کا بیان ہے کہ جناب معاویہ ایک سال حج کو گئے تو لوگون سے دریافت کیا۔ بیان بنی کنانہ کی نسل کی ایک عورت تھی جو دارمیہ کہلاتی اور مقام حجون مین رہا کرتی تھی۔ اُس کا بھی کچھ پتہ ہے؟" لوگون نے کہا "جی ہان وہ زندہ و سلامت ہے" یہ سُن کر حضرت معاویہ نے اُس کو بلا بھیجا جب وہ آئی تو کہا "اے حام کی بیٹی (حبشن) کیون آئی ہو؟" بولی مین حبشن نہین عربی الاصل اور آل کنانہ مین سے ہون۔ آئی اس لیے کہ آپ نے بلا بھیجا۔"

جناب معاویہ "سمجھین بھی کہ مین نے کیون بلایا ہے؟" کہا "غیب کی خبر خدا کو ہے مین کیا جانون کہ آپ نے کیون بلایا ہے؟"

جناب معاویہ "مین نے یہ پوچھنے کو بلایا ہے کہ تم کو علی سے کیون محبت تھی؟ اور مجھ سے کیون بغض ہے؟" اُس نے کہا "سچ کہون؟ آپ خفا تو نہ ہون گے؟ اور جو کہون گی اس کو معاف کر دین گے؟" جواب ملا "نہین یہ قصور معاف نہین ہو سکتا"

دارمیہ "خیر آپ معاف نہین کرتے تو نہ کرین مگر میرا جواب سُن لیجیے۔ حضرت علی سے مجھے اس لیے محبت تھی کہ وہ رعایا مین انصاف کرتے۔ اور سب کو ایک نگاہ سے دیکھتے۔ اور بذل و عطا کے وقت سب کو برابر عطا فرماتے۔ ان چیزون کو دیکھ کر مین ان کی مدح خوان ہوئی اور اُن سے محبت کرنے لگی۔ آپ سے بغض اس لیے ہے کہ آپ خلافت کے لیے اُس شخص سے لڑے جو آپ سے زیادہ اس کا مستحق تھا۔ اور اُس چیز کے خواستگار ہوے جس کا آپ کو استحقاق نہ تھا۔ علیؓ کی دوست اس لیے تھی کہ رسول خدا صلعم نے اُن کو اپنا دوست بنایا۔ مسکینون اور محتاجون

سے اُن کو محبت تھی۔ ازواج رسول اللہ صلعم کی عزت اور اُن کا احترام کرتے تھے۔ اور آپ سے اس لیے دشمنی تھی کہ آپ نے خونریزی کی۔ جو فیصلے کرتے ہین اُن مین ظلم کرتے ہین۔ اور خواہش نفس کے مطابق احکام جاری کرتے ہین۔"

حضرت معٰویہ نے جھنجھلا کے کہا" اسی بغض کے بھرے ہونے کی وجہ سے تمھارا پیٹ پھول گیا۔ چھاتیان بڑی بڑی ہوگئین۔ اور سُرین بھاری بھرکم ہین"
سنتے ہی دارمیہ نے جواب دیا" اِن صفات مین تو خدا کی قسم آپ کی مان ہند ضرب المثل تھین"

حضرت معٰویہ" اچھا اچھا بیٹھو۔ مین نے یہ بُرائی کی ارادے سے نہین کہا تھا۔ اس لیے کہ یہ تو عورت کے خاص صفات ہین جس کا پیٹ بڑا ہوتا ہے اُس کے رحم مین بچہ اچھی نشو و نما پاتا ہے۔ سینہ بڑا ہوا تو بچہ کا دودھ سے پیٹ خوب بھرا۔ اور سُرینون کے بڑے ہونے سے وہ جہان بیٹھتی ہے وقار و تمکنت کے ساتھ بہت سی جگہ گھیر لیتی ہے"

اب دارمیہ کا جوش ذرا کم ہوا۔ اور امیر معاویہ نے پوچھا" اچھا بتاؤ تم نے علی کو دیکھا تھا؟" بولی" ہان دیکھا تھا" پوچھا" تو اُنھین کیسا پایا؟" کہنے لگی" مین نے اُن کو ایسا پایا کہ یہی حکومت جس نے آپ کو فتنے مین مبتلا کر دیا ہے اُن کو مبتلا نہ کر سکتی تھی۔ اور یہی دولت جس نے آپ کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اُن کو نہ بنا سکی" جناب معٰویہ نے پوچھا" اور اُن کی باتین بھی سُنی تھین؟" بولی" ہان سُنی تھین۔ اور خدا کی قسم اُن کو سُن کر دل روشن ہو جاتا تھا"

گویا اس گفتگو کو ختم کر کے حضرت معٰویہ نے پوچھا" خیر تم سچ کہتی ہو اب بتاؤ مجھ سے کچھ چاہتی بھی ہو؟" دارمیہ نے پوچھا" جو مانگون گی آپ دین گے بھی؟" کہا" ہان دونگا" کہنے لگی" تو مجھے سو اونٹنیان دلوائیے جن کے ساتھ اُن کے بچے بھی ہون۔ اور چرانے والے بھی ہون" پوچھا" ان اونٹنیون کو لے کر کیا کرو گی؟" دارمیہ نے کہا" دودھ سے بچے پلین گے بڑے پیٹ بھرین گے۔ مین اُن سے نفع حاصل کرون گی۔ اور اپنے قبیلے والون کی بھی اصلاح کرون گی"

یہ سُن کر جناب معٰویہ نے کہا" اچھا ایک شرط ہے اگر مین تمھاری یہ خواہش

پوری کر دون تو وعدہ کرو کہ مجھے بھی ویسا ہی سمجھنے لگو گی جیسا کہ علیؓ کو سمجھتی ہو" دارمیہ نے کمال آزادی سے کہا "سبحان اللہ بھلا یہ ممکن ہے؟ اُن کے برابر کیسا ہیں تو اُن سے کم بھی نہیں سمجھ سکتی" اُس کے اس بیباکانہ جواب پر معویہ نے جھنجھلا کے کہا "خیر لو۔ کیا یاد کرو گی۔ مگر یاد رکھو کہ علیؓ زندہ ہوتے تو خدا کی قسم تم کو اتنے اونٹ ہرگز نہ دیتے" اُس نے آزادی کے ساتھ جواب دیا "بے شک نہ دیتے۔ وہ تو مسلمانون کے بیت المال مین سے اونٹ کیا چیز ہین اُن کے اُون کا ایک رویان بھی مجھے نہ دیتے"

اس گفتگو کے بعد جناب معاویہ نے اونٹ منگوا کر اُس کے حوالے کیے اور وہ اُن کو لے کر اپنے گھر گئی۔

اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اظہار حق مین اُس عہد اولین اسلام کی ایک ایک معمولی عورت بھی کس قدر جری و بیباک تھی۔ اور معویہ نے اگرچہ خلافت کی شان اور اُس کی دینی آن بان مٹا کے اسے شخصی سلطنت بنا لیا تھا۔ مگر عہد قدیم کی صحبتون کی اتنی برکت باقی تھی کہ کتنی ہی سختی سے مخالفت کیجائے اُن کے ضبط و تحمل مین فرق نہ آتا تھا۔ اور ہر آزادانہ نکتہ چینی کو نہایت ضبط کے ساتھ برداشت کر سکتے تھے۔ اور اسی چیز نے اسلامی کتب سیر و تاریخ اور عربون کی عام صحبتون مین "حلم معویہ" کو مشہور کر رکھا تھا۔

چند کتابون پر ریویو

ارض القرآن۔ (جلد دوم) اس کی جلد اول پر ہم ریویو کر چکے ہین۔ اب دوسری جلد بھی شائع ہو گئی۔ مولانا سلیمان ندوی نے اسلام کی یہ بہت بڑی ابدالآباد تک یاد رہنے والی خدمت کی ہے۔ اور بہت غیر معمولی علم و فضل اور تحقیق و تدقیق کا کمال دکھایا ہے یہ امر تو پایۂ تحقیق کے درجے کو پہونچنے کے قریب پہلے ہی سے تھا کہ قوم بنی سام کا اصلی مرکز اور گہوارہ نشو و نما سرزمین عرب تھی۔ وہین سے جا کے وہ فینقی سوداگر بنے۔ وہین سے نکل کے اُنھون نے فراعنۂ مصر کے تاج و تخت پر قبضہ کیا۔ اور وہین سے پھیل کے اُنھون نے اشوریہ

و بابل اور عراق و شام کی متمدن سلطنتین قائم کین۔ مگر اس چیز کا قابل اطمینان ثبوت کر دینا کہ مدینے کے بنی اوس و خزرج (انصار) حیرہ کے تنوخی اور بنی کندہ اور سرحد شام کے بنی غسان۔ اور عراق و شام کے تغلبی سب ثابت بن اسمٰعیل کی نسل سے ہین نئی تحقیق ہے۔ اس تحقیق سے مولانا سلیمان نے قوم عرب کی جو خدمت کی ہے ہمارے خیال مین مولانا شبلی کی تمام کوششون سے زیادہ قابل قدر ہے تحقیق و تدقیق مین مولانا سلیمان بہت سبقت لیے جاتے ہین۔ خدا اُن کی عمر اور کوششون مین برکت دے۔ فقط اتنی ضرورت ہے کہ اُن کی عبارت مین تھوڑی دلکشی اور بڑھ جائے اور یہی چیز ہے جو ابھی تک مولانا شبلی کے کلام کو زیادہ پسندیدہ اور دلچسپ ثابت کر رہی ہے۔ ارض القرآن کی یہ دوسری جلد ۳۲۲ صفحون پر ختم ہوئی ہے۔ اور عمدہ کاغذ پر صاف و واضح چھپی ہے۔ "دار المصنفین اعظم گڈھ" کے ناظم صاحب سے طلب کی جائے۔

مشاہیر یونان و روما یعنی حکیم پلوٹارک یونانی کی شہرۂ آفاق کتاب سیر متقابلہ کا اردو ترجمہ اس کی پہلی جلد پہلے شائع ہو چکی تھی یہ دوسری جلد ہے۔ اس مین ارستدیز یونانی۔ اور مارکس کیٹو رومی کے حالات زندگی اور اُن کا مقابلہ ہے اسکندر یونانی اور جولیس قیصر رومی کے حالات۔ پھر ڈموس تھنیز یونانی اور سسرو رومی کے حالات اور اُن کا باہمی مقابلہ و موازنہ ہے۔ ترجمہ کرنے والے سید ہاشمی فرید آبادی ہین۔ یہ منجملہ اُن بیش بہا کامون کے ہے جو اردو زبان کی ترقی کے لیے "انجمن ترقی اردو" کر رہی ہے۔ اور ان کوششون کی بنا پر مولوی محمد عبد الحق صاحب معتمد انجمن مذکور خاص شکریے کے مستحق ہین۔ سید ہاشمی نے نہایت فصیح اور بے تکلف زبان دہلی مین ترجمہ کیا ہے۔ یہ اُن کتابون مین ہے جو ادبی و علمی دنیا مین واجب الاحترام مانی گئی ہین۔ اور کوئی زبان اس وقت تک علمی زبان نہین مانی جا سکتی جب تک اس مین یہ کتابین ترجمہ نہ ہو جائین۔ یہ کتابین وہ اصلی سرچشمہ ہین جن پر ہماری مابعد کی ترقیون کا دارومدار ہے۔ لہذا ہی خواہان اردو کو نہایت ہی ذوق و شوق سے اس کی خریداری کرنی چاہیے۔ یہ جلد ۲۰×۲۶ سائز کے ۲۷۸ صفحون پر ختم ہوئی ہے۔ اور قیمت مجلد کی فی جلد عہ اور غیر مجلد کی فی جلد عمر ہے جو درخواست

سکریٹری انجمن ترقی اردو کی خدمت مین اورنگ آباد "دکن" کے پتہ پر بھیجا کرین۔

مشاہیر اسلام۔ یعنی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور چند دیگر نامورانِ اسلام کے حالات زندگی مصنفہ خواجہ محمد عباد اللہ صاحب بی۔ اے۔ اختر امرتسری آپ ابتدائی صفحات مین قرون وسطیٰ کے عیسائیون کی ابتر حالت اور مسلمانون کے عروج کی کیفیت بہت عمدہ استدلال اور مستند شواہد پیش کر کے ظاہر کی گئی ہے اور مصنف صاحب نے اپنی وسعت نظر کا بہت اچھا ثبوت دیا ہے۔ اس کتاب مین بہت سے علمی اور تاریخی مباحث نہایت تحقیق سے فیصل کیے گئے ہین سید محمد جونپوری۔ احمد شاہ ابدالی اور جنگ مرہٹہ و سلطان الپ ارسلان کے حالات بھی دیکھنے کے قابل ہین مسلمانون اس کتاب کو جو ۲۲۲ صفحون پر پھیلی ہوئی ہے ضرور پڑھنا چاہیے۔ سچ یہ ہے کہ اس کو ہر انگریزی خوان طالب علم کے ہاتھون مین ہونا چاہیے۔ اور ہم جناب مصنف کی عالمانہ محنت کے شکر گذار ہین۔ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب نے اس کو چھاپا ہے۔ کشمیری بازار لاہور کے پتہ پر خط بھیج کر طلب کی جائے۔

نانک کا مذہب ۲۲×۲۰ سائز کے ۱۶۴ صفحون پر مولوی شیخ محمد یوسف صاحب سابق ایڈیٹر نور کا ایک قیمتی رسالہ ہے جس مین انھون نے مستند شواہد سے ثابت کیا ہے کہ بابا نانک ایک مسلمان ولی اللہ تھے۔ ہمارے نزدیک یہ رسالہ قیمتی معلومات کا ذخیرہ ہے۔ اور اہل ذوق صوفیون عام شائقان تاریخ خصوصاً سکھون کو اس کی طرف ضرور توجہ کرنی چاہیے۔ قیمت سوا روپیہ (عہ) ہے مینیجر صاحب نور۔ قادیان سے طلب کیا جائے۔

ام القریٰ۔ یہ بھی خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر۔ بی۔ اے امرتسری کا ایک محققانہ رسالہ ۱۸×۲۲ سائز کے ۸۰ صفحون پر ہے جس مین تحقیق جدید کے مطابق ثابت کیا گیا ہے کہ سرزمین عرب یہ کا مسکن اول ارض حجاز اور خاص مکہ معظمہ ہے۔ قیمت فی جلد ۸؍ مسلمانون کو یہ کتاب اپنے پاس رکھنی چاہیے "منشی مولا بخش صاحب کشتہ تاجر کتب کرہ جیل سنگھ امرتسر" سے طلب فرمایئے۔

گردش زمین۔ یہ ایک نہایت ہی دلچسپ انگریزی ناول کا ترجمہ ہے جس مین کرۂ زمین کے گرد چکر لگانے مین ایک شب و روز کا فرق پڑنے کے مسئلۂ علم ہیأت سے عجیب حیرت انگیز

طریقے سے فائدہ اُٹھایا گیا ہے۔ مولوی سید محمد اعظم صاحب فہمی نے اُس کو بہت ہی سلیس و فصیح اردو مین ترجمہ کیا ہے۔ یہ بہت چھوٹی تقطیع کے ۲۲۸ صفحون پر پورا ہوا ہے۔ اور قیمت عہر ہے۔ جن حضرات کو مطالعہ کا شوق ہو وہ دائرۂ ادبیہ تجلی گنج لکھنؤ سے طلب فرمائین۔

بیگمات بنگال۔ یہ ایک انگریزی رسالہ بیگمس آف بنگال کا ترجمہ ہے مترجم مولوی سید ذی النورین صاحب انوار ترمذی ہین۔ بہت چھوٹے پیمانے کے ۵۶ صفحون پر ہے۔ اور خاندان ناظم بنگالہ کی چند پردہ دار اولوالعزم ناموربیگمون کے حالات اس مین درج ہین۔ قیمت فی جلد ۲ر ہے۔ اور دائرۂ ادبیہ تجلی گنج لکھنؤ سے طلب کیا جائے۔

انسانی قربانیان۔ ملک شام کے ایک اعلیٰ ترین ادیب حال ندرہ نقولا دحداح نے عربی مین ایک رسالہ لکھا ہے "الضحایا البشریۃ" جس مین چند خوبصورت عنوانون سے اس قسم کے متعدد واقعات دکھائے ہین جن مین بھولی بھالی بیگناہ و معصوم صفت لڑکیون کی مٹی خراب کیجاتی ہے اور وہ ہوس پرستون یا ظالمانہ معاشرت پر قربان کی جاتی ہین۔ اس کا ادب عجیب دلدوز و موثر رنگ عبارت پیش کرتا ہے اور مین بغیر اس کا اعتراف کیے نہین رہ سکتا کہ مولانا محمد حسین صاحب نحوی صدیقی نے ایسی خوبی سے اس کا ترجمہ اردو مین کیا ہے۔ اور دلفگار و پُرغم واقعات کو ایسی دلچسپ موثر اور پرسوز و گداز اردو مین ادا کر دیا ہے کہ تعریف نہین ہو سکتی۔ شائقین ادب اردو ضرور ملاحظہ فرما کے لطف اُٹھائین اور رو رو آنسو بہالین۔ یہ رسالہ چھوٹے پیمانے کے ۱۰۴ صفحون پر پورا ہوا ہے۔ قیمت ۸ر ہے۔ اور دائرۂ ادبیہ تجلی گنج۔ لکھنؤ سے طلب کیا جائے۔

پریم بتیسی۔ (حصۂ اول و دوم) ان دونون حصون مین منشی پریم چند کے نہایت دلچسپ اور پُر اثر اخلاقی قصے جمع ہین۔ بہت دلچسپ کتاب ہے۔ اردو قصون کے شائقین کو ضرور پڑھنا چاہیے۔ بڑا لطف آئے گا۔ قیمت حصۂ دوم کی ۱۲ر اور حصۂ اول کی بھی اسی کے قریب منشی دیا نرائن صاحب نگم۔ بی۔ اے۔ ایڈیٹر زمانہ و آزاد۔ کانپور سے طلب فرمایئے۔

ابوالعتاہیہ

معن بن زائدہ کے بیٹے عبداللہ اور ابوالعتاہیہ مین سخت مخالفت تھی عبداللہ اُس عہد کے رؤسا ے کبار مین تھا جس کے خاندان کے لوگ بڑی بڑی ولایتون کے والی و گورنر تھے اور ابوالعتاہیہ فقط شاعر مگر اُس کی شاعری کی قوت اس بلا کی تھی کہ عبداللہ کو اس سے پناہ نہ ملتی۔ اور جو شعر اس کی ہجو مین کہہ دیتا دنیا بھر کی زبان پر چڑھ جاتے۔ اور یہ سلطنت کی قوت سے بھی باہر تھا کہ سارے عالم کی زبان پکڑ لے۔ اُنھین مین ایک ایسا شعر تھا جو خلیفہ ہارون رشید کے دل پر نقش ہو گیا۔ اور یہ حالت تھی کہ عبداللہ کی صورت دیکھی اور وہ شعر زبان پر جاری ہو گیا۔ اس پر ایک دن عبداللہ بن معن کو اِس قدر غصہ آیا کہ دربار سے آتے ہی ابوالعتاہیہ کو بلا بھیجا۔ اور جیسے ہی وہ آیا ابن زائدہ کے اشارہ سے غلامون نے اُس کے ساتھ ایسی حرکت کی کہ مُنہ دکھانے کے قابل نہ رکھا۔ پھر جب یہ فحش سزا دے چکا تو اُسے اپنے سامنے بٹھا کے کہا "یہ تمھارے بیہودہ کلام کا بدلہ تھا۔ لیکن اب مناسب جانو تو مجھ سے صلح بھی کر لو۔ یہ کہہ کر ایک نفیس گھوڑا اور دس ہزار دینار پیش کیے۔ پھر آپ ہی عبداللہ نے کہا اس مین کچھ زبردستی نہین ہے جی چاہے تو دشمن ہی بنے رہو"۔ ابوالعتاہیہ ایسا ذلیل حریص اور بخیل تھا کہ بولا "جی نہین۔ مجھے صلح منظور ہے"۔ اور وہ انعام اپنے قبضے مین کر لیا۔ عبداللہ نے کہا "تو پھر اس صلح کی یادگار مین بھی چند شعر کہہ ڈالو" کہا "بہت خوب" اور فی البدیہہ آٹھ شعر کہے جن مین پہلی دشمنی اور اُس کے بعد صلح ہو جانے پر عجب لطف کے ساتھ خیال آفرینی کی ہے۔

عبداللہ کی اس مخالفت کی اصلی بنیاد باہمی رقابت تھی۔ سعدی نام حیرہ کی ایک پری جمال عورت تھی جس کا پیشہ یہ تھا کہ غمی کے گھروں میں جا کے بین اور نوحہ و ماتم کیا کرتی۔ اُس پہ عبداللہ بھی فریفتہ تھا اور ابوالعتاہیہ کا بھی دم بھرتا تھا مگر ابوالعتاہیہ کا اس پہ کچھ زور نہ چل سکتا۔ اس لیے کہ وہ خاص معن بن زائدہ کے گھرانے کی کنیز تھی۔ آپ کا کچھ اور زور نہ چلا تو اُس نازنین کنیز کی ہجو کہی اور اُسے بدنام کیا کہ عورتوں میں جا کے اُن سے ناجائز تعلقات پیدا کرتی ہے۔ اور اُس کے اس مضمون کے ہجائیہ شعر اس درجہ زبان زد خاص و عام ہو گئے کہ سعدی کسی کو صورت دکھانے کے قابل نہ رہی۔ عبداللہ بن معن کو یہ نہایت ناگوار ہوا اور ابوالعتاہیہ کو دھمکی دی کہ میری کنیز کی نسبت پھر کچھ کہا تو تمھارے حق میں اچھا نہ ہوگا۔ اس کے جواب میں آپ نے خود عبداللہ کی ہجو کہی جس میں اُس کو بزدل اور نامرد ظاہر کیا۔ یہ اشعار عبداللہ کے گوش گزار ہوئے تو ایک روز کسی مکان میں آپ کو پکڑ لیا۔ اور سو کوڑے مارے مگر اس خیال سے کہ عوام الناس ابوالعتاہیہ کے نہایت ہی دوست اور طرفدار تھے کوڑے آہستہ آہستہ مارے جس سے چوٹ بہت کم لگی۔ اس کے ہاتھ سے چھوٹتے ہی پھر اُس کی ہجو کہی جس میں اُسے عورت بنایا۔ اور کہا معن کی بیٹی نے اپنے نازک ہاتھوں سے مجھے کوڑے مارے اُس کی ہتھیلی دکھ گئی۔ اور مجھے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی۔

یہ ہجویں زیادہ مشہور ہوئیں تو معن کے گھرانے والے نہایت پریشان ہوئے۔ عبداللہ کے بھائی یزید بن معن نے بہت بگڑ کے ابوالعتاہیہ کو دھمکایا۔ مگر وہ کسی طرح اپنی حرکتوں سے باز آتا نہ تھا۔ اسی دوران میں عبداللہ کے انتقام لینے کا وہ واقعہ بھی پیش آیا جس کا اس مخالفت کے آغاز ہی میں ذکر ہو چکا ہے۔ جب بنی معن بن زائدہ سے اس کی زبان بند کرنے کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی اور روز بروز وہ اپنی ہجوؤں کی شہرت سے عوام کی نظر میں ذلیل ہوتے جاتے تھے تو وہ سب کوفے کے معزز و مستند فاضلوں اور فقیہوں مندل اور حبان کے پاس گئے جو بنی عنزہ یعنی اُس قبیلے کے واجب الاحترام بزرگ تھے جس میں ابوالعتاہیہ اپنے آپ کو شمار کرتا تھا۔ اور ان سے کہا آپ کے

ہمارے گھرانے مین ہمیشہ سے اتحاد رہا ہے۔ مگر آپ کے قبیلے کے ایک غلام کے مضمون ہماری ایسی رسوائی ہو رہی ہے اور ہم پر ایسی مصیبت آ پڑی ہے کہ کوئی مخالف بھی ہوتا تو ہمدردی کرتا۔ اور دور کے تعلقات رکھنے والے بھی ایسے بیہودہ شخص کو اپنے گروہ سے نکال دیتے" اُن دونون بزرگون نے ابوالعتاہیہ کی صلح کرا دی اُن بزرگون کی مخالفت کرنا امکان سے باہر تھا ابوالعتاہیہ نے مجبوراً صفائی کر لی اور پھر کبھی خاندان معن کی ہجو مین کچھ نہ کہا۔ مگر عوام جو ان شوخ و بامذاق ہجوون سے مزے لینے کے عادی ہو رہے تھے اس کو اس صلح پر سخت ملامت کرنے لگے۔

بڑی لطف کی یہ بات تھی کہ عبداللہ کے بھائی زائدہ بن معن کے ساتھ ابوالعتاہیہ کے تعلقات ہمیشہ اچھے رہے۔ بلکہ زائدہ کے مرنے پر ابوالعتاہیہ نے اس کا نہایت ہی درد انگیز اور پُرسوز و گداز مرثیہ کہا۔

عبداللہ بن معن کی ہجو مین ابوالعتاہیہ کے ایک شعر کا یہ مضمون تھا کہ "تو نے جو سونا تلوار کے قبضے پر چڑھوایا ہے اس کو گلوا کے پازیب بنوا لے۔ جب تو لڑنے کے کام کا نہین ہے تو پھر تلوار لے کے کیا کرے گا" اس شعر کی نسبت خود عبداللہ کہا کرتا کہ "مین زندگی بھر جب تلوار باندھنے لگا یہ شعر یاد آ گیا اور دل مین کہا کہ مجھے تلوار باندھے دیکھ کر لوگون کو یہ شعر یاد آ گیا تو میری کیا عزت باقی رہ جائے گی؟"

ابوالعتاہیہ کا زیادہ کلام پند و نصیحت بے ثباتی عالم اور موت کو یاد دلانے مین ہے۔ ایک دن وہ اور مسلم بن ولید شاعر ایک صحبت مین جمع تھے مسلم نے اثنائے کلام مین کہا "اگر مجھے تمھاری شاعری پسند ہوتی جس مین کہا کرتے ہو کہ الحمد والنعمۃ لک۔ والملک لا شریک لک۔ لبیک ان الملک لک تو مین دن بھر مین دس ہزار شعر کہہ ڈالتا۔ لیکن مین تو ایسے شعر کہتا ہون" یہ کہہ کر رجز مین اپنے چند اشعار سنائے۔ ابوالعتاہیہ نے کہا "اچھا تو تم میری طرح الحمد والنعمۃ کے ایسے چند شعر کہہ دو اور مین تمھارے سے شعر کہون"

باوجود طرح طرح کی آزادیون کے ابوالعتاہیہ شرع کا پابند بھی تھا

ایک بار حج کعبہ کا ارادہ کیا۔ احرام باندھ کے چلا تو ہارون رشید نے کہا "ایک عاشقانہ غزل کہو" اس نے اس سے قطعاً انکار کیا۔ اس کی سرتابی پر رشید کو غصہ آگیا اُسے ساٹھ لکڑیان مارین اور قسم کھا گیا کہ "جب غزل نہ کہو گے قید سے چھوڑون گا۔ خلیفہ کی یہ ضد دیکھ کر اُس نے بھی قسم کھائی کہ اگر برس بھر تک سوا آیات قرآن یا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کے کوئی اور لفظ زبان پر لاؤن تو میری جورو کو طلاق ہے اور میرے سارے لونڈی غلام آزاد ہین جب غصہ اترا تو ہارون الرشید اپنے اس فعل پر نادم ہوا۔ پچھتایا۔ مگر قسم پوری کرنے کے لیے حکم دے دیا کہ ابوالعتاہیہ سال بھر تک ایک مکان مین قید رکھا جائے۔ حوائج ضروریہ بافراط مہیا کر دیے جائین۔ اور کسی کو آنے جانے یا ملنے جلنے کی بھی روک ٹوک نہ ہو۔

یہ ہم بیان کر آئے ہین کہ رشید کے معزز ترین مغنی دربار ابراہیم موصلی سے ابوالعتاہیہ سے پرانے وطنی تعلقات تھے وہ اپنی شاگرد مخارق کو جو اُس زمانے کی بڑی مقبول عام مغنیہ گزری ہے جس کی شرفا اور مہذب لوگون کی صحبت مین بڑی قدر تھی وقتاً فوقتاً اُس کی خبرگیری اور خیریت دریافت کرنے کو بھیجتا رہتا۔ خود مخارق کہتی ہے کہ "مین جب جاتی دیکھتی کہ ابوالعتاہیہ کے پاس کاغذ قلم دوات رکھے رہتے۔ مین جو کچھ پوچھتی اُس کا جواب وہ کاغذ پر لکھ دیا کرتا۔ اس لیے کہ بات کرنے کی تو قسم کھائی تھی۔ ان دنون ابراہیم نے ایک نئی دلکش دُھن ایجاد کی۔ وہ مجھ کو سکھائی۔ اور کہا یہ دھن جا کر ذرا ابوالعتاہیہ کو بھی سُنا آؤ۔ میرا بے تکلف دوست ہے۔ دیکھون وہ کیا کہتا ہے۔ پسند کرتا ہے یا نہین۔ مین نے اُس کے پاس جا کے وہ دُھن سُنائی تو اُس نے کاغذ پر لکھ دیا کہ مجھے قسم کھائے پورا ایک برس ہو گیا۔ شام کو میری قسم پوری ہو جائے گی۔ اس لیے آج رات تک تم یہین میرے پاس بیٹھی رہو۔ باتین کر کے جانا۔ مین ٹھہر گئی۔ یہان تک کہ مغرب کی اذان ہوئی۔ اور نماز پڑھ کے اُس نے مجھ سے باتین شروع کین اور کہا "ابراہیم سے جا کے کہنا کہ حرامزادے تو نے یہ دُھن نہین ایجاد کی قیامت تک کے لیے ایک

فتنہ پیدا کر دیا۔ دیکھ کل قیامت کو تیرا کیا حشر ہوتا ہے۔ مین نے کہا خیر تو آپ کی اور ابراہیم کی بے تکلفی کی باتین ہین ان کو جانے دیجیے۔ اور فرمایئے کہ اس قید سے آزادی پانے کی آرزو مین آپ نے کوئی نظم بھی کہی ہے۔ کہنے لگا ہان۔ بیٹی جورو کے فراق مین چند شعر کہے ہین۔ اور وہ اشعار مجھے سنائے مین ان کو لکھ لایا اور ابراہیم کے سامنے پیش کر دیا۔

ابراہیم نے اپنے کمال موسیقی سے فوراً ان اشعار مین ایک نہایت ہی پرسوز و پر اثر دھن قائم کی۔ اور اسی دن جا کے وہ نغمہ رشید کو سنایا۔ رشید سن کر نہایت متاثر ہوا۔ اور پوچھنے لگا یہ دھن اور یہ اشعار کس کے ہین؟ عرض کیا، "دھن تو خاکسار نے ایجاد کی ہے۔ مگر اشعار امیرالمومنین کے قیدی ابوالعتاہیہ کے ہین۔" ابوالعتاہیہ کا نام سنتے ہی رشید چونک پڑا۔ اور پوچھا "کیا اس نے اپنی قسم پوری کر لی؟" کہا "جی ہان" فوراً اپنے خادم مسرور کو بھیج کر اسے بلوایا۔ اور جب وہ حاضر ہو گیا تو مسرور سے پوچھا "مین نے اس کو کتنی لکڑیان ماری تھین؟" اس نے کہا "حضور ساٹھ لکڑیان" حکم کیا "اسی وقت ساٹھ ہزار درہم لا کے اس کو دو۔" پھر خلعت سے سرفراز کر کے اسے رخصت کیا۔ اور آزادی عطا کی۔

ایک بار رشید قیام رقہ کے زمانے مین ابوالعتاہیہ سے کسی بات پر ناراض ہو گیا۔ ابوالعتاہیہ نے اپنے حسب حال فضیل بن ربیع کو تین شعر لکھ کر بھیجے۔ منشا یہ تھا کہ مین مورد عتاب ہون اور آپ توجہ نہین کرتے؟ فضیل نے فوراً کہہ سن کے رشید کو صاف کر دیا اور اسے بلا کر دربار مین پہونچا دیا۔

ان دنون یمنی اور مضری قبائل عرب مین جو عداوت پیدا ہو گئی تھی ظاہر ہے۔ مہدی عباسی کی مان یمانی نژاد تھی۔ اور مہدی کے ماموں یزید بن منصور کا بڑا زور تھا۔ ابوالعتاہیہ نے اپنے آپ کو بھی یمنی کہنا شروع کرایا جو کہ یا یون یمن کا ایک قبیلہ تھا اور مشہور کیا کہ مین یمنیون کا غلام ہون۔ یہ سن کے یزید اس کے حال پر بڑا مہربان ہو گیا۔ اور اس کی شاعری مین اسے اتنا غلو ہو گیا کہ اس کے سامنے کسی شاعر کی ہستی نہ سمجھتا۔ مگر جیسے ہی یزید بن منصور مرا آپ پھر بنی عنزہ مین شامل ہو گئے۔ فضل بن عباس نے یہ سن کر پوچھا "آپ تو اپنا

تعلق اہل یمن سے بتاتے تھے، جواب دیا "ان دنوں اسی کی ضرورت تھی"۔

ایک روز مہدی کو شاعری کا شوق ہوا۔ تمام شعرا کو دربار میں طلب کیا۔ اُن میں بشار اور اُس کا شاگرد اشجع بھی حاضر تھے۔ ابوالعتاہیہ کو دیکھ کے بشار نے اشجع سے پوچھا "یہ وہی کوفے والا ہے جو دن رات اپنا نسب بدلا کرتا ہے؟" اُس نے کہا "جی ہاں"، بولا "خدا اس سے سمجھے جس نے ہمیں اور اُس کو ایک صحبت میں جمع کیا ہے۔" اتنے میں مہدی نے ابوالعتاہیہ کو قصیدہ خوانی کا حکم دیا۔ اور بشار نے برہمی کے ساتھ کہا "اور لو، کلام بھی پہلے اُسی کا سنا جاتا ہے!" ابوالعتاہیہ نے اپنا معرکۃ الآرا قصیدہ "الا یا سیدتی مالہا" سنانا شروع کیا۔ جس میں خلیفہ کی ایک محبوبہ لونڈی کی خوبیوں کی تعریف شروع کی ہے۔ چند اشعار سن کے بشار نے اشجع سے کہا "حیران ہوں کہ اس قصیدے میں کس بات کا خیال کروں، کلام کی کمزوری و ابتذال کا یا اس کا کہ خلیفہ کی محبوبہ لونڈی پر یہ اظہار عشق کر رہا ہے۔" اس کے بعد جب ابوالعتاہیہ نے گریز میں یہ بتایا کہ وہ بھی خلافت اور مدح کے پرزور اشعار پڑھنا شروع کیے تو بشار کی یہ حالت تھی کہ ذوق و لطف سے مبہوت تھا۔ بار بار اشجع سے کہتا "دیکھنا خوبیِ کلام کی مسرت کے نشے میں خلیفہ گر تو نہیں پڑے" اور واقعی اس قصیدے میں ایسی ہی خوبیاں ہیں کہ اُسے سہل ممتنع کہیے تو بیجا نہ ہوگا۔

رجا سلمی کا بیان ہے کہ ایک دن ابوالعتاہیہ اپنے کلام کی فصاحت کے نشے میں کہنے لگا "کل میں نے سورۂ 'عمّ یتساءلون' پڑھی اور اس کے بعد اُس سے اچھا قصیدہ کہہ لیا۔" اور اُس کا یہ فقرہ سن کر منصور بن عمار نے جو اُس عہد کے علما میں تھے اُسے بہت لعنت ملامت کی۔

اس کے بعد منصور نے ایک دن وعظ میں مچھر کا ایک مشہور واقعہ بیان کیا۔ ابوالعتاہیہ نے اس کو سن کر کہا "اس واقعے کو انھوں نے ایک کوفی شخص کے بیان سے چرا لیا ہے۔" یہ اعتراض منصور کے گوش گزار ہوا تو بہت بگڑے۔ اور مجمع عام میں ابوالعتاہیہ کو زندیق و مرتد ظاہر کیا۔ اور کہنے لگے "آپ لوگ دیکھیے تو ہیں کہ اس کے کلام میں موت اور فنا کا ذکر تو ہر جگہ ہے مگر جنت و دوزخ کا کبھی نام بھی نہیں آتا۔" اُن کی یہ نکتہ چینی ابوالعتاہیہ نے سنی تو اُن کی ہجو میں چند

کہہ کے اُن کی مٹی خراب کی۔ تھوڑے ہی زمانے کے بعد منصور کا انتقال ہو گیا۔ ابو العتاہیہ اُن کی قبر پر آیا۔ اور اُن کی طرف مخاطب ہو کے کہا "خدا تمھارا یہ گناہ معاف کرے کہ تم نے مجھے تہمت لگائی تھی"۔

ابو العتاہیہ کا بیٹا محمد کہتا ہے کہ والد کے پڑوس مین ایک عورت رہتی تھی جو کوٹھے پر چڑھ کے کبھی کبھی اُن کی حالت دیکھتی اور رات جاگتی۔ اُس نے لوگون مین مشہور کیا کہ مین نے ابو العتاہیہ کو اپنی آنکھون سے دیکھا کہ چاندی کی طرف مخاطب ہو کے اُس نے ایک دعا پڑھی۔ ملحدون کے سرغنا حمدویہ نے جو یہ واقعہ سُنا تو ایک دن آ کے اُس عورت کے مکان مین رات بھر رہا۔ اور بار بار دیکھتا رہا۔ مگر جو کچھ دیکھا یہ تھا کہ ابو العتاہیہ نے تہجد کی نماز شروع کی آخر تک پڑھتا رہا۔ پھر وتر اور قنوت پڑھی اور بچھونے پر لیٹ کے سو گیا۔

اس واقعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ در اصل وہ نہایت صادق العقیدہ مسلمان اور دیندار شخص تھا مگر عداوت کی وجہ سے لوگ بدنام کرنے کے لیے اُس کو ایسی جھوٹی تہمتین لگا دیا کرتے تھے۔

چنانچہ اس کی تصدیق ثوش جانی نام اُس عہد کے ایک رئیس کے بیان سے ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک دن ابو العتاہیہ میرے گھر پر آ کے مجھ سے ملا اور کہنے لگا کہ "لوگ مجھے ملحد کہتے ہین۔ حالانکہ مین خدا کی قسم موحد ہون" مین نے کہا "تو اس مضمون کے چند شعر کہہ دیجیے تاکہ یادگار رہین"۔ اُس نے کہا بہت خوب اور فی البدیہہ توحید و حمد باری مین چار ایسے شعر کہہ دیے جو لاجواب ہین۔

ابو العتاہیہ نے "ارجوزۃ ذات الامثال" کے نام سے ایک بڑی طولانی مثنوی کہی ہے۔ جس مین چار ہزار ضرب المثلین موزون کر دی گئی ہین۔ امام نحو و ادب جاحظ کے سامنے ایک دن لوگون نے اس مثنوی کے اشعار سنانا شروع کیے۔ پہلا مصرع پڑھا جاحظ نے پڑھنے والے کو روک دیا اور کہا دیکھو وہ مضمون ہے جس کے ادا کرنے سے زبانین عاجز ہین۔ [illegible] سے لیتا ہے مگر اُٹھانا سخت دشوار ہے۔ بہت سوچنے سمجھنے اور غور کرنے

کے بعد لمبی چوڑی عبارت مین کوئی ادا کر دے تو بھی یہ خیال اتنی جلدی ذہن نشین نہین ہو سکتا۔

ابو العتاہیہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے لوگون سے بہت جلا ہوا تھا۔ کسی نے پوچھا فرمائیے مین اپنی انگوٹھی پر کون سا فقرہ کندہ کراؤن؟ کہا کھدوا لو "سارے آدمیون پر خدا کی لعنت"

عمر بن علا کی ابو العتاہیہ نے مدح کی۔ وہ اس قدر خوش ہوا کہ اُسے ستر ہزار درہم انعام مین دے دیے۔ اور شعرا نے سُنا تو متحیر ہوئے اور کہنے لگے اس کو فی شخص کا کلام ایسا نہین ہے کہ اس کو اتنا انعام دیا جائے۔ عمر نے سب شعرا کو اپنے گھر مین جمع کیا۔ اور کہا "تم سب مضمون کے قریب چکر لگاتے رہتے ہو مگر اس کو پاتے نہین۔ چنانچہ پچاس شعر تشبیب مین کہہ لیتے ہو تب مدح کی نوبت آتی ہے ابو العتاہیہ کا کمال دیکھو کہ اُس نے فقط دو شعرون مین تمہید تشبیب اور مدح سب ختم کر دی اور ایسا کہا کہ بہت سے اشعار بھی اُن مضامین کو نہین ادا کر سکتے۔

عتابی نام اُس عہد کے ایک باکمال ادیب نے کسی سے کہا "شاعر عراق کا کچھ کلام سناؤ" پوچھا "شاعر عراق کون؟" کہا "ابو نواس"۔ اُس شخص نے کہا "مین سمجھتا تھا کہ آپ ابو العتاہیہ کا کلام سننا چاہتے ہین۔ عتابی نے کہا "مین ابو العتاہیہ کو کہتا و کونے کی قید نہ لگاتا اس لیے کہ وہ تو ساری نوع بشر کا بہترین شاعر ہے"

ایک دن ابو العتاہیہ کہہ رہا تھا کہ بہت سے لوگ شعر کہہ جاتے ہین مگر وہ شاعر نہین ہوتے۔ اتنے مین ایک بازاری پھیری والے نے ہانک لگائی "کھال والے یہ کھال بیچے گا" ابو العتاہیہ نے کہا تو سُن لو۔ اتنے مین یہ آواز آئی "نفع گر چاہتا ہے تو پان آ" سن کے کہا "دیکھو شعر پورا ہو گیا۔ مگر یہ شاعر نہین ہے۔

اصمعی نے اس کے کلام کی نہایت بذلہ سنجی سے تعریف کی ہے۔ کہا "ابو العتاہیہ کا دیوان بادشاہون کا محل ہے جس مین جواہرات۔ سونا مٹی ٹھیکرے اور گٹھلیان سب ہی چیزین موجود ہین۔

عبداللہ بن حسن سے ابوالعتاہیہ ملنے کو گیا۔ اُس نے پوچھا الفاظ کی جستجو میں آپ کو تو ایسی دشواری نہیں پیش آیا کرتی ہے کہ مجبور ہو کے غیر مانوس اور بھونڈے الفاظ استعمال کرنے لگتے ہوں؟ اُس نے کہا، نہیں، عبداللہ بولے، ”ان آپ کے سلیس الفاظ اور آسان قافیے دیکھ کر میرا بھی یہی خیال قائم ہوا تھا“ ابوالعتاہیہ نے کہا، ”تو آپ مشکل قافیہ دے کے بھی آزما لیجیے“ اُس نے کہا، ”اچھا فراغ کے قافیے میں زور طبع دکھائیے“ اُس نے برجستہ پانچ شعر کہے اور باوجود قافیوں کی کمی کے اُن میں ایک بھی قافیہ ایسا نہ تھا جو غیر مانوس ہو۔

مسلم بن ولید کہتا ہے، ”میں ابوالعتاہیہ کے کلام کو معمولی سمجھا کرتا تھا۔ ایک دن وہ مجھے اپنے یہاں دعوت میں بلا لے گیا۔ کھانے کے بعد میں نے اپنے چند عاشقانہ اشعار سُنائے اور کہا، ”آپ بھی اسی مذاق کے اشعار سنائیے“ اُس نے اُسی وقت غور کر کے سخت مشکل قافیوں میں ایسے سلیس اشعار سُنائے کہ میں دنگ ہو گیا اور کہا، ”جو ایسے اشعار کہہ لیتا ہو اُسے گویا دنیا کی ساری نعمتیں مل گئیں۔“ کہنے لگا، ”یہ نہ کہیے۔ شاعری بھی ایک قسم کا شکار ہے۔“

ایک دن ہارون رشید کے قصر میں شعرا جمع تھے۔ اُس نے سامنے بلوا کے کہا ”اپنا کلام سُناؤ۔“ ابوالعتاہیہ نے فوراً بڑھ کے دو تین ایسے شعر سنا دیے کہ رشید حیران رہ گیا۔ بار بار کہتا تھا، ”واہ واہ کیا خوب!“ اور پھر اُس دن سوا اُس کے کسی کو انعام نہیں دیا۔

رشید نے ایک دن گھوڑ دوڑ کی۔ اس کا محبوب گھوڑا شمیر سب کے آگے نکل گیا۔ جب وہ جیت کے سامنے آیا تو شعرا سے کہا اس کی تعریف کرو۔ اُس موقع پر بھی ابوالعتاہیہ نے دو ایسے شعر سنا دیے کہ پھر کسی شاعر کو طبع آزمائی کی جرأت نہ ہوئی۔ اور وہی اکیلا انعام لے گیا۔

محمد بن عبدالجبار فزاری نے ابوالعتاہیہ کے آغاز شاعری کا یہ نہایت دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دن کوفے میں وہ مٹی کے برتنوں کا ٹوکرا پیٹھ پر لادے بیچتا پھرتا تھا۔ ایک صحبت میں چند نوجوانوں کو شعرخوانی کرتے سن کے ٹھہر گیا۔ ٹوکرا اُتار کے زمین پر رکھا اور اُن سے کہا میں ایک مصرع پڑھتا ہوں

آپ اِس مین مصرعے لگا کر نظم پوری کر دین تو دس درہم دونگا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مصرع نہ لگا سکے تو دس درہم آپ سے بھر لونگا۔ اُن لوگون کو دل لگی سوجھی کہا منظور۔ اور اُس کو بنانے لگے۔ مگر ابو العتاہیہ نے اُن کو ایک مصرع بتایا۔ اور کہا اس پہ مصرعے لگا ئیے۔ اور وقت مقرر کر دیا کہ دھوپ کے فلان مقام تک پہونچنے سے پہلے نظم پوری ہو جائے۔ اُن لوگون نے طبیعت پر لاکھ زور ڈالا۔ نہ کہہ سکے۔ اب ابو العتاہیہ کی باری تھی اس نے اُن سب کو بنانا اور ذلیل کرنا شروع کیا۔ آخر اُن سے دس درہم لیے اور اُس مصرع پر اپنی نظم سنا کے ٹوکرا اُٹھایا۔ اور آگے کی راہ لی۔

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

معاشرت کے بہت سے سامان ضروری اور آداب نشست و برخاست کو ہم اس سے پیشتر بیان کر چکے ہین مگر ابھی ہم کو یہان کے شرفا کی باہر کی آمد و رفت کی وضع و شان بتانے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے۔ ہندوستان کے تمام شہرون کی طرح یہان بھی انگریزیت اس قدر غالب آگئی ہے کہ ایشیا کے آخری تمدن نے جو وضع پیدا کی تھی بالکل مٹ گئی۔ مگر ہم کو اس موقع پر وہی چیز بیان کرنا ہے جو مٹ چکی ہے یا مٹنے کے قریب ہے۔ لہذا ہم آج سے ساٹھ ستر برس پیشتر کے دور پہلے زمانے مین نکلے چلتے ہین۔ اور اُس زمانے کی تصویرین ناظرین کے پیش نظر کرتے ہین جو اب کہین نہین نظر آ سکتین۔

آج کل کی سی عمدہ موٹرون اور لمبی چوڑی فٹنون اور لینڈو گاڑیون کے نہ ہونے سے اور نیز حال کے اصول حفظ صحت کے پیش نظر نہ ہونے کے باعث اُن دنون آج کل کی سی لنبی چوڑی اور وسیع و کشادہ سڑکین نہ تھین بلکہ تیلی تنگ گزرگاہین تھین جن مین ہاتھی۔ گھوڑے۔ آدمی ہوادار۔ بوچے۔ تنتین۔ میانے۔ سکھپالین۔ ڈولیان۔ رتھین۔ بہلین آدمیون کی بھیڑ مین سے ہٹو بچو کرتی ہوئی ہر وقت گزرا کرتی تھین۔ کیسا ہی مرجع عام بازار اور کیسی ہی پسندیدہ سیرگاہ ہو سب کی حالت بلا استثنا یہی تھی۔

ایک وضع تو نہین جو فوجی ضرورتون نامہ بر قاصدون یا بار برداری کے لیے مخصوص تھے باقی اور تمام سواریان شرفا و روسا مین جب حالت وحیثیت مروج تھین۔ اعلے طبقے کے شہزادے اور نواب پالکیون کے درجے کے اور معزز امرا ہوادارون اور نوچون پہ سوار ہوکے نکلتے۔ ہوادار ٹمٹم کی وضع کی ایک کھلی ڈولی تھی جس کے پیچھے چمڑے کا ٹپ ہوتا۔ اور لوہے کی کمانیون کے ذریعہ سے کھولا یا بند کیا جا سکتا۔ ٹھنڈے اوقات مین جب ٹپ گرا دیا جاتا تو ہر طرف کی فضا کھلی رہتی۔ آگے پیچھے اُس مین پنس کے سے ڈنڈے لگے ہوتے۔ چار کہار اُس کو کندھون پر اُٹھا کے لیجاتے۔ وہ جو شخص سوار ہوتا وہ نہایت وقار و تمکنت سے بازار کی سیر کرتا۔ ہر چیز کو دیکھتا بھالتا اور شناساؤن سے صاحب سلامت کرتا ہوا جاتا۔ ہوادار کی قطع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص انگریزون کی ایجاد کی ہوئی چیز تھی۔ ہندوستان مین آکر اُنھون نے اپنے مذاق کے مطابق اور اپنی جدت طرازی سے اس کو ایجاد کیا۔ اور اپنی نفاست خوشنمائی اور ہلکے پن کی بدولت رؤسائے ہند کو بہت پسند آیا۔ اب اُس کا رواج بالکل اُٹھ گیا۔ اگرچہ بعض پُرانے رؤسا کے یہان چند ہوادار اب بھی پڑے ہوے ہین۔ جو رؤسا کی معمولی آمد و رفت مین تو نہین مگر دولتمندمنڈون کی براتون مین وہ کبھی کبھی نظر آجایا کرتے ہین۔

نوچہ اُس سے زیادہ باوقار اور نشستن سواری تھی۔ اُس کی قطع آج کل کی بروہم یا ادھا گاڑیون کی سی ہوتی۔ جس مین پہیون کے بجاے پاے ہوتے۔ اور آگے پیچھے پنس کے ایسے دو دو ڈنڈے ہوتے۔ اور کم از کم آٹھ اور اکثر سولہ سولہ کہار اُس کو اُٹھا کے لے چلتے۔ اس لیے وہ کہارون کے اُٹھانے کی تمام سواریون سے زیادہ بھاری ہوتا۔ اس سواری پر شاید کبھی اور امرا بھی سوار ہوئے ہون مگر مین نے فقط واجد علی شاہ کو کلکتہ مین اس پر سوار ہوتے دیکھا۔ اور اُن کے سوا یہ سواری مین نے کہین اور کسی کے پاس نہین دیکھی۔ بادشاہ اپنے باغون محلون اور کوٹھیون مین اُسی پہ سوار ہو کے پھرا کرتے۔ اور گرد جلوسی خدام کے علاوہ معزز ارکان دولت اور حضور رس مصاحبین پاپیادہ ساتھ چلتے

مر یہ بھی یقیناً انگریزون کی ایجاد تھا۔ جو اُس عہد کی انگریزی گاڑیون سے نقل کر کے کہارون کے اُٹھانے کے قابل بنا لیا گیا۔

سکھپال ان دنون عورتون کی نہایت معزز سواری تھی۔ جو خالص ہندستانی چینی اور ہندی مذاق کے تکلفات کا مکمل نمونہ تھی۔ یہ ایک سرخ گنبد نما ڈولی تھی جس کے لیے چوڑے کٹہرے پر ایک شاندار لال برج سا بنا دیا جاتا۔ جس مین سونے چاندی کے کلس لگے ہوتے۔ چارون طرف پردے لٹکتے ہوتے۔ اس مین بھی آگے پیچھے دو دو یا ایک ایک ڈنڈے ہوتے اور بہت سے کہار اُن کو اُٹھا کے لے چلتے۔ یہ سواری عالی مرتبہ بیگمات اور محل شاہی کی خاتونون کے لیے خاص تھی۔

رتھ اسی وضع کی پہیون دار گاڑی تھی جس مین بیل جوت دیے جاتے۔ رتھین دیہات کے تعلقدارون اور معزز زمینداروں کے یہان اور دیسی ریاستون مین اب بھی موجود ہین۔ مگر روز بروز بیکار ہوتی جاتی ہین۔ اور اُن کا رواج اُٹھتا جاتا ہے۔ لکھنؤ مین خاص شاہی محلات کی ضرورت کے لیے اُن دنون ہزارون رتھین تھین۔ شجاع الدولہ کی بیوی بہو بیگم صاحبہ نواب آصف الدولہ کے عہد مین جب اپنی بیوگی کی زندگی ایک حکمران ملکہ کی شان سے فیض آباد مین بسر کرتی تھین تو اکیلی اُن کی سرکار مین آٹھ نو سو رتھین تھین۔ اور قدیم الایام مین جب شاہان دہلی مملکت مین دور دور دراز کے سفر کیا کرتے تھے تو اُن کے محلات عالیات انھین رتھون پر سوار ہو کے ساتھ جاتے۔

بہل بیلون کی عام گاڑی تھی جس مین ایک کھٹولے کو دو پہیون پر قائم کرتے پھر اُس پر چار ڈنڈے کھڑے کر کے ایک چھتری لگا دیتے۔ اور اُس پر پردے کے سیے غلاف ڈال دیا جاتا۔ اُس مین اکثر مرد اور عورتین سفر کرتے۔ اُن دنون متوسط طبقے کے دیہاتیون اور شہریون دونون کے لیے سفر کا ذریعہ یہی سواری تھی۔ بہلین دیہاتون مین اب بھی بکثرت موجود ہین مگر اُن کی تعداد روز بروز گھٹتی جاتی ہے اور عنقریب ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ یہ سواری عنقا ہو جائے گی۔

ن کے سوا اور تمام سواریون کو لوگ خود ہی جانتے ہین۔

شکل و صورت بتانے کی ضرورت نہین ہے۔

بہرحال یہ سب سواریان شہر کے تمام راستون اور گلی کوچون مین گزرتی نظر آتی ہین زیادہ تر لوگ فنسون پر سوار ہوتے تھے۔ علما۔ اطبا امرا۔ اور خوش باش جن کو خدا استطاعت دیتا چار کہار نوکر رکھ لیتے جو خدمتگاری بھی کرتے اور سواری کا بھی کام دیتے جن لوگون مین ذرا بانکپن ہوتا یا سپہگرانہ شان دکھانا چاہتے جو ان دنون تمام اہل شہر مین عام تھی وہ گھوڑے پر سوار ہو کے نکلتے جو ہمیشہ بڑے زیور اور کارچوبی ساز و یراق سے دولھن بنا دیے جاتے۔ اعلی درجے کے معززین ہاتھیون پر بیٹھ کے آمد و رفت کرتے جو باوجود اس قد و قامت کے تمام گلی کوچون مین بے تکلف گزر جاتے ہاتھیون پر سادی بانات یا کارچوبی جھولین ہوتین اور ان پر کھلے ہودے یا سایہ دار برج نما عماریان کسی جاتین۔

زنانی سواریان جو سکھپالون۔ اور فنسون پر ہوتین وہ بڑے تکلف اور شان سے نکلتین۔ فنس پر سرخ چھٹکے پڑے ہوتے۔ جن پر کبھی گوٹا لچکا بھی ٹانک دیا جاتا۔ کہار سرخ بانات کے جھنے پہنے ہوتے۔ سرون پر سرخ کگردار پگڑیان ہوتین جن کی کگرون پر چاندی کی مچھلیان ٹکی رہتین۔ مچھلی ہندوستان مین بہترین شگون مانی گئی ہے رخصت کرتے وقت یا کسی کو کسی اہم کام کے لیے جاتے وقت آج بھی عورتون کی زبان سے نکل جاتا ہے۔ "دہی مچھلی" غالباً اس کو نجوم سے تعلق ہو۔ اور یہ بھی نجومیون ہی کا لٹکا معلوم ہوتا ہے کہ چاندی کی مچھلیان بنوا کر کہارون کی پگڑی مین ٹانک دی جائین جو آگے رہتے ہین۔ تاکہ کہین جاتے وقت مچھلیان ہر وقت پیش نظر رہین۔

زنانی فنس کے ساتھ ساتھ ایک کہاری چھٹکے کا کونا پکڑے دوڑتی جاتی۔ ان کہاریون کی وضع بھی خاص قسم کی تھی سب سے بڑی پہچان یہ تھی کہ ان کے لہنگے مین اتنی چوڑی گوٹ ہوتی ہے کہ ان کا آدھے سے زیادہ حصہ فقط گوٹ کا ہوا کرتا۔

ان سواریون مین سے شہر مین اب فقط فنس باقی رہ گئی ہے۔ یا کبھی کبھی کوئی رئیس گھوڑے یا ہاتھی پر دکھائی دے جاتے ہین۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ باہر نکلنے مین شرفا کی وضع کیا ہوتی تھی۔ لباس کو ہم بیان کر چکے ہین مگر ان کی تصویر دکھانے کے لیے ہمین پھر ایک حد تک ان کی وضع قطع بتانے

کی ضرورت ہے۔ سواری کی شان کے متعلق مین نے جو کچھ بیان کیا اس مین بجز تونجان و ہوادار کے اور تمام چیزین وہی ہین جو دہلی سے آئین۔ لکھنؤ کو ان سے کوئی خصوصیت نہین دہلی یہ دہلی ہی کی شان تھی جو اپنی آخری جھلک بڑے کروفر کے ساتھ لکھنؤ مین دکھا کے غائب ہو گئی

لیکن لباس مین لکھنؤ دہلی سے جدا ہو گیا۔ اب گھر مین بھی کرتا، قمیص اتار کے بیٹھنا معیوب ہو گیا ہے مگر ان دنون یہان گھر کا لباس سچ پوچھیے تو ایک غرقی تھی یہان کا دربار شیعہ تھا۔ اور یہ تہذیب یہان تشیع ہی کے سانچے مین ڈھلتی تھی۔ فقہ امامیہ کی رو سے رانون کو کھلے رہنے مین مضائقہ نہین بخلاف حنفیون کے کہ ان کے مذہب مین ناف سے لے کر گھٹنون تک جس قدر حصہ جسم ہے ستر مین داخل ہے اس کا چھپانا ضروری ہے۔ اور اسی بنا پر دہلی مین علی العموم ہمت کی وضع کی لنگی باندھی جاتی جس مین گھٹنون کے نیچے تک جسم ڈھنکا رہتا ہے۔ یہان کے تمدن مین اس کی ضرورت نہین باقی رہی۔ اور یہان کی لنگی فقط ایک پتلی سی غرقی یا جانگھیا رہ گئی جس سے ناف سے کنج ران تک تو جسم ڈھنک جاتا ہے باقی سارا جسم کھلا رہتا ہے لوگون مین مناسب اور مرد آدمی بن کے نکلنے کا خیال اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ گھر مین بجز ایک غرقی کے جسم پر ایک دھاگا بھی نہ رہتا اور یہ بات اس قدر عام ہو گئی تھی کہ اسی برہنگی کی وضع سے اپنے گھر پر کسی سے ملنے مین بھی مضائقہ نہ سمجھا جاتا تاہم یہی حضرات جب باہر نکلتے تو شان ہی اور ہوتی قالب پر چڑھی چوگوشیہ ٹوپی۔ اجلا صاف اور براق انگرکھا۔ جو معلوم ہوتا کہ ابھی ابھی دھوبی کے گھر سے آیا ہے۔ اور اسی وقت گوٹ اور آستینین چنی گئی ہین۔ گلبدن یا تین سکھ کا عرض کا پائجامہ۔ کاندھے پر مثلث رومال۔ ہاتھون مین دستی رومال اور چھڑی۔ اور پاؤن مین لکھنؤ کا بنا ہوا سبک مخملی خوردنوکا جوتا۔ باہر نکلنے مین ہر وضیع و شریف کی یہی وضع تھی۔

بہت سے لوگون کو باہر نکلنے مین اس وضع و لباس کا اس قدر لحاظ تھا کہ کبھی ان کے کپڑے میلے نہ نظر آتے۔ معلوم ہوتا کہ اسی وقت دھوبی کے یہان سے آئے ہین حالانکہ مہینون ان کے دھلنے کی نوبت نہ آتی۔ اور ہوتا یہ کہ دو گھڑی دن رہے گھر سے نکلے۔ خرامان خرامان ہر چیز سے بچتے اور اپنے سایے تک سے بھڑکتے ہوے چوک کی سیر کی۔ دو گھڑی رات گئے واپس آ گئے۔ اور آتے ہی پہلا یہ کام کیا کہ ٹوپی قالب پر رکھ کے ایک کپڑے سے اڑھا دی۔ انگرکھا پائجامے اتار کے رومال کو احتیاط سے تہ کر کے دستی رومال مین گٹھڑی کی طرح باندھ کے کھونٹی پر رکھ دیا۔ اور غرقی باندھ کے اور کوئی ٹوٹا جوتا یا زیرپائی پہن کر بیٹھ رہے۔

دولت کی برکت تھی کہ قیمتی اور شالی کپڑے چار چار پانچ پانچ پشتون تک اس احتیاط سے پہنے جاتے کہ نہ میلے ہوتے۔ نہ پھٹتے نہ کیڑا لگتا تھا۔ ہمیشہ نئے بنے رہتے۔ اور شادی کی تقریبون یا شان و شکوہ کی محفلون مین ایسا شاہانہ لباس پہن کر جاتے کہ لوگون کو جو اُن کی حالت و حیثیت سے واقف ہوتے تعجب ہوتا۔

گوکہ اعلےٰ طبقے کے امرا خصوصاً شاہزادے عموماً اور اتفاقاً لڑ دم کے ساتھ سوار ہو کر نکلتے مگر شرفا کے لیے پیدل پھرنا آج کل کے زمانے کی طرح معیوب نہ تھا ہر طبقے اور درجے کے لوگ یکسان حالت سے پا پیادہ باہر کی سیر کرتے اور پیدل چلنے والے بڑے سے بڑے معزز لوگون کے برابر بیٹھتے اور مضائقہ نہ ہوتا۔

جنقیاف

حسن کی کرشمہ سازیان

یہ فرانس کی ایک نہایت ہی نامور شریف و پارسا اور نیک نفس و دلربا خاتون تھی ڈیوک آف بریانٹ کی بیٹی تھی۔ اور ۶۸۱ء مین بعہد یزید مین معاویہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دو ایک سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ حسن و جمال زیبائی و نازآفرینی رعنائی و دلربائی مین اُن دنون فرنگستان مین اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ ان خوبیون کے ساتھ آواز ایسی دلکش اور باتین ایسی پیاری تھین کہ معلوم ہوتا باتین نہین کرتی جادو کر رہی ہے جس کسی سے وہ باتین کر لیتی بے اختیار کہنے لگتا "تیری آنکھ مین جادو تیری زبان مین ہے"

بالاتین کے نواب سنگریڈ سے ملاقات ہوئی۔ دونون مین محبت کے پینگ بڑھے اور آخر ۷۰۰ء مین جبکہ نازنین جنقیاف کا سن اٹھارہ برس کا تھا شادی ہو گئی شادی کو ابھی پورا ایک برس نہین گزرا تھا کہ چارلس مارٹل نے فرانس کو مسلمانون کے ہاتھ سے بچانے کے لیے فوج جمع کی اور اُس کے شوہر سے خواہش کی کہ ایک فوج کی سرداری وہ بھی قبول کرے۔ سنگریڈ کا دل قومی و مذہبی جوش سے لبریز تھا اور اُس زمانے کے نامور بہادرون مین تھا۔ اُس مسیحی مجاہد کی درخواست خوشی سے قبول کر لی۔ اور چارلس مارٹل کے ہمراہ مسلمانون کے مقابلے پر روانہ

ہوا۔ اور اپنے نائب الریاست گولو کو تاکید کر گیا کہ خبردار جنفیاف کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ ہمیشہ اُس کی خدمت مین مصروف رہنا۔ اور وہ جس بات کا حکم دے اُس کی فوراً تعمیل کرنا۔"

بدنفس گولو جنفیاف کی صورت زیبا پر فریفتہ اور اُس کا عاشق ہو کر ناجائز ہوسین کرنے لگا۔ مگر جنفیاف کو دیکھا تو نہایت عفیفہ و پاکدامن پایا۔ پہلے خوشامد درآمد سے پھر مکر و فریب سے اور اُس کے بعد ڈرا دھمکا کے اپنی ہوس پوری کرنی چاہی مگر کسی طرح زور نہ چلا۔ اور ثابت ہو گیا کہ جنفیاف کا حسن ایک ایسے آہنی قلعہ مین محفوظ ہے جس کے کنگرون کو کسی کی ہوس کی کمند نہین پاسکتی اور جس کی دیوار مین سیندھ دینا محال ہے۔

جب کسی طرح زور نہ چلا تو گولو دشمنی پر آمادہ ہو گیا۔ اور اُس کے شوہر کونٹ پالاتین کو میدان جنگ مین لکھ بھیجا کہ "مین آپ کی ہدایت کے مطابق ملکہ کی خدمتگذاری اور حفاظت کرتا ہون۔ مگر اُن کا چال چلن اور طرز عمل ایسا ہی کہ حفاظت غیر ممکن ہے۔ اور مجھے شرم و ندامت سے لکھنا پڑتا ہے کہ باوجود میری ہر طرح کی نگہبانی کے وہ اپنے ناجائز دوستون سے ملنا نہین چھوڑتین۔ اور قیامت یہ کہ حاملہ ہین اور عنقریب حرام کا بچہ ہونے والا ہے۔" اس ظالم و مفتری نائب نے اُس کے شوہر ہی کو نہین لکھا بلکہ سارے فرانس مین یہ خبر مشہور کر دی۔ اور ہر دلی والے کی نظر مین اُس نیک و پاکدامن حسینہ کو بدنام کر دیا۔

شوہر بالکل سادہ لوح اور بے عقل تھا وزیر کے لکھنے کا یقین کر لیا۔ اور اپنے ایک معتمد علیہ شخص کو بھیجا کہ جاتے ہی بلا تامل میری بیوی اور اُس کے لڑکے کو اگر پیدا ہوا ہو جنگل مین لے جانا اور قتل کر کے دفن کر دینا۔ وہ شخص آیا اور چند روز کے بعد واپس جا کے خبر کی کہ دونون کو قتل کر ڈالا۔ اس خبر سے اگرچہ کونٹ کو تسکین سی ہو گئی۔ مگر ایسی اچھی پری جمال و حور خصال بیوی سے زندگی بھر کے محروم ہو جانے کے خیال سے ہر وقت دل میں ایک کوفت رہتی۔

[illegible] سے خالی تھا اور [illegible] کھاتا تھا۔ ملکہ کی [illegible]

سے معلوم ہوا کہ فلان شخص آپ کا بھیجا ہوا آیا تھا وہ ملکہ اور اُس کے بچے کو جو آپ کا نہایت ہی خوبصورت فرزند تھا ساتھ لے گیا اور پھر پتہ نہ لگا کہ دونوں ماں بیٹے کیا ہوئے۔ اُس نے کہا "اچھا ہوا کہ دنیا اُس زانیہ عورت اور اُس کے حرام کے بچے سے خالی ہو گئی" یہ سُن کر وہ سب عورتیں رونے لگیں۔ اور سب نے کہا "آپ کو فریب دیا گیا ہے آپ اُن کو حاملہ چھوڑ گئے تھے۔ چند روز بعد البتہ چھپا ولی عہد ریاست پیدا ہوا اور ریاست کی ساری رعایا خوش ہو گئی مگر آپ کے نائب کی یہ حالت تھی کہ جس دن سے آپ گئے اسی روز سے وہ ملکہ کی آمد و بیٹے کی ... ہو گئے پہلے خوشامد کرنا اور منانا شروع کیا پھر مکاری اور فریب سے اُن کو ... پھانسنے لگے۔ مگر پاکدامن ملکہ کے دل پر مطلق اثر نہ ہوا تب دھمکایا کہ ... تم کو ساری دنیا میں بدنام کر دوں گا اور خود تمہارے شوہر کا ... دشمن بنا دونگا اس کی بھی اُنھوں نے پروانہ کی۔ اور ہم جانتے ہیں کہ ... کی سازش سے وہ غائب بھی ہوئیں"

یہ واقعات سنتے ہی کونسٹ کے ہوش اڑ گئے۔ اور لوگوں سے اس بات کی تصدیق کی۔ اور آخر اپنے کیے پر پچھتانے اور کف افسوس ملنے لگا۔ اس کی یہ حالت ہو گئی کہ خود اپنا دشمن تھا۔ خودکشی پر آمادہ ہو گیا۔ مکان میں وحشت ہوئی تو شہر کی گلی کوچوں کی خاک چھانی۔ وہاں بھی کسی جگہ دل نہ لگا تو آبادی سے باہر جنگلوں میں وحشی درندوں کی طرح پھرنے لگا۔ آدمیوں کی صورت سے وحشت ہوتی اور کہتا کہ انسان سے زیادہ بے رحم و سنگدل کوئی نہیں۔ میرا انتقام اکیلے وزیر و نائٹ کے مار ڈالنے سے نہیں مل سکتا۔ بس میری تسکین اسی طرح سے ہو سکتی ہے کہ سب آدمیوں کو مار ڈالوں یا سب سے قطع تعلق کر لوں۔

اس خیال کا یہ اثر تھا کہ صبح ہوئی اور جنگل کی راہ لی۔ جہاں ہر گھنٹہ میں کسی درخت کے نیچے کھڑے ہو کر آنسو بہاتا۔ ایک دن جنگل میں پھر رہا تھا دور سے ایک عورت دکھائی دی جو اُسی کی طرف بڑھتی چلی آتی تھی۔ نزدیک ہوئی تو چونک کے بولا "ایں! یہ تو میری جنیفا ہے"

مگر وہ کہاں؟ وہ تو کب کی مر چکی ہے۔ عورت اور قریب ہوئی تو گھبرا کے کہنے لگا "مگر یہ تو وہی ہے! یقیناً وہی ہے! آہ! اب میں سمجھا اُس کی روح آئی ہے کہ مجھے لعنت ملامت کرے۔ اور میرے ظلم و ستم کا مجھ سے بدلہ لے۔ بے شک میں اسی کا مستحق ہوں" اور چلا چلا کے اور رو رو کے کہنے لگا "ہاں پیاری جنفیاف میں اسی کا مستحق ہوں۔ آ۔ آ۔ پاس آ۔ مجھے گالیاں دے۔ مجھ پر لعنت کر۔ بلکہ مجھے مار ڈال"

اب جنفیاف اس قدر نزدیک تھی کہ یہ الفاظ اس نے بخوبی سُن لیے۔ وہ [illegible] کے ساتھ بولی "نہیں" نہیں۔ میں نہ گالیاں دوں گی۔ نہ لعنت کروں گی۔ نہ ماروں گی۔ بلکہ میں اب بھی ویسی ہی تمھاری صورت کی عاشق اور وفادار بیوی ہوں تم کو بدگمانی ہو۔ مگر میری محبت بدگمانی سے خالی اور بیوفائی کی نجاست سے پاک ہے"

یہ کہتی ہوئی جنفیاف آ کر سامنے خاموش کھڑی ہو گئی۔ اور کونٹ کی یہ حالت تھی کہ زبان بند تھی اور کوئی جواب نہ بن پڑتا تھا۔

آخر دل مضبوط کر کے کونٹ نے کہا "مگر جنفیاف۔ میں تیرے قابل نہیں تیرا حُسن باغ عدن تھا اور میں سانپ بن کے آیا اور اُسے ہاتھ سے کھو دیا۔ تو باوفا تھی اور میں بیوفا ہوں۔ تیرے دل میں محبت تھی اور میرے دل میں بغض تو پارسا و پرہیزگار تھی اور میں بدکار و گنہگار ہوں"

جنفیاف "تم چاہے جیسے ہو مگر میں تمھاری ہوں۔ اور شادی کے روز جو عہد کیا تھا اُس پر آج تک قائم ہوں اور زندگی بھر قائم رہوں گی"

کونٹ "(حیرت سے) "زندگی بھر قائم رہوں گی؟ تو کیا تم ابھی زندہ ہو؟ اگر یہ سچ ہے تو میں بڑا خوش نصیب ہوں"

جنفیاف "ہاں میں زندہ ہوں۔ مگر تم کو یہ سُن کر افسوس ہوگا کہ میں زندہ بچ گئی۔ آؤ اب تم اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالو۔ اور یہی میری تمنا بھی تھی۔ جس کو خدا نے یوں پورا کیا کہ جس کو تم نے میرے قتل کرنے کا حکم دیا تھا اُس نے مجھے جنگل میں لا کے چھوڑ دیا۔ اور تاکید کی کہ پھر کبھی تم کو اپنی صورت دکھاؤں"

کونٹ "اُس نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ افسوس گولو نے مجھے فریب دیا۔ اور میں ایسا بیوقوف بن گیا" یہ کہہ کے کونٹ نے بیوی کو گلے لگا لیا۔ بچہ [illegible]

...نے نو برس کا ہو چکا تھا۔ اُسے جانے کو دمین اٹھا یا۔ اور پیار کیا۔
اب جا کو منشا اپنی محبوبہ بیوی اور اپنے لخت جگر کو اپنے محل میں لایا۔ اُسی وقت
...لوگون کو قتل کیا۔ اور گھر مین پھر خوشیان منائی جا رہی تھین۔
جتنے دنون جنگل مین تھا۔ ان مصیبت کی زندگی بسر کی تھی وہان اپنی مصیبت دور
ہونے کی یادگار۔ مین ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کرائی۔ اور اُس مین ایک پتھر پر اپنی ساری
داستان کندہ کرا دی۔ اور ایک تابوت بنوایا جس مین دونون میان بیوی مرنے کے بعد دفن
کئے گئے۔ وہ خانقاہ اُس کی یادگار مین آج تک موجود ہے۔

علم نجوم کا ایک کرشمہ

قدیم الایام مین لوگ نجوم کے نہایت گرویدہ تھے خصوصاً بادشاہ تو بغیر
نجومیون سے پوچھے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ اسلام نے فن نجوم اور اُس کے فتوون
دونون کو قطعاً حرام اور شرک بتا دیا۔ جس وقت عہد صحابہ کے مجاہدین نے حملہ کیا ہے
اُس وقت کسرائے عجم اور اُس کے درباری بالکل نجومیون کے ہاتھ مین تھے۔ یزدجرد
...جوش مین بار بار تاکید کرتا تھا کہ فوراً عربون سے مقابلہ کرو۔ مگر اُس کا پختہ مغز
درکار آزمودہ سپہ سالار رستم بن فرخ زاد جو علم نجوم مین بصیرت رکھتا تھا یہی کہتا
...ٹھیرئیے ابھی طالع نحس ہے۔ مبارک اور سعد گھڑی آئے تو بڑھون۔
مگر دولت و سلطنت حاصل ہونے کے بعد مسلمانون مین جہان اور تمام بیہودہ
...پیدا ہو گئے وہان نجوم کا بھی زور رہا۔ اور بادشاہان اسلام اُس سے زیادہ
طالع سعد و نحس کے جویا اور نجومیون کے غلام ہو گئے جس قدر اگلے عجمی اور مصری
...تھے۔ جس کا ایک حیرت ناک نمونہ کتاب اخبار الاول سے ہم اپنے ناظرین
کے سامنے پیش کرتے ہین۔
فاتح قسطنطنیہ سلطان محمد ثانی نے خلد برین کی راہ لی تو اُس کا بیٹا بایزید خان
...سنہ ۹۱۰ سنہ محمدی (سنہ ۱۴۸۱ء) مین وارث سریر آل عثمان اور روم کا سلطان
...ایک زبردست فرمان روا تھا۔ اور اُسی کے سامنے ایران مین دولت صفویہ قائم ہوئی
جس نے سارے ایرانیون کو مذہب شیعہ اثنا عشری کا پیرو بنایا۔

اسی بایزید کو نجومیوں نے بتایا کہ آپ کے کئی لڑکوں کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھ سے آپ مارے جائیں گے۔ یہ سن کر بایزید خان کی عجیب حالت ہو گئی اور ہر وقت اسی دھڑکے سے خشک ہونے لگا۔ آخر اطمینان قلب کے لیے محل کی ایک دائی کو جس پر پورا بھروسہ تھا خلوت میں بلایا۔ اور اس سے کہا کہ میرے محلوں اور حرموں میں جس کے بطن سے اولاد ہو اس کو تم خود جا کے دیکھا کرو۔ اگر لڑکی ہو تو زندہ رہنے دو لیکن اگر لڑکا ہو تو اس کو چپکے سے مار ڈالا کرو۔ مگر اس طرح کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ اس عورت نے وعدہ کیا۔ اور اس ہدایت کے مطابق عمل ہونے لگا۔ اور خدا جانے کتنے بچے سلطان کے اس وہم و مالیخولیا پہ قربان ہو گئے۔

اب سلطان کے حرم میں ایک اور بچہ پیدا ہوا۔ وہ ایسا حسین و خوبصورت تھا کہ دائی کو اس پر بڑا ترس آیا۔ لاکھ لاکھ جی کڑا کیا مگر یہ نہ ہو سکا کہ اس کو قتل کر ڈالے۔ آخر اس کی ماں سے کہہ دیا کہ اس لڑکے کو لڑکی کہہ کر اور لڑکیوں کے کپڑے پہنا کے پالو اور کسی پر نہ ظاہر کرنا کہ یہ لڑکا ہے۔ پھر خود جا کے سلطان سے کہا کہ محل میں شاہزادی پیدا ہوئی۔ بایزید خان نے اس کا نام "سلیمہ" رکھا۔ اور شاہزادیوں کے ساتھ اس کی پرورش ہونے لگی۔ اب اس فرضی لڑکی کی شان یہ تھی کہ ذرا ذرا سی بات میں مشتعل اور غضبناک ہو جاتی اور اپنی بہن شاہزادیوں میں بیٹھتی تو ایک آفت مچا دیتی۔ کبھی اس کو مار دیا۔ کبھی اس کو ڈھکیل دیا۔ اور جس بہن کے پاس کھانے پینے یا کھیلنے کی کوئی چیز دیکھی زبردستی مار پیٹ کے چھین لیتی۔ کسی کا اس پر زور نہ چلتا۔ اور تمام شاہزادیوں کی یہ حالت تھی کہ اس سے ڈرتیں اور اس سے پناہ مانگتیں۔

ایک عید کو سلطان بایزید خان محل میں آیا۔ زنانہ دربار بڑی شان و زینت سے آراستہ کیا گیا۔ سلطان آ کر اپنی مسند پہ بیٹھا۔ اور تمام شاہزادیوں کو اس نے سامنے بٹھایا۔ پھر سب کو طرح طرح کی مٹھائیاں اور تر و تازہ میوے دیے۔ اور ان کے کھانے کا تماشا دیکھنے لگا۔ سلیمہ نے دم بھر میں اپنی عادت کے موافق دست درازی اور زبردستی شروع کی۔ اور ساری شاہزادیوں سے مٹھائیاں اور میوے چھین لیے۔ اور سب اس سے ڈر ڈر کے کونوں میں دبکنے لگیں۔ یہ دیکھ کر بایزید خان کو بڑی حیرت ہوئی۔ دیر تک سلیمہ کی حرکتوں کو غور و خوض سے دیکھتا رہا اور آخر میں بولا "یہ تو لڑکی نہیں ہو سکتی

ور حکم دیا کہ اس کو قریب لا کے مجھے دکھاؤ۔

یہ حکم سنتے ہی وہ دائی سلطان کے آگے آکر دست بستہ کھڑی ہوگئی۔ اور عرض کیا۔ بادشاہ کو دیکھنے کی ضرورت نہیں میں خود بتائے دیتی ہوں کہ یہ لڑکا تا ..۔ بایزید خان نے غصے کے چشم و ابرو سے دیکھ کر کہا۔ اور میں نے تم کو کیا حکم دیا تھا؟" عرض کیا۔ بیشک حضور کے حکم کے خلاف ہوا مگر میں خدا سے ڈری اور آپ کو بھی ایک بیٹے کے خون سے مو.. سے بچا لیا جو بالکل بے گناہ اور معصوم تھا۔"

اس جواب پر بایزید خان نے چپکے بڑی دیر تک سوچتا رہا پھر سر اٹھا کے ..خدا نے جو قسمت میں لکھ دیا ہے ہو گا۔ تقدیر سے کوئی مفر نہیں۔ یہ کہہ کر لڑکے کی جان لینے کا قصد نہ کیا جائے۔ اور شاہانہ طریقے سے اس کی تعلیم و تربیت ہو۔

پھر اس کے بعد سلیم نے ایسی تربیت پائی کہ تمام شاہزادوں سے زیادہ نمود حاصل کی۔ یہاں تک کہ بایزید خان مرض نقرس میں مبتلا ہو کر نقل و حرکت کے قابل نہ رہا تو ارکان دولت نے یہ دیکھ کر کہ سلطنت کو ایک مستعد اور زبردست فرمانروا کی ضرورت ہے خود بایزید خان کو مشورہ دیا کہ آپ اب گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر خدا کو یاد کریں۔ اور شاہزادہ سلیم کو اپنی زندگی ہی میں تخت عثمانی پر بٹھا دیں۔ اس نے خوشی سے اس رائے پر عمل کیا۔ سلیم کو مالک تاج و دیہیم بنا کے شہر .. بول میں عزلت گزین ہو گیا۔ اور اسی سال ۹۱۸ھ میں سفر آخرت کیا۔ اور نجومیوں کی اس پیشین گوئی کی قطعاً تکذیب ہو گئی کہ اپنے بیٹے کے ہاتھ سے ہلاک ہو گا۔

ریویو

انجمن ترقی اردو۔ اس انجمن کی ۱۹۱۸ء کی رپورٹ چھپ کے شائع ہو گئی جو بتا رہی ہے کہ مولٰنا عبدالحق صاحب بی۔ اے۔ آنریری سکرٹری انجمن نے اسکو کیسی نمایاں ترقی دی۔ اور زبان اردو کو کس قدر فائدہ پہونچایا۔ جس اجلاس کی یہ رپورٹ ہے وہ دسمبر ۱۸ء میں شہر سورت میں منعقد ہوا تھا۔ اس انجمن کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ ہے کہ تاجدار اسلام اعلیحضرت

محی الملۃ والدین ہز اکزالٹڈ ہائنس نظام الدولہ نظام الملک آصف جاہ میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ اور نگ نشین دولت دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ اور علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال اس کے مربی اور نواب عماد الملک بہادر صدر انجمن ہیں۔ ۲۴ مشہور صاحبان علم ارکان مجلس شوریٰ ہیں ۲۷ ارکان دامی ہیں اور ۲۲۳ عام ارکان ہیں۔ اور ۷ متفرق امداد کرنے والے ہیں جن میں تین تعلیم یافتہ روشن خیال اور علم پرور خاتونیں بھی ہیں۔ ممبروں کی تعداد ابھی بہت کم ہے اُن کی تعداد کم از کم پانچ ہزار ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ انجمن اردو نے جو کام اپنے ذمہ لیا ہے بڑا اہم کام ہے۔ اور ہم کو یقین ہے کہ مولوی عبد الحق صاحب کی مستعدی سے انجمن عنقریب بہت نمایاں ترقی کرے گی۔ اور ایسے اعلے خدمات بجا لائے گی جو اردو زبان کو مستند علمی زبان بنا دیں گے لیکن تمام مسلمانوں اور اردو کے ہمدرد ہندؤں اور پارسیوں کو کثرت سے اس کی ممبری اختیار کرنی چاہیے۔ اگر یہ انجمن اسی طرح مولوی عبد الحق صاحب کے ہاتھ میں رہی اور اُس کو دس بارہ ہزار ممبر مل گئے تو امید ہے کہ یہ وہ کام کرے گی جو یورپ میں لاکھوں کروڑوں کے صرف سے انجام پاتا ہے۔

انجمن ترقی اردو ایک مدت سے قائم ہے اور بڑے بڑے قابل لوگوں کے ہاتھ میں رہ چکی ہے مگر اُس نے جو کچھ نمود اور ترقی حاصل کی وہ مولوی محمد عبد الحق صاحب کے ساتھ خاص ہے اور کام مولوی صاحب موصوف کی ماتحتی میں ہو رہا اور اسی طرح چلتا رہا تو ممبروں کی کثرت کے علاوہ ہمیں اس کی بہت زیادہ امید ہے کہ اعلیٰ درجہ کی کتب انجمن کی تجارت بہت زیادہ کامیاب ہوگی جو ہمارے خیال میں اب صحیح اصول پر چلنا شروع ہوئی ہے۔

ہم مولینا عبد الحق صاحب کی خدمت میں کئی بار عرض کر چکے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ کوئی ایسا کام کیجیے جو شخصی کوششوں سے نہ ہو سکتا ہو مثلاً کسی بڑی ضخیم جیا گرفیکل ڈکشنری یا کسی اوسط درجے کے انسائکلوپیڈیا یا کسی بسیط جیاگرفیکل ڈکشنری کا ترجمہ ضرور شائع ہو جانا چاہیے اسی طرح قدیم یونانی و رومی مستند تاریخوں کے ترجمے بلا لحاظ اس کے کہ ان کا ترجمہ ہوا ہے یا نہیں اردو میں شائع کر دیے جائیں۔ اور انھیں کے سلسلہ میں کم از کم عربی کی چند ضخیم تاریخیں ابن اثیر ابن خلکان۔ اور طبقات الاطبا وغیرہ کے ترجمے چھپ جائیں تو سمجھنا چاہیے کہ انجمن نے

اردو زبان پر بہت بڑا احسان کیا۔

یہ بھی انجمن ہی کی خوش نصیبی ہے کہ عثمانیہ یونیورسٹی کی برکتوں سے علوم و فنون کی بہت سی مستند اور اہم کتابیں ہماری زبان میں پیدا ہو جائیں گی۔ لہٰذا اب انجمن کے لیے موقع ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اردو میں تاریخی سرمائے کو مکمل کر دے۔

خادم الاطبا۔ مئی سنہ ۱۹۱۹ء سے یہ طبی رسالہ ہمارے پڑوس ہی میں یعنی محترم و مستند خاندان اطبائے ہند کے حلقے سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ ایڈیٹر اور مالک حکیم محمد عبدالمجید صاحب ہیں جن کے مطب کی شہرت عظیمہ ثابت ہو چکی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔ لکھنؤ میں جو علمی خصوصیت بلحاظ علم و فضل کئی صدیوں سے فرنگی محل کے خاندان علما کو حاصل رہی ہے وہی خصوصیت گزشتہ سو سال سے حکیم محمد یعقوب مرحوم کے خاندان اطبا کو حاصل رہی ہے۔ حکیم محمد ابراہیم، حکیم حافظ عبدالعلی، حکیم محمد عبدالعزیز اور حکیم محمد عبدالولی جن کے انتقال کو تین ہی چار سال گزرے ہیں اس خاندان کے نامور و مستند اطبا گزرے ہیں جن کے طبی فیض سے سارا ہندوستان فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اور ان کی حذاقت کے [illegible] ہوئے تھے۔ اور بلاد ہندوستان میں سے کم ایسے شہر ملیں گے جہاں ان اطبا کے شاگرد نہ موجود ہوں۔ اور ان کو نامور طبیبوں کی حیثیت نہ حاصل ہو۔

ایسے طبی مرکز کے لیے ایک عمدہ پرچے کا موجود ہونا بہت ضروری تھا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ رسالہ خادم الاطبا اس مقصد کو بوجہ احسن پورا کرے گا۔ کسی خاص خاندانی یا طبی اسکول کا مرکز ہونا اور کنا۔ ہندوستان کو ایک اعلیٰ درجے کے عام طبی ارگن کی ضرورت ہے۔ وہ زمانہ گزر گیا جب سلطنت اس فن کی پشت پناہی کر رہی تھی اب ہماری طب کو محض اپنے ذاتی کمالات سے ایک ایسے حریف فن علاج کا مقابلہ کرنا ہے جو جدید تحقیقات سے وابستہ ہونے کے علاوہ سلطنت کی حمایت پر ناز کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے تمام حریف فنون کو فنا کر دے۔ تعلیم یافتہ گروہ روز بروز اس کا طرفدار ہوتا جاتا ہے۔ اور اس نے دنیا کو یہ باور کرانا شروع کر دیا کہ سوا ڈاکٹری کے اور تمام فنون طب کوئی فن نہیں ہیں۔ ایک عطائی شخص کی بیاض کے بے اصول نسخوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔

طب یونانی کے لیے ڈاکٹری کی ترقیوں کے باعث یہ بہت نازک زمانہ ہے اور اس کے لیے ایک ایسے زبردست ارگن کی ضرورت ہے جو ثابت کر دے کہ طب یونانی ایک نہایت ہی با اصول اور باقاعدہ فن ہے۔ دراصل چار چیزوں کی کمی نے ڈاکٹری کے دعووں میں زور پیدا کر دیا ہے۔ اول تشریح۔ دوسرے جراحی۔ تیسرے کیمسٹری و فن دواسازی اور چوتھے موجودہ فن بیکٹریالوجی جس کے ذریعے سے تحلیل کر کے مختلف امراض کے مخصوص اجرام کا پتہ لگا لیا گیا ہے۔ جو اکثر اوقات تشخیص میں نہایت بکار آمد ثابت ہوتا ہے۔ ان میں سے ایک چیز بھی ایسی نہیں جو طب یونانی کے خلاف یا اس کے اصول مدونہ سے

خارج ہو۔ یہ اور بات ہے کہ اطبا نے خود ہی اُن کی طرف سے بے پروائی کرکے اپنے آپ کو کمزور کر لیا ہے۔ اگر فن تشریح میں اس صدی میں زیادہ انکشافات ہو گئے۔ یا جراحی نے عجیب و غریب کمالات دکھائے۔ یا عناصر کی تعداد چار سے گزر کے سو کے قریب پہونچ گئی۔ یا ہوا کے اجزا کا پتہ لگ گیا۔ یا علم کیمیا سے فائدہ اُٹھا کر ادویہ کے جوہر اور ست نکال لیے گئے۔ یا ہر شے کو تحلیل کر کے اس کے اجزا کا پتہ لگا لیا گیا تو یہ کوئی ڈاکٹری کی خصوصیت نہیں بلکہ یورپ کی مروجہ طب کو اُن جدید تحقیقاتوں سے فائدہ اُٹھانے کا اتنا ہی حق ہے جتنا طب یونانی کو ہے۔ فقط اتنا فرق ہے کہ انگریزی دانی کی وجہ سے ڈاکٹروں نے اِن چیزوں کو اپنے نصاب تعلیم میں داخل کر لیا۔ اور اطبا سے یونانی انگریزی نہ جاننے کے باعث ان سے علیحدہ رہے ضرورت ہے کہ یونانی اطبا ان فنون کو یونیورسٹیوں میں سیکھ کے اپنے فن میں اضافہ کر لیں۔ اس لیے کہ کوئی ڈاکٹری کی خاص جائداد نہیں ہے بلکہ بمصداق "الحکمۃ ضالۃ المومن ہو احق بہا حیث وجدہا" مسلمان اطبا کی جائداد ہو سکتی ہے۔

خادم الاطبا اسی مقصد کو طب سے نکلا ہے کہ اگر ان چیزوں کو موجودہ سرچشمہ علوم سے اخذ کرکے اپنے عمل اور اپنے طرز علاج میں داخل کرنے کی تحریک کرتے اور اپنے قدیم اصول کی مضبوطی کو پیش کر کے ثابت کر دے کہ ان جدید چیزوں سے معری کر لینے کے بعد دیکھا جائے تو خود ڈاکٹری طب یونانی کے مقابل میں ایک بیاض نسخ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

ہمیں امید ہے کہ حکیم عبد المعید صاحب ان اصول کو پیش نظر رکھ کے اپنے خاندانی فن کو زندہ کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔ اور رسالہ خادم الاطبا سچا مجدد فن ثابت ہو کر مخدوم الاطبا بن جائے گا۔

یہ ۲۰ × ۲۶ سائز پر علاوہ ٹائٹل کے چالیس صفحوں کا رسالہ ہے ایک آدھ ضروری تصویر بھی ہوتی ہے مضامین نہایت اچھے ہیں۔ کاغذ اور چھپائی بھی اور نظر فریب ہے اور ان خوبیوں کے مقابل قیمت کچھ نہیں یعنی سالانہ عہ اور طلبہ طب سے للعہ ہے۔ قدردانان طب کو اس کی طرف ضرور توجہ کرنی چاہیے۔

خاتم المرسلین

مستند الوقت مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کی جدید ترین کتاب

خاتم المرسلین تیار ہو گئی۔ یہ خاص حضرت سرور انبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہے اور بے نظیر و عدیم المثال کتاب ہے۔ یہ کہنا تو شاید گستاخی سمجھا جائے کہ یہ قدری میں یہ بہترین کتاب ہے اس لیے کہ بڑے بڑے باکمالان اسلام اس بارہ میں اپنے قلم کو شرف عزت دے چکے ہیں مگر یہ کہنے میں غالباً مضائقہ نہو گا کہ یہ کتاب نہایت ہی فصاحت و دلکشی کے ساتھ حضرت سرور عالم کے حالات زندگی آپکے ذہن نشین کر دے گی اور رسول اکرم کی مبارک زندگی کے جتنے حالات شرح و بسط سے آپ کو اس میں ملیں گے اور کسی کتاب میں نہیں مل سکتے اس لیے مختلف مسائل اور جھگڑوں میں پڑنے کے بجائے اس میں واقعات زیادہ تکمیل و تحقیق سے جمع کر دیے گئے ہیں۔ کسی مسلمان کو اس کے مطالعے سے محروم نہ رہنا چاہیے۔

کتاب خاتم المرسلین مع فہرست ۵۷۴ صفحون پر ہے اور قیمت فی جلد تین روپیہ آٹھ آنے رکھی ہے چونکہ یہ رسالہ مورخ میں شایع ہو چکی ہے لہذا ہمارے پاس تھوڑے ہی نسخے ہیں اگر تاخیر ہوئی تو ممکن ہے کہ آپ اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہ جائیں اس لیے کہ آج کل سامان طبع کی گرانی و دشواری سے دوبارہ چھاپنے کی نوبت مشکل سے آ سکتی ہے۔

المشتہر
محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب بک ایجنسی کٹرہ نواب بیگ خان لکھنؤ

مہذب بک ایجنسی

(تصانیف حکیم محمد علی خان صاحب مرحوم)

گورا - رنڈاپے کے ہاتھوں دو شریف خاندانوں کی بربادی - وید مقدس و شرع شریف کی طرف سے بیوگان پر دلائل قیمت - ہر سہ حصہ ۱۲

حسن سرور - دلچسپ اچھوتا دل تڑپا دینے والا سچا اور نیا ناول تین حصوں میں قیمت ۱۲

نیل کا سانپ - کلوپیٹرا ور انطانی کی حسرت بھری داستان بالکل تاریخی واقعہ قیمت عا

(ترجمہ ناول ہائے مسٹر رینالڈز)

ولایتی پرستان - مسٹری آف دی کورٹ آف لندن کا ترجمہ حصہ اول ۱۲ حصہ دوم ۱۲ حصہ سوم ۱۲

فسانہ سوزن - عشق ناول مسٹریز کا ترجمہ جس کا عجیب غریب اور حیرت انگیز قصہ طلسم حیرت بنا دیتا ہے ۱۲

روز الیمبرٹ - مس لیمبرٹ کی درد انگیز داستانیں راہ نیک سے انحراف اور چوری جوے دغابازی شراب خواری وغیرہ کے برے انجام - بے انتہا دلچسپ سوانحمری ہے حصہ اول عا، حصہ دوم ۱۲

ونگیز ونیڈا - اسمیں ایسے ایسے حیرت انگیز راز بیان کیے گیے ہیں جو انسان کو حیران بنا دیتے ہیں موقع بموقع اسمیں تصویریں بھی دی گئی ہیں قیمت ۱۲

فسانہ الہ دین و لیلی - ترجمہ مشہور ناول اسٹار آف انگلیا جسمیں نہایت ہی رنگین اور ندرت آگین داستانیں ہیں ۱۲

لعبت فرنگ - مسٹر رینالڈز کے ناول برانز اسٹیچو کا ترجمہ تاریخی واقعات عجیب و غریب طریقے سے نہایت دلچسپ انداز میں بیان کیے گئے ہیں ۱۲

فریب حسن - مشہور ناول ... کا نہایت سلیس

ترجمہ قصے کے پرائے ہیں بدکاریوں کے نتائج دکھائے گئے ہیں نہایت دلچسپ ناول ہے عا

مارگریٹ - شاہ انگلستان لینڈ کا ملکہ مارگریٹ کے ساتھ دغابازی سے خفیہ شادی کرنا اور پوپ کا فیصلہ - حق کی فتح نہایت دلکش ناول ہے قیمت عا

ناول اسرار (دو حصہ) ... کا با محاورہ ترجمہ عصمت حسین لیڈیوں ... جذبات کا خاکہ زندگی کی حیرت انگیز نیرنگیوں اور انقلاب کی تصویر عا

متفرق دلچسپ کتابیں اور ناول

مشاعرہ آتش - مستند اور مشاہیر شعرائے امیر حال ... کی غزلوں پر ... شاعری سکھانے والی کتاب ...

سمندر کی سیر (دو حصہ) فرانس کے نامور ... جولیس ورن کے ایک دلچسپ ناول کا ترجمہ عا

دو جہان کی سیر - مصنفہ میری کوریلی اس میں ... فلسفہ کو جسکی بنیاد مذہب اور روحانیت پر قائم کی گئی ہے بڑی خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہے عا

روح لیلی - میری کوریلی کا دوسرا ناول جس میں دو جہان کی سیر کی طرح روحانی مسائل کی عقدہ کشائی اور لامذہبی کی بیخ کنی کی گئی ہے عا

خدائی فوجدار - پنڈت رتن ناتھ سرشار کا مشہور و معروف ناول ظرافت سے ... عا

بو الہوس - ... سلف کی ... اور نسبت کی مختلف صورتوں کا نقشہ عورتوں کا استقلال عہ

اسرار ہند - اہل ہند کے گذشتہ کارناموں کا آئینہ ۱۲

ناشاد - اورنگ زیب کی تخت دہلی کے لیے سر توڑ لڑائیاں شہزادہ محمد اور شہزادی مہر النساء کے عشق

محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

کی داستان مصنفہ حضرت ریاض

فریب نیرنگ - فریب وفا عجیب و حیرت عہ
انگیز واقعات مصنفہ سید عاشق حسین صاحب ۱۲/

تذکرہ **حاجی بابا اصفہانی** ممالک ایران کے
ایک مشہور و معروف سیاح کے چشم دید واقعات عہ

نیرنگ فرنگ - فرانس کا ۱۸۷۰ء کا انقلاب
فرانس اور جرمنی کی جنگ مشہور ناولسٹ وکٹر
ہیوگو کے ناول کا ترجمہ ۱۲/

گناہ بے لذت نام ہی سے اندازہ کر لیجیے ۸/

حقیقی تصویر ایک شائستہ لڑکی کی پاکیزہ زندگی کا فوٹو ہے

تمنا و وفا معشوقہ دلنوازی کی وفاداری عاشق کی
دغابازی اور مکاری اور حفیہ فروشوں کے
[illegible] قیمت ۱۲/

[illegible] ہندوستان کے واقعات تیمور لین کا
[illegible] انسانی ہمدردی. اور نیکی و بدی
[illegible] عہ

[illegible] اورنگزیب کا دکن پر حملہ تاناشاہ سے
لڑائیاں ایک عجیب ناول کے پیرایہ میں

[illegible] کی کھوٹی ایک جہاز ران نے اپنے شباب
کے کارنامے اور دوشیزہ بچوں کے واقعات
بیان کیے ہیں ۸/

انجام سرشار - پنڈت رتن ناتھ سرشار کا مشہور
ناول، ہندوستانی امرا کا عیش و عشرت میں
پڑ کے تباہ ہونا.

گنجینہ سراغرسانی - یہ ناول خفیہ پولیس کے لیے
ایک ہدایت نامہ اور تفتیش کرنے والوں کا سچا
رہنما ہے ہر چہار حصہ

سیتا ہندو عورتوں کی وفاداری اور سچی محبت کا افسانہ
[illegible] کے غدر کے تاریخی واقعات ہر دو جلد

ایک شاعر کا انجام مولفہ حضرت نیاز
تصویری قیمت ۱۲/

عطر سخن اس عہد کے جدید الخیال شعرا، اکبر شبلی
حالی اور اقبال وغیرہ کی [illegible] مقبول عام نظموں کا
معرکۃ الآرا انتخاب عہ

حیدر علی و ٹیپو سلطان سلسلہ فرمانروایان ہند
مولفہ مسٹر ولیم ہنٹر کی کتاب کا ترجمہ جس میں حیدر علی
اور ٹیپو سلطان والیان میسور کی مفصل سوانح عمریاں
درج ہیں قیمت عہ

شباب لکھنؤ سلطنت اودھ کے عروج کے زمانے
کے چشم دید حالات ایک انگریز سیاح کے قلم سے

سیرۃ النعمان امام اعظم کی سوانح عمری مع علم کلام اور
فن حدیث اور فقہ پر بحث

سیرۃ العباس - آنحضرت صلعم کے چچا حضرت
ابوالفضل عباس بن عبدالمطلب کی زندگی کے
حالات

مکار سرپرست بدچلن سرپرست کی مکاری و دغا
بازی اور آخرکار مکافات عمل کا سین عہ

متوالی بیراگن پانی پت کی آخری جنگ پر
ایک تاریخی ناول. احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کی
مشہور لڑائی. مادھوجی سندھیا اور ایک بیراگن
کا عشق

پی کہاں رتن ناتھ سرشار کا مشہور ناول

اتمش خلیفہ ہارون رشید کے زمانے کے حالات
عفت شعاری اور حلم بردباری کا بیان

درد فراق شہنشاہ تیمور اور سلطان بایزید کی مشہور
جنگ قیمت

ناتا سرزمین بابل کی دیوی ناتا کا باعظمت شکدہ اور
اس کی عجیب و غریب حکایتیں بحث شعر کی خونریزیاں

محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بیزن بیگ خان لکھنؤ

لال کتیان شاہ ماشی نگر و اور اسمعیل بے کی ۱۲ر
سنہ ۱۸۵۷ء کی جنگ کے حیرت انگیز واقعات کے ساتھ
عشق کے راز و نیاز کی تصویرین

دل سوز شہر سومنات پر سلطان محمود غزنوی کا پر جوش
حملہ مسئلہ تناسخ پر محققانہ بحث کے ساتھ حسن عشق ۸ر

عقد الجواہر جنھون نے کبھی اس ناول کو دیکھ لیا
ہے وہی جانتے ہین کہ کس قدر دلچسپ اور
پر لطف ہے قیمت ۴ر

راز عشق امریکہ کے مشہور سراغرسان نک کارٹر کی
تصنیف خفیہ پولیس کے حیرت انگیز کارنامے عمہ

تمکدم سراغرسانی کے لیے بہت ہی مفید ناول
اور نہایت دلچسپ عہ

خونی قسمت مسمریزم کے ذریعے سے انسان
کیونکر قابو مین لایا جاتا ہے۔ عہ

بادشاہ سلامت خود سر رعایا کی سرکشی و خاندان
شاہی کی تباہی۔ مگر بادشاہ کا خفیہ طور پر رعایا کا
ساتھ دینا اور فتح کے بعد کاری زخم کھا کر گرنا اور
اسوقت سب کا اسے پہچان کر شکریے کے آنسو بہانا عمہ

نشتر مشہور ناول شاید ہی کسی نے نہ دیکھا ہو۔ ۸ر

الو کی دم فاختہ ظرافت کا گنجینہ حماقت کا سفینہ
ایک طرف ظرافت ایک طرف نصیحت ۱ر

چابک سوار معشوقہ گھوڑ دوڑ کے ہاتھون ایک
بڑے رئیس کے خاندان کی تباہی رئیس زادے
کی پریشانی اپنے اصطبل کے داروغہ سے ان بن
اور اس کی لائق بیٹی سے عشق۔ اور اسی کی بدولت
چابک سواری مین کمال حاصل کر کے پھر اپنی موروثی
جائداد حاصل کرنا قیمت ۹ر

سبز باغ مسلمانونکی فضول خرچی اور عیوب
کا نتیجہ قیمت ۶ر

دنیائے اسلام اور عباسیت اس کتاب سے
معلوم ہوگا کہ اسلام نے کس طرح ایک ہزار سال
تک سیاست اور علوم و فنون مین ساری دنیا کی
رہبری کی اور اسباب زوال ۶ر

مجموعہ رسائل نور تصوف پر اعلی درجے کی
کتاب جسمین معرفت و طریقت کے ایسے لطائف و رموز
نکات لکھے گئے ہین جو انسان کو ولی کامل بنا دینے
کے لیے کافی ہین قیمت ۴ر

زمانہ اور اسلام مولانا شرر صاحب کی ایک نہایت
اعلی درجے کی نظم ۳ر

ہندوستان کی موسیقی مولینا صاحب کا
ایک لکچر موسیقی پر تفصیلی بحث ۴ر

رامائن کے بعض سین مہاراجہ رام چندر کی
جلا وطنی اور راون سے جنگ ۴ر

علمی ثمرہ۔ یعنی حسن بیگ کی ہسٹری۔ نہایت
دلچسپ ناول ۴ر

ارمان مصنفہ آغا شاعر دہلوی۔ نارضامندی کی
شادی کا کیا انجام ہوتا ہے عمہ

خزانہ گلتار سلطان سلیم اول کے زمانے کا ایک
تاریخی ناول۔ ۸ر

فسانہ بنگال مشہور معروف بنگالی مصنفین
کے آٹھ دلچسپ قصے ۱۲ر

مجموعہ گذشت ناول کے پیرایے مین جنگ
سومنات کی پوری تاریخ۔ ۱۰ر

معشوقہ عرب عربون اور ترکون کی طرز معاشرت
پر ایک نہایت اچھوتا ناول ۱۰ر

رزم بزم کامل ہر دو حصہ تمنع کی لڑائی۔ سلطان
شہاب الدین کی فتح اور راجہ جے چند کا شکست حسن
عشق کی ایک سچی تصویر قیمت عہ

محمد صدیق حسن پروپرائٹر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

دلگداز

مولنا شرر کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ
... زبان اردو کے علمی خزانے کو اعلیٰ لٹریچر
... خریداروں کو ایک سال خریدار
... کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خریدار
... تو مولنا ممدوح کا ایک نیا ناول مفت
... دیا جاتا ہے اور ہر سال بعد کے چندے
... محصول ڈاک یہ وی پی روانہ کر دیا جاتا ہے
قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ۲ دلگداز کا
... کا اور ناول کا وی پی اس کا محصول
... کا بھیجا جاتا ہے۔

دلگداز کی مکمل جلدیں		دلگداز کی نامکمل جلدیں	
جلد سنہ ۱۹۰۰ع	عہ	جلد سنہ ۱۹۱۳ع	عہ
جلد سنہ ۱۹۰۰ع	عہ	جلد سنہ ۱۹۱۴ع	عہ
جلد سنہ ۱۹۰۰ع	عہ	جلد سنہ ۱۹۱۵ع	عہ
جلد سنہ ۱۹۰۰ع	عہ	جلد سنہ ۱۹۱۶ع	عہ
جلد سنہ ۱۹۰۸ع	عہ	جلد سنہ ۱۹۱۷ع	عہ

جلد سنہ ۱۹۰۹ع	۱۰
جلد سنہ ۱۹۱۰ع	۱۵
جلد سنہ ۱۹۱۱ع	عہ
جلد سنہ ۱۹۱۲ع	عہ
منتخب مضامین ۱۸۸۷ع (دو ارح)	

دل افروز

ناولوں کے شائق خصوصاً مولنا شرر کے
ناولوں کے شیدا اس رسالے کو ضرور خرید
فرمائیں جس میں ہمیشہ دو نئے ناولوں کا سلسلہ
جاری رہتا ہے مجموعی صفحات ٹائٹل کے
علاوہ (۳۲) ہوتے ہیں۔ پہلا ناول مولنا
کا طبع زاد ہوتا ہے۔ اور دوسرا انگریزی
کے کسی ناول کا ترجمہ۔ سالانہ چندہ مع
محصول ڈاک (عہ) ہر سال اپریل سے
دل افروز کا سال شروع ہوتا ہے اور اپریل
کا پرچہ دو روپیہ ایک آنہ (عہ) پر وی پی
بھیج کے سالانہ چندہ وصول کر لیا جاتا ہے نمونے
کے واسطے ۲/ کا ٹکٹ آنا چاہیے۔
مینجر دلگداز و دل افروز

مینجر دلگداز

مورخ !!!

اعلیٰ لٹریچر اور خالص تاریخ کا ایک ماہانہ رسالہ جس میں مختلف مضامین نہیں
... سلسلہ وار شائع ہوتی ہیں اور ایسا انتظام کر دیا گیا ہے کہ چند روز کے اندر
... زبان میں تمام قوموں اور ملکوں کی مبسوط اور ضخیم اور مفصل و واضح تاریخیں
... ہو جائیں گی۔

فی الحال مورخ میں مولنا شرر صاحب کی مشہور تاریخ "ارض مقدس" کے
... صفحے ہوتے ہیں اور اس کے بعد ۳۲ صفحوں پر کانڈی کی مشہور تاریخ "دولت
... عرب" کا ترجمہ پورا رسالہ پانچ جز یعنی ۸۰ صفحوں پر ہوتا ہے۔ مورخ کا سالانہ
چندہ پانچ روپیہ رکھا گیا ہے۔ اور محصول ڈاک ۶/ سالانہ پر مورخ جاری کر دیا
... کا ہونے کے لیے ۸۰ رحمت ہوں۔ ہمیں حامیان زبان اردو اور مولنا شرر کے
... کے قدر دانوں سے امید ہے کہ اس رسالے کی ضرور سرپرستی کریں گے اس کا خریدنا
... اردو کی سچی خدمت ہے توجہ فرمائیے قدر دانی کیجیے اور خود اپنی اور اپنی زبان کی خدمت

ابوالعتاہیہ

خود ابوالعتاہیہ کہتا ہے کہ خلیفۂ مہدی ایک دن مجھے اپنے ساتھ شکار مین لے گیا۔ وہان ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالا تو تمام رفقا چھوٹ گئے بس اکیلا مین تھا اور کوئی نہ تھا۔ اتنے مین بادل گھر آیا۔ اور مینہ برسنے لگا۔ ہم دونون گھبرا کے ایک ندی کے کنارے پہونچے جہان ایک ملاح لوگون کو پار اُتارا کرتا تھا۔ اُس سے ہم نے راستہ پوچھا تو بجاے راستہ بتانے کے وہ ہم دونون کو الو بنانے لگا کہ اِس مینہ مین شکار کو نکلے ہو مگر پھر خود ہی اُسے ترس آگیا ہمین ندی کے کنارے کنارے تھوڑی دور لے جا کے ایک جھونپڑے مین داخل ہوا۔ اور ہمین اندر بلایا۔ مہدی سردی سے کانپ رہا تھا۔ ملاح نے کہا "اپنا گاڑھے کا جبہ اُڑھا دون؟" مہدی نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا! اور جبہ اوڑھ کے سو گیا تھوڑی دیر مین مہدی کا گھوڑا جھونپڑے کے دروازے پر دیکھ کے اُس کے تمام رفقا اور غلام آپہونچے۔ ملاح نے جو اس گروہ کو دیکھا تو سمجھا کہ یہ خلیفہ کے سوا اور کوئی نہین ہو سکتا۔ اور بھاگ کھڑا ہوا۔ غلامون نے اندر آ کے مہدی پر سے وہ میلا جبہ اُتارا اور حریر و کمخواب کی رضائی اُڑھا دی۔ تھوڑی دیر مین مہدی کی آنکھ کھلی تو پوچھا "وہ ملاح کہان ہے؟" مین نے کہا "وہ تو بھاگ گیا۔ رات کو اُس نے بیوقوف بنایا تھا۔ اب ڈرا کہ اس گستاخی کی سزا ملے گی" مہدی نے کہا "ہم پر اُس کے حقوق واجب ہو گئے ہین۔ خدا کی قسم میرا ارادہ تھا کہ اُسے مالا مال کر دون گا۔ اور اُس نے غلط کون سی بات کہی تھی؟ ہم تو اس سے زیادہ کے سزاوار تھے۔ اچھا تو اب اس کی سزا یہ ہے کہ تم میری ہجو کہو۔ مین نے تامل کیا تو وہ مجھے قسمین دلانے لگا۔

مین نے کہا "امیر المومنین بھلا مجھ سے یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی ہجو کرون؟" کہا "مین کچھ نہ سنون گا۔ بخدا تم کو میری ہجو کہنا پڑے گی۔ مین نے مجبور ہو کے اُس رضائی کی مذمت مین شعر کہا جس کو وہ اوڑھے تھا۔ بولا "یہ کافی نہین ہے اور کہو۔" مین نے ایک اور شعر کہا جو بالکل معمولی تھا۔ اس سے بھی اطمینان نہ ہوا مین نے تیسرا شعر کہا۔ اب بھی اُس کا جی نہ بھرا۔ مگر اپنے اصرار مین تھک کے کہنے لگا "خدا تم پر لعنت کرے بس رہنے دو اور چلو۔" آخر ہم سب نے سوار ہو کر گھر کی راہ لی۔

ایک مرتبہ مامون رشید کے پڑاؤ مین لوگون کو ایک کاغذ پڑا ملا جس پر دو شعر لکھے تھے جو کسی کی مذمت مین تھے۔ ہاشم نے اُن کو پڑھ کے کہا "یہ شعر تو ابو العتاہیہ کے ہین۔ مگر میری شان مین نہین فضل بن سہل کی شان مین ہین" فضل نے کہا "مین خط نہین پہچانتا۔ اس لیے نہین کہہ سکتا کہ ابو العتاہیہ کا خط ہے یا کسی اور کا" یہ واقعہ مامون نے سنا تو اُس کاغذ کو منگوا کے دیکھا۔ فوراً پہچان گیا۔ اشعار کی داد دی اور ابو العتاہیہ کو انعام بھیجا۔

علی بن یقطین اُس عہد کے قابل اہل دربار مین سے تھا۔ اور ابو العتاہیہ کا قدر دان۔ ہر سال تحفہ کے طور پر اُسے کچھ رقم دیا کرتا۔ ایک سال اس کو دینے مین تاخیر ہوئی۔ ابو العتاہیہ یاد دہانی کو جاتا تو بڑی تعظیم و تکریم سے ہاتھون ہاتھ لیتا عمدہ مقام مین بٹھاتا۔ اور اُس کی مروت مین ابو العتاہیہ کو کچھ کہتے نہ بن پڑتی۔ ایک دن گیا تو ابن یقطین خلیفہ کے پاس جانے کے لیے سوار ہو رہا تھا۔ غلام کو بھیج کر دروازے پر رکوایا اور کہلا بھیجا کہ تھوڑی دیر مین بلاتا ہون۔ اس کی ابو العتاہیہ کو برداشت کہان؟ چند شعر فی البدیہہ کہہ کے لکھ بھیجے۔ جن مین کچھ ایسی دھمکی تھی کہ جب مقررہ انعام دے کر معذرت خواہی کے ساتھ اسے رخصت کر لیا تب دربار مین گیا۔

ابو العتاہیہ کا بیٹا محمد کہتا ہے کہ عتبہ نام ایک بڑی جمال عورت کی [illegible] مین والد نے دو شعر کہے تھے جن کا مضمون یہ تھا کہ عتبہ کا حُسن [illegible] تو مجھے جنت دے کر اُسے بھلانا چاہے تو بھی مین نہ بھولون گا۔" یہی اشعار [illegible] فقیہ منصور نے اُس کے زندیق و کافر ہونے کا فتویٰ دیا۔ [illegible]

اس نے اپنے اشعار مین یہ خیال ظاہر کیا کہ عورتین دنیوی معشوقون کی صورت مین بنائی گئی ہین۔ لوگون نے سنتے ہی اُس کو ملحد کہنا شروع کیا۔ ان واقعات کو ہمارے موجودہ شعرا اگر پیش نظر رکھا کرین تو شاعری مین اس قدر اعتدال سے باہر نہ ہو جایا کرین جیسا کہ اُن کا معمول ہو گیا ہے۔

کسی نے ایک دن ابو العتاہیہ سے کہا اپنا سب سے اچھا شعر سناؤ۔ اُس نے یہ شعر پڑھا۔

اَلنَّاسُ فِی غَفَلَاتِہِم وَرَحَا الْمَنِیَّۃِ تَطْحَنُ

(لوگ اپنی غفلتون مین پڑے ہین اور موت کی چکی برابر پیستی چلی جاتی ہے)

معلّی بن ایوب کہتا ہے ایک روز مین مامون رشید کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ ایک مہذب و شائستہ شخص سے باتین کر رہا ہے جس کا حلیہ یہ ہے کہ نہایت خوبصورت ڈاڑھی جس مین خضاب لگا ہے۔ بہت اجلے براق کپڑے پہنے ہے۔ کسی درباری سے مین نے جھک کے پوچھا یہ کون شخص ہے؟ اُس نے تعجب سے کہا "آپ انھین نہین پہچانتے! یہ ابو العتاہیہ ہین"۔ اب مامون نے اس سے فرمائش کی کہ موت کے متعلق اپنا کچھ کلام سناؤ"۔ اب اُس نے جو اشعار سنائے تو وہ ایسے پُراثر تھے کہ مین حیران رہ گیا۔ پھر جب ابو العتاہیہ دربار سے اُٹھ کے چلا تو مین بھی اُس کے پیچھے ہو لیا۔ اور ڈیوڑھی مین روک کے جب تک وہ اشعار اُس سے پوچھ پوچھ کر لکھ نہ لیے چین نہ پڑا۔

مگر مامون خود ادیب بے ہمتا تھا۔ ایک دن جو ابو العتاہیہ نے اسی مضمون کے دو شعر سنائے تو مامون نے پہلے شعر کی بیحد تعریف کی اور دوسرے کے مضمون پر ایسا اعتراض کیا جس کو ابو العتاہیہ نے قبول کیا۔ اور مامون نے اس کی منصف مزاجی کی تعریف کر کے دس ہزار درہم انعام دیے۔ اس کے بعد ابو العتاہیہ دوبارہ گیا تو اُسی مضمون کو اُس لغزش سے بچا کے کہہ لے گیا۔ مامون سن کر نہایت محظوظ ہوا۔ بہت داد دی۔ اور بیس ہزار درہم انعام دیے۔

باوجودیکہ بعض علما نے کفر و الحاد کا فتویٰ دے دیا تھا۔ مگر ابو العتاہیہ کے راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہو گا کہ ہر سال حج کو جاتا جب وہان سے واپس آتا تو چند متبرک ہدیے۔ چادر۔ جوتے کا سیاہ جوڑا

اور پہلو کی مسواکین وغیرہ مامون کی خدمت مین پیش کرتا اور اُسی دن مین پانچ ہزار درہم انعام ملتے۔ ایک سال انعام نہ ملا تو شکایت مین دو مذاقیہ شعر لکھ کے بھیج دیے ان اشعار کو پڑھ کے مامون نے فوراً مقررہ رقم بھیج دی اور کہا "ہم بھول گئے تھے خوب یاد دلایا"۔

مامون کے دادا خلیفہ مہدی کے زمانے سے وہ خلفا کے دربار مین برابر پہونچتا تھا۔ ایک دن اُس کے دربار مین ابو العتاہیہ حاضر تھا کہ ابو عبید اللہ نام ایک ذی اثر شخص آیا۔ مہدی اُس سے صاف نہ تھا۔ اور لوگون سے اُس کی کچھ شکایت سُنی تھی۔ چنانچہ صورت دیکھتے ہی مہدی اُس کو سخت سُست کہنے اور گالیان دینے لگا۔ اور آخر غصہ یہان تک بڑھا کہ حکم دیا "اس کو پاؤن پکڑ کے کھینچتے ہوئے میرے سامنے سے لے جاؤ اور قید کر دو" اس حکم کی تعمیل ہو چکی تو مہدی مارے طیش کے دیر تک سر جھکائے رہا۔ اور جب غصہ فرو ہوا تو نظر اُٹھا کے حاضرین کو دیکھا۔ ابو العتاہیہ سے جیسے ہی چار آنکھین ہوئین اُس نے تین شعر سنائے جن مین مذاق کے عنوان سے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "آپ اپنی طرف دیکھین" سُن کر مہدی مسکرایا اور کہا "کیا خوب کہا ہے" اب ابو العتاہیہ کو موقع ملا اُٹھ کر اُن اشعار کو اس خوبی سے ابو عبید اللہ کی حالت پر منطبق کر دیا کہ مہدی نے ہنس کر اُسے بلوایا۔ اپنی خوشنودی ظاہر کی۔ اور قصور معاف کر دیا۔ یہ ایسا واقعہ تھا کہ ابو عبید اللہ زندگی بھر ابو العتاہیہ کا احسانمند اور شکر گزار رہا۔

اسحٰق بن عزیز اور عبد اللہ بن مصعب گھوڑون پر سوار مہدی کے سلام کو جا رہے تھے اسحٰق عبادہ نام ایک مہلبیہ کنیز پر عاشق تھا جو مہدی کی خاص ملکہ خیزران کے محل کی داروغہ اور معتمد علیہ تھی۔ راستے مین اتفاقاً وہ دُور پر نظر آئی جو کسی کام کو جا رہی تھی۔ اسحٰق سے نہ رہا گیا۔ گھوڑا بڑھا کے اُس کے قریب آ گئے۔ اور جی بھر کے آنکھین سینک لین۔ اُن کی اس حرکت کو ابن مصعب نے حیرت سے دیکھا اور جیسے ہی مہدی کی خدمت مین پہونچا یہ واقعہ بیان کر دیا۔ اُس کے دل مین آ گئی۔ کہا "تو تم پریشان نہ ہو مین اس کو خرید کے تمھین

دے دونگا۔" پھر اُسی وقت محل مین جاکے خیزران کے سامنے عبادہ کو بلوایا۔ اور بیوی سے کہا "عبادہ کو میرے ہاتھ بیچ ڈالو۔ پچاس ہزار درہم قیمت دونگا۔" خیزران نے کہا "امیرالمومنین۔ اگر آپ کو ضرورت ہے تو قیمت کی حاجت نہین۔ عبادہ آپ ہی کی لونڈی ہے۔" مہدی نے کہا "نہین مین مول لے کر اسحق کو دونگا۔ جو اس پر عاشق ہے۔" یہ سُن کے عبادہ بے اختیار رونے لگی۔ اور خیزران نے کہا "امیرالمومنین آپ کو یہ پسند ہے کہ عبادہ کو مجھ سے چھین کر اسحق کے حوالے کر دین؟ حالانکہ میرا ہاتھ پاؤن آنکھ کان جو کچھ ہے یہی ہے۔" پھر عبادہ سے کہا "تم رو ؤ نہین۔ اسحق کی اتنی مجال نہین کہ تم کو مجھ سے چھین لے جائے۔ یہ خوب بات ہے کہ جس کی کنیز پر چاہین عاشق ہو جاین۔ اور اُس کے دعویدار بنین۔" آخر مہدی مجبور ہو کے باہر واپس آیا اور کہا "بھئی عبادہ تو نہین ملتی مگر اُس کی قیمت مین پچاس ہزار درہم جو مین خیزران کو دیتا تھا تم ہی لے لو۔" اسحق نے شکر گزاری کے ساتھ وہ رقم قبول کر لی۔ یہ حال ابو العتاہیہ نے سُنا تو اسحق کو اس معشوقہ فروشی پر سخت غیرت دلائی اور اُس کی بے انتہا خبر لی۔

مہدی نے بھی ایک بار کسی بات پر ناراض ہو کے ابو العتاہیہ کو قید کر دیا تھا۔ اُس کی قید سے چھوٹا تو آشوب چشم کی شکایت ہونے کے باعث ہر روز ایک کحال کے پاس سُرمہ لگوانے کو جایا کرتا۔ کسی نے کہا "آپ کی آنکھون کی شکایت نے بہت طول کھینچا۔" اس پر اُس نے فی البدیہہ دو نہایت ہی پر لطف شعر کہہ کے سُنائے۔ جو ہر شخص کی زبان پر جاری ہو گئے۔ اور ابراہیم موصلی نے تو اُن مین ایک بے نظیر دھن قائم کر کے اُن کو عام پسند راگ بنا دیا۔

مہدی کے بعد جب ہادی خلیفہ ہوا تو ابو العتاہیہ کو بڑی مشکل پیش آئی۔ اس لیے کہ اُس کو ہادی کے چھوٹے بھائی ہرون کے ساتھ خصوصیت تھی۔ اور زیادہ تر اُسی کی صحبت مین آیا جایا کرتا۔ مگر مجبور تھا۔ ہادی کے دربار مین گیا۔ اتفاقاً جس روز وہ مسند نشین خلافت ہوا ہے اُسی روز اُس کے محل مین لڑکا بھی پیدا ہوا۔ ابو العتاہیہ نے حاضر ہو کر دونون باتون کی مبارکباد دی۔ اور انعام مین ایک ہزار اشرفیان اور بہت سی خوشبوئین لے کے اپنے گھر آیا۔

چند ہی روز بعد ہادی نے رَے کا سفر کیا تو ابو العتاہیہ کو بھی ساتھ

چلنے کا حکم دیا۔ اُسے ہرون کی صحبت سے جدا ہونا گوارا نہ تھا۔ انکار کر دیا۔ مگر پھر خود ہی ڈرا کہ خلیفہ وقت کی مخالفت کا اچھا انجام نہیں ہو سکتا۔ ہادی کے سامنے چار شعر پیش کر کے اپنا قصور معاف کرایا۔ اور اُسے ایسا خوش کر لیا کہ ہادی نے اپنے خزانچی معلیٰ کو حکم دیا کہ اسے دس ہزار درہم دیدو۔ مگر معلیٰ نے اس حکم کو ٹال دیا۔ پھر جب ابو العتاہیہ کی کوشش سے یہ واقعہ ہادی کے گوش زد ہوا تو اُس نے فوراً وہ انعام کی رقم اُس کے پاس بھجوا دی۔

پھر جب ہادی کے بعد ہرون رشید خلیفہ ہوا تو اُس کی مہربانی و قدردانی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بغداد میں ہو یا کسی سفر میں یہ ممکن نہ تھا کہ ابو العتاہیہ ساتھ نہ ہو۔ بس ایک حج میں تو ابو العتاہیہ اجازت لے کے اکیلا چلا جاتا۔ علاوہ انعام و اکرام کے پچاس ہزار درہم سالانہ بطور وظیفہ کے مقرر تھے۔ اس کے بعد جب رشید رقہ میں ہو بیٹھا تو ابو العتاہیہ نے تارک الدنیا راہبوں کی طرح سوتی کپڑے پہن لیے۔ گوشہ نشین ہو گیا۔ اور رشید کی مصاحبت چھوڑ دی۔ اِس پر برہم ہو کے رشید نے اُس کی نسبت قید کا حکم دیا۔ اور وہ مقید کر دیا گیا۔ قید خانے سے اُس نے کئی بار ایسے پرسوز اور حیرتناک اشعار لکھ کے بھیجے کہ آخر رشید کا دل پسیجا اور اُس کو آزادی نصیب ہوئی۔

اور اس ضد کی اصلی وجہ یہ ہوئی کہ رشید نے بار بار کہا کہ عاشقانہ لطیف شعر کہو اور وہ کسی طرح نہ کہتا تھا۔ آخر رشید نے بگڑ کے اپنے داروغہ محبس سے کہا اسے لے جا کے قید کر دو۔ اور نہایت ہی تنگ کوٹھری میں بند کر دو۔ اُس نے اس کو ایک ایسی کوٹھری میں بند کر دیا جو طول و عرض میں پانچ پانچ بالشت سے زیادہ نہ تھی۔ ابو العتاہیہ اُس میں بند ہوا تو "ہائے مرا ہائے مرا" کا شور مچایا۔ اور کہنے لگا۔ مجھے یہاں سے نکالو جیسے شعر کہو گے کہہ دوں گا۔ داروغہ نے اس کو کال کوٹھری سے نکالا اور کہا "عاشقانہ شعر کہو" کہنے لگا "ذرا دم تو لے لوں"۔ تھوڑی دیر کے بعد دوات کاغذ لے کر دو عاجزانہ شعر لکھ دیے جن میں اظہار مصیبت کے ساتھ عفو کی تمنا تھی۔ داروغہ نے وہ اشعار مسرور کے ہاتھ رشید کی خدمت میں بھیج دیے۔ وہ اشعار رشید نے ابراہیم موصلی کو دیے اور اُس نے اُن میں دُھن قائم کر کے گائے تو رشید نے ابو العتاہیہ کو بھی بُلوا کے

وہ نغمہ سنوایا۔ اور اُس کے بعض اور اشعار بھی پڑھوا کے سُنے۔ اور اُس کو پچاس ہزار درہم دے کے رخصت کیا۔

ہارون رشید کا بیٹا قاسم نہایت ہی متکبر شاہزادہ تھا۔ ایک دن بڑی شان و شوکت سے اُس کی سواری نکلی۔ راستے مین سرراہ ایک مقام پر ابوالعتاہیہ اور اشخاص بیٹھے ہوے تھے قاسم کو دیکھ کر سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر قاسم نے کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کے بھی نہ دیکھا۔ اور نہایت ہی نخوت کے ساتھ گزر گیا۔ ابوالعتاہیہ جس نے خود خلیفۂ وقت عزت کرتا تھا بھلا اس کی تاب کیسے لاتا۔ بے اختیار ایک شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "ابن آدم نادانی سے نخوت کرتا ہے گویا موت کی چکی اس کو کبھی نہ پیسے گی" جلوس والون مین سے کسی نے یہ شعر سُن پایا۔ فوراً قاسم تک پہونچادیا اُس نے گھر پہونچتے ہی ابوالعتاہیہ کو پکڑ بلایا۔ سو ڈنڈے مارے۔ اور قید کر لیا۔ زبیدہ خاتون کی ابوالعتاہیہ پر خاص عنایت تھی۔ اپنی مصیبت کی خبر زبیدہ کو کی۔ اور شکوے مین چند شعر لکھ بھیجے۔ زبیدہ نے اُسی وقت رشید کو خبر کی۔ اُس نے فوراً قید سے نکلوا کے اپنے سامنے بلوایا۔ خلعت و انعام سے سرفراز کیا۔ اور قاسم سے اس قدر ناراض ہوا کہ جب تک اُس نے ابوالعتاہیہ سے معافی نہ مانگی اُس سے ناراض رہا۔

ایک بار علاقۂ موصل کے خراج کی بہت بڑی رقم رشید کی ڈیوڑھی پر آئی اور رشید نے نہایت استغنا سے حکم دے دیا کہ وہ ساری رقم اُس کی ایک محبوبہ کنیز کو دے دی جائے۔ یہ بے حساب فیاضی سب ہی کو گران گزری تھی مگر ابوالعتاہیہ کی یہ حالت ہوئی کہ جیسے مجنون و دیوانہ ہو گیا۔ کسی نے پوچھا تمھین اس قدر بیقراری کیون ہے؟ جواب دیا "افسوس اتنا بڑا خزانہ ایک عورت کو مل جائے۔ اور میرے ہاتھ ایک جھنجی کوڑی بھی نہ آئے!" چار پانچ روز بعد رشید کے سامنے جا کے تین شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "خدا نے دنیا کو تیری نظر مین ذلیل کر دیا۔ اور تجھے اس سے نفرت ہو۔ کیسی ہی قیمتی چیز تیرے ہاتھ مین آئے تو اُس کو حقیر جانتا ہے۔ اور دنیا آج تک کسی کی نظر مین اتنی ذلیل و خوار نہ تھی جتنی تیری نظر مین ہے" فضل بن ربیع نے یہ اشعار سُن کر کہا "امیرالمومنین۔ اتنی سچی تعریف آج تک کسی خلیفہ کی نہین کی گئی تھی" رشید نے اس کی تصدیق کی۔ اور ابوالعتاہیہ کو بیس ہزار درہم انعام مین دیے۔

دوسرے روز شکریہ ادا کرنے کے لیے فضل کے پاس گیا۔ اور اُس کی مدح مین بھی چند اشعار سنائے۔ اُس نے کہا "امیر المومنین کی برابری کرنے مین مضائقہ نہ ہوتا تو مین بھی تم کو اتنا ہی انعام دیتا۔ مگر نہین مین دونگا۔ لیکن کئی دفعہ کر کے۔ اور اس طریقے سے اُس نے پانچ ہزار بڑھا کے پچیس ہزار درہم دیے۔

اس مین شک نہین کہ خلفا و اُمرا ہی کے درباروں مین نہین عوام الناس مین بھی ابوالعتاہیہ کی بڑی قدر تھی۔ علی بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ بچپن میں جب مین رشید کے محل مین رہتا تھا۔ ایک دن دیکھا کہ ایک معزز شخص شعر خوانی کر رہا ہے۔ اور لوگ چارون طرف سے پروانہ وار گر رہے ہین۔ ایک ہاشمی شخص سے مین نے کہا "اس شخص کے اشعار پہ لوگ کیسے ذوق و شوق سے گر رہے ہین!" اُس نے کہا "بیٹا۔ یہ وہ طبیعت ہے جو شوق مین گردنین کٹوا دیتی ہے" بعد معلوم ہوا کہ یہ شاعر ابوالعتاہیہ تھا اور جس سے مین نے پوچھا وہ رشید کا بھائی ابرہیم بن مہدی تھا۔

اس زمانے کے ایک مشہور شخص ابن ابی الابیض کا بیان ہے کہ مین نے ایک دن ابوالعتاہیہ سے جا کے کہا "مین زہد و تقوے کے اشعار کہا کرتا ہون۔ یہی میرا مذاق ہے۔ اس لیے کہ اس مین گناہ بھی نہین ہوتا۔ اور طبع آزمائی بھی ہو جاتی ہے سنتا ہون آپ اس مذاق مین آپ بھی کہتے ہین۔ اس لیے آیا ہون کہ آپ کے اشعار سنون۔ اور طبیعت پہ زور ڈال کے اُن سے اچھے کہون" ابوالعتاہیہ نے کہا "میرا کلام نہایت ہی لغو ہے" مین نے کہا "یہ کیسے؟" کہا "سنو۔ شعر کو چاہیے کہ یا تو سلف کے نامور شعرا کا سا ہو۔ یا موجودہ شعرا بشار اور ابن ہرمہ کا سا ہو۔ یہ بھی نہ بن پڑے تو شاعر کو چاہیے کہ ایسے عام فہم اور ادنیٰ الفاظ استعمال کرے جیسے کہ میرے اشعار مین ہوتے ہین۔ خصوصاً وہ اشعار جو زہد و تقویٰ مین ہین۔ اس لیے کہ زہد نہ بادشاہون کے مذاق کی چیز ہے۔ نہ راویان اخبار کے مذاق کی چیز ہے۔ اور نہ جویاے لغت طلبہ کے مذاق کی۔ یہ تو فقط عباد و زہاد و فقہا و محدثین اور عام بازاری لوگون کا مذاق ہے" مین نے کہا "آپ بجا فرماتے ہین۔ مگر اس رنگ کا کچھ کلام تو سنائیے" اُس نے عام فہم تین شعر سنا دیے۔ مین اُن شعرون کو لے کر ابو نواس کے پاس گیا اور وہ اشعار اُس کو سنائے۔ اُس نے متحیر ہو کے کہا۔ "ان مین تو مجھے ایک شعر بھی خود اُس کا نہین معلوم ہوتا" مین پھر ابوالعتاہیہ کے پاس

آیا اور ابو نواس کا یہ قول بیان کر دیا۔ اُس نے کہا اِن کو سُنانا ہو تو یہ شعر ہین۔ اور
میں نے جو تعویذ میں چند ایسے پُر زور اشعار سُنائے کہ اُن مین شوکت الفاظ
کی انتہا تھی۔ اب یہ اشعار مین نے جاکے ابو نواس کو سُنائے تو اُس کی عجیب حالت
ہوئی۔ رنگت اُڑ گئی اور معلوم ہوا کہ ہوش نہین ٹھکانے ہین۔
ابو نواس بڑے دعوے کا شاعر تھا۔ وہ کسی کی اپنے سامنے ہستی نہ
سمجھتا تھا۔ ایک شخص کا بیان ہے کہ مین ایک بار اُس کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ تکیہ لگائے
اور پاؤن پھیلائے کبر و نخوت کے انداز سے سرِ راہ بیٹھا تھا۔ سامنے سے امرا ان
وزرا و منشیان سحر نگار بنی ہاشم اور دیگر معزز خاندانوں والے گزرتے۔ وہ اُس
کو سلام کرتے۔ مگر کیا مجال کہ کسی کے لیے وہ ذرا سی حرکت بھی کرتا ہو۔ مین دیکھ
اُس کے غرور کا یہی تماشا دیکھتا رہا۔ اتنے مین اُس نے گھبرا کے پاؤن سمیٹے۔ اضطرا
کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ سامنے سے ایک شخص گدھے پر سوار
آرہا ہے۔ اور وہ بے اختیار دوڑ کے اُس کی رکاب کے برابر کھڑا ہو گیا۔ اور
گدھے کو روک کے اسی طرح اُس کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے ابو نواس سے باتین کرنے لگا۔
ابو نواس موٹا بھدا آدمی تھا۔ زیادہ دیر تک کھڑا رہنا اُس کے لیے نہایت دشوار
تھا۔ اور اس وقت مین برابر دیکھ رہا تھا کہ کبھی ایک پاؤن پر زور دیتا کبھی
دوسرے پر۔ کبھی تھکن مٹانے کے لیے ایک کو اُٹھا لیتا۔ اور کبھی دوسرے۔ مگر یہ مجال
نہ تھی کہ خود سے اُس کو رخصت کرے۔ دیر کے بعد جب آیا تو کسی نے کہا "یہ ابوالعتاہیہ
آپ کا ہمرتبہ نہین۔ آپ تو اُس سے اچھا کہتے ہین۔" کہنے لگا "تم اس کی قدر کیا جانو
مین نے جب کبھی اُس کی صورت دیکھی یہی خیال گزرا کہ یہ آسمان رفیع ہے اور مین
زمین پست اور خاک بمقدار ہوں۔"
بشار اُس عہد کے نامور و مستند ادیب اور علم زبان کے امام تھے۔ کسی نے
اُن سے پوچھا "ہمارے زمانے کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟" کہا "یہی اہل بغداد
کا مخنث۔" پوچھا "وہ کون؟" کہا "ابوالعتاہیہ۔"
خود ابوالعتاہیہ کہتا ہے کہ خلیفہ مہدی کی بیٹی مر گئی۔ اور اُس کو اس قدر
صدمہ ہوا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ مین نے جو یہ حالت دیکھی تو تعزیت مین چند

ایسے اشعار سنائے جن سے اُس کے دل کو بڑی تسلی ہوئی۔ مسکرا کے دسترخوان چھوڑ دیا مگر دل پر غم اس قدر چھایا ہوا تھا کہ کھایا نہ جاتا تھا۔ اور عبرت اور بے ثباتی عالم کے سوا کوئی اور بات نہ کرتا۔ مین نے اس کو ان باتون مین اس قدر منہمک پایا تو فوراً چند اشعار موزون کیے۔ اور عرض کیا "اجازت ہو تو اسی مضمون پر کچھ عرض کرون؟" کہا "سنا دو" مین نے پانچ شعر پڑھے جن کے بعد تعریف کی اور کہنے لگا "جو باتین میرے دل مین تھین تم نے نکال کے سامنے رکھ دین۔ اور پھر ایسے اختصار کے ساتھ اور ایسے موثر و عبرتناک الفاظ مین کہ اس سے بہتر کہنا غیر ممکن ہے۔ پھر ہر ہر شعر پر مجھے ایک ایک ہزار درہم انعام دیے۔

فریدہ
حُسن کی کرشمہ سازیان

عہد بنی عباس مین اس نام کی دو صاحب کمال و پری جمال گانیوالی کنیزین گذری ہین۔ دونون جادو نگاہی و سحر آفرینی مین فریدۂ عصر اور یکتا ئے روزگار تھین۔ جن کی قائم کی ہوئی دھنین مدتہا ئے دراز تک لوگون کے گلے مین اُتری رہین۔ اور بعد کے اساتذۂ موسیقی اُن کے کمالات کا دم بھرتے رہے۔

پہلی فریدہ کا نشو و نما مقدس ارض حجاز مین ہوا۔ اس کے بعد اُس زمانے کے رئیس ربیع کی حرم مین پہونچی۔ اور وہین فن موسیقی مین کمال پیدا کیا۔ چندے روز بعد وہ برامکہ کے فیاض و قدر دان کمال گھرانے مین پہونچی آخر جب ہرون رشید کی برہمی و بدگمانی نے جعفر بن یحییٰ برمکی اور اُس کے ساتھ تمام برامکہ کا خاتمہ کر دیا۔ تو فریدہ اُن کے محل سے نکل کے بھاگی۔ رشید نے اُس کو بہت ڈھنڈوایا مگر نہ پایا۔ آخر اُس کے ولی عہد اور عزیز فرزند محمد امین کے کاشانۂ عیش مین پہونچی۔ اور وہ اُس کے حُسن و جمال اور کمال کا گرویدہ ہوگیا۔ جب امین بھی مارا گیا تو فریدہ ایوان خلافت سے نکل کے ہیثم بن مسلم کے عقد نکاح مین منسلک ہو گئی۔ اُس کے بطن سے ہیثم کا بیٹا عبداللہ پیدا ہوا۔ اُس کے بعد جب ہیثم بھی مرگیا تو اُس عہد کے نامور درباری سردار سندی ابن حرش نے اُس سے شادی کر لی۔ اور اُس کے گھر سے وہ مر کے نکلی۔

دوسری فریدہ اُس سے زیادہ نامور و صاحبِ کمال اُس سے زیادہ حسینہ و بے مثال اُس سے زیادہ شوخ و بذلہ سنج اور لطیفہ گو نہایت ہی زندہ دل اور سب سے بڑی بات یہ کہ محبت و وفا کی سچی تصویر تھی۔

الواثق باللہ کے مغنی و مطرب عمرو بن بانہ نے اس کو پال کے اس کی تعلیم و تربیت کر کے اور ہر بات میں صاحبِ کمال بنا کے اس کو خلیفہ کی نذر کر دیا تھا۔ عمرو کے گھر میں فریدہ کے ساتھ ایک اور کنیز بھی تعلیم پاتی رہی تھی جس کا نام "خل" تھا۔ فریدہ کو وہ واثق کے محل میں پہونچا چکا تھا ایک بار وہ اُن کے سامنے اس نے یہ گیت گائی۔

قُلتُ خلا فابلی معذرتی   ما کذا یجزی محبٌ من اَحب

میں نے خل (محبوب) سے کہا میرا عذر قبول کر محبت والے اپنے چاہنے والوں سے ایسا نہیں کرتے۔ سنتے ہی واثق کو یہ گیت اس قدر پسند آیا کہ جھومنے لگا اور کہا "ذرا پردے کے پاس جا کے یہ راگ فریدہ کو بھی سکھا دو۔" عمرو نے حریمِ خلافت کے پردے کے پاس بیٹھ کے یہ نغمہ فریدہ کو یاد کرانا شروع کیا۔ پہلا مصرع یاد کرتے کرتے اُس نے چپکے سے کہا "اس میں خل ہے اجی (میری خل) کیونکر ہے؟" عمرو سمجھ گیا کہ اس بہانے وہ اپنی سہیلی خل کی خیریت دریافت کرنا چاہتی ہے۔

پھر اس کے بعد فریدہ کا نغمہ روز بروز زیادہ موثر اور دلکش ہوتا گیا اور وہ اس کمال کو پہونچی کہ کوئی مغنیہ اس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکتی تھی۔

مگر اُس کا کمالِ موسیقی اس کی جادو بھری آواز سحر آفرین باتیں غلط انداز نگاہیں سب چیزیں زمانے کے ساتھ گزر گئیں۔ جو چیز کسی طرح زمانے کے مٹائے نہیں مٹ سکتی وہ اُس کی وفاداری ہے۔ اُس نے واثق کے سوا اور کسی کی صورت دیکھنا گوارا نہ کیا۔ اور گویا اُسی ایک دم کے لیے دنیا میں آئی تھی۔ اس کا یہ جوہر ایک عجیب و غریب عبرتناک طریقے سے ظاہر ہوا۔ جس سے زیادہ دل پر اثر کرنے والا کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا۔

واثق کا ایک ندیم خاص محمد بن حارث کہتا ہے۔ میں واثق کی صحبت میں شریک ہوا کرتا۔ اور میرے واسطے ہفتہ میں چند روز مخصوص تھے جن کے

اور کسی دن نہ مین جاتا اور نہ بلایا جاتا۔ ایک دن گھر مین بیفکر بیٹھا تھا اس لیے کہ میری باری کا دن نہ تھا۔ ناگہان دروازے پر کچھ شور و ہنگامہ سُنا۔ باہر نکلا تو دیکھا کہ ایوان خلافت کے چوبدار اور سرکار کے فرّاش مین اور کہہ رہے ہین "چلیے آپ کی یاد ہوئی ہے" مین نے کہا "آج تو میرا دن نہین ہے۔ یاد کیسے ہوئی؟ تمہین کچھ دھوکا ہوا ہے" اُنھون نے کہا "ان باتون مین دیر نہ لگائیے۔ ہمین تاکید ہے کہ فوراً آپ کو لیجا کے حاضر کر دین۔ لہذا ہم آپ کا ایک لمحہ نہین رکنے دین گے"

اب مین دل مین ڈرا اور طرح طرح کے اوہام گزرنے لگے۔ اور دل کہتا "کہ معلوم ہوتا ہے کسی نے کچھ لگا دیا۔ یا خود امیرالمومنین کے دل مین کوئی بدگمانی پیدا ہو گئی۔ بہرحال آج خیریت نہین ہے" مگر مجبور تھا۔ گرتا پڑتا ان لوگون کے ساتھ ہو لیا۔ قصر خلافت مین پہونچ کے اُس طرف چلا جدھر میرے ٹھہرنے کی جگہ رہتی۔ مگر چوبدارون نے پکڑ کے کہا "ادھر نہین اُدھر چلیے" اور محل کے ایک ایسے راستے پر لے چلے جدھر کبھی میرا گزر نہین ہوا تھا۔ اب مجھے موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔ کانپتا ہوا گروہ کے بعد گروہ ۔۔ مکانون کے بعد مکان طے کرتا چلا جاتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دور پر پہرے ۔۔ اور خدام بدلتے جاتے۔ ایک گروہ اپنی حد تک پہونچا کے دوسرے گروہ کے حوالے کر دیتا۔ پھر دوسرا اپنی حد ختم کر کے تیسرے گروہ کو مجھے ۔۔ سپرد کر دیتا۔ کشان کشان قصر خلافت کی ہفتخوان طے کر کے ایک نہایت ہی نفیس مکان مین پہونچا جو اپنے تکلفات اور شاہانہ سامان سے شداد کی جنت معلوم ہوتا تھا۔ کمخواب کا فرش تھا۔ دیوارون پر طلائی نقش و نگار بنے تھے۔ دروازون اور محرابون پر زربفت کے پردے لٹک رہے تھے۔ اب لوگ مجھے اس مکان کے ایک کمرے کی طرف لے چلے جو سب جگہ سے زیادہ آراستہ و پیراستہ تھا۔

دور ہی سے میری نظر اُس کمرے مین گئی تو دیکھا کہ سونے کے ایک مرصع تخت پر جواہرات کی مسند زرنگار بچھی ہے۔ مرصع تکیے لگے ہین۔ اُس پر واثق لباس فاخرہ پہنے بیٹھا ہے اور اُس کے پہلو مین فریدہ ہے جو دُلھن بنی ہوئی ہے۔ اُس کے جواہرات نظر کو خیرہ کیے دیتے ہین۔ ایک مرد ۔۔ اُس کے

گود میں ہے۔ اور وہ اُس کو چھیڑ رہی ہے۔ میری صورت دیکھتے ہی واثق نے کہا "واثق! خوب آئے۔ آؤ بیٹھو"۔ میں نے زمین ادب چوم کر عرض کیا۔ "امیر المومنین، خیریت تو ہے؟" کہا "خیریت ہے۔ دیکھتے نہیں کہ اس بزم عیش میں ایک تیسرے زندہ دل ندیم صحبت کی ضرورت ہے؟ تم سے زیادہ بامذاق ایسی صحبت کے لیے اور کوئی نظر نہ آیا۔ اس لیے بلا بھیجا۔ خیر بیٹھ جاؤ کہ کچھ کھا لو"۔ عرض کیا "امیر المومنین میں خوب سیر ہوں۔ اور پی بھی چکا ہوں"۔ یہ سن کر کہا "تو خیر بیٹھو"۔ ساتھ ہی کنیزوں کی طرف جو دست بستہ کھڑی تھیں اشارہ کیا۔ اور انھوں نے شراب ارغوانی کا ایک رطل گراں لا کے میرے سامنے پیش کر دیا۔ اور میں پینے پر مجبور تھا۔

اب فریدہ نے سرود چھیڑا۔ چھیڑ کے مجنون کے دو شعر گائے۔ اُس کی آواز اُس کے نغمے اور اُس کی سرود نوازی سے خدا کی قسم معلوم ہوتا کہ جیسے وہ مجھ پر جادو کر رہی ہے۔ اور میں لحظہ بہ لحظہ زیادہ مسحور اور خود رفتہ ہوتا چلا جاتا ہوں۔ ادھر واثق کی یہ حالت تھی کہ بیتاب تھا۔ اور شوق کی بیخودی میں بار بار اُس کو اپنے آغوش کی طرف کھینچتا۔ بھنبھوڑتا۔ اور وہ زیادہ جوش و لطف کے ساتھ تانیں لگاتی۔ اور دل کو پاش پاش کیے ڈالتی تھی۔

فریدہ نے گانے کا سلسلہ باندھ دیا۔ ایک نغمہ ختم ہوتا تو دوسرا شروع کر دیتی (جو) پہلے سے زیادہ دلکش ہوتا۔ درمیان درمیان میں کبھی بیخود ہو کے میں بھی تانیں لگانے لگتا۔ غرض یہ ایسی صحبت طرب تھی کہ مجھے زندگی بھر نہ بھولے گی۔ اور نہ ایسا لطف عیش کبھی نصیب ہوا تھا۔

ان مزوں سے لطف اُٹھاتے اُٹھاتے کیا دیکھتا ہوں کہ ناگہاں واثق نے اپنا پاؤں اُٹھایا۔ اور اس زور سے کس کے فریدہ کو ایک لات ماری کہ وہ لڑھکتی اور قلا بازیاں کھاتی ہوئی تخت کے نیچے جا پڑی۔ اُس کو بیجا چوٹ آئی سرود بالکل پاش پاش ہو گیا۔ اور وہ زمین پر گر کے زار زار قطار رونے لگی۔

ساتھ ہی میری یہ حالت ہوئی کہ سن سے جان نکل گئی۔ اس صحبت میں کئی بار میں نے فریدہ کو اور اُس نے مجھ کو دیکھا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اس برہمی

کا باعث یہی واقعہ ہے۔ نہ ہم دونون ایک دوسرے کو دیکھتے اور نہ اس نازنین پہ یہ ظلم ہوتا۔

ادھر واثق نے سر جھکایا تو بڑی دیر تک کسی فکر مین رہا۔ اور مین بھی سر جھکائے منتظر تھا کہ اب میرے قتل کا حکم ہوتا ہے۔ اتنے مین واثق نے سر اُٹھا کے میری طرف دیکھا اور کہا "محمد بھلا کبھی تم نے اس سے بھی زیادہ حیرت ناک ماجرا دیکھا تھا؟" عرض کیا "امیرالمومنین غلام کا تو دم ہی نکل گیا۔ اور خدا لعنت کرے مجھ پر اگر مین نے اس حور وش نازنین کو آنکھ بھر کے بھی دیکھا ہو۔ یا اگر اتفاقی نظر پڑ گئی تو اُس مین کسی قسم کی ادنے بدنیتی بھی ہو"! اس نے کہا "نہین نہین۔ اس کا تو بخدا مجھے ذرا بھی خیال نہین ہے۔ مجھے اس وقت بیٹھے بیٹھے یہ خیال آیا کہ جیسے میرا بیٹا جعفر (جو متوکل علی اللہ کے لقب سے اُس کے بعد خلیفہ ہوا) میری جگہ اسی تخت پہ بیٹھا ہے۔ اور فریدہ اُس کے پہلو مین بیٹھی یونہین نغمہ سنجی کر رہی ہے۔ اس خیال کو مین برداشت نہ کر سکا۔ اور مجھ سے ایسی حرکت سرزد ہو گئی"۔

(یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ واثق اپنے ولیعہد جعفر متوکل سے نہایت بدگمان اور اُس کا دشمن تھا۔ اور آخر اسی بدگمانی کے وہم مین مبتلا ہو کے مرا۔)

محمد بن حارث کہتا ہے واثق کا یہ خیال سن کر مین نے دست بستہ عرض کیا "امیرالمومنین اس کا خطرہ دل مین نہ لائین۔ خدا نے چاہا تو ناخلف جعفر قتل ہوگا۔ اور حضور ابدالآباد تک زندہ و اقبالمند رہین گے"۔ پھر مین نے زمین بوس ہو کر عرض کیا "امیرالمومنین۔ اللہ! اللہ! بھلا ایسی نازنین گل اندام کے ساتھ ایسا سلوک ہونا چاہیئے تھا! حضور اُس کے حال پہ رحم فرمائین اور پھر پیار سے اپنے پہلو مین بٹھا لین"۔

میری اس التجا پر اُس نے خادم کنیزون کو حکم دیا کہ "فریدہ کو لا کے میرے برابر بٹھاؤ"۔ حکم ہوتے ہی فریدہ دمساز رنگا رنگ جوڑا پہنا کے واثق کے برابر بٹھا دی گئی۔ اور واثق نے کھینچ کر اُسے گلے لگا لیا۔ اب دوسرا سرود لا کے اُس کی گود مین رکھا گیا۔ مگر فریدہ کی آنکھون سے اب تک آنسوؤن کا سیلاب جاری تھا۔ اس سے بھی زیادہ پھوٹ پھوٹ کے خود واثق رو رہا تھا۔ اور ہم ان دونون

کو روتے دیکھ کر میرا بھی دل بھر آیا۔ بے اختیار رونے لگا۔

اب فریدہ نے کہا "امیر المومنین پہلے میرا قصور بتائیں۔ آخر کس جرم پر میرے ساتھ یہ سلوک ہوا؟" واثق نے جو وہم و خیال مجھ پر ظاہر کیا تھا اُس پر بھی ظاہر کر دیا کہتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ واثق کا یہ بیان سن کر فریدہ نے رو رو کے کہا "تو امیر المومنین میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتی ہوں کہ مجھے اسی وقت قتل کر ڈالیے تاکہ آپ کے دل سے یہ اندیشہ دور ہو۔ اس طرح مجھے بھی آیندہ کی فکر سے آزاد کر دیں گے۔ اور اپنے دل کو بھی مطمئن کر لیں گے" اُس کی اس درخواست پر واثق اور میں زار و قطار رونے لگے اور دیر تک روتے رہے۔

لوگ تو روتے ہی ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ ہم اُن کا یہ تذکرہ لکھتے وقت اُن سے زیادہ روتے اور خون کے آنسوؤں سے رو رہے ہیں۔ ہمارے رونے کا باعث یہ جان گداز سین نہیں بلکہ یہ امر ہے کہ افسوس یہی وہ مسند خلافت اسلامیہ ہے جو ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کے لیے بچھائی گئی تھی۔ اور یہ امیر المومنین کا لقب وہ ہے جو شاہی و تاجداری کی نخوت و خود پرستی کے جذبات سے مبرا و منزہ رہنے کے واسطے حضرت فاروق اعظم کے لیے اختیار کیا گیا تھا۔ یا اُسی سادی مسند پر دو ہی تین صدیوں کے بعد ایسا شخص بیٹھا نظر آتا ہے جس نے فرعون کی خود پرستیوں اور خسرو پرویز کی عیاشیوں کو بھی مات کر دیا؟ اور وہ شخص امیر المومنین کہلاتا ہے جس کو دراصل امیر العیاشین یا امیر الفاسقین کہنا چاہیے۔

ہمارے بگڑنے اور ہمارے زوال کی اگر یہی رفتار ہے جو عہد فاروقی سے عہد واثقی تک دو صدیوں سے کم زمانے میں نظر آتی ہے تو تیرہ سو برس بعد اُس درجے سے جس پر ہم نظر آ رہے ہیں بہت زیادہ ابتر حالت میں ہونا چاہیے تھا۔ مگر نہیں دولت مغلیہ کے آداب دربار بتا رہے ہیں کہ واقعی ہم اُسی درجے کو پہنچ گئے تھے جس کو اتنی مدت کے بگاڑ کا نمونہ ہونا چاہیے تھا۔ اور اب بھی بعض چھوٹے ذلیل رئیسوں کو تھوڑی ثروت حاصل ہوتے ہی ہم اُس ناپاک حالت میں پاتے ہیں جس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ اور اُس سے زیادہ عبرتناک یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو اُن سے تھوڑا نفع پہنچ جاتا ہے اُن کی تعریف کے پل باندھتے

اور ہماری نکتہ چینی کو محبت دین کے خلاف بتاتے ہین۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ اسلام کی ثروت دعزت اگر ایسے ہی نشہ بازون سے عبارت ہے تو ثروت و دولت اسلام کا رہنے سے مٹ جانا زیادہ اچھا ہے۔

خیر اب واثق قریدہ اور ندیم صحبت محمد بن حارث سب نے آنسو پونچھے۔ پھر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے۔ اور واثق نے خدام کو اشارہ کیا جنھون نے زردہیون اشرفیون خلعتون۔ اور دیبا و حریر اور زربفت و کمخواب کے تھانون کی کشتیان لا لا کے سامنے رکھین۔ پھر ایک خادم ایک جواہر نگار صندوقچہ لایا۔ اور اُس کو کھول کے خلیفہ کے سامنے پیش کیا۔ واثق نے اُس مین سے بڑے بڑے موتیون کا ایک لڑ نکالا (جس کی نسبت محمد بن حارث کہتا ہے کہ مین نے اپنی زندگی مین کبھی اتنے بڑے اور ایسے آبدار موتی نہین دیکھے تھے) اور اُس کو اپنے ہاتھ سے فریدہ کے گلے مین ڈال دیا۔ اس کے بعد دس ہزار درہم کے دس توڑے اور قیمتی تھانون کی پانچ کشتیان محمد بن حارث کے سامنے رکھی گئین۔ اور پھر وہی صحبت عیش گرم ہو گئی جو رات بھر قائم رہی۔ اور صبح کو محمد اپنے انعامات لے کے اپنے گھر آیا۔ اور اپنی خوش نصیبی پر نازان تھا۔

اس کے بعد محمد بن حارث کہتا ہے کہ زمانہ بدلا۔ اور متوکل علی اللہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ اور مین جس طرح واثق کا مصاحب تھا متوکل کے ندیمون مین بھی شامل کیا گیا۔ اب بھی اسی طرح میری باری کے دن مقرر تھے۔ لیکن ایک روز جبکہ میرا گھر مین رہنے کا دن تھا غل سن کر باہر آیا تو قصر خلافت کے چوبدارون اور ہرکارون کا نرغہ دیکھا جنھون نے صورت دیکھتے ہی کہا "چلیے آپ کی یاد ہوئی ہے"۔ وہ لوگ کشان کشان مجھ کو لے گئے۔ اور قصر کے اندر انھین راستون سے ہو کر چلتے ہوئے مجھ کو اسی کاشانۂ عیش مین پہونچایا۔ وہان کیا دیکھتا ہون کہ وہی کمرہ ہے۔ وہی تخت جواہر نگار ہے۔ وہی ساز و سامان ہے۔ اُسی طرح فریدہ سرود گود مین لیے بیٹھی ہے۔ مگر اُس کے برابر بجاے واثق کی جگہ متوکل ہے۔

میری صورت دیکھتے ہی متوکل نے کہا۔ محمد تم نہین دیکھتے کہ

[illegible] وقت میں مبتلا ہوت ہو کل سے اس وقت تک قریب [illegible] اصرار کرتے گزری

[illegible] باتیں کہتیں بجھا [illegible] قریب [illegible] ابن المعتمر

[illegible] آپ الٹ کا کہنا نہیں مانتیں جوا [illegible] کے [illegible] سب سے آقا

[illegible] کی نوع [illegible] امیرالمومنین [illegible] جان کی

[illegible] کیجئے

[illegible] سر [illegible] اور دو شعر

[illegible] کا نمر دمن بیا

[illegible] کے ساتھ سر [illegible] زمین پر پھینکا اور [illegible]

[illegible] جو گفت [illegible] چلا گئی

[illegible] طرح [illegible] تھا [illegible]

[illegible]

[illegible] آیا ہے [illegible] میں [illegible]

[illegible] اس نے اچھا [illegible] مجھے [illegible]

[illegible] غالب [illegible]

[illegible]

[illegible] اس کے بعد

[illegible] کی مرضی [illegible] کہا تو [illegible] خدا [illegible]

اجازت ہو [illegible] اور [illegible] سے [illegible] بمجبوریہ فرمیدہ

[illegible] گزری۔

[illegible] دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ قریبا [illegible] آخر

متوکل نے کمال بے حسی اور ناخلفی [illegible] کو حکم دیا کہ جب تک

[illegible] آمادہ نہ ہو اس کے سر پر برابر [illegible] ماری جائیں آخر [illegible]

سے تنگ آکے اس نے سر [illegible] متوکل کے سامنے [illegible] شعر گایا۔

فلا تجعلن [illegible] علیہ الموت [illegible]

[illegible] دور [illegible] موت آئے گی صبح آئے یا شام کو آئے۔

آخر فریدہ نے وائق ہی کے عزم بن کرمد کر دلہ کے جان دی۔ اور وائق کا امد نشہ نہ ہونے دیا۔

ظریفہ بنت صفوان

عرب مین بنی عذرہ کا قبیلہ حسن و عشق کی شررانگیزیون کے لیے مشہور ہے۔ اس قبیلہ نے خدا جانے کتنے عاشق جانباز پیدا کیے اور کتنی دلربا مہوشون کی پیاری صورتین دنیا کے سامنے پیش کین۔ مگر دنیا کے تمام دل دینے اور لینے والون کی طرح ان کی عاشقی و معشوقی کا انجام ہمیشہ ناکامی و نامرادی پر ہوا۔

انھین نازنینان بنی عذرہ مین سے ایک ظریفہ بھی تھی جو صفوان ابن دائلہ عذری کی بیٹی تھی۔ اور مہ جبینی گلعذاری سحرنگاہی و قیامت خرامی کے علاوہ خوش آوازی اور جادو بیانی کے اعتبار سے بھی سارے قبیلے مین بے نظیر و عدیم المثال تھی۔

ایک روز قبیلے کی بہت سی دوشیزہ لڑکیون کے ساتھ پانی لینے کو کسی دور کے تالاب پر گئی۔ اور سب لڑکیان تو پانی مین اتر کے کھیلنے اور اپنے شکیزون مین پانی بھرنے لگین مگر وہ گھاٹ پر سب سے الگ ایک بلند مقام پر بیٹھ کے پرپیچ زلفون مین کنگھی کرنے لگی۔ بال کھول دیے۔ جو رخ تابان پر اس طرح بکھرے ہوئے تھے جیسے ماہ تابان پر کالی بدلی کا جال پڑا ہو۔

اسی دن اور خاص کر اسی وقت اس کے قبیلے کا شریف زادہ زرمہ بن خالد عذری شکار کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ کمان تیر جوڑے ہوئے ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالے چلا جاتا تھا کہ اس تالاب کے کنارے پہونچ کے ہرن نظر سے غائب ہو گیا۔ اور غزالہ ظریفہ کے رخ انور پر نظر جا پڑی۔ جس وقت ظریفہ کے رخ انور پر نظر پڑی ہے اس وقت اس نے مانگ نکال کے زلفین دونون جانب سے ہٹائی تھین اور ان کے درمیان مین سے گورا چہرہ برسات کے چاند کی طرح ابر مین سے نکل کے یکبیک چمک اٹھا تھا۔ اور

ہی کے ساتھ ظریفہ کی نگاہ غلط انداز بھی زرعہ پر پڑ گئی۔ یا تو شوق دیدار کی کشش بیخودی کے ساتھ آگے بڑھاتی چلی جاتی تھی۔ یا نگاہ ناز کا تیر کھا کے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔

اُس کی اس بیکسی و غربت کے غش پر ظریفہ کو ترس آگیا۔ اپنی جگہ سے اٹھی اُس کے پاس گئی۔ اور جب یوں اُسے ہوش نہ آیا تو تالاب سے پانی لے کر اُس کے منہ پر چھڑکنے لگی۔ چند منٹ میں تیر نظر کے گھائل نے آنکھیں کھول دیں۔ دلدارئی رخسار کو مہربان اور درد عشق کا معالج دیکھ کر بولا "آئیں! قاتل ہی مقتول کا علاج بھی کر رہا ہے!" اس کے جواب میں ظریفہ نے مسکرا کے کہا "تو تمھیں کس بات کی شکایت ہے؟" اب زرعہ ہوش و حواس میں تھا۔ اور صحبت محبوبہ جادو نگاہ اور اُس کی میٹھی باتوں سے لطف اٹھا رہا تھا۔ اٹھ بیٹھا اور دیر تک دونوں وہ باتیں کرتے رہے جن کو یونان کا دیوتا کیوپڈ اہل مغرب کے عاشقوں اور معشوقوں کے کان میں کہا کرتا ہے۔

آخر ظریفہ اٹھی کہ دیر ہوئی تو ساتھ والیاں بدگمان ہو جائیں گی۔ اور ساتھ ہی زرعہ بھی یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا کہ ع جو شکار افگن تھا آکر ہو گیا یاں خود شکار۔ اور ان برجستہ طبعزاد اشعار میں ترنم کرنے لگا۔

خرجتُ اُصِيدُ الوحشَ صادفتُ قانصًا مِنَ الرّيمِ صادتني سريعًا حبائِلُه

میں وحشیوں کا شکار کھیلنے کو نکلا تھا مگر ایک گوری غزالہ نے خود مجھے جھٹ پٹ اپنی کمند میں پھانس کے شکار کر لیا۔

فلمّا رماني بالنبالِ مُسارِعًا رقاني وهل ميتٌ يداويه قاتلُه

پھر جب یہ سے گرا چکی تو دوڑ کے مجھ پر دعائے صحت دم کر دی۔ اور بھلا کہیں یہ بھی دیکھا ہے کہ مردے کا علاج خود اُس کا قاتل کرے؟

ألا في سبيلِ الحبِّ صبٌّ تشدّه تقضّى سريعًا ولم يبلغْ مُرادًا يحاوِلُه

لوگو! مبتلائے عشق راہ محبت میں جلدی تمام ہو گیا اور وہ تمنا نہ پوری ہوئی جس کا آرزومند تھا۔

اس کے بعد زرعہ بڑی دشواریوں سے گھر تک پہونچا۔ اور پہونچتے ہی

صاحب فراش ہو گیا۔ اور کھانا پینا مطلق چھوٹ گیا۔ ماں باپ نے سو جتن کیے اور دوڑ دھوپ میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی مگر ع "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ آخر زندگی سے مایوس ہو کر اُس نے ماں کے کان میں کہہ دیا کہ "آپ بیکار ہی میرے لیے دوا اور علاج کی فکر کر رہی ہیں مریض عشق کو دنیا میں کون اچھا کر سکا ہے۔ میں دراصل ظریفہ بنت صفوان کے رخ زیبا کا بیمار ہوں۔ میرا علاج ہو سکتا ہے تو اُس سے۔ اور یہ ممکن نہیں ہے"۔

ماں کی مامتا بڑی ہوتی ہے۔ جانتی تھی کہ ظریفہ کے خاندان والے اُس نسبت کو ہرگز نہ منظور کریں گے۔ مگر بیٹے کو ہاتھ سے جاتے دیکھ کر نہ رہا گیا ظریفہ کے خیمے میں دوڑی گئی۔ اور اُس سے تنہائی میں مل کے کہا، "بیٹی میری جرأت کو معاف کرنا۔ اس لیے کہ میں اپنے آپے میں نہیں ہوں میرا بیٹا زرعہ تمھاری پیاری صورت دیکھ کے دیوانہ ہو گیا ہے۔ اور اپنی جان دیے دیتا ہے"۔ یہ کہتے ہی اُس کے قدموں پر گر پڑی اور کہا، "بس تمھیں اُسے اچھا کر سکتی ہو۔ دنیا بھر میں کوئی حکیم اور طبیب اُس کا علاج نہیں کر سکتا اگر ایک گھڑی بھر کے لیے آکے اُسے تسلی دے دو گی تو اُمید ہے کہ کچھ جینے کا سہارا ہو جائے گا"۔

ظریفہ نے فوراً اُس کو اُٹھایا اور سینے سے لپٹ گئی۔ پھر ایک آہ کھینچ کے آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ اور کہا "ہائے اپنی رسوائی و بیحیائی کو کیسے چھپاؤں؟ اب آپ نے چھیڑا ہے تو سنیے۔ جو آگ آپ کے فرزند کے دل میں لگی ہے وہی میرے دل میں بھی لگی ہوئی ہے۔ اُنھوں نے تو آپ سے کہہ بھی دیا۔ مگر میں کمبخت کس سے کہوں؟ اور کس کے آگے جا کے روؤں۔ آپ وہاں چلنے کو کہتی ہیں۔ میں تو سر آنکھوں سے چلتی۔ اور بن بلائے چلی آتی مگر آہ۔ دشمن ہر طرف لگے ہوئے ہیں۔ میری پریشانی اور اُلجھن سے کسی کسی کو شبہہ بھی ہو گیا ہے۔ چغلیاں کھانے والیاں اس فکر میں ہیں کہ کوئی بات دیکھیں اور برے رگوں سے لگا دیں۔ ایسی حالت میں بھلا میری مجال ہے

کہ کہین جاؤن؟ اور بیحیائی اختیار کر کے چلی بھی آئی تو سب لوگ مجھ سے زیادہ آپ کے بیٹے کے دشمن ہو جائین گے۔ اس لیے یہ تو کسی طرح مناسب نہین ہے کہ مین آپ کے ہمراہ چلون۔ مگر ایک تدبیر کرتی ہون اس سے شاید اُن کو افاقہ ہو۔ اپنے بالون کی ایک لٹ کاٹ دیتی ہون۔ اس کو لیجا کے اُنھین دیجیے شاید کچھ تسکین ہو سکے۔ یہ کہہ کے اپنی زلفون کی ایک لٹ کاٹ دی۔ اور ذرعہ کی ماں اُس کو لیے ہوے ذرعہ کے پاس آئی۔ اور ساری سرگذشت بیان کر دی۔

ان بالون کو ہاتھ مین لیتے ہی ذرعہ کی جان مین جان آگئی۔ اس سے اچھا نسخہ بھلا کہان نصیب ہو سکتا تھا۔ اُن بالون کو بار بار سونگھتا۔ آنکھون سے لگاتا اور چومتا۔ یہان تک کہ رفتہ رفتہ اچھا ہو گیا۔ بھوک بھی کھل گئی کھانے لگا۔ اور چلنے پھرنے کی طاقت آگئی۔

اب اُس کا یہ معمول تھا کہ چھپ چھپ کے اور لوگون کی آنکھ بچا بچا کے ظریفہ کے خیمے کے پاس جاتا۔ اور نہایت شائستگی کے انداز سے دونون ایک دوسرے کی باتین کبھی کبھی کر لیا کرتے۔ اور یہی دھوکے دھڑی کی ملاقاتین دونون کے جینے کا سہارا تھین۔

مگر فلک بے مہر اس کو بھی نہ دیکھ سکا۔ دونون کے دلی تعلق کی سارے قبیلے مین شہرت ہو گئی۔ اور تمام قبیلے والے اُس کے قتل کے درپے ہو گئے۔ اس لیے کہ عرب مین لڑکی کی شادی اور جس کے ساتھ چاہین کر دین کوئی مضائقہ نہ تھا۔ مگر جس کے ساتھ شادی سے پہلے محبت ہو گئی ہو اُس کے ساتھ لڑکی کی شادی ہوتی تو سمجھا جاتا کہ سارے قبیلے کی ناک کٹ گئی۔ مجبوراً ذرعہ کو گھر بار اعزا و اقارب اور خود اپنی محبوبہ ظریفہ کو چھوڑ کے بھاگنا پڑا۔

قبیلہ کی زمین سے بھاگا تو یمن مین پہونچ کر دم لیا۔ ظریفہ کی زلفون کے بال ساتھ تھے۔ اور وہی ذریعۂ زندگی تھے۔ قدم قدم پر اُن کو نکال کے دیکھتا سونگھتا اور چومتا۔ جب کبھی شوق بڑھتا اُن کو منہ پر ڈال لیتا اور تسلی ہو جاتی۔ غرض یونہین وہ اپنی روح کو تازہ کیا کرتا تھا۔ اسی حالت مین کئی سال گذر گئے۔ ایک دن کسی ضرورت سے کہین جا رہا تھا کہ راہ مین وہ بال جو جزو جان تھے گر گئے۔ پلٹ

سکے اُن کو ڈھونڈھتا ہوا چلا۔ اور ساری راہ میں ڈھونڈھ ڈالا مگر کہیں پتہ نہ لگا آخر ڈھونڈھتے ہی ڈھونڈھتے طاقت جواب دینے لگی۔ اور اب اتنا دم نہ تھا کہ کہیں جائے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ چلیے گھر میں آرام سے بیٹھ کے سوچیے گا تو تسلی و تسکین کی کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ جواب دیا "بس اب میں جا چکا۔ آپ سب جائیں اور مجھے میری قسمت پر چھوڑ دیں۔ یا تو کوئی صورت زندگی پیدا ہو گی یا پیوند زمین ہو جاؤں گا"

سب لوگ چلے گئے اور زرعہ نے ایک لڑکے کو اپنے چار شعر یاد کرا دیے اور کہا "قبیلۂ بنی عذرہ کی آبادی میں فلان مقام پر جا کے جس وقت اور کوئی نہ نظر آئے ان اشعار کو بہ آواز بلند گانے لگنا۔ اُن اشعار کا مضمون یہ تھا "ایک مریض عشق ایک جگہ کسی قبیلہ کے خیموں کے سامنے پڑا تڑپ رہا ہے۔ اُس کی نہ کچھ دوا ہے اور نہ اُس کا کوئی علاج۔ لوگ کہتے ہیں کہ تم اُس کی عیادت کو آؤ گی تو جی جائے گا۔ اور اُس مہ جبین سے ہم مہربانی کی درخواست کریں گے تو وہ اُس میں بخل نہ کرے گی"

یہ لڑکا گیا اور اُسی جگہ اُس نے سناٹا دیکھ کے وہ اشعار گائے۔ فوراً ظریفہ روتی ہوئی خیمے سے نکل آئی۔ اور جواب میں اپنے طبعزاد چار شعر گائے۔ جن کا مضمون یہ تھا:- "خدا رحم کرے اُس پر جس کا دل محبت میں مبتلا ہے۔ اور جس کے شوق میں میرا جی چاہتا ہے کہ اُڑ کے پہونچ جاتی۔ اگرچہ دل میں کثرت سے شعلے اُٹھ رہے ہیں۔ مگر چغل خور لگانے بجھانے والے بھی بہت ہیں۔ اور اگرچہ خاندان والوں کے ڈر سے میں جسمانی طرز پر ملاقات کے لیے نہیں آسکتی مگر دل روز تمھارے پاس جاتا اور زیارت کر آتا ہے"

لڑکے نے یہ جوابیہ اشعار بہ زبان یاد کر لیے اور واپس آکر زرعہ کو سنائے تو سُن کر تھوڑی دیر تک اس پر غشی کا عالم طاری رہا۔ پھر آنکھ کھول کر اس مضمون کے دو شعر پڑھے کہ "معلوم ہوتا ہے اُس محبوبہ نازنین کا عشق میری جان لے گا۔ نہیں معلوم میرے بنی اعمام میرے ساتھ کیا کرنے والے ہیں اُنھوں نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ اور افسوس میرا خون مفت ضائع ہوا"

اب اس پر قیامت یہ ہوئی کہ ظریفہ کے ماں باپ نے اپنے قبیلے کے ایک شخص کے ساتھ بیٹی کی شادی کر دی۔ یہ خبر جو زرعہ کو پہونچی تو کمال بیقراری سے تڑپنے لگا۔ یہاں تک کہ تڑپتے تڑپتے بے ہوش ہو گیا۔ اور اسی بے ہوشی میں روح پرواز کر گئی۔

ادھر ظریفہ کی یہ حالت ہوئی کہ جس دولھا کے ساتھ عقد ہوا تھا اُس سے کسی طرح انوس نہ ہوئی۔ اور نہ اُس کو کبھی اپنے پاس آنے دیتی تھی۔ زبان سے تو کبھی ایک لفظ بھی نہ نکالا مگر طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ بجز زرعہ کے وہ اور کسی کے لیے نہیں ہے۔ اسی اثنا میں خبر پہونچی کہ زرعہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب اُس کو بجز رونے دھونے اور آنسو بہانے کے کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ شوہر اُس کی تمام باتوں اور حرکتوں کو خاموشی سے دیکھتا تھا اور دم نہ مارتا تھا۔ پہلے سمجھانے اور تسلی دینے کی بہت کوشش کی مگر جب دیکھا کہ ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا تو اُس کو اُسی کے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن چونکہ طرح طرح کے اندیشے تھے اس لیے ہمیشہ اُس کی نگرانی رکھتا۔

ایک شب کو آدھی رات کے بعد اُس نے دیکھا کہ ظریفہ بچھونے سے اٹھ گھر سے نکلی اور ایک طرف روانہ ہوئی۔ وہ بھی پیچھے ہو لیا کہ دیکھوں کہاں جاتی ہے اور کیا کرتی ہے۔ جاتے جاتے وہ وادی کے کنارے پہونچی جو پانی برسنے سے اُن دنوں جاری ہو گئی تھی۔ یہاں پہونچتے ہی ظریفہ بے تحاشا ندی میں پھاند پڑی اور پانی میں غائب ہو گئی۔ شوہر بھی پانی میں کودا۔ اور ڈھونڈھ کے نکال لایا۔ مگر کنارے پر لٹا کے دیکھا تو ہوش میں نہ تھی۔ اپنے خیمے میں اٹھا لایا۔ رات بھر مُردے کی طرح بے حس وحرکت پڑی رہی صبح کو دیکھا تو ذرا سانس باقی تھی۔ ماں نے آ کے رونا پیٹنا شروع کیا۔ اُس سے ظریفہ نے کچھ کہا۔ مگر کوئی سمجھ نہ سکا کہ کیا کہتی ہے۔ اب اُس نے اشارے سے پانی مانگا۔ لوگوں نے کٹورا اٹھا کے مُنہ سے لگا دیا۔ دو ایک گھونٹ پیے تھے کہ فراق جانان میں جان دے دی۔ اور وہیں پہونچ گئی جہاں اُس کا عاشق نامراد تھا۔

پہلے تو قبیلے ہی کی زمین میں دفن کر دی گئی۔ مگر اس کے بعد بیرحمون

اُسکو ترس آیا کہ اُس کی لاش کو قبر سے نکال لے گئے اور جہان زید بن خالد دفن تھا وہین اُن کے پہلو مین [illegible] خاک مین سُلا دیا۔

چند کتابون پر ریویو

ماہ عجم مصنفہ مولانا راشد الخیری دہلوی۔ یہ ایک نہایت [illegible] حیرت انگیز اور [illegible] تاریخی ناول ہے جس کا خاکہ [illegible] عجم کے واقعات سے لیا گیا ہے۔ حضرت راشد الخیری غم کی تصویر کھینچنے [illegible] واقعی نہایت ہی خوش اور دلخراش قلم رکھتے ہین [illegible] صاف و پاکیزہ [illegible] ڈوبی ہوئی ہے۔ [illegible] رسالہ [illegible] دار الاشاعت پنجاب [illegible] فرمایا ہے۔ چھپائی [illegible] اچھی صاف اور واضح ہے ۲۲×۲۰ تقطیع کے ۱۱۲ صفحون پر یہ ناول پورا ہوا ہے کاغذ کے لحاظ سے دو قسم کی کتابین ہین قیمت [illegible] کاغذ والی کی عام لوگون سے دو روپیہ [illegible] اگر خریداران [illegible] اول درجے کی ایک روپیہ کو اور دوسرے درجے کی آٹھ آنے کو [illegible] ہے۔ مناسب یہی ہے کہ [illegible] یہ دلچسپ ناول سستے دامون خرید کیا جائے۔ جن حضرات کو شوق ہو ایڈیٹر صاحب [illegible] لاہور سے وی پی طلب فرمائین۔

دربار علم جن دنون دہلی مین دربار شاہنشاہی کا [illegible] تھا ہمارے مولانا شاہ ابو [illegible] حکیم محمد عبد الماجد [illegible] بدایونی نے بمبئی مین ایک دربار علم قائم کر رکھا تھا۔ جس مین [illegible] جن مین مولانا ممدوح نے نہایت پاکیزہ ادبی زبان مین دینی اخلاقی اور تمدنی اصلاحون ہی کے ضمن مین رموز تصوف کا انکشاف فرمایا ہے اب دربار کی اچھی دلچسپ رپورٹ ملاحظہ فرمانا ہو تو اس رسالہ "دربار علم" کو ملاحظہ فرمائیے جو ۱۸×۲۲ تقطیع [illegible] ۱۸۲ صفحون پر ختم ہوا ہے۔ کاغذ اور چھپائی بہت اچھی ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ) شوق ہو تو منیجر رسالہ شمس العلوم سے بدایون مین تحریر فرما کر وی پی طلب فرمائیے۔

سلطان تاجداران ہند یعنی مسلمانون کے ہندوستان مین [illegible] در نہایت بکار آمد تاریخ جو اس قابل ہے کہ [illegible] زبانی یاد کرا دیجیے جس مین خلافت فاروقی [illegible] عہد سلاطین غوریہ [illegible] کے حالات [illegible] زبان مین بیان کر دیے گئے ہین مصنفہ حکیم محمد سراج الحق ایڈیٹر سخن سنج و منیجر و پبلشر دلگداز۔ قیمت

ابوالعتاہیہ

رشید نے جو اس کو گرفتار کیا تھا اُس کے متعلق بہت سی روایتین اور بہت سے واقعات مشہور ہین۔ چنانچہ ایک یہ بھی ہے کہ جب رشید کا بڑا بھائی موسیٰ ہادی مرگیا تو رشید نے ابوالعتاہیہ کو مرثیہ لکھنے کا اور ابراہیم موصلی کو گانے کا حکم دیا۔ مگر دونون نے انکار کیا۔ ابوالعتاہیہ نے کہا ”ایسے غم کے موقع پر تو مجھ سے اس قسم کے اشعار نہ کہے جائین گے۔“ اور یہی ابراہیم نے کہا۔ اور دونون کو خلیفہ نے ناراض ہو کر قید کر دیا۔ اور وجہ یہ تھی کہ موسیٰ ہادی کے دونون پر احسانات تھے۔ پھر جب رشید رقہ مین گیا اور دیکھا کہ یہ دونون کسی طرح اُس کا حکم نہین مانتے تو زمین مین ایک گڑھا کھدوایا۔ اُس کے بیچ مین ایک دیوار اُٹھوائی اور دونون کو دونون جانب ڈال کے کہا ”جب تک تم دونون کو شعر سنانے اور گانے سے انکار رہے اسی مین پڑے رہو۔“ چنانچہ کئی روز تک دونون اُس مین پڑے رہے۔

ایک روز رشید کے ندیمی جعفر برمکی انیس صحبت تھا کسی مہ جبین نے ایک دلکش دُھن مین ایک شعر گایا جس کو سُن کر دونون از خود رفتہ و بیقرار ہو گئے۔ رشید نے کہا ”کاش اس ایک شعر کے ساتھ اور بھی شعر ہوتے جو اسی دُھن مین گائے جاتے۔“ جعفر نے کہا ”تو مشکل کیا ہے۔ ابوالعتاہیہ کو حکم دیجیے اس سے اچھے کہہ دے گا۔ اُس سے بڑھ کے قادر الکلام کون ہو سکتا ہے؟“ رشید نے کہا ”وہ تو سنتا ہی نہین۔ علاوہ برین وہ قید مین پڑا ہے اور ہم عیش منا رہے ہین!“

یحییٰ نے کہا۔ "مجھے اُس سے ایسی امید نہیں کہ آپ کا حکم نہ مانے"۔ رشید نے کہا "تو دشواری کیا ہے۔ جاؤ اُس سے کہہ کے دیکھ لو"۔ جعفر نے اپنی ذات ایک رقعہ لکھ کر ابوالعتاہیہ کے پاس بھیجا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں اپنی مصیبت میں مبتلا ہوں۔ آپ کو شعر کہنے کی پڑی ہے۔ یہ جواب سُن کر رشید نے کہا۔ "میں نہ کہتا تھا کہ وہ سماعت نہ کرے گا"۔ جعفر نے کہا۔ "تو پہلے اُس کو قید سے آزاد کیجیے۔ پھر دیکھیے گا کہ ضرور کہے گا"۔ رشید بولا "نہیں ہو سکتا۔ میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک شعر نہ کہے گا نہ چھوڑوں گا۔ پہلے وہ شعرخوانی کرے گا۔ اور اس کے بعد آزادی ملے گی"۔

اس کو بھی ایک زمانہ گزر گیا۔ آخر ابوالعتاہیہ نے قید سے عاجز آ کے ابراہیم سے کہا "اب ہم کب تک یہاں پڑے سڑا کریں گے۔ اب میں چند شعر کہتا ہوں تم ان میں دھن قائم کر کے گاؤ"۔ یہ غرض یہی ہوا۔ اور لوگوں نے رشید کو خبر کی کہ ابوالعتاہیہ نے شعر کہے اور ابراہیم ان کو گا رہا ہے۔ فوراً دونوں کو بلوا کر وہ اشعار سُنے اور اُن کا نغمہ سُنا۔ پھر دونوں کو آزادی دی۔ اور ایک ایک لاکھ درہم اور حریر کے سو سو تھان دے کے رخصت کیا۔

اس کے بعد ایک بار رشید اپنی کسی محبوبہ کنیز سے ناراض ہوا۔ اور قسم کھا گیا کہ اب کبھی اُس کے پاس نہ جاؤں گا۔ چند روز بعد جب اُس کی محبت کا جوش بڑھا تو دو شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ "محبت نے مجھے باوجود خلیفہ اور مالک ہونے کے اُس نازنین کا مملوک اور غلام بنا دیا ہے"۔ اور یہ شعر اس قدر پسند آیا کہ جعفر برمکی سے کہا کسی شاعر کو بلاؤ کہ اس شعر میں اور اشعار لگا دے۔ چنانچہ ابوالعتاہیہ بلایا گیا۔ اس نے ایسے شعر کہے جو رشید کو پسند آئے۔ اور بہت کچھ انعام دیا۔

اب اُس کو قصر خلافت میں اس قدر رسوخ حاصل تھا کہ ادھر اُس کی صورت دیکھی اور لوگ اپنی غرضیں لے لے کے دوڑے اس لیے کہ اُس کے کہنے سننے سے اکثر کام نکل جاتا تھا۔ ایک دن گدھے پر سوار ایوان خلافت کے دروازے پر پہونچا تو لوگوں نے ہر طرف سے گھیر لیا۔ اور سب اپنی اپنی غرضیں پیش کرنے لگے۔ اُس نے برجستہ دو شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا۔ ساری دنیا ڈھونڈھ ڈالی کہ اطمینان اور خوشی نہ پایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ساری دنیا ایک ہی [illegible]

ڈسی ہوئی ہے۔

اُس کے اشعار خلفا کی زبان پر جاری ہو کے ضرب المثل بن گئے تھے۔

سلم کی ہجو میں ابو العتاہیہ نے ایک شعر کہا تھا جس میں اُس کی حرص و طمع دکھائی تھی۔ مامون نے اس شعر کو پڑھ کے کہا "واقعی حرص اخلاق اور دین دونوں کو غارت کر دیتی ہے جیسی حرص سلم میں ہے کسی میں دیکھی تھی نہ سنی تھی"۔ یہ خبر سلم کو پہونچی تو کہنے لگا "اس کمبخت مخنث و زندیق ابو العتاہیہ نے ناک میں دم کر دیا۔ خود مال جمع کرتا ہے۔ اور صندوقوں میں توڑے جوڑ جوڑ کے رکھتا چلا جاتا ہے۔ اور ریاکاری و منافقت کی شان سے زاہد و تارک الدنیا بنا ہے۔ مگر میں جو اُسی دولت کو جس کا وہ مجھ سے زیادہ حریص ہے روک کے رکھتا ہوں تو مجھے بدنام و رسوا کرتا ہے"۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلم مذکور کا بھانجا جماز خود ابو العتاہیہ کی خبر لیتا اور اُسے گالیاں دیتا پھرتا تھا۔ ایک دن قثم بن جعفر کی صحبت میں ابو العتاہیہ زہد و تقوے میں اپنے اشعار سنا رہا تھا۔ قثم کے اشارے سے لوگ جماز کو ڈھونڈھ لائے۔ اور ایک کونے میں بٹھا دیا۔ اب جو ابو العتاہیہ نے اس مضمون کے اشعار پڑھے۔ جماز نے اُس کی ہجو میں اپنے اشعار پڑھنا شروع کر دیے جن میں اُس واعظ پر لے دے کی گئی تھی جو زہد کا مدعی اور خود ریاکار سگ دنیا ہے۔ یا فیاضی کا مداح اور خود بخیل اور کنجوس ہے"۔ ابو العتاہیہ سنتے ہی چونک پڑا۔ اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اور پوچھا "یہ کون ہے؟" لوگوں نے کہا "سلم کا بھانجا جماز ہے جو آپ سے اپنے ماموں کا بدلا لے رہا ہے"۔ فوراً اُس کی طرف رخ کر کے کہا "بھیا میری نسبت تمھارا گمان غلط ہے اور نہ مجھ پر ایسی بدگمانی تمھارے ماموں کو ہے۔ میں نے اُن کے بدنام کرنے کا کبھی خیال بھی نہیں کیا۔ میں تو اُن کا دوست ہوں"۔ یہ کہہ کے اُٹھا اور چلا گیا۔

مخارق مغنی سے ابو العتاہیہ کو بڑا اُنس تھا۔ ایک جمعہ کو اُس کے پاس گیا اور کہا "مجھے تم سے کام ہے۔ کہیں جانا نہیں۔ میں جمعہ کی نماز پڑھ کے آتا ہوں"۔ نماز پڑھ کے آیا تو کپڑے اتارے منہ دھویا۔ اور اُس سے کہا "میرے ان شعروں کو راگ میں گا کے مجھے سناؤ"۔ اُس نے قلم دوات لے کے دو اشعار لکھ لیے کہ سامنے رکھ کے گائے۔ لکھنے میں اُس کے کپڑوں پر روشنائی گر پڑی۔ مگر ابو العتاہیہ نے

اس کا کچھ خیال نہ کیا۔ تین بار وہ اشعار سُنے اور چلتے وقت کہنے لگا "یہ عجیب شعر ہے جب سُنیے کوئی نقصان ضرور ہو جاتا ہے"

یہی مخارق کہتا ہے کہ ایک بار پُل پر مجھے اَبُوالعتاہیہ ملا میں نے کہا "حضرت اپنے وہ اشعار مجھے نہیں سناتے جن میں آپ نے دنیا بھر کے آدمیوں کو بخیل بتایا ہے" سُن کے ہنسا اور پوچھا "نہیں سُناؤں؟" میں نے کہا "جی ہاں نہیں" اُس نے اپنے چھ شعر سنائے جن میں ساری دنیا کو خسّت کا الزام دیا تھا۔ میں نے سن کر کہا مگر آپ نے اس میں مبالغہ کیا ہے کہنے لگا "تم نہیں مانتے تو دنیا میں کوئی فیاض دکھاؤ مجھے جھوٹا ثابت کرو" مجھے مخالفت منظور نہ تھی اِدھر اُدھر دیکھ کے کہا "واقعی مجھے دنیا میں کوئی نہیں نظر آتا" اس پر بہت ہی خوش ہوا۔ اور میری پیشانی چوم لی۔

اَبُوالعتاہیہ کو سب سے زیادہ نفرت مغرور متکبر لوگوں سے تھی جس کا بیسیوں واقعات سے ثبوت ملتا ہے۔ احمد بن یوسف اُس کا بڑا گہرا دوست تھا جب وہ مامون کے مخصوصین میں شامل ہوا تو اُس کے ساتھ کج خلقی برتنے لگا۔ یہ دیکھ کر اَبُوالعتاہیہ نے اُس کو تین شعر لکھ بھیجے جن کا مضمون یہ تھا کہ "ابو جعفر (یہ احمد کی کنیت تھی) اگر تجھے غنیٰ پر غرور ہے تو مجھے اپنے صبر و تحمل پر غرور ہے" اُس نے نو ہزار دو ہزار درہم بھیجے اور معذرت خواہ ہوا۔

ایک سال حج سے آیا تو سیدھا فضل بن ربیع کے پاس پہونچا فضل کے حاجب عون نے جب اُس کے آنے کی اطلاع کی تو اُس نے کہا "اس وقت معاف کرو۔ مجھے دربار جانے میں دیر ہو جائے گی" تب اَبُوالعتاہیہ نے نعلین کا ایک جوڑا بھیجا۔ جس کے تسمے پر دو شعر اس مضمون کے لکھے تھے کہ "میں نے وہ جوتا بھیجا ہے جس کو پہن کر آپ ترقی کی شاہراہ پر چلیں۔ اور اگر مجھ سے ممکن ہوتا تو میں اس کے بنے میں اپنے رخسار دن کو لگا دیتا" فضل اس جوڑے کو دربار میں ساتھ لیتا گیا۔ یہ امین الرشید کا عہد تھا۔ باریاب ہوا تو عرض کیا "اَبُوالعتاہیہ نے حج سے واپس آ کے مجھے نعلین کا ایک جوڑا بھیجا ہے۔ مگر اس پر دو ایسے شعر لکھ دیے ہیں کہ امیرالمومنین کے سوا اور کسی کو ان کا پہننا زیب نہ دے گا۔ امین نے پوچھا "کیوں؟" اور جب اُس جوتے کو دیکھ کر وہ اشعار پڑھے تو پھڑک گیا۔

اور کہا "خوب کہا ہے۔ کسی کو یہ خیال نہین سوجھا تھا۔ اور اسی وقت حکم دے کے دس ہزار درہم ابوالعتاہیہ کو انعام کے طور پر عطا کر دیے وہ دروازے پر موجود تھا اور قم کو گدھے پر لاد کے لے گیا۔

ایک دن ابوالعتاہیہ احمد بن سعید کے ہاتھ مین ہاتھ دیے اور اس پر جھکا ہوا جا رہا تھا۔ اور جو لوگ راہ مین گزرتے تھے ان پر غور کرتا جاتا تھا۔ آخر احمد سے کہنے لگا "لوگون کی حالت دیکھتے ہو؟ ایک صاحب مارے غرور کے بات نہین کرتے۔ ایک صاحب باتین کرتے ہین مگر بجز بدگوئی و عیب چینی کے کوئی بات ان کی زبان سے نہین نکلتی۔" پھر کہنے لگا "ایک دن مہلب کا کوئی لڑکا مالک بن دینار سامنے سے گزرا جو نہایت ہی نخوت و تکبر سے قدم اٹھاتا تھا۔ (یہ خیال رہے کہ مہلب بڑا بھاری رئیس خراسان و دیگر ممالک کا والی تھا۔ اور مالک بن دینار اتقیائے زمانہ اور ائمہ حدیث مین سے تھے) مالک نے کہا "صاحبزادے تم اس غرور کو ذرا بادیتے تو اس شہرت کے حق مین اچھا ہوتا جو تم کو حاصل ہے" صاحبزادے نے تمکنت کے انداز سے کہا "جانتے بھی ہو کہ مین کون ہون؟" مالک نے جواب دیا "خوب اچھی طرح جانتا ہون۔ تمھاری ابتدا ایک ذلیل قطرۂ آب ہے۔ اور انتہا ایک نجس سڑی ہوئی لاش۔ اور ان دونون حالتون کے درمیان ایک گناہون اور بداعمالیون کے بوجھ سے کچلتا ہوا انسان" یہ سن کے وہ نوجوان کان دبا کے بھاگا۔ اور ان حرکتون سے باز آگیا۔"

ابو ذیف عجلی کا بیان ہے کہ مین نے ایک بار ابوالعتاہیہ کو دیکھا کہ ایک اعرابی بدوی کے پاس کھڑا اس سے باتین کر رہا ہے۔ سرراہ میل کا ایک ستون بنا ہوا تھا۔ اس کے سایہ مین وہ بدوی کھڑا تھا اور ایک کپڑے مین بدن چھپائے تھا جس سے سر ڈھانکتا تو پاؤن کھل جاتے۔ اور پاؤن ڈھانکتا تو سر کھل جاتا۔ یہ حالت دیکھ کر ابوالعتاہیہ نے کہا "آخر تم نے یہ بنجر زمین کیون اختیار کی ہے جس مین کچھ نہین پیدا ہوتا۔ زرخیز اور آباد زمینون مین جا کے رہو" اس نے کہا "خدا اگر ہمارے سے چند بندے نہ پیدا کرتا جو ان بے حاصل زمینون مین قناعت کرتے ہین تو پھر آباد زمینون مین رہنے کو جگہ نہ ملتی۔ ابوالعتاہیہ نے پوچھا "تو پھر

تمھارا ذریعۂ معاش کیا ہے؟" بولا "حاجیو۔ تم ہی ہمارا ذریعۂ معاش ہو۔ جو آنے جانے میں ہمیں ایک پیسہ دے جاتے ہو کہ اس پر بسر کرتے ہیں۔" ابو العتاہیہ نے کہا "اجی ہم تو چند روز کے لیے آتے ہیں۔ سال بھر تمھاری کیسے بسر ہوتی ہے؟" اس کے جواب میں بدوی نے ذرا سر جھکا کے غور کیا پھر بولا "واللہ مجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں۔ بجز اس کے کہ ہمیں ان چیزوں سے بافراط مل جاتا ہے جن سے ہمیں کچھ ملنے کی امید نہیں ہوتی۔" اس کے اس جواب نے ابو العتاہیہ پر ایسا اثر ڈالا کہ واپس آتے ہی اس مضمون کو نہایت ہی عمدگی کے ساتھ موزون کیا اور نہایت پراثر و نصیحت خیز اشعار کہے۔

خریاذی جو اس زمانے کے بصرے کے لوگوں میں تھا کہتا ہے کہ میں نے ایک صحبت میں ابو العتاہیہ اور ابو نواس دونوں کی طبیعت کا مقابلہ و موازنہ کیا۔ وہاں دونوں جمع تھے۔ ابو العتاہیہ باتوں اور بحث میں بہت تیز تھا۔ اسے ہر بات کا جواب برجستہ سوجھتا۔ اور ایسی بات کہہ دیتا کہ انسان سے بجز خاموش ہو جانے کے کچھ نہ بن پڑتا۔ اس کے مقابل ابو نواس سوچ سمجھ کر شعر کہنے میں بڑھا ہوا تھا۔ لہذا باتوں اور بذلہ سنجی میں ابو العتاہیہ ہمیشہ غالب رہتا۔ اور بحث پر چھا جاتا مگر جب متانت کے ساتھ فکر و خوض کا موقع ملتا تو ابو نواس بڑھ جاتا۔

ایک صاحب موسم حج میں مکہ معظمہ میں کسی جنازے کے ساتھ گئے تھے کہتے ہیں کہ ایک شخص کو پرلطف باتیں کرتے دیکھ کے کسی رفیق سے پوچھا "یہ کون صاحب ہیں؟" اس نے کہا "ان کو نہیں جانتے! یہ ابو العتاہیہ ہیں" تھوڑی دیر کے بعد میں اس کے قریب گیا اور کہا "آپ ابو العتاہیہ ہیں؟" کہا "نہیں۔ میں ابو اسحق ہوں" (یہ بھی ابو العتاہیہ ہی کی کنیت تھی) تب میں نے کہا "نہایت مشتاق ہوں اپنا کچھ کلام سنائیے" بگڑ کر کہنے لگا "تم عجب احمق ہو۔ دیکھتے ہو کہ ہم سفر میں ہیں۔ ایک قبر کے کنارے کھڑے ہیں۔ ایسے محترم شہر میں ہیں حج کا زمانہ ہے۔ اور کہتے ہو شعر پڑھو" یہ کہہ کر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر خود ہی مڑا۔ اور کہا "اور ہاں سنو۔ میں نے خدا کی قسم سارے بنی آدم میں تم سے زیادہ بدقطع آدمی نہیں دیکھا۔ ایسے کو میں اپنا کلام نہیں سنا سکتا۔"

ایک دن ابو العتاہیہ یحیی بن خاقان سے ملنے کو گیا جو اعلیٰ طبقے کے دولتمند امرا میں تھے۔ مگر حاجب نے اندر جانے کی اجازت نہ دی۔ دوسری دفعہ ایسے موقع پر پہونچا جبکہ خاقان گھوڑے سے اُتر کے گھر میں داخل ہوتا تھا۔ اُس نے صاحب سلامت کی اور لپک کے اندر ہو رہا۔ اور ابو العتاہیہ کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی۔ یہ حالت دیکھ کر ابو العتاہیہ نے جیب سے کاغذ نکالا۔ اور اُسی پر چار اشعار فی البدیہہ تصنیف کر کے لکھ دیے جن کا مطلب یہ تھا "یحیی میں دیکھتا ہوں کہ تو مجھ سے ڈرتا ہے۔ شاید تجھے دھڑکا لگا ہوگا کہ میں سوال کا حربہ چلاؤن گا۔ ڈر نہیں۔ میں تجھے اطمینان دلاتا ہون۔ اور وعدہ کرتا ہوں کہ تجھ پر اپنے سوال کا حملہ نہ کرون گا"۔ شعر یحیی نے پڑھے تو گھبرا کے آدمی کو دوڑایا کہ "بلا لاؤ" مگر اب ابو العتاہیہ کو جانے میں عذر تھا۔ ہزار اصرار کیا نہ گیا اور زندگی بھر اُس سے نہ ملا۔

ان دنوں ایک شاعر تھا ابو الشمقمق جو بڑا بیہودہ دہن اور ہجو گو تھا اُس سے ابو العتاہیہ سے ان بن تھی۔ اور ابو العتاہیہ اُس کی صحبت سے بھاگتا تھا۔ ایک دن چند دل لگی بازون نے ابو الشمقمق کو کوٹھری میں چھپا کے بٹھا دیا اور ابو العتاہیہ کو بلا کے اُس سے باتیں کرنے لگے۔ اس صحبت میں چند خوبصورت کم عمر لڑکے عورتون کے لباس میں خادمون کا کام دے رہے تھے۔ ابو العتاہیہ اُن کو کنیزیں سمجھا۔ اُن کی تعریف میں ایک شعر کہا جس میں خوش اسلوبی کے ساتھ سوال بھی تھا۔ یہ شعر سنتے ہی ابو الشمقمق نے کوٹھری میں سے بہ آواز بلند اُسی بحر و قافیہ میں ایک ایسا فحش شعر پڑھا جس سے ابو العتاہیہ کی سخت تذلیل ہوتی تھی۔ چونک پڑا اور کہا "خدا کی قسم یہ ابو الشمقمق ہے"! اور فورًا اُٹھ کے چلا گیا۔

مگر اس کے ساتھ وہ قابل اور خوش گو شاعرون کی قدر بھی بہت کیا کرتا تھا۔ ایک دن جعفر بن یحیی کی صحبت میں تھا۔ اُس سے کہنے لگا "سنتا ہون آپ کے پاس ابن امیہ نام ایک بہت اچھا شاعر ہے۔ اُس کے دیکھنے کا مجھے بڑا اشتیاق ہے"۔ جعفر نے کہا "وہ تمھارے برابر ہی بیٹھے ہیں"۔ فورًا اُس سے ملا۔ اور اُس کا کلام سنا۔ ابن ابی امیہ نے انسان کی ناکامی و نامرادی اور زمانے کی بیوفائی پر چند شعر پڑھے آخری شعر کا مضمون یہ تھا "زمانے کا یہ حال ہے کہ جس کی

نمتا ہے اُس کو تو سلاح پاس نہین لاتا۔ اور موت کی گھڑی کو ساعت بساعت قریب کرتا جاتا ہے" یہ شعر سنتے ہی ابو العتاہیہ بیتاب ہو گیا۔ بار بار ابن ابی امیہ کی پیشانی چومتا اور کہتا کہ کاش کوئی میرے بیت سے شعر لے لیتا۔ اور اُن کے عوض یہ شعر مجھے دیتا"

ابو العتاہیہ کی دو بیٹیاں تھین۔ آپ نے ایک کا نام "لِلّٰہ" اور دوسری کا "بِاللّٰہ" رکھا تھا۔ منصور بن مہدی نے جو خاندان عباسی شہزادی سے تھا "لِلّٰہ" کے ساتھ شادی کرنا چاہی اور پیام دیا۔ کہنے لگا "یہ نہ ہوگا۔ اس کی غرض فقط اتنی ہے کہ ابو العتاہیہ کی بیٹی کو جورو بناؤن۔ اور چند دنون مین جب جی پھر جائے گا اُس کی طرف سے بے پروا ہو جائے گا۔ پھر اُس وقت یہ بھی ممکن نہ ہوگا کہ عدالت مین مقدمہ دائر کر کے اپنی فریاد کو پہونچون۔ اُس کے مقابلے مین میری کون سنے گا؟ نہین۔ یہ نہین ہو سکتا۔ مین تو اپنی بیٹی کو کسی ایسے ہی سے بیاہون گا جو میرے ہم درجہ ہین۔ مگر ہان یہ دیکھ لون گا کہ جس کے ہاتھ مین اُس کا ہاتھ دون گا وہ کھاتا پیتا اور خوش حال ہو"

اُن کا ایک بیٹا بھی تھا جس کا نام محمد تھا۔ وہ بھی شاعر تھا۔ اور اُس کا کلام بھی موجود ہے۔ مگر قبولیت اور کمال جو ابو العتاہیہ کو نصیب تھا وہ کوئی ورثہ مین ملنے والی چیز نہ تھی۔ لہذا اُن کو بالذات کوئی نہین جانتا۔ صرف ابو العتاہیہ کی نسبت سے کتابون مین اُس کا نام آ گیا ہے۔

ام حکیم بنت قارظ

یہ حضرت عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب کی بیوی تھین۔ عرب کی نامور فصیحہ و بلیغہ خاتونون مین تھین۔ پاکدامنی و اخلاق مین مشہور تھین۔ حسن و جمال بھی عدیم المثال تھا۔ اور بڑی ثابت قدم اور دل کی بہادر تھین۔ اُن کے اشعار اُن کی زبان سے نکلتے ہی مشہور ہو جاتے۔ اور اکثر اشعار ان دو ننھے بچون کے غم مین تھے۔ جن مین سے ایک کا نام عبد الرحمن تھا

اور دوسرے کا نام قثم۔

ان بچون کی مظلومانہ موت کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت علی اور امیر معویہ کے جھگڑے کا تصفیہ دونون حکمون کی معرفت سے ایسا ہوا کہ معویہ کامیاب ہوگئے تو انھون نے دو شخصون (ضحاک بن قیس اور بُسر بن ارطاۃ) کو روانہ کیا اور حکم دیا کہ جو کسی کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے موافق دیکھیں اُن کے گروہ مین پائین قتل کر دین۔ اور ان دونون نے فرمان کی پوری تعمیل کی تھی۔ عبیداللہ بن عباس ان دنون یمن کے والی تھے۔ بُسر بن ارطاۃ وہان پہونچا تو اپنی کمزوری سے اور کسی لشکر کے موجود نہ ہونے کے باعث وہ بھاگ گئے اور روپوش ہوگئے۔ بُسر نے اُن کے گھر پہونچ کے جب اُنھین نہ پایا تو اُن کے دونون بچون کو پکڑ بلایا اور ان کو جو ابھی ننھے ننھے بچے تھے پکڑ کے اُن کی مان کے سامنے ذبح کر ڈالا۔

وہ بدقسمت مان جن کا نام اُم حکیم تھین۔ اُنھون نے جو یہ حالت دیکھی تو بیچاری دفعتہً دیوانی ہوگئین۔ گھر چھوڑ کے نکل کھڑی ہوئین۔ نہ کسی کی سنتی تھین اور نہ کچھ سمجھتی تھین۔ کوئی کچھ کہتا اُنھین حس نہ ہوتی۔ وحشت و درد کی خاک چھانتی اور قبائل عرب مین چکر لگاتی پھرتی تھین۔ جس جگہ چند آدمی بیٹھے نظر آجاتے اُن کے پاس ٹھہر جاتین۔ اور اپنے پُرسوز و گداز اشعار سُنانے لگتین جن کو سُن کر سخت سے سخت دل خون ہو جاتا اور ہر شخص کی آنکھون سے آنسو جاری ہو جاتے۔ منجملہ اُن کے اشعار کے ہم دو تین کا ترجمہ اپنے ناظرین کے سامنے پیش کیے دیتے ہین تاکہ کسی قدر اندازہ ہو سکے کہ ان شعرون نے قبائل عرب مین کیسی آگ لگا دی ہوگی۔ کہتی ہین۔

"ارے کسی نے میرے بچون کو دیکھا ہے جو موتی تھے اور سیپی ان سے محروم کر دی گئی۔

"ارے کسی نے میرے بچون کو دیکھا ہے جو میرے کان اور میرا دل تھے اور اب بے اُن کے میرا دل چاک چاک ہے"

"ارے کسی نے میرے بچون کو دیکھا ہے جو میرا دماغ تھے۔ اور مین بغیر دماغ کی ہون"

ایک دن ان شعروں کو اہل یمن کے ایک مجمع کے سامنے بین کے لہجے میں پڑھ رہی تھی تو سب بیتاب ہو گئے۔ مگر ایک شخص کے دل میں بغیر کسی قرابت یا تعلق کے انتقام کا ایسا جوش پیدا ہوا کہ جا کے بُسر سے ملا۔ دوست بنا۔ اور چند روز میں ایسا معتمد علیہ بن گیا کہ ایک روز بُسر کے دوانوں بیٹوں کو اُسی کے سامنے سیر و شکار کے بہانے وادی اوطاس میں لے گیا۔ اور اُم حکیم جو بنت قارظ کے دونوں بچوں کی طرح اُن کو قتل کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر یہ چند شعر کہہ کے مشہور کر دیے جو گویا بُسر کے نام پیام ہے تھے «بنی ہاشم سے بہتر روے زمین پر کوئی نہیں ہے۔ اُن دونوں بچوں کو مار کے تجھے کیا مل گیا۔ جن کی ماں غم میں روتی پھرتی ہے۔ انھیں کا انتقام میں نے تجھ سے لے لیا»

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خبر پہنچی کہ بُسر نے اُن معصوم بچوں کو مار ڈالا تو آپ کو بیحد صدمہ ہوا۔ اور بد دعا فرمائی کہ «بارالہا۔ بُسر سے تو ایمان کو چھین لے اور وہ مجنون ہو کے مرے» یہ دعا پوری ہوئی۔ اور اُس کی عقل جاتی رہی۔ اور یہ حالت تھی کہ شمشیر زنی کے مالیخولیا میں مبتلا تھا۔ بار بار چلاتا کہ «میری تلوار لاؤ» لوگ ایک لکڑی کی نقلی تلوار اُس کے ہاتھ میں دیدیتے۔ اور ایک مشک پھونک کر اور باندھ کے سامنے ڈالدیتے۔ وہ اُس مشک پر چوبی تلوار سے برابر وار کرتا۔ یہانتک کہ مشک میں سے ہوا نکل جاتی۔

کہتے ہیں ایک بار عبید اللہ بن عباس معویہ سے ملنے کو گئے۔ وہاں اتفاق سے بُسر بن ارطاۃ بھی موجود تھا۔ اُس کو دیکھ کر عبید اللہ نے کہا «او شخص! میرے بچوں کا قاتل تو ہی ہے؟» بولا «ہاں میں نے اُن کو قتل کیا» عبید اللہ نے کہا «مجھے تمنا تھی کہ کسی جگہ میرا تیرا سامنا ہوتا» بُسر نے کہا «یہیں میں تمھارے سامنے موجود ہوں اور کیسے سامنا ہو گا؟» عبید اللہ بولے «مگر اس وقت تو میری کمر میں تلوار بھی نہیں ہے» بُسر نے اپنی تلوار کو بڑھا کے کہا «لو یہ تلوار بھی لے لو» مگر جیسے ہی عبید اللہ نے تلوار لینے کو ہاتھ بڑھایا معویہ نے بُسر کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ اور بُسر سے کہا «خدا تمھیں غارت کرے۔ بڑھاپے میں تمھاری عقل بھی جاتی رہی۔ دیکھتے نہیں کہ یہ ہاشمی شخص ہیں جن کو تو نے نقصان پہونچایا ہے۔ اور اُن کے دو بچے مار ڈالے

ہیں۔ اور پھر مخالفین کے ہاتھ میں اپنی تلوار دے رہے ہو؟ تم کو بنی ہاشم کے دلوں کی حالت نہیں معلوم ہے۔ خدا کی قسم اگر اُن کا زور چلا تو مجھ سے ابتدا کریں گے۔ پہلے مجھکو ماریں گے۔ اور پھر تم کو؟ عبید اللہ نے کہا، بخدا میرا بھی ارادہ تھا۔ غرض معاویہ نے ان کو باتوں میں بہلا کے گھبرا کر اُن کی شمشیر انتقام سے بچا دیا۔

حافظہ کے عجائبات

بلا شبہ اُن کثیر التعداد نوادرات جو حافظہ سے تعلق رکھتے ہیں ایک یہ ہے کہ پہچان کی قوت کا اندر ہو جاتا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ قوت حافظہ بالا وقع اور الاتخیل امور کا عکس دل پر ڈالتی ہے۔ اور تیسرا یہ ہے کہ حافظہ ایسے مسموعات کی جن کے یاد رکھنے کی انسان کوشش نہیں کرتا۔ دفعۃً ہو بہو تصویر کھینچتا ہے۔

عموماً یوں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اتفاقی واقعات ہیں۔ اور شاذ و نادر ہی حادث ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سراسر غلط خیال ہے۔ کیونکہ ایسے فوق التحیر نوادر کرۂ خاک کے ہر حصہ میں آئے دن لگاتار واقع ہوتے ہی رہتے ہیں۔ مگر انسان دنیا میں اپنی متجسس اور عمیق نظر نہیں دوڑاتا۔ اِس لیے اس کی سرسری اور دُھندلی نظر انھیں معمولی واقعات تصور کر کے قابل توجہ نہیں سمجھتی جب نہایت غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ عجائبات اور نوادر ایک حافظہ پر ہی موقوف نہیں۔ بلکہ دست قدرت نے خاک کے معمولی ذرّات میں بھی ہزاروں فوق الفہم عجائبات کوٹ کوٹ کر بھر دیے ہیں۔ لیکن بیچارہ لم تعلم انسان ایسی باریک نظر کہاں سے لائے۔ جس میں نوادر ذرات کے دیکھنے کی سکت ہو۔ جبکہ اُس کی آنکھوں کو ہاتھی بھی سوجھائی نہیں دیتا۔ غرض اب مجھے اصل مضمون کیطرف توجہ کرنی چاہیے۔ آج میں نے مدراس میڈیکل جرنل میں مندرجۂ بالا نوادر کے متعلق ایک ایسا دلچسپ مضمون پڑھا کہ اس کا ٹوٹا پھوٹا اردو ترجمہ آپ سے زبان دان ناظرین تک پہونچانے بغیر نہیں رہ سکتی۔

ایک سرنا نوانہ ہندو جوان نے جس کی قریب تیس سال کی عمر تھی ضلع تجاور کی کوتوالی میں داخل ہو کر پولیس سے درخواست کی کہ میری شخصیت کی تحقیق

کی جائے۔ اور یہ دریافت کیا جائے کہ مین کون ہون۔ پولیس نے اُس کو دیوانہ سمجھکر اپنی حراست مین لے لیا۔ اور انسپکٹر صاحب کی اجازت پر اُسے پاگل خانہ بھجوادیا جہان وہ ایک مدت تک نظر بند رہا۔ بالآخر ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوا کہ وہ حقیقت مین دیوانہ نہین ہے۔ کیونکہ اُس کی کوئی حرکت دیوانون کی سی نظر نہ آتی تھی۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب نے یہ رائے قائم کی کہ اُس کے حافظہ سے پہچان کی قوت زائل ہوگئی ہے۔ اس لیے وہ خود کو نہین پہچانتا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب یہ رائے قائم کرلینے کے بعد نہایت دلچسپی اور توجہ کے ساتھ اُس کا علاج کرنے لگے۔ ایک صبح ستار نواز جوان کسی وارڈ کا گانا نہایت توجہ سے [illegible] گیا۔ ڈاکٹر صاحب کے سوال پر اُس نے جواب دیا "مجھے یون معلوم ہوتا ہے کہ مین نے کہین اسے ضرور سُنا ہے لیکن مجھے نہین معلوم کہ یہ کیا چیز ہے" ڈاکٹر صاحب نے کہا "گانا ہے گانا" لیکن اُس نے بالکل نہ سمجھا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے ستار منگوائی۔ اور اُس کے حوالے کرکے کہا۔ "اسے بجاؤ" وہ اپنے ہاتھ مین ستار لیکر نہایت عمدگی سے بجانے لگا۔ اور تھوڑی دیر بعد بجانا بند کرکے ڈاکٹر صاحب سے کہا "جناب مجھے ستار بجانے مین اچھی مہارت حاصل ہے۔ ممکن نہین کہ [illegible] بھر مین کوئی میرا مقابلہ کرسکے" یہ سُن کر ڈاکٹر صاحب نے مسکرادیا۔ اور اُس کو حکم کیا کہ مُنہ سے ستار کی طرح آواز نکالے یعنے کوئی گانا گائے۔ چنانچہ اُس نے ایک چیدہ گیت گاکر سُنایا۔ ڈاکٹر صاحب نے اُس کو سمجھایا کہ گانا اسی کو کہتے ہین۔ اُس نے بظاہر کچھ جواب تو نہ دیا۔ لیکن اس طرح سے اپنا سر ہلانے لگا کہ گویا وہ اُن کا مطلب بخوبی سمجھ چکا۔

ان طریقون سے چند دن مین اُس کے حافظہ کی کمزوری بالکل دفع ہوگئی۔ اور اُس کو پاگل خانہ سے خارج کردیا گیا۔

دوسرا عجیب واقعہ گو ہمارا دیکھا ہوا نہین ہے مگر چونکہ امریکہ کے ایک مشہور و معروف محقق ڈاکٹر اشہر نامی اُسے بیان کرتے ہین اس لیے قابل اعتبار ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہین۔ میرا ایک دوست جو ہمیشہ معمولی مقدار مین شراب پیا کرتا تھا زمانہ کی ناسازگاری کیوجہ سے افلاس اور پریشان حالی کے زد مین آگیا۔ ایک شب اُس نے اپنے ملالت انگیز [illegible]

اور اندرونی تصورات پر غالب آنے کے سبب زیادہ مقدار میں شامپین پی لی۔ جس سے اس کے ... بہت فرحت اور تازگی پیدا ہوئی۔ جب نشہ اترنے لگا تو اس کی قلبی فرحت بھی زائل ہونے لگی۔ اس لیے اس نے دوسری مرتبہ شامپین کی اور ایک زیادہ مقدار پی لی۔ جس کی وجہ سے وہ چند دن تک دنیا و ما فیہا سے بالکل بے خبر رہا۔ جب کچھ ہوش آیا تو قوت حافظہ نے اسے خبر دی کہ اس کی ایک فرانسیسی بیگم سے شادی ہو چکی ہے۔ اور وہ اپنی بیگم کے ہمراہ فرانس کا خوشگوار سفر کر رہا ہے۔ دل میں یہ خیال آتے ہی وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اور فرط انبساط سے کبھی گانے اور کبھی ناچنے لگا۔ اس کی اس وقت کی حالت بعینہ الف لیلہ کے ابو الحسن کی سی تھی۔ غرض چند دن گزر جانے کے بعد اس کے حافظہ کے اعضاء اپنی اصلی حالت اختیار کر لی اور اس وقت اس کو فرانسیسی بیگم اور فرانس کے خوشگوار سفر کی حقیقت معلوم ہوئی لیکن وہ وہمی بیگم کی جدائی سے بہت رنجیدہ ہو گیا۔ چنانچہ وہ آج تک مے نوشی کے ارتکاب میں مصروف ہے۔ اور حالت نشہ میں وہمی بیگم کی وصلت سے شادمانی حاصل کرتا ہے۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی بطور یقین معلوم ہوتی ہے کہ نہایت مذموم جرائم جن کے لیے قانون سخت سے سخت سزائیں تجویز کرتا ہے حالت نشہ ہی میں کیے جاتے ہیں۔"

تیسرا تجربہ پروفیسر سری صاحب Ser cz کی کتاب

"سائیکالوجی آف ریکلکشن (علم نفس حافظہ) Psychology of Recollection میں مذکور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بخار کی حالت میں کبھی کبھی حافظہ کی تاریک کوٹھری روشن ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے تمام بھولی بسری باتیں یاد آ جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ملک جرمن کے کسی شہر میں ایک ان پڑھ نوجوان عورت کو سخت بخار سے سرسام ہو گیا تھا۔ اور ہذیان بکنے لگی تھی۔ ہمسایہ لوگوں نے خیال کیا کہ اس کے سر پر بھوت سوار ہو گیا ہے۔ چنانچہ وہ ایک عبرانی دان ... ری صاحب کو بلا لائے۔ جب ... ری صاحب نے اس کی ہذیان کو غور سے سنا تو انھیں معلوم ہوا کہ وہ عبرانی۔ یونانی۔ اور لاطین زبانوں میں

مختلف المعنی جملے کہہ رہی ہے۔ چنانچہ اُنھون نے اُس کی تمام بڑ اپنی نوٹ بک مین لکھ لی۔ گو اُس کے بیان کردہ تمام جملے بامعنے تھے۔ لیکن ایک دوسرے سے بالکل تعلق نہ رکھتے تھے۔ ان مین بعض انجیل کے عبرانی مقولے بھی تھے۔ اس عجیب واقعہ کی تحقیق کے لیے چند مقامی پروفیسرون کی مجلس قائم ہوئی۔ اور یہ نتیجہ شائع ہوا کہ وہ عورت بچپن کے زمانے مین ایک عبرانی و یونانی دان پادری صاحب کے ہان پرورش پاتی تھی۔ چونکہ پادری صاحب ہمیشہ اونچی آواز مین چلا چلا کر اُن زبانون کی کتابین پڑھا کرتے تھے اس لیے لڑکی کو ان مقالات کے سننے کا اتفاق ہوا کرتا تھا۔ اور وہ کئی سال پیشتر کسی بنا پر پادری صاحب کے گھر سے کہین بھاگ نکلی تھی۔ مزید تحقیق پر اُن پادری صاحب کی کتابون مین وہ تمام جملے پائے گئے جو نوجوان عورت نے سرسام کی حالت مین بڑبڑائے تھے"

سر والٹر اسکاٹ کے متعلق بھی ایک ایسی ہی عجیب روایت بیان کیجاتی ہے۔ جس کا مطلب مختصر الفاظ مین یہ ہے کہ اُنھون نے بیماری کے بستر مین ایک کتاب جس کا نام "دی برائڈ آف لام مور" تصنیف کی تھی۔
وہ کتاب اُن کی بیماری کے ایام ہی مین چھپ چکی تھی
جب اُنھین کامل صحت حاصل ہوئی تو اُن کے ہاتھ مین اس کتاب کا ایک نسخہ دیا گیا۔ لیکن اُنھین کچھ معلوم نہ تھا کہ اس مین کیا لکھا ہوا ہے۔ اور اُن کی بے خبری کی حالت ایسی ہی تھی جیسی کہ کسی مصنف کو کتاب لکھنے کا خیال کرنے کے پیشتر ہوتی ہے۔ یہ عجیب روایت اُن کی سوانح عمری مین مذکور ہے

اُم سیٹھ محمد بنگلور

ہندوستان مین مشرقی تمدن کا آخری نمونہ

اب ہم مختصراً یہ بھی بتا دینا چاہتے ہین کہ لکھنؤ کی معاشرت نے اپنی ضرورت و قدردانی سے کن کن چیزون کو ترقی دی۔ اور کن کن فنون کو یہان نشو و نما ہوا۔ اس سلسلہ مین بہت سی چیزون کا ذکر آئے گا۔ مگر ہم پہلے مٹی کے برتنون سے شروع کرتے ہین

مٹی کے برتن دنیا کی پہلی ایجاد ہیں۔ ہر ملک اور ہر سرزمین سے کھود کے قدیم الایام کے خزف پارے برآمد کیے گئے ہیں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مٹی کو بھٹی میں پکا کے خزف بنا لینا انسان کو اپنی ترقیوں کے بہت ابتدائی دور میں معلوم ہو گیا تھا۔ اور غالباً دنیا کے عہد حجریت ہی میں معدنی فلزات کے برآمد ہونے سے پہلے انسان کو برتن بنا کے اُن کو پکا لینا آ گیا تھا۔ مصر میں عہد فراعنہ کے نکلی ظروف اور بالکل ویسے ہی غذا اور پانی کے ظروف کے ساتھ نہایت پختہ اینٹیں برآمد ہوئی ہیں۔ فراعنہ کے دور میں اہل مصر جن تابوتوں میں لاشوں کو ممی بنا کے رکھا کرتے وہ مٹی ہی کے ہوتے تھے۔ یہی نہیں اگلی دنیا خزف پاروں اور ٹھیکروں سے بہت دنوں تک کاغذ کا کام لیتی رہی ہے۔

ہندوستان والوں کو بھی قدیم الایام ہی میں یہ فن آ گیا تھا۔ اور عہد قدیم کے نکلے ہوئے ظروف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی اس فن نے دیگر مقامات سے کم ترقی نہیں کی تھی خصوصاً بت پرستی نے ہندوؤں میں بھی مٹی کی مورتوں کی بنیاد ڈالی جس میں روز بروز ترقی ہوتی رہی۔ اور یہاں کمہاروں کی ایک ذات پیدا ہو گئی جس کا خاندانی اور آبائی پیشہ یہی ہے کہ مٹی کے ظروف اور کھلونے بنا کے پکاتے ہیں۔

دہلی میں اسلامی دور نے عام کمہاروں کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ کسگروں (کاسہ گروں) کا ایک نیا گروہ پیدا کر دیا جو مسلمان ہیں اور ظروف کے ساتھ کھلونے بھی بنا سکتے ہیں۔ اور اگرچہ شرع اسلام مورتوں کے بنانے کو مطلقاً ناجائز بتاتی ہے۔ مگر کسگروں کا چونکہ ذریعۂ معیشت یہی کام ہے اس لیے وہ ایک حد تک کھلونے بنانے اور بیچنے پر مجبور ہیں مسلمان کسگر عام معاشرت و شائستگی اور تمیز اپنے فن میں کمہاروں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔

دہلی سے مسلمان امرا ان کسگروں کو بھی اپنے ساتھ لکھنؤ میں لائے اور امرا کی شوقینی کی بدولت اُن کی صنعت کو یہاں زیادہ اور نمایاں ترقی ہونے لگی۔ چنانچہ کمہار اور کسگر دونوں نے اپنے کام میں وہی ذہانت و طباعی اور جدت طرازیاں دکھانا شروع کیں۔ جو ایک مصور تصویروں میں

اور ایک شاعر اشعار میں دکھایا کرتا ہے۔

محض اتفاق سے لکھنؤ کی مٹی اس فن کے لیے مناسب ثابت ہوئی جس نے کاریگری کو اظہار کمالات کا موقع دینا شروع کیا۔ اور برتن اور کھلونے وغیرہ تو ایسے بننے لگے جیسے کہ کہیں نہ بن سکے تھے۔ ظروف میں تو یہ ترقی ہوئی کہ ایسے سبک اور باریک اور صاف اور اس کے ساتھ خوش قطع برتن یہاں بنتے ہیں کہ کہیں نہیں بن سکتے۔

امروہے کی مٹی بھی اس کام کے لیے زیادہ مناسب ہے چنانچہ وہاں بھی اس فن کو بڑی ترقی ہو رہی ہے۔ اور وہاں کے کاریگروں نے ظروف گلدستوں اور مختلف چیزوں کے بنانے میں نمایاں ترقی کر دی ہے۔ مگر وہاں کے ظروف کی اور لکھنؤ کے ظروف کی وضع میں فرق ہے۔ اور اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ لکھنؤ کے کاریگروں کا کام نفاست پسند لوگوں کی نظر میں بڑھا ہوا ہے۔

عام چیزوں میں لکھنؤ کے گھڑے بدھنیاں سارے ہندوستان کے ظروف اور بدھنیوں سے سبک اور خوشنما ہوتے ہیں۔ گھڑوں کی گولائی نہایت ہی مکمل اور اپنے حدود میں پوری ہوتی ہے۔ بدھنیاں تانبے کے لوٹوں کی قطع سے بہت زیادہ قریب ہوتی ہیں۔ ظروف میں صفائی کے برتن یہاں سے اچھے شاید کہیں کم ملیں گے۔ مگر چونکہ مٹی کے برتنوں میں کھانے کا رواج بالکل اٹھ گیا ہے۔ اس لیے کمہاروں کی توجہ اس کی طرف سے ہٹ گئی اور روز بروز گھٹتی جاتی ہے۔ مگر جن ظروف میں یہاں کے کاریگروں نے اپنے کمالات کا اعلیٰ ترین ثبوت دیا وہ آبخورے۔ صراحیاں۔ جھجریاں۔ اور حقے ہیں۔ اور اُن کے بعد کھیر کی ہانڈیاں۔

آبخورے پانی پینے کے ظروف ہیں۔ اگرچہ شیشے اور تمام چینی کے سبک خوشنما اور نفیس گلاس اور نیز مرادآباد وغیرہ کے گلاس اور کٹورے کثرت سے رواج پا گئے ہیں۔ مگر ہندوستان میں گرمیوں کا ایک ایسا موسم آتا ہے جبکہ بجز مٹی کے آبخوروں کے کسی ظرف میں پانی مزہ نہیں دے سکتا۔ اس لیے کہ پانی اُن میں ٹھنڈا رہتا ہے اور خود اُن کی ٹھنڈک ہاتھ اور ہونٹوں کو تری کی ایسی لذت دیتی ہے جو اور کسی چیز سے نہیں حاصل ہو سکتی۔ علاوہ بریں مٹی

مٹی کے کورے آبخورے مین ایک ایسی روح کو تازہ کرنے والی خوشبو ...
جس کے شوق نے یہان مٹی کا عطر ایجاد کرادیا۔ غرض اس صورت سے آبخورون
کو باقی رکھا جن مین طرح طرح کی نفاستین پیدا کی گئین۔ ایسے ...
آبخورے بنے جو کاغذی کہلاتے ہین۔ اور اس قدر باریک ہوتے ہین ...
کے گلاسون کی نزاکت کو بھی یہان مٹی کے آبخورون کی ...
کردیا۔ پھر ان پر نقش و نگار بنا کے بالو کی ایک تہ چڑھا دی جاتی ہے کہ پانی کو
زیادہ ٹھنڈا رکھے انھین کے مناسب ان کے جوڑ کی تھالیان ...
آبخورون کی قطع ایسی خوشنما اور دلکش ہو گئی کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور
زمانے کو ماننا پڑا کہ انسانی صنعت نے جو کمال چھپنے والے فلزات کے استعمال
مین دکھایا ہے وہی مٹی مین بھی دکھا سکتی ہے۔

آبخورون کے بعد پانی رکھنے اور اس کے ٹھنڈا رکھنے کے ظروف
مین صراحیان ہین۔ صراحی بہت پرانی چیز ہے جس کا رواج ایران و ...
مین بھی تھا۔ مگر لکھنؤ کی صراحیان مٹی کی خوبی اور کاریگرون کی ...
مذاق سے نفیس کاغذی اور بہت ہی سبک ہوگئین۔ اور پھر ان کی شکل ...
ایسی خوبصورت ہوگئی کہ ان دونون باتون مین کہین کی صراحیان ان کا
مقابلہ نہین کرسکتین۔ ان کے دہانے پر ایسی تناسب خمیدگی پیدا ہوگئی کہ
لکھنؤ کی صراحیون کا دہانہ ہی ایسی چیز ہے جو اور کسی جگہ نہین نظر آسکتی

جھجھریان بھی ویسی ہی نازک و سبک ہین۔ ان کا پیٹ تو ...
کے مثل ہوتا ہے۔ مگر اس کے اوپر لمبی گردن کے عوض ایک منہ لگا دیا جاتا ہے
کام اور نزاکت و لطافت کے اعتبار سے وہ بھی صراحیون ...

حقے ان مین بھی ٹھنڈک کی بے انتہا ضرورت ہوا کرتی ہے تاکہ دھوان
ٹھنڈا آئے مٹی کے کاغذی حقے یہان ایسے نفیس اور خوش قطع بنے کہ اور
جگہ نہین نصیب ہو سکتے۔ پھر نئے انواع کے ہونے کورے حقون ...
خنکی اور نفاست کے ساتھ کوری مٹی کی ایسی نفیس خوشبو پیدا ہوجاتی ہے کہ
عہد شاہی کے بہت سے عالی مرتبہ رئیسون کو سوا ان کے کسی حقے مین مزہ ...

تھا عظیم اللہ خان نے اُن مین اور خوشنمائی و نفاست پیدا کر کے عظیم اللہ خانی حقے اپنی یادگار چھوڑ دیے جو آج تک مٹی کی کل قسمون کے حقون سے اچھے سبک اور مقبول عام ہین۔ مین نے ایک مرتبہ لندن کے ملک الشعرا لارڈ ٹنیسن کی نسبت سنا کہ اُن کو مٹی کے سفید پائپ جو کلے پائپ کہلاتے ہین اس قدر پسند تھے اور اُن کی شاعرانہ نفاست پسندی کورے پائپون کی اس قدر رسیا تھی کہ سامنے ایک ٹوکری مین بھرے ہوے کورے اور اچھوتے پائپ رکھے رہتے۔ وہ ایک پائپ کو لے کر اس مین تمباکو بھرتے پیتے اور چند منٹ مین اس کو توڑ کے وہین ٹوکری مین ڈال دیتے پھر دوبارہ ضرورت ہوتی تو دوسرا پائپ لیتے اور چند کش لے کر اُسے بھی توڑ کے ڈال دیتے۔ یونہین دن بھر بیٹھے کورے پائپ تباہ کیا کرتے۔ میرا خیال ہے کہ اگر لارڈ ٹنیسن کو لکھنؤ کے عظیم اللہ خانی حقے مل جاتے تو ان کلے پائپون کو بھول جاتے۔ اس لیے کہ اُن کے دھوئین مین جو ٹھنڈک نفاست اور خوبی ہوتی ہے اس کا پتہ کلے پائپون مین کوسون نہین ہے۔

کھیر کی ہانڈیان۔ پکانے کی ہانڈیان سب جگہ بنتی ہین۔ مگر لکھنؤ کی ہانڈیان تلنبے کی پتیلیون کی جیسی سچی نقلین ہین اور کہین نہ ہون گی۔ خصوصاً کتابی ہانڈیان جو حصون مین کھیر وغیرہ تقسیم کرنے کے لیے بنائی جاتی ہین آبخورون اور صراحیون کی طرح یہ بھی کاغذی اور بہت ہی خوبصورت بنتی ہین۔ ان مین اکثر نازک طبع امرا گلوریان بھی رکھتے ہین۔ اس لیے کہ گرمیون کے موسم مین خاصدان جل اُٹھتے ہین اور اُن مین گلوریان بھی بہت گرم ہو جاتی ہین۔ مگر ان ہانڈیون مین وہ اس قدر ٹھنڈی رہتی ہین اور ان مین ایسی سوندھی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے کہ نہایت ہی فرحت بخش ہو جاتی ہین۔

مگر برتنون سے بھی زیادہ کمال کمہارون نے کھلونے اور مٹی کی مورتون مین دکھایا۔ بت تراشی کا فن بت پرستی کے طفیل مین بہت پرانا ہے۔ مصریون۔ بابلیون۔ اور ایرانیون یونانیون اور رومیون سب نے اپنے عہد مین اس فن مین کمالات دکھائے جن کے نمونے آج یورپ کے عجائب خانون مین نظر آ سکتے ہین۔ خصوصاً اہل یونان

نے پتھر کی مورتین تراشنے اور اعضا کا تناسب قائم رکھنے مین ایسا کمال دکھایا کہ آج کا زمانہ بھی باوجود بے انتہا ترقیون کے اُن کی چابکدستی پر حیران ہے اور اُن کی بنائی ہوئی مورتین حال کے بت تراشون اور مصورون کے لیے بہترین ماڈل یا معیار سمجھی جاتی ہین۔ مگر مٹی کے کھلونون مین تناسب اعضا قائم رکھنے اور فطرت کی سچی نقل اتارنے مین جو کاریگری یہان کے اکثر جاہل کمہار دکھا رہے ہین وہ یونان کے کمال سے ذرا بھی کم نہین ہے۔ وہ انسان کو دیکھ کر اس کی پوری مورت اتنی ہی بڑی جتنا کہ اُس کا جسم ہو تیار کر دیتے ہین۔ پھر چھوٹی مورتون مین ہر وضع اور ہر طبقہ کے لوگون کی ایسی مطابق اصل تصویرین بناتے ہین کہ اُن کے کمال مین شاعرانہ نازک خیالیون کا پتہ لگتا ہے۔

دیوالی مین ہندو عموماً کثرت سے کھلونے خریدنے اور تقسیم کرتے ہین۔ اور اسی ضرورت سے ہر سال اُس موسم مین یہان کے کمہارون کو اپنے فن مین نئی نئی ایجادون طباعیون اور نازک خیالیون کے ظاہر کرنے کا موقع مل جایا کرتا ہے۔

ان کمہارون نے جو مورتون کے طرح طرح کے گروپ اور سٹ تیار کیے ہین وہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہین۔ انگریزی بینڈ۔ رنڈیون اور بھانڈون کے طائفے۔ قدیم قوالون کی محفل۔ امرا کے دربار۔ مختلف اہل حرفہ کے مجمع۔ خاص شان رکھتے ہین۔ ایک مرتبہ نمائش کے موقع پر یہان کے ایک کمہار نے ایک ہندستانی گاؤن بنایا تھا جس مین آبادی کے اندر دکانون اور مکانون کے درمیان مختلف الوضع لوگون کا چلنا پھرنا۔ بیلون اور بیل گاڑیون کا گزرنا دکھانے کے بعد گرد کے میدان مین کسانون کا ہل جوتنا اور نالیون کے ذریعہ سے کھیتون مین پانی پہونچانا دکھایا تھا۔ نالیون مین پانی کا بہنا اور اس مین ننھی ننھی لہرون کا پیدا نمودار ہوتا تھا۔ اور یہ چیز نمایان طور پر دکھائی گئی تھی کہ جو بیل ہلون مین کام کر رہے ہین نہایت دُبلے ہین اور اُن کی پسلیان صاف نظر آ رہی ہین۔

اسی طرح شاہی زمانے کے لکھنؤ کی ایک تصویر بھی مین نے دیکھی جس مین اُس وقت کی آبادی اور گلیون اور سڑکون کا مکمل نقشہ دکھا دیا گیا تھا۔

مگر افسوس یہ سب محنتیں ایک وقتی جوش کے طور پہ دو چار روز نظر آکے غائب ہو جاتی ہین اور کوئی ایسا مقام نہین ہے جہان ان تمام صنائع کے نمونے محفوظ رکھے جاتے ہون۔ لندن مین "میڈم ٹساڈس" انگریزی عورت کے نام سے ایک مومی تصویرون کا عجائب خانہ ہے جس مین ہر قسم کی قد آدم تصویرین کل مشاہیر زمانہ کی اور نیز وہ جن مین صناع نے کوئی خاص کمال دکھایا ہے جمع کر دی گئی ہین بعض ایسی صورتین ہین کہ ممکن نہین ہر جانے والے کو کسی نہ کسی مورت پر دھوکا نہ ہو جائے اگر ایسا ہی مٹی کی مورتون کا ایک عجائب خانہ یہان قائم کر دیا جائے اور اُس مین کمہارون کی تمام کاریگریان جمع کر دی جائین تو میرا خیال ہے کہ فن کی ترقی مین بے حد مفید ہونے کے علاوہ وہ نفع بخش بھی ہو گا۔ اُس کے داخلے کے لیے ایک ٹکٹ مقرر کرایا جا سکتا ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ کوئی باہر کا سیاح بغیر اُس کے دیکھے نہ جائے گا۔ لیکن خرابی یہ ہے کہ خود ہم مین کوئی ذوق اور جوش نہین ہے۔ اور ہم ہر بات مین گورنمنٹ کے دست نگر رہنا چاہتے ہین۔ اگر کسی دولتمند امیرزادے کو بجائے عیاشی کے اس کا شوق ہو جائے تو کس قدر ناموری و خدمت وطن کا باعث ہو سکتا ہے۔

عجائب خانون مین اس قسم کے کھلونے اکثر جمع کر دیے گئے ہین مگر وہ بہت ہی محدود ہین۔ اور لکھنؤ مین اس صنعت کا درجہ اتنا ہی نہین ہے کہ مگر اعجوبہ روزگار چیزون کے ضمن مین چند کھلونے بھی رکھ دیے جائین۔ یہان کھلونون اور مٹی کی مورتون کی مستقل نمائش ہونی چاہیے۔

موجودہ اہل عرب

موجودہ حالت مین جبکہ خلافت کا مسئلہ دنیا بھر کے مسلمانون کے سامنے پیش ہے اور شریف مکہ کو اپنی سیادت کی وجہ سے خلیفہ بننے کا خیال خود یا کسی کے شوق دلانے سے پیدا ہو گیا ہے ضرورت ہے کہ عرب کی موجودہ حالت پہ غور کیا جائے۔

اس بارے مین مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مین یہ بتادون کہ ایک امریکن پادری نے ایک مدت کے تجربہ کے بعد موجودہ عربون کی نسبت کیا خیالات قائم کیے ہین۔ اور اُس کے بعد اپنے خیالات ظاہر کرون۔

پادری ایس۔ ایم زویمر عربون کی نسبت لکھتے ہین کہ قدیم الایام کی طرح آج بھی شمالی عرب مین بنی اسمٰعیل جو مضری و نزاری کہلاتے ہین آباد ہین۔ اور جنوبی عرب مین بنی قحطان جو یمنی کہلاتے ہین یمنیون اور نزاریون مین مدت سے رقابت اور دشمنی چلی آتی ہے جو کہ آج تک نہ ہم مذہبی دور کر سکی نہ ہم زبانی۔ چنانچہ آج بھی بیت المقدس کے گرد و نواح کے یمنیون کو علاقہ یہودا کے نزاریون سے سخت نفرت ہے۔ اور بنائے خصومت پوچھی جائے تو بجز اس کے کہ یہ رقابت قدیم الایام سے چلی آتی ہے کچھ نہین بیان کر سکتے۔

عرب فی الحال پانچ طرح کے ہین۔ پہلے وہ جو کہین مستقل سکونت رکھتے ہین اگرچہ اُن مین سے بھی بہت سے خیمون مین رہتے ہین۔ یہ اکثر زراعت پیشہ ہین دوسرے وہ عرب جو متمدن عربون کے گرد خانہ بدوش رہتے ہین تیسرے وہ جو قلمرو عثمانیہ کے شہرون اور گاؤن مین رہتے ہین۔ چوتھے وہ عرب ہین جو خاص عرب کے شہرون اور قریون مین رہتے ہین۔ پانچوین وہ بدوی خانہ بدوش عرب ہین جو وسط عرب کے دشت و بیابان مین رہتے ہین۔ آخر الذکر عرب بلحاظ معاشرت اپنی اُسی پرانی حالت مین ہین جو اسلام سے پہلے تھی۔

انساب پر ان سب کو بڑا ناز ہے۔ اور دنیا مین کوئی قوم عربون سے زیادہ شجرون کی شوقین نہین ہے۔ بعض قبائل اور بطون کے شجرے اسلام سے پہلے زمانے تک جا پہنچتے ہین۔ اُن کی تمدنی حالت کو کسی ایک اصول معاشرت کے تابع کرنا غیر ممکن ہے۔ بدوؤن کی حالت شہریون سے بالکل جداگانہ ہے۔ مشرقی عرب بمدت دراز کے میل جول کے باعث ایرانی معاشرت کے رنگ مین رنگا ہوا ہے۔ مغربی عرب اور نیز حجاز مصر کے سانچے مین ڈھل گیا ہے۔

جسمانی قوت کے لحاظ سے عرب دنیا کی ممتاز ترین قومون مین ہین۔ نپولین کے سرجن جنرل نے عربون کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی تھی کہ ان

کی جسمانی بناوٹ ہر طرح اور ہر لحاظ سے اہل یورپ کی بہ نسبت زیادہ مکمل ہے اُن کے حواس خمسہ بہت اچھے ہین اُن کا قد انسان کے اوسط قد سے اونچا ہے - ان کا جسم خوبصورت اور مضبوط ہے - رنگ سرخ ہے - جسم کے لحاظ سے اُن کے عقلی قوی مضبوط ہین"

سب سے زیادہ قابل لحاظ پادری صاحب کا یہ فرمانا ہے کہ "عربون کو جمہوریت پسند خیال کرنا غلطی ہے وہ ہمیشہ سے امیر پرست تھے اور آج بھی ہین ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ پر یا ایک خاندان دوسرے خاندان پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش مین ہمیشہ مصروف رہتا ہے - نظام سیاسی یہ رہے کہ اُن مین امرا کی حکومت رہا کرتی ہے - عرب اس کو عزت کی نظر سے نہین دیکھتے جس کا نسب شرافت مین اُن سے کم ہو - اور مذہب نے ان کو سخت متعصب بنا دیا ہے - انھین پر منحصر نہین اقوام بنی سام کے تمام مذہب تعصب کی تعلیم دیتے ہین اتنا ہی نہین کہ اپنے مذہب کے مقابل دوسرے مذہب کو وہ سچا نہین مانتے بلکہ عموماً غیر مذہب والون کے ساتھ وہ نفرت حقارت اور عداوت سے پیش آتے ہین یہی حال یہود کا ہے -

عربون کو خدا نے یہ عقل ہی نہین دی ہے کہ کسی کام کو ایک نظر دیکھ کر اپنا کرلین - ایک عرب سنتری قائم الزاویہ نہین بنا سکتا - ایک عرب ملازم مربع میز پر چادر نہین بچھا سکتا - اس الزام کے دینے مین پادری صاحب اس حد تک تجاوز کر گئے ہین کہ فرماتے ہین عربون کا قدیم معبد کعبہ جیسے نام کا مطلب یہ ہے کہ وہ مکعب ہے اُس کی کوئی سمت یا اُس کا کوئی زاویہ بھی باہم مساوی و متناسب نہین ہے - اُن کے مکانون مین آج تک یہی نقص پایا جاتا ہے - اُن کے بازار کبھی سیدھے نہین ہوتے - دمشق کے ایک بازار کا نام مستقیم ہے - مگر وہ بھی سیدھا نہین ہے -

عرب قصبون کو پسند کرتے ہین جمعیت کو پسند نہین کرتے - وہ عمدہ سپاہی ہین مگر اچھے جرنیل نہین - جمہوریت کی اُن مین ذرا بھی حس نہین - مشترکہ طریقے سے کاروبار کرنا وہ جانتے ہی نہین - پبلک اسپرٹ کہین نام کو نہین - ہر شخص کو اپنی فکر ہے - یہی سبب ہے کہ یمن ترکون کی حکومت سے آزاد نہین ہو سکتا

اور یہی سبب ہے کہ ہر چھوٹے سے چھوٹے قصبے مین بھی مساجد کی کثرت ہے۔

پادری صاحب نے جہان تک بنا ہے عرب مین عیب نکالنے کی کوشش کی ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ تاریخ کے قدیم واقعات کو بھی موجودہ اہل عرب کی جانب منسوب کر دیا ہے۔ یمانیون اور نزاریون کا تعصب خلافت کے عہد اولین کا واقعہ ہے۔ اسلام سے پیشتر بھی یمانیون اور نزاریون یعنی قبائل آل اسماعیل مین کسی قدر نفرت تھی چنانچہ بعض موقعون پر ذی قوت حکمرانان یمن نے اس کی بھی کوشش کی تھی کہ کعبہ کی کشش کو مٹا دے اپنی سرزمین مین منتقل کر لین مگر اس مین کامیاب نہ ہوئے۔ تاہم یہ صاف نظر آتا ہے کہ کعبہ کو جس قدر محترم نزاری مانتے تھے یمنی بھی مانتے تھے۔ اور عہد جاہلیت مین نزاری و یمانی کا تعصب مطلق نہ تھا بلکہ خود یمانی قبائل مین باہم ایسی عداوتین تھین جیسی کہین یمنیون اور اسماعیلیون مین نہین نظر آسکتین۔ مثلاً یمن کے قبائل اوس و خزرج دونو اپنے آپ کو قحطانی یمنی سمجھتے تھے اور ڈیڑھ سو برس سے برابر باہم کشت و خون کرتے رہے تھے جس ہنگامے کو حضرت رسول خدا صلعم نے مٹایا۔

عہد اسلام مین جب بنی ہاشم و بنی امیہ کی رقابت بڑھی تو بعض سیاسی چالاک لوگون نے ان دونون گروہون مین ایک قصیدہ کہہ کے منافرت پیدا کر دی اور اس کا انجام یہ ہوا کہ وہی عرب جو بھائی بھائی فاتحون کی حیثیت سے ساری دنیا مین پھیلے تھے آپس مین لڑنے لگے۔ اس تعصب کا وہی خاص زمانہ تھا جبکہ خلافت بنی امیہ سے نکل کر بنی عباس مین آئی۔ تقریباً ایک صدی تک یہ آفت بھی رہی۔ اور اس کے بعد جا کے اس یمانی و نزاری کے اور طرح کے اختلافات پیدا ہوئے جن کو نسل و نسب سے نہین بلکہ خیالات و عقائد سے تعلق تھا۔

لہذا مین اس کو مشکل سے تسلیم کرونگا کہ عرب مین اب بھی وہ قدیم تعصب باقی ہے۔ ہان اس کے تسلیم کرنے مین عذر نہین ہو سکتا کہ عرب جہالت کے لحاظ سے پھر ویسے ہی ہو گئے جیسے کہ عہد جاہلیت مین تھے۔ اور اسلام کی تعلیم نے جو قوم ارض عرب مین پیدا کر دی تھی وہ فنا ہو گئی۔ اور اس کی

زیادہ تر وجہ یہ ہوئی کہ خلافت کا مرکز جب وسط عرب سے نکل کے شام و عراق مین منتقل ہو گیا تو جو عرب فرمان روا اور رؤسا اُن ملکون مین سکونت پذیر ہو گئے تھے اُنھون نے رومیون اور ایرانیون کی معاشرت اختیار کر لی۔ وہ خلیفہ سے شہنشاہ بن گئے۔ اور بادشاہ بن کر رعایا کو غلام سمجھنے لگے۔ یہ دیکھ کر اصلی عرب کے صحرائی باشندے اُن سے بالکل آزاد ہو گئے۔ خلفا کے قبضے مین ممالک دور و دراز تھے مگر عرب نہ تھا۔ ان تعلقات کے منقطع ہونے کا یہ انجام ہوا کہ عرب پھر اپنی قدیم بدویت و بے علمی کی طرف کھنچنے لگے۔ اور شام و عراق کے عربون نے تمدن اور علوم کے حاصل کرنے مین ترقی شروع کی۔ تھوڑے ہی دنون مین دو جدا قومین بن گئین۔ ایک بدوی اور جاہل تھی۔ اور دوسری اپنے تمدن مین رومیون اور ایرانیون کی جانشین۔ اور پھر یہ حالت پیدا ہوئی کہ خلافت کا فقط نام رہ گیا اور اصلی خلافت فنا ہو گئی۔

سرزمین عرب پر سے جب خلافت کی برکتین اُٹھ گئین تو جو اخوت یکسانی اور قومیت اُن مین اسلام نے پیدا کر دی تھی وہ بھی مفقود ہو گئی۔ اس مین شک نہین کہ اپنا ایک مرکز قائم رکھنے کے لیے ساری دنیا کے مسلمان ایک خلیفہ کو چاہتے اور اُسے اپنا پیش رو یا ولو الامر بنانا چاہتے ہین مگر حقیقت مین جو چیز تھی اُس کا اب پھر پیدا ہونا بادی النظر مین منجملۂ محالات معلوم ہوتا ہے۔ جو خلفا عرب کے باہر ہون گے وہ سب چاہے خادم دین بن جائین مگر واقعہ یہ ہے کہ اُن مین امام و مقتدائے دین بننے کی صلاحیت کوئی قوت نہین پیدا کر سکتی۔ اس لیے کہ اُن سے دوسرون سے لی ہوئی شہنشاہی اور اپنی پرستش کرانے کے جذبات کسی طرح دور نہین کیے جا سکتے۔ وہ قطعاً نفس پرست اور بندۂ ہوا و ہوس ہون گے۔ اور جہان تک دیکھا جاتا ہے ہین۔

رہا یہ کہ مکہ کے شریف یا عرب کے کوئی اور بزرگ خلافت کا دعویٰ کرین تو گم شدہ خلافت اسلام کا اُن مین پیدا ہونا اُس سے زیادہ دشوار ہے۔ وہ جاہلیت کے قبائل کے شیخ یا بعض قدیم عربی سلطنتون کے سریر آرا بن سکتے ہین مگر خلیفہ نہین بن سکتے۔ (باقی آیندہ)

روحِ لیلیٰ میری کوریلی کا دوسرا دلچسپ ناول جس میں روح انسانی کی سیر کی طرح روحانی مسائل کی عقدہ کشائی اور لامتناہی کی تحقیق کی گئی ہے عہ

دردِ فراق شہنشاہ تیمور اور سلطان بایزید کی مشہور جنگ قیمت - عمر

ماتا - سرزمین بابل کی دیوی ماتا کا با عظمت بت کدہ اور اس کی عجیب و غریب حکایتیں بخت نصر کی خونریزیاں عہ

جامِ زہر - بے مرضی کی شادی اور نوجوانی کی غلط کاریوں کا نتیجہ - ۴ر

لال کپتان شاہ ماتی نگر اور اسمعیل بیگ کی سنہ ۱۷۸۸ء کی جنگ حیرت انگیز واقعات کے ساتھ عشق کے رازو نیاز کی تصویریں - ۶ر

دلسوز شہر سومنات پر سلطان محمود غزنوی کا پرجوش حملہ مسلسل تاریخ پر محققانہ بحث ساتھ حسن و عشق کے **عقد الجواہر** جنہوں نے کبھی اس ناول کو دیکھ لیا ہو وہی جانتے ہیں کہ کس قدر دلچسپ اور پر لطف ہے قیمت - عہ

رازِ عشق - امریکہ کے مشہور سراغرساں نک کارٹر کی تصنیف خفیہ پولیس کے حیرت انگیز کارنامے - عہ

نگڈم سراغرسانی کے لیے بہت ہی مفید ناول اور نہایت دلچسپ - ۸ر

خوش قسمت - مسمریزم کے ذریعے سے انسان کیونکر قابو میں لایا جاتا ہے - عہ

محبوس سرگذشت - ناول کے پیرائے میں جنگ سومنات کی پوری تاریخ - ۱۰ر

معشوقۂ عرب - عربوں اور ترکوں کے طرزِ معاشرت پر ایک نہایت اچھوتا ناول - ۱۰

رزم بزم - کامل ہر دو حصہ - تنوج کی لڑائی - سلطان شہاب الدین کی فتح - اور راجہ جے چند کی شکست حسن و عشق کی ایک اچھی تصویر قیمت عہ

سبز باغ مسلمانوں کی فضول خرچی اور عیش کا نتیجہ - قیمت ۳ر

اُلو کی دُم فاختہ - ظرافت کا گنجینہ حماقتوں کا سفینہ ایک طرف ظرافت ایک طرف نصیحت - ۴ر

بادشاہ سلامت - خود رعایا کی سرکشی اور خاندان شاہی کی تباہی مگر بادشاہ کا خفیہ طور پر رعایا کا ساتھ دینا اور فتح کے بعد کاری زخم کھا کر گرنا اور اس وقت سب کا اسے پہچان کر شکر یے کے آنسو بہانا - ۱۴ر

مکار سرپرست - بدبخت سرپرست کی مکاری و دغابازی اور آخر کار مکافات کا عمل ہیں - عہ

متوالی بیراگن - پانی پت کی سب سے آخری جنگ پر ایک تاریخی ناول - احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کی مشہور لڑائی - مادھوجی سندھیا اور ایک بیراگن کا عشق - عہ

پی کہاں - رتن ناتھ سرشار کا مشہور ناول ۱۲

گنجینۂ سراغرسانی - یہ ناول خفیہ پولیس کے لیے ایک ہدایت نامہ اور تفتیش کرنیوالوں کا سچا رہنما ہے - قیمت ہر چہار حصہ عہ

المشتہر

محمد صدیق حسن پبلشر مہذب بک ایجنسی کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

دلگداز

مولانا شرر کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ جس نے زبان اردو کے علمی خزانے کو اعلیٰ لٹریچر سے مالا مال کر دیا ہے۔ خریداروں کو ایک سال خریدار رہنے کے بعد اگر وہ دوسرے برس بھی خریدار رہیں تو مولانا ممدوح کا ایک نیا ناول مفت نذر کیا جاتا ہے اور وہی سال ما بعد کے چندے اور محصول ڈاک پر وی پی روانہ کر دیا جاتا ہے۔ قیمت سالانہ مع محصول ڈاک عہ/ دلگداز کا وی پی عہ/ کا اور ناول کا وی پی اس کا محصول شامل کر کے عہ/ کا بھیجا جاتا ہے۔

دلگداز کی نامکمل جلدین		دلگداز کی مکمل جلدین			
جلد سنہ ۱۹۰۹ء	۱۰/	جلد سنہ ۱۹۱۲ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۰۴ء	عہ/
جلد سنہ ۱۹۱۰ء	۱۵/	جلد سنہ ۱۹۱۳ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۰۵ء	عہ/
جلد سنہ ۱۹۱۱ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۱۵ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۰۶ء	عہ/
جلد سنہ ۱۹۱۸ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۱۶ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۰۷ء	عہ/
منتخب مضامین ۱۸۸۷ء (۱۰/)		جلد سنہ ۱۹۱۷ء	عہ/	جلد سنہ ۱۹۰۸ء	عہ/

دل افروز

ناولون کے شائق خصوصاً مولانا شرر کے ناولون کے شیدا اس رسالے کو ضرور خرید فرمائین جس مین ہمیشہ دو نئے ناولون کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مجموعی صفحات ٹائٹل کے علاوہ (۳۲) ہوتے ہین۔ پہلا ناول مولانا کا طبع زاد ہوتا ہے۔ اور دوسرا انگریزی کے کسی ناول کا ترجمہ۔ سالانہ چندہ مع محصول ڈاک (عہ/) ہر سال پہلی سے دل افروز کا سال شروع ہوتا ہے اور اپریل کا پرچہ دو روپیہ ایک آنہ (عہ/) پر وی پی بھیج کے سالانہ چندہ وصول کر لیا جاتا ہے۔ نمونے کے واسطے ۳/ کا ٹکٹ آنا چاہیے۔

منیجر دلگداز و دل افروز

ضمیمہ دلگداز

مورخ !!!

اعلیٰ لٹریچر اور خالص تاریخ کا ایک ماہانہ رسالہ جس مین مختلف مضامین نہین مکمل تاریخین سلسلہ وار شائع ہوتی ہین اور ایسا انتظام کر دیا گیا ہے کہ چند روز کے اندر آپ کی زبان مین تمام قومون اور ملکون کی مبسوط اور ضخیم اور مفصل و واضح تاریخین پیدا ہو جائین گی۔

فی الحال مورخ مین مولانا شرر صاحب کی مشہور تاریخ ”ارض مقدس“ کے ۴۸ صفحے ہوتے ہین اور اس کے بعد ۳۲ صفحون پر کانڈی کی مشہور تاریخ ”دولت ہسپانیہ عرب“ کا ترجمہ پورا رسالہ پانچ جز یعنی ۸۰ صفحون پر ہوتا ہے۔ مورخ کا سالانہ چندہ پانچ روپیہ رکھا گیا ہے۔ اور محصول ڈاک ۶/ سالانہ پر مورخ جاری کر دیا جائے گا نمونے کے لیے ۸/ مرحمت ہون۔ ہمین حامیان زبان اردو اور مولانا شرر کے لٹریچر کے قدر دانون سے امید ہے کہ اس رسالے کی ضرور مربی گری کرین گے اس کا خریدنا زبان اردو کی سچی خدمت ہے توجہ فرمائیے قدر دانی کیجیے اور خود اپنی اور اپنی زبان کی خدمت کیجیے۔ المشتہر

محمد صدیق حسن سب ایڈیٹر دلگداز و ایڈیٹر مورخ کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

تصانیف مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر

تاریخ و سوانح عمریاں

(۱) جنید بغدادی۔ حضرت جنید کے حالات۔ ۸/

(۲) ابو بکر شبلی۔ حضرت شبلی کے حالات۔ ۸/

(۳) تاریخ سندھ۔ عرب کی فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ ۸/

(۴) عصر قدیم۔ اقوام سلف کی نہایت واضح تاریخ ۸/

(۵) حروب صلیبیہ۔ انگریزی سے ترجمہ اور عربی سے تحشیہ

(۶) خاتم المرسلین۔ حضرت سرور عالم صلعم کے حالات

(۷) عرب قبل از اسلام۔ تاریخ ارض مقدس کی تیسری جلد

(۸) خواجہ معین الدین۔ حضرت خواجہ اجمیری کے حالات۔ ۶/

(۹) سکینہ بنت حسین۔ جناب سکینہ بنت امام حسین ۶/

(۱۰) افسانۂ قیس۔ مجنون عامری کے حالات۔ ۳/

(۱۱) حسن بن صباح۔ بانی فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ ۶/

(۱۲) قرۃ العین۔ ایک مجتہد زادی کے حالات۔ ۲/

(۱۳) شیریں ملکۂ عجم۔ فرہاد و خسرو کی نامور معشوقہ۔ ۲/

(۱۴) ملکۂ زنوبیہ۔ سلف کی ایک عربی شہزادی ملکہ ۴/

ناول

(۱۵) جویائے حق۔ حضرت رسول صلعم کی سوانح عمری بطور ناول ۸/ حصہ دوم

(۱۶) بابک خرمی۔ سلطنت عباسیہ کے زمانہ کا ایک تاریخی قصہ دو حصہ

(۱۷) مفتوح فاتح۔ ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول۔ ۸/

(۱۸) الفانسو۔ ایک عاشقانہ تاریخی ناول۔ ۱۲/

(۱۹) خوفناک محبت۔ ہندوستانی شریف زادی لڑکی کی پاکدامنی و جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہو سکتی۔ ۸/

(۲۰) حسن کا ڈاکو۔ حرام پور کے نواب کی سرگزشت ہر دو حصہ

(۲۱) اسرار دربار حرام پور۔ حرام پور کے نواب کے دربار کے حالات سر دو حصہ ۱۰/

(۲۲) غیب دان دولہن۔ حیرت انگیز غیب دانی۔ ۸/

(۲۳) اروستہ الکبریٰ۔ روم پر گاتھ قوم کا حملہ

(۲۴) ماہ ملک۔ عزیز یونان کا عروج

(۲۵) بعثت چین۔ پہلی صدی ہجری کا تاریخی ناول

(۲۶) ایام عرب۔ جاہلیت عرب کی تصویر مکمل ہر دو جلد

(۲۷) مقدس نازنین۔ ایک حسینہ کا پوپ بن جانا۔ ۸/

(۲۸) شوقین ملکہ۔ دوسری صلیبی لڑائی۔ ۸/

(۲۹) قیس و لبنیٰ۔ عہد صحابہ کا ایک سچا عاشق۔ ۸/

(۳۰) فلورا فلورنڈا۔ اندلس میں سلطنت عرب ۸/

(۳۱) آغا صادق کی شادی۔ ایک عجیب قصہ ۱۰/

(۳۲) فتیانا۔ عہد صحابہ کا ایک جاسوسی قصہ

(۳۳) فردوس بریں۔ جیتے جی جنت کی سیر ۸/

(۳۴) یوسف نجمہ کامل ۸/

متفرقات

(۳۵) الحکم الرفاعیہ۔ سلطنت بن سید احمد رفاعی کے ایک رسالہ کا ترجمہ۔ ۲/

(۳۶) سر سید کی دینی برکتیں۔ ۲/

(۳۷) ہندوستان کی موسیقی۔ مولانا شرر کا لکچر ۲/

(۳۸) اردو سے ہندوستان کا تعلق ۲/

(۳۹) زمانہ اور اسلام۔ مولانا شرر کی مشہور نظم ۲/

(۴۰) شب وصل۔ ۱/

(۴۱) شب غم ۱/

متفرق مطبوعات دلگداز پریس

(۴۲) اتالیق بی بی۔ میاں کی حرکتوں پر بیانی کی نکتہ چینی

(۴۳) سلیمان فرمان روایان ہند۔

(۴۴) بادشاہ عمل۔ ایک نہایت دلچسپ ناول موسوم بہ ... کا ترجمہ حصہ اول حصہ دوم حصہ سوم

(۴۵) دولت ہسپانیہ۔ ترجمہ تاریخ ... حصہ اول حصہ دوم حصہ سوم

حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز کٹرہ بزن بیگ خان لکھنؤ

ابوالعتاہیہ

ابوالعتاہیہ سے فضل بن ربیع سے بڑی دوستی تھی ہرون رشید کی وفات کے بعد جب فضل خراسان سے واپس آیا تو ابوالعتاہیہ کے چند شعر سُنے جن مین بے ثباتی عالم دکھائی گئی تھی دو چار روز بعد پھر اُس کے چند شعر سُنے تو ان مین اُس نے بیوفائی زمانہ کی نظامین خاندان برامکہ کی تباہی کو پیش کیا تھا۔ فضل کو ان لوگون سے نفرت تھی۔ اُن کا نام سنتے ہی سخت ناراض ہو گیا۔ اور اس واقعے کے بعد سے پھر اُس مین اور ابوالعتاہیہ مین وہ تعلقات نہین باقی رہے۔ ابوالعتاہیہ نے فضل کی ناراضی کا حال حسن بن سہل سے بیان کیا۔ اُس نے کہا فضل ان اشعار سے ناراض ہو گئے تو مضائقہ نہین مین تو بہت خوش ہون۔ یہ کہہ کے ابوالعتاہیہ کو دس ہزار درہم اور دس قیمتی تھان عطا کیے۔ اور ماہوار تین ہزار درہم مقرر کر دیے۔ اور مرتے دم تک دیتا رہا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شعرا کی اس دور مین کس قدر قدر تھی اور یہی چیز ہے جس نے عربی ادب و شاعری کو اس قدر نشو و نما دیا۔

اُس عہد کا ایک نامور شخص رجا بن سلمہ کہتا ہے کہ مامون رشید کسی بات پر مجھ سے ناراض ہو گیا مین نے سامنے سے ٹلنے کے لیے حج کی اجازت مانگی۔ اور اُس نے دیدی۔ مین بغداد سے روانہ ہو کے بصرے مین آیا۔ اور وہان کے حاکم عبیداللہ بن اسحٰق سے ملا۔ وہی اُس سال امیر حج مقرر ہوا تھا لہذا اُس کی ہمراہی مین مین نے ارض حجاز کی راہ لی۔ مکہ معظمہ مین ایک روز طواف کر رہا تھا کہ دیکھا ابوالعتاہیہ بھی مصروف طواف ہے۔ مین نے عبیداللہ کو دکھایا کہ وہ دیکھیے

اَبُو العتاہیہ طواف کر رہا ہے۔ اُس نے کہا مجھے اِس سے ملنے کا شوق ہے۔ چاہتا ہون کہ اِس کی صحبت سے لطف اُٹھاؤن۔ مین نے کہا تو "اچھا اسے طواف سے فارغ ہو لینے دیجیے۔ اور آپ تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس سے ٹل جائیے۔" وہ چلا گیا۔ اور مین نے بڑھ کے اَبُو العتاہیہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا "اَبُو اسحٰق یہ بصرے کے ایک شخص سے ملین گے جو شاعر ہے ادیب ہے اور ظریف ہے۔" کہنے لگا "ایسا شخص بھلا کہان نصیب ہو سکتا ہے؟" مین نے اُس کو لے جا کے عبیداللہ کے سامنے کھڑا کر دیا اور کہا دیکھیے وہ یہ ہین۔" اس تعارف کے بعد دونون بڑی دیر تک باتین کرتے رہے اور آخر ابو العتاہیہ نے کہا "مین دو شعر پڑھتا ہون۔ آپ اُن مین دو شعر اور بڑھا دیجیے۔" عبیداللہ نے قرآن کی آیت پڑھی کہ "لا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج" (حج مین فحش ہونا چاہیے۔ بدکاری۔ جھگڑا) ابو العتاہیہ نے کہا "اس مین سے کوئی بات نہ ہوگی" اور اپنے دو شعر سُنائے۔ عبیداللہ نے تھوڑے تامل مین اُسی وزن و قافیہ مین دو شعر کہہ کے سُنائے۔ ابو العتاہیہ نے بہت پسند کیا اور زمانہ مابعد مین اُن دونون شعرون کو بھی لوگ اَبُو العتاہیہ کی طرف منسوب کرنے لگے۔

مختلف واقعات کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرون رشید نے ایک ہی دفعہ نہین کئی بار اُسے قید کیا چنانچہ ایک بار کا واقعہ ہے کہ قیدخانہ نہایت تاریک تھا اور اُسے قیدخانے مین داخل ہوے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ کسی شخص کو اپنے قریب دو شعر پڑھتے سُنا۔ بے اختیار بول اُٹھا "خدا تم پر رحمت کرے ذرا پھر تو پڑھنا!" اُس شخص نے آواز سے پہچان کے کہا "کمبخت اَبُو العتاہیہ تو بڑا بدتمیز اور بے عقل ہے۔ مین قیدخانے مین آیا تو نہ تو نے سلام کیا جو مسلمان کا مسلمان پر حق ہے۔ نہ مزاج پُرسی کی جو ہر شریف سے کیا کرتا ہے۔ نہ کسی قسم کی ہمدردی کی جو ہر مصیبت زدہ کو [illegible] زدہ کے ساتھ کرنی چاہیے۔ مین نے اظہار حسرت و [illegible] وہ مین شعر پڑھے تو کہنے لگا پھر سُنانا!" جواب دیا "بھائی۔ مین ایسی مصیبت مین مبتلا اور دہشت زدہ تھا کہ ان تمام فرائض انسانی کو بھول گیا۔ لہذا میرا قصور معاف کرو۔ اور زیادہ ملامت نہ کرو۔" اُس نے کہا "بخدا مین تم سے زیادہ دہشت زدہ اور پریشان ہون۔ تم تو شعر نہ کہنے پر قید ہوئے ہو۔ جب شعر کہو گے آزاد ہو جاؤ گے۔ مگر مین اس جرم پر ماخوذ ہون کہ قاتل کو ابن رسول اللہ صلعم کے سر پر لے جا کے نہین کھڑا کر دیتا کہ انھین قتل

کرے۔ اور صاف کہہ دیا گیا ہے کہ اگر میں نے یہ کام نہ کیا تو قتل کی سزا پاؤں گا مگر یہ کام خدا کی قسم مجھ سے نہ ہوگا۔ اس لیے یقین جانو کہ جب اس قیدخانے سے نکلوں گا تو قتل ہونے ہی کے لیے نکلوں گا۔ اب تم ہی بتاؤ کون زیادہ دہشت زدہ ہے؟ میں یا تم؟" ابوالعتاہیہ نے کہا "خدا کی قسم آپ زیادہ خوفناک حالت میں ہیں۔" ان باتوں کے بعد اُس نے دونوں شعر سنا دیے اور ابوالعتاہیہ نے یاد کر لیے۔ اور پوچھا "آپ کون ہیں؟" کہا "میں عیسیٰ بن زید اور ان کے فرزند احمد کا داعی ہوں۔"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ صبح ہوتے ہی قفل کے کھلنے کی آواز آئی۔ اُس شخص نے پانی سے جو پاس رکھا تھا وضو کیا۔ ایک [illegible] پڑھ چکے۔ اتنے میں بہت سے فوجی لوگ ایک شمع لیے ہوئے اندر داخل ہوئے اور ہم سب کو باہر نکال کے لے گئے۔ اور سب سے پہلے اس شخص کو ہارون رشید کے سامنے پیش کیا۔ رشید نے صورت دیکھتے ہی اُس سے کہا "احمد بن عیسیٰ کا پتہ بتاؤ۔" اس نے کہا "جو چاہیے پوچھیے۔ مگر یہ نہ پوچھیے۔ آپ کا جو جی چاہے کریں مگر اس کی امید نہ رکھیں۔ اس لیے کہ وہ اگر میرے ان کپڑوں کے اندر بھی چھپے ہوتے تو میں نہ بتاتا۔" اس جواب کا یہ قطعی نتیجہ تھا کہ رشید کے حکم سے اُس کی گردن مار دی گئی۔

اب رشید نے ابوالعتاہیہ کو سامنے بلوایا۔ اور کہا "معلوم ہوتا ہے تم ڈر گئے؟" اُس نے کہا "جی ہاں یہ واقعہ ہی ایسا تھا۔ یہ تو بڑا اہم معاملہ تھا اس سے چھوٹی چھوٹی باتوں سے انسان کا دل پانی پانی ہو جایا کرتا ہے۔" یہ سنتے ہی رشید اس قدر برافروختہ ہوا کہ کہا "انھیں پھر قیدخانہ میں لے جا کے بند کر دو۔" چنانچہ وہ پھر اُسی قیدخانے میں بند کر دیا گیا جہاں اُس کا بیان ہے کہ میں بار بار ان اشعار کو پڑھتا اور ان پر اور شعر لگاتا تھا۔ یہاں تک کہ قید سے آزادی نصیب ہوئی۔

سلم خاسر اُس عہد کے دربار رس لوگوں میں تھا کہتا ہے "ایک بار ابوالعتاہیہ میرے پاس آیا۔ میں نے پوچھا "آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟" کہا "آپ کی زیارت کو۔" میں نے مسکرا کے کہا "تو زیارت مقبول و مشکور ہوئی۔"

آ بیٹھیے" بولا "یہ تو میرے لیے بہت ہی دشوار ہے" میں نے کہا "آخر تمھاری کیا وجہ۔ ساری دنیا میں کسی کو یہاں بیٹھنا دشوار نہیں اور آپ کو دشوار ہے۔" کہا "ہاں ایسا ہی ہے۔ دنیا بھر میں کسی کو آپ کی تنگدلی کی خبر نہیں اور میں اُس سے واقف ہوں" یہ سُن کے مجھے ہنسی آگئی۔ اور دیر تک اُس سے بحث کیا رہا۔ آخر اُس نے کہا "میں اب مشغول ہوں تو ان کو چھوڑ کے میرے چند اشعار سن لیجیے" میں خاموش ہو گیا۔ اور اُس نے سات آٹھ شعر سُنا کے کہا "کہیے کیسا کہا؟" میں نے کہا "آپ نے کہا تو اچھا ہے مگر کاش ان شعروں میں مبتذل بازاری الفاظ نہ ہوتے" بولا "اس کی وجہ نہ پوچھیے۔ جیسے مذاق اور جیسی باتوں میں آپ کو مشغول پایا ویسے ہی محاورے بھی اختیار کیے"

ابو العتاہیہ کے بخل کا تذکرہ گزر چکا ہے کسی شخص نے اس سے کہا "خدا نے آپ کو جو رزق دیا ہے اُس میں آپ بخل کیوں کرتے ہیں؟" کہا "خدا کی قسم مجھے جو رزق ملا ہے اُس میں میں نے کبھی بخل نہیں کیا" اُس نے کہا "گھر میں پیسہ دولت بھری ہے وہ کس دن کے لیے ہے؟" کہا "وہ میرا رزق تھوڑا ہی ہے۔ میرا رزق ہوتا تو میں اُسے خرچ نہ کرتا؟"

لیکن اصل یہ ہے کہ وہ چاہے جیسا اور جن صفات کا آدمی ہو اُس کے اشعار نے عام مسلمانوں اور خلفائے بنی عباس پر بڑا اثر ڈالا تھا عموماً وہ اخلاقی نصیحتوں کو ایسے دلکش عنوانوں سے نظم کرتا کہ جو سُنتا اُس کے دل نشین ہو جاتیں۔ رشید ایک روز دو کاغذ ہاتھ میں لیے ہوئے محل سے نکلا جن میں اُس کے چند اشعار لکھے ہوئے تھے۔ اور اپنے بیٹے کے معلم کو ایک کاغذ دے کے کہا "یہ اشعار میرے فرزند کو یاد کرا دو" اور دوسرا کاغذ اپنے نامور مغنی اسحق کو دے کے کہا "ان شعروں میں اچھی سی دُھنیں قائم کر کے مجھے سُناؤ"

مامون رشید کو اُس کے اشعار کثرت سے ازبر تھے۔ اور وقتاً فوقتاً اُس کی زبان پر جاری ہو جاتے۔ معتصم باللہ اگرچہ ان پڑھ جاہل تھا مگر جب اُس کے مرنے کا وقت آیا تو اپنے ولی عہد فرزند ابو اثق باللہ کو

نے کہا اب تمہارے باپ کی خیریت نہین ہے" اور اس کے بعد بیوفائی دنیا پر ابوالعتاہیہ کے دو شعر پڑھے۔

ابوتمام طائی جو مشہورترین ادبائے زبان عرب مین گزرا ہے اکثر کہا کرتا کہ ابوالعتاہیہ نے پانچ ایسے شعر کہے ہین جن سے اچھے دنیا مین آج تک نہ کوئی کہہ سکا ہے نہ آیندہ کہہ سکے گا۔

ایک شخص کا بیٹا مر گیا تھا۔ اُس کا باپ زار و قطار رو رہا تھا۔ لوگ ہزار سمجھاتے تھے مگر اُس کے دل کو کسی طرح تسکین نہ ہوتی تھی۔ اتنے مین ابوالعتاہیہ نے بے ثباتی عالم پر ایسے دو شعر پڑھ دیے کہ اُس کو سارا غم بھول گیا۔ اور دفن کے وقت یہ حالت تھی کہ جتنے آدمی جنازے مین شریک تھے اُن کو سوا اُن دو شعرون کے کچھ یاد نہ تھا۔

کوئی مسلمان عابد کسی نصرانی راہب کی خانقاہ مین گیا اور اُس سے کہا "مجھے کچھ نصیحت کیجیے" اُس نے کہا "تم پر قرآن اُتر چکا ہے اور تمہارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ابھی تھوڑا ہی زمانہ ہوا ہے بھلا مین تم کو کیا نصیحت کرونگا؟" اُس نے کہا "سب درست ہے مگر اس وقت تو مین آپ ہی سے نصیحت سننا چاہتا ہون" اُس نے کہا "تو پھر مین تم کو تمہارے ہی ایک شاعر ابوالعتاہیہ کا ایک شعر سنائے دیتا ہون اس کو یاد کر لو اسلیے کہ اُس سے اچھی نصیحت نہین ہو سکتی وہ شعر یہ ہے۔

تجرد من الدنیا فانک انما — وقعت الی الدنیا وانت مجرد

تو دنیا سے مجرد (الگ) ہو جا اس لیے کہ تو دنیا مین مجرد ہی آیا تھا۔ اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ ابوالعتاہیہ کے اشعار اُسی زمانے مین امرا و شعرا و علما و فقہائے اسلام کے دائرے سے گزر کے نصرانی راہبون تک پہونچ گئے تھے۔

عتابی شاعر مامون کے پاس آیا اس نے اس کو اسحق کے پاس ٹھہرایا۔ اور اسحق نے اُسے اپنے کاتب ثمامہ کے پاس ٹھہرا دیا۔ اس لیے کہ ثمامہ کے گھر مین اکثر شعرا اور ادیبون کی صحبت رہا کرتی تھی۔ چنانچہ ایک دن عتابی کی موجودگی مین کچھ شاعرون کا تذکرہ ہوا۔ عتابی نے کہا "تمہارا وہ عیوب کنیت والا شاعر کہان ہے؟" لوگون نے

ابو نواس کا ذکر کیا تو اُس نے ناگواری سے کہا "مین اُسے کیا جانون"۔ چند منٹ کے بعد کسی نے کہا "شاید آپ کی مراد ابو العتاہیہ ہین"۔ کہنے لگا "ہان وہ شاعر ہے جو تمام اگلے اور پچھلے شاعرون سے بڑھا ہوا ہے"۔

ابو نواس نہایت ہی رند مشرب اور بدکار شاعر تھا۔ ہمیشہ رندون کی صحبت اور عیش و طرب کی محفلون مین رہا کرتا۔ اس پر ایک دن ابو العتاہیہ نے اُس کی بڑی لعنت و ملامت کی۔ ان نصیحتون پر ابو نواس نے رندانہ مذاق اور بیباکانہ کے دو ایسے شعر پڑھے کہ ابو العتاہیہ غصہ مین آ کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور اُس کو گالیان دیتا ہوا چلا گیا۔ مگر ابو نواس اُس کے اس بگڑنے پر بیٹھا ہنستا رہا۔

ہارون رشید کو ملاحون کا نغمہ بہت پسند تھا جو وہ دجلے مین کشتیان چلاتے وقت گایا کرتے۔ لیکن اُن کی لے اور دُھن تو پسند تھی جن اشعار کو وہ گاتے وہ ایسے بیہودہ اور مبتذل تھے کہ اُن سے تکلیف ہوتی۔ چنانچہ اُس نے اپنے شعرا کو حکم دیا کہ اِن لوگون کی دُھن اور لے مین کچھ اشعار کہہ دین۔ لوگون نے کہا "یہ کام تو ابو العتاہیہ کے سوا اور کسی سے نہ ہو سکے گا"۔ مگر وہ قید خانے مین تھا۔ رشید نے قید خانے ہی مین اُس سے یہ فرمائش کر دی۔ ابو العتاہیہ کو بڑا غصہ آیا کہ شعر کی تو فرمائش کر دی مگر اس کی توفیق نہ ہوئی کہ مجھے آزاد کر دیتا۔ جھنجھلا کے کہا "اچھا ایسے شعر کہون گا کہ رشید کو بجائے دلچسپی اور لطف کے بے انتہا صدمہ ہو"۔ چنانچہ سولہ سترہ شعر کہہ کے ملاحون کو دیے اور اُن کو خوب یاد کرا دیے۔ اسکے بعد رشید ایک دن بجرے پر سوار ہو کے سیر دریا کو نکلا تو اُن ملاحون نے وہ شعر اپنی لے مین گانا شروع کیے۔ رشید کی نسبت کہتے ہین کہ نہایت سخت دل آدمی تھا اور چاہے کیسی ہی مصیبت پیش آئے آنکھون سے آنسو نہ نکلتے۔ یہ نغمہ جو سُنا تو دل پر قیامت کا اثر ہوا۔ تھوڑی ہی دیر مین آنکھون سے سیل اشک جاری ہو گیا۔ اور ایسی بیتابی و بیقراری سے رونے لگا کہ لوگون کو اندیشہ ہوا اُس کو کوئی صدمہ نہ پہونچ جائے۔ چنانچہ فضل بن ربیع نے جو ہمراہ ساتھ تھا ملاحون کو اشارہ کیا کہ گانا موقوف کرو۔ جب اُنھون نے وہ نغمہ موقوف کیا تو رشید کو سکون ہوا۔ اور ابو العتاہیہ کے کلام کے اثر پر [illegible]

تعجب ہوا۔

یہ اشعار عربی کتب حالات عرب میں موجود ہیں جن کو عربی کا ذوق ہو خود پڑھ لیں۔ ترجمہ میں لطف نہ آئے گا۔

یحییٰ اور مریم

بیت: نیست بجز عشق کہ ہیچش کنارہ نیست ÷ آنجا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست

سچ ہے۔ اور بالکل سچ ہے کہ عشق لاابالی ہے۔ بے خوف اور نڈر رہتا ہے۔ قوت آفت باستم۔ اور قدرت دست درازی کرنا۔ پروا نہیں کرتا۔ بے مروت بھی بلے درجہ کا ہے جس نے اس کو اپنے دل میں جگہ دی اس کو کیڑے کی طرح کھا گیا۔ موم کی طرح پگھلا دیا۔ اس کے سیدھے قد کو کمان کی طرح دوہرا کر دیا۔ اس کے گلاب کے ایسے تر و تازہ گالون کو پژمردہ بنا دیا۔ اس کے ظلم کی کوئی حد نہیں۔ راجاؤن کے راج بے وجہ چھینے تو اسی نے چھینے۔ شاہون کے تاج بلا سبب خاک مین ملائے تو اسی نے۔ مجنون کی جان اسی نے لی۔ فرہاد کو اسی نے مارا۔ ایک ظلم ہو تو کہا جائے۔ ایک حادثہ ہو تو بیان کیا جائے۔ ہزارون حادثے ہین۔ کوئی کہان تک کہے؟ اور کہان تک بیان کرے؟

غیر موزون نہ ہوگا۔ اگر اس کو دوسرے الفاظ مین جن اور بھوت کہین۔ اس کا سایہ ایسے ویسے گرے پڑے ضعیف و ناتوان۔ اور بوڑھے آدمیون پر نہین ہوتا بلکہ نوجوانون پر ہوتا ہے اور نوجوان بھی ایسے۔ جو حسین ہون خوبصورت ہون۔ کیونکہ اس کو نوخیزون کی جوانی خاک مین ملانے مین بہت مزہ آتا ہے۔ دنیا کی نظرون مین مسلمان اور عیسائی یہودی و آتش پرست امیر و غریب کی حالتون مین بہت فرق ہے۔ لیکن اس کی ستم آگین نگاہون مین سب برابر ہین۔

باوجودیکہ وہ ظالم اور مشہور و معروف ظالم بے رحم اور نا رحم ہے۔ مگر بنی نوع انسان بوڑھے اور جوان بدصورت اور خوبصورت شہری اور دیہاتی عالم اور جاہل سب اس کے قدمون کے نیچے اپنی آنکھین بچھانے کو

تیار ہین۔ یہ جس قدر زیادہ ظلم کرتا ہے اسی قدر زیادہ اُس کو عزیز جانتے ہین۔ یہ نت نئی آفتین ڈھایا کرتا ہے اور وہ خوشی خوشی جھیلتے ہین۔ مدتین ہوئین ایک عربی شاعر نے کہا ہے کہ "اے عشق مین صرف تیرے ہی ساتھ خوش رہ سکتا ہون" اُس کا یہ شعر خطۂ عرب کے رہنے والون کو اس قدر پسند آیا کہ اُنھون نے اس کو سنہرے حرفون مین لکھوا کر اپنی عمارتون کی دیوارون مین آویزان کر دیا۔ حتی کہ عرب کے ریگستانون کا چرواہا بھی اپنے غم غلط کرنے۔ وقت کاٹنے یا دل بہلانے کو اسی شعر مین ترنم کیا کرتا ہے اور اس کو اپنے دلکش راگ "حجاز" کی دھن مین گاتا ہے۔

ظہر کا وقت تھا۔ سورج کی دہکتی ہوئی آگ کی تپش سے اہل صنعا جھلسے جاتے تھے۔ چونکہ یہ نماز کا وقت تھا۔ اس لیے بیخبرون کو آگاہ کرنے کے لیے اونچی آواز والا موذن ہاتھ کانون سے لگائے آنکھین اوپر اُٹھائے دلون کو ہلا دینے والا نعرۂ تکبیر لگا رہا تھا۔ اور محلہ "الخزمی" کے رہنے والون کو نماز کی دعوت دے کے اُنھین خدا کے گھر کی طرف بلا رہا تھا۔ اور وہ بندے جن کے دلون مین خدا کا خوف تھا دنیا کے کامون سے ہاتھ اُٹھا۔ اور دلون کو خدا کی طرف پھیر۔ مسجد "جامع التواشی" کی طرف جلد جلد قدم بڑھانے لگے۔ ان مین یحیی نام ایک خوبصورت یمنی نوجوان بھی تھا۔ جو اپنا دل خدا سے لگائے اور اُس پاک ہستی اور مکمل ذات رسالت صلعم کے احکام سر آنکھون پر رکھے سر جھکائے خاموش چلا آرہا تھا۔ جس وقت وہ مسجد کی سنگ مرمر کی شفاف سیڑھیون پر چڑھ رہا تھا یکایک ایک جوان دوشیزہ لڑکی جو بظاہر مسیحیہ معلوم ہوتی تھی اُدھر سے گذری یحیی کی نظر اُس پر پڑی۔ اور عشق بے کچھ کہے سنے آنکھون کی راہ سے اُس کے دل مین جا دھمکا۔ اور وہ محویت کے عالم مین حیران تھا دیکھتا رہ گیا۔

یہ لڑکی پری تھی مگر اُس کے پر نہ تھے۔ حور تھی لیکن جنت سے باہر چاند کا سا مکھڑا۔ بوٹا سا قد۔ ہرن کی سی آنکھین۔ بگلے کا سا سفید گورا رنگ گلا

کے ایسے گول موتیوں کے سے دانت ۔ مستانہ چال ان سب باتوں نے ملکر اُس کے لطیف پیکر میں ایسی مقناطیسی اثر پیدا کر دیا تھا کہ ہر فرد بشر کی آنکھیں خود بخود اُس کی طرف کھنچی چلی جاتی تھیں۔

آخر وہ دروازہ "باب البالقة" سے گذر کر نظر سے اوجھل ہو گئی اور یحیٰی بھی نہایت افسردگی سے مسجد میں داخل ہوا۔ مگر اب اُس کا دل وہ دل نہ تھا جو اس سے ذرا پہلے تھا۔ اور اس کا یہ نیا دل زبان حال سے کہہ رہا تھا۔

قبلہ و محراب من ابروے دلدارست و بس + این دل شوریدہ را با این ہمہ دیوار کار

اُس کے پاؤں جو سمند تیز گام کی چال چلکر خدا کے گھر جایا کرتے تھے۔ اب ہزار ہزار من کے ہو گئے تھے۔ چنانچہ آج ظہر کی نماز میں یحیٰی سے وہ صدق دل اور خلوص نہیں ظاہر ہوا جو پہلے اس کا معمول تھا۔ اور اُس کی ہر ایک حرکت سے اس امر کا بخوبی پتہ چلتا تھا کہ اُس کے نئے دل نے کسی اور کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔ اور پرانے خدا کو جو معبود حقیقی ہے چھوڑنا چاہتا ہے خدا اس پر فضل کرے اور گمراہی سے بچا لے!

عرب میں یہ مشہور کہاوت ہے کہ "القلب یہدی الی القلب" یعنی دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔ اس ضرب المثل کے لحاظ سے بھلا یہ ممکن ہے کہ یحیٰی اُس کے دام محبت میں پھنس جائے۔ اور اُسے خبر نہ ہو۔ اُس کے سینے میں آتش محبت کے جھلسا دینے والے شعلے پیدا ہو جائیں اور گرمی نہ پہونچے۔ غرض اس پریوش لڑکی نے اتنا محسوس کر لیا کہ یمنی نوجوان میرا شیدا ہو گیا ہے اور اس احساس کے ساتھ ہی اُس کے دل میں بھی محبت کی قیامت خیز آگ مشتعل ہو گئی۔ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے۔ اس کو یمنی نوجوان کا تصور بندھا رہتا۔ اُس کی صورت ہر وقت اُس کی آنکھوں کے سامنے رہا کرتی۔ اُسے یقین تھا کہ حبیب کے ہر وقت یاد کرنے سے درد دل رفع ہو جائے گا۔ مگر افسوس حبیب کی یاد نے اُس کے درد کو دفع کرنے کے بجائے روز بروز زیادہ بڑھایا۔ اور

اس کی بیقراری کو ترقی ہوتی گئی۔ اُسنے اپنے حبیب کے دیدار کا سخت تہیہ تھا۔ مگر ہمیشہ ترستی رہ جاتی۔ دیدار میسر ہوتا تو کیونکر؟ وہ نہین جانتی تھی کہ اس کا حبیب کون ہے۔ اور کہان رہتا ہے؟

اس واقعے سے ایک ہی مہینے بعد ایک دن عصر کے وقت یحییٰ "بیرالغربا" کے وسیع باغ مین ہری گھانس کے مخملی گدے پر بیٹھا اپنی گمنام معشوقہ کے خیال مین ہمہ تن محو تھا۔ وہ لڑکی بھی تفریحاً خراماں خراماں ادھر سے گذری۔ آنکھین چار ہوئین تو فرط خوشی سے دونون کے دل دھڑکنے اور کلیجے بلیون اُچھلنے لگے۔ چہرون پر سرخی دوڑ آئی۔ آنکھین جھپک اُٹھین۔ اور لبون پر مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ یحییٰ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ نہایت محبت سے اپنی محبوبہ کو سلام کیا۔ اور بولا! "آپ بُرا نہ مانین۔ واقعی مین نے بڑی جرأت کی ہے۔ لیکن جان بوجھکر نہین۔ جو کچھ ہوا بے اختیاری سے ہوا۔ مین آپ سے معافی چاہتا ہون"۔ لڑکی کچھ دیر تو شرماتی رہی۔ پھر بولی "آپ معافی کیون مانگتے ہین؟ آپ نے کوئی بدتمیزی کی بات تو نہین کی"۔ یحییٰ۔ ٹھیک ہے۔ ابتک نہین کی۔ مگر شائد کوئی ایسی بات کہہ بیٹھون۔ آہ محبوبہ! م م مین ...."

جوش کے مارے زبان بند ہوگئی اور کچھ نہ کہہ سکا۔ محبت اور پیار نے لڑکی کی ہڈیون کے نیچے بھڑکتے ہوئے کولے بجھا دیے۔ اس غضب کی سوزش ہوئی کہ بے قرار ہوگئی۔ بہت آپ کو سنبھالا مگر نہ سنبھلا گیا۔ اور بے اختیار کہہ بیٹھی اے میرے حبیب مین سب کچھ جانتی ہون۔ زیادہ تشریح کی ضرورت نہین۔ اور آہ! ای حبیب جیسی تمھاری محبت کی جلتی بھوبل نے میرے دل کو بھی داغ لگا دیا ہے"!

محبت کا اقرار۔ بالمشافہہ۔ شیرین زبانی سے۔ اور وہ بھی پہلی مرتبہ قیامت تھا۔ یحییٰ جوش مسرت سے رو پڑا اور اپنی محبوبہ کے سامنے گھٹنون کے بل کھڑے ہو کے اُس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ مین لیا۔ اس کو لبون سے لگایا۔ آنکھون پر رکھا۔ اور گرم گرم بوسے دیے۔

پیر فلک کا کام فقط عاشقون کو ستانا ہے۔ جب دیکھا کہ دو محبت والے مل بیٹھے ہین۔ اور ایک دوسرے سے کہہ سُن رہے ہین۔ فوراً اُن کی جدائی

کے اسباب فراہم کردیے۔ چنانچہ یحییٰ اپنی محبوبہ سے دو باتین بھی نہین کرنے پایا تھا کہ لڑکی کا باپ ادھر آنکلا۔ لڑکی نے فوراً اپنا ہاتھ یحییٰ کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اور چلتے چلتے آہستہ سے کہا۔ یا حبیب۔ مین نقولا یعقوب کی بیٹی ہون۔ میرا نام مریم ہے۔ ہم محلہ قاع الیہود، بن باب الشقدیف کے سامنے رہتے ہین۔ اور حبیبی اب رخصت۔ خدا حافظ۔

یحییٰ ایک ایسے شخص کا بیٹا تھا جو دین اسلام کا سچا فدائی شریعت محمدی صلعم کا پابند عقیدۂ تثلیث کا سخت مخالف۔ اور صنعا کا مشہور قاضی تھا۔ اور خاندان کے لحاظ سے سید تھا۔ مریم ایک عیسائی تاجر نقولا یعقوب کی کی بیٹی تھی۔ لہذا یحییٰ صنعا والون کے سامنے بآزادی مریم سے نہین مل سکتا تھا چنانچہ چوری چھپے قاع الیہود مین جاتا اور مریم سے مل آتا۔ مگر عشق کا درد بھلا کب تک چھپ سکتا تھا۔ ظاہر ہو ہی گیا۔ ایک غیرت والے نجیب الطرفین خاندان کی جو کچھ حالت ایسی صورت مین ہونی چاہیے وہی یحییٰ کے خاندان کی ہوئی۔ رشتہ دارون نے دلون مین ٹھان لی کہ عاشق و معشوق کے مضبوط رشتۂ محبت کو جس طرح بنے توڑین۔ تمام اہل صنعا اُس کی خاندانی نجابت کا خیال کرکے اس کی دلی حالت پر افسوس کرکے رہ جاتے تھے کہ اُس نے ایک مسیحی لڑکی سے کیون تعلق قائم کیا؟ مگر وہ اِس کا خیال نہ کرتے تھے کہ عشق کی نظر مین مسلمان اور عیسائی کا کوئی امتیاز نہین۔ اس عالم مین سب یکسان ہین۔ خیر صنعا والے تو دنیا والے تھے اور اُن کے خمیر مین تمام برائیان پڑی ہوئی تھین۔ اس لیے ضرور تھا کہ وہ یحییٰ کے عشق کو بری نگاہ سے دیکھتے تعجب تو یہ ہے کہ آسمان کے پاک و صاف طبیعت والے ستارون کو کیا ہوگیا جو یحییٰ اور مریم کے عشق کو دیکھ نہ سکے۔ چنانچہ ایک ستارے نے صنعا مین ایسی سخت وبا پھیلائی کہ ہر روز ہزارون آدمی مرنے لگے۔ جس طرف نظر کرو وحشت و ویرانی۔ جدھر جاؤ ماتم و واویلا۔ بازار اُجڑے پڑے تھے۔ دید و باز دید اور عیادت و ضیافت غرض کل رسمین اہل صنعا نے اُٹھا دین۔ عزیز مان باپ

رشتہ دار نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بوڑھے بچے سب نے بلا قید مذہب بلا لحاظ عمر موت کا ذائقہ چکھا۔ المختصر بیچارہ چھوٹا سا ضلع جس کی آبادی بیس ہزار سے زیادہ نہیں ہے وبا کے ہاتھوں ادھیا سا گیا۔

افسوس ہے کہ اس کمبخت وبا نے نجمی کو بھی نہ چھوڑا۔ وہ وبا میں مبتلا ہوا۔ اور اُسے اپنی شیرین زندگی سے بالکل یاس ہو گئی وہ سمجھتا تھا کہ اجل سر پر آپہونچی ہے۔ اور بس اب دنیا سے چل چلا ہے۔ ناامیدی کے عالم میں دوستوں سے کہنے لگا "یہ میرا نفس واپسین ہے روح قفس عنصری سے چھوٹنے کی تیاری کر رہی ہے۔ اگر میں توحید کا قائل رہ کر مرا تو یقیناً مجھے جنت میں جانا ہوگا۔ مگر افسوس میری محبوبہ! میری تمام خوشیوں سے زیادہ عزیز مریم وہاں نہ ہو گی۔ خدا اُس کو جنت میں جگہ نہ دے گا۔ کیونکہ وہ عیسائی ہے۔ وہ تو وہاں ہو گی جہاں عیسائیوں کو رہنا ہوگا اور آہ وہ مقام دوزخ ہے۔ بے شک میری عزیز مریم دوزخ میں پھینک دی جائے گی اور میں جنت میں اُس کے دیدار کے لیے تڑپتا رہوں گا۔ مجھے ایسا اسلام قبول نہیں جو مریم سے جدا کرے۔ ایسی جنت کو میرا سو سلام جو مجھے اپنی محبوبہ کے دیدار سے محروم رکھے میرے لیے تو وہی جگہ جنت ہو گی جہاں مریم ہو گی اس لیے میں مسلمان رہ کر مرنا نہیں چاہتا۔ میں عیسائی ہو کے کفر کی موت مرنا چاہتا ہوں تاکہ عالم باقی میں مجھے مریم کی معیت حاصل ہو۔ میرے پیارے عزیزو! مجھے یقین ہے کہ میرے یہ الفاظ تمھارے دلوں کو بجلی سے زیادہ جھلسا دیں گے۔ لیکن آہ میں مجبور ہوں۔ معذور ہوں۔ پیارے عزیزو! عشق وہ درد نہیں ہے کہ اُٹھا اور موت کے ساتھ بیٹھ گیا۔ آہ وہ جب اُٹھتا ہے تو ہدایت کی خبر لاتا ہے۔ اس لیے مجھے معاف کرو۔ اے عزیز بابا آپ بھی۔ اور اے جدّی! اے خاک عرب سے اُٹھنے والے اور توحید کا آفتاب چمکانے والے برحق رسول آپ بھی اس ناخلف وجود کو جس نے آپ کے خاندان اور اسلام کی لاج نہ رکھی معاف فرمائیں! دوستو

بس اب خدا حافظ! اتنا کہا اور دہین ٹھنڈا ہو گیا۔
اللھم اغفر ذنبہ وارحمنا!

جس وقت یحییٰ بستر مرگ پر پڑا ہوا پچھلی سانسین لے رہا تھا اور اسلام سے منھ موڑ کر اور جنت کو چھوڑ کے دین عیسوی کا اقرار کر رہا تھا اُس وقت مریم بھی وہا کے بستر استراحت پر پڑی تھی۔ اس کو مطلق خبر نہ تھی کہ اُس کے حبیب پر کیا گزر رہی ہے۔ اور وہ اس حالت مین بھی اُسے بس یحییٰ کے نام کی رٹ لگی تھی۔ یا حبیب۔ یا حبیب کہہ کر اپنے عاشق کو پکار رہی تھی۔ اور اپنے عزیزون سے کہتی تھی کہ للہ مسیح۔ مجھے یحییٰ کو دکھا دو۔ آہ۔ موت! اگر تجھے آنا ہی ہے تو خدا کے لیے ذرا توقف کر۔ للہ ایسی جلدی نہ مچا! تھوڑا صبر کر کہ مین اپنے حبیب کو ایک نظر دیکھ لون۔ پھر اطمینان سے تیرے ساتھ چلون گی! مجھے مرنے مین ہرگز کوئی عذر نہین۔ کسی طرح کا انکار نہین۔ کیونکہ انسان کو مرنا ضرور ہے۔ مگر آہ۔ میرا یحییٰ! عزیز یحییٰ مسلمان اور توحید گو ہے اور مین عیسائی اور تثلیث کی معتقد ہون۔ آہ۔ اس اختلاف عقائد کی وجہ سے دنیا سے چل بسنے کے بعد بھی اُس کے دیدار سے محروم رہون گی۔ مجھے اُسی کا دین قبول کرنا چاہیے ضرور ہے کہ مین مسلمان ہو کر مرون۔ تاکہ قیامت کے دن اُس کے ساتھ اُٹھون اُسی کے ساتھ اپنے اعمال کا اظہار دون۔ اور اُسی کے ساتھ دوزخ مین پھینکی جاؤن۔ اگر دوزخ مین یحییٰ میرے ساتھ ہو گا تو جنت کی تمام خوشیون کو مین دہکتی ہوئی آگ کی بھٹی مین دونون ہاتھون سے مسل کر پاؤن سے ٹھکرا دون گی۔ اگر مین عقیدہ تثلیث سے منھ موڑتی ہون تو اے میرے مسیحی والد تھین مسیح کا واسطہ مجھے معاف کرنا۔ اے مسیحا۔ اے خدا کے اکلوتے بیٹے مین آپ کی ربوبیت سے انکار کرتی ہون فقط اس لیے کہ دوسرے عالم مین مین اپنے پیارے یحییٰ کے ساتھ رہون۔ اے مسیح اگر تمھاری خواہش ہے کہ مین عیسائی رہ کر مرون تو اس بات کا وعدہ کرو کہ یحییٰ جنت مین داخل کیا جائے گا۔ لیکن آہ تم ہرگز ایسا وعدہ نہ کرو گے۔ کیونکہ یہ ممکن نہین ہے۔

اے عزیز باپ۔ اے پیاری اماں مین تھوڑی دیر پہلے ایک سچی مسیحیہ تھی۔ مگر اب مین نے اپنا ایمان بدل دیا ہے۔ مین نے اسلام قبول کیا ہے۔ کلمۂ توحید کو سر پر اٹھایا ہے۔ کیونکہ میرے پیارے یحییٰ کا مذہب یہی ہے۔ سنو! مین صدق دل سے کہتی ہون۔ اشہدان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمداً رسول اللہ۔ میرے پیارے ماں باپ۔ میری آخری آرزو یہ ہے کہ جب مین مر جاؤن تو مسلمانون کے قبرستان مین دفن کی جاؤن۔ (گلے سے طلائی صلیب نکال کر) اماں یہ لو۔ اب مجھے اس کی ضرورت نہین۔ یا خدا۔ یا رسول اللہ۔ محمدؐ۔ ر۔ ر۔ رحم۔ عزیز یحییٰ۔ پیا۔ آہ!

یہ الفاظ کہتے کہتے جان بحق تسلیم ہو گئی۔ رحمۃ اللہ علیہا وادخلہا فی جنتہ

(ترجمہ از عربی)

ام سیٹھ محمد بنگلور۔

ذرا جاکے دیکھیے!

تال کٹورے کی کربلا کی تولیت کا مقدمہ تو عدالت سب ججی لکھنؤ مین زور وشور سے لڑا مگر مظلوم کربلا کروضۂ مبارک کی شبیہ پر جو تال کٹورے کی کربلا کے نام سے لکھنؤ مین مشہور ہے۔ اور جس کو لارڈ کرزن بالقابہ نے یادگار قدیم کے ایکٹ مین مسلمانون پر احسان کرکے شامل فرما دیا ہے اس پر وہی خاک جو پہلے اڑتی تھی اب بھی اڑ رہی ہے۔ صرف اتنا فرق نظر آیا کہ پھاٹک کا ایک کواڑ عدو دین متین کی نذر کیمیا اثر کے انتظار مین سر بسجود ہو کر سد باب بن گیا جو اہل معنی کے لیے اس امر کا شاہد ہے کہ

بروں در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

راستہ مین خاک کا وہ طوفان کہ نہر فرات کی ریتی بھی شرما جائے۔

راوی نے اس غرض سے کہ آنریبل جسٹس مولنا سید کرامت حسین صاحب قبلہ وکعبہ بیرسٹر ایٹ لا کے مزار اقدس پر فاتحہ خوانی کا شرف حاصل کرے اور محسن خاص وعام جناب حامد علیخان صاحب مرحوم بیرسٹر ایٹ لا کی قبر پر فاتحہ پڑھے اور نیز

اس معمہ کے حل کرنے کی نیت سے کہ تال کٹورے کی کربلا اندر سے صلیب کی صورت میں کس مصلحت سے بنائی گئی ہے اور اس کے اوپر کا گنبد اور مینارے ترچھے کیون رکھے گئے ہین جو بیسوین ماہ حال کو جب دن ڈھل چکا تھا سفر اختیار کیا۔ ۵ بجے دن کو شہر خموشان نظر آیا۔ ہو کا عالم تھا۔ بےنیل مرام واپس آیا۔ راہ مین چند بیر نابالغ گولیان کھیلتے ملے۔ پوچھا کہ زندون مین بھی کوئی اس جوار مین کلید بردار کے نام سے آباد ہے؟ آخرش و آتے پر ایک لڑکا اُس کربلا کے گنبد کی کنجی لے آیا۔ تب اندر جانے کی نوبت آئی۔ بائین جانب ایک بُرجی کے اندر تازہ رنگے ہوے کواڑ دروازہ مین دو مرحوم علیخان صاحب دفن ہین۔ اُن کے عواقب کو آفرین ہے۔ مگر افسوس جس کی تجہیز و تکفین مین ابھی تھوڑے دن ہوے مین شریک تھا اُن کی قبر کا پتہ نہ لگا۔ نہ کوئی سنگ مزار ہے۔ نہ کوئی نشان یادگار۔ چہار دیواری کربلا کے اندر کچھ ہموار نشانات قبور نظر آئے۔ مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ فاضل باکمال عالم باعمل قبلہ و کعبہ جناب مولانا سید کرامت حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا جج ہائیکورٹ الہ آباد و مصنف فنون جدیدہ و بانی تعلیم نسوان کی قبر اِن قبرون مین کون ہے کہ اُس پر فاتحہ پڑھ لون۔ البتہ قبر زیر گنبد کربلا ایک نئی قبر نظر آئی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس میت کے چاہنے والے بڑے قدر افزا ہین کہ اس مقام پر اتنا خرچ کر کے ایسی قبر بنائی۔ سنگ مزار سے ظاہر ہوا کہ متولیان کربلا کے دامن پر یہ دھبہ ہے حامیان دین متین کی آنکھون پر قال اللہ و قال الرسول کا رومال دار پردہ پڑا ہوا ہے۔ یہان زمین قبر کربلا مین بکتی ہے جو جتنا دے ویسی جگہ لے۔ رنڈیان کربلا کے اندر دفن ہون اور مجتہد کربلا سے باہر۔ یہ آمدنی متولی کیا کرتے ہین۔ تمام شناہد حال ہے۔

جاگئے دیکھیے!

اے مسلمان بی بیو۔ اے مسلمان مردو۔ اور اے خدا کے نیک بندو۔ اگر تم مین سے کسی کو بھی اپنے ملک کے نام آور بزرگون کی قدر کی توفیق نہین تو آیندہ نسلون کو نیک سبق دینے کے لیے اس اپنے محب صادق کی قبر کے نشان کو نہ مٹنے دو۔

میت کے وارث کربلا کے مومن متولی۔ اگر اس فقیر کو اجازت دین تو سنگ مزار ہی کندہ کرا کے قبر پہ نصب کرا دے۔

سید علی اوسط۔ ۲۵۔ دسمبر ۱۹۱۹ء لکھنؤ

ایڈیٹر۔ سید علی اوسط اسکوائر کے اس مضمون سے دلگداز کے صفحون کو زینت دے کر ہم تمام مسلمانون کو عام اس سے کہ سنی ہون یا شیعہ یہ مشورہ دیتے ہین کہ چندہ کر کے مولنا کرامت حسین مرحوم کی تربت کو ایسا بنا دین کہ اگر کوئی فاتحہ خوان کو آئے تو ہمین ندامت نہ اُٹھانا پڑے۔ مرحوم مین ایسی بے نفسی تھی کہ خود اُن کو تو اس کا مطلق خیال نہ ہوگا۔ مگر دیکھنے والے ساری قوم کو ضرور الزام دین گے۔ مرحوم سُنی اور شیعہ سب سے خالص محبت رکھتے وہ بھی پیروی دین کا بہترین نمونہ تھے۔ اور جو کچھ سرمایہ تھا اُس کو خود تعلیم قوم کی نذر کر گئے۔ اور اپنے تعلیمی وقف مین کسی قسم کی تفریق شیعہ یا سنی کی نہین کی۔ ایسے بزرگان قوم کی یادگار کا مٹنا قوم کا مٹنا ہے۔ اور اس کا الزام سارے مسلمانون پر ہے۔

بہتر ہو کہ اس غرض کے لیے سید علی اوسط صاحب ایک فنڈ قائم فرمائین۔ اور ہم سب سے پہلے اس مین دس روپیہ دینے کو تیار ہین

مجھے یقین ہے کہ اگر سید علی اوسط نے مستعدی سے اس کام کو اپنے ہاتھ مین لیا تو ہمارے بزرگ مصلح اور محترم جج کی تربت بن جائے۔ کربلا کے قبرستان مین یہ واقعی نہایت عبرت کی بات ہے کہ رنڈیون کو مجتہدین و بزرگان امت سے اچھی جگہ مل جائے مجتہدین و بزرگان قوم توجہ فرمائین۔ تو شاید یہ شکایت نہ باقی رہے گی۔ کیا روپیہ ہی نجات کا باعث ہو سکتا ہے؟ یہ خرابی یہین نہین۔ اصلی کربلائے معلی مین بھی دولتمندون کی لاشون کو اچھی جگہ مل جایا کرتی ہے۔

رہا یہ کہ تال کٹورے کی کربلا صلیب کی وضع مین بنی ہوئی ہے۔ واقعی اس کی تحقیق کرنی چاہیے کہا جاتا ہے کہ اصلی روضہ شہید کربلا کے مشابہ ہے جس کے معنی یہ ہونے کہ اصلی کربلائے معلی کا روضہ بھی صلیبی وضع مین ہے۔ ممکن ہے کہ عیسائیون کی پیروی مین معمارون کا خیال قائم ہو گیا ہے کہ متقدمین اور عبرت و حسرت کی عمارتون کی یہی وضع ہو۔؟ مگر سلف کے اور مزارون سے اس کا ثبوت ملنا چاہیے۔

ایک اگلا مسلمان سیاحِ ہند

۸۴۵ھ مین خراسان کے فرمان روا شاہ رخ مرزا ابن امیر تیمور گورکان نے ایک سفارت جنوبی ہند کی زبردست ہندو سلطنت بیجانگر کے فرمان روا کے دربار مین بھیجی تھی۔ اور اس سفارت کی خدمت انجام دینے کے لیے مولانا عبدالرزاق نام ایک بزرگ مقرر ہوے تھے جو ایک نامور مورخ ہین۔ اُنھون نے اپنی کتاب "مطلع السعدین" مین اس سفر کے پورے حالات بیان کیے ہین۔ مدت ہوئی کہ ہم نے اُنھین کے بیان سے لے کر دربار بیجانگر کے مختصر حالات دلگداز مین لکھے تھے جن کو اکثر ناظرین نے پسند فرمایا اور اصرار کیا کہ اس قسم کے اور بہت سے واقعات قدیم اسلامی تاریخون سے اخذ کرکے بیان کیے جائین۔ اسی خیال سے اب ہم چاہتے ہین کہ اس سفارت کے متعلق مولانا عبدالرزاق کا پورا بیان شائع کردین۔ اس بیان مین سب سے زیادہ لطف کی بات ہے کہ آج سے پانچسو برس پیشتر کی دنیا کے بعض حصون کا نقشہ نظر کے سامنے ہوجاتا ہے۔

مولانا عبدالرزاق لکھتے ہین کہ مین ۸۴۵ھ مین ۱۸ رمضان مبارک کو کرمان مین پہونچا جو ایک ممتاز مقام ہے اور وہان بہت کچھ دلچسپیون کے سامان نظر آسکتے ہین۔ ۵ شوال کو وہان سے روانہ ہوا۔ راستہ مین امیر حاجی محمد سے ملاقات ہوگئی جو مقام بان پور پر تاخت کرکے مال غنیمت سے لدے پھندے آرہے تھے۔ وسط ماہ صیام مین بندرگاہ ہرمز مین پہونچا جو بحر عمان کے کنارے واقع ہے یہان کا حاکم ملک فخرالدین توران شاہ تھا اُس نے میرے لانے کو ایک کشتی بھیجی جس پر سوار ہوکے مین ہرمز کی آبادی مین پہونچا۔ وہان اُس نے مجھے رہنے کو ایک مکان دیا۔ اُس مین تمام ضروری سامان فراہم کردیا۔ اور مجھے اپنے دربار مین باریاب ہونے کی عزت دی۔

شہر ہرمز مین جس کو لوگ جیرون بھی کہتے ہین ایک بندرگاہ ہے جو روے زمین پر رونق و آبادی مین اپنا جواب نہین رکھتی ہفت اقلیم کے سوداگرون کی یہان آمد و رفت رہتی ... مصر شام روم آذربائیجان

عراقین - فارس - خراسان - ماوراء النہر - ترکستان - دشت قبچاق - خواق - قلماق اور مشرقی ملکون چین ماچین اور خان بالق سب جگہ کے سوداگر یہان موجود ہین - ساحلی مقامات کے رہنے والے یہان ہر قسم کا مال چین - جاوا - بنگالہ - جزیرہ بلاد زیرباد - سقوطرہ - اور جزیرہ ذہبیۃ المحل کے نوے شہرون اور بلاد بلے بار حبش - زنجبار - بیجانگر - گلبرگہ - گجرات - کھمبات - اور سواحل عرب - عدن - جدہ اور ینبوع سے لاتے رہتے ہین - یہ سب ایسا سامان تجارت اور ایسی نادر قیمتی چیزین لاتے ہین جو دیکھنے کے قابل ہین - مسافر تمام اقطار عرض سے یہان آتے ہین اور جن چیزون کو لاتے ہین اُن کے مبادلے مین ویسی ہی اعلیٰ درجے کی ہم قیمت چیزین لے جاتے ہین اور اُن کا کاروبار نقد اور قرض دونون طرح پر جاری رہتا ہے ہر چیز پر قیمت کا دسوان حصہ بطریق محصول کے اُن کو ادا کرنا پڑتا ہے - بجز سونے اور چاندی کے - اس لیے کہ ان پر کوئی محصول نہین لیا جاتا - مختلف فرقون کے علما بلکہ کفار کے مقتدا بھی یہان کثرت سے موجود ہین - اور اُن کے ساتھ کسی قسم کی بے انصافی نہین ہوتی - اسی وجہ سے اس شہر کا نام دار الامان مشہور ہو گیا ہے - اور باشندون مین اہل عراق کی خوش اخلاقی کے ساتھ ہندوون کی فروتنی جمع ہو گئی ہے مین یہان تین مہینے تک رہا یہان کے حکام نے میرے روکنے کے لیے کوئی بات اُٹھا نہین رکھی خصوصًا یہ کہ ابھی سمندر مین سفر کرنے کا زمانہ نہین آیا ہے - مانسون کا ابتدائی اور درمیانی زمانہ گزر گیا غرض مانسون کا آخری زمانہ تھا جبکہ طوفانون اور آندھیون کا بے انتہا اندیشہ تھا اُس وقت اُنھون نے مجھے مجبور ہو کے روانگی کی اجازت دی - چونکہ آدمی اور گھوڑے ایک ہی جہاز پر سفر نہین کر سکتے لہذا ہم اور وہ جدا جدا جہازون مین تقسیم کر دیے گئے اور ہم نے بندرگاہ ہرمز سے لنگر اُٹھایا -

جب جہاز کے ڈگمگانے کا میرے دماغ پر اثر ہوا اور سمندر کے اندیشون سے سابقہ پڑا تو یہ حالت ہوئی کہ مین غش کی حالت مین پڑا ہوا تھا - اور تین دن تک بجز سانس چلنے کے مجھ مین اور کوئی زندگی کی علامت موجود نہ تھی - جب میرے حواس ذرا درست ہوے تو اُن سوداگرون نے

جو میرے دلی دوست تھے بالاتفاق غل مچایا کہ ہم نے اُس وقت سفر شروع کیا جب جہاز رانی کا زمانہ نکل چکا تھا اور جس شخص نے ایسے موسم مین سمندر کے خطرون کو اختیار کیا دراصل وہی خود اپنی موت کا باعث سمجھا جائے گا۔کیونکہ اُس نے جان بوجھ کر ہلاکت کا راستہ اختیار کیا۔غرض اُنھون نے جو کچھ روپیہ کرایہ کی بابت دیا تھا اُس سے بھی ہاتھ دھوئے۔اور تھوڑی دشواری کے بعد سب جا کے مسقط مین اُتر پڑے۔

وہان میری یہ حالت ہوئی کہ اپنے بے تکلف دوستون کے ساتھ مسقط سے قریات نام ایک مقام مین چلا گیا اور وہین جا کے ٹھہرا۔بحری تجار کا معمول ہے کہ جب کسی کو اُس کے سفر کی غرض نہ حاصل ہو اور وہ کہین اور جا کر ٹھہرنے پر مجبور ہو جائے تو اُس کی نسبت کہا کرتے ہین کہ وہ تباہ ہو گیا غرض فلک بے مہر اور غدار قسمت کی ناسازگاری سے میرا شیشۂ دل چور چور تھا مین زندگی سے عاجز اور سخت پریشانیون مین مبتلا تھا۔

یہین قریات مین محرم ۱۲۶۴ھ کا چاند دیکھا۔ان دنون اگرچہ شدید گرمیون کا موسم نہ تھا۔مگر آفتاب کی تپش ایسی سخت تھی کہ معلوم ہوتا ہڈیون کے اندر گودا خشک ہو جائے گا۔چنانچہ اسی تپش کی مصیبت سے مین میرے بڑے بھائی اور میرے تمام رفقا بیمار پڑ گئے۔اسی اثنا مین مین نے سُنا کہ قریات سے تھوڑے فاصلے پر شور نام ایک مقام مین موسم نہایت معتدل رہا کرتا ہے اور پانی بھی بہت اچھا ہے۔یہ مقام چونکہ سمندر کے کنارے تھا لہذا مین نے باوجود ضعف کے ایک کشتی مین بیٹھ کے وہان کی راہ لی۔لیکن جب وہان پہونچا تو بدقسمتی سے بیماری اور بڑھ گئی۔جب طبیعت ذرا سنبھلی تو مین نے ہندوستان کا راستہ لیا۔اور اٹھارہ رات دن کے سفر کے بعد ہم نے بتائید الٰہی جنوبی ہند کے بندرگاہ کالی کٹ مین پہونچ کے لنگر ڈالا۔راستہ مین سمندر کی ہوا نے مجھے بے انتہا فائدہ پہونچایا۔اب مین بالکل اچھا تھا اور مین نے کالی کٹ کو دیکھا۔چنانچہ اب وہان کے عجائبات اور اپنی سرگزشت کو بیان کرتا ہون۔کالی کٹ نہایت بڑی بندرگاہ ہے اور بندرگاہ ہرمز کی طرح یہان بھی ہر سرزمین کے سوداگر جمع رہتے ہین یہان

بھی انسان کو عجیب اور نادر اشیا مل سکتے ہین جن کو بحری تاجر مختلف مقامات خصوصاً جبش۔ زنزیبار۔ اور زنجبار سے لاتے ہین حرم محترم مکہ معظمہ اور دیگر مقامات حجاز سے بھی وقتاً فوقتاً یہان جہاز پہونچا کرتے ہین اور چند روز کے لیے یہان ضرور لنگرانداز ہوتے ہین۔ یہ شہر کفار کا ہے۔ لہذا ہمین حق حاصل ہے کہ جہاد کرین۔ کچھ مسلمان بھی اس مین رہتے ہین اور انھون نے یہان دو جامع مسجدین بنا رکھی ہین جن مین ہر جمعہ کو جمع ہوا کرتے ہین۔ اُن کا ایک قاضی ہے جو ایک دیندار آدمی ہے اور یہان کے تمام مسلمان عموماً شافعی ہین اِس شہر مین اِس قدر اطمینان ہے اور ایسا انصاف ہوتا ہے کہ سوداگر ساحلی ملکون سے بکثرت سامان تجارت لاتے ہین جس کو یہان آتے کے کھلی سڑکون اور بازارون مین ڈالدیتے ہین اور وہ بغیر اس کے کہ کسی کی ذمہ داری مین دیا جائے یا کوئی اس کے پہرے پہ مقرر کیا جائے مدتون تک پڑا رہتا ہے کروڑگری کے عہدہ دار اس کو اپنی حفاظت مین رکھتے ہین۔ اُن کی طرف سے اُس پر رات دن پہرہ مقرر رہتا ہے۔ اگر وہ بک جاتا تو اُس کی بابت ڈھائی روپیہ سیکڑا کے حساب سے سرکاری محصول وصول کرتے ہین ورنہ کچھ نہین لیتے۔ دیگر مقامات مین معمول ہے کہ اگر کوئی جہاز کسی خاص منڈی کو جاتا ہو اور بدقسمتی سے وہان پہونچنے کے عوض کسی اور بندرگاہ مین پہونچ جائے تو وہان کے لوگ یہ بہانہ کر کے کہ اس کو ہوا نے ہمارے پاس پہونچا دیا ہے لوٹ لیا کرتے ہین۔ مگر کالی کٹ مین ہر جہاز جاہے کہین سے آیا ہو اور جس طریقہ سے پہونچا ہو اُس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جاتا ہے جیسا کہ اور معمولی جہازونکے ساتھ اور اُس کے لوگون اور مال کو نقصان نہین پہونچایا جاتا۔

حضور شاہ خاقان سعید نے فرمان رواے کالی کٹ کے لیے کچھ گھوڑے قبائین۔ سنہری جھالرون کے کپڑے اور لونڈیان بھیجی تھین جیسی چیزین سال نو کے دربارون مین پیش کی جایا کرتی ہین۔ اور اس کا باعث یہ ہوا کہ شہنشاہ کے سفیر بنگالے سے واپس چلے تو اُنھین مجبوراً کالی کٹ مین ٹھہرنا پڑا۔ اور اُن کے ذریعہ سے حضور ملک معظم کی قوت و عظمت کی اطلاع وہان کے

حاکم کو ہوئی۔ اُس کو معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ربع مسکون کے سلاطین عام اس سے کہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے اور خشکی کے ہوں یا تری کے سب نے بادشاہ مذکور کے پاس سفارتیں بھیجی ہیں۔ اور اُس کے دربار کو اپنا قبلۂ حاجات اور کعبۂ خیالات تصور کرتے ہیں۔

اس کے چند روز بعد شاہ بنگالہ کو اس بات کی شکایت ہوئی کہ جونپور کا سلطان ابراہیم شرقی اُس سے برسرپیکار ہے۔ اس نے شہنشاہ مذکور کے دربار میں بنا دی جو دراصل سلاطین عالم کے مرجع و ماوی ہیں اس کی اطلاع ہونے پر حضور شہنشاہ نے شیخ الاسلام خواجہ کریم الدین ابوالمکارم جامی کو ایک فرمان کے ساتھ جونپور میں بھیجا اور سلطان شرقی کو حکم دیا کہ شاہ بنگالہ پر حملہ کرنے سے باز رہے ورنہ وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا اس مراسلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ جونپور نے اظہار فرمان بردار ی کیا اور بنگالے پر حملہ کرنے سے باز آگیا۔ اس کی اطلاع جب حاکم کالی کٹ کو ہوئی تو اُس نے قسم قسم کے ہدیے اور نادر روزگار چیزیں جمع کر کے ایک سفیر کے ہاتھ دربار شہنشاہی میں بھیجیں اور لکھا کہ میرے ساحلی شہر میں مسلمانوں میں نماز جماعت سے ادا ہوتی ہے اور ہر جمعہ کو خطبہ پڑھا جاتا ہے اگر حضور ملک معظم پسند فرمائیں تو خطبہ کو حضور ہی کے نام سے زینت دیجائے۔

چنانچہ اُس کا سفیران شہنشاہی سفیروں کے ساتھ جو بنگالہ سے آرہے تھے دربار میں پہونچا امرائے دربار نے اس کا استقبال کیا اور اس کو باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ یہ سفیر ایک فصیح البیان مسلمان شخص تھا جس نے ملک اعظم کے سامنے حاضر ہو کے عرض کیا کہ اگر حضور شہنشاہ میرے مالک سے تعلقات اتحاد رکھیں گے تو مناسب ہوگا اور بہتر ہوگا کہ حضور اُسے دین اسلام کی تبلیغ فرمائیں ممکن ہے کہ اُس کے دل سے کفر کی ظلمت دور ہو جائے۔ اور اُس کا دل نور ایمان سے روشن ہو جائے۔ یہ یقیناً ایک مبارک اور نہایت مناسب کارروائی ہوگی۔ اس درخواست کے مطابق حضور شہنشاہ نے اپنے وزرا کو حکم دیا کہ ایک سفیر کو روانہ کریں اور اس کا قرعۂ افعال اس خاکسار کے نام پر پڑا۔ بعض لوگوں نے مجھے بہکایا کہ میں اس سفر کو نہ اختیار کروں۔ لیکن باوجود اس کے کہ یہ نہایت خطرناک سفر تھا میں نے

اس کو اختیار کر لیا اور تین سال بعد نہایت توانا و تندرست واپس آیا جبکہ وہ میرے بہکانے والے رقیب دنیا سے رخصت ہو چکے تھے بہرحال جب مین کالی کٹ مین جاتا تو وہان مین نے ایک ایسی خلقت دیکھی کہ جیسے شکل و شمائل کے لوگ کبھی میرے وہم و گمان مین بھی نہین گذرے تھے عجیب قسم کے لوگ جن کو نہ انسان کہہ سکتے ہین نہ دیو۔ جن کی صورت دیکھتے ہی انسان چونک پڑے اس قسم کی اگر کوئی چیز مین نے کبھی خواب مین بھی دیکھی ہوتی تو میرا دل برسون دھڑکتا رہتا مین ایک گوری چاند سی محبوبہ کا عاشق ہونے کو تیار ہون مگر کسی کالی کلوٹی عورت پہ ہرگز فریفتہ نہین ہو سکتا۔

اس سرزمین کے سیاہ فام لوگ تقریباً بالکل ننگے رہتے ہین صرف ایک کپڑے سے ستر پوشی کرتے ہین جو لنگوٹ کہلاتا ہے اور وہ ان کی ناف سے لے کے زانو سے اوپر تک رہتا ہے ان کے ایک ہاتھ مین ہندی خنجر رہتا ہے جو پانی کے مثل چمکتا ہے اور دوسرے ہاتھ مین گینڈے کی کھال کی ڈھال ہوتی ہے جو ایسی معلوم ہوتی ہے کہ گویا ابر کا ٹکڑا۔ بادشاہ اور فقیر سب کی یہی وضع ہے لیکن مسلمان عربون کی طرح قیمتی کپڑے پہنتے ہین اور مختلف قسم کا سامان عیش ان مین نظر آتا ہے۔

مین متعدد مسلمانون سے ملا اور بہت سے ہندؤن سے بھی ایک مناسب مکان مجھے رہنے کو دیا گیا تین دن کے بعد لوگ مجھے بادشاہ سے ملانے کو لے گئے اس کو بھی مین نے اور ہندؤن کی طرح ننگا پایا۔ یہان کے بادشاہ کو سامری کہتے ہین اور جب وہ مر جاتا ہے تو اس کے تخت پر اس کے بھانجے کو بٹھاتے ہین۔ تخت درثہ مین اس کے بیٹے بھائی یا کسی اور رشتہ دار کو نہین ملتا۔ کوئی شخص بزور شمشیر بادشاہ نہین بن سکتا۔ یہان مختلف قومون کے ہندو ہین۔ برہمن ہین جوگی ہین۔ اور دوسری ذاتون کے لوگ ہین جو بہت سے دیوتاؤن کی پوجا اور بت پرستی مین شریک ہو کر مختلف اور ہر قوم کی خاص خاص رسمین ہین۔

انھین مین ایک قوم ہے جس مین ہر عورت کئی شوہر رکھتی ہے جن مین سے ہر ایک مختلف پیشہ کرتا ہے دن رات کے گھنٹے وہ شوہر آپس مین تقسیم کر لیا کرتے ہین اور جب تک مکان مین ایک شوہر اپنے مقررہ وقت کے اندر اس کے پاس موجود

رہتا ہے دوسرا نہین داخل ہو سکتا. راجہ ساموری بھی اسی قوم سے ہے-

جب مین ساموری سے ملا تو تقریباً دو ہزار یا تین ہزار ہندو اُسی وضع مین جس کو مین بیان کر آیا دربار مین موجود تھے مسلمانون کے بھی بعض سردار وہان حاضر تھے. جب مین بٹھایا جا چکا تو اُنھین مسلمانون نے حضور شہنشاہ کا خط اُسے پڑھ کر سنایا اور جن تحفون کو مین لایا تھا وہ بھی اُس کے سامنے رکھ دیے گئے-

ساموری نے میری سفارت کی زیادہ عزت وعظمت نہین کی چنانچہ مین دربار چھوڑ کر اپنے گھر چلا آیا. سفیرون کا وہ گروہ جس کو شاہ ہرمز نے چند گھوڑون اور مختلف ملکون کے تحفون کے ساتھ جداگانہ یہان بھیجا تھا اُن کا تمام اسباب اور مال لوٹ لیا گیا اور بدشواری وہ فقط اپنی جانین بچا کے بھاگے. وہ لوگ جب کالی کٹ آئے تو مین اپنے اُن قدیم دوستون کو دیکھ کر بہت خوش ہوا-

آخر جمادی الاخر سے آغاز ذی الحجہ تک مین اس بیہودہ مقام مین رہا جہان دشواریون سے دوچار اور غم مین مبتلا تھا. ماہ ذی الحجہ کے درمیان مین جب شب تنہائی تاریکی تھی اور مین یہان بڑے بڑے تنگ آگیا تھا. مجھے نیند آئی گویا کسی زبردست قاہر قوت نے میرے حواس کو ہر قسم کی دشواریون سے ہٹا کر اور اُن پر قابض ہو کے میری آنکھ ایک دوسرے عالم مین کھولدی. بچھونے پر پڑا سو رہا تھا کہ خواب مین دیکھا حضور خاقان اعظم وشہنشاہ معظم پورے شان وشکوہ کے ساتھ میری طرف آئے اور قریب پہونچ کر فرمایا اب تم مصیبت مین نہ رہو. صبح کو نماز کے بعد یہ خواب یاد آیا اور میرے دل کو مسرت محسوس ہوئی- اگرچہ معمولی خواب محض اوہام وافکار ہوا کرتے ہین جن کا شاذ ونادر ہی کچھ اثر ظاہر ہوتا ہے مگر بعض اوقات وہ بالکل سچے اتر جاتے ہین اور الہام الٰہی تصور کیے جاتے ہین. کون شخص حضرت یوسف علیہ السلام اور فرعون مصر کے خوابون سے نہین واقف ہے. مین نے دل مین کہا کہ غالباً اب خوش اقبالی کی صبح شروع ہو. خدا میرے حال پر رحم کرے. اور یہ فکر وغم کی رات ختم ہو جائے. اس خواب کو مین نے بعض ہوشیار آدمیون سے بیان کیا اور اُن سے اُس کی تعبیر پوچھ رہا تھا کہ یکایک ایک شخص آیا اور یہ خبر لایا کہ راجہ بیجانگر نے جو ایک بڑی سلطنت اور عظیم الشان دولت کا مالک

کہ راجہ سامودری کے پاس ایک قاصد بھیج کر استدعا کی ہے کہ حضور شہنشاہ خاقان سعید کا سفیر فوراً اُس کے پاس بھیج دیا جائے۔ سامودری اگرچہ اُس کا ماتحت نہین ہے لیکن ہمیشہ اُس سے خائف اور اندیشہ ناک رہتا ہے۔ اس لیے کہ مشہور ہے کہ راجہ بیجانگر کے قبضہ مین تین سو بندرگاہ ہین جن مین سے ہر ایک کالی کٹ کا ہم پلہ ہے۔ علاوہ برین اندرون ملک مین اس کی قلمرو کے شہر اور صوبے تین مہینے کی راہ تک پھیلے ہوے ہین۔

کالی کٹ اور چند اور ساحلی مقامات شہر کائل تک جو سراندیپ کے مقابل واقع ہے (یہ جزیرہ سیلان بھی کہلاتا ہے) سارا علاقہ ایک ایسے تنوع کے اندر واقع ہے جس کو ملابار کہتے ہین۔ جہاز جو کالی کٹ سے مکہ معظمہ (حفظہ اللہ بالعزۃ والاقتدار) کو جاتے ہین وہ عموماً کالی مرچون سے لدے ہوتے ہین۔ کالی کٹ کے لوگ جری کشتی باز ہین۔ اور نباسے چینی کہلاتے ہین۔ سمندر کے لوٹیرے کالی کٹ کے جہازون کو نہین چھیڑتے۔ اور ہر چیز وہان دستیاب ہو جاتی ہے بجز اس کے کہ وہان تم نہ گائے کو ذبح کر سکتے ہو نہ اُس کا گوشت کھا سکتے ہو۔ اگر کسی شخص کی نسبت ثابت ہو جائے کہ اُس نے گاے کو مارا ہے تو اس کی جان کسی طرح نہین بچ سکتی۔ گاے کی یہان اس قدر عظمت کی جاتی ہے کہ لوگ اُس کے گوبر کی راکھ سے ٹیکے ماتھے پر لگاتے ہین۔

پیارے مربیو!

آپ ہی کی تربیت و مرحمت سے دلگداز گرتا پڑتا چلا جاتا ہے۔ ۱۹۱۹ء کے باقی ماندہ پرچے یہ حاضر ہوتے ہین۔ جنوری ۱۹۲۰ء کا پرچہ اور ناول جو اس سال نذر کیا جائیگا زیر طبع ہین۔

اب کی ناول "عزیز مصر" آپ کے تفنن طبع کے لیے تصنیف کیا گیا ہے۔ اس مین خلافت عباسیہ پر غلامان ترک کی دست درازیون اور مصر کی دولت بنی طولون کی بنیاد پڑنے کے سچے واقعات دکھائے گئے ہین۔ اور نہایت ہی پرلطف ناول ہے جس کو امید ہے کہ آپ پسند فرمائین گے۔ ناول کی وی پی غالباً فروری ۱۹۲۰ء مین عہ ۱/۱۱ پر روانہ ہو سکین گے۔

منیجر دلگداز

اے ۱۹۱۹ء خدا حافظ

یہ سال اگرچہ صلح کے ساتھ [illegible] اطمینان [illegible] ہوا تھا کہ گویا [illegible] من [illegible] اور ہم [illegible] اطمینان کا [illegible] سے معلوم ہوا کہ ابھی تک امن شاید کبھی [illegible] نہیں ہوا [illegible] عظیم الشان لڑائی جس نے [illegible] عالم کو بگاڑ دیا تھا رُک گئی۔ مگر امن و امان جو دنیا سے اٹھ گیا تھا اس کا ابھی تک پتہ نہیں۔

بالشویزم جو [illegible] آزادیوں کا مکمل نمونہ ہے دنیا میں بڑھتا جاتا ہے اور سلطنتوں کو اپنا قدیم نظام نہیں قائم کرنے دیتا۔ اور ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان گذشتہ لڑائیوں اور جھگڑوں میں مسلمانوں کی خلافت اور ترکی سلطنت ایشیا کی رہی سہی عزت و عظمت خاک میں مل گئی۔ مسلمانوں نے اس امید میں کہ برطانیہ عظمیٰ اول درجے کی اسلامی سلطنت ہے جس کا دعویٰ اکثر ہم نے بڑے بڑے مدبران برطانیہ کو بھی کرتے دیکھا۔ اور انگریزوں نے مسلمانوں کو باور کرا دیا کہ انگریزی سلطنت جو ہمیشہ دشمنوں کی دست برد سے دولت آل عثمان کو بچاتی رہی ہے چاہے کچھ ہو جائے اسلام کی باقی ماندہ سطوت کو مٹنے نہ دے گی۔ مگر ۱۹۱۹ء نے ساری دنیا کے مسلمانوں کو بتا دیا کہ برٹش گورنمنٹ سے اس بارے میں کوئی امید رکھنا بیکار ہے۔

گذشتہ لڑائی میں فتحیابوں کی نظر میں بہت سے مجرم تھے سب سے بڑا مجرم جرمنی تھا اس کے بعد آسٹریا تھا۔ پھر ترکی و بلغاریہ تھے

مگر صلح جس عنوان سے ہو رہی ہے اُس کا انجام یہ ہے کہ سب کے گناہ معافی کے قابل ہین اور نہین ہین تو مرکی کے۔ یورپ والے مدت سے الزام دے رہے ہین کہ جو تعصب مذاہب و اقوام بنی سام مین ہے دیگر نسلون کی قومون مین نہین ہے۔ یہ کہتے وقت اہل یورپ کو یہ نہ نظر آیا کہ دین عیسوی بھی ایک سامی مذہب ہے۔ حضرت مسیح بنی سام مین سے تھے۔ اور اگر یہ خیال صحیح ہے کہ خدا مسیح کی صورت مین نمودار ہوا تو اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ خدا ایک بنی سام کا آدمی بن کر ایک سامیہ کنواری کی بطن سے پیدا ہوا۔

مگر ان سب باتون سے قطع نظر کر کے اصلی چیز جو اِس موقع پہ نظر آئی وہ یہ ہے کہ جو تعصب اہل یورپ کو غیرون سے ہے آج تک کسی قوم کو کسی دوسری قوم کے ساتھ نہین ہوا۔ گذشتہ تیرہ سو برس مسلمانون اور عیسائیون کی لڑائی مین گزرے۔ اور اِن دونون مذہبون مین جیسی خونریزیان ہوتی رہین اُن سے تاریخ کے اوراق سیاہ ہین۔ اور سوا آخری دو تین صدیون کے مسلمان ہمیشہ غالب رہے۔ اپنے غلبون کے اوقات مین ان کو بہ آسانی ممکن تھا کہ شکست خوردہ اہل یورپ کی آزادی کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیتے۔ مگر مسلمانون نے کبھی اس کا قصد نہین کیا۔ بلکہ اکثر اوقات نظر آتا ہے کہ غالب آنے کے بعد وہ اپنے حسرت زدہ مفتوحون پہ مہربان ہو گئے۔ اور بجاے استیصال کے اُن کی دستگیری کی کوشش کرنے لگے۔ لیکن یورپ کا تعصب ایسی شریفانہ برتاؤ کی ہمت کا تحمل نہین ہو سکتا۔ وہ چاہتا ہے کہ موقع پا کر مسلمانون کو ایسا پامال کرے کہ وہ قیامت تک سر اُٹھانے کے قابل نہ رہین۔

دنیا کی رفتار کا تقاضا یہ نہین ہے کہ موجودہ غالب وجیرہ دست سلطنتین قیامت تک اسی شان و شکوہ سے قائم و برقرار رہین۔ دشمن پیدا ہون گے۔ انھین کے آغوش مین پل کر نشو و نما حاصل کرین گے۔ اور آخر اُن پہ غالب آئین گے۔ لہذا یہ تو ہرگز امید نہین ہو سکتی کہ دول یورپ پہ غالب آنے والے دشمنون کا سد باب ہو گیا۔ اور نہ ایسی تمنا اُن کے خواب و خیال مین ہو سکتی ہے۔ مگر ہان وہ اس کا اطمینان کر لینا چاہتے ہین کہ آیندہ سر اُٹھانے اور مقابلہ کرنے والے مسلمان اور ہندو یا اور ایشیائی قومین نہ ہون۔

خیر اور کوئی جو چاہے کرے اور جیسی حماقت مین چاہے مبتلا ہو جائے مگر دولت برطانیہ کے لیے یہ زیبا نہین ہے کہ خود مسلمانون کی اعلیٰ ترین دولت ہونیکا دعویٰ کر کے اس حرکت کی ساعی ہو کہ خلافت اسلامیہ کا چراغ گل ہو جائے۔ خلافت دراصل شعائر اسلام اور مقدس مقامات اسلام کی خدمت و نگہداشت کے لیے ہے اگر برائے نام خلافت رہی بھی جو حرمین شریفین اور محترم مقامات سے دور ہوئی تو اُس سے مسلمانون یا دین محمدی کو کیا فائدہ پہونچ سکتا ہے؟

وزرائے دولت برطانیہ کا رخ بدلا ہوا دیکھ کر اگر دنیائے اسلام مین ایک ہلچل پڑی ہوئی ہے تو کچھ بیجا نہین ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اگر خلافت ہاتھ پاؤن کاٹ کر مرکز اسلام سے دور پھینک دی گئی اور اُس کو خانۂ کعبہ حرم نبوی اور کربلا و نجف سے واسطہ نہ رہا تو بیکار ہوگا۔ اور اِس سے اُن وفادار مسلمانون کے آنسو نہین پنچھ سکتے جنھون نے خود ہی عراق و بیت المقدس وغیرہ کو فتح کر کے دولت برطانیہ کے ہاتھ مین دے دیا۔ اس کا معاوضہ وہ یہ نہین سمجھے ہوئے تھے کہ اس وفاداری کا پھل اُنھین یہ ملے گا کہ وہ اپنی خلافت سے بھی محروم کر دیے جائینگے۔ اور ترکون کے خلاف اس بے رحمی سے دنیائے اسلام کا نقشہ بدل دیا جائے گا۔

سنہ ۱۹۱۹ء اس مسئلہ کو غیر منفصل اور ساری دنیا کے مسلمانون کو امید و بیم کی حالت مین چھوڑے جاتا ہے۔ اور اِن تردداتکی وجہ سے اگرچہ اُس کے رخصت ہونے کا وقت آگیا مگر ہمین نہ اُس کے رخصت کرنے کی فرصت ہے اور نہ اُس کے بے مروت برس کے رخصت کرنے کا خیال۔

اے سنہ ۱۹۱۹ء ہمین اس کا افسوس ہے کہ ہم تجھے اِس جوش و خروش اور اس قدر منزلت سے نہ رخصت کر سکین گے جس طرح کہ تجھ سے پہلے برسون کو رخصت کرتے رہے ہین۔ اور سچ یہ ہے کہ تو نے اپنے آپ کو اس قابل ہی نہین رکھا کہ ہم تیری کچھ عزت کرتے۔ تو پورا پورا ابن الوقت ہے۔ اور زمانے کا بے وفا و بے رحم فرزند۔ لہذا ہم بھی صاف صاف کہے دیتے ہین کہ زمانہ اگر ہمارے موافق نہین ہے تو ہم بھی ہرگز اُس کی عزت نہ کرین گے۔ ہمارے سلف ہمیشہ فلک کج رفتار اور سپہر

بے مہری کی شکایت کرتے رہتے ہیں۔ ملک اور شہر سے اُن کے خیال میں تو ہی مراد تھا لہذا ہمارا یہ خاندانی اور آبائی ورثہ تھا کہ تجھے اپنا دشمن سمجھیں اور ہمیشہ تیری شکایت کرتے رہیں۔ مگر یورپ والوں کی پیروی میں ادھر چند سال سے ہم تیری عزت کرنے لگے تھے اور تیرے فرزندوں یعنی برسوں میں سے آنے والوں کا جوش دل سے ملکر استقبال کرتے اور جانے والوں کو دو آنسو بہا کے رخصت کیا کرتے۔ مگر تجربہ سے معلوم ہو گیا کہ یہ ہماری غلطی ہے۔ یورپ والے اگر تیرے فرزندوں کو ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں تو اس کا باعث یہ ہے کہ تو اُن کے موافق ہے۔ اور وہ تیرے شکر گزار ہیں۔ ہمیں شکر کرنے کی کیا وجہ جب کہ ہم روز بروز زیادہ تباہ و پامال ہوتے جاتے ہیں۔

عزت و دولت کا چھن جانا ایک طرف تو نے ہمیں اندر ہی کی ایسی مار دے رکھی ہے کہ جینا وبال ہو گیا۔ نہ کھانے کو دانہ ہے نہ تن کو کپڑا۔ ایسے ستم زدوں سے خصوصاً اُس وقت جبکہ اُن کی رہی سہی عزت بھی خاک میں مل رہی ہو بجز اس کے وہ جانے والے برسوں کو گالیاں دے دے کے اور جلے دل سے کوس کوس کے رخصت کریں اور کیا ہو سکتا ہے؟

گورکھپور میں ایک نیا کتب خانہ

علم و فضل کی جو کساد بازاری ہے چھپی نہیں۔ ہندوستان میں جتنی نادر و بے بہا کتابیں تھیں سب کھنچ کر یورپ کے کتب خانوں میں چلی گئیں اور جو ہیں وہ بھی روز بروز چلی جاتی ہیں۔ سر ہنری ایلیٹ نے اپنی ضخیم تاریخ ہند میں خاص لکھنؤ کے اندر متعدد کتب خانے بتائے ہیں جو خاص شاہی اہتمام و انتظام میں تھے۔ مثلاً موتی محل کا کتب خانہ۔ آنجہانی ... کتب خانہ اُن میں سے ایلیٹ صاحب کو بعض ایسی کتابیں ملیں جو سچ یہ ہے کہ ساری دنیا میں بے نظیر اور نادر الوجود ہیں۔ مگر وہ سب کتب خانے خواب و خیال ہو گئے۔ اُن میں سے ایک کا بھی پتہ نہیں۔ تاریخ مذکور میں دیکھ کر باہر کے بعض

علوم ہمارے پاس آئے۔ اور کہنے لگے "وہ کتب خانے اب کہاں ہیں؟" ہم نے کہا
جہاں تھے وہین کی ریت مٹی میں مل گئے۔ آپ موتی محل میں جا کے دریافت کریں شاید
تو کچھ پتہ لگ جائے۔

ہماری کتب خانے تو خیر اُس طوفان بلا کی نذر ہو گئے جس نے ہمیں
بے بیک وحشی اور غیر متعلیم فتنہ بنا دیا۔ [illegible] کتب خانے
تھے وہ کہاں ہیں؟ اس کا بھی پتہ ہے [illegible] کے ہمراہ
بھی کتابوں کے شائق تھے۔ اور کتابوں کو اپنا سرمایۂ ناز سمجھتے تھے۔ [illegible]
کا آنا بغداد میں تاتاریوں کا آنا تھا کہ تمام کتابوں کو جلا کے خاک کر [illegible]
کا قرطبہ و غرناطہ میں آنا تھا کہ سارا علمی ذخیرہ قرآن سمجھ [illegible] الکبری کی
نذر کر دیا گیا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ انگریزی قوم [illegible] قدر دان اور علم کی ہم سے بہت
زیادہ شائق ہے۔ لہٰذا علمی ذخیروں کے ساتھ اُس سے ایسی بے رحمی کی برگز [illegible]
کی جا سکتی۔

اصل یہ ہے کہ وہ کتب ہم نے غدر میں لٹے۔ اور ساتھ ہی یورپ کے [illegible]
کے بڑے بڑے داموں سے کتابوں کو خریدنے لگے۔ ادھر تمام [illegible]
او مفلسی میں [illegible] ان کتابوں کو جنہیں جان سے زیادہ عزیز [illegible]
[illegible] وقت کرنا شروع کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ [illegible]
از [illegible] کسی رئیس کے خانگی کتب خانے کی ہوں یا شاہی کتب خانوں [illegible]
سب [illegible] پہنچ گئیں۔ بہر حال ہمارے ساتھ یورپ کی قدر دانی علم [illegible]
کیا جو تاتاریوں اور [illegible] اندلس کی جہالت نے بغداد و قرطبہ میں کیا تھا۔
مگر ہمارے [illegible] اتنی دولت علم نہ تھی کہ بالکل لٹ جاتی۔ [illegible]
ہونے پر بھی ابھی بہت کچھ باقی ہے۔ اور اب زیادہ تر تنہا مین اکثر [illegible]
نظر آتی ہیں جو [illegible] میں مبتلا ہیں۔ اور علوم سے بے بہرہ [illegible]
ہیں بے پروائی اور چندے ور رہی تو یہ رہی سہی کتابیں بھی یورپ پہنچ جائیں گی

انھیں باتوں کو دیکھ کر مدت سے میری تمنا تھی کہ ہمارے [illegible]
پیمانے پر ایک ایسا کتب خانہ کھول دیا جائے جو مصنفین کے لیے پورا ذخیرہ فراہم کر

پھر اس کو محفوظ رکھے اور اسی سلسلہ مین اُن قدیم تبرکات سلف کو بچاے جو روز بروز ہمارے ہاتھ سے نکلے چلے جاتے ہین۔ مگر کامیابی نہین ہوئی۔

چند روز ہوئے ایک دلچسپ عنوان سے مجھ سے رئیس گورکھپور مولوی محمد سبحان اللہ خان صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اور معلوم ہوا کہ اُنھین ایک علمی ذخیرہ جمع کرنے کا بیحد شوق ہے۔ اور اپنی ساری دولت اس کار خیر مین صرف کرنے کو تیار ہین۔ مین نے اُن کو اس کار خیر کی بنیاد ڈالنے پر مبارکباد دی اور انھون نے مجھ سے وعدہ لیا کہ گورکھپور مین جاکے اُن کے کتب خانے کو دیکھون۔

اس کے چند ہی روز بعد مجھے اپنی طلب مین اُن کا ایک تار ملا۔ اور مین فوراً روانہ ہو گیا۔ وہان پہونچ کے معلوم ہوا کہ گورکھپور کے کلکٹر صاحب نے اُن کے کتب خانے کے دیکھنے کا شوق ظاہر فرمایا۔ جس کی وجہ سے اُنھون نے ایک مقررہ تاریخ مین ایک ٹی پارٹی دے دی جس مین اُنھون نے علاوہ چند یورپین حکام ضلع کے بہت سے لوگون کو مدعو کیا تھا اُسی صحبت مین شریک ہونے کے لیے مولوی صاحب نے مجھے بلایا تھا۔ نادر اور نایاب کتابین مختلف قطع کی نمائشی میزون پر لگا دی گئی تھین۔ جو واقعی بہت کچھ قابل قدر ہین۔ اور بعض کتابون کے ایسے قیمتی اور نایاب نسخے ان کو ہاتھ لگ گئے ہین جن کی جتنی قدر کیجائے تھوڑی ہے۔

مین نے مولانا کا وہ کتب خانہ بھی دیکھا جس مین عربی فارسی کی مطبوعہ کتابین رکھی تھین ہمارا لٹریچر جس قدر وسیع ہے اُس کے خیال سے تو اس کو مشتے نمونہ از خروارے بھی نہین کہہ سکتا تاہم تفسیر حدیث فقہ ادب و تاریخ کا اچھا ذخیرہ ہے۔ سوا معقولات اور فلسفہ کے اور سب فنون کی اتنی کتابین جمع ہین جن سے ایک مصنف کو بہت کچھ مدد مل سکتی ہے یہ مولانا کا پرانا کتب خانہ ہے جس کو اُن کے شوق علم نے وقتاً فوقتاً جمع کیا۔ لیکن ابھی بہت زیادہ اضافہ کی ضرورت ہے جس کے لیے مولوی سبحان اللہ خان صاحب بڑی دریا دلی سے تیار ہین۔

آج کل کی ضرورتون کے لحاظ سے اگر تاریخ حدیث اور رجال کی کتابون کا ذخیرہ پورا ہو جائے تو امید ہے کہ یہ کتب خانہ چند روز بعد نہایت ہی سودمند ثابت ہوگا۔ مین بالذات اس کا مؤید نہین ہون کہ ایک عجائب خانہ کی طرح وہ

کتابین جو اچھی چھپی ہوئی ملتی ہین اُن کے علاوہ مذہب قلمی نسخے ہزارون روپیے کے خریدے جائین۔ اس لیے کہ قلمی کتابون کی قیمت کا دراصل کوئی معیار نہین ہے۔ نوادرات کا شوق اُس کو اکثر مقدم تصور کیا کرتا ہے۔ مگر یہ صرف بے نتیجہ شوقینی ہے جس سے زیادہ فائدہ نہین ہو سکتا۔ بے شک ہمین اپنے قدیم قومی و دینی تبرکات کی ایک حد تک حفاظت کرنی چاہیے۔ مگر ہم کو فی الحال تو ایسے کتب خانون کی ضرورت ہے جن مین تمام مطبوعہ تاریخین ہند و مصر و ایران کی اور یورپ کے تمام مطبوعات جمع کر دیے جائین۔ اور جہانتک بنے ہر قوم کی تاریخ کا مکمل ذخیرہ فراہم ہو۔ حدیث و رجال و تفسیر اور نیز محاضرات کی کتابون کا بھی جمع کیا جانا ضروری ہے تاکہ کوئی کتاب لکھتے وقت یا کسی تاریخی مسئلہ مین بغیر کسی اور جگہ جائے صحیح نتیجہ حاصل کیا جا سکے ماسوا اس کے شروح حدیث اور فنون و شروح فقہ اور فتاوے بھی جمع کر لیے جائین بعد ازان فلسفہ و کلام اور دیگر فنون کی مستند اور متعارف کتابین حاصل کی جائین یہ کام سب سے مقدم ہے اور اسی کے لیے لاکھون روپیہ کی ضرورت ہے۔

مولوی سبحان اللہ خانصاحب نے اس مبارک شوق کو بڑی سرگرمی سے پورا کرنا شروع کیا ہے مگر مین انھین یہی مشورہ دون گا کہ معمولی فارسی کتابون یا قرآن مجید کے نادر و بیش بہا نسخون پر ہزارون روپیہ صرف کرنے کے عوض اگر وہ ویسا کتب خانہ فراہم کر دین جیسا کہ مین نے اوپر ذکر کیا تو وہ اپنی قوم اور اپنے ملک پر بڑا احسان کرین گے۔

یہ میری قطعی راے ہے کہ یہ اُن کا یا کسی بڑے سے بڑے رئیس کا بھی کام نہین ہے کہ اتنی بڑی عظیم الشان خدمت قومی و علمی کو تنہا اپنے ذاتی سرمایے سے پوری طرح انجام دے سکے۔ اس مین قوم کا ہاتھ لگنا چاہیے۔ اور جو کمی رہ جائے اس کو قوم اپنی فیاضی سے پورا کرے اور غالباً یہی ارادہ مولوی سبحان اللہ خان صاحب کا ہے۔ اس لیے کہ اِس کتب خانے کو ایک ممتاز درجے تک پہونچا کے وہ عنقریب مولوی خدا بخش خان صاحب مرحوم کے کتب خانے کی طرح قوم پر وقف کرنا چاہتے ہین۔ جس کی تولیت اُن کی نسل مین رہے گی۔ لہذا بہت جلد یہ کتب خانہ قوم کی جائداد بننے والا ہے۔ اور

اُس وقت قوم ہی کا کام ہوگا کہ اس علمی عمارت کو جس کی بنیاد مولانا نے ڈال دی ہے ترقی دے یا اپنی ناقدری سے تباہ کرے۔

مولانا نے مجھ سے بھی خواہش فرمائی کہ میں اس کتب خانے کی ترقی و اصلاح میں اُن کا مشیر رہوں۔ جس خدمت کو میں نے اپنا فخر سمجھ کر قبول کر لیا میں وقتاً فوقتاً لوگوں کو یاد دلاتا رہوں گا کہ اس کتب خانے سے فائدہ اُٹھایا کریں گے۔ اور جو خدمت میرے ذمے کی جائے گی بخوشی انجام دوں گا۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خدا ہمارے فیاض رئیس قوم کی اس علمی کوشش میں برکت دے۔ اور امید کرتا ہوں کہ اس کتب خانے کے حالات سے اکثر پبلک کو مطلع کرتا رہوں گا۔

لودی سلاطین کے عہد کے بعض نیک امرا

دولت مغلیہ کے اوج و عروج نے اُس سے پیشتر کے امرا و سلاطین کے حالات پر بہت کچھ پردہ ڈالا۔ مگر پھر بھی اُن کے عہد میں اکثر ایسے فرشتہ سیرت و نیک نفس لوگ تھے جن کا نام ہمیں ادب سے لینا چاہیے۔ اور آج کل کے خود فراموش دولتمندوں کو دکھانا چاہیے کہ ہندوستان ہی میں اگلے دنوں ہماری قوم کیسے کیسے نیک سیرت و ہمہ تن خیر بزرگوں کو پیش کر چکی ہے۔

سلطان سکندر لودی کے امرا میں ایک بزرگ تھے مسعود علی حسین خان جو خان جہان لودی کے لقب سے ممتاز و مشہور تھے۔ اُن کا معمول تھا کہ جو شخص اُن کی سرکار میں نوکر ہو گیا پھر کبھی برطرف نہ کیا جاتا۔ اسی طرح جس کسی کے نام کوئی وظیفہ جاری ہوتا ہو تو بند نہ ہوتا۔

لوگوں کے حال پر اس درجہ مہربان تھے کہ جب تک اپنے گھر میں رہتے کسی کو حاضری اور سلام کے لیے آنے کی زحمت دینا پسند نہ کرتے۔ فقط یہ تاکید تھی کہ جب وہ پیادہ میں ہوں یعنی کسی مہم پر جا رہے ہوں سب حاضر ہو جائیں۔ مگر یہ کبھی کوئی آ بھی جاتا تو اُسے منع کر دیتے کہ یہاں آنے کی ضرورت نہیں ہے اپنے گھر میں بیٹھو۔ جب ضرورت ہوگی تو بلوا لوں گا۔ کیا تمھیں بال بچوں کی محبت

نہین ہے جو اُن کو چھوڑ کے میرے پاس آئے ہو؟"

وابستگان دامن اور ملازمین فوج مین سے جو مرجاتا ہے اُس کی ماہوار اُس کے بیٹے پر منتقل ہو جاتی بیٹا نہ ہوتا تو داماد۔ بھائی بھتیجے۔ یا اُس کی بہن کے بیٹے کو دیجاتی۔ ایسا کوئی شخص بھی نہ ملتا تو اُس کی بیوہ کو حکم ہوتا کہ اپنے کسی بھائی بھتیجے کو پیش کرے۔ ایسا بھی کوئی نہ ہوتا تو بیوہ کو حکم ہوتا کہ اپنے دور کے عزیزون مین سے کسی کو متبنیٰ کرلے۔ یہ بھی نہ ہوتا تو حکم ہوتا کہ جس شریف خاندان کے لڑکے کو چاہو گود بٹھالو۔ یہ بھی نہین تو اُس کو ہدایت کی جاتی کہ وہ اپنے کسی اچھے زرخرید غلام کو بے پالک بنالے۔ لیکن اس صورت مین شرط لگادی جاتی کہ اس کو مدرسہ مین تعلیم دلائے۔ اور تیراندازی شمشیرزنی اور شہسواری کے فن سکھائے۔ بہرحال اُس کے شوہر کی ماہوار کسی حال مین اُس کے گھر سے نہ جاتی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن دنون شرفا کے بچون کو علم کے ساتھ فنون مذکورۂ بالا کی ضرور تعلیم دی جاتی۔ فقط غلام اس سے محروم رہتے۔ لیکن اگر کسی غلام کو کوئی شریف عورت گود بٹھالیتی تو اُس کے لیے بھی بہ حکم سلطنت علوم و فنون سپہگری کی تعلیم لازم ہو جاتی۔

خانجہان سے ملنے کو جو عالم و فاضل یا مقتداے دین آتا وہ بغیر اس کے کہ جاگیر بن کوئی مقطع یا موضع پائے واپس نہ جاتا۔ یہ اسی کی برکت ہے کہ آج اُس کے اکثر گاؤن مین قاضیون مفتیون۔ محتسبون اور مشائخ کے گھرانون مین زمینداریان موجود ہین۔ اس کے علاوہ رئیس موصوف کی وضع مین داخل تھا کہ اپنے پڑوسیون کی خبر لیتے اور کفالت کرتے رہتے۔ اور جہان کی مسجد کی نسبت سنتے کہ بے مرمت ہے اُس کی مرمت کراتے اور جہان مسجد کی ضرورت نظر آتی نئی مسجد تعمیر کرادیتے۔

ایک حریص مولوی صاحب کی حرص و ہوس اور خانجہان کی فیاضی کا عجیب قصہ کتب تاریخ مین درج ہے۔ اس واقعہ کو پڑھ کر آجکل کے لوگ اُس رئیس کی دریا دلی کو اسراف حماقت اور بے وقوف بننا کہین گے مگر انھین یاد رکھنا چاہیے کہ فیاض آدمی کو جوش سخاوت مین اس کا خیال نہین رہتا کہ اُس کی نسبت کوئی کیا کہے گا۔ اُس کی کوشش یہی رہتی ہے کہ حریص چاہے کتنا ہی بڑا لالچی ہو

اُس کی ہوس پوری کر دے۔

حوالہ الا واقعہ یہ ہے کہ اُس زمانے مین ایک دنیادار صاحب بزرگ تھے۔ بندگی میان لال دانشمند۔ ایک صبح کو تڑکے پو پھٹتے ہی پالکی مین سوار ہو کے خان جہان کے گھر پہ پہونچے۔ خان صاحب نے پوچھا مولانا اس وقت تڑکے کیون تکلیف فرمائی؟ کہا "اس وقت جی چاہا کہ کھچڑی کھاؤن۔ مگر اس کا نوکر جو پکانا جانتا تھا، دل مین آئی کہ کسی ایسے رئیس کے یہان چلو جس کے باورچی خانے مین کھچڑی پکی پکائی تیار ملے۔ تو آپ کا خیال آیا اور سوار ہو کے حاضر ہوا۔" خان جہان نے کہا "مجھے ندامت ہے کہ مین کھچڑی نہین کھاتا نہ میرے یہان روز پکتی ہے۔ جس چیز کو فرمائیے حاضر کی جائے۔ اور اگر کھچڑی ہی کو جی چاہتا ہو تو وہ بھی دم بھر مین تیار ہو سکتی ہے۔" مولانا دانشمند نے فرمایا "کچھ خرابی تو یہ ہے کہ مجھے اس وقت بھوک لگی ہے۔" کہا "مین کھچڑی کا حکم دیتا ہون اور آدمی کو بھیجتا ہون کہ کچھ مٹھائی لا کے پیش کر دے۔ آپ شوق سے تناول فرمائیں اور گھڑی بھر مین کھچڑی بھی آ جائے گی۔" یہ سُنکر بندگی میان بولے "بہت خوب۔ مگر جو آدمی مٹھائی لینے کو جائے اُسے روپیہ دے کے حکم دیجیے کہ میرے پاس آ لے تاکہ مین اُسے بتا دون کون کون سی چیزین لائے۔" اُن کی خواہش کے مطابق آدمی روپیہ لے کر آیا۔ اُس سے روپیہ لے کے بندگی میان نے اپنی ٹینٹ مین کیا اور اُس سے کہا "جا کے جلدی کھچڑی پکواؤ۔"

تھوڑی دیر مین کھچڑی سامنے لا کے رکھی گئی۔ اور جتنی آئی تھی سب کو میان دانشمند بندگی چٹ کر گئے۔ اُس کے بعد پیٹ پہ ہاتھ پھیر کے کہا "آج بہت کھا گیا۔ اب گھر کیسے جاؤن گا؟ پالکی مین تو ایسے دھچکے پہونچین گے کہ خیریت سے گھر تک پہونچنا دشوار ہو گا۔" خان جہان نے کہا "تو گھوڑے پہ تشریف لے جائیے۔" کہا "میرا گھوڑا ایسا اچھلتا کودتا جاتا ہے کہ اُس سے تو اور بھی پیٹ کا پانی ہل جائے گا۔" فیاض رئیس نے کہا "تو مین آپ کو اپنے اصطبل سے ایسا اچھا گھوڑا دون گا جو نہایت ہی سُبک جاتا ہے۔" کہا "ایسا گھوڑا ہو تو پھر کیا کہنا ہے!" خان جہان نے اپنے ایک گھوڑے کو منگوایا جو قدم جانے مین بے نظیر تھا۔ وہ اصطبل سے

گھوڑا ان کے سامنے کھڑا کر دیا گیا تو اُس کو دیکھ کر حریص مولانا بولے "میں زندگی بھر کبھی گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر نہیں بیٹھا" خان جہان نے مسکرا کر ایک نفیس زین منگوا کے سوار کرا دی اور کہا "اب تو ننگی پیٹھ نہیں ہے؟" مولانا بولے "ہاں اب میں سوار ہوں گا مگر یہ تو ارشاد فرمائیے کہ اس گھوڑے کو اپنے گھر میں بندھوا دوں یا واپس بھیجنا ہو گا؟" جواب ملا "نہیں اس کو آپ اپنے ہی پاس رکھیں" اب بدگی میاں نے کہا "مگر میرے یہاں تو کوئی ایسا آدمی بھی نہیں ہے کہ اس گھوڑے کی داشت کرے" اس پر خان جہان نے حکم دیا کہ اس گھوڑے کے لیے ایک سائیس بھی اُن کی سرکار سے مقرر کر دیا جائے۔ اس کے بعد مولانا نے پوچھا "بھلا یہ کھاتا کیا ہے؟" کہا گیا "دانہ گھاس اور چنے" بولے "تو میں غریب آدمی یہ چیزیں بھلا کہاں سے لاؤں گا؟" خان جہان نے اُس کا راتب بھی اپنے ذمے لے لیا۔

بدگی میاں جو آج تہیہ کر کے آئے تھے کہ خان جہان کی فیاضی کا پورا پورا امتحان لیں گے۔ اب فرمانے لگے "اور یہ زین اور ساز جو دیر میں پرانا ہو جائے گا تو پھر کیا کروں گا؟" کہا گیا "جب پرانا ہو میرے یہاں سے اور منگوا لیجیے گا" اس بارے میں بھی اطمینان بخش جواب پا کر مولانا بولے "مجھے تو اس میں دشواری نظر آتی ہے۔ سائیس بیچارے کی تلاش میں کہاں مارا مارا پھرے گا؟ تم اتنی مہربانی فرمائیں کہ تمام مصارف جو آپ نے اپنے ذمے لیے ہیں ان سب کو مجھی کمبخت کے سر رہنے دیجیے اور مجھے ایک موضع دے دیجیے جس کی آمدنی سے یہ تمام مصارف بھی نکل آئیں اور کھانا بھی اُس میں سے مل جایا کرے" خان جہان نے کمال حوصلہ مندی سے مولانا کی یہ درخواست بھی منظور کر لی۔ بدایوں کے اطراف میں ان کو ایک گاؤں مرحمت ہو گیا اور مولانا گھوڑی کے بدلے ایک اچھے خاصے زمیندار بن کے خان جہان کے قصر سے اُٹھے۔

چلتے چلاتے اُنھوں نے ایک اور فرمائش بھی کر دی کہا "واقعی آپ بڑے فیاض رئیس ہیں۔ میں نے گھڑی بھر میں بیٹھا بیٹھا بہترین گھوڑا پایا۔ اور زمیندار بن گیا۔ مگر یہ کہار جو مجھے اُٹھا کے یہاں تک لائے ہیں دل میں کیا کہتے ہوں گے گالیاں دیں گے کہ اپنا پیٹ بھر لیا۔ اپنی سب مرادیں پوری کر لیں۔ اور ہم جو ایسے

رئیس کے دو لشکرے پر اٹھا کے لے گئے تھے یونہیں فاقے کرتے رہے" خان جہانی کماردن کو بھی انعام دلوا دیا تب مولنا رخصت ہو کے اپنے گھر آئے۔

خان جہان کے دست و بازو دو شخص تھے ایک میاں زین الدین اور دوسرے میاں ظہیر الدین اس فیاض رئیس کا سارا لشکر اور اُس کے علاقے کے تمام مواضع زین الدین کی تصرف مین تھے اور انھیں کے اشارے سے شہنشاہ ہند سلطان سکندر لودی نے اس مضمون کا ایک فرمان صادر کردیا کہ جو حقوق خان جہان لودی کے علاقہ مین میان زین الدین کو حاصل ہین وہ خود شہنشاہ کشور ہند نے خاص اپنی مرضی مبارک سے اور اپنی جانب سے عطا فرمائے ہین۔ نہ اس بنا پر کہ وہ خان جہان کے واسطہ وارد ن مین ہین" اس فرمان کے جاری ہوتے ہی خان جہان کی ساری فوج اور اُن کا کل علاقہ بلا واسطہ میان زین الدین کے قبضے مین تھا۔

یہ میان زین الدین عجیب خصائل و صفات کے بزرگ تھے ان کے عبادات و وظائف اُن کی فیاضی و نیک نفسی اور اُن کی زندگی کے تمام حالات ایسے ہین کہ اُن کو ہر شخص ایک خدارسیدہ ولی اللہ کہنے مین تامل نہ کرے گا۔ اور کیا عجب کہ جن نامور ولی اللہ زین الدین کا نام اعمال و وظائف مین سنا جاتا ہے یہی ستودہ صفات بزرگ ہون۔ لہذا اُن کے حالات کو بھی ہم اسی سلسلہ مین بیان کیے دیتے ہین۔

میان زین الدین کے واقعات دیکھ کر آج کل کے لوگون کو سخت تعجب ہوگا کہ وہ زہد و تقوی آج کل کے اولیاءاللہ مین بھی کم نظر آسکتا ہے جو اُن دنون رئیس سے عالی تبار مین موجود تھا۔

وہ نہایت تڑکے اُٹھتے غسل کرتے۔ اور طلوع آفتاب سے پہلے اپنے بہت سے وظائف سے فارغ ہو جاتے۔ طلوع کے بعد بھی معمول تھا کہ روز بلا ناغہ قرآن مجید کے دس پارے پڑھتے۔ اور اُن کو ادب و تعظیم کے لحاظ سے کھڑے کھڑے پڑھتے بعد ازان سہ پہر کو سات پارے دن کی اُسی طرح کھڑے ہو کے تلاوت کرتے۔

مفروضہ نمازون کے علاوہ اُن کے وظائف یہ تھے وہ تمام وظائف جو حضرت غوث الثقلین کی جانب منسوب ہین ساری حصن حصین جس مین حضور سرورِ عالم کی تمام ماثورہ دعائین جمع ہین اور ایک اچھی ضخامت کی کتاب ہے اس کو بھی اول سے آخر تک روز پڑھہ جاتے - جو نفل رکعتین مختلف اوقات مین مروی ہین وہ بھی اُن سے نہ چھوٹتین - چنانچہ مشہور تھا کہ ہر روز پانچ سو نفل کی رکعتین پڑھتے - اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آدھی رات سے دوپہر کے بجز چند گھڑیون کے جبکہ تہجد کے بعد لیٹ رہتے تھے اُن کا سارا وقت عبادت الٰہی اور وظائف مین صرف ہوتا - اس سارے زمانے مین وہ بات نہین کرتے تھے - اور اگر کوئی ضروری بات کہنا بھی ہوتی تو اشارون سے کہتے زبان نہ ہلاتے -

دسترخوان پر اُن کے ساتھ ہمیشہ علما و فضلا و زہاد و اتقیا شریک ہوا کرتے جبکہ اکثر علمی مسائل چھڑتے اور فقہی امور پر گفتگو ہوا کرتی - کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام لیتے - اور تیسرے پہر کو عموماً دنیوی معاملات کی طرف توجہ کرتے - خانگی امور اور وہ تمام معاملات جن کا تصفیہ بغیر اُن کی منظوری کے نہ ہو سکتا وہ بھی اسی وقت پیش ہوتے یہان تک کہ مغرب کا وقت آجاتا اور نماز مین مصروف ہو جاتے - بعد نماز دوسرے وظائف مین مشغول ہوتے - نوافل پڑھتے جن کا سلسلہ ساڑھے چار گھڑی رات گئے تک جاری رہتا - پھر تھوڑی دیر تک دوستون سے صحبت رہتی - دسترخوان بچھتا اور اُس وقت کی غذا مین دودھ مین اُبالے ہوے چاول اور میوہ جات ہوتے اور کھانے کے بعد سونے کے کمرے مین چلے جاتے -

اُن کے تمام ملازمین اور وابستگان دامن مرد ہون یا عورتین سب سختی سے پابند صوم و صلوٰۃ تھے - کسی کی نماز نہ قضا ہوتی - کسی نئے لونڈی یا غلام کو خریدتے تو پہلا یہ کام ہوتا کہ اس کو کسی اُستاد کے سپرد کر دیتے - تاکہ اُسے نماز روزے اور احکام شرع کی تعلیم دے جب تک ان باتون مین وہ مکمل نہ ہو جاتا زمرۂ ملازمین مین ہرگز شامل نہ ہو سکتا -

شب جمعہ کو اُنھین عبادت و تلاوت کا خاص اہتمام ہوتا اُس دن مغرب کے بعد چاہے کیسی ہی شدید ضرورت ہو کہین نہ جاتے - ایک بار اسی وقت

جمعہ کے دن سلطان کے پاس سے آگے پیچھے تین ہرکارے طلب مین آئے کہ "یاد ہوئی ہے چلیے"، مگر وہ اپنے مشاغل کو چھوڑ کر نہ گئے۔ دربار دن مین اکثر لوگ ایک دوسرے کے دشمن تو ہوتے ہی ہین۔ بعض نے تعریضاً کہا "کہ تین ہرکارے جا چکے ہین۔ مگر میان زین الدین نہین آئے"۔ سلطان نے کہا "اوہو! مجھے خود نہین یاد رہا آج شب جمعہ ہے آج وہ کہین نہین جا سکتے۔ خیر نماز کے بعد یا جب انھین فرصت ہو گی بلا لیے جائین گے"۔

وہ ہر جمعہ و جمعرات کو روزہ رکھتے چاہے کوئی موسم ہو۔ اور کیسی ہی شدید گرمیان ہون اُن کے یہ ہفتے کے دو روزے قضا نہ ہوتے۔ اسی طرح جمعہ کی نماز بھی کبھی ناغہ نہ ہوتی اُن کے پڑاؤ سے دس کوس پر بھی جمعہ ہوتا تو سب کام چھوڑ کے وہان ضرور جاتے۔

باورچی خانہ بھی بہت وسیع تھا۔ عام لوگون کو چاہے ملازم ہون چاہے غیر اور اجنبی اُن کے وہان سے دن مین تین بار کھانا ملا کرتا۔ ماہ مبارک رمضان مین افطار اور سحر کے وقت اس کثرت سے کھیر تیار رہتی کہ جو مانگتا اُسے دی جاتی۔ سحر کے وقت ہر خواستگار کو کھانا بھی مل جاتا۔

میان زین الدین کا ایک یہ معمول بھی تھا کہ سال مین ایک بار اپنے تمام عزیزون کو مرد ہون یا عورت دہلی و آگرہ سے بلواتے اور رخصت کرتے وقت ہر ایک سے دریافت کرتے کہ اُسے کسی چیز کی ضرورت یا خواہش ہے۔ اور جو چیز وہ مانگتا اُس کو مرحمت ہوتی۔ یہ عام طریقہ تھا کہ شادیون مین وہ بڑی فیاضی سے کفالت کرتے۔ اُن کے کسی عزیز دوست ملنے والے کے لڑکے یا لڑکی کی شادی ہوتی تو شادی کے کل مصارف وہ اپنے پاس سے ادا کرتے۔ دولہا کو مہر کی رقم اور دیگر مصارف، دولھن کے لیے جوڑے چھپر کھٹ مع اُس کے لوازم کے اور جہیز کا سامان عطا ہوتا۔ اگر شریف اور اچھی حیثیت والون کی لڑکی ہوتی تو اُس کو اور چیزون کے ساتھ پالکی بھی ملتی۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ سامان کسی باپ کو اپنے لڑکے یا لڑکی کے بیاہنے کے لیے فراہم کرنا ہوتا وہ سب اُن کی فیاضی و [illegible] سرکار سے مل جاتا۔ جن لوگون کو اُن کی سرکار سے تعلق تھا اُن کے وہان کوئی مہمان آجاتا تو اُس کے

یہ بھی حکم تھا کہ انھین کے باورچی خانے سے کھانا جائے۔ اس موقع پر تمام کھانون کا جوڑ یعنی پورا نوالہ جاتا جو اتنی مقدار مین ہوتا کہ وہ خود اور اُن کے ملازمین سیر ہو کر کھا لیں۔

وفات سرورِ حضرت رسولِ خدا صلعم کے زمانے مین بارہ دن تک ہر روز دو ہزار تنکہ کی قیمت کا کھانا تیار ہو کر تقسیم کیا جاتا۔ اس مدت کے اول اور آخر روز میں تمام قسمون کے لذیذ کھانے اچھے بو باس کے پلاو اور سالن مٹھائیان اور حلوے بکثرت پکتے اور تقسیم ہوتے جن پر فی یوم چار ہزار تنکہ کی رقم صرف ہوتی۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اُس زمانے کا تنکہ زمانۂ مابعد کے تنکے کی قیمت سے بہت زیادہ تھا۔

مگر یہ سب عروج و اقبال اُس وقت تک رہا جب تک سلطان سکندر لودی زندہ تھا۔ اُس کی وفات کے ساتھ ہی میان زین الدین کی حکومت و ثروت کا بھی خاتمہ ہو گیا اس لیے کہ اب وہ معزول ہو گئے تھے اور اپنے عروج کے زمانے مین اُنھون نے کوئی ایسی دولت نہیں جمع کر رکھی تھی کہ اُس پر بسر کرتے۔ مگر اُن کی فیاضی۔ اُن کے اخلاق۔ اور اُن کی کریم النفسی نے ایسا اچھا اثر ڈال دیا تھا کہ اس مفلسی کے زمانے مین بھی لوگ چاہے کچھ ملے یا نہ ملے اُن کا دامن چھوڑ کر جانا نہیں پسند کرتے تھے۔ آخر چند روز مین مجبور ہو ہو کے لوگ اُن کی رفاقت چھوڑنے لگے۔ مگر اُن کی عالی حوصلگی اب بھی حیرت انگیز تھی۔

"تاریخ واقعات مشتاقی" کے مصنف شیخ رزق اللہ مشتاقی المتوفی ۹۸۹ھ جنھون نے یہ سب حالات ہمین بتائے ہین کہتے ہین کہ میرے والد شیخ سعد اللہ کو بھی میان زین الدین ہی کی سرکار سے تعلق تھا۔ اور بچپن سے آخر تک انھین کی خدمت مین رہے۔ اُن کی معزولی و تنگدستی کے زمانے مین ایک دن اتفاق سے جانا پڑے تو کیا دیکھتے ہین کہ شیخ زین الدین کے سامنے بہت سے کاغذات رکھے ہین جن کو وہ پھاڑ پھاڑ کے ڈالتے جاتے ہین۔ جب سب چاک کر چکے تو خادم کو بلا کے حکم دیا کہ ایک کونڈے مین پانی بھر کے لاؤ۔ اور ان پھٹے ہوئے کاغذون کو اس طرح دھو ڈالو کہ ان مین جو لکھا ہوا

نہ باقی رہے تو نوکر اُن کو تل تل کے دھونے لگا اور شیخ سعد اللہ نے پوچھا "یہ کون کاغذ ہیں جن کے تلف کرنے میں حضور کو اس قدر اہتمام ہے؟" کہا "اجی اب اِس کا ذکر کیا کروں۔ اپنے عروج کے زمانے میں بہت سے شرفا و امرائے دولت کو میں نے وقتاً فوقتاً روپیہ قرض کے نام سے دیا تھا جس کی مجموعی مقدار دو تین لاکھ تک سے زیادہ ہی ہو گی۔ میں نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ ان کو پھر واپس نہ لوں گا مگر اُن لوگوں نے گھر جا کے دستاویزیں لکھ کے اور مکمل کر کے بھیج دیں یہ وہی دستاویزیں ہیں۔ ان کو دیکھ کر خیال آیا کہ اب آج کل میں تنگدست ہو رہا ہوں اور بسر اوقات بھی مشکل ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس تنگ نفسی میں میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ان دستاویزوں کی بنا پر اُس دو تین لاکھ کی رقم واپس لینے کا ارادہ کروں۔ اور یہ بھی نہ ہو تو اندیشہ ہے کہ میرے بعد میری اولاد اُن کی بنا پر اس رقم کی واپسی کا دعویٰ کرے۔ اُنھیں اندیشوں کے دور کرنے کے لیے میں نے اِن دستاویزوں کو تلف کر دیا تاکہ کبھی میرے یا میری اولاد کے دل میں ایسا ناپاک خیال نہ پیدا ہو۔"

ان کی اس دریا دلی و نیک نفسی نے ایسے ہی خیالات اُن کے دوستوں اور ملازمین کے بھی کر دیے تھے۔ چنانچہ یہی شیخ سعد اللہ جن سے مذکورۂ بالا واقعہ مروی ہے اُن کا حال یہ ہے کہ وہ ایک بڑا وسیع خاندان رکھتے تھے جس کا بار اُنھیں کے سر تھا۔ جب اُن کے آقا میاں زین الدین کی جاہ و ثروت کا خاتمہ ہوا تو اُنھوں نے کمال شریف النفسی سے اپنے آقا کا ساتھ نہ چھوڑا۔ جب بیکاری کو تین سال ہو گئے تو کسی نے اُن سے کہا "اب یہاں کیا رکھا ہے جو آپ خواہ مخواہ پڑے ہوئے ہیں۔ آپ سے بڑے بڑے چلے گئے مگر آپ کسی طرح میاں زین الدین کا دروازہ نہیں چھوڑتے" کہا "یہ خدا کی مہربانی تھی کہ میں یہاں مقرر ہو گیا۔ دنیا کا بے شک یہ قاعدہ ہے کہ جب لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی تو وہ کام بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ مگر مجھ سے ایسی ناشکری نہیں ہو سکتی۔ میری ضرورتیں اور خواہشیں بہت محدود ہیں۔ میں نے ملازمت کے زمانے میں اتنا پیدا کر لیا تھا کہ میری اور میرے آقا میاں زین الدین کی مع دونوں کے خاندانوں کے

تلخی و ترشی سے بسر ہو سکتی ہے۔ میرے احباب جانتے ہین کہ میرے پاس جو کچھ ہے سب انھین کا ہے جب نقد روپیہ نہ رہے گا اپنے مکانون کو بیچون گا اپنی کتابون کو فروخت کر دون گا۔ یہ نہ ہو گا کہ میرے آقا کو تکلیف ہو۔ چنانچہ بغیر کسی تنخواہ کے وہ تین سال تک اپنے آقا کے قدمون سے وابستہ رہے۔ اور اُن کی وفات کے بعد چار سال تک اُن کی اولاد کی رفاقت کی یہان تک کہ پورے پچپن سال اسی خاندان کی خدمت مین رہ کے انتقال فرمایا۔

ایسا ہی شریف النفس اُن کا ایک ملازم ایک مغل تھا جس کا نام مرزا امون تھا وہ کسی اور کی نوکری چھوڑ کے میان زین الدین کا ملازم ہوا تھا۔ جب سلطان سکندر لودی کی وفات کے بعد اُن کا زمانہ ختم ہوا تو اُس نے بھی جوش وفاداری مین اُن کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور اس قدر بے طمع اور صابر و قانع تھا کہ ایسے لوگ مشکل سے مل سکتے ہین۔

ایک دن اُس کا بیٹا ایک رادیان گھوڑی کو پانی پلانے کے لیے دریا لیے جاتا تھا کہ اُس کی ریتی مین کوئی سخت چیز اُن کے نیچے آئی۔ اُٹھا کے دیکھا تو ہمیانی تھی جس مین کچھ اشرفیان تھین۔ اُس نے فوراً ہمیانی لا کے باپ کے سامنے پیش کی۔ مرزا امون نے بیٹے اور ہمیانی دونون کو اپنے آقا کے سامنے پیش کر دیا۔ اور میان زین الدین نے وہ ہمیانی لے کر محکمہ کوتوالی مین بھیج دی کہ یہ رقم جس کی ہو اُس کے پاس پہونچا دی جائے۔

اُن دنون معمول تھا کہ جو شخص کسی گری پڑی چیز کو پاتا فوراً اُس کو پولیس مین لا کے حاضر کر دیتا۔ پولیس والے اُس کو شہر کے پھاٹک مین لٹکا دیتے کہ جس کسی کی ہو ثبوت دے کے لے جائے۔ چنانچہ یہ ہمیانی بھی لٹکا دی گئی۔ اتفاقاً ہنراج نام ایک ہندو پھاٹک مین سے گزرا۔ ہمیانی کو دیکھ کر کہا "یہ میری ہے"۔ پوچھا گیا "اگر تمھاری ہے تو بتاؤ اس مین کے تولے سونا ہے"۔ اُس نے پندرہ تولہ سونا بتایا تولا گیا تو اُتنا ہی سونا نکلا۔ فوراً ہمیانی مع رقم کے اُس کے حوالے کر دی گئی۔ اب اُس نے کہا یہ ہمیانی جس شخص نے پائی ہے مین دو سو تنکہ اُس کو انعام مین دونگا۔ لوگون نے مرزا امون کو خبر کی۔ اُنھون نے لینے سے قطعی انکار کیا

دوستون نے کہا "کیا۔ قت کرتے ہو ایک شخص خوشی خاطر دیتا ہے تو اُس کے لینے مین تمھین کیا عذر ہے؟" کہا "مین اپنے کسی نیک کام کا معاوضہ سوا خدا کے اور کسی سے نہ لونگا"

یہ تو میان زین الدین کے نیک اور اُن کے نقش قدم پر چلنے والے ملازمون کا حال تھا خود اُن کی دینداری کی بہت سی باتین ابھی باقی ہین ہر دوشنبہ کو وہ درود شریف کا ختم کرتے جس مین دو لاکھ بار درود شریف پڑھا جاتا۔ اور اُس کے بعد چار سو تنکہ قیمت کا تشکا حضور سرور عالم کی فاتحہ کے طریق پر تقسیم ہوتا۔ اسی طرح ہر جمعرات کو سورۂ اخلاص کا ختم ہوتا جس مین مذکورہ سورۃ ایک لاکھ بار پڑھی جاتی۔ اور اتنا ہی تشکا اُس روز بھی بٹتا جس کا حضرت غوث الثقلین کو روح پرفتوح کی ایصال ثواب کیا جاتا۔ یہ دونو ختم ہفتہ مین دو بار نہایت پابندی سے ہوتے۔

بہرحال وہ کیا اچھا اور مبارک زمانہ تھا کہ بادشاہ ایسا نیک نفس و پاک طینت تھا اور اُس کے امرائے دربار ایسے لائق دین دار اور فرشتہ خصلت تھے۔

اسی سلسلہ مین مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم میان زین الدین کے بھائی میان ظہیر الدین کے مختصر حالات بھی بیان کر دین۔ وہ بھی بڑے متقی و پرہیزگار اور صاحب علم و فضل بزرگ تھے۔ اُن کا معمول تھا کہ سال مین آٹھ مہینے دلی مین رہتے اور چار مہینے آگرے مین۔ زمانۂ قیام دہلی مین اُن کے معمولات یہ تھے کہ ہر دوشنبہ کو حوض شمسی پر ایک دعوت کیا کرتے جس مین بڑے بڑے فاضل و فاضل علما زہاد و اتقیا صوفی و اہل دل شعرا و ادیب اور قوال مع سازندون کے جمع ہوا کرتے۔ حال و قوالی کی صحبت ہوتی۔ اور دینی و علمی مسائل پر بحثین ہوا کرتین۔ دوسری دعوت ہر چہارشنبہ کو ہوا کرتی۔ یہ جمنا کنارے حضرت سلطان المشائخ کی درگاہ مین ہوا کرتی تھی۔ تیسری دعوت ہر جمعرات کو قدم رسول مین ہوا کرتی جو قصر فیروزآباد کی عمارتون کے سلسلہ مین تھا۔ اور ان تینون دعوتون مین شہر کے تمام اتقیا دا برار شریک ہوا کرتے۔ ہر جمعہ کو

وہ شہر دہلی کی جامع مسجد مین شریک جماعت جمعہ ہوتے تھے۔

گذشتہ مین دعوتون کے علاوہ ایک دعوت وہ مولچہ نامی ایک گاؤن مین کیا کرتے جو دہلی کے باہر ایک پُرفضا میدان اور مقررہ شکارگاہ مین واقع تھا۔ وہان اُنھون نے ایک قصر تعمیر کرایا تھا۔ یہان اس صحبت حال وقال کے علاوہ وہ شکار مین بھی مصروف رہا کرتے اور گاؤن [illegible] ہمیشہ دو روز تک یہ صحبت قائم رہتی۔ وہان خیمے نصب ہو جاتے اور ایک عالیشان بستی کی صورت بن جاتی۔ بعض مرتبہ بیگمین اور حرم بھی یہان آجاتین۔ اور میان ظہیر الدین جوش دینداری کے ساتھ عیش و عشرت کا بھی لطف اُٹھاتے۔ اُنھون نے معمول کر لیا تھا کہ جب فقط ایک دن کے لیے جاتے وہان بجز مردون کے زنانہ نہ جاتا۔ لیکن جہان ایک روز سے زیادہ قیام کرنا ہوتا وہان محل کی خاتونین بھی ہوتین۔

ان دونون رئیسون کے جو حالات بیان کیے گئے ان پر غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے رئیسون کا اب خاتمہ ہو گیا۔ تیرہوین صدی ہجری کے آخر عہد تک بعض رؤسا کے طرز عمل سے یہ شان کسی نہ کسی حد تک نمایان ہو جاتی تھی۔ مگر چودھوین صدی نے ایسے رئیسون کا خاتمہ کر دیا۔ اور قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اب ہندوستان کو ایسے امرا نہ نصیب ہون گے۔

فی الحال دولت اور روپیہ کی قیمت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ اب ہمارے امرا مین سے اکثر ذی ہوش لوگون کے مذاق مین بجاے روپیہ کو اس طرح پھینکنے کے روپیہ جمع کرنا چاہیے۔ اُن دعوتون کے عوض اب گارڈن پارٹیان اور دہلی پارٹیان ہوتی ہین۔ اور روز افزون ترقی کر رہی ہین جن کا کمال خوبی یہ ہو گا کہ چند انگریز آکر شراب پئین اور اُن کے صدقے مین بعض مسلمان رئیس زادون کو بھی چھلکتے ہوئے جام مل جایا کرین۔

یہی وجہ ہے کہ مسٹر ایلیٹ نے اپنی تاریخ مین ان حالات کو نقل کر کے ان بزرگان سلف کو مسرف ہونے اور روپیہ کی قدر نہ کرنے کا الزام دیا ہے۔

ایک اگلا مسلمان سیاح

اب مین بارادۂ بیجانگر کالی کٹ سے روانہ ہوا۔ اور جہاز پر سوار ہو کے چلا کہ سلطنت بیجانگر کی کسی بندرگاہ پہ اترون۔ بندر بندانہ سے گزر کے منگلور پہونچا۔ جو دولت بیجانگر کا بندر تھا۔ وہان جہاز کو چھوڑ کے خشکی پہ اترا اور اندرون ملک مین طے منازل کرنے لگا۔ منگلور سے تین ہی فرسخ گیا تھا کہ ایک عالیشان اور عدیم المثال شوالہ دیکھا جیسی عمارت روے زمین پر مین نے نظر آ لے گی۔

یہ ایک مربع عمارت ہے جس کا ہر پہلو دس گز کا ہے۔ اور پانچ گز بلند یہ ساری عمارت برنجی ہے جو پیتل کو گلا کر بنائی گئی ہے چار زینے چڑھ کر اُس تک پہونچتے ہین جہان ایک قد آدم مورت نظر آتی ہے۔ یہ مورت از سرتا پا سونے کی ہے۔ آنکھون کے مقام پر دو بڑے بڑے یاقوت جڑے ہوے ہین۔ اور ایسی خوبی سے جڑے گئے ہین کہ دیکھو تو معلوم ہوتا ہے مورت تمھاری طرف دیکھ رہی ہے۔ اور نہایت اعلی کاریگری نفاست اور کمال صنعت سے بنائی گئی ہے۔

اس برنجی مندر کو دیکھ کر مین آگے بڑھا۔ ہر منزل پہ کوئی شہر یا گاؤن ملتا جو خوب آباد ہوتا۔ اور مین وہان قیام کر کے سیر کرتا۔ آگے بڑھا تو ایک عظیم الشان پہاڑ نظر آیا۔ اس پہاڑ کے بیان مین مولانا عبدالرزاق نے فارسی انشا پردازی کی شان دکھانے مین بڑا زور قلم دکھایا ہے۔ فرماتے ہین اُس کا دامن آفتاب پہ سایہ افگن ہے اور اُس کی تلوار یعنی چوٹی مریخ کے گلے مین پیوست ہے۔ اُس کی کمر مین کہکشان کا پٹکا بندھا ہے اور سر پہ ایک ازرق برق مندر کا تاج ہے۔ اس کے دامن مین درختون اور خاردار جھاڑیون کا ایسا گھنا جنگل ہے کہ نہ آفتاب عالمتاب کی شعاعین اُس کے اندر داخل ہو سکتی ہین۔ اور نہ ابر باران اپنی رطوبت کو اُس کے اندر پہونچا سکتا ہے۔

اس پہاڑ کی گھاٹیون سے گزر کے مین شہر بدنور مین پہونچا۔ جو ایسا عالیشان شہر ہے کہ اُس کے مکانات قصر و ایوان معلوم ہوتے ہین۔ اور وہان کی عورتین بھی ایسی صاحب حُسن و جمال ہین کہ اُنھین فردوس برین کی حورین کہنا چاہیے

بدنور میں بھی ایک بڑا عظیم الشان مندر ہے جو کئی فرسنگ سے نظر آتا ہے اس کی عظمت و شان کو ہو بہو لفظوں میں دکھا دینا غیر ممکن ہے۔ اور اگر میں سچی حقیقت بیان بھی کر دوں تو مبالغہ سمجھا جائے گا۔ وسط شہر میں ایک کشادہ میدان ہے جو تقریباً دس جریب زمین پر حاوی ہے۔ اس میں ایسا پرفضا باغ لگا ہوا ہے کہ اس کو باغ ارم کہیں تو زیبا ہے۔ اس میں پتوں سے زیادہ پھول ہیں۔ اس باغ کے بیچوں بیچ میں ایک سنگی چبوترہ ہے جو باغ کی زمین سے ایک قد آدم بلند ہے۔ اس میں پتھر ایسی خوبی و نزاکت اور صناعی سے جوڑے گئے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے یک ڈالا ہے [illegible] سمجھیے کہ ایک عظیم الشان سڈول تراشی ہوئی چٹان فضائے نیلگوں سے گر پڑی ہے۔ اس چبوترے کے درمیان میں مندر کی عالیشان عمارت ہے۔ جس کا [illegible] گنبد کھوکھا ہے نیچے سے اوپر تک اس میں مورتوں اور تصویروں کی تین تین قطاریں بنی ہیں۔ یہ مورتیں اور تصویریں پتھر میں کھود دی گئی ہیں۔ اور ایسی خوبی سے بنائی گئی ہیں کہ کسی اعلیٰ ترین چابکدست مصور کی صنعت معلوم ہوتی ہیں۔ اس مرتفع عمارت میں چوٹی سے نیچے تک ہتھیلی برابر جگہ بھی نہیں چھوڑی ہے جو نقش و نگار سے خالی ہو۔ اور اس میں چین و فرنگ کی نقاشی نظر آتی ہو۔ چبوترے سے عمارت کے اندر داخل ہونے میں بھی چار زینے چڑھنا پڑتے ہیں۔ یہ عمارت طول میں ۴۰ گز عرض میں ۳۰ گز ہے اور ۵۰ گز بلند ہے۔ اس کے گرد کی تمام چھوٹی بڑی عمارتوں پر بھی نزاکت و نفاست سے نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔

مندر کے اندر شب و روز دیوتاؤں کی پرستش ہوتی رہتی ہے جس کے سلسلے میں گانا بجانا ہوتا ہے۔ ایک بزم طرب قائم رہتی ہے اور رقصیاں ہوتی رہتی ہیں تقریباً گاؤں کے کل لوگوں کو مندر کی آمدنی سے وظیفے ملتے ہیں۔ اس لیے کہ یہاں دور دور کے لوگ آکر پرستش کرتے اور نذریں چڑھاتے ہیں۔ یہاں کے ہندوؤں کی رائے میں یہ مقام ان کا کعبہ ہے۔

میں یہاں دو تین روز قیام کر کے آگے روانہ ہوا۔ اور ماہ ذی الحجہ کے ختم ہوتے ہوتے بیجانگر میں پہونچ گیا۔ راجہ نے ہمارے استقبال کے لیے سواروں کا ایک رسالہ بھیجا جو ہمیں دھوم دھام سے شہر کے اندر لے گیا۔ اور وہاں ہم ایک

نہایت خوشگوار و موزون اور بلند مقام مین ٹھہرا دیے گئے۔

یہان مجھے ایک نہایت ہی عظیم الشان اور آباد شہر نظر آیا اور ایک ایسے زبردست اور سرباعظمت و جبروت فرمان روا کو دیکھا کہ اُس کی قلمرو بہت وسیع اور بے حد و نہایت ہے۔ گلبرگہ سے اور بنگالے تک پھیلی ہوئی ہے جس کی وسعت ایک ہزار فرسنگ سے زیادہ ہے۔ ملک کا زیادہ تر حصہ مزروعہ اور سرسبز ہے اور تقریباً تین سو ساحلی شہر اس سلطنت کی قلمرو مین شامل ہین۔ یہان کے قوی اور کوہ پیکر ہاتھیون کا شمار ایک ہزار ہے۔ راجہ کا لشکر گیارہ لاکھ بتایا جاتا ہے۔ سارے ہندوستان مین اس سے بڑھ کے کوئی راجہ نہین۔ یہان کے تمام فرمان روایان ہند "راے" ہی کے لقب سے یاد کیے جاتے ہین۔ راجہ کے دربار مین برہمنون کی جو قدر ہے اور کسی گروہ کی نہین۔ کتاب کلیلہ و دمنہ جو فارسی مین نہایت نفیس اخلاقی کتاب ہے اُس مین بھی ایک ایسے ہی برہمن کا ذکر ہے۔ غالباً وہ اسی سرزمین مین لکھی گئی ہے۔

شہر بیجانگر رونق و آبادی مین ایسی پُرشان و شوکت ہے کہ اُس کے مقابل کوئی شہر روے زمین پر نہین ہے نہ ایسا خوبصورت اور شاندار شہر کسی نے دیکھا ہے اور نہ کانون نے سنا ہے۔ اُس کے گرد سات مضبوط فصیلین یا قلعہ بندیان ہین جو یکے بعد دیگرے ملتی ہین اور ساتون ایک دوسرے کے اندر واقع ہوئی ہین۔ سب سے بیرونی فصیل کے گرد ہر طرف پچاس گز کا ایک میدان ہر جانب چھوڑ دیا گیا ہے اس میدان مین بڑی بڑی سلین نزدیک نزدیک اس طرح زمین مین گاڑ کے قدِ آدم اوپر نکال دی گئی ہین کہ یہ میدان حملہ کرنے والے حریف کے لیے ایک رکاوٹون کی بھول بھلیان بن گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ باہر سے آنے والے کو سوار ہو یا پیدل بڑی دشواریون سے بیجانگر تک پہونچنا نصیب ہوتا ہے۔

مولانا عبدالرزاق نے فصیلون اور قلعہ بندیون کے لحاظ سے بیجانگر کو ہرات کے مماثل بتایا ہے۔ مگر کہتے ہین کہ یہ شہر پھیلاؤ اور وسعت مین ہرات سے دس گنا زیادہ ہے۔ اس کے بعد لکھتے ہین کہ بیجانگر کی فصیلین گول اور دائرے کی شکل مین ہین جو پتھر اور چونے سے بنائی گئی ہین۔ جن مین ہمیشہ پہرہ رہتا ہے۔ پہرے والے محصول

...والی کرنے کے لیے آنے والے کے مال واسباب کو بہت غور اور جستجو سے دیکھتے ہیں۔ اس میں ان سے ذرا بھی غفلت نہیں ظاہر ہوتی

جب ہم ان فصیلوں کو طے کر کے شہر کے اندر ... میں پہونچے تو راجہ کے محل ... بازار کے سامنے کے ... ایک بلند سلسلہ ... آمد ... کی ... شاندار اور خوشنما ہیں۔ مگر راجہ کا محل سب سے زیادہ بلند ہے۔ بازاروں کی سڑکیں بہت چوڑی اور لمبی ہیں ... چوڑی کہ ... اگرچہ ... دکانوں کے آگے تخت بچھائے مقررہ حد عمارت سے آگے بڑھا لیے ہیں ... اتنی گنجائش رہتی ہے کہ سڑک کے دونوں ... دکان ... سے گل فروشی کر سکتے ہیں خوشبودار پھول یہاں ہمیشہ تازے اور شاداب ملا کرتے ہیں اور ان کی اس قدر ... اور کثرت سے بکتے ہیں ... معلوم ہوتا ہے ... انسانی زندگی کے لیے لازم ہو گئے ہیں اور انسان بغیر ان کے زندگی نہیں بسر کر سکتا ہے۔

مختلف چیزوں اور طرح طرح کے سامان کے دکاندار ... کرتے ہیں اور سب کی دکانیں برابر ملتی چلی گئی ہیں۔ انہیں کے درمیان جوہریوں کی دکانیں ہیں جو یاقوت۔ موتی۔ ہیرا۔ پنا۔ اور کل جواہرات کو فروخت کرتے ہیں اور اُن کا مال علانیہ بازار میں ڈھیر رہتا ہے۔ اس کی ضرورت نہیں کہ چھپائے رہیں۔

وہ دلکش حصہ شہر جس میں راجہ کا قصر ہے اُس میں بہت سی نہریں اور چشمے جاری ہیں جو پہاڑوں سے کاٹ کے لائے گئے ہیں۔ ... اُن کے دونوں جانب پتھروں کو کاٹ کے اُن پر ایسا نفیس لعاب پیدا کر دیا گیا ہے کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے

ایوان شہریاری کے داہنے پہلو پر دیوان خانہ یعنی وزارت کا دفتر ہے یہ ایک نہایت ہی شاندار عمارت ہے جو ستونوں کی کثرت سے چہل ستون کی سی معلوم ہوتی ہے۔ اُس کے سامنے ایک بلند برآمدہ ہے جو زمین سے قدآدم سے زیادہ بلند ہے۔ اُس کے اوپر چڑھ کے دیکھیے تو ۳۰ گز لمبا اور ۶ گز چوڑا ہے یہیں دفتر کے کاغذات رہتے ہیں۔ اور دفتر کے منشی بیٹھے نظر آتے ہیں۔

یہاں دو طرح کی تحریر کا رواج ہے۔ اول ناریل کے پتوں پر جو

دو گز لمبے اور دو انگل چوڑے ہوتے ہین ان پر ایک فولادی نوکدار سلائی سے حرفون کو کھود دیتے ہین مگر اس تحریر کو زیادہ قیام نہین رہتا۔ دوسرا طریقہ تحریر یہ ہے کہ کپڑے وغیرہ کسی چیز کی سطح کو سیاہ کر دیتے ہین اور اُس پر ایک نرم پتھر کی پنسل سے سفید حرفون بنا دیتے ہین۔ یہ تحریر دیرپا ہے اور اس کی یہان کے لوگون مین زیادہ قدر ہے۔

غرض اسی ستونون والے دیوانخانے کے آخر مین ایک شہ نشین ہے جس پر ایک خواجہ سرا جو دناٹک کہلاتا ہے تنہا بیٹھا ہوتا ہے یہی سلطنت کا وزیر اعظم ہے۔ اُس کے سامنے تہ نشین کے نیچے داہنے بائین دونون جانب گرز بردار صفین باندھے کھڑے رہتے ہین۔ جو شخص فریاد کرنے یا دادخواہی کے لیے آتا ہے گرز بردارون کی صفون سے نکل کے پہلے کوئی معمولی چیز نذرانے کے طور پر پیش کش کرتا ہے۔ پھر زمین پر گر کے زمین بوس ہوتا ہے۔ اُس کے بعد مودب کھڑے ہو کر اپنی درخواست پیش کرتا ہے۔ اور دناٹک تحقیقات کرنے کے بعد مروجہ قوانین کے مطابق فیصلہ صادر کرتا ہے کسی شخص کی مجال نہین کہ اُس کے فیصلے سے سرتابی یا کسی قسم کی مزاحمت کرے۔

دناٹک کو جب راجہ سے ملنا ہوتا ہے تو اس شہ نشین سے اُٹھتے ہی بہت سے لوگ مختلف رنگون کے چتر لیے کے دوڑتے ہین جن مین سے ایک تو اُس کے سر پر سایہ افگن ہوتا ہے باقی جلوس کے طور پر ہمراہ رہتے ہین۔ اُس کے چلتے ہی تُرہیان پھُکنے لگتی ہین بھاٹ بہ آواز بلند قصیدہ خوانی شروع کر دیتے ہین۔ راجہ کے دربار تک اُس کو سات پھاٹک طے کرنا پڑتے ہین۔ ہر پھاٹک پر پہرہ رہتا ہے۔ اور دناٹک کے ہمراہی چترون مین سے ایک ہر پھاٹک پر رک جاتا ہے۔ یہان تک کہ ساتوین پھاٹک پر جتنے چتر باقی رہ گئے ہون اور دیگر جلوس والے سب ٹھہر جاتے ہین۔ اور دناٹک تن تنہا دربار خسروی مین حاضر ہوتا ہے۔ وہان وہ مہمات ملکی کو پیش کرتا اور عرض معروض کرتا ہے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد واپس آجاتا ہے دناٹک کا مکان راجہ کے محل کے پچھواڑے ہے۔

خیال رکھیے کہ اب عنقریب ناول نذرانہ "عزیزہ مصر" وی پی آئے گا اور اُسی کے ساتھ جنوری سنہ ۲۰ء کا پرچہ جو صاحب نہ لینا چاہین بذریعہ تحریر پہلے سے منع فرما دین۔ منیجر دلگداز

تصانیف مولانا محمد عبدالحلیم صاحب

تاریخ و سوانح عمریاں

(۱) جنید بغدادی - حضرت جنید کے حالات [illegible]
(۲) ابوبکر شبلی - حضرت شبلی کے حالات [illegible]
(۳) تاریخ سندھ - عرب کے فتوحات سندھ کی محققانہ تاریخ [illegible]
(۴) عصر قدیم اقوام سلف کی نہایت واضح تاریخ [illegible]
(۵) حروب صلیبیہ انگریزی کے ترجمہ اور عربی سے تحشی [illegible]
(۶) خاتم المرسلین حضرت سرور عالم صلعم کے حالات [illegible]
(۷) عرب قبل از اسلام تاریخ ارض مقدس کی تیسری جلد [illegible]
(۸) خواجہ معین الدین حضرت خواجہ اجمیری کے حالات [illegible]
(۹) سکینہ بنت حسین جناب سکینہ بنت امام حسین [illegible]
(۱۰) افسانہ قیس مجنون عامری کے حالات - [illegible]
(۱۱) حسن بن صباح - بانی فرقہ باطنیہ اسماعیلیہ [illegible]
(۱۲) قرۃ العین ایک مجتہدزادی کے حالات - [illegible]
(۱۳) شیریں ملکہ عجم فرہاد و خسرو کی نامور معشوقہ - [illegible]
(۱۴) ملکہ زنوبیہ - سلف کی ایک عرب شاہزادی ملکہ [illegible]

ناول

(۱۵) جویائے حق حضرت رسول صلعم کی سوانح عمری ناول [illegible] حصہ دوم
(۱۶) بابک خرمی - سلطنت عباسیہ کے زمانے کا ایک تاریخی واقعہ
(۱۷) مفتوح فاتح - ایک نہایت دلچسپ تاریخی ناول
(۱۸) الفانسو ایک عاشقانہ تاریخی ناول
(۱۹) خوفناک محبت - ہندوستانی شریف زادیوں کو جہالت کی اس سے اچھی تصویر نہیں ہوسکتی
(۲۰) حسن کا ڈاکو - حرام پور کے نواب کی سرگذشت
ہر دو حصہ [illegible]
(۲۱) اسرار دربار حرام پور - حرام پور کے نواب کے اور حالات [illegible] حصہ [illegible]

(۲۲) غیب [illegible]
(۲۳) [illegible]
(۲۴) [illegible]
(۲۵) بعث [illegible]
(۲۶) [illegible]
(۲۷) مقدس [illegible]
(۲۸) شوقیہ
(۲۹) قیس و [illegible]
(۳۰) فلورا فلورنڈا اندلس [illegible]
(۳۱) آغا صادق کی شادی [illegible]
(۳۲) فلپانا عہد صحابہ کا ایک [illegible]
(۳۳) فردوس بریں [illegible]
(۳۴) یوسف نجمہ کا [illegible]

متفرقات

(۳۵) الحکم الرفاعیہ سورۂ [illegible]
ایک رسالے [illegible]

[illegible]

متفرق

[illegible]

موسوم [illegible]
(۴۵) دولت ہسپانیہ [illegible]
حصہ اول [illegible]
حصہ [illegible]

ناشر حکیم محمد سراج الحق منیجر دلگداز [illegible]